

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 نَا لِقَابِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 وَقَابِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 ترجمہ: قرآن نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا جائے
 تو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا؟

مَعَالِمُ الْعُرْفَانِ دُرُوسُ الْقُرْآنِ

إفادیت
 حضرت مولانا صفوی عبدالحکیم سواتی

خطیب جامع سب رنور
 بانی مدرسۃ العلوم کوجرانوالہ

مترتب

الحاج لعل دین ایم اے [علوم اسلامیہ]

ناشر
 مکتبہ دُرُوسُ الْقُرْآنِ

فاروق گنج ۰ کوجرانوالہ

روزانہ درس قرآن کریم

تفسیر

① سُورَةُ الْفِرْقَانِ (مکمل)

② سُورَةُ الشُّعَرَاءِ (مکمل)

③ سُورَةُ النَّملِ (مکمل)

④ سُورَةُ الْقَصَصِ (مکمل)

⑤ سُورَةُ الْعنْکَبُوتِ (مکمل)

⑥ سُورَةُ الرُّومِ (مکمل)

جلد ۱۳
إفادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دام مجتہد
خطیب جامع مسجد نور گوہر الزوالہ، پاکستان

بیسواں ایڈیشن

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب	معالم العرفان فی دروس القرآن (سورہ فرقان تا سورہ روم) جلد ۱۴
افادات	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
مرتب	الحاج لعل دین <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> ۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شمالا مارٹاؤن لاہور
تعداد طباعت	پانچ سو (۵۰۰)
سرورق	سید الخطاطین حضرت شاہ نقیس الحسنی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
کتابت	محمد امان اللہ قادری، گوجرانوالہ
ناشر	مکتبہ دروس القرآن فاروق کتب گوجرانوالہ
قیمت	₹ ۳۲۵/- (تین سو پچیس روپے)
طبع بیسواں ایڈیشن دسمبر 2013ء		

ملنے کے پتے

- (۱) کتب خانہ صدیقیہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
- (۲) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق کتب گوجرانوالہ
- (۳) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار اولپنڈی
- (۴) مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور
- (۵) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- (۶) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور
- (۷) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی
- (۸) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور
- (۹) اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی، ایبٹ آباد
- (۱۰) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- (۱۱) مکتبہ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

معالم العرفان فی دروس القرآن جلد ۱۲

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۴۷	بازاروں میں جانا	۲۱	پیش لفظ از الحاج لعل دین
۴۷	معتبر ضمیمہ کا تصویر رسالت	۲۷	سنبھائے گفتنی از محمد فیاض خان سواتی
۴۹	معتبر ضمیمہ کی گمراہی	۳۱	سورۃ الفرقان مکمل
۵۰	درس سوم ۳ (آیت ۱۰ تا ۱۶)	۳۲	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۳)
۵۱	رابط آیات	۳۳	نام اور کوائف
۵۲	نبی کے لیے دینی لوازمات	۳۳	رابط سورۃ
۵۳	حضور علیہ السلام کی انکساری	۳۵	کمال عبدیت
۵۴	وقوع قیامت کی تکذیب	۳۶	نزول قرآن کی غایت
۵۵	دوزخیوں کی چیخ و پکار	۳۶	توجیہ خداوندی
۵۶	متقیوں کے لیے انعامات	۳۸	صفت تخلیق
۵۸	درس چہارم ۴ (آیت ۱۷ تا ۲۰)	۳۸	نفع نقصان کا اختیار
۵۹	رابط آیات	۴۰	درس دوم ۲ (آیت ۱ تا ۹)
۶۱	بور کا معنی	۴۱	رابط آیات
۶۲	مہبودان کا اعلان بجزاری	۴۱	قرآن پاک پر اعتراض
۶۳	بشریتِ رسول	۴۲	اللہ کی طرف سے جواب
۶۵	بازار میں جانا	۴۴	پیغمبر خدا پر اعتراض
۶۶	ایک دوسرے کی نیچے آزمائش کا ذریعہ	۴۶	نبی کی امتیازی حیثیت

۹۷	باطل پر ٹٹے رہنے کی خواہش	۶۷	نظریہ مساوات
۹۸	خواہشاتِ نفسانی بطورِ مجبور	۶۹	درس پنجم ۵ (آیت ۲۱ تا ۲۹)
۱۰۰	چار چیزیں ذریعہ آزمائش	۷۰	رابطہ آیات
۱۰۱	قانون کی پابندی	۷۱	فرشتوں اور خدا سے ملاقات کی خواہشات
۱۰۱	جانوروں سے بذکرہ انسان	۷۲	بوقتِ موت فرشتوں سے ملاقات
۱۰۲	صاحبِ درس کا جانور کے بارے میں فریضہ	۷۲	اعمالِ کفایہ
۱۰۴	درس نہم ۹ (آیت ۴۵ تا ۴۷)	۷۳	نزولِ ملائکہ
۱۰۴	رابطہ آیات	۷۴	سلطنتِ خداوندی
۱۰۵	سایہ بطورِ دلیلِ قدرت	۷۵	اچھی اور بری مجلس
۱۰۶	سائے کے فوائد	۷۶	صحبت کا اثر
۱۰۷	سائے کے نقصانات	۷۸	درس ششم ۶ (آیت ۳ تا ۳۲)
۱۰۸	سائے کی حقیقت	۷۹	رابطہ آیات
۱۱۰	رات، نیند اور دن	۷۹	ترکِ قرآن پر گواہی
۱۱۲	درس دہم ۱۰ (آیت ۴۸ تا ۵۲)	۸۱	حضورِ عبید اللہ کے لیے نسلی
۱۱۳	رابطہ آیات	۸۲	بتدریج نزولِ قرآن پر اعتراض
۱۱۳	بارانِ رحمت کی دعائیں	۸۳	جوابِ دل کی پہنچ
۱۱۳	پاکیزہ پانی کا نزول	۸۴	جوابِ ازالہِ شبہات
۱۱۳	پانی کی افادیت	۸۵	چہروں کے بل بھٹ
۱۱۴	پانی کی فری سپلائی	۸۷	درس ہفتم ۷ (آیت ۳۵ تا ۴۰)
۱۱۷	منذرين کی بعثت	۸۸	رابطہ آیات
۱۱۹	اعدائے دین	۸۹	موسیٰ اور فرعون کا واقعہ
۱۲۰	چھاؤ سلسل	۹۱	قومِ نوح کی ہلاکت
۱۲۱	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۵۲ تا ۵۵)	۹۲	عاد، ثمود اور کنوزی والوں کی تباہی
		۹۳	دیگر اقوام کا حال
		۹۶	درس ششم ۸ (آیت ۴۱ تا ۴۴)
		۹۷	رابطہ آیات

۱۲۵	چال میں طمانینت	۱۲۱	رابط آیات
۱۲۶	(۲) سلام مشارکت	۱۲۲	دو متضاد پائیوں کا ملاپ
۱۲۷	(۳) سجد و قیام	۱۲۳	مشابہت قدرت
۱۲۸	(۴) جہنم سے دور رہنے کی دعا	۱۲۵	پانی پینے کی دعا
۱۲۹	(۵) خرچ میں میانہ روی	۱۲۶	قطرہ آیت سے تخلیق الہی
۱۵۲	درس پانزدہم (آیت ۶۸ تا ۷۲)	۱۲۶	غیر اللہ کی عبادت
۱۵۳	رابط آیات	۱۲۸	درس دوازدہم (آیت ۵۶ تا ۶۰)
۱۵۳	(۶) شرک سے بیزار ی	۱۲۹	رابط آیات
۱۵۳	(۷) قتل نفس سے اجتناب	۱۲۹	انذار و تنبیہ
۱۵۳	(۸) زمانے پر ہیز	۱۳۰	بے لوث تبلیغ
۱۵۵	(۹) توبہ اور انابت	۱۳۱	توکل علی اللہ
۱۵۶	(۱۰) جھوٹ سے پرہیز	۱۳۲	تخلیق ارض و سما
۱۵۸	(۱۱) لغویات سے کنارہ کشی	۱۳۳	استروی علی العرش
۱۵۹	درس شانزدہم (آیت ۷۳ تا ۷۷)	۱۳۳	رحمن کے سلسلے سجدہ
۱۶۰	(۱۲) آیات اللہی میں غور و مشکر	۱۳۷	درس سیردہم (آیت ۶۱ تا ۶۲)
۱۶۰	تعلیم و تعلم	۱۳۷	آسمانی مروج
۱۶۱	(۱۳) ازواج و اولاد کی فیکر	۱۳۸	معروف بارہ برج
۱۶۲	(۱۴) ذاتی اصلاح	۱۳۹	سب سے بارات کی منازل
۱۶۳	عباد الرحمن کے لیے انعامات	۱۴۰	سورج اور چاند کے فوائد
۱۶۵	ابتہال الی اللہ	۱۴۱	شب و روز کی تفسیر کی حکمت
۱۶۷	مسکوة الشعراء مکمل	۱۴۲	درس چہار دہم (آیت ۶۲ تا ۶۷)
۱۶۸	درس اول (آیت ۹)	۱۴۲	رابط آیات
۱۶۹	نام اور کوائف	۱۴۵	عباد الرحمن کی صفات

۲۰۱	موسیٰ کی طرف سے جواب	۱۶۹	مضامین سورۃ
۲۰۱	جادوگروں کا ایمان لانا	۱۷۰	حروف مقطعات
۲۰۲	فرعون کی برہنگی	۱۷۲	کتاب مبین
۲۰۲	ایمان پر استقامت	۱۷۲	نسلی کا مضمون
۲۰۳	درس پنجم ۵ (آیت ۵۲ تا ۵۹)	۱۷۳	آیات الہی سے اعراض
۲۰۶	بنی اسرائیل کا خروج	۱۷۳	معجزات کا مطالبہ
۲۰۷	فرعون کی منصوبہ بندی	۱۷۶	درس دوم ۲ (آیت ۱۰ تا ۲۲)
۲۰۸	فرعون کی طرف سے تعاقب	۱۷۷	فرعون کو دعوتِ توحید
۲۰۹	بنی اسرائیل بحیثیتِ درثائے مصر	۱۷۹	موسیٰ کا عذر
۲۱۲	درس ششم ۶ (آیت ۶۰ تا ۶۸)	۱۸۰	اللہ کی طرف سے ہدایات
۲۱۳	رابطہ آیات	۱۸۱	بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ
۲۱۳	بنی اسرائیل کی خوف زدگی	۱۸۲	فرعون کا احسان جتلانا
۲۱۵	بنی اسرائیل کے لیے خشک راستے	۱۸۲	موسیٰ کا جواب
۲۱۶	فرعونوں کی غرقابی	۱۸۵	درس سوم ۳ (آیت ۲۳ تا ۳۳)
۲۱۸	درس ہفتم ۷ (آیت ۶۹ تا ۷۷)	۱۸۶	رابطہ آیات
۲۱۹	رابطہ آیات	۱۸۷	رب العالمین کی تعریف
۲۲۰	ابراہیم کے ابتدائی حالات	۱۹۰	معجزات کا انکار
۲۲۲	درس توحید	۱۹۲	درس چہارم ۴ (آیت ۳۴ تا ۵۱)
۲۲۳	اندھی تقلید	۱۹۵	فرعون کا درباریوں سے مشورہ
۲۲۴	ابراہیم کا اعلانِ حق	۱۹۶	جادو کے ذریعے مقابلے
۲۲۵	درس ہشتم ۸ (آیت ۷۸ تا ۸۹)	۱۹۸	جادو کا فتنہ
۲۲۶	رابطہ آیات	۱۹۹	انعام و اکرام کا وعدہ
۲۲۶	صفاتِ ربانی تخلیق اور ہدایت	۱۹۹	جادوگروں کا کہرتب

۲۵۵	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۲۳ تا ۱۳۱)	۲۲۷	خورد و نوش کا بندوبست
۲۵۶	رابط آیات	۲۲۷	شفامن جانب اللہ
۲۵۶	قوم عاد کا حال	۲۲۸	موت و حیات
۲۵۷	اسراف کی بیماری	۲۳۰	اچھائی اور برائی کی نسبت
۲۵۸	عبث عمارت	۲۳۱	معافی کی درخواست
۲۶۰	دنیا کی بے ثباتی	۲۳۲	ابراہیمؑ کی دعا
۲۶۱	حضرت ابوالدرداءؓ کا وعظ	۲۳۳	باپ کے لیے دعا
۲۶۲	ظلم کی ممانعت	۲۲۵	مال و اولاد
۲۶۳	درس سوزدہم ۱۲ (آیت ۱۳۲ تا ۱۴۰)	۲۳۶	قلب سلیم
۲۶۳	رابط آیات	۲۳۸	درس نہم ۹ (آیت ۹۰ تا ۱۰۴)
۲۶۵	انعامات الہیہ کا شکر یہ	۲۳۹	رابط آیات
۲۶۵	سولشی اور بیٹے	۲۳۹	متقیوں کے لیے جنت
۲۶۷	باغات اور چشمے	۲۴۰	گنہگاروں کا انجام
۲۶۸	قوم ہود کا جواب	۲۴۲	دنیا میں واپسی کی حسرت
۲۶۹	وعظ بطور مشن انبیاء	۲۴۳	حرفِ آخر
۲۶۹	قوم ہود کا صریح انکار	۲۴۵	درس ہم ۱۰ (آیت ۱۰۵ تا ۱۲۲)
۲۷۰	قوم ہود کی ہلاکت	۲۴۶	رابط آیات
۲۷۲	درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۱۴۱ تا ۱۵۲)	۲۴۷	نوح کا قوم سے خطاب
۲۷۳	قوم ثمود	۲۴۹	قوم کا جواب
۲۷۴	صلاح کا خطاب	۲۵۱	اہل ایمان کی قدر و قیمت
۲۷۵	انعامات کا تذکرہ	۲۵۲	قوم نوح کی طرف سے دہمکی
۲۷۶	پہنچت مکانات	۲۵۲	حضرت نوح کی دعا
۲۷۷	اسراف کی ممانعت	۲۵۳	دعا کی قبولیت

۳۰۰	قومِ شعیب کا تعارف	۲۷۸	خادقہ الارض
۳۰۱	نابِ تول میں استقامت	۲۷۹	درس چہارم ۱۴ (آیت ۱۵۲ تا ۱۵۹)
۳۰۲	ماجروں کی ذمہ داری	۲۸۰	رابط آیات
۳۰۳	خادقہ الارض	۲۸۰	قومِ ثمود کا جواب
۳۰۵	قوم کا جواب	۲۸۱	بشریت اور رسالت
۳۰۶	قوم پر عذاب	۲۸۳	اونٹنی کا معجزہ
۳۰۷	درس ہفتم ۱۷ (آیت ۱۹۲ تا ۲۰۹)	۲۸۳	پانی پینے کی باری
۳۰۸	رابط آیات	۲۸۳	اونٹنی کا قتل
۳۰۹	مکی سورتوں کے مضامین	۲۸۵	قوم پر عذاب
۳۱۰	نزولِ قرآن	۲۸۵	نصیحت کی بات
۳۱۰	نزولِ وحی کی مختلف صورتیں	۲۸۷	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۱۶۰ تا ۱۷۵)
۳۱۲	قلبِ انسانی کی اہمیت	۲۸۸	رابط آیات
۳۱۲	قرآن اور عربی زبان	۲۸۹	لوٹا کی بوشت
۳۱۳	سابقہ کتب کی پیشین گوئیاں	۲۹۰	مختلف اقوام کی بیماریاں
۳۱۴	انکار کئے لیے جیلے بنانے	۲۹۱	ہم جنسی کی بیماری
۳۱۵	انعامِ حجت	۲۹۲	قوم کی دہکی
۳۱۷	درس سہترم ۱۸ (آیت ۲۱۰ تا ۲۴۳)	۲۹۳	دعاءِ لوٹ
۳۱۸	رابط آیات	۲۹۵	قوم کی تباہی
۳۱۹	شیاطین کی دخل اندازی	۲۹۶	درس شانزدهم ۱۶ (آیت ۱۷۶ تا ۱۹۱)
۳۱۹	قرآن کی حیثیت کا اعتراف	۲۹۷	حضرت شعیب
۳۲۰	توحید کی اہمیت	۲۹۸	تسلی کا مضمون
۳۲۲	بنیغ کا آغاز گھر سے	۲۹۹	شعیب کی تقریر
۳۲۲	سرگزشت کی ضرورت	۲۹۹	عقیدے کی درستگی

۳۴۶	دین سے مسموم کا سفر	۳۳۳	اصلاح کے لیے نمونے کی ضرورت
۳۴۷	ببرکت آگ	۳۳۴	حضور کی نرم مزاجی
۳۴۸	عقیدہ حلول کی نفی	۳۳۵	نزول شیاطین
۳۴۹	موسیٰؑ سے خطاب	۳۳۷	درس نمبر دہم ۱۹ (آیت ۲۲۳ تا ۲۲۷)
۳۴۹	انبیاء پر خون کا درود	۳۳۷	رابط آیات
۳۵۰	موسیٰؑ کے معجزات	۳۳۸	شعر و شاعری کی نفی
۳۵۱	فرعون کا انکار	۳۳۸	شعر و شاعری کی حقیقت
۳۵۳	درس سوم ۳ (آیت ۱۵ تا ۱۷)	۳۳۹	مجموعی شاعری کی قباحتیں
۳۵۳	رابط آیات	۳۳۹	اشعار میں یادہ گوئی
۳۵۳	انبیاء کا قطعی علم	۳۳۲	شعرا و حقہ
۳۵۵	علم کی ضرورت اور اہمیت	۳۳۵	سورة التمثیل مکمل
۳۵۶	باپ بیٹے کی طرف سے شکریہ	۳۳۶	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۶)
۳۵۶	انبیاء کی وراثت کا مسئلہ	۳۳۷	نام اور کوائف
۳۵۸	واؤو کی جانشینی	۳۳۷	مضامین سورۃ
۳۶۰	واؤو کی ذفات	۳۳۸	حروف مقطعات
۳۶۰	سلیمانؑ پر فضل مبین	۳۳۹	قرآن پاک کی تمہین
۳۶۲	درس چہارم ۴ (آیت ۱۸ تا ۱۹)	۳۴۰	قرآن بطور تہائیت اور بشارت
۳۶۲	رابط آیات	۳۴۰	علم اور عمل
۳۶۳	منطق الطیر	۳۴۱	نماز اور زکوٰۃ
۳۶۵	سیلمانی لشکر کا راوی ثعلب سے گزیر	۳۴۲	آخرت پر ایمان
۳۶۷	چینوٹیوں کا نظام معاشرت	۳۴۲	منکرین معاوضے لیے عذاب
۳۶۸	چینوٹی کی دعا کی قبولیت	۳۴۳	درس دوم ۲ (آیت ۷ تا ۱۴)
۳۶۹	سلیمان علیہ السلام کی دعا	۳۴۵	رابط آیات

۶۵	معجزہ اور کرامت	۳۷۱
۶۶	اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری	۳۷۲
۶۹	درس ششم ۸ (آیت ۴ تا ۲۴)	۳۷۳
۷۰	رابط آیات	۳۷۵
۲۰۰	ملکہ سبا کا پہلا امتحان	۳۷۶
۲۰۲	ملکہ کا اعتراف حقیقت	۳۷۸
۲۰۳	ملکہ کا دوسرا امتحان	۳۷۹
۲۰۴	ملکہ کا اسلام لے آنا	۳۸۰
۲۰۶	درس نہم ۹ (آیت ۲۵ تا ۵۳)	۳۸۲
۲۰۷	رابط آیات	۳۸۲
۲۰۸	صالح کی نجات	۳۸۳
۲۰۹	صالح کی نصیحت	۳۸۳
۲۱۰	ننگون بد	۳۸۵
۲۱۱	شہر کے نوغذے	۳۸۶
۲۱۲	صالح کی ہلاکت کا منصوبہ	۳۸۶
۲۱۳	تذییر خداوندی	۳۸۷
۲۱۴	تشانِ عبرت	۳۸۹
۲۱۵	درس دہم ۱۰ (آیت ۵۴ تا ۵۸)	۳۹۰
۲۱۶	رابط آیات	۳۹۱
۲۱۶	قوم لوط کی خرابیاں	۳۹۲
۲۱۷	لوط کا وعظ	۳۹۳
۲۱۸	لوط کی قباحتیں	۳۹۴
۲۱۸	قوم کا جواب	۳۹۵

درس پنجم ۵ (آیت ۲۰ تا ۲۱)	۳۷۱
رابط آیات	۳۷۲
پہڑ کی غیر حاضری	۳۷۳
ملکہ سبا کے متعلق خبر	۳۷۵
سورج پرست قوم	۳۷۶
پہڑ کی توحید پرستی	۳۷۸
خط بنام ملکہ سبا	۳۷۹
خط کا مضمون	۳۸۰
درس ششم ۶ (آیت ۲۲ تا ۲۵)	۳۸۲
رابط آیات	۳۸۲
ملکہ سبا کی مشورہ طلبی	۳۸۳
ڈکٹیٹر شرب اور مغربی جمہوریت	۳۸۳
اسلامی شورائی نظام	۳۸۵
درباریوں کا مشورہ	۳۸۶
ملکہ کی دانشمندی	۳۸۶
ملکہ کی طرف سے تحائف	۳۸۷
درس ہفتم ۷ (آیت ۳۶ تا ۴۰)	۳۸۹
رابط آیات	۳۹۰
قافلہ سبا کی آمد اور واپسی	۳۹۱
تخت بلقیس کا حصول	۳۹۲
سرکش جن کی پیشکش	۳۹۳
عالم کتاب انسان کی پیشکش	۳۹۴
اسمِ اعظم کی برکات	۳۹۵

۴۲۲	نبی اور علمِ غیب	۴۱۹	لوٹ کے اہل خانہ کی نجات
۴۲۳	علمِ غیب خاصہ خداوندی ہے	۴۲۰	قومِ لوٹ پر عذاب
۴۲۴	غیب کیا ہے؟	۴۲۲	درس پانزدہم ۱۱ (آیت ۵۹ تا ۶۱)
۴۲۵	وقوعِ قیامت کا وقت	۴۲۳	رابط آیات
۴۲۶	دل کے اندھے	۴۲۳	اللہ کی حمد و ثنا
۴۲۸	درس چہارم ۱۴ (آیت ۶۷ تا ۷۰)	۴۲۳	انبیاء پر درود و سلام
۴۲۹	رابط آیات	۴۲۴	اللہ تعالیٰ اور شرکار
۴۲۹	بعثت بعد الموت کا انکار	۴۲۵	دلائل توحید (۱) تخلیقِ ارض و سما
۴۵۲	مجرمین کا انجام	۴۲۶	(۲) بارش کا نزول
۴۵۲	حضور علیہ السلام کے لیے تسلی	۴۲۷	(۳) زمین بطور قرار گاہ
۴۵۳	قیامت کا انتظار	۴۲۸	(۴) دریا اور پہاڑ
۴۵۵	لوحِ محفوظ	۴۳۰	درس سوازدہم ۱۲ (آیت ۶۲ تا ۶۴)
۴۵۶	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۷۶ تا ۸۲)	۴۳۱	رابط آیات
۴۵۷	رابط آیات	۴۳۱	مجاہد و بکس کی دعا
۴۵۷	قرآن کریم کی سخی گوئی	۴۳۲	اندرونی عجیب واقعہ
۴۵۹	تسلی کا مضمون	۴۳۳	حضور کے ناصحانہ فرمودات
۴۵۹	سماح موٹی (۱) حضور نبی کریم	۴۳۵	ایک سنونہ دعا
۴۶۰	عام فوت شدگان	۴۳۶	بعض انعامات الہیہ
۴۶۲	استغاثت عن الموتی	۴۳۷	تخلیقِ انانی اور اس کا اعادہ
۴۶۳	قربِ قیامت میں دابۃ الارض	۴۳۸	روزی رسائی
۴۶۵	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۸۳ تا ۸۸)	۴۳۹	درس سیرہم ۱۳ (آیت ۶۵ تا ۶۶)
۴۶۶	رابط آیات	۴۳۹	رابط آیات
۴۶۶	میدانِ حشر میں گمراہ بندی	۴۴۰	علمِ محیط خاصہ خداوندی ہے۔

۴۸۷	گمنور طبقے پر احسان	۴۲۸	مکذبین سے خطاب
۴۸۸	استحکام کے لیے تشہیر کی ضرورت	۴۲۸	شب و روز بطور دلیل
۴۸۹	فرعون اور ماہان کی سرزنش	۴۷۰	نظیح صورت
۴۹۱	درس دوم ۲ (آیت ۱۰ تا ۱۷)	۴۷۰	گجھڑا سٹ بجاکا عالم
۴۹۲	ربط آیات	۴۷۱	نظام کائنات کی تبدیلی
۴۹۳	موسیٰ کی ابتدائی زندگی	۴۷۳	درس سہم ۱۷ (آیت ۸۹ تا ۹۳)
۴۹۳	ام موسیٰ کی طرف وحی پر اشکال	۴۷۳	ربط آیات
۴۹۵	موسیٰ کی دریا بردگی	۴۷۳	نیکی کا بدلہ
۴۹۷	موسیٰ فرعون کے محل میں	۴۷۵	بہتر بدلہ
۴۹۷	ام موسیٰ کی بے قراری	۴۷۶	دہشت سے ایمان
۴۹۹	درس سوم ۳ (آیت ۱۱ تا ۱۳)	۴۷۶	برائی کا بدلہ
۴۹۹	ربط آیات	۴۷۷	رب کعبہ کی عبادت
۵۰۰	موسیٰ کے لیے سرخ رسانی	۴۷۸	شکر مکہ کی عظمت
۵۰۱	موسیٰ کی رضا عت	۴۷۸	تلاوت قرآن کا حکم
۵۰۲	موسیٰ کی ماں کے پاس مراجعت	۴۷۹	ہدایت اور گمراہی
۵۰۳	تدخیر خداوندی	۴۸۰	اللہ کی حمد و ثنا
۵۰۵	درس چہارم ۴ (آیت ۱۴ تا ۱۷)	۴۸۱	سورۃ القصص مکمل
۵۰۶	ربط آیات	۴۸۲	درس اول (آیت ۱ تا ۶)
۵۰۷	بچپن سے جوانی تک	۴۸۳	نام اور کوائف
۵۰۸	موسیٰ کے ہاتھوں قتل	۴۸۳	مضامین سورۃ
۵۰۹	شیطانی عمل	۴۸۵	حروف منقطعہ
۵۱۰	غرض کی معانی	۴۸۵	ترسیح البیان
۵۱۱	مجموں کی پشت پناہی	۴۸۷	فرعون کے مظالم
			طبقاتی کشمکش

۵۳۹	تکبیلِ سعادرہ	۵۱۴	درس پنجم ۵ (آیت ۱۸ تا ۲۱)
۵۴۰	درس ششم ۸ (آیت ۲۹ تا ۳۵)	۵۱۵	ربط آیات
۵۴۲	ربط آیات	۵۱۵	لڑائی کا دوسرا واقعہ
۵۴۲	موسیٰؑ کی مراجعت الی المصبر	۵۱۷	فرعون کے پاس منجری
۵۴۳	میاں بیوی کی یک جا رہائش	۵۱۸	موسیٰؑ کا خروج
۵۴۳	کوہ طور کے دامن میں	۵۲۰	درس ششم ۶ (آیت ۲۲ تا ۲۵)
۵۴۳	مقدس وادی میں خدا کی آواز	۵۲۱	ربط آیات
۵۴۵	دو معجزات	۵۲۱	مدین کا سفر
۵۴۶	فرعون کے پاس جانے کا حکم	۵۲۳	شعبت کی بحریوں کی سیرانی
۵۴۶	موسیٰؑ کا عذر	۵۲۳	مردوزن کے لیے دائرہ ہائے کار
۵۴۷	ہارونؑ کی شکرگت	۵۲۵	موسیٰؑ کا آرام کرنا
۵۴۸	تسلی کا مضمون	۵۲۷	شرم و حیا کی پیچیدگی
۵۴۸	فرعون سے حفاظت کی ضمانت	۵۲۸	شعبت کی طرف سے دعوت
۵۵۰	درس پنجم ۹ (آیت ۳۶ تا ۴۲)	۵۳۱	درس ہفتم ۷ (آیت ۲۶ تا ۲۸)
۵۵۱	ربط آیات	۵۳۲	ربط آیات
۵۵۲	موسیٰ علیہ السلام فرعونؑی دربار میں	۵۳۲	لازمت کے لیے سفارش
۵۵۳	موسیٰؑ کی حق گوئی	۵۳۲	شرائطِ لازمت
۵۵۳	اوپر نیچے مینار کی تعمیر	۵۳۳	صحت بطور بنیادی حق
۵۵۴	فرعونیوں کا تکبر	۵۳۵	تین صاحب فرست ہستیاں
۵۵۵	انجام کار	۵۳۵	شعبت کے حالات
۵۵۶	قیامت والے دن مالوسی	۵۳۶	اسبابِ ظاہرہ سے استفادہ
۵۵۸	درس دہم ۱۰ (آیت ۴۳ تا ۴۶)	۵۳۷	نکاح کی پیش کش
۵۵۹	ربط آیات	۵۳۸	حق خدمت بطور حق مہر

۵۷۹	مشرک کے لیے دعنا	۵۵۹	تورات کا نزول
۵۸۱	درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۵۷-۶۰)	۵۶۰	تورات کی خصوصیات (۱) بصیرت
۵۸۲	رابط آیات	۵۶۱	(۲) ہدایت
۵۸۲	مشرکین مکہ کا عذر رنگ	۵۶۱	(۳) رحمت
۵۸۳	حرم میں شہر آوری	۵۶۲	ختم المرسلین کا تذکرہ
۵۸۵	نوشحال اقوام کی ہلاکت	۵۶۲	مشہد حاضر و ناظر اور علم غیب
۵۸۶	ہلاکت کے لیے انعامِ حجت	۵۶۳	قومی اور بین الاقوامی نبی
۵۸۷	دنیاوی منافع کی حیثیت	۵۶۶	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۴۷-۵۰)
۵۸۸	مومن اور منافق کی مثال	۵۶۷	رابط آیات
۵۸۸	خیر و بقا عند اللہ ہے	۵۶۷	عذر گناہ
۵۹۰	درس چہارم ۱۴ (آیت ۶۱ تا ۷۰)	۵۶۸	بذرترازا گناہ
۵۹۲	رابط آیات	۵۷۰	بہتر کتاب لانے کا چیلنج
۵۹۲	نیک و بد کا تعاب	۵۷۰	خوارشات کا اتباع
۵۹۳	معبودانِ باطل کا اعلانِ بیزاری	۵۷۱	ظالموں کی محرومی
۵۹۳	رسالت کے متعلق سوال	۵۷۲	درس وازدہم ۱۲ (آیت ۵۱ تا ۵۶)
۵۹۴	کامیابی کا زینہ	۵۷۳	رابط آیات
۵۹۵	اعتیار خداوندی	۷۷۳	ہدایت کا تسلسل
۵۹۶	صحابہ کرام کے مناقب	۵۷۴	اہل کتاب کا قبولِ ایمان
۵۹۶	رافضیوں کی گمراہی	۵۷۶	دوسرے اجر کے مستحقین
۵۹۸	خدا تعالیٰ کی کبریائی	۵۷۷	برائی کے بدلے نیکی
۶۰۰	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۷۱ تا ۷۵)	۵۷۷	اتفاق فی سبیل اللہ
۶۰۱	رابط آیات	۵۷۸	لغویات سے اعراض
۶۰۱	بیل و زہار کا نظام	۵۷۸	ہدایت بدست خدا

۶۲۵	مالعات جنت	۶۰۳	نبی و روز میں تقسیم کار
۶۲۵	غرور و تکبر	۶۰۵	شرک کے حضور گواہی
۶۲۶	فادق الارض	۶۰۵	حق و باطل کا امتیاز
۶۲۷	حسد	۶۰۷	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۷ تا ۷۸)
۶۲۷	نیچی اور برائی کا بدلہ	۶۰۸	رابط آیات
۶۲۸	والپس لوٹانے کا وعدہ	۶۰۸	قارون کا تعارف
۶۳۱	درس نوزدہم ۱۹ (آیت ۸۶ تا ۸۸)	۶۰۹	قارون کا غرور اور حسد
۶۳۱	رابط آیات	۶۱۰	قارون کی دوستمندی
۶۳۲	نبوت عظیمہ خداوندی ہے	۶۱۱	آخرت کا گھر
۶۳۳	کفار سے عدم تعاون	۶۱۲	فادق الارض
۶۳۳	بہادرت سے پرہیز	۶۱۲	علم و ہنر پر اعتماد
۶۳۵	دعوت الی اللہ	۶۱۳	طاقتور اقوام کی ہلاکت
۶۳۶	ہر چیز فانی ہے	۶۱۵	درس ہفدہم ۱۷ (آیت ۷۹ تا ۸۲)
۶۳۸	امام ابن جریر کی توجیہ	۶۱۶	رابط آیات
۶۴۱	سورة العنكبوت مکمل	۶۱۷	موسیٰ کی بعثت
۶۴۲	درس لالہ ۱ (آیت ۱ تا ۷)	۶۱۷	قارون اور ابولہب میں مماثلت
۶۴۳	نام اور کوائف	۶۱۸	قارون پر رشک
۶۴۳	مضامین سورة	۶۱۹	اہل علم کا نظریہ
۶۴۵	حروف مقطعات	۶۲۰	قارون کی سازش
۶۴۶	انسانوں کی لازمی نمائش	۶۲۲	قارون کی ہلاکت
۶۴۷	برائی پر لازمی گرفت	۶۲۲	رشک حکم نبیوں کی اعتراف حقیقت
۶۴۷	شرک کے حضور پیشی	۶۲۳	درس ہشودہم ۱۸ (آیت ۸۳ تا ۸۵)
۶۴۸	مجاہدہ کی اہمیت	۶۲۳	رابط آیات

۶۷۵	نشاناتِ قدرت	۶۴۹	ایمان اور اعمالِ صالحہ کا بدلہ
۶۷۶	شُرک کی مذمت	۶۵۰	درس سوم ۲ (آیت ۸ تا ۱۳)
۶۷۸	لوط کا ایمان لانا	۶۵۲	رابط آیات
۶۷۸	ابراہیم کی ہجرت اور اولاد	۶۵۲	والدین سے حسن سلوک
۶۸۰	قوم لوط کے قبائح	۶۵۳	شُرک باللہ کی جانفت
۶۸۱	عذاب کا مطالبہ	۶۵۳	شانِ نزول
۶۸۳	درس پنجم ۵ (آیت ۳۱ تا ۴۰)	۶۵۵	صالحین کی رفاقت
۶۸۶	رابط آیات	۶۵۶	ماحول کی درستگی
۶۸۶	ابراہیمؑ کے لیے نوحہ بخبری	۶۵۶	منافقین کا کردار
۶۸۸	لوطؑ کی پریشانی	۶۵۸	گناہوں کا بوجھ
۶۸۹	فرشتوں کی طرف سے تسلی	۶۶۱	درس سوم ۳ (آیت ۱۴ تا ۲۳)
۶۸۹	قوم کی ہلاکت	۶۶۲	عمر اور جلیخ نوح علیہ السلام
۶۹۰	قوم شعبؑ کی ہلاکت	۶۶۵	زندگی کی ناپائیداری
۶۹۱	قوم عاد و ثمود	۶۶۶	صبر نوح علیہ السلام
۶۹۲	قارون، فرعون اور ہامان کا انجام	۶۶۶	قوم کی ہلاکت
۶۹۵	درس ششم ۶ (آیت ۴۱ تا ۴۴)	۶۶۷	ابراہیم علیہ السلام کا درسِ توحید
۶۹۶	رابط آیات	۶۶۸	روزی کی تلاش
۶۹۶	شُرک کی مثال کھڑکی کے جالے سے	۶۷۰	بچت بعد الموت
۶۹۸	انسان کی بنیادی ضروریات	۶۷۱	اللہ کی رحمت سے مایوسی
۶۹۸	انسان کی بے بسی	۶۷۱	انسان کی بے بسی
۷۰۰	مثال کی اہمیت	۶۷۲	درس چہارم ۴ (آیت ۲۴ تا ۳۰)
۷۰۰	تخلیقِ ارض و سما	۶۷۳	رابط آیات
۷۰۲	درس ہفتم ۷ (آیت ۴۵)	۶۷۵	ابراہیمؑ کو زہرہ جلانے کی کوشش

۷۲۸	صبر و توکل	۷۰۲	تلاوت قرآن پاک
۷۲۹	درس دہم ۱۰ (آیت ۶۰ تا ۶۳)	۷۰۳	نماز برائوں سے روکتی ہے
۷۳۰	رابط آیات	۷۰۴	شرائط نماز
۷۳۱	روزی رسانی کی ذمہ داری	۷۰۶	نماز کا اقصائے طبعی
۷۳۲	ذخیرہ اندوزی کا مسئلہ	۷۰۷	ذکر الہی کی برکات
۷۳۳	توکل علی اللہ	۷۱۰	درس ہفتم ۸ (آیت ۴۶ تا ۵۱)
۷۳۴	خاندانی منصوبہ بندی	۷۱۲	رابط آیات
۷۳۵	تقسیم رزق کی حکمت	۷۱۲	اہل کتاب کے ساتھ مجاہدہ
۷۳۶	درس توحید	۷۱۵	منصف مزاج اہل کتاب
۷۳۸	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۶۴ تا ۶۶)	۷۱۶	منصف مزاج مشرکین
۷۳۸	رابط آیات	۷۱۷	حضور علیہ السلام کی صداقت کی دلیل
۷۳۹	دنیا ایک کھیل تماشا	۷۱۷	قرآن پاک کی حفاظت
۷۳۹	دنیا کی بے ثباتی	۷۱۹	معجزات کا مطالبہ
۷۴۱	آخرت کا گھر	۷۱۹	قرآن بطور رحمت و نصیحت
۷۴۲	تزی اور خشکی میں مشرک کا نظریہ	۷۲۱	درس نہم ۹ (آیت ۵۲ تا ۵۹)
۷۴۳	انجام کار	۷۲۳	رابط آیات
۷۴۵	درس دوازدہم ۱۳ (آیت ۶۷ تا ۶۹)	۷۲۳	رسالت پر شہادت خداوندی
۷۴۶	رابط آیات	۷۲۳	عذاب کا مطالبہ
۷۴۶	قریش مکہ پر احسان	۷۲۵	کفار کی جہنم رسیدگی
۷۴۸	سب سے بڑا ظالم	۷۲۶	ہجرت کا حکم
۷۴۸	مجاہدے کی مختلف صورتیں	۷۲۶	ہجرت کی فرضیت
۷۵۱	چار اعدائے دین	۷۲۷	سوت کا پروانہ
۷۵۱	بیکو کاروں کے لیے محبت الہی	۷۲۷	اہل ایمان کے لیے انعامات

۴۴۵	۴۵۳	سورۃ التّوہ مکمل
۴۴۶	۴۵۳	درس اول (آیت ۱ تا ۷)
۴۴۶	۴۵۵	نام اور کوائف
۴۴۷	۴۵۶	دو عظیم حکومتیں
۴۴۷	۴۵۷	سلطنت روم سے متعلق پیشین گوئی
۴۴۸	۴۵۷	پیشین گوئی پر شرط
۴۸۰	۴۵۸	پیشین گوئی کی تکمیل
۴۸۱	۴۵۹	مضامین سورۃ
۴۸۱	۴۵۹	حروف مقطعات
۴۸۳	۴۶۲	فیک معاش اور فیک معاد
۴۸۴	۴۶۳	درس دوم ۲ (آیت ۸ تا ۱۰)
۴۸۴	۴۶۴	رابط آیات
۴۸۵	۴۶۵	قمار بازی کا مسئلہ
۴۸۶	۴۶۶	وقوع قیامت
۴۸۷	۴۶۷	جزائے عمل
۴۸۸	۴۶۸	پہلی قوموں کا انجام
۴۹۰	۴۷۰	زمین کی آباد کاری
۴۹۱	۴۷۰	جزائے عمل
۴۹۲	۴۷۲	درس سوم ۳ (آیت ۱۱ تا ۱۹)
۴۹۳	۴۷۳	رابط آیات
۴۹۵	۴۷۴	وقوع قیامت کی عقلی دلیل
۴۹۶	۴۷۴	مجرموں کی مایوسی
		نیک اور بد گروہ
		نیچر کاروں کے لیے انعام
		کفار کی بد بختی
		خدا تعالیٰ کی تبلیح کے اوقات
		اوقات صلوات خمسہ
		بعثت بعد الموت
		درس چہارم ۴ (آیت ۲۰ تا ۲۳)
		رابط آیات
		انسان کی پیدائش
		انسان کا جوڑا
		غور و فکر کی دعوت
		ارض و سما کی تخلیق
		زبان کا اختلاف
		رنگوں کا اختلاف
		نہیند ذریعہ آرام
		رزق حلال کی تلاش
		درس پنجم ۵ (آیت ۲۴ تا ۲۷)
		قدرتی بجلی بطور نشانی
		مصنوعی بجلی
		واٹر ٹریس یا لاسکی
		بارش کا نزول
		نظام کائنات
		اللہ تعالیٰ کی کبریائی

۸۲۳	درس نهم ۹ (آیت ۴۱ تا ۴۵)	۷۹۷	ابتدائی تخلیق اور اعادہ
۸۲۳	رابط آیات	۸۰۰	درس ششم ۶ (آیت ۲۸ تا ۳۲)
۸۲۳	بحر و بریں فساد کا طور	۸۰۲	شرک کی مثال
۸۲۵	برعلیٰ مبنیٰ فاد ہے	۸۰۳	غلامی کا رواج
۸۲۷	نیک و بد کی موت	۸۰۳	خواہشات کا اتباع
۸۲۸	مصائب کی درجات	۸۰۴	دین کی طرف توجہ
۸۲۹	درس عبرت	۸۰۵	فطرت کا مفہوم
۸۳۰	دین پرستی	۸۰۶	پہن نجات دہندہ اشیاء
۸۳۲	درس دہم ۱۰ (آیت ۴۶ تا ۴۹)	۸۰۶	شاہ ولی اللہ کی تشریح
۸۳۳	رابط آیات	۸۰۸	فرقہ بندی
۸۳۳	بارش کی ہوائیں	۸۰۹	درس ہفتم ۷ (آیت ۳۳ تا ۳۷)
۸۳۵	تلاشِ رزق	۸۱۰	رابط آیات
۸۳۶	اللہ کا شکر	۸۱۱	توحید کی دلیل
۸۳۶	مجرمین سے انتقام	۸۱۲	شرک کی دلیل
۸۳۷	نصرت الہی	۸۱۳	خوشی اور یلوسی
۸۳۸	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۵۰ تا ۵۳)	۸۱۵	درس ہشتم ۸ (آیت ۳۸ تا ۴۰)
۸۳۸	رابط آیات	۸۱۶	رابط آیات
۸۳۲	مردہ سے زندہ	۸۱۷	قرابتدار کا حق
۸۳۳	شکر گزاری اور ناشکری	۸۱۸	نادار اور مسافر کا حق
۸۳۳	کفار کی سماعت سے محرومی	۸۱۹	سود کی ممانعت
۸۳۵	سماع موتی پر اختلاف	۸۲۰	زکوٰۃ میں برکت
۸۳۶	قسم کا مدعا عرف پر	۸۲۱	تخلیق روزی اموت اور زندگی
۸۳۶	انبیاء کا سماع	۸۲۲	درس توحید

۸۵۸	درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۲۰-۲۵۸)	۸۴۸	عام مردوں کا سلام
۸۵۸	رابط آیات	۸۴۹	غدا پتھر قبر
۸۵۹	امثال القرآن	۸۴۹	حرفِ آخر
۸۶۰	سر سبز قلوب	۸۵۱	درس دوازدہم ۱۲ (آیت ۵۴-۵۷)
۸۶۲	جبلِ مرکب	۸۵۲	رابط آیات
۸۶۲	صبر کی تکلیف	۸۵۳	ملتِ اسلامیہ کے ادوار
۸۶۳	گمنام اور وضو کا اثر اہم پر	۸۵۵	دنیا اور برزخ کی زندگی
		۸۵۷	ظالموں کی بے بسی

فیضیہ حج ادا کرنے والے خواتین و حضرات کے لئے انمول تحفہ

احکام حج

زیارات مکتہ المکرمہ و مدینۃ المنورہ

قیمت
۲۰ روپے

صفحات
۱۲۸

تالیف
مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

ملنے کا پتہ

مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الرَّحْمٰنِ ○ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○

نزولِ قرآن کے بعد اس کی تشریح و توضیح کا کام اہل اللہ ہر زمانے میں کرتے چلے آئے ہیں اور ہر سچی کندہ لے اس بحرِ قطار سے نئے نئے موتی تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم قرآن پاک کا علم و فہم بھی خداوندِ قدوس کی اعانت سے ہی ممکن ہے کیونکہ انسان کو قرآن کا علم و بیان سکھانے والی ذات بھی وہ خود ہی ہے۔

گذشتہ جلد ۱۳ پانچ سورتوں اور تقریباً اڑھائی پاروں پر مشتمل تھی۔ زیرِ نظر چودھویں جلد میں اگلی چھ سورتیں فرقان، شعراء، نمل، قصص، عبقرت اور روم آگئی ہیں۔ جبکہ کل ضخامت بھی تقریباً اڑھائی پارے ہی بنتی ہے۔ یہ تمام سورتیں مکی زندگی کے درمیانی یا آخری حصے میں نازل ہوئیں، جن کے مضامین کی ایک مختصر جھلک قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

(۱) سورۃ الفرقان

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ کے مرکزی مضامین بھی توحید، رسالت، معاد اور قرآن کی حیثیت ہیں، تاہم اس سورۃ مبارکہ میں عقائد اور اخلاق کی درست سچی پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اس سورۃ میں سید رسالت و بشریت کی خاص طور پر وضاحت کی گئی ہے۔ کفار کو اعتراض تھا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہماری طرح چلتے پھرتے اور کھلتے پیتے ہیں، بھلا یہ رسول کیسے ہو سکتے ہیں، ان کے پاس تو مال و دولت اور باغات ہونے چاہئیں تھے اور ان کے ساتھ فرشتے اترنے چاہئیں تھے جو ان کی رسالت کی تصدیق کرتے۔ اللہ نے یہاں واضح کر دیا ہے کہ اللہ کے تمام رسول انسان ہی ہوئے ہیں اور پیغمبرِ نبوت و رسالت کے ہرگز منافی نہیں ہے۔

کفار کو دوسرا اعتراض یہ تھا کہ پہلی آسمانی کتب کی طرح قرآن حکیم بیکارگی کیوں نہیں اترا، تو اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا جواب بھی دے دیا ہے۔

اس سورۃ میں دلائل قدرت و توحید کے طور پر سایہ، چاند، سورج اور بہجوں کا ذکر آیا ہے۔ دو مختلف نوعیت کے پانیوں کی ایک جابجائی کا تذکرہ ہے اور ساتھ ساتھ سابقہ اقوام نوح، عاد اور ثمود کی ہلاکت کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے تاکہ عبرت حاصل ہو۔ معبودان باطلہ کی پرزور تنبیہ اور ان کی بے بسی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ سورۃ کے آخر میں عباد الرحمن کے چودہ اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان کی روشنی میں اپنی اصلاح کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

سورۃ الشعراء

اس سورۃ مبارکہ کے آخر میں شعراء کا ذکر ہے، اس لیے اس کا نام سورۃ الشعراء ہے۔ تاجم امام، لکھتے ہیں کہ سورۃ اجماع بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ سورۃ نصیحت کی بہت سی باتوں کو جمع کرنے والی ہے۔

اس سورۃ کا مرکزی مضمون تسلی کا مضمون ہے۔ حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ، ہارون، ہود، صالح، شعیب علیہم السلام کے واقعات، اور ان کی اقوام کی تباہی کا حال بیان کر کے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ دل برداشتہ نہ ہوں کیونکہ اللہ کے راستے میں مشکلات کا آنا کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ ہلاکت و تباہی ہمیشہ نافرمان اقوام کے حصے میں ہی آئی ہے اور اہل اللہ ہمیشہ مسخر و مہر ہوئے، اس ضمن میں سابقہ اقوام کے حالات، انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تبلیغ، توحید کی دعوت اور معاد کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس سورۃ مبارکہ میں نزول قرآن کے طریقہ کار کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ کہ اے رب العزت نے جبرئیل امین کی وساطت سے حضور علیہ السلام کے قلب مبارک پر نازل فرمایا ہے جو کہ عربی زبان میں ہے اور جس سے علمائے بنی اسرائیل بخوبی واقف ہیں۔ آخرت کے سلسلہ میں سکرین کی سزا کا ذکر ہے۔ وہ صلت طلب کریں گے مگر

اللہ نے فرمایا ہے کہ انہیں اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ یہ لوگ اپنی قبیح حرکات سے باز آنے والے نہیں۔ سورۃ کے آخر میں شعراء کی تین خرابیوں کا ذکر ہے کہ ان کے پیروکار عموماً گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔ شاعر لوگ تخیلات کی ہر وادی میں گھوم جاتے ہیں۔ اور ان کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے (الامثال واللہ) اللہ نے اپنے نبی کو شعور و شاعری کی تعلیم نہیں دی کیونکہ یہ کوئی پسندیدہ امر نہیں ہے۔ البتہ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ انجام دینے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے اور مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لینے والے شعراء مذکورہ عیوب سے پاک اور قابل قبول ہوتے ہیں۔

سورۃ النمل

مکئی سورتوں کے چار بنیادی عقائد توحید، رسالت، قرآن کی حقانیت و صداقت اور محاد میں سے اس سورۃ مبارکہ میں معاد کو خاص طور پر موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ وقرع قیامت کا تذکرہ ہے کہ صور چھوٹنے جانے کے بعد ہر چیز درہم بہم ہو جائیگی۔ لوگوں پر گھبراہٹ طاری ہو جائیگی۔ سوائے اُن کے جنہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھنا چاہے گا۔ پھر صبحی اور برائی کی جزا اور سزا کا ذکر بھی آگیا ہے۔

خدا تعالیٰ کی توحید کے اثبات اور شرک کے رد میں بہت سے عقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی بعض صفات مختلفہ کا ذکر کر کے مشرکین سے پوچھا گیا ہے کہ بناؤ یہ کس کا کام ہے۔ جب جواب ایک ہی ہے یعنی "اللہ" تو پھر اُس کے ساتھ شریک بنانے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ قرآن پاک کی حقانیت و صداقت کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی بہت سی مختلف فیہ باتوں میں رہنمائی کرتا ہے اور اہل کتاب کی طرف سے آسمانی کتابوں میں کی گئی تحریفیات کی نشاندہی کرتا ہے۔

رسالت کے ضمن میں حضرت موسیٰ، صالح اور لوط علیہم السلام اور ان کی قوموں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے کس طرح اپنے انبیاء کی نافرمانی کی اور ہلاک ہوئے۔ حضرت داؤد اور سلیمان علیہ السلام کا خصوصی تذکرہ ہے۔ اُن کو اللہ نے بے مثال بادشاہی عطا فرمائی اور وہ اللہ کے شکر گزار بندے تھے۔ حضرت یسعیان علیہ السلام کے واقعہ میں ہلکے سببا کا

واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ وہ مشرک تھی مگر اللہ نے بادشاہت بھی کمال مرحے کی دی تھی۔ سلیمان علیہ السلام نے اُسے دعوت توحید دی۔ اُس نے تحائف بھیج کر آپ کا امتحان لینا چاہا مگر بالآخر ایمان لے آئی۔

سورة القصص

حضرت موسیٰ علیہ السلام، قارون اور بعض دیگر شخصیات کے واقعات بیان ہونے کی بنا پر اس سورۃ کا نام سورۃ القصص ہے۔ تاہم اس کا بیشتر حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی زندگی کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے ہم قوم قارون کا حال اور اس کی تباہی کا منظر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو نہایت نامساعد حالات سے گزرنا پڑا اسی طرح حضور علیہ السلام پر بھی نہایت مشکل ادوار آئے اس طرح دو ٹوں جلیل القدر انبیاء کے حالات میں مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔ اس سے اہل ایمان کو تسلی دلانا بھی مقصود ہے کہ جس طرح بالآخر موسیٰ علیہ السلام کو کامیابی حاصل ہوئی، اسی طرح اہل ایمان بھی کفر و شرک کے مقابلے میں کامیاب ہوں گے۔

اس سورۃ مبارکہ میں شریعت و روز کے نظام کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اور چیلنج کیا گیا ہے کہ کون ہے جو اس نظام کو بدل کر ہمیشہ کے لیے دن یا ہمیشہ کے لیے رات بنا دے اور کون ہے جو اس کو معمول کے مطابق بنا دے اور آپ دن کو کام اور رات کو آرام کر سکیں۔

اللہ نے اہل کتاب کی بعض صفات کا ذکر بھی کیا ہے اور خوشخبری دی ہے کہ ان میں سے جنہوں نے دین حق کو قبول کر لیا ہے وہ دوسرے اجر کے مستحق ہیں۔ ایک پہلے دین پر استقامت کا اور دوسرے دین حنیف کی قبولیت کا۔ مشرکین مکہ نے اعتراض پیش کیا تھا کہ اگر ہم اللہ کے آخری نبی پر ایمان لے آئے تو باقی عرب طے ہمیں اچک لے جائیں گے۔ اللہ نے جواب دیا کہ جس اللہ نے حرم کو مومن بنایا اور تمہیں عزت بخشی، ایمان لانے کے بعد بھی وہ تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔

اس سورۃ میں اللہ نے دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دائمی زندگی کا ذکر کر کے

آخرت کا گھر حاصل کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ اپنی حاجات میں غیر اللہ کو بچانے والے مشرکین کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ فرمایا قیامت ملے دن ان کو ان کے معبودوں سمیت حاضر کر کے ان کا کچا چھٹا ظاہر کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ عطا نے نبوت اور نزول کتاب کو رحمت خداوندی کا سر ہون منت قرار دیا گیا ہے کوئی شخص اپنی محنت و عبادت اور ریاضت کی وجہ سے درجہ نبوت تک نہیں پہنچ سکتا، بلکہ یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مشن جاری رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ آخر میں دنیا کے فنا اور ذات خداوندی کی بقا کا ذکر ہے۔

سورة العنکبوت

اس سورة مبارکہ میں خدا کے سوا دوسروں کو کار ساز بنانے کی مثال عنکبوت یعنی مکھڑی کے جانے کے ساتھ دی گئی ہے۔ جس طرح مکھڑی کا گھر کمزور ترین گھر ہوتا ہے۔ اسی طرح غیر اللہ کو معبود بنانے کا عقیدہ بھی کمزور ترین عقیدہ ہے۔ گویا شرک ایک ایسی شے ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔

اس سورة کا مرکزی مضمون ایمان اور ابتلاء ہے۔ چنانچہ آغاز سورة میں ہی واضح کر دیا گیا ہے کہ اہل ایمان محض اس لیے نہیں چھوڑ دیے جائیں گے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، بلکہ پہلے لوگوں کی طرح انہیں بھی مختلف آزمائشوں سے گزرنا ہوگا۔ اس ضمن میں حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ، لوط اور شعیب علیہم السلام کی آزمائشوں کا تذکرہ ہوا ہے۔ اس سورة میں قرآن پاک کی تلاوت اور اقامت صلوٰۃ کی تلقین کی گئی ہے کہ نماز بے حیائی اور بے لائی سے پجاتی ہے۔ ذکر الہی کی فضیلت، اہل کتاب کے ساتھ بہتر مجاہدہ اور مشرکوں کے ساتھ سخت لہجہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ہجرت کی ترغیب، روزی بدست خدا ہونے کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ اگر جانوروں کی طرح انسان بھی توکل کرے تو ان کو بھی اللہ تعالیٰ ان جگہ سے رزق عطا کرے۔ دنیا کی زندگی تو محض لہو و لعب ہے اور آخرت کا گھر ہی بہتر ہے جس کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے تو حید کے ضمن میں فرمایا کہ جب کشتی بھنور میں پھنس جاتی ہے تو مشرکوں کو جان بچانے کے لیے

ہیں، مگر جب خشکی پر پہنچ جاتے ہیں۔ تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں مجاہدہ کرنے والوں کو اللہ نے اپنے راستوں کی طرف راہنمائی کا مشورہ سنایا ہے۔

سورۃ الترمیم

یہ سورۃ مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی جب کہ ایرانی مجوسیوں نے رومی عیسائیوں کے بہت بڑے علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسی زمانے میں مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی تھی۔

سورۃ کی ابتدا میں رومیوں کے مغلوب ہونے کی خبر دے کر چند سالوں میں دوبارہ غالب آنے کی پیشین گوئی کی گئی ہے جو کہ نو سال کے عرصہ میں پوری ہوئی۔ اہل کتاب ہونے کے ناطے مسلمانوں کو رومیوں کے ساتھ ہمدردی تھی جب کہ مشرک ہونے کی وجہ سے مشرکین مکہ ایرانیوں کے ہمدرد تھے، وہ مسلمانوں کو طعنہ دیتے تھے کہ جس طرح رومی مغلوب ہو گئے ہیں اسی طرح تم بھی مغلوب ہی رہو گے، مگر تھوڑے ہی عرصہ میں رومی دوبارہ غالب آگئے اور ادھر اہل ایمان نے مکہ فتح کر لیا، اور اس طرح مشرکین کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی چار بنیادی عقاید توحید، رسالت، معاد اور قرآن کی حقانیت کا ذکر ہے، اس سورۃ میں توحید کو خاص طور پر موضوع سخن بنایا گیا ہے اور اس ضمن میں عقلی اور نقلی دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ فرمایا جب تم اپنے مجازی غلاموں کو اپنے مال میں شریک کرنے کے لیے تیار نہیں تو مالک حقیقی کے ساتھ دوسروں کو کیسے شریک کرتے ہو۔ انسان کو دین خالص کی طرف متوجہ ہونے کی دعوت دی گئی ہے، فرقہ بندی کی حوصلہ شکنی اور عبرت کے لیے نافرمانوں کی ہلاکت کا ذکر ہے۔ حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور سود اور زکوٰۃ کا فرق سمجھایا گیا ہے۔ انسانی زندگی کے تین ادوار کو قیامت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور یوم البعث کا کچھ حال بھی بیان ہوا ہے۔

احقر العباد (الحجاج) لعل دین ایم اے (علوم اسلامیہ)
شالامار ٹاؤن، لاہور

سخنہائے گفتنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم الانبياء
والمرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين اتابعه فقال الله تبارك
وتعالى اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُونَ

قرآن کریم اللہ رب العزت کا بابرکت اور پاکیزہ کلام ہے۔ نسل انسانی کے لیے رشد و ہدایت
کا گراں قدر اور قیمتی پیغام ہے۔ سنی نوح النان کے لیے ضابطہ حیات اور اقوام عالم کے لیے نصیب
دستور اور حقیقی پروگرام ہے جس کی حفاظت کا بیڑہ خود اللہ تعالیٰ نے اٹھایا ہے جس کی
صدقیت و حقانیت کا تذکرہ خود خالق کائنات نے کیا ہے اُقا نے نامدار خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
اور ان کے اصحاب نے جس کی اشاعت و حفاظت کے لیے جیش بہا قربانیاں دی ہیں جس پر
عمل پیر ہونا ہی ابدی اور سرمدی فوز و فلاح کا ذریعہ ہے آج دنیا میں قرآن کریم کے ایک کھوڑ
سے متجاوز حفاظ ہیں جو اس کے الفاظ کو اپنے سینوں کے نہال خانوں میں نقش کیے ہوئے
ہیں لیکن اسلام دشمن طاقتیں اس کو مٹانے کے درپے ہیں۔ وطن اپنی عیار نہ اور ناپاک چالوں سے
اس کی روشنی کو مٹانے اور اسکی چمکدار دروں شعاؤں کو تیرہ و تاریک کر دینے میں کوشاں اور بزم خود
کا میاب ہے ہر طرح کی کش مکش جاری ہے ہر طرف تند و تیز آندھیاں اس کی فضا کو بخار
آلود اور کثرت زار کو خس و خاشاک بنا چاہتی ہیں۔ اس کے الفاظ کو بدلنے کے لیے بے حد
بے شمار مذموم جہادیں کی گئی ہیں اور اس کو ختم کرنے کے لیے کھروہ اور لانتناہی منصوبے
تیار کیے گئے ہیں اور اس کو صفحہ ہستی سے ناپید کرنے کے لیے اڑھی چوٹی کا زور صرف کیا گیا ہے

لیکن جس کی حفاظت کا ذمہ خود قادر مطلق نے اٹھایا ہوا اس کو دنیا کی کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی
اگرچہ آج مسلمان خود اسلام اور قرآن کے انقلابی پروگرام سے غافل ہیں۔ ہر طرف خیانت ،
بدبینی اور اخلاقی کمزوریوں کا طوفان بہا ہے۔ ہوا و ہوس زر پرستی اور روحانی امراض کا تیرہ و
ہمارے یہاں بھٹکا ہوا ہے۔ محنت و مہنت ، طیب و خبیث کی تمیز دشوار ہے۔ مہماؤں و آلام
کی مٹھوس بارش ہو رہی ہے۔ خود پسندی کی باور صبر نے اسلام کے سبزہ زاروں کو مرجھا دیا ہے
فتنہ معیاد کا وہ دور دورہ ہے کہ حیات دنیا اور کرامت موت کے ذہن نے خرمین اسلام
کے جلا ڈالنے اور اس کے چٹا کرنے کے برباد کرنے کا نتیجہ کر لیا ہے ہر مکر و مہ نضانی
خواہشات کی خواب غفلت میں مست ہے درست نمادین اور گندم نابو فروش عیار مٹی
دل کی طرح ہر طرف منڈلا رہے ہیں دشمن اپنی قوت و تہمتی میں سرسخت و سرشار اسلام اور
قرآن کی بیخ کنی میں لمحہ بہ لمحہ کوشاں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مسلمان خواب غفلت میں سو رہا ہے۔
کوشش ہی نہیں کرتا کہ اس کے انقلابی پروگرام پر عمل پیرا ہو کر اسے اپنی زندگی کا دستور العمل
بنائے جس سے اس کی عظمت و سلطنت اور شریا تک پہنچ سکتی ہے یہ قہرِ مذلت سے نکل
کر عزت کی بلندیوں کو چھو سکتا ہے۔ یہ شرک و بدعت سے نکل کر توحید و سنت میں داخل
ہو سکتا۔ یہ بدعات و خرافات سے ہٹ کر حیات اور نیکیوں کے قریب ہو سکتا ہے۔
یہ قرآن کے الفاظ و معانی اور مطالب کو سمجھ کر اپنے کھوٹے ہونے و قار کو لوٹا سکتا ہے
اس سے روحانی فیض حاصل کر کے دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بنیان مرموص
کی طرح مستحکم ہو کر جہنم از مقابلہ کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس کے اس صراطِ مستقیم پر گامزن
ہونے کی بجائے ضلالت و گمراہی کی جھیاہک اور عینق واری میں سرگمراہ ہے لہذا وہ لہج
اور تعیش نے اس کی آنکھوں کو تیرہ کر رکھا ہے۔ رسوماتِ باطلہ کے دلدل میں پھنسا
ہوا ہے۔ اجناسی غلامی کی لعنت کا طوق گلے میں سجا رکھا ہے بے عمل اور بزدلی کی مٹھیں
غیر مسلموں کی دستِ نگرہی ہوئی ہیں۔ ان کی ہاں میں ہاں ملانا ان کا محبوب ترین مشغلہ
ہے۔ کاش کہ مسلمان اسلام اور قرآن کا مطالعہ کریں اس کے رموز و اسرار سے واقفیت
حاصل کریں اس کے انقلابی پروگرام کو اپنی زندگیوں کا جزو بنالیں تو آج بھی یہ قوتِ ایمانی

سے سرشار ہو سکتے ہیں ان کا وقار اقوام عالم میں بن سکتا ہے۔ یہ باطل کو مرعوب و مغلوب کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے اسلام اور قرآن کے انقلابی پروگرام کو سمجھنا اور پھر اس پر عمل کرنا شرط اول ہے۔ اس پروگرام کو سمجھانے کے لیے بزرگان دین نے بے حد وسیع شمار انتھاک کو کششیں کیں ہیں۔ قرآن کریم کی تفاسیر بھی ہیں اور اپنے اپنے انداز میں قرآن کے پروگرام کو عوام الناس کے اذعان کے قریب کرنے کے لیے طویل اور مختصر انداز میں تفسیریں لکھی ہیں زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن کی چودھویں جلد ناظرین کے ہاتھوں میں ہے اس جلد میں سورۃ الضرفان، سورۃ الشعراء، سورۃ التعل، سورۃ القصص، سورۃ العنکبوت اور سورۃ التروم، چھ سورتوں کی تفسیر ہے۔ جو اپنے اندر علمی و تحقیقی جوہر پرانے سمونے ہوئے ہے۔ اسلوب بیان انتہائی سہل سادہ اور سچیدگیوں سے خالی ہے۔ قاری کے لیے سحر انگیز اور سرور افزا ہے بلکہ یہ کہنا ہے جانے ہوگا کہ منتقدین و مٹاثرین کی تفاسیر کا پتھر اور خلاصہ ہے۔ جس کے مطالعہ سے انسان جلد تفسیر سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اس جلد میں بھی سابقہ جلدوں کی طرح امام ولی اللہ محدث دہلوی کے فلسفہ اور حکمت کی چھاپ غالب ہے اس جلد کی اشاعت کے ساتھ ساتھ "دروس الحدیث کی پہلی جلد بھی منظر عام پر آچکی ہے جو کہ مسند احمد کی منتخب احادیث کی تشریح ہے تفسیر معالم العرفان کی طرح دروس الحدیث کی جلدوں کا سلسلہ بھی چلے گا۔ انجمن مجاہدین اشاعت قرآن کے علم دوست اور باذوق احباب نے حضرت صوفی صاحب مدظلہ کے خطبات جمعہ کو بھی شائع کرنے کا ایک اہم پروگرام بنایا ہے جو کہ "خطبات سواتی" کے نام سے شائع ہوگا۔ جلد احباب سے درخواست ہے کہ وہ مدعا فرمائیں کہ اللہ رب العزت اس پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچائے اور اس کے لیے اپنے غریب کے حزانے سے مدد فرمائے۔ صاحب دروس اور دیگر راہکین انجمن فاضل مرتب الحاج لعل دین صاحب، حاجی غلام حیدر صاحب، حاجی محمد الورد بٹ صاحب، حاجی شیخ محمد یعقوب صاحب، حاجی محمد اہلم صاحب، بلال احمد ناگی صاحب، مستری منیر احمد صاحب، انجم لطیف صاحب وغیرہ کے لیے اور انجمن کے ساتھ تعاون کرنے والے جلد

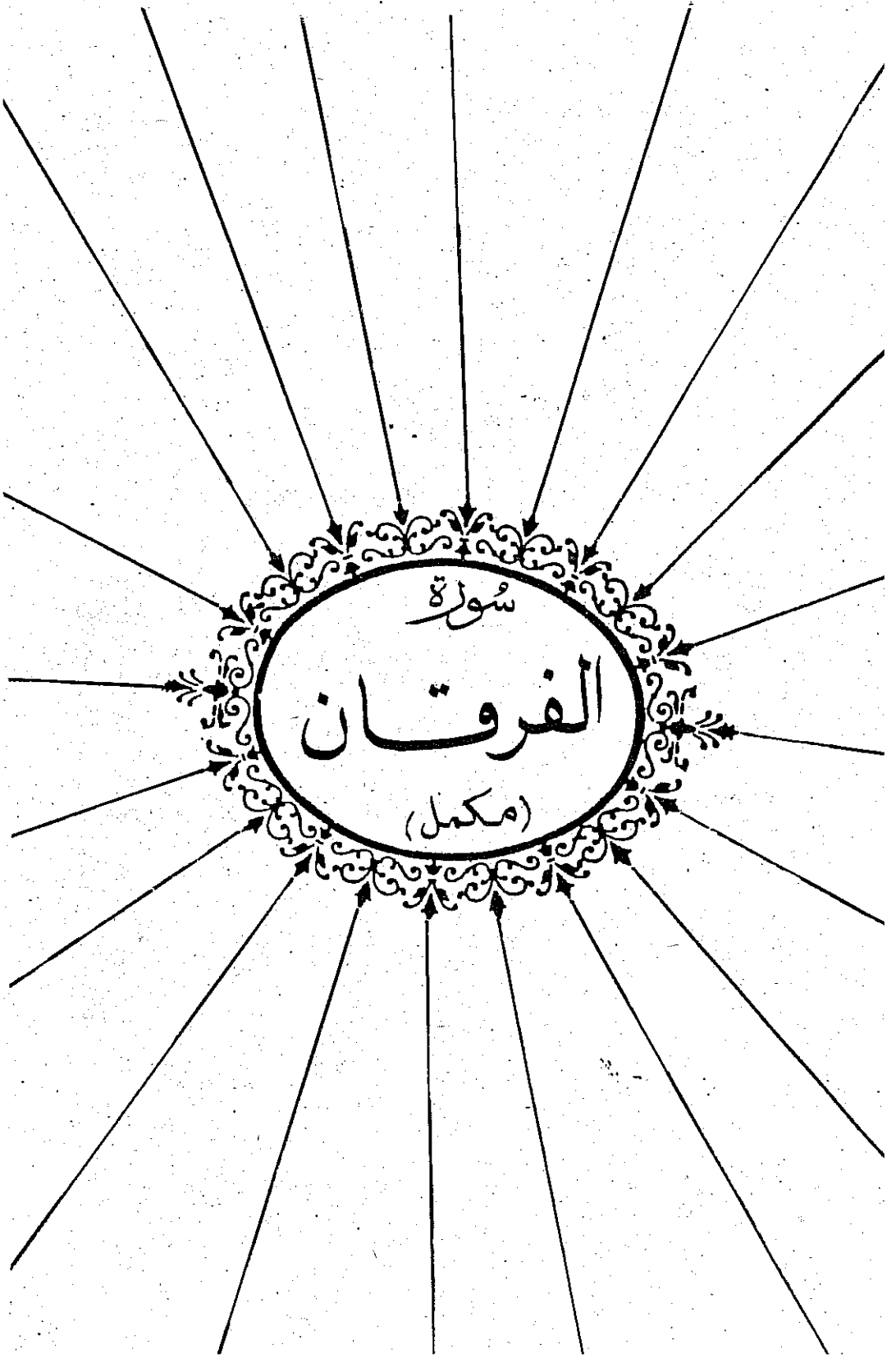
احباب کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پریشانیوں کو ختم فرمائے اور ان کو اس نیک راہ پر ثابت قدم رکھے اور ان کی اس کوشش کو آخرت کے لیے ذخیرہ بنائے آمین اس جلدی پر پروف ریڈنگ میں احقر کے ساتھ حافظ محمد اشرف گجراتی متعلم مدرسہ نصر العلوم نے حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلق محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

احقر محمد فیض خان سوئی

مدرس مدرسہ نصر العلوم گوجرانوالہ

۲۹ رجب ۱۴۱۴ھ - ۱۲ جنوری ۱۹۹۴ء



سورة

الفروقان

(مكمل)

سُورَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعٌ وَسَبْعُونَ آيَةً وَسِتُّ رُكُوعَاتٍ

سورۃ فرقان سبکی ہے۔ اس کی ستر آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بحدہ مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهِ لِيَكُوْنَ
لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝۱ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمَلِكِ
وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِیْرًا ۝۲ وَاَتَّخِذُوا مِنْ
دُوْنِهَا اِلٰهَةً لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا
یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ
مَوْتًا وَّلَا حَیوَةً وَّلَا نَشُوْرًا ۝۳

ترجمہ۔ بڑی برکت میں والی ہے وہ ذات جس نے انا
ہے فرقان اپنے بندے پر تاکہ ہو جائے وہ تمام جہان
والوں کے لیے ڈرانے والا ۱ وہ اللہ جس کے لیے بادشاہی
ہے آسمانوں اور زمین کی۔ اور نہیں بنایا اُس نے بیٹا اور نہیں
اس کے لیے کوئی شریک بادشاہی میں۔ اور پیدا کیا اُس نے

ہر چیز کو۔ پس انازہ ٹھہرایا ہے اس کا ٹھیک طریقے پر
 انازہ ٹھہرانا ② اور بنا لیے ہیں ان لوگوں نے اللہ کے
 سوا دوسرے معبود۔ نہیں پیدا کرتے وہ کسی چیز کو بلکہ وہ خود
 پیدا کیے جاتے ہیں۔ اور نہیں مالک وہ اپنی جانوں کے
 نقصان اور نفع کے۔ اور نہیں مالک وہ موت اور حیات
 کے، اور نہ دوبارہ زندہ کرنے کے ③

نام اور کونسا

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الفرقان ہے جو کہ اس کی پہلی آیت میں آمدہ لفظ
 سے ماخوذ ہے۔ فرقان قرآن کریم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ قرآن کا معنی
 پڑھی جانے والی کتاب جب کہ فرقان کا معنی حق و باطل میں فیصلہ کن کتاب ہے۔ اس
 سورۃ میں چونکہ قرآن پاک کی عظمت و بزرگی اور اس کے منزل من اللہ ہونے کا بیان بھی
 ہے، اس لیے اس سورۃ کا نام سورۃ الفرقان رکھا گیا ہے۔ اس سورۃ کی ستر آیتیں
 اور چھ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۲۹۳ الفاظ اور ۶۳ حروف پر مشتمل ہے۔

رابطہ سور

یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ جب کہ اس سے پہلی سورۃ نور مدنی تھی۔ ان دونوں
 سورتوں میں مکی اور مدنی بعد ہونے کے باوجود ان کے بعض مضامین مشترک ہیں۔ مثلاً توحید
 کے دلائل، نبوت و رسالت کی صداقت اور اس پر مستحقین کے اعتراضات کا رد اور وقوع
 قیامت اور محاسبہ اعمال جیسے مضامین دونوں سورتوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے
 بعد سات مزید سورتیں مکی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ان کے بعد سورۃ الاحزاب کا تعلق
 مدنی زندگی سے ہے۔ گویا یہ مسلسل آٹھ سورتیں مکی ہیں۔ ان مکی سورتوں کے مضامین بھی آپس
 میں ملتے جلتے ہیں۔

یہ سورۃ مبارکہ ہجرت سے دو یا تین سال پہلے نازل ہوئی۔ بعض مفسرین اس کا زمانہ
 نزول سورۃ النساء سے آٹھ سال پہلے متعین کرتے ہیں۔ سورۃ نسا پانچ یا چھ ہجری میں نازل
 ہوئی تو اس لحاظ سے بھی اس سورۃ کا نزول ہجرت سے تقریباً تین سال پہلے بنتا ہے

واللہ اعلم۔

مضامین سورۃ

دیگر یہی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ کے مضامین بھی زیادہ تر عقائد سے تعلق رکھتے ہیں، جن میں توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی حقانیت شامل ہیں۔ یہ اسلام کا ابتدائی دور تھا اور اس میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے عقائد اور اخلاق کی درستی پر زیادہ زور دیا ہے، کیونکہ اگر عقیدہ ہی درست نہ ہو تو اللہ کی بارگاہ میں کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ اگرچہ تمام یہی سورتوں میں یہی بنیادی مضامین بیان ہوئے ہیں تاہم بعض سورتوں میں کسی ایک مضمون پر زور دیا گیا ہے۔ جب کہ دوسری سورۃ میں دوسرے مضمون کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں زیادہ تر نئے سخن کفار کی طرف سے رسالت پر اعتراضات کی طرف ہے جس کا اللہ نے جواب دیا ہے اس سورۃ کا ایک خاص مضمون اللہ کے بندوں کے اوصاف ہیں جو اس کے آخری رکوع میں بیان ہوئے۔

بارکات ذات
خداوندی

ارشاد ہوتا ہے تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ بَرَكَاتُ سَائِرِ الْعَالَمِ وَهُوَ ذَاتُ الْبَرَكَاتِ بَعْضُ سورتوں کی ابتدا میں اور بعض کے آخر میں ذکر کیے گئے ہیں اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ وارفع ذات کا ذکر کر کے اس کی بعض صفات کا تذکرہ ہوتا ہے۔ برکت کا عام فہم معنی زیادتی ہوتا ہے، تاہم امام رازیؒ اور تمام شارحین اس بات پر متفق ہیں کہ ہر قسم کی زیادتی کا نام برکت نہیں بلکہ برکت ایسی زیادتی ہے جس میں تقدس کا مفہوم پایا جائے۔ گویا جس چیز میں معجزے یا کرامت کے طور پر اضافہ ہو جائے تو ہم کہیں گے کہ یہ چیز برکت والی ہے۔ مسیح علیہ السلام نے اپنی والدہ کی گود میں کہا تھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ نے مجھے کتاب دے کر بھیجا ہے، مجھے نبی بنایا ہے وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا (مریم - ۳۱) اور مجھے بارکات بنایا ہے۔ دورانِ سفر پانی ختم ہو گیا۔ تمام صحابہؓ اور جانور مشقت میں پڑ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے پاس پانی کا ایک پیالہ

ہو تو لے آئے، ایک پیالہ پانی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اُس پیالے میں رکھا تو انگلیوں کے نیچے سے پانی کے سوتے پھوٹنے لگے۔ پانی جوش مار کر اُڑ پڑا، ہاتھ جیسے تمام صحابہؓ نے پیا، اونٹوں نے پیا حتیٰ کہ مشکیزے بھر لیے گئے۔ پھر اپنے پیالے سے ہاتھ نکالا تو وہ اسی طرح پانی سے لبالب تھا۔ مطالب یہ کہ معجزے یا برکت کے طور پر کسی چیز میں جو زیادتی آجاتی ہے اُسے برکت کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے۔

تو فرمایا برکت دینے والی ذاتِ خداوندی ہے۔ اگر ہم دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کی عمر میں برکت عطا کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص تھوڑی عمر میں بھی زیادہ کام انجام دے لے۔ بعض آدمیوں کی کارکردگی پر حیرت ہوتی ہے کہ اتنی مختصر زندگی میں اتنے بڑے بڑے کام کیسے انجام دے لیے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ جب کسی کام میں برکت عطا کرتا ہے تو تمام مشکلات آسان ہو جاتی ہیں اور انسان بڑے سے بڑا کام بھی انجام دے جاتا ہے۔

کمالِ عبودیت

فرمایا برکت دینے والی ذاتِ فقط ذاتِ خداوندی ہے اور یہ وہی ذات ہے تَزَلَّ الْفُرْقَانِ عَلٰی عَبْدِهِ جس نے فیصلہ کن کتاب یعنی قرآن پاک نازل فرمایا۔ یہ کتاب اس لیے فرقان ہے کہ یہ حق و باطل جاننے اور ناجاننے، حلال اور حرام، صحیح اور غلط کے درمیان فیصلہ کرتی ہے۔ یہ ہر چیز کو اس طرح کھول کر بیان کرتی ہے کہ کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ اور یہ اتاری ہے اُس نے اپنے بندے پر اس بندہ سے مراد کمال اور اکمل بندہ حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہے کہ کمالِ عبودیت کی بنا پر جن کا لقب عابد ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ عِبْدَ اللّٰهِ فَقُولُوا عِبْدَ اللّٰهِ وَرَسُوْلَهُ، لوگو! میں اللہ کا بندہ ہوں لہذا مجھے اللہ کے بندے اور اُس کے رسول کے نام سے ہی پکارا کرو۔ فرمایا عیسائیوں کی طرح میری ذات میں مبالغہ نہ کرنا کہ مجھے الوہیت کے درجے پر پہنچا دو اور اس طرح شکر میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ الغرض! عبودیت تمام کمالات میں سے بلند ترین

کمال ہے جس کے ساتھ اللہ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو موصوف فرمایا ہے۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فیصلہ کن کتاب کو اپنے کامل بندے پر نازل فرمایا۔

نزول قرآن
کی غایت

فرمایا، اللہ نے اس فرقان کا نزول اس لیے فرمایا ہے لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا تاکہ وہ بندہ تمام اقوام عالم کے لیے ڈر سنانے والا ہو جائے۔ لوگوں کو ان کے بُرے انجام سے خوفزدہ کر دے۔ انذار و تبشیر ہر نبی کے مشن میں شامل ہے۔ اللہ کا ہر پیغمبر اپنی امت کے اچھے کاموں پر انہیں خوشخبری دیتا ہے اور بُرے کاموں کے انجام سے ڈراتا ہے۔ سورۃ یونس کی ابتدا میں ہے کہ کیا لوگوں کو یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک آدمی کی طرف وحی کی ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے بُرے انجام سے ڈرائے اور اہل ایمان کو خوشخبری سنانے آت لِهٰمْ قَدَمٌ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (آیت - ۲) کہ ان کے لیے ان کے رب کے ہاں سچائی کا پایہ ہوگا۔ اور جو کفر، شرک، مذاق اور معاصی کا ارتکاب کریں گے، اُس کا نتیجہ خدا تعالیٰ کی گرفت کی صورت میں نکلے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ نزول کتاب کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا نبی لوگوں کو ان کے بُرے انجام سے خبردار کر دے۔

توحید خداوندی

آگے فرمایا، وہ ذات خداوندی وہ ہے الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جبکہ بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ الیا پروردگار ہے وَكَوَيْتٌ وَكَذَا جَسَدٌ لَمْ يَكُنْ لِيَّ بَشَرًا لَّئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَعْبُدُ آبَاءَنَا مَا آتَانَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا لَكُمْ قَبْلَ بَشَرًا مِمَّنْ خَلَقْنَا فَذُكِّرْتُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّشْرِكُونَ (۳) نہ اُس نے کسی کو جناب ہے اور نہ وہ کسی سے جانا گیا ہے یعنی نہ اُس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ کوئی باپ، جہاں تک مجازی بیٹے

کہا تعلق ہے، قرآن نے عیسائیوں کا یہ عقیدہ بیان کیا ہے وَقَالُوا اخْتَدَّ الرَّحْمَنُ وَكَذَّابٌ مُّخْتَدُّ (الانبیاء: ۲۶) وہ کہتے ہیں کہ خدا نے رحمان نے بیٹا بنالیا ہے، حالانکہ وہ تو پاک ہے۔ کہتے ہیں اللہ نے مسیح علیہ السلام کو اختیارات تفویض کر لیے ہیں کہ وہ لوگوں کی حاجات پوری کریں۔ اللہ نے ان پر الوہیت کی چادر ڈال دی (استغفر اللہ) یہ سب شکر کیہ عقائد ہیں۔ جن کی اللہ نے نزدیک فرمائی ہے بہر حال فرمایا کہ اللہ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا وَلَوْ كُنَّ لَهُ شُرَكَاءُ

فِي الْمَلَكُوتِ اور نہ ہی اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے فَقَدْرُهُ تَقْدِيرٌ اور اُسے ایک خاص اندازے کے مطابق مقرر کیا ہے لہذا کسی چیز میں کوئی نقص یا عیب نہیں ہے۔ بلاشبہ جو چیز اللہ کی تقدیر سے کائنات میں ظاہر ہوگی۔ اُس میں کوئی نقص نہیں ہوگا بلکہ وہ بہترین شے ہوگی۔ بزرگوں کا مقولہ ہے جیسا کہ امام غزالی نے کہا ہے لَيْسَ اَبَدٌ مِّمَّا كَانَ كَانَتِ فِيهَا جَوَائِزٌ واقع ہوئی ہیں ان سے عمدہ کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی تقدیر سے معرض وجود میں آئی ہے۔ اُس نے ہر چیز کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کر رکھا ہے اور ہر چیز کی تقدیر اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

اس کے باوجود انسان اسے ظالم میں وَاخْتَدَّ وَاهِبٌ دُونَهُ الْاِلَهَةِ کہ انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنالیے ہیں یہ غیروں کو بھی حاجت روا اور مشکل گشا سمجھتے ہیں اور سروں کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کو نافع و ضار سمجھ کر ان کی نذر میں جیتے ہیں۔ کوئی فرشتوں اور جنات کی پوجا کرتے ہیں اور کوئی قبروں والے اولیاء اللہ سے مرادیں پوری کرتے ہیں۔ گویا لوگوں نے شرک کے مختلف راستے بنا رکھے ہیں جن کے ذریعے وہ دوسروں کو خدا کے منصب پر فائز کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے معبود جسیری سفارش

کر کے اُن کے کام کروادیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کی سفارش کو رد نہیں کرتا۔
بعض لوگوں نے یہ باطل عقیدہ بنا رکھا ہے کہ ہم ان کو راضی کریں گے تو اللہ ہم
سے راضی ہو جائے گا۔ لہذا اُن کی نذر و نیاز کم نہ ضروری ہے۔ بعض اپنے اور
خدا تعالیٰ کے درمیان واسطہ کی تلاش میں بہتے ہیں کہ ہماری تو وہاں تک رسائی
نہیں، درمیان میں کوئی ایسی مہتمی ضروری ہے جو ہمیں وہاں تک پہنچائے۔ یہ سب
کفر یہ اور شرک یہ عقائد ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں۔

صفتِ تخلیق

اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں حالانکہ
لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ اور وہ تو خود خدا تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ سورۃ النحل میں
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ (آیت ۱۷)
بھلا پیدا کرنے والی ہستی اور نہ پیدا کرنے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں
کائنات کی ہر چیز خدا تعالیٰ کی تخلیق کردہ ہے۔ انسان، روح، جبرائیل، شیطان
سب مخلوق ہیں اللہ خالق كُلِّ شَيْءٍ (الزمر-۶۲) ہر چیز کا خالق اللہ
ہی ہے۔ اللہ کے سوا ہر چیز مخلوق ہے۔ جو پیدا نہیں کر سکتے وہ الہ کیسے ہو
سکتے ہیں، لہذا غیر اللہ کو معبود سمجھ کر اُن سے حاجت براری کہنا ناگفتنی حماقت
کی بات ہے۔ مطلب یہ کہ صفتِ تخلیق بھی اللہ کے سوا کسی دوسری
ذات میں نہیں پائی جاتی۔

نقصان
اختیار

فرمایا کہ اللہ کے سوا دوسروں کی حالت تو یہ ہے وَلَا يَمْلِكُونَ
لَا نَفْسَهُمْ ضَرْأًا وَلَا فَنَعًا وہ تو اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع و
نقصان کے مالک نہیں ہیں مگر لوگ پھر بھی اُن کو حاجت روا اور مشکل کشا
تلمک کرتے ہیں وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْنًا وَلَا حَيٰوَةً وہ تو موت و حیات
کے مالک بھی نہیں ہیں نہ کسی کو زندگی بخش سکتے ہیں اور نہ کسی کو موت دے سکتے
ہیں۔ یہ اختیارات بھی اللہ وحدہ لا شریک کے پاس ہیں۔ وَلَا تَشْعُرُونَ اور یہ

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر نہیں ہیں۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ
 ہی سب کو فنا کرے گا اور پھر وہی سب کو دوبارہ زندہ کر کے حساب کتاب
 کے لیے اپنے سامنے لا کر کھڑا کرے گا۔ اس کے سوا اور کون سی ذات ہے
 جو یہ کام کر سکے۔ اور ظاہر ہے کہ جو ذات مذکورہ امور میں سے کوئی کام بھی کرنے
 پر قدرت نہیں رکھتی، وہ اللہ کیسے ہو سکتی ہے؟ معبود بہ حق تو وہی ہے جو خالق
 مالک، مختار، نافع، ضار ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے نفع پہنچاتا ہے اور جس
 کو چاہتا ہے نقصان پہنچاتا ہے، وہی مشکلیں حل کرتا ہے، اُس کے علاوہ
 کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں۔ لہذا اُس کے سوا کوئی معبود بھی نہیں ہو سکتا۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا افْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ
 عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءَ ظُلْمًا وَزُورًا ③ وَ
 قَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكَتَبَهَا فِيهَا تُمَلَّى عَلَيْهِ
 بُكْرَةً وَأَصِيلًا ⑤ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ⑥
 وَقَالُوا مَا لِي هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمشِي
 فِي الْأَسْوَاقِ ط لَوْلَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ
 نَذِيرًا ⑦ أَوْ يُلْقَى إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ
 يَأْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا
 رَجُلًا مَسْحُورًا ⑧ أَنْظِرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ
 فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ⑨

ترجمہ :- اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں ہے
 یہ (قرآن) مگر جھوٹ جس کو اس شخص نے گھڑ لیا ہے اور
 مدد کی ہے اس کی اس پر دوسرے لوگوں نے۔ پس تحقیق
 لائے ہیں یہ لوگ ظلم اور جھوٹ ③ اور کہا ان لوگوں نے کہ
 یہ قصے کہانیاں ہیں پہلے لوگوں کی جن کو اس نے لکھ لیا ہے
 پس یہ پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے صبح اور پچھلے پہر ⑤

آپ کہ سبکھے (لے پیغمبر!) اتلا ہے اس کو اُس ذات نے جو جانتا ہے پرشیدہ چیزوں کو آسمانوں میں اور زمین میں۔ بیشک وہ بچنے والا مہربان ہے (۶) اور کہا ان لوگوں نے کہ کیا ہے اس رسول کو یہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا ہے بازاروں میں کیوں نہیں نازل کیا گیا اس کی طرف کوئی فرشتہ۔ پس ہوتا وہ اس کے ساتھ ساتھ ڈرانے والا (۷) یا کیوں نہیں اتارا گیا اس کی طرف خزانہ یا کیوں نہیں اس کا باغ کہ یہ کھائے اُس میں سے۔ اور کہا ظلم کرنے والوں نے کہ تم نہیں پیروی کرتے مگر ایسے شخص کی جس پر جادو کیا گیا ہے (۸) آپ دیکھیں کہ کس طرح انہوں نے مثالیں بیان کی ہیں آپ کے لیے۔ پس یہ گمراہ ہو گئے۔ پس یہ نہیں طاقت رکھتے سیدھے راستے کی (طرف آنے کی) (۹)

رابط آیات

برکاتِ مینے والی ذات اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نازل فرمایا ہے جو کہ ایک فیصلہ کن کتاب ہے۔ اس کے نزول کی غایت یہ ہے کہ اللہ کا کامل ترین بندہ اور اُس کا آخری رسول اس کتاب کے ذریعے لوگوں کو ڈرانے والا بن جائے۔ گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی آسمان و زمین پر محیط سلطنت کا ذکر بھی ہوا۔ اللہ نے مشرکین کا شکوہ بیان کیا کہ وہ اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہیں۔ حالانکہ وہ بے اختیار ہیں۔ نہ تو وہ کوئی چیز تخلیق کر سکتے ہیں اور نہ نفع نقصان کے مالک ہیں۔ یہ کس قدر ظلم و زیادتی کی بات ہے۔

قرآن پاک
پر اعتراض

سورۃ کے اس ابتدائی تمہیدی بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی طرف سے قرآن پاک پر کیے جانے والے اعتراضات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا كَافِرُونَ كَيْفَ نَحْنُ بِاللَّهِ إِن كُمْ فِي شَكٍّ مِنْهُ لَنَكْفُرَنَّ بِهِ وَإِن كُمْ فِي شَكٍّ مِنْهُ لَنَكْفُرَنَّ بِهِ وَإِن كُمْ فِي شَكٍّ مِنْهُ لَنَكْفُرَنَّ بِهِ

محض ایک جھوٹ ہے، جسے اس (رسول) نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے کفار و مشرکین کی طرف سے ایسے بہودہ اعتراضات کا ذکر سورۃ یونس اور بعض دیگر سورتوں میں بھی موجود ہے۔ وہ لوگ قرآن پاک کو اللہ کا کلام تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے، اس لیے طرح طرح کے اعتراضات کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان اعتراضات کے جوابات بھی دیے ہیں، مثلاً ایک مقام پر فرمایا **قُلْ اِن اَفْتَدَيْتُمْ فَعَلَيْ اَجْرَاجِي** (مہود - ۳۵)

اے پیغمبر! آپ ان کو بتادیں کہ اگر تمھارے بقول اس قرآن پاک کو میں نے گھڑا ہے تو پھر اس کا گناہ بھی مجھ پر ہی ہو گا۔ اس کا ذمہ دار میں ہوں گا، البتہ تم

اپنی فکر کرو کہ تم کیا کر رہے ہو۔ دوسری جگہ فرمایا کہ تم اس قرآن کو من گھڑت کہتے ہو **فَاتُوا بِسُودَةٍ مِّثْلِهِ** (یونس - ۳۸) تم اس جیسی ایک

سورۃ تو بنا کر لاؤ۔ پھر تہہ چل جائے گا کہ کیا واقعی یہ انسان کا کلام ہے یا حقیقت میں خدا تعالیٰ کا کلام ہے جس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جسے اُس نے اپنے علم اور مشیت کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔

انک گھڑی ہوئی بناوٹی بات کو کہتے ہیں کسی پر جھوٹ کا طومار باندھ دیا گیا ہو۔ پچھلی سورۃ نور میں واقعہ انک گنہ چکا ہے جس میں منافقوں نے حضرت

عائشہؓ پر افتراء باندھا تھا اور پھر اس کی خوب تشریح بھی کی گئی۔ اسی طرح قرآن پاک کے متعلق بھی یہ لوگ کہتے تھے کہ محض جھوٹ ہے۔ من گھڑت ہے۔ اس

کو وضع کرنے میں **اعانتہ علیہ قوم اخری** بعض دوسرے لوگوں نے اللہ کے نبی کی مدد کی ہے۔ اس کو بعض اوقات یہود و نصاریٰ کی

طرف منسوب کرتے تھے کہ حضور علیہ السلام ان سے مل کر یہ باتیں سیکھتے ہیں کیونکہ ان کے پاس پرانی کتابوں کا کچھ علم موجود تھا۔ بعض اس کو ایرانی، رومی،

اور بعض قدیم عراقی زبان بولنے والے غلاموں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ کہ یہ لوگ اللہ کے نبی کو کچھ باتیں بتاتے ہیں جنہیں آپ قرآن بنا کر پیش کرتے

میتے ہیں۔ جبر، ایسا، عارس وغیرہ بعض غلام تھے مگر وہ تو بیچارے عربی زبان سے ہی ناواقف تھے، ان سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ فصیح و بلیغ عربی میں ایسا کلام پیش کر دیں جس کی نظیر عربی زبان کے بڑے بڑے شاعر اور ادیب بھی نہ پیش کر سکیں۔ فرمایا ان لوگوں کا اعتراض بالکل لغو ہے حقیقت یہی فَقَدْ جَاءَهُمْ ظُلْمًا وَزُورًا یہ مشرک لوگ بہت بڑا ظلم اور جھوٹ لائے ہیں جو قرآن کو خود سامنتہ کلام کہتے ہیں یہ بڑے بے انصاف لوگ ہیں جو صریح جھوٹ بول رہے ہیں۔

پھر فرمایا، وہ یہ بھی کہتے ہیں وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ اکتبہما جنہیں اس شخص نے لکھ لیا ہے اور پھر ہمیں سنا رہنا ہے۔ ظالم مشرک حضور علیہ السلام سے کہتے کہ تم ہمیں اقوام عاد اور ثمود کے قصے سناتے ہو، اور ہم تمہیں ایران کے کہندے اور اسفندیار کے اقلانے سناتے ہیں، وہ تمہارے افانوں سے بھی دلچسپ ہیں (العیاذ باللہ) بہر حال انہوں نے کہا کہ یہ پہلے لوگوں کے واقعات ہیں فَهِيَ تَمَلِكُ عَلَيْهِ بِكْرَةٌ وَأَصِيلَةٌ جو اس شخص پر صبح و شام پڑھے جاتے ہیں۔ اور پھر یہ انہیں وحی الہی کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔

الستیٰ کی طرف سے جواب

اس بیہودہ اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ یہ قرآن پاک نہ عربوں کا بنایا ہوا ہے اور نہ مجیبوں کا وضع کردہ ہے بلکہ انزلکہ الذی یعلمہ اللہ فی السموات والارضیں یہ تو اس ذات پاک کا نازل کردہ ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز کو جانتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ذہنیت کو بھی جانتا ہے اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو لوگوں کی تہذیب و تربیت کے لیے ضروری ہیں، دوسری جگہ فرمایا تَنزِيلَ الْكِتَابِ جہلہ

وَهُوَ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلِينَ (الاعراف - ۱۹۶) یہ کلام خدا تعالیٰ نے ہی نازل کیا ہے اور نیچو کاروں کی سرپرستی اور کار سازی بھی وہی کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خالقِ فطرت ہے، وہ علیمِ کل ہے، لہذا انسانوں کی ضروریات اور قوانین کی باریکیاں بھی اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ اپنی کمال قدرت سے ایسے احکام اور قوانین نازل فرماتا ہے جو انسانوں کی فطرت و ضرورت کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ سورۃ النساء میں فرمایا ہے اَنْزَلْنَاكَ بِحِلْمٍ (آیت - ۱۶۶) اللہ نے اس کلام کو اپنے علم کی روشنی میں نازل فرمایا ہے۔ یہ من گھڑت کلام نہیں ہے بلکہ یہ تو کُنْزٌ لِّمَنْ شَاءَ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الواقفہ - ۸۰) تمام جہازوں کے پروردگار کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ عَقُوْلًا وَّحٰیْمًا بیشک وہ ذات بڑی بخشش کرنے والی اور نہایت مہربان ہے وہ ایک طرف تو ظالم اور چھوٹے لوگوں کو لبا اوقات حملت دیتا رہتا ہے اور دوسری طرف اُس کی بخشش و مغفرت بھی ایک کرشمہ ہے۔ وہ ایسی باتیں کہتے والوں کی فوراً گرفت بھی کر سکتا ہے مگر یہ اس کی مہربانی کا نتیجہ ہے کہ اُس نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے قرآن کریم عظیم الشان کتاب نازل فرمائی ہے جس میں اسرار و رموز اور علوم و معارف کے خزانے ہیں۔

کفار کا پہلا اعتراض تو قرآن حکیم پر تھا کہ یہ نعوذ باللہ من گھڑت ہے اب دوسرا اعتراض سپینیر علیہ السلام کی ذات پر کیا وَقَالُوا اَمَّا هٰذَا الرَّسُوْلُ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْاَسْوَاقِ كَیْنِ لَکُمْ یٰ کٰفِرٍ یٰ کٰفِرٍ یہ کیا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اُن کا زعم یہ تھا کہ جس ہستی میں لوازماتِ بشریہ پائے جائیں، وہ رسول نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ بشریت اور رسالت کو دو متضاد چیزیں سمجھتے تھے کہتے تھے۔ ہماری طرح کھانا پیتا اور چلتا پھرتا ہے، مگر رسالت کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ لوگوں کی پرانی بیماری ہے۔ قوم ثمود نے بھی یہی کہہ کر صلح علیہ السلام کی تکذیب کی۔

پیغمبر خدا
پر اعتراض

اَلْبَشَرُ اُمَّتًا وَّاحِدًا اَنْتَبَعُكَ (القدر-۲۳) کیا ہم اپنے میں سے ایک بشر کی اتباع کہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی کافر و مشرک یہی کہتے تھے کہ یہ تو ہمارا جانا بچانا انسان ہے ہم اس کو کیسے رسول تسلیم کر لیں۔ اگر اللہ کسی کو رسول بنا کر بھیجتا تو وہ کوئی فرشتہ ہوتا جو نہ کھاتا پیتا، نہ اس کے بیوی بچے ہوتے اور نہ دیگر انسانی لوازمات اس میں پائے جاتے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انبیاء میں پائے جانے والے لوازمات بشری ہی ان کی اقوام کے لیے پروردہ بن گئے۔ انہوں نے اسے خلاف نبوت سمجھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں چونکہ انسانوں کی اصلاح مطلوب تھی، اس لیے اللہ نے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا۔ یہ مضمون اللہ نے قرآن پاک میں مختلف عنوانات سے وسیع پیمانے پر بیان فرمایا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو رسول بنا کر زمین پر بھیج دیتا تو عام انسان اس سے کیسے مستفید ہو سکتے تھے؟ انسان کسی غیر جنس سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے انسانوں کی ہدایت کے لیے جن شخصیات کو منتخب فرماتا ہے، ان کو امتیاز بخشتا ہے۔ وہ معصوم عن الخطا اور اخلاقی لحاظ سے بہت بلند ہوتے ہیں۔ وہ لوگ امت کے لیے بطور نمونہ ہوتے ہیں، مگر ہوتے انسان ہی ہیں۔ ان میں تمام لوازمات بشری پائے جاتے ہیں۔ عام انسانوں کی طرح انہیں بھی بھوک پیاس لگتی ہے، وہ بھی کھاتے پیتے ہیں۔ ان پر بیماری اور تندرستی بھی آتی ہے ان کے بیوی بچے بھی ہوتے ہیں اور یہ چیزیں منصب نبوت کے خلاف نہیں ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کے جسم مبارک کو ہاتھ سے چھو کر کہا کہ حضور! آپ کو تو شدید بخار ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہاری نسبت مجھے دگن بخار آتا ہے۔ ابن مسعودؓ نے

عرض کیا حضور! پھر آپ کو جو بھی توڑا ملتا ہے فرمایا، یہ بھی درست ہے۔
 غرضیکہ پیغمبر دوسرے لوگوں کی طرح زخمی بھی ہوتا ہے، وہ ہنستا اور روتا بھی ہے
 اس کی بیوی بھی ہوتی ہے کسی کی صرف بچیاں اور کسی کے صرف بچے اور کسی
 کے بچے اور بچیاں دونوں ہوتے ہیں۔ اور وہ نوع انسانی سے خارج نہیں ہوتے
 علم کلام کی کتابوں میں نبی کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے هُوَ اِنْسَانٌ
بَعَثَهُ اللّٰهُ لِيُبَلِّغَ مَا اَوْحَاهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ نَبِيًّا ان ان
 ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اس چیز کی تبلیغ کے لیے مبعوث فرماتا ہے جو اس
 کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ نوع انسانی کو ایک انسان ہی ہر امت
 دے سکتا ہے۔ انسان کسی غیر جنس سے استفادہ حاصل نہیں کر سکتے۔

تمام انبیاء و رسول میں انسانی لوازمات ہونے کے باوجود عام انسانوں پر انہیں
 دینی اور اخلاقی اعتبار سے امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ نبی عام انسانوں کی نسبت معصوم
 ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سے اُسے گاڑی ٹی حاصل ہوتی ہے کہ اُس سے کوئی
 گناہ سرزد نہیں ہونے دیا جاتا۔ البتہ صحابہ کرامؓ اولیاء اور علیہ السلام سے محفوظ
 ہوتے ہیں۔ معصوم نہیں ہوتے۔ پھر وحی الہی سے بڑا اعزاز ہے۔ جو انبیاء کو
 حاصل ہوتا ہے، کسی غیر نبی پر وحی نہیں آتی۔ انبیاء میں کامل درجے کی عبودیت
 ہوتی ہے۔ وہ کمال درجے کے عبادت گزار اور کمال اخلاص کے مالک ہوتے
 ہیں۔ ان کے اعمال میں بڑا وزن ہوتا ہے، البتہ ہوتے انسان ہی ہیں۔ ان
 پر بھی زندگی اور موت ایسی طرح وارد ہوتی ہے۔ جیسے دوسرے انسانوں پر ہوتی ہے
 عیاشیوں نے مسیح علیہ السلام کو اس لیے خدا کا بیٹا کہہ دیا کہ آپ کا باپ
 نہیں ہے۔ اگر عقیدہ انبیت کا یہی معیار ہے تو پھر وہ آدم علیہ السلام کے
 متعلق ایسا عقیدہ کیوں نہیں رکھتے جن کا نہ باپ ہے اور نہ ماں ہے اور اسم
 علیہ السلام اور دیگر انبیاء کو عیاشی بھی انسان مانتے ہیں مگر مسیح علیہ السلام کو الٰہیت
 کا درجہ دینے کے لیے انہیں خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ یہ کتنی زیادتی کی بات ہے، وہ اللہ

نبی کی امتیازی
 حیثیت

کے بندے اور انسان تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے مطابق جس طریقے سے چاہا اُن کو پیدا فرمادیا۔

مشرکوں کا عقیدہ یہ تھا کہ بازاروں میں چلنا پھرنا عیب ہے، اسی لیے تو وہ بازاروں میں جانے والے رسول کو رسول مانتے کے لیے تیار نہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ سود اسلف لانے یا کسی اور اچھے کام کے لیے بازار میں جانا کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ تاہم یہ بات درست ہے کہ مساجد کی فضیلت بازاروں کے مقابلے میں تو اپنی جگہ ملگم ہے۔ مسجدوں میں اللہ کی عبادت ہوتی ہے، انہیں صاف ستھرا رکھا جاتا ہے۔ جب کہ بازاروں میں بعض اوقات دھوکہ، فریب وعدہ خلافی، ماپ تول میں کمی بیشی کے واقعات بھی ہوتے رہتے ہیں۔ تاہم جانے کام کے لیے بازار جانا ممنوع نہیں ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے شاگرد سے فرمایا، چلو بازار چلیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ نے کوئی سود اسلف تو ضرور بنا نہیں، پھر وہاں جالے کا کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا، بیوقوف! ہم بازار جاکر لوگوں کو سلام کرتے ہیں تو ہمیں نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتے سے تیس نیکیاں تو حاصل ہو گئیں۔ چلو چلتے ہیں۔ واپس آکر پھر درس و تدریس میں مصروف ہو جائیں گے بغرضیکہ نیک کام کے لیے بازار جانا کوئی عیب کی بات نہیں۔ البتہ بلا ضرورت یا کسی غلط مقصد کے لیے بازار جانا یقیناً گناہ کا باعث ہوگا۔ اور غلط کام اگر مسجد میں بھی کرے گا تو وہ غلط ہی ہوگا۔ بلکہ بازار کی نسبت دگن گناہ لازم آئے گا۔

مشرکین کا تصور رسالت

کفار و مشرکین نبی کی نبوت و رسالت پر یہ اعتراض بھی کرتے تھے کہ لَوْلَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ مَعَهُ كَذِبًا اللَّهُ كَذِبًا لَأْتَيْنَاكَ بِهَا لَوْلَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ مَعَهُ كَذِبًا اللَّهُ كَذِبًا لَأْتَيْنَاكَ بِهَا لَوْلَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ مَعَهُ كَذِبًا اللَّهُ كَذِبًا لَأْتَيْنَاكَ بِهَا

ساتھ ایک فرشتہ کیوں نہیں اترا جو ہمیشہ اس کے ساتھ ہے اور لوگوں کو بتائے کہ یہ اللہ کا رسول ہے۔ نیز وہ لوگوں کو اُن کے بُرے انجام سے ڈرانے اس اعتراض کا جواب اللہ نے سورۃ الانعام میں دیا ہے۔ اللَّهُ أَعْلَمُ

حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (الانعام-۱۲۵) وہ خوب جانتا ہے کہ رسالت کو کہاں رکھ رہا ہے۔ وہ انسانوں کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق ہی منصب رسالت کے لیے انتخاب کرتا ہے۔ نبوت و رسالت کسی کو خواہش اور کوشش سے نہیں ملتی، بلکہ یہ تو اللہ کی مہربانی ہوتی ہے۔ فرمایا اگر ان کی خواہش کے مطابق ہم کسی فرشتے کو نبی بنا کر بھیجتے تو اس کی دوہی صورتیں تھیں۔ یا تو فرشتہ انسانی شکل میں آتا یا اپنی اصلی شکل میں۔ اگر وہ انسانی شکل میں آتا تو پھر بھی وہی صورت میں ہوتا کہ یہ انسان ہے ہم اس کی پیروی کیوں کریں؟ اور اگر فرشتہ اپنی اصل شکل میں نازل ہوتا تو انسان اس کی تاب نہ لا سکتے اور فوراً ہلاک ہو جاتے، لہذا انسانوں کا فرشتوں سے استفادہ ہونا کسی طور پر ممکن نہیں، انسانوں کی رہنمائی کے لیے انسان کا رسول ہونا ہی قابل عمل ہے۔

کفار و مشرکین کہتے تھے کہ اگر نبی کے ساتھ فرشتہ نازل نہیں ہوا تو کم از کم اتنا تو ہوتا کہ أَوْ يُلْقِي إِلَيْهِ كِتَابًا کہ اُس پر کوئی خزانہ اتارا جاتا اللہ کا رسول مالدار آدمی ہوتا، اُس کے نوکر چاکر ہوتے، عالیشان مکان ہوتا تو پھر بھی ہم سمجھتے کہ یہ اللہ کا رسول ہے۔ مکے والوں نے بھی یہی کہا تھا کہ ہم اس یتیم کو کیسے اپنی نیایم کہ لیں۔ اگر وحی کا نزول مکے یا طائف کے کسی بڑے سردار پر ہوتا تو ہم مان بھی لیتے کہتے أَوْ تَكُونُ لَهُ جَدَّتْ يَأْكُلُ مٹھا یا اس کا کوئی باغ ہوتا جس سے وہ کھاتا پینا۔ پھر بھی ہم کہتے کہ یہ کوئی بڑا آدمی ہے، وحی کا نزول اس پر ممکن ہے۔ مگر نبوت کے اس دعویدار کے پاس تو کچھ بھی نہیں، لہذا ہم اس کی رسالت کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں اس کے برعکس وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنَّا تَسْبَحُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ان ظالم لوگوں نے کہا کہ تم تو ایک مسح زدہ آدمی کی پیروی کر رہے ہو۔ اس پر تو جادو کیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ بھی ہنسی باتیں کرتا ہے (نوح علیہ السلام) اس کے جو اس درست نہیں ہیں۔ تم اس کے پیچھے کیسے لگ رہے ہو؟ اس قسم

کی بیودہ باتوں کے ذریعے منصب رسالت پر اعتراض کرتے تھے۔

مغضربین
کی گمراہی

اللہ نے فرمایا اَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْاَمْثَالَ اے پیغمبر! آپ دیکھیں کہ ان بدبختوں نے آپ کے لیے کیسی کیسی مثالیں بیان کی ہیں۔ یہ لوگ اپنے باطل عقائد کی وجہ سے قَضَلُوْا گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور گمراہی میں اس قدر دور جا پڑے ہیں فَلاَ يَسْتَطِيْعُوْنَ سَكِيلاً کہ راہ راست پر چلنے کی صلاحیت سے ہی محروم ہو چکے ہیں۔ یہ اسی زعمِ باطل میں مبتلا ہیں کہ انسان رسول نہیں ہو سکتا گویا بشریت منصب نبوت کے منافی ہے۔ یہ بد نصیب لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے اپنے نبی کو کتنا کمال اور شرف بخشا ہے، اس کا اخلاق کتنا پاکیزہ ہے اور اس کا کردار کتنا بلند ہے۔ نبی کے اخلاق و کردار پر مخالفت ترین آدمی بھی کبھی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ یہ لوگ دنیا کے مال و دولت کو لازمہ نبوت سمجھ رہے ہیں جو کہ بالکل غلط اور گمراہی کا باعث ہے۔

آج بھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ہدایت کو مال و دولت کے پیمانے سے لپکتے ہیں۔ یہی دولت مندی ہے جو انسانوں کی گمراہی کا سبب بنتی ہے اللہ کے رسول نے فرمایا اَبَدًا سَلَامًا غَيْرِ يَبِاْ وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَا دِيْنَ اِسْلَامِ كِي اِبْتَدَا عَرَبِيُوْنَ سَے ہوئی اور آخر میں بھی یہ غریب طبقے میں سمٹ کر رہ جائے گا۔ اکثر سچے اور درمیانے طبقے کے لوگ ہی ہدایت قبول کرتے ہیں اور دنیاوی اعتبار سے اعلیٰ درجے کے لوگ کم ہی اس طرف آتے ہیں البتہ حیب مجھو ہو جائیں تو پھر ان کا دین کی طرف آنا ممکن ہو جاتا ہے ابو سفیانؓ کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ بیس سال تک مسلمانوں کے خلاف زور آزمائی کرتے رہے فتح مکہ پر حیب کوئی صورت باقی نہ رہی تو اسلام قبول کر لیا۔ تاہم بعد میں ان کی حالت بہت اچھی ہو گئی اور نبی کے ساتھ کمال درجے کی محبت کا ثبوت دیا۔

تَبْرَكَ الَّذِيٰ اِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ
 جَنَّتْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ وَيَجْعَلُ لَكَ
 قُصُوْرًا ۱۰ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ
 بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۱۱ اِذَا رَاْتَهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ
 سَمِعُوْا لَهَا تَغِيْظًا وَّزَفِيْرًا ۱۲ وَاِذَا الْقُوَا مِنْهَا
 مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقْرِنِيْنَ دَعَا هٰنَالِكَ ثُبُوْرًا ۱۳ لَا تَدْعُوْا
 الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۱۴ قُلْ
 اٰذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْرًا جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ
 كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَّمَصِيْرًا ۱۵ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاءُوْنَ
 خٰلِدِيْنَ ۱۶ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ۱۶

تجسم۔ بڑی برکت مینے والی ہے وہ ذات اگر چاہے
 تو بنا دے آپ کے لیے بہتر اس سے باغات جن کے
 سامنے نہریں بہتی ہوں، اور بنا دے آپ کے لیے محلّا ۱۰
 بلکہ جٹھلایا ہے ان لوگوں نے قیامت کو، اور تیار کی ہے
 ہم نے اس شخص کے لیے جس نے جٹھلایا قیامت کو
 بٹھکتی ہوئی آگ ۱۱ جب وہ (دوزخ) دیکھے گی ان کو دور
 جگہ سے ترسنیں گے اس کے لیے جوش اور آواز ۱۲

جب وہ ڈالے جائیں گے اس کی کسی جگہ میں جکڑے ہوئے تو پکاریں گے وہاں پر ہلاکت کو (۱۳) (کہا جائے گا) مت پکارو آج کے دن ایک ہلاکت کو، بلکہ پکارو بہت سی ہلاکتوں کو (۱۴) (لئے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے، کیا یہ بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے کا باغ جن کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے یہ اُن کا بدلہ ہوگا اور لوٹ کر جانے کی جگہ (۱۵) اُن کے لیے اُن باغات میں ہوگا جو چاہیں گے، اور ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ ہے یہ تیرے پروردگار پر وعدہ طلب کیا ہوا (۱۶)

رابط آیت

گذشتہ آیات میں کفار و مشرکین کی طرف سے قرآن پاک کی حقانیت کے متعلق اعتراض تھا کہ یہ خود ساختہ ہے اور پرانے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ یہ کسی مخلوق کا کلام نہیں بلکہ خدا نے عظیم و جبار کا نازل کردہ ہے۔ اُن کا دوسرا اعتراض رسالت پر تھا کہ یہ کیسے نبی ہو سکتا ہے جو ہماری طرح کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلتا ہے۔ کہتے تھے کہ اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہونا چاہیے، تھا جو اس کی تصدیق کرتا اور لوگوں کو ان کے برے انجام سے ڈراتا۔ نیز یہ ہے کہ پیغمبر کے نزلنے اور باغات ہونے چاہئیں۔ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ لوازمات بشریت رسالت و نبوت کے مانع نہیں ہیں۔ رسول بھی انسان ہی ہوتا ہے جو کھاتا پیتا اور تمام بشری تقاضے پورے کرتا ہے۔ البتہ وہ معصوم عن الخطا اور تمام امت سے افضل ہوتا ہے۔ نبی کی مالی کمزوری بھی نبوت کے سفاکی نہیں ہوتی کیونکہ مال و دولت رسالت کا لازمی جزو نہیں ہے۔ اب آج کے درس میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو دنیا کا مال و متاع اور باغات و محلات بھی عطا کر سکتا ہے۔ مگر متقیوں کو آخرت میں ملنے والے انعامات دنیا کے لوازمات سے بہت بہتر اور دائمی ہوں گے۔

ارشاد ہوتا ہے تَبْلُوكَ الَّذِي رُبِّي بِرَبِّكَ عَيْنِي وَالِي هِيَ نَاتٌ مُّذَرِي
 اَللّٰهُ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّمَّذَا ذَلِكُ كَمَا كَرِهَ مَا هُوَ
 تو بنا ہے آپ کے لیے اس سے بہتر مطلب یہ کہ کافر اور مشرک لوگ تو آپ کے
 لیے باغات، کو بھی، خزانہ اور نوکر چاکر کا مطالبہ کر رہے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ تو
 ان چیزوں سے کہیں زیادہ آپ کو عطا کرنے پر قادر ہے۔ فرمایا جَعَلْتُ
 تَحْتَهَا مِثْرًا لِّهَا اَلَا تَهْتَدُ وَهِيَ اِلَيْهِ بَانَاتٌ عَنَابٌ كَمَا سَكَتَ
 جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں۔ صرف باغات ہی نہیں بلکہ وَجَعَلَ لَكَ
 قَصْرًا مَّا وَهَآءُ اَلَا تَهْتَدُ وَهِيَ اِلَيْهِ بَانَاتٌ عَنَابٌ كَمَا سَكَتَ
 میں کوئی کمی نہیں۔ وہ نہ صرف جنت میں عالیشان محل دے گا۔ بلکہ اس دنیا میں
 بھی عطا کرنے پر قادر ہے۔ معتز ضہین کا اعتراض یہودہ ہے کہ نبی کے
 پاس مال و دولت، زر و جواہر، باغات اور مکانات ہونے چاہئیں۔ نبوت و
 رسالت کے لیے یہ چیزیں ضروری نہیں ہیں یہ تو اضافی چیزیں ہیں اللہ تعالیٰ
 جسے چاہتا ہے اپنی حکمت کے مطابق عطا کرتا ہے۔ نبی کے لیے تو علم و
 عصمت، پاکیزگی اور اعلیٰ اخلاق و اطوار کی ضرورت ہے جو اسے اس دنیا
 میں میسر آتے ہیں۔ تاہم اللہ کے نبی دنیا میں مصائب و تکالیف برداشت
 کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں اور آخرت میں بہتر اجر کے امیدوار
 ہوتے ہیں۔ صحیح حدیث میں امام احمد اور امام ترمذی نے ابو امامہ سے
 روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیش کش کی
 ان يجعل لي بطحلو صكته ذهباً كَمَا كَرِهَ مَا هُوَ
 لیے مکہ کی پیٹھ ملی زمین سونے کی بنا دی جائے۔ میں نے اس پیش کش کے
 جواب میں عرض کیا، پروردگار! مجھے اس چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میں
 تو یہ چاہتا ہوں اَشْبَعُ يَوْمًا وَاَجْوَعُ يَوْمًا اِسْبَعُ يَوْمًا وَاَجْوَعُ يَوْمًا
 بھر کہ کھائوں تو دو سکر دن بھوکا رہوں۔ اور اِسْبَعُ يَوْمًا وَاَجْوَعُ يَوْمًا
 لہ معالہ التنزیل ص ۱۹۹ و تفسیر خازن ص ۹۳ (فیاض)

کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں جنہیں امام لغوی نے نقل کیا ہے کہ جب میں مجھو کا ہوں گا قَضَرَتْ إِلَيْكَ تَوْتِيرَ سَانِيَةِ كَرْمِ طَرَاوُنِ كَمَا أَدْرَجِي فِي جَيْبِ طَبَقِ بَحْرٍ أَمْ هُوَ كَمَا حَمِدْتُكَ وَشَكَرْتُكَ تَوْتِيرِي تَعْرِيفِ بَيَانِ كَرْمِ كَمَا أَدْرَجِي تَوْتِيرًا شُكْرًا أَدْرَجِي كَرْمًا - بہر حال مجھے دنیا کے ان خزانوں اور مالِ منقوع کی ضرورت نہیں۔

حضور علیہ السلام
کی انکاری

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک موقع پر ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور کہا کہ پروردگار آپ کو سلام کہتے ہیں اور ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں اِنَّ بَشَرًا نَبِيًّا عَبْدًا اَوْ شِدْدَةً نَبِيًّا مَلِكًا یعنی اگر آپ چاہیں تو نبی اور اللہ کے عبادت گزار بن جائیں یا چاہیں تو نبی اور بادشاہ ہوں۔ فرماتے ہیں کہ پاس ہی جبریل علیہ السلام بھی کھڑے تھے، انہوں نے مجھے اشارے سے کہا کہ آپ نواضع والی بات کہتے کہ میں چنانچہ میں نے اس فرشتے سے کہا کہ میں نبوت اور عبدیت کا طلبگار ہوں مجھے بادشاہت کی ضرورت نہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کھانا تناول فرماتے تھے تو نہایت عاجزی کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ آپ نے کبھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا۔ آج کل کے طریقے کے مطابق نہ کبھی میز کم سے پر بیٹھ کر کھانا کھایا اور نہ کھڑے ہو کر بلکہ انکساری کے ساتھ بیٹھ کر۔ آپ نے فرمایا اَكْلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ میں تو اس طرح کھانا کھاتا ہوں جس طرح اللہ کا کوئی بندہ کھانا کھاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی اذیت میں آتا ہے کہ آپ نے حضور علیہ السلام کے جسم مبارک پر چٹائی کے نشان دیکھے تو آبدیدہ ہو کر عرض کیا حضور اقصیٰ وکسری کے بڑے بڑے نافرمان تو عیش و عشرت میں زندگی بسر کر رہے ہیں جب کہ آپ اللہ کے برگزیدہ رسول ہو کر عسرت کا وقت گزار رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے پرجوش انداز میں فرمایا اَفِيْ هٰذَا اَيَّاسُ الْخَطَّابِ اِنَّ ابْنَ خَطَّابٍ (عمرؓ) آپ

آتا ہے اور نہ کسی عمل کی ذمہ داری کی طرف دھیان جاتا ہے۔ فرمایا ایسے مادر
 پدر آزاد لوگوں کے لیے وَاعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ
سَعِيرًا جنہوں نے قیامت کا انکار کیا۔ بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے
 قیامت والے دن ان کا یہی ٹھکانا ہوگا۔ جس قیامت کی تکذیب کرتے تھے
 وہ ان کے لیے ابی سنز کا موجب بن جائے گی۔

دوزخیوں
 کی چیخ و پکار

فرمایا اِذَا رَأَوْهُمْ مِنْ مَكَانٍ اَبْعَدٍ جب وہ (دوزخ) کی
 زان کہ دور سے دیکھے گی سَمِعُوا اِنَّهَا تَغِيظُا وَرَفِيًا تو وہ (لوگ)
 اس کے جوش اور چلانے کی آواز کو نہیں گے۔ یہ اتنی سخت اور غضبناک آواز
 ہوگی کہ دور سے ہی ناقابل برداشت ہوگی۔ دوزخ کے جوش اور غیظ و غضب
 کے متعلق اب واصل کہتے ہیں کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے ساتھ
 کہیں جاتے تھے۔ ایک بزرگ صحابی ربیع بھی سمراہ تھے۔ راستے میں لوہار
 کی دکان آئی۔ جہاں لوہا آگ میں تپایا جا رہا تھا۔ اس بھٹی کو دیکھ کر حضرت
 ربیع کا حال تو خراب ہو گیا۔ عذاب الہی کا نقشہ آنکھوں میں گھوم گیا۔ اور
 قریب تھا کہ آپ بیہوش ہو کر گر پڑیں۔ پھر آگے نہر کے کنارے پر ایک
 آئین بھٹی کو جوش مانتے ہوئے دیکھا۔ حضرت ابن مسعود کی زبان سے یہ
 آیت نکلی اِذَا رَأَوْهُمْ... تَغِيظًا وَرَفِيًا پھر آپ نے پلٹ
 کر دیکھا تو حضرت ربیع پر غشی طاری ہو چکی تھی۔ وہ اس خیال میں مستغرق ہو گئے
 کہ جب دنیا کی اس بھٹی کا یہ جوش و خروش ہے تو جہنم کا جوش و خروش کس قدر
 تند و تیز ہوگا۔ حضرت ابن مسعود دو پہر تک حضرت ربیع کے پاس بیٹھے ان
 کو ہوش میں لانے کا چارہ کرتے رہے مگر وہ ہوش میں نہ آئے اور اسی حالت
 میں ختم ہو گئے۔

فرمایا وَإِذَا الْقَوْمُ امَّامًا كَانُوا صَبِيحًا مَقْرَبِينَ
 جب دوزخی دوزخ میں کسی تنگ جگہ میں جکڑے ہوئے ڈالے جائیں گے
 لے تفسیر مواہب الرحمن ص ۱۸۰ (فیاض)

دَعُوا هَذَا ثَبُورًا تَوَّاسٌ وَقَدْ هَلَكَتْ كَوْبَكَرِيں گے اور کہیں گے
ہائے! ہماری ہلاکت و تباہی۔ مستد احمد کی روایت میں آتا ہے کہ ابلیس کو
دوزخ کی آگ کا لباس پہنایا جائے گا۔ وہ اس لباس کو اپنے سر پر رکھ کر چیخ و
پکار کرے گا۔ اور ہائے ہلاکت، ہائے ہلاکت کہتا ہوا دوڑے گا۔ اس کے
ساتھ اس کے ماننے والے بھی ہلاکت و تباہی کو پکاریں گے۔ پھر اُدھر سے
جواب آئے گا لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثَبُورًا وَلَا جَدًّا اُجْرًا صرف ایک
ہلاکت کو نہ پکارو بلکہ وَادْعُوا ثَبُورًا كَثِيرًا بہت سی ہلاکتوں کو پکارو۔ آج
تمہیں ہر بد عملی کی علیحدہ علیحدہ سزا ملے گی، لہذا تم پر بہت سی ہلاکتیں آئیں گی، ان
سب کو پکارو اور کسی ایک پر اکتفا نہ کرو۔

دوزخ میں تنگ جگہ میں ڈالنے کے متعلق بعض روایات میں آتا ہے
کہ دوزخیوں کو کسی تنگ و تاریک مقام پر اس طرح ٹھہرائے دیا جائے گا جس طرح
کسی پتھر میں کیل ٹھونک دیا جائے۔ اس کے علاوہ حشر کے دن کی تنگی بھی ہو
گی۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے دعائیں سکھایا ہے اللَّهُمَّ اِنِّى اَعُوذُ
بِكَ مِنْ تَبَاةِ الدُّنْيَا وَصِيقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اے اللہ!
میں تیرا ذات کے ساتھ دنیا اور قیامت کے دن کی تنگی سے پناہ چاہتا
ہوں۔ حشر کی تنگی کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ لوگوں کو پاؤں ٹکمانے کی جگہ
بھی میسر نہیں آئے گی۔ اُدھر سے گرنی اور پسینہ ہوگا۔ اور پھر دوزخ کی تنگی کا تو
کیا کہنا۔

متقیوں کے
لیے انعامات

فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے اَذَلِكْ خَيْرٌ لِّمَا يَبْتَغِي
بہتر ہے کہ ان ان جہنم کی تنگ و تاریک جگہوں میں جکڑ دیا جائے؟ اَمْ حِجَّةُ
الْحُدُودِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ يَا اٰهْلِيَّةُ كَابِخٍ بَهْتَرِيَّةٍ جِسْمِ كَا وَعَدَه
متقیوں سے کیا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننے والے اور کفر و شرک،
اور محاصی سے بچنے والے لوگوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں اپنی

رحمت کے مقام جنت میں پہنچائے گا۔ اور پھر ان کا بدلہ بھی یہ بتلایا کانت
 لکم جنة ارضاً و مصلوا اور یہی ان کا بدلہ اور لوٹ کر جانے کی جگہ
 ہوگی۔ کھڑے رہنا مائشکاء و من وہاں ان کے لیے ہر وہ شے ہوگی جسے
 وہ چاہیں گے۔ وہاں اپنی من مانی سراویں پائیں گے۔ اور یہ نعمتیں عارضی نہیں
 ہوں گی اور نہ ختم ہو جانے والی ہوں گی خلدت جنتی لوگ ہمیشہ جنت
 میں رہیں گے اور ان کے انعامات بھی لازوال ہوں گے۔ وہاں سے نکلنے
 یا کسی نعمت کے ختم ہو جانے کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا پھر فرمایا کان علی
 ربک وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کے ساتھ یہ
 وعدہ اپنے ذمے لے رکھا ہے جو کہ پورا ہو کر رہے گا اور اللہ تعالیٰ
 اپنے نیک بندوں کو اپنی رحمت کے مقام جنت میں ضرور پہنچائے گا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں دونوں مقامات کا ذکر کر دیا ہے۔
 قیامت کے منکبین کے لیے دوزخ کی تنگ ترین وادیاں ہوں گی اور ان کے
 لیے جبرکتی ہوئی آگ کا عذاب ہوگا۔ اس کے برخلاف متقین کے لیے ہمیشہ رہنے
 کے باغات ہوں گے جہاں انہیں خواہش کے مطابق ہر چیز میسر ہوگی۔ وہ وہاں
 ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ نہ وہاں سے نکالے جائیں گے اور نہ کسی نعمت
 میں کمی آئے گی۔ اللہ نے انہوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھ لو ان دونوں مقامات
 میں سے کون سا مقام بہتر ہے اور تم کس کو پسند کرتے ہو؟ الب یہ تمہاری مرضی ہے
 کہ اپنے عقیدے اور عمل کی بنا پر چونکہ اس مقام چاہو منتخب کر لو۔

وَيَوْمَ يُحْشِرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
فَيَقُولُ ءَأَنْتُمْ أَضَلَلْتُمْ عِبَادِي هَؤُلَاءِ أَمْ هُمْ
ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي
لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ
مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا
قَوْمًا بُورًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ بِمَا تَقُولُونَ فَمَا
تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا وَمَنْ يَظْلِمِ مِنْكُمْ
نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿۱۹﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ
الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ
فِي الْأَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً
أَتَصْبِرُونَ ؕ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿۲۰﴾

ترجمہ: اور جس دن وہ (اللہ تعالیٰ) اکٹھا کرے گا ان کو اور
ان کو جن کی یہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے، پس فرمائے گا ،
کیا تم نے گمراہ کیا میرے ان بندوں کو یا یہ خود راستے سے
گمراہ ہو گئے ﴿۱۷﴾ وہ کہیں گے ، پاک ہے تیری ذات ، نہیں
لاٹق ہمارے کہ ہم بنائیں تیرے سوا کسی کو کارساز۔ لیکن تو
نے ان کو فائدہ پہنچایا اور ان کے آباؤ اجداد کو یہاں تک کہ

یہ تیری یاد کو بھول گئے، اور تھے یہ لوگ ہلاک ہونے والے (۱۸)۔
 پس بیشک انہوں نے جھٹلا دیا تم کو جو کچھ تم کہتے تھے۔
 پس نہیں طاقت سکتے تم اپنے آپ سے تکلیف کو ہٹانے
 کی اور نہ مدد کی۔ اور جو ظلم کرے گا تم میں سے، ہم چکھائیں
 گے اُس کو بڑا عذاب (۱۹) اور نہیں بھیجے ہم نے تجھ سے
 پہلے رسول مگر یہ کہ وہ البتہ کھانا کھاتے تھے، اور چلتے تھے
 بازاروں میں۔ اور بنایا ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے
 لیے آزمائش۔ کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور تیرا پروردگار سب
 کچھ دیکھتا ہے (۲۰)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے بطور وحی منزل من اللہ ہونے کا
 ذکر کیا۔ اُس سے پہلے توحید کا بیان ہوا۔ رسالت کے باب میں اُن معترضین کے اعتراضات
 کا جواب دیا جو کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا پیتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے
 اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُترتا جو اُس کی تصدیق کرے۔ اس رسول کے پاس خزانے
 اور باغات کیوں نہیں۔ بعض پر بخت آدمی رسول کو سحر زدہ کہنے سے بھی نہ چوکے۔ اللہ
 نے ان تمام اعتراضات کو مسترد کر دیا اور فرمایا کہ اگر اللہ چاہے تو اپنے نبی کو معترضین کی فرمائش
 سے بڑھ کر بھی عطا کر دے۔ مگر ان لوگوں کا اعتراض محض اس وجہ سے ہے کہ یہ قیامت
 کے منکر ہیں اور جو شخص قیامت کا انکار کرتا ہے وہ ایمان کے باقی اجزاء کا بھی منکر ہوتا
 ہے۔ پھر اللہ نے قیامت والے دن کی سختی اور تلخی کا ذکر فرمایا اور یہ بھی کہ منکرین توحید، رسالت
 اور وحی الہی کا اُس دن بہت بُرا حال ہوگا۔

آج کی ابتدائی آیات میں قیامت والے دن خود ساختہ معبودان اور ان کے
 متبعین سے سوال و جواب کا تذکرہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ
وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو اور اللہ کے

سوا ان کے معبودوں کو اکٹھا کرے گا۔ یعنی قیامت والے دن کفر، شرک کرنے والے اور ان کے خود ساختہ معبود سب میدان محشر میں جمع کیے جائیں گے۔ اللہ کے سوا معبودوں میں انبیاء، اولیاء، فرشتے اور جنات بھی ہوں گے۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہوگا فَيَقُولُ اِرْجِعُوْا اِلَيْكُمْ اور کہے گا اَنْتُمْ اَضَلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰؤُلَاءِ کیا دنیا میں تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا۔ یہ لوگ تمہاری پرستش کرتے تھے، کیا تم نے اپنی پوجا کا حکم دیا تھا۔ اور انہیں شرک میں مبتلا کیا تھا؟ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ یا یہ لوگ از خود راہِ راست سے ہٹ گئے تھے۔ سورۃ مائدہ میں حضرت علیؑ علیہ السلام سے براہِ راست اس قسم کے سوال کا ذکر بھی آتا ہے۔ وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰى ابْنَ مَرْيَمَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ وَاٰمِحَّةٍ الْهٰنِیْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آیت - ۱۱۶) اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال کریں گے کہ کیا تو نے ان لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنا لو۔ تو حضرت مسیح علیہ السلام نہایت عاجزی کے ساتھ جواب دیں گے کہ پروردگار! تیری ذات پاک ہے، مجھ میں وہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں جس کے کرنے کا مجھے حق نہیں ہے۔ تو یہاں بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عابدوں اور معبودوں کو جمع کر کے جب معبودوں سے سوال کریں گے قَالُوْا تُوَدُّوْهُ جِبَابِیْنَ کہیں گے بِسَبْحٰتِكَ پروردگار! تیری ذات پاک ہے مَا كَانَ یَنْبَغِیْ لَنَا اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِیَاءٍ یہ بات ہمارے لائق نہیں ہے کہ ہم تیرے سوا دوسروں کو کارساز بنائیں۔ ہم تو خود تھے ہی اپنا کارساز بناتے۔ بے ہیں پھر بھلا ہم ان سے کیسے کہہ سکتے تھے کہ وہ ہیں اپنا کارساز تسلیم کر لیں۔ یہ مطلب یہ کہ مشرک لوگ دنیا میں جن مقررین الہی کو اپنا مشکل کٹ اور حاجت روا سمجھتے رہے، وہ قیامت والے دن اپنی معبودیت کا صاف انکار کر دیں گے۔ وہ کہیں گے کہ ہم نے تو ان کو نہیں کہا تھا کہ ہمیں اپنا معبود بنا لو۔ انہوں نے تو شیطان کے بہکاوے میں آکر اور اپنی

نفسانی خواہش کی بناء پر ہمیں اپنا کارساز بنالیا۔ اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے۔
 پھر وہ مقررین بارگاہ الہی میں مزید عرض کریں گے کہ مولانا کریم! اصل بات یہ
 ہے وَلَكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ کہ تو نے ان کو اور ان کے آباؤ اجداد
 کو دنیا میں طرح طرح کا فائدہ پہنچایا۔ ان کو اپنی نعمتوں سے نوازا، اسباب معیشت
 مہیا کیے، مال و مناع کی فراوانی دی اور دنیا کی زندگی میں ان کو خوشحال بنا دیا حتیٰ
تَسْوَأِ الذِّكْرِ یہاں تک کہ یہ تیری یاد کو بھی بھول گئے۔ یہ لوگ دنیا کی آسودگی
 اور عیش و عشرت میں اس قدر منہمک ہو گئے کہ اپنے پروردگار کو بھی بھول بیٹھے
وَكَانُوا قَوْمًا يَّوْسُرًا اور یہ تباہ و برباد ہونے والے لوگ بن گئے۔
 انہوں نے انبیاء کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا، کسی کی نصیحت پر کان نہ دھرا۔
 تیری نعمتوں اور مہربانیوں کا غلط فائدہ اٹھاتے رہے، لہذا ان کے حصے میں ہلاکت
 کے سوا کچھ نہ آیا۔

بُور کا معنی

اس آیت میں آیدہ الفاظ قَوْمًا يَّوْسُرًا کا ترجمہ ہلاک ہونے والے
 لوگ کیا ہے۔ ان معانی کی تصدیق بعض دوسرے ذرائع سے بھی ہوتی ہے مثلاً
 حضور علیہ السلام کی کھلائی ہوئی دُعا میں یہ الفاظ آتے ہیں اللَّهُمَّ رَاغِبًا
 أَحْوَدًا بِكَ صِرَاطًا يُّوَسِّرُ لِي السُّبُلَ فِي رِزْقِي اور ہونے کی تباہی سے
 تیری پناہ چاہتا ہوں۔ عبد اللہ ابن زبجری شاعر عرب کا شاعر تھا۔ پہلے سخت مخالفین
 میں سے تھا مگر بعد میں اللہ نے ایمان کی دولت نصیب فرمائی۔ اس کے بعض
 اشعار میں بھی بُور کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ کہتا ہے: لے

يَا رَسُولَ الْمَلِيكِ اِنَّ لِسَانِي
 رَاتِقٌ مَا فَتَقْتُ اِذْ اَنَا الْبُورُ

اے اللہ کے پیغمبر اور بحق رسول! میری زبان اب ان چیزوں کو جوڑنے
 والی ہے۔ جن کو میں توڑتا رہا ہوں جب کہ میں ہلاکت میں مبتلا تھا۔ گویا ہلاکت
 میں نبی کی شان میں جو گستاخی کرتا تھا، توحید کے خلاف بات کرتا تھا، اب

کے مختلف مقامات پر بیان ہوا ہے۔ سورۃ بقرہ میں ہے اِذْ تَسْتَبْرَا
 الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا (آیت ۱۶۶)
 جب کہ متبوع اپنے متبعین سے برأت کا اظہار کر دیں گے، اور وہ عذاب
 کو دیکھیں گے اور ان کے تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے۔ متبوع عذاب
 کو دیں گے کہ ہم نے تمہیں کب کا ہٹا دیا کہ ہمیں اللہ تسلیم کر لو۔ تم نے تو از خود
 یہ کام کیا، لہذا آج کتابِ حج کے ذمہ دار بھی تم خود ہو۔ اُس دن شیطان کا اتباع
 کرنے والے بھی مایوس ہو جائیں گے۔ وہ بھی کہ دے گا فَلَآ تَلْمِزُوْهُنَّ
 وَلَوْ مَوَّآ اَنْفُسَكُمْ (ابراہیم - ۲۲) آج مجھے علامت نہ کرو بلکہ خود اپنے
 آپ کو علامت کرو۔ میرا تم پر کوئی تسلط تو نہیں تھا میں تو تمہیں برائی کی طرف
 ترغیب دینا تھا۔ دوسری طرف اللہ کے نبی تمہیں نیکی کی ترغیب دیتے تھے
 اور عذابِ الہی سے ڈراتے تھے، مگر تم نے ان کی بات نہ مانی اور میرے
 جھانسنے میں آگے۔ اب اپنی کارگزاری کا سزا چکھو۔ فرمایا وَمَنْ يُّظَلِّمْ
 مِنْكُمْ نُدِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا تم میں سے جو کوئی ظلم کا ارتکاب
 کرے گا، ہم اُس کو بڑا عذاب چکھائیں گے۔ ظلم میں ہر قسم کی تعدی شامل ہے
 مگر یہاں پر خاص طور پر عقیدے کا ظلم یعنی کفر اور شرک مراد ہے۔ دوسرے
 مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالْكَافِرُوْنَ هُمْ الظَّالِمُوْنَ
 (البقرہ - ۲۵۴) کفر کرنے والے ہی بڑے ظالم ہیں۔ نیز فرمایا اِنَّ الشُّرَكَ
 لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان - ۱۳) شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ مقصد یہ کہ
 اگرچہ حق معنی اقلِ ماسخ جیسے بڑے بڑے ظلم میں مگر عقیدے کا ظلم ایسا ہے
 جسکی کوئی معافی نہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم ظالم کو بڑا عذاب چکھائیں گے۔

بشریتِ رسول

اب اگلی آیت اُس سابقہ آیت کے جواب میں ہے جس میں مشرکین
 نے اعتراض کیا تھا کہ یہ کیا رسول ہے جو کھانا، پینا اور بازاروں میں چلتا پھرتا
 ہے۔ تو اللہ نے فرمایا وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

إِلَّا أَنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَشْرَبُونَ فِي الْأَسْوَاقِ
 آپ سے پہلے ہم نے کوئی ایسے رسول نہیں بھیجے مگر وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں
 میں چلتے پھرتے تھے۔ مشرک اور کافر لوگ ان باتِ بشریہ کو رسالت کے منافی
 سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہماری طرح کھانے پینے اور چلنے پھرنے والا
 رسول کیسے ہو سکتا ہے، مگر اللہ نے ان کے اس باطل خیال کی تردید فرمائی
 اور فرمایا کہ تمام انبیاء اور رسل انسانی تھے اور ان میں تمام انسانی لوازمات مجملہ
 کھانا پینا، سونا جاگنا، صحت بیماری، بیوی بچے، روزانہ ہنسنا وغیرہ پائے جاتے
 تھے۔ اللہ نے سورۃ مائدہ میں حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کا ذکر
 کر کے فرمایا ہے كَانَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ (آیت - ۵) دونوں
 کھانا کھاتے تھے جو کھانا کھاتا ہے اس کو قضا نے حاجت کی ضرورت
 بھی پیش آتی ہے۔ تو یہ سب چیزیں لوازماتِ بشریت میں سے ہیں
 جو تمام رسولوں میں پائی جاتی تھیں۔ انبیاء ان چیزوں سے مستثنیٰ انہیں میں
 سورۃ الکہف میں صاف موجود ہے۔ اللہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کو مخاطب کر کے فرمایا ہے قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
 (آیت - ۱۱۰) آپ ان لوگوں پر واضح کر دیں کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک
 انسان ہوں۔ میں اپنے والدین کے گھم بید ہوا۔ میرے بیوی بچے ہیں۔
 میں کام کاج کرتا ہوں، بازار سے سودا سلف خریدتا ہوں۔ اس میں کون
 سی عجیب والی بات ہے۔ ہاں میری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے
 مجھے تمام امت پر شرف عطا فرمایا ہے۔ مجھے معصوم عن الخطا اور پاکیزہ کردار
 کا مالک بنایا ہے۔ اللہ نے سائے نبیوں کو خطاب فرمایا ہے يَا أَيُّهَا
 الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا
 (المؤمنون - ۵۱) کہ اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال انجام

دو۔ یہی صفت اللہ نے ایمان والوں کی بھی بتلائی ہے **كَلِمَاتٍ الطَّيِّبَاتِ مَا زِدْتُمْ لَكُمْ وَاسْتَكْبَرُوا لِلَّهِ** (البقرہ - ۱۷۲) گو لو! ہماری عطا کردہ حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔

بازار میں
جان

بازار میں جانا بذاتہ کوئی عیب والی بات نہیں۔ ضرورت کے مطابق دکانداری کے لیے سودا سلف خریدنے کے لیے بازار میں جانا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ بازار کے مقابلے میں اللہ نے مسجد کو بہت زیادہ فضیلت عطا فرمائی ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ نے یوں فرمایا ہے **شَسَى الْبَيْتِ كَعِ اسْتَوَاقِهَا وَخَيْرُ الْبَيْتِ كَعِ مَسَاجِدِهَا** (مناحد) یعنی بدترہ خطے بازار میں اور بہترین خطے مساجد میں۔ بازاروں کی قباحت اسوجہ سے ہے کہ وہاں تجارت کے دوران دھوکا فریب اور غلط بیانی کا از کتاب ہوتا ہے۔ جھوٹی قسمیں کھائی جاتی ہیں۔ وگرنہ ضرورت کے تحت بازار میں جانا محبوب نہیں ہے۔ امام ترمذی نے حضرت عمرؓ سے یہ روایت بیان کی ہے جسے ابوداؤد طیالسی نے بھی روایت کیا ہے۔ کہ جس شخص نے بازار میں داخل ہو کر یہ دعا پڑھی **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَكَهُ الْحَمْدُ يَحْيَى وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک لاکھ نیکو لکھ دیگا۔ اس کے ایک لاکھ چھوٹے گناہ معاف کر دے گا اور ایک لاکھ درجات بلند فرمائے گا گویا بازار میں داخل ہو کر انسان اتنی نیکیاں بھی کما سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے ایک شاگرد کے ہمراہ بازار جانے کے لیے تیار ہوئے تو شاگرد نے عرض کیا حضرت! آپ نے کوئی خریداری تو کرنی نہیں، پھر یہیں بیٹھ کر درس و تدریس کا کام کریں۔ فرمانے لگے

تمھیں سمجھ نہیں، ہم بازار میں سودا خریدنے کے لیے نہیں جاتے بلکہ وہاں ہمیں بہت سے لوگ ملتے ہیں جن کو ہم سلام کرتے ہیں۔ ایک دفعہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہم اور برکات اللہ کہنے سے تیس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں، لہذا یہ کوئی بڑا سودا نہیں ہے اگر کوئی شخص بازار میں غلط کام کے لیے جاتا ہے تو وہ اس کے لیے یقیناً باعث وبال ہوگا۔

آگے ارشاد ہے

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۗ أَهَمُّ لَمْ يَلْمِزْ بَعْضٌ بَعْضًا ۗ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۗ
 بعض کو بعض کے لیے ذریعہ آزمائش بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مختلف طبقات کو ایک دوسرے کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے مثلاً اللہ کے نبی منکرین کے لیے آزمائش کا ذریعہ ہیں اور وہ نبی کے لیے ذریعہ آزمائش ہیں۔ جیب کافر اور مشرک طعن و تشنیع اور بیہودہ اعتراض کرتے ہیں۔ توہین آمیز باتیں کہتے ہیں تو یہ چیزیں اللہ کے نبی اور اہل ایمان کے لیے آزمائش ہوتی ہیں کہ وہ کس حد تک صبر سے کام لیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کے نبی اور اہل ایمان نافرمانوں کے لیے ذریعہ آزمائش ہیں کہ وہ ان کی اطاعت کر کے اپنے لیے آخرت کا سامان پیدا کرتے ہیں یا نافرمانی کر کے ہمیشہ کی ناکامی کا منہ دیکھتے ہیں۔ اسی طرح فقیر دولت مند کے لیے آزمائش کا ذریعہ ہوتا ہے کہ وہ اُس کے حقوق ادا کرتا ہے یا نہیں۔ اور فقیر اس لحاظ سے بتلائے آزمائش ہوتا ہے کہ وہ اس حالت میں صبر کا دامن تھامتا ہے یا جزع فزع کرتا ہے۔ چنانچہ بیمار تندرست کے لیے اور صحت مند مرلین کے لیے ذریعہ آزمائش ہے۔ بادشاہ رعیت کے لیے اور رعیت حاکم کے لیے آزمائش کا ذریعہ ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنا دیا ہے، اب یہ تم پر موقوف ہے کہ اس آزمائش میں کس حد تک پورا اترتے ہو۔

ایک دوسرے کے لیے آزمائش کا ذریعہ

فرمایا، اس آزمائش کا مقصد یہ دیکھنا ہے اَقْصَبِمْ وَلْتِ کہ کیا تم صبر کرتے ہو؟ ہر شخص کسی نہ کسی طرح امتحان سے گزر رہا ہے۔ کیا اہل ایمان کفار کی ایذا رسانیوں پر صبر کرتے ہیں یا نہیں؟ کیا کمزور، بیمار اور نادار اپنی حالت پر صابر رہتا ہے یا نہیں؟ اور کیا عام لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت پر اس کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں یا نہیں؟ غرض کہ کوئی بھی شخص آزمائش سے مستثنیٰ نہیں۔ فرمایا وَكَانَ رَجُلٌ كَصِيبٍ آتِيرًا پورے دگر تھے ہر آن دیکھ رہا ہے۔ تمھارا ہر عمل اور کائنات کی ہر چیز اُس کی نگاہ میں ہے وہ انسانوں کی نیت اور ارادے کو بھی جانتا ہے اور پھر وہ ہر ایک کے ساتھ اُس کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہی سلوک کریگا۔

مساوات
نظریہ

اس آیت سے موجودہ زمانے کا نظریہ مساوات بھی باطل ثابت ہوتا ہے، اللہ نے انسانوں کی صلاحیت اور استعداد یکساں نہیں رکھی، اسی لیے اُن کے اشغال بھی یکساں نہیں۔ جب اُن کی ذہانت بھی یکساں نہیں تو پھر اُن میں مساوات کیسے قائم کی جاسکتی ہے؟ اصل مسئلہ معیشت کا ہے جسے قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے بیان کیا ہے کہ ہر انسان بلکہ ہر جاندار کو حق معیشت حاصل ہونا چاہیے اور کوئی بھی اس حق سے محروم نہیں رہنا چاہیے کیونکہ یہ فطرت کے خلاف ہے۔ کوئی انسان بھوکا نہ لنگھا نہیں رہنا چاہیے۔ ہر ایک کو مکان، صحت اور تعلیم جیسی بنیادی ضروریات ملنی چاہئیں۔ تاہم جہاں تک درجات کا تعلق ہے یہ برابر نہیں ہو سکتے۔ ہر شخص کو اس کی قابلیت کے مطابق ہی مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بنی نوع انسان کی تمام ارواح کو آدم علیہ السلام کے سامنے حاضر کیا گیا تو انہوں نے عرض کیا، پورے دگر! لَوْلَا سَوَّيْتِ بَيْنَ عِبَادِكَ تَوْنِي اِنِّي بِنَدْوِي كَدْرِيانِ سَاوَا کیوں نہیں قائم کی۔ کوئی بھاری بھگر کم ہے، کوئی کمزور، کوئی صحت مند اور کوئی بیمار، کوئی امیر ہے اور کوئی غریب، کوئی گور ہے اور کوئی کالا، تو

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اگر میں ان سب کو برابر کر دیتا تو مجھے پہچانتے والا کوئی نہ ہوتا بلکہ سب کے سب نافرمان ہو جاتے جنہو علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے
 إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فَضَّلَ عَلَيْهِ فِي
 الْمَالِ وَالْجَسَدِ حَبِيبٌ تَمَّ مِنْهُ سِوَى كَوْنِ شَخْصٍ إِلَيْهِ شَخْصٌ كَوْنِ شَخْصٍ
 تَمَّ مِنْ مَالٍ أَوْ جَسَدٍ مِنْ فَيْدَتِ رُكْعَتَايَ يَعْنِي اللَّهُ نَفْسِي كَرَمَالٍ عَمِّي زِيَادَةً دِيَا
 هِ وَأَوْ صَحْتِ عَمِّي أَحَبِّي عَطَا كِي هِ، تو فرمایا فَلْيَنْظُرِ الْمَالُ مَنْ هُوَ
 أَسْفَلَ مِنْهُ تُوْا سَہِ چاہیے کہ وہ اپنے سے کم تمام آدمی کی طرف دیکھے۔
 ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ اگر ایسا کرو گے تو الْاَلَا تَذُدُّرُوا نِعْمَةً
 اللہ اللہ کی نعمت کو حقیر نہیں سمجھو گے۔ بلاشبہ تم سے اعلیٰ حیثیت کے
 لوگ بھی ہیں مگر تم سے کمزور، نادار اور مفلس لوگ بھی تو ہیں۔ ان کی طرف
 دیکھو گے تو اپنی حالت پر اللہ کا شکر ادا کرو گے۔ اور اگر اوپر والوں کی طرف
 ہی دیکھتے رہے تو پھر ناشکر گزاری میں مبتلا ہو کر اللہ کی نعمتوں سے محروم
 ہو سکتے ہو۔

لہ معاملہ التنزیل ص ۳۱۱ و حازن ص ۹۴ (فیاض)

وقال الذين ۱۹

الفرقان ۲۵

بِسْمِ نَجْمِ ۵

آیت ۲۱ تا ۲۹

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْنَا
 الْمَلَكُ أَوْ نُنزِلُ رَبَّنَا لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ
 وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا ۲۱) يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَكَ لَا يُبْشِرُ
 يَوْمَئِذٍ الْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حَجْرًا مَّحْجُورًا ۲۲)
 وَقَدْ مَنَّآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً
 مَنْثُورًا ۲۳) أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ
 مُسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَسِيلًا ۲۴) وَيَوْمَ تَشَقُّ السَّمَاءُ
 بِالْعَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ۲۵) الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ
 الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ ۲۶) وَكَانَ يَوْمًا عَلَىٰ الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ۲۷)
 وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي
 اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۲۸) يَا بَلِيَّ لَيْتَنِي لَمْ
 أَخَذْ فَلَانًا خَلِيلًا ۲۹) لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ
 إِذْ جَاءَنِي ۲۹) وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَدُولًا ۳۰)

ترجمہ:- اور کہا اُن لوگوں نے جو نہیں اُمید رکھتے تھے ہماری
 ملاقات کی کہ کیوں نہیں اتارے جاتے ہم پر فرشتے ۔ یا
 (کیوں نہیں) دیکھتے ہم اپنے پروردگار کو۔ (فرمایا) البتہ تحقیق انہوں

نے تکبر کیا ہے اپنے نفسوں میں اور سرکشی کی ہے۔ انہوں نے حد سے زیادہ بڑی سرکشی (۲۱) جس دن دیکھیں گے یہ فرشتوں کو، نہیں خوشخبری ہوگی اس دن مجرموں کے لیے اور کہیں گے کاش کہ ہمارے درمیان کوئی آڑ کھڑی ہوتی (۲۲) اور ہم متوجہ ہوں گے ان کاموں کی طرف جو انہوں نے کیے ہیں۔ پھر ہم کہہ دیں گے اُس کو ذرات بکھیرے ہوئے (۲۳) جنت والے لوگ اُس دن بہتر ہوں گے ٹھکانے کے اعتبار سے اور بہتر ہوں گے آرام کی جگہ کے اعتبار سے (۲۴) اور جس دن بھٹ جائے گا آسمان بادل کے ساتھ۔ اور آسمان جائے فرشتے کا تار (۲۵) بادشاہی اُس دن سچی خدا رحمان کے لیے ہوگی۔ اور وہ دن کافروں پر بہت دشوار ہوگا (۲۶) اور جس دن کاٹیں گے ظالم لوگ اپنے ہاتھوں کو (افسوس کی وجہ سے) اور کہیں گے کاش کہ میں نے پچھڑ لیا ہوتا رسول کے ساتھ راستہ (۲۷) اے خرابی! کاش کہ میں نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا (۲۸) البتہ تحقیق اُس نے گمراہ کیا مجھے نصیحت سے جب کہ میرے پاس وہ (نصیحت) آئی۔ اور شیطان ہے انسان کے لیے دغا دینے والا (۲۹)

اس سورۃ مبارکہ میں تمام بنیادی عقائد بیان کیے گئے ہیں جن میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کے عقلی و نقلی دلائل ہیں۔ قیامت اور جزائے عمل کا سلسلہ ہے۔ نبوت و رسالت کا بیان اور اُس پر اعتراض کرنے والوں کے باطل شکوک کا ازالہ ہے اس کے علاوہ دیگر بہت سی اخلاقی تعلیمات ہیں مگر زیادہ تر نبوت و رسالت کا بیان ہے

رِطَائِب

کافر اور مشرک لوگ نبی آخر الزمان پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ کیا نبی ہے جو کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اُن کے نزدیک بشریت نبوت و رسالت کے منافی تھی۔ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ حضور علیہ السلام سے پہلے جتنے بھی نبی اور رسول دنیا میں آئے وہ سب کے سب انسان تھے۔ وہ کسارے کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے تھے۔ یہ چیز نبوت کے منافی نہیں ہے فرمایا ان لوگوں کے انکار نبوت کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کا انکار کئے پیاک ہو گئے ہیں اور اس قسم کے بہودہ اعتراضات کرتے ہیں۔ اب آج کی آیات میں اللہ نے پہلے مشرکین کا شکوہ بیان کیا ہے، اور پھر قیامت کو پیش آنے والے بعض واقعات کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا اور کہا اُن لوگوں نے جو نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی، یعنی جن کو بعثت بعد الموت پر یقین نہیں ہے اور مرنے کے بعد انہیں بارگاہ رب العزت میں پہنچنے کی کوئی توقع نہیں۔ رجبی کا معنی امید بھی ہوتا ہے اور خوف بھی۔ گویا نہ انہیں خدا تعالیٰ کے رویہ پریش ہونے کی امید ہے اور نہ خوف، وہ گستاخی کے یہ کلمے کہتے تھے لَوْلَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے۔ اگر نبی پر فرشتے وحی لاتے ہیں تو وہ ہمارے پاس کیوں نہیں آتے تاکہ ہمیں بھی یقین ہو جائے کہ وہ واقعی خدا کا پیغام لاتے ہیں أَوْفَرِحَ رَبَّنَا یا ہم خود اپنے پروردگار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اُس سے ہم کلام ہوں۔ گویا کفار و مشرکین نے ایمان لانے کے لیے فرشتوں اور خدا تعالیٰ کو اپنے سامنے لاکھڑا کرنے کی شرط عاید کر دی۔ فرمایا لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا وَافْتَأْنَسْتُمْ انہوں نے یہ بات کر کے اپنے جی میں کس قدر تکبر کیا کہ وہ فرشتوں اور خدا کو اپنی پیشی میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ فرمایا یہ مطالبہ کر کے وَعَتَوْا عُتْوًا انہوں نے حد

فرشتوں اور خدا
سے ملاقات
کی خواہشات

سے بڑھ کر سرکشی کا ارتکاب کیا۔ کام تو ان کے کفر اور شرک والے ہیں مگر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ سے براہِ راست ہم کلام ہونے کا اہل سمجھتے ہیں۔ یہ بڑی بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے۔

یوقن موت
فرشتوں سے
ملاقات

اللہ نے فرمایا کہ ان کو فرشتوں سے ملاقات کا شوق ہے تو ہم ان کا یہ شوق بھی پورا کر دیں گے جب ان کی موت کا وقت قریب آئے گا۔ اور پھر ایسا ہوگا يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے لَا يُشْعِرُونَ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِينَ اُس دن مجرموں کے لیے جو شجرہ کی کا کوئی موقع نہیں ہوگا۔ فرشتے موت کے وقت بھی نظر آتے ہیں اور بزدل میں بھی۔ قرآن پاک میں ہے کہ جب کفار و مشرکین کی موت کا وقت قریب آتا ہے يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ (محمد - ۲۷) تو فرشتے ان کو چہروں اور پشتوں پر مارتے ہیں۔ ان پر دہشت طاری ہوتی ہے اور اس حالت میں ان کی رُوحوں کو نکالتے ہیں پھر ان کو اگلا خطرہ بھی نظر آنے لگتا ہے۔ اس وقت یہ لوگ وَيَقُولُونَ حَسْرًا مَحْجُورًا کہتے ہیں، کاش ہمارے اور اس خوفناک منظر کے درمیان کوئی آڑ ہوتی اور ہمیں یہ خوفناک منظر دیکھنا نہ ہوتا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ يَقُولُونَ کا فاعل فرشتے بھی ہو سکتے ہیں اگر ایسا ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ اُس دن فرشتے ان مشرکین سے کہیں گے کہ آج تمہارے اور بہتری کے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی ہے۔ آڑ کھڑی کر دی گئی ہے۔ اب تم بہتری کی بات تک کہیں نہیں پہنچ سکو گے تم نے اس کا موقع دنیا میں ضائع کر دیا، اب تمہیں کبھی کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی

اعمال کا
ضیاع

فرمایا وَقَدْ مَنَّ الْاٰلِهَ مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ اَوْ يَرْجُوْا اور ہم متوجہ ہوں گے ان کے کردہ اعمال کی طرف۔ دنیا میں رہ کر اگر انہوں نے کوئی نیک عمل بھی کیا ہوگا تو ان کے کفر اور شرک کی وجہ سے فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً

مَنْ شُورًا هُمْ انہیں بکھرے ہوئے ذرات کی مانند نابود کر دیں گے۔ اور ایسے اعمال کا انہیں کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ دوسرے مقام پر ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا
 فَبَطَّتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا
 (الکہف . ۱۰۵) اُن کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور وہاں میزان قائم کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ چونکہ ان لوگوں کے پاس ایمان اور توحید نہیں ہوگی، لہذا ہم ان کے اچھے اعمال بھی ذرات کی طرح پراگندہ کر دیں گے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ قیامت والے دن بعض لوگوں کے اعمال پہاڑوں جیسے بڑے بڑے ہوں گے مگر انہیں ان کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ آپسے پوچھا گیا کہ یہ کون لوگ ہوں گے؟ تو فرمایا کہ وہ ایسے لوگ ہوں گے جو دنیا میں نماز، روزے کے پابند تھے مگر حلت و حرمت میں اکتیاز نہیں کرتے تھے، جو ہنی اُن کے سامنے کوئی حرام چیز آتی تھی تو اسے بے دریغ استعمال کر لیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اُن کے سارے اعمال ہی غارت کر دیے۔

فرمایا، اس کے برخلاف اصْحَابِ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِّنْ شَقِئِ اُولٰٓئِكَ اہل جنت ٹھکانے کے اعتبار سے بھی بہتر ہوں گے
 وَاَحْسَنُ مَقِيلاً اور آرام کے اعتبار سے بھی اچھے ہوں گے مستقر مستقل ٹھکانے کو کہتے ہیں اور مقیل آرام کرنے کی جگہ کو جیسے کوئی دوپہر کے وقت تھوڑی دیر کے لیے قیلو کہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منکرین کے مقابلے میں اطاعت گزاروں کو ہر طرح کا آرام و آسائش حاصل ہوگا اور انہیں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔

نزول ملائکہ

کنار و مشرکین کے نزول ملائکہ کے مطالبہ کے پیش نظر فرمایا وَاَيُّكُمْ نَشَقُّ السَّمَاءَ بِالْحَمَامِ اور جس دن بادل کے ساتھ آسمان بھٹ جائے گا۔ یعنی قیامت کی گھنٹی اُن پہنچے گی تو آسمان درتپکے درتپکے ہو جائیگا۔

غلام بادل کو کہتے ہیں اور اس کی حقیقت کے متعلق بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی خصوصی تجلی یا نورانیت ہوگی جس کی شکل لطیف بادلوں جیسی ہوگی۔ پھر اس وقت وَ نَزَّلَ الْمَلَائِكَةَ تَنْزِيلًا ان بادلوں جیسی تجلی سے فرشتے لگانا اتریں گے۔ میدان محشر برپا ہوگا اور فرشتے اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر حاضر ہو جائیں گے۔

فرمایا اُس دن کی کیفیت یہ ہوگی الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ اُس دن سچی بادشاہی خدا کے لئے رحمان کے لیے ہوگی۔ بادشاہی تو آج بھی پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، مگر اس دنیا میں اللہ نے مجازی طور پر بعض بادشاہوں کو محدود علاقے میں محدود اختیار بھی دے رکھے ہیں۔ دنیا میں بے شمار چھوٹی موٹی سلطنتیں اور جاگیریں ہیں جہاں لوگوں کا کھیلنا ہے مگر جب قیامت برپا ہوگی تو پھر اللہ کے سوانہ کوئی حقیقی بادشاہی باقی رہے گی اور نہ کوئی مجازی سلطنت ہوگی نہ کوئی سپر طاقت ہوگی اور نہ زمین دست حکومت، ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں کا کوئی تصور باقی نہیں رہے گا اور نہ کسی داخلی اور خارجی خود مختاری کی بات ہوگی، بلکہ ظاہری باطنی، حقیقی، مجازی غرضیکہ ہر طرح کی سلطنت صرف خدا تعالیٰ کی ہو گی۔ وَ كَانَ يَوْمًا عَلَّمَ الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا اور کافروں کے لیے یہ دن بڑا ہی دشوار ہوگا۔ اُن کے اعمال اُن کے سامنے کر دیے جائیں گے اور پھر اُن سے ذرے ذرے کا حساب لیا جائے گا۔

اُس دن حالت یہ ہوگی وَ يَوْمَ يَعْصِيْ الطّٰلِعُ عَلٰی يَدَيْهِ کہ ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹیں گے۔ يَقُوْلُ اور نہایت افسوس کے ساتھ کہیں گے يٰكَيْفِيْنَ اَتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَيِّئًا کاش کہ میں نے دنیا میں رسول کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ وہاں تو میں اللہ کے نبیوں کی تکذیب کہہ رہا ہوں، رسالت پر بہبودہ اعتراض کہہ رہا ہوں، اُن کو تکلیفیں پہنچاتا رہا۔ کاش کہ میں انکے راستہ پر چلتا تو آج ذلیل و خوار نہ ہوتا۔ ایک تو انبیاء سے دور رہنے

بَلِّغْ نَفْسِيْ اِنْ كُنْتُمْ صٰلِحِيْنَ (قیاض)

سلطنت
خداوندی

کی وجہ سے حسرت کر گیا اور دوسری بات یہ کہ چکا لیو کی لیتنی کم
 اَخَذْتُ فَلَا نَاخِلًا لَّائِي مِثْرِي خِرَابِي ا افسوس، میں نے فلاں کو اپنا
 دوست نہ بنایا ہوتا۔ دنیا میں نبی کو چھوڑ کر دوسروں کو پیشوا بنایا، ان کی راستائی
 میں زندگی میں غلط راستے پر چلتا رہا۔ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کی لیڈری چکاتا
 رہا، مگر اب پتہ چلا کہ وہ سب دھوکہ تھا۔ کاش کہ ان کی بجائے نبی کے بتائے
 ہوئے راستے کو اختیار کرتا تو آج کامیاب و کامران ہوتا۔ پھر ظالم شخص حسرت
 کے ساتھ یہ بھی کہے گا۔ لَقَدْ اضَلَّنِي عَيْبَ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَاءَنِي
 جب میرے پاس نصیحت آئی، خدا کا کلام آیا، نبی کا فرمان آیا تو ان بد بخت
 نام نہاد راہنماؤں نے مجھے گمراہ کر دیا۔ میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو
 چھوڑ کر ان کے پیچھے چل پڑا تو آج یہ روزِ بد و کھینچا نصیب ہوا۔ کاش کہ میں
 ان جھوٹے خداؤں کے ہرکاوے میں نہ آتا۔ یہ سارا شیطان ہی کا بہکاوا تھا۔
 وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا اور شیطان تو انسان کے
 حق میں ہرگز دھوکہ دینے والا ہے، وہ تو دغا باز ہے جس نے مجھے پھسلا کر
 غلط راستے پر ڈال دیا۔ مجھے نصیحت سے بھگانا رکھا اور برائیوں کی طرف مائل
 کر دیا۔

اچھی اور
 جری مجلس

حدیث شریفہ میں آتا ہے کہ صالح ہم نشین گنتوری والے کی مانند ہے
 اس کے پاس بیٹھونے کے تو گنتوری خریدو گے جو کہ اچھی چیز ہے۔ اور اگر نہ بھی
 خریدو تو کم از کم اس کی خوشبو تو پاؤ گے۔ اور برے ہم نشین کی مثال بھی ڈالے
 کی ہے اس کے پاس بیٹھنے سے اول تو چنگاریوں سے کپڑے جلا بیٹھو گے
 ورنہ دھواں اور بد بو تو بہر حال تمھارے حصے میں آئے گی۔ تمہاری شریفیت اور
 مسند احمد کی روایت میں آتا ہے لَا تَصْحَابُ إِلَّا مَوْتًا صرف
 موتوں کی رفاقت اختیار کرو۔ کسی غلط آدمی کے قریب نہ جاؤ۔ مگر ہم دیکھتے ہے
 ہیں کہ کافر، مشرک اور دہریے کے ساتھ دوستی اور ہم نشینی پر فخر کیا جاتا ہے

کہتے ہیں کہ ہمارے دوران کے خیالات یکجا ہیں۔ جھلایہ کیسے ممکن ہے؛ کجا ایک مردِ مؤمن کے پاکیزہ خیالات اور کجا ایک کافر کے باطل خیالات، اسی لیے فرمایا کہ مومن کے سوا کسی دوسرے کی رفاقت اختیار نہ کرو۔ حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں لَا يَأْكُلُ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيًّا تمہارا کھانا صرف متقی آدمی کو کھانا چاہیے۔ کسی نیک آدمی کی محبت کے ساتھ دعوت کرو گے تو اس کی وجہ سے اس میں تو نائی آئے گی، وہ خدا کی عبادت کرے گا تو اس میں تمہیں بھی حصہ ملے گا۔ وہ دعا کرے گا تو تمہاری دعا بھی مستجاب ہوگی حضور علیہ السلام کسی شخص کے ہاں کھانا کھاتے تو اس کے حق میں دعا فرماتے کہ اللہ تعالیٰ برکت عطا کرے۔ اس کے برخلاف اگر فاسق فاجر لوگوں کو کھلاؤ گے تو وہ کہو و لعین میں مشغول ہوں گے۔ نافرمانی سے کام کریں گے اور ان کی برائی میں تمہارا حصہ بھی ہوگا۔

صحبت کا اثر

سور علیہ السلام نے بُری رفاقت سے بھی منع فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں آپ کافر مان ہے اَلْمَرْءُ عَالِمٌ دِينِ خَلِيلِهِ اَدْمِي اپنے دوست کے مذہب پر ہوا کرتا ہے۔ فرمایا تم میں سے ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس کی دوستی کس کے ساتھ ہے۔ اگر بد عقیدہ، بدعتی اور شرک کے ساتھ دوستی کرو گے تو تمہارا عقیدہ بھی خراب ہونے کا خطرہ ہے۔ مرنائی، عیسائی، یہودی اور دہریے کی صحبت اختیار کرو گے تو تم پر بھی ویسا ہی اثر ہوگا اور اگر پاکیزہ اور دین دار لوگوں کے پاس بیٹھو گے تو تمہارا عقیدہ بھی پاکیزہ ہوگا حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ اِنْجَام کے اعتبار سے آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی بزرگانِ دین کا بھی مقولہ ہے صَحْبَةُ الْاَشْرَارِ تَوْرِثُ بَعْضَ الْاَخْيَارِ یعنی اگر تم بُرے لوگوں کی صحبت اختیار کرو گے تو نیک لوگوں کے لیے تمہارے دل میں نفرت پیدا ہوگی۔ حضرت مالک ابن دینار فرماتے

ہیں نقل الاحجار مع الابرار خیر من اکل الخبیص
 مع الفجار یعنی نیک لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھانے جیسی سخت محنت کرنا
 اس بات سے بہتر ہے کہ کوئی شخص بڑے لوگوں میں بیٹھ کر حلوہ کھائے ،
 مطلب یہ کہ نیک لوگوں کی رفاقت بہر حال انجام کے لحاظ سے بہتر ہے
 اگرچہ بری مجلس میں بیٹھ کر کوئی فائدہ بھی نظر آتا ہو۔

۱۰ تفسیر روح البیان ص ۲۶۶ (فیاض)

وقال الذين ۱۹

الفرقان ۲۵

درس ششم ۶

آیت ۳۰ تا ۳۲

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ
 مَهْجُورًا ۳۰ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ
 الْمَجْرِمِينَ ۖ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًّا وَنَصِيرًا ۳۱ وَقَالَ
 الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً
 كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۳۲
 وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ
 تَفْسِيرًا ۳۳ الَّذِينَ يُحْشِرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ
 جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۳۴

۳۴

ترجمہ: اور کہا اللہ کے رسول نے، اے میرے پروردگار!

بیشک میری قوم نے بنا لیا ہے اس قرآن کو ترک کیا ہوا ۳۰

اور اسی طرح ہم نے بنائے ہیں ہر ایک نبی کے لیے

دشمن مجرموں میں سے۔ اور کافی ہے تیرا پروردگار ہدایت

دینے والا اور مدد کرنے والا ۳۱ اور کہا ان لوگوں نے

جنہوں نے کفر کیا کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر قرآن ایک

ہی دفعہ؟ اسی طرح (اتارا ہے ہم نے اس کو) تاکہ ثابت

رکھیں ہم اس کے ساتھ آپ کے دل کو۔ اور ہم نے اس کو اتارا

نہے آہستہ آہستہ ۳۲ اور نہیں لاتے یہ لوگ تیرے پاس کوئی

مثال مگر لاتے ہیں ہم تیرے پاس حق اور بہتر تفسیر ۳۳ وہ لوگ

جو اٹھائے جائیں گے اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف یہ لوگ ہیں بڑے ٹھکانے کے اعتبار سے، اور زیادہ گمراہ ہیں راستے کے اعتبار سے (۷۳)

یہ آیات بھی گذشتہ آیات کے ساتھ ہی مربوط ہیں۔ گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کا شکوہ کیا تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے، نیز اللہ تعالیٰ خود ان کے سامنے کیوں نہیں آتا؟ اللہ نے جواباً فرمایا کہ یہ لوگ بڑی گستاخی کی بات کرتے ہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب فرشتوں کے ظاہر ہونے کا وقت آئے گا تو اس دن ان مجرموں کا بہت بڑا حال ہوگا۔ وہ افسوس کے ساتھ اپنے ہاتھ کاٹیں گے اور کہیں گے کاش کہ ہم نے رسول کے ساتھ راستہ پکڑا ہوتا، اُس کی اتباع کی ہوتی اور اُس کے بجائے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ یہ سب شیطان کا بہرہ کا ولس ہے وہ انسان کو دھوکہ دیکھ ذلیل و رسوا کرتا ہے۔ بہر حال اُس دن مجرم لوگ اپنے کیے پر پشیمان ہوں گے اور افسوس کا اظہار کریں گے مگر اُس وقت ان کا پچھتاؤ کسی کام نہیں آئے گا۔

ترکِ قرآن
پر گناہی

کفار و مشرکین ایک طرف تو رسالت کا انکار کرتے تھے اور دوسری طرف قرآن کو خود ساختہ بنا کر اس سے اعراض کرتے تھے۔ تو اللہ نے اس سلسلے میں حضور علیہ السلام کی اس شکایت کا ذکر کیا ہے جو وہ قیامت کے روز بارگاہِ رب العزت میں پیش کریں گے۔ ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الرَّسُولُ اور اللہ کا رسول کہے گا يٰۤاَيُّهَا الْقَوْمُ اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوًّا اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن پاک کو پینشت ڈال دیا۔ اے مولا کریم! میں ان کو تیرا قرآن سمجھتا تھا یہ اس طرف تو جوی نہیں کرتے تھے بلکہ کہتے تھے لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَأَنْفُوا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَبُونَ (حجۃ السجدہ - ۲۶)

اس قرآن کو مرتے سنو بلکہ شور شرک کرو تا کہ تم غالب آسکو۔ قرآن کو شاعری کہتے، کبھی کہانت اور کبھی پہلے لوگوں کے قصے کہانیوں سے تعبیر کرتے۔ تو اس طرح خود صاحب قرآن اس سے اعراض کرنے والوں کے خلاف گواہی دیں گے۔ مہجور کا عام معنی تو متروک ہی ہے کہ منکرین نے اس کو ترک کر دیا نہ اس کو سنا، نہ سمجھا اور نہ اس پر عمل کیا۔ اور اگر یہ مہجور کے مانے سے ہو تو اس کا معنی یہودہ کلام بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ کافر لوگ اس کو کلام الہی تسلیم کرنے کی بجائے اسے یہودہ کلام سمجھتے تھے (العیاذ باللہ) بہر حال جس دن منکرین قرآن کے خلاف اللہ کے رسول کی شہادت ہوگی۔ اُس دن ان کا بُرا حال ہوگا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ کفار کی طرف سے ترک قرآن تو سمجھ میں آتا ہے کہ انہوں نے کفر سے اس کو تسلیم ہی نہ کیا۔ لیکن اس کو برحق تسلیم کرنے کے اس کے پروگرام پر عمل نہ کرنا بھی قرآن پاک کے عملی ترک پر دلالت کرتا ہے اس میں اہل ایمان کبھی آجائیں گے جو اس کے احکام پر عمل پیرا نہ ہوں یا جنہوں نے عملی طور پر اس کے پروگرام کی مخالفت کی۔ لہذا ایسے لوگوں کے خلاف بھی اللہ کے رسول اور خود قرآن کی گواہی ہوگی۔ حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے الْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ أَوْ عَلَيْكَ قرآن تیرے حق میں یا تیرے خلاف گواہی دے گا۔ اگر دنیا میں اس کو مان کر اس کے پروگرام کو عملی شکل دی ہے تو پھر تو یہ آدمی کے حق میں بطور گواہ پیش ہوگا اور اگر اس سے روگردانی کی ہے یا اس کی مخالفت کی ہے تو پھر یہ اُس شخص کے خلاف گواہی دے گا اور بارگاہِ ایزدی میں شہادت کرے گا کہ اس شخص نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا۔ حضور علیہ السلام نے اس سلسلے میں یہ دعا بھی سکھائی ہے اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلِ الْقُرْآنَ حُجَّةً عَلَيْنَا وَاجْعَلْهُ حُجَّةً لَّنَا لِمَوْلَاكَ عَزِيمٍ! اس قرآن کو ہمارے برخلاف

دلیل نہ بنا سکیں اسے ہمارے حق میں دلیل بنا دے۔

خود قرآن بھی آدمی کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دے گا جس نے اس کو تسلیم کیا اور پھر اس کے احکامات پر عمل کیا، قرآن اس کے حق میں گواہی دے گا بلکہ ہر سورہ اور ہر آیت اپنے قاری کے حق میں سفارش کرے گی۔ اور جس شخص نے ایمان لانے کے باوجود اس پر عمل نہیں کیا، قرآن اس کے خلاف گواہی دے گا۔ اس زمانے میں تو کوئی شاذ لوگ ہی ہیں جو قرآن پر عمل پیرا ہیں وگرنہ تسلیم کرنے کے باوجود لوگوں کی اکثریت اس کے کسی شعبے پر بھی عمل نہیں کرتی بلکہ اس کے خلاف چلتے ہیں۔ قرآن کی تعلیم حاصل نہ کرنا، اس کی تلاوت اور اس میں غور و فکر سے گریز اور اس کی عدم تصدیق وغیرہ اس کو ترک کرنے کے مترادف ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قرآن اور صاحب قرآن الیہ لوگوں کے خلاف گواہی دیں گے۔ یہود و نصاریٰ تو قرآن کو کلام الہی تسلیم ہی نہیں کرتے لہذا ان کی طرف سے اس پر عمل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر انھوں نے ان اہل ایمان پر ہے جو اس کو خدا کا آخری کلام مانتے ہوئے بھی اس سے اعراض کر رہے ہیں۔ اسی اعراض کی وجہ سے تو ذلت آتی ہے۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ الْاٰخَرِيْنَ اس قرآن پاک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بعض اقوام کو بلندی عطا کرتا ہے اور بعض کو پست کر دیتا ہے۔ جس نے اس پر عمل کیا وہ ترقی کی منازل طے کر گیا اور جس نے روگردانی کی وہ رسوائی کے گڑھے میں جا پڑا۔

قرآن پاک سے روگردانی کا شکوہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو کفار کی ایذا رسانیوں پر تسلی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے مجرموں میں سے دشمن بنائے ہیں مطلب

یہ کہ حق کی مخالفت کر نیوالی صرف آپ ہی کی قوم نہیں بلکہ آپ کی طرح ہر نبی کی قوم نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کی، اسے ساحر اور مجنون کہا، اُس کو تکلیف پہنچائی، بعض کی ہجرت پر مجبور کیا تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، لہذا آپ دِل شکستہ نہ ہوں بلکہ تسلی رکھیں یا آخر کامیابی آپ ہی کے حصے میں آئے گی۔ وَكَفَى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيحًا آپ کا پروردگار ہدایت دینے اور مدد کرنے کے لیے کافی ہے۔ وہ آپ کو یہ بھی نہیں چھوڑے گا بلکہ آپ کی پوری پوری مدد کرے گا۔ اور آپ کی بات کو لوگوں کے دلوں میں پیوست کر دے گا۔ کفار و مشرکین کے ہیروہ اعتراضات سے قطع نظر آپ اپنا کام جاری رکھیں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں وہ آپ کا حامی و ناصر ہوگا۔

بدرجہ نازل
قرآن پر اعتراض

کفار و مشرکین قرآن پاک پر طرح طرح کے اعتراض کرتے تھے۔ کبھی کہتے کہ یہ خود ساختہ ہے، کبھی کہتے کہ نبی یہ باتیں دوسروں سے سیکھتا ہے اور پھر قرآن بنا کہہ پیش کرتا ہے، اور کبھی اُسے پرانے لوگوں کی قصے کہانیاں بتاتے۔ أَبْ آگے اللہ نے اُن کا ایک نیا اعتراض نقل کیا ہے وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً کہا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا کہ یہ قرآن اس شخص پر کیا ہے کیوں نہیں اُنا گیا؟ اس سے پہلے انجیل، تورات اور دیگر صحیفہ لُفٹ یک مشت نازل ہوتے ہے میں مگر قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے تیس سال کے طویل عرصہ پر کیوں پھیلا دیا گیا ہے۔ کہتے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص تھوڑا تھوڑا سوچ سوچ کر بتاتا رہتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اے خدا تعالیٰ نے اتارا ہے۔ اس قسم کا اعتراض پہلے رکوع میں بھی گذر چکا ہے۔ کافر لوگ کہتے تھے۔ إِن هَذَا إِلَّا آفَاتُكَ نَا فَرَادَةٌ وَأَعَانَةٌ عَلَيْهِ قَوْمٌ اَخْرُوف (آیت - ۴) یہ تو اس شخص کا گھٹھا ہوا ہے اور اس معاملے میں بعض دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی ہے۔ بہر حال اُن کا اعتراض

یہ تھا کہ یہ قرآن کیمشت کیوں نہیں نازل ہوا۔

جواب عا
دل کی پختگی

اللہ نے جواب میں فرمایا كَذَلِكَ ہم نے قرآن کو اسی طرح یعنی تَهَوُّرًا

تھوڑا کر کے نازل کیا ہے۔ اور اس کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے۔
لَنُنزِّلَنَّ بِهِ فَتْنًا كَذَلِكَ تاکہ اس کتاب کے ساتھ ہم آپ کے دل کو بچتہ کریں۔
 ظاہر ہے کہ وحی کے بار بار نزول سے ہر بار دل میں یقین اور پختگی پیدا ہوگی۔
وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر آنا رہے۔ ترتیل کا
 لغوی معنی آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا ہوتا ہے جیسے سورۃ المنزل میں ہے
وَرَتَّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا (آیت - ۴) قرآن پاک ٹھہر ٹھہر کر تلاوت
 کریں۔ تاہم یہاں پر یہ لفظ نزول کے معنی میں آیا ہے کہ ہم نے اس کو
 تدریج نازل فرمایا۔ اس میں بڑی حکمت ہے۔ جو چیز آہستہ آہستہ آنے لگی وہ
 اچھے طریقے سے ضبط ہوتی جائے گی اور دل و دماغ پر گہرے اثرات
 مرتب کرے گی۔ برخلاف اس کے جو چیز جلدی جلدی سامنے آئے گی، وہ
 نہ تو اچھی طرح ضبط ہو سکے گی اور نہ ہی اس پر پختگی حاصل ہوگی۔ تو فرمایا کہ ہم
 نے اس قرآن کو اس لیے تدریج نازل فرمایا ہے کہ یہ آپ کے قلب میں
 پختہ ہو جائے۔

صحابہ کہ راظم فرماتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام سے قرآن پاک کی جو آیات
 سیکھتے تھے، ان پر فوراً عمل شروع کر دیتے تھے، اس لیے ہر حکم دل میں
 اچھی طرح پیوست ہو جاتا تھا۔ اور ہم اس کا مفہوم اچھی طرح سمجھ جاتے تھے
 جب علم کے ساتھ عمل بھی شامل ہو جاتا تو پھر ایمان میں مزید پختگی آجاتی۔
 ویسے اصولی طور پر بھی جو چیز آہستہ آہستہ سبقتاً پڑھی جائے وہ اچھی طرح
 ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی پوری کتاب ایک ہی
 دن یا رات میں ختم کر دی جائے تو اس کے اثرات بھی دیر پا نہیں ہوں گے۔
 کسی حصے کی سمجھ آئے گی اور کسی کی نہیں آئے گی۔ ذہن لوگ تو پھر بھی بہت

کچھ پالیتے ہیں مگر عام آدمی اس طریقہ تعلیم سے کما حقہ مستفید نہیں ہو پاتے۔ اسی لیے امام بخاری فرماتے ہیں اِنَّمَا التَّعْلُمُ بِاَلتَّعْلَمِ یعنی علم سیکھنے سے ہی آتا ہے جو لوگ اخبار کی طرح کسی چیز کا بیک وقت مطالعہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اُن کو علم میں کتنی کمی حاصل نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے جو سبق استاد سے سمجھ کر پڑھا ہوا، اس میں وقت لگایا ہوا، غور و فکر کیا ہوا اور علم یقینی اور دیر پا ہو گا۔

جہاں تک قرآن پاک کے عرصہ نزول کا تعلق ہے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دوسری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو لیلۃ القدر میں حفیظہ القدر یا لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف نازل فرمایا، اور پھر تیس سال میں مقصورہٴ احد پر اتر کر کے حضور علیہ السلام پر نازل ہوا۔ اس عرصہ میں تین سال کا فترت وحی کا عرصہ بھی شامل ہے جس میں سلسلہ وحی منقطع رہا۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اس کو طلاء اعلیٰ کے مقام سے آسمان دنیا میں بیت العزرت کے مقام پر بیک وقت لیلۃ القدر میں نازل فرمایا اور پھر آگے حسب ضرورت مقصورہٴ احد پر آ کر کے تیس سال میں اس کا نزول پایہ تکمیل کو پہنچا۔

فرمایا قرآن پاک کے بتدریج نزول کی دوسری حکمت یہ ہے وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ نَحْنُ نَحْمِلُ حَقَّهُمْ يَوْمَئِذٍ وَاكُنَّا بِعَذَابِهِمْ حَاضِرِينَ کہ ہماری کسی آیت پر جو اعتراض کوئی اشکال لاتے ہیں تو ہم فوراً دوسری آیت نازل کر کے اُن کے شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک کی بہت سی آیات یَسْتَعْلَمُونَكَ کے جواب میں نازل ہوئیں۔ اپنی یا غیروں نے کوئی چیز دریافت کی تو اللہ نے اس کے جواب میں آیت نازل کر کے مسئلے کا حل پیش کر دیا۔ تو گویا بتدریج نزول قرآن کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ہر اعتراض اور اشکال کا جواب سمجھنے کے ساتھ مترادف فرمایا، ہم ہر اشکال

جواب
ازالہ شبہات

کے جواب میں حق لائے بغیر اور اکتانہ لائے بغیر اور حسب ضرورت
 بہتر تفسیر بھی لائے ہیں جو حدیث کوئی بخلاصہ وضاحت طلب نہ کرے تو اسی
 وضاحت کر دیتے ہیں۔ اس میں بقدر حاجت نزول کے ذریعے تمام مسائل حل ہو سکتے
 جاتے ہیں، اگر کوئی قدر ان کتب میں نہ ملے تو نازل کر دیا جاتا ہے اور ان کی تفسیر و اناشر بہت
 اور عکس آ رہے ہیں۔ لیکن اس کا اہم ترین اثر ہے کہ نزول ہی میں جو کچھ
 نزول کے بعد لکھا گیا ہے، وہ بے اعتبار ہے اور اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔

وہ آگے سنیں گے کہ ان کتب کا نام بھی بتایا گیا ہے۔ اَلَّذِي كَلَّمَ
 مُحَمَّدًا رُوحًا عَلِيًّا وَوَجَّهًا حَمِيمًا اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْاُخْرٰى
 جو انکھانے جانے کے لئے چہروں کے بل جنم کی طرف چیرا کہ میرا ان جھنڈوں پاؤں
 کی بجائے سر کے بل چلیں گے اور حج پورے میں آتا ہے کہ لو چھوڑے اسے
 پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
 چہرے کے بل کیسے اٹھایا جائے گا؟ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
 اَلَيْسَ الَّذِيْ اَمْسَتْهُ عَلٰى رِجْلَيْهِ فِي الدُّنْيَا
 قَادِرًا عَلٰى اَنْ يَّمْسَتْهُ عَلٰى وَجْهِهِ حَسْبُ الْمَلِكِ
 نے اسے دنیا میں پاؤں پر چلایا، کیا وہ چہرے کے بل چلانے پر قادر نہیں ہے؟
 وہ سروں کے بل چلتے ہوئے جہنم کی طرف جائیں گے ترمذی شریف کی روایت
 میں تین گروہوں کا ذکر ہے انکم تحشرون رجلاً وروكنا
 وَتَجْرُونَ عَلٰى وُجُوْهِكُمْ بعض پیدل چلیں گے بعض سوزیل
 پر اور بعض سر کے بل دوڑتے ہوئے جائیں گے، ایک حدیث میں اس
 طرح آتا ہے کہ حشر کے دن تین قسم کے لوگ ہوں گے، بعض کو زیادہ فکر
 نہیں ہوگی اور وہ سواری پر سوار ہو کر جائیں گے۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہوں گے
 جو پاؤں پر دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ اور تیسرا گروہ ایسا ہوگا جسے فرشتے
 چہروں کے بل گھسیٹتے ہوئے دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔

لہ تفسیر کے ۳۶/۳۷ و کبریا ۳۶/۳۷ و نظری ۱۹/۱۹ لہ تفسیر نظری ۱۹/۱۹ لہ تفسیر السعود ص ۱۹ (فیاض)

فرمایا جن کو چہروں کے بل اٹھایا جائے گا اُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا، وہ
ٹھکانے کے اعتبار سے بدترین قسم کے لوگ ہونگے۔ ان کو بہت ہی بڑا ٹھکانا میسر
آئیگا۔ وَأَصْلُ سَبِيلًا اور راستے کے اعتبار سے بھی یہ لوگ سخت
گمراہ ہوں گے۔ دنیا میں بھی انہوں نے غلط راستہ اختیار کیا اور گمراہی میں مبتلا
ہے آگے حشر میں بھی یہ گمراہ کن راستے کے مسافر ہوں گے، دنیا میں انہوں نے
قرآن و رسالت کا انکار کیا، توحید باری تعالیٰ سے بیگانہ ہے، کسی اچھے راستے
کی طرف جاننا نہ ہوا، لہذا آخرت میں بھی یہ بھٹکتے ہی پھریں گے۔ اور انہیں
جنت والا راستہ میسر نہیں آئیگا۔ دوسرے مقام پر ہے وَمَنْ كَانَ
فِي هَذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَصْلُ
سَبِيلًا (نبی اسرائیل - ۷۲) جو اس دنیا میں اندھا یعنی ہدایت سے محروم
رہا اس کو جنت کا راستہ بھی نہیں ملے گا۔ وہ اس لحاظ سے وہاں پیمانہ بھی ہو
گا اور بالآخر جہنم کی تاریکی میں داخل ہو جائے گا۔

الفرقان ۲۵

آیت ۲۵ تا ۴۰

وقال الذین ۱۹

درس ہفتم ،

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ
 هَارُونَ وَزِيرًا ۚ ﴿۲۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ
 كَذَبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ﴿۲۶﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ
 لَمَّا كَذَبُوا الرُّسُلَ اغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً
 وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۲۷﴾ وَعَادًا وَثَمُودًا وَ
 أَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا ﴿۲۸﴾ وَكُلًّا
 ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ﴿۲۹﴾ وَلَقَدْ
 اتَّوَا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمِطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ أَفَلَمْ
 يَكُونُوا يَرُونَهَا بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ﴿۳۰﴾

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق ہی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ، اور
 بنایا ہم نے اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون کو معاون ﴿۲۵﴾
 پس ہم نے کہا کہ تم دونوں جاؤ اُس قوم کی طرف جنہوں
 نے جھٹلایا ہے ہماری آیتوں کو۔ پھر (بالانتہاء) ہم نے ہلاک کر
 دیا اُن کو ہلاک کرنا ﴿۲۶﴾ اور قوم نوح ، جب کہ جھٹلایا انہوں نے
 اللہ کے رسولوں کو ، تو ہم نے اُن کو پانی میں غرق کر دیا۔
 اور بنا دیا ہم نے اُن کو لوگوں کے لیے ایک نشانی۔ اور
 تیار کیا ہے ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب ﴿۲۷﴾

اور عاد اور ثمود کو ، اور کنوئیں والوں کو ، اور بہت سی جماعتیں اس کے درمیان (۳۸) اور ہر ایک کے لیے ہم نے مثالیں بیان کیں ، اور سب کو ہم نے ہلاک کیا ہلاک کرنا (۳۹) اور البتہ تحقیق یہ (مکے والے) لوگ گزرتے ہیں اُس بتی پر جس پر بڑی بارش برسائی گئی تھی ۔ کیا یہ اُس کو نہیں دیکھتے ؟ بلکہ یہ لوگ نہیں امید رکھتے مگر دوبارہ جی اٹھنے کی (۴۰)

ربط آیت

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے رسالت کے بارے میں اعتراضات کے جوابات دیے اور اُن کے بڑے انجام کا ذکر کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے نبی اور اُس کے پیروکاروں کو تسلی بھی دی۔ فرمایا ہنکر میں توحید و رسالت کی طرف سے صرف آپ کو ہی ایذا نہیں پہنچائی گئیں بلکہ اللہ کے ہر نبی کے ساتھ دشمنوں نے ایسا ہی سیکھ لیا ہے۔ آپ کو بھی ایسا ہی بلکہ اپنا کام کرتے جائیں ، اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دینے والا اور

(۶) کفار و مشرکین نے یہ اعتراض بھی کیا کہ قرآن پاک کو اللہ کے نبی پر وحی کیوں نہیں نازل کیا گی ، حالانکہ سابقہ کتب کا وہی تورات ، انجیل اور دیگر صحیفے انبیاء علیہم السلام پر بیک وقت نازل ہوئے۔ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ قرآن کے بعد مزید نازل کا مقصد نبی کے دل کی توجی (۱) اور آیت کا بہتر ضبط ہے۔ ان میں سے پہلے متغزلین جو اشکال (۲) اوقات مختلفہ پر نازل ہوتے ہیں اُن کا جواب بھی ملتا رہتا ہے اور قرآن پاک کی بہتر تفسیر پیش ہوتی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ نے ان لوگوں کے جواب میں انجام کا کچھ تذکرہ بھی بیان فرمایا ہے۔

اللہ نے آج کی آیات بھی پیغمبر علیہ السلام اور اہل ایمان کے لیے لائے ہیں۔ اللہ نے بعض انبیاء اور اُن کی قوموں کا حال ذکر کیا ہے جن کے معلوم ہوتا ہے کہ نہر دور میں انفرمانوں کی ایک سی رشتیں رہی ہے۔ لہذا اس مسئلے کے گہرا نا سلیب ہے کہ اہل مکہ اللہ کے ان نبیوں کے ساتھ کیا سوچتے ہیں انھیں خاتم النبیین علیہم السلام کے کچھ حالات

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملتے جلتے ہیں۔ اُن کا واسطہ بھی ایک جابر شخص فرعون کے ساتھ تھا مگر اللہ کے اس عظیم نامی نے خدا کا پیغام نہایت ناساعد حالات میں لوگوں تک پہنچایا، اُن کی ایذا دہانیوں پر صبر کیا۔ اور بالآخر اللہ نے فرعون اور اس کے حواریوں کو تباہ و برباد کیا۔ پھر بعض دوسری اقوام کی تباہی کا حال بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس طرح حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو تسلی دی گئی ہے کہ وہ صبر کا دامن نہ چھوڑیں، بالآخر کامیابی و کامرانی انہیں کے حصے میں آئے گی۔ اور وہ دنیا اور آخرت دونوں مقامات پر ضرور ہوں گے۔

موسیٰ علیہ السلام
اور فرعون کا
واقعہ

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تواریخ عطا کی۔ اللہ نے بڑا احسان کیا کہ بنی اسرائیل کے لیے تواریخ جیسی عظیم الشان کتاب نازل فرمائی۔ اللہ نے تواریخ کی تعریف قرآن میں بھی بیان کی ہے إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ (المائدہ - ۴۴) ہم نے تواریخ نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اللہ کے نبوت سے بنی اور نیک لوگ اس کتاب کی تعلیم دیتے رہے۔ موجودہ بائبل میں پہلے پانچ بڑے باب تواریخ کا حصہ ہیں۔ اس کے علاوہ چار اسخلیں، زبور اور ۳۹ صحافت ہیں۔

فرمایا، ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تواریخ دی وَجَعَلْنَا مَعَكَ آخَصًا هَارُونَ وَزَكَرِيَّا اور ہم نے اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون علیہ السلام کو اُن کا معاون بنایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے خود اللہ کی بارگاہ میں دعا کی وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي (۲۹) هَارُونَ (۳۰) (سورہ طہ) کہ میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو میرا معاون بنائے، کیونکہ هُوَ أَقْضَىٰ مِنِّي لِسَانًا (القصص - ۳۴) وہ مجھ سے زبان میں زیادہ فصیح ہے۔ تو اللہ نے ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت سے نوازا اور پھر فَقُلْنَا أَوْهَبْنَا لَكَ الْقَوْمَ الَّذِينَ كَفَرُوا

بِالْاَيْتِكَ اِهْم نئے کہا کہ تم دونوں اُس قوم کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں
 کو جھٹلایا ہے۔ اللہ کے نبیوں کو حکم ہوا کہ فرعون اور اس کے حواریوں کے پاس
 جا کر میرا پیغام اُن تک پہنچاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام دو قوموں کی طرف مبعوث ہوئے
 تھے۔ ایک نودان کی اپنی قوم بنی اسرائیل تھے اور دوسرے قبلی لوگ تھے جن کا بادشاہ
 فرعون تھا۔ بنی اسرائیل تو اس وقت فرعونوں کے غلام تھے، اس لیے
 اللہ نے سب سے پہلے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون اور اس کی قوم کے
 پاس تبلیغ حق کے لیے بھیجا۔ موسیٰ علیہ السلام نے چالیس سال تک اللہ کا پیغام
 قوم فرعون کو پہنچایا مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ وہ بنی اسرائیل کو زیادہ تکلیفیں
 دینے لگے۔ کبھی موسیٰ علیہ السلام بات کرتے اور ہارون علیہ السلام اُن کی تائید کرتے
 اور کبھی ہارون علیہ السلام حسب موقع بات کرتے مگر فرعون بڑا جاہل اور مستبد
 تھا، اُس پر اس وعظ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر جلیا کہ دوسری سورتوں میں مذکور ہے،
 موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے بنی اسرائیل کو لے کر رات بھر قلیزم
 پر پہنچ گئے۔ جب فرعون کو پتہ چلا تو اس نے مع لشکر بنی اسرائیل کا تعاقب
 کیا۔ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے تو اللہ نے سمندر میں راستہ بنا
 دیا اور وہ دو سرے کنارے پر پہنچ گئے، مگر فرعون مع لاؤ لشکر اسی راستے پر
 سمندر کے عین وسط میں پہنچا تو اللہ نے فرمایا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا
 ہم نے اُن کو بستر بنیاد سے ہی اکھاڑ دیا۔ اللہ نے پانی کو حکم دیا، وہ آپس میں مل
 گیا اور ساری قوم وہیں غرق ہو گئی۔ اُن میں سے ایک فرد بھی باقی نہ بچا۔ البتہ
 جو لوگ پیچھے مصر میں رہ گئے تھے، وہ بچ گئے اللہ نے اپنے نبی آخر الزماں
 کی توجیہ ان حالات کی طرف دلائی ہے کہ دیکھو ہم نے مجرموں کو کس طرح
 صفحہ ہستی سے ناپود کردیا۔ اللہ تعالیٰ مجرموں کو مہلت دینا رہتا ہے۔
 پھر آخر کار ان کو گرفت میں لے لیتا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ آپ جو صلہ رکھیں
 آپ کے دشمن بھی ناکام ہوں گے اور کلمہ حق بھی بلند ہوگا۔

قوم نوح کی ہلاکت

فرمایا، ذر قوم نوح کا حال بھی دیکھو وَ قَوْمِ نوحٍ لَمَّا كَذَبُوا الرُّسُلَ
 جب قوم نوح نے رسولوں کی تکذیب کی انْحَرَفْتُمْ عَنْهُم ان کو بھی ہم نے پانی
 میں ڈبو دیا۔ یہاں پر رسل جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ اُس وقت
 اللہ کے واحد نبی نوح علیہ السلام ہی اُن کو اللہ کا پیغام سناتے تھے مفسرین کہتے
 فرماتے ہیں کہ امت تو ہر شخص کسی ایک نبی کی ہوتا ہے مگر ایمان تمام انبیاء
 اور رسل پر لانا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی ایک نبی کا انکار سارے انبیاء
 کے انکار کے مترادف ہوتا ہے۔ قوم نوح نے اگرچہ نوح علیہ السلام کا
 انکار کیا تھا۔ اُن کا جھٹلانا سارے رسولوں کا جھٹلانا ٹھہرا، اس لیے یہاں پر جمع
 کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء کا دین
 تو ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ جیسے مشہور حدیث میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے
 نَحْتُ مَعِشَسُ الْاَنْبِيَاءِ اَوْلَادُ عِلَالَتٍ دِينَنَا وَ اَلْحَدُ
 یعنی ہم انبیاء کا گروہ علاقائی بھائی بھائی ہیں جن کا باپ ایک اور ماںیں مختلف
 ہوں۔ ہمارا باپ یعنی دین تو سب کا ایک ہی ہے، البتہ ہماری ماںیں یعنی
 شرائع مختلف ہیں۔ جو دین آدم علیہ السلام کا تھا۔ وہی عیسیٰ علیہ السلام کا تھا اور
 وہی نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

بہر حال جیسا کہ سورۃ ہود اور دیگر سورتوں میں موجود ہے کہ نوح علیہ السلام
 کی سڑھے نو سو سال تبلیغ کے باوجود چند گنتی کے آدمی ایمان لائے اور باقی
 ساری قوم نے آپ کو جھٹلایا، جس کے نتیجے میں اُن پر ہلاکت و تباہی آئی
 چالیس شب رُوز تک آسمان سے موسلا دھار بارش برستی رہی اور نیچے سے
 زمین کے سوتے بھی بھوٹ پڑے اور اس طرح پانی کی اس قدر فراوانی ہو
 گئی کہ اونچی سے اونچی پہاڑی کے اوپر بھی بیس بیس فٹ تک پانی چلا
 گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں نہ کوئی جانور بچ سکتا تھا اور نہ کوئی انسان
 سوائے اُن کم و بیش انسانی آدمیوں کے جو نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہو گئے

۱۔ قرطبی ص ۲۱ ۲۔ ابن کثیر ص ۱۸۶ ۳۔ تفسیر کبیر ص ۸۱ واللسی المیزان ص ۶۶۹ (فیاض)

تفسیر ابن عربی

تو فرمایا اس طرح ہم نے ان کو پالی میں ڈبو دیا وجعلتہم لداکس ایۃ
 انہ ان ناقرا نول کو ہم نے باقی لوگوں کے لیے ایک لسانی بنا دیا۔ وَاَعْتَدْنَا
 لِلظَّالِمِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا اور ظلم کرنے والوں کے لیے ہم نے دردناک
 عذاب بھی تیار کر رکھا ہے جو انہیں قیامت کو پہلے گا، ظلم میں ہر قسم کا ظلم
 و تعذیب صنعا کر لیا، حق تلفی، چوری، ڈاکہ زنی، دھوکہ قریب آئے۔
 تاہم سب سے بڑا ظلم عقیدے کا ظلم کفر اور شرک ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا
 اعلان وَاِنَّ كُفْرًا وَاِنَّ الظَّالِمِیْنَ (البقرہ ۲۵۴) کفر کرنے
 والے لداکس ہیں ظالم ہیں۔ تیسرا فرمایا اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ

لداکس (۱) شرک سے بڑا ظلم ہے۔
 ظلم فرمایا و عادات و رسوم عاد اور نود اقوام کی ملاکت کا حال بھی دیکھیں
 کہ ان کو ہم نے کس طرح سیاہ و بڑا کر لیا۔ ان قوموں کا حال سورہ اعراف، سورہ
 ہود اور دیگر سوروں میں مذکور ہے۔ وَالصَّحٰفَ الرِّیْبَیَّةَ اور کتبوں والوں
 کو بھی اللہ نے لداکس کیا۔ یہ کہ نہیں والے کون کون سے کس کس صحیح حدیث میں
 ان لداکس کو لفظ نہیں دیتے۔ البتہ امام ابن حجر برطبری نے کتب اخباری ایک
 ضعیف روایت نقل کی ہے جو قابل اعتماد نہیں بہر حال بعض کہتے ہیں کہ
 یہ جو ہم شہادت کے مقام پر آباد تھی اور بعض نے اس میں ممانہ کے باشندے
 لداکس ہیں۔ بعض نے ان کا وطن شام کا مقام الطاکریہ بتایا ہے۔ مفسرین نے
 اس قوم کا ذکر اجمالی طور پر کیا ہے کہ اللہ نے ان کی طرف اپنا ایک نبی بھیج
 فرمایا بعض کہتے ہیں ان کا نام مظلمہ ابن سفیان تھا جو کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام
 کی اولاد میں سے تھے بعض دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام
 کی اولاد میں سے کوئی نبی نہیں ہوا۔ سوائے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

عاد و نود اور کتبوں والوں کی تباہی

تفسیر ابن عربی ص ۱۳۰ طبری ص ۱۳۰ و حال التشریح ص ۹۲ و حازن ص ۵۲
 کہ حال التشریح ص ۱۳۰ و حازن ص ۱۱۱ سے مقال التشریح ص ۹۲ و حازن ص ۵۲ (فان)

علیہ وسلم تک، ہر حال کوئی بستی تھی جہاں اللہ نے اپنا نبی مبعوث فرمایا۔ اس بستی میں ایک سیاہ رنگ کے حبشی غلام کے سوا کوئی شخص ایمان نہ لایا۔ ایک دن ان کافروں نے منسوبہ بنایا کہ اللہ کا نبی نہیں ہے روز تنگ کر لے گا ہے ہمارے لیے معبودوں کو کھلا کر دے گا۔ اسے اسے غلام کنویں میں بھینکا کہ اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کے نبی کو کنویں میں بھینکا اور اس کے سینہ پر ایک ایک بڑی چٹان رکھ دی تاکہ اللہ کا نبی باہر نہ نکل سکے۔ وہ ایمانہ حبشی غلام دن پھر محنت مزدوری کرتا اور شام کو کھانا لاکر کسی طرح اللہ کے نبی کو کنویں میں پہنچا دیتا یہ سلسلہ کافی دنوں تک چلتا رہا۔ ایک دن اس حبشی نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں بھی آپ کے پاس کنویں میں آ جاؤں مگر اللہ کے نبی نے منع کر دیا۔ ایک دن بستی والے کنویں پر آئے تاکہ دیکھیں کہ اللہ کا نبی زندہ کھانا ہے یا نہیں۔ جونہی انہوں نے چٹان کو ذرا سرکا کر آؤڑی لے کر اُترے تو انہوں نے فرمایا:

اِنِّی لَیَقُوْمُ اَعْبُدُو اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُوْہٖ (۶۱)

لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اُس قوم نے نبی کو زندہ پایا تو انہوں نے مٹی اور پتھر ڈال کر کنویں کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ پھر اللہ کا عذاب آیا اور وہ سارے کے سارے ہلاک ہوئے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے پتھر کو ہٹا دیا تھا۔ اللہ کے نبی باہر نکل آئے اور وہ لوگ تائب ہو گئے مگر قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اللہ کے نبی کو ہلاک ہی کر دیا کیوں کہ یہاں قوموں کی ہلاکت کا حال ہی بیان

ہو رہا ہے۔ لہذا ہلاکت والی بات راجح ہے۔

فرمایا وَقَرُوْنَا اَبَیْنَ ذٰلِكَ کَثِیْرًا اِسْمٰیئِیْلَ دَرَمِیَانَ ہَمَّ اَبَیْہَا کَا حَالِ
 نے اور بھی بہت سی قوموں اور جماعتوں کو ہلاک کیا۔ اس آیت میں اللہ کے نبی کے

۱۔ تفسیر کبیر ص ۸۲ طبری ص ۱۴۶ و قرطبی ص ۳۲۱ دابن کثیر ص ۳۱۹
 ۲۔ ابن کثیر ص ۳۱۹ و تفسیر البحر المحیط ص ۶۹۹ و درمشور ص ۵۶ (فیاض)

پر بھی تباہی آئی۔ ایسی بعض قوموں اور ان کے انبیاء کا ذکر تورات میں ملتا ہے اور بعض کے حالات قرآن پاک نے بیان کیے ہیں۔ تاہم بہت سے ایسے انبیاء اور ان کی قوموں کا حال بالکل بیان نہیں کیا۔ جیسے سورۃ المؤمنین میں ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ہیں فَمِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (آیت - ۷۸) ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ کا کیا ہے اور بعض کا نہیں۔ بہر حال فرمایا کہ ہم نے بعض دیگر قوموں کو بھی تباہ و برباد کیا۔ جنہوں نے اللہ کے نبیوں کی تکذیب کی تاہم وَكَوَلَّا صِرْبًا لَّهِ الْأَمْثَالَ اور سب کے لیے ہم نے مثالیں بیان کی ہیں تاکہ وہ سمجھ جائیں۔ جب اللہ کا نبی آتا ہے تو وہ اپنی زبان میں خدا کا پیغام لوگوں کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتا ہے اور پورے طریقے سے بات سمجھاتا ہے۔ لیکن اکثر و بیشتر یہی ہوا کہ لوگوں نے اللہ کے نبی کو جھٹلایا۔ توحید اور قیامت کا انکار کیا۔ اور پھر وَكَوَلَّا تَبَرُّنَا تَتَّبِعُوا ایسے تمام نافرمانوں کو ہم نے ملامت کر دیا۔ ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔

فَرَمَاوَا لَقَدْ آتَوْنَا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمِطْرَتْ مَطَرًا
 السَّحَابِ اور یہ مکے والے اس بستی پر سے گزرتے ہیں جس پر بری بارش برسانی گئی۔ مکے سے شام و فلسطین کے راستے پر وہ بستیاں آباد تھیں جن کو اللہ نے بری بارش برسا کر تباہ کیا۔ ان پر پتھروں کی بارش ہوئی اور انہیں زمین سے اُپر اٹھا کر پھر لٹ دیا گیا۔ فرمایا، مکے والے تجارتی سفر پر جاتے ہیں تو ان ابرطی ہوئی بستیوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنها کیا یہ ان کو دیکھتے نہیں؟ یعنی ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ امام ابن کثیر اور دیگر مفسرین لکھتے ہیں کہ یہاں پر بڑے بڑے چھوٹے شہر آباد تھے جن کی آبادی چار لاکھ نفوس سے زیادہ تھی وہاں ان بستیوں

کے کفہ طرات اور بکرمیت بھی نظر آتا ہے۔ وہاں کوئی انسان زندہ نہ بچا۔ آج بھی بکرمیت کے بعض حصوں میں کوئی آبی جانور بھی زندہ نہیں رہتا۔ یہ ساری نشانیاں ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ مکے والے ان کو دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے

فرمایا حقیقت یہ ہے بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نَشُورًا
 کہ یہ لوگ سرکہ دوبارہ جیٹھنے پر یقین ہی نہیں رکھتے۔ اگر ان کو بعثت بعد
 الموت اور جزائے عمل کی فکر ہوتی تو نافرمانی کی اتنی بڑی جرأت نہ کرتے۔
 دراصل عقیدہ قیامت کا انکار لوگوں کو آخرت کے فکر سے آزاد کر دیتا ہے
 لہذا وہ غافل ہو جاتے ہیں اور بالآخر اللہ کی گرفت میں آجاتے ہیں۔

وقال الذين اذنبوا الذنوب ان هذا الذي نزلنا من السماء ماء بارد قال الله انما اتيناكم به ماء حارا فما يكفون الفرقان ۲۵

درس ہشتم ۸ آیت ۳۱ تا ۳۴

وَإِذَا رَأَوْكَ أَنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ۞ (۳۱) إِنْ كَادَ لَيُضِلَّنَا عَنْ الْهَتَمَانَا لَوْلَا أَنَّ صَبَرْنَا عَلَيْهَا وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينِ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۞ (۳۲) أَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهًا هُوَ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۞ (۳۳) أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۞ (۳۴)

ترجمہ:- اور جب دیکھتے ہیں یہ لوگ آپ کو، تو نہیں بناتے آپ کو مگر ٹھٹھا کیا ہوا۔ اور کہتے ہیں کیا یہ وہ شخص ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ (۳۱) (بیشک شان یہ ہے کہ) قریب تھا کہ یہ ہم کو گمراہ کر دیتا ہمارے معبودوں سے اگر ہم صبر نہ کرتے ان پر۔ اور عنقریب جان لیں گے جس وقت دیکھیں گے یہ عذاب کو کہ کون ہے زیادہ بکا ہوا، راستے کے اعتبار سے (۳۲) (اے پیغمبر!) کیا آپ نے دیکھا ہے اس شخص کو کہ جس نے بنا لیا ہے معبود اپنی خواہش کو کیا آپ اس کے ذمہ دار ہیں (۳۳) کیا آپ گمان کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا عقل رکھتے ہیں؟ نہیں، یہ تو جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ

بھکے ہوئے راستے کے اعتبار سے (۴۴)

رابطہ آیات

اس رکوع کی پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی۔ ان انبیائے کرام کو بڑے شکرش اور مغرور لوگوں سے واسطہ پڑا۔ اللہ نے ان کے غرور کو توڑا اور ان کو تباہ و برباد کیا۔ اللہ نے نوح علیہ السلام کا تذکرہ بھی فرمایا کہ آپ کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا، پھر قوم عاد، ثمود اور کنوئیں والوں نے اللہ کے بندوں کے ساتھ زیادتی کی تو ان کو بھی ہلاک کیا گیا۔ درمیان میں بہت سی دیگر قومیں بھی گزری ہیں جن کا تذکرہ نہ تو کتب سماویہ نے کیا ہے اور نہ ہی تاریخ نے انہیں محفوظ رکھا ہے ہر قوم کے لیے اللہ نے رسول بھیجے مثالیں بیان کیں، ان کو ہر طریقے سے سمجھایا مگر اکثر لوگوں نے تسلیم نہ کیا اور ہلاک ہوئے۔ پھر ان بستیوں کا تذکرہ جن پر سے اہل مکہ تجارتی سفر کے دوران گزرتے ہیں۔ اللہ نے ان پر بُری یعنی پتھروں کی بارش برساکر انہیں تنس نہس کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ قیامت اور جزائے عمل کا انکار کر دیتے ہیں۔ وہ آخرت سے غافل اور لاپرواہ ہو جاتے ہیں اور یہی چیز ان کی ہمیشہ کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔

باطل پر ٹٹے
رہتے کی خواہش

اس سورۃ میں زیادہ تر انکار رسالت کا مسئلہ بیان ہوا ہے لوگ اللہ کے بندوں پر طرح طرح کے اعتراض کرتے تھے بلکہ ان کے ساتھ ٹھٹھاکرتے تھے اور اہل ایمان کو تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ آج کی پہلی آیت میں اسی بات کا تذکرہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِذَا رَأَوْكَ جب کفار و مشرکین آپ کو دیکھتے ہیں إِن يَتَّخِذُواكَ لاکھڑواتو جاتے ہیں آپ کو ٹھٹھا کیا ہوا یعنی آپ کا مستحزاتے ہیں _____ کہتے ہیں کہ اللہ کو نبوت اور رسالت کے لیے ابوطائب کا یتیم بھتیجا ہی ملا تھا۔ نہ اس کے پاس مال نہ جانور، نہ باغات نہ محلات اور نہ تو کچھ چاکر اچھلایہ کیسے نبی ہو

ہوسکتا ہے؟ کہتے تھے اَهْدِ الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا كَمَا يَهْدِي
وہ شخص ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ پھر یہ بھی کہتے اِنَّ
كَادَ لَيُضِلَّنَا عَنْ الْهَيْتَانَا قَرِيبًا تَحَاكَّرَ فِيهِ شَخْصٌ مِّمَّنْ هَمَّ بِرَايِ
مَعْبُودِي سَعْدٍ مَّرَاهُ كَمَا دِينَا هَيْ لَوْ لَا اَنْتَ صَبَرْنَا عَلَيْهَا
اگر ہم ان پر صبر نہ کرتے یعنی ان پر مستحکم نہ رہتے۔ اس شخص کی تقریر بڑی ہی پر اثر ہے
اگر ہمارے معبودوں کے متعلق ہمارا عقیدہ ذرا بھی کمزور ہوتا تو یہ شخص ہمیں بدظن
کر کے گمراہ کر دیتا۔ چنانچہ وہ ایک دو گھر کو اپنے معبودان باطلہ پر پختگی اختیار
کرنے کی تلقین کرتے تھے وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ
وَدَّاءُ وَلَا سَوَاعَاةً وَلَا يَغْوَتَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا (روح - ۲۳) کہتے
تھے اس شخص کے کہنے میں آ کر اپنے معبودوں وود، سواع، یغوث، یعوق اور
نسر کو نہ چھوڑ بیٹھنا، بلکہ ان پر اپنا عقیدہ مضبوط رکھنا۔ ہود علیہ السلام نے بھی اپنی
قوم سے یہی کہا لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ ط
(ہود - ۵۰) لوگو عبادت صرف اللہ کی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود
نہیں مگر قوم نے یہی جواب دیا وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي الْهَيْتَانَا
عَنْ قَوْلِكَ (ہود - ۵۳) ہم تیرے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے
کے لیے تیار نہیں۔

ارشاد ہوتا ہے وَسَوْفَ يُعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ
الْعَذَابَ جَب عَذَابٍ كَمَا يَنْبَغُ مَا نَعْنِي وَيَكْفِيكَ كَمَا تَوَانِيهِ جَلْبِي هِي مَعْلُوم
ہوجائے گا مَنْ اَصْلُ سَكِيْلًا کہ کون زیادہ بہکا ہوا ہے راستے
کے اعتبار سے آج تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا نبی ہمیں معبودوں سے ہٹا کر
غلط راستے پر ڈال رہا ہے مگر جب قیامت کا دن آئے گا۔ اور یہ لوگ
مستحق عذاب مٹھرس گئے تو پھر انہیں پتہ چلے گا کہ غلط راستے پر کون تھا۔
اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی ایک بہت بڑی قباحت کا ذکر

خواتین تعالیٰ
بطور معبود

کیا ہے کہ خواہشات نفسانی کے پیچھے چلنا اس کو مجبور بنا لینے کے مترادف ہے۔ یہ بیماری انسانوں میں ابتداء سے چلی آ رہی ہے، اب بھی ہے اور نا قیام قیامت موجود رہے گی۔ حق و باطل میں امتیاز نہ کرنا خواہش نفس کو پورا کرنا ہے۔ اکثر و بیشتر لوگ اسی خواہش میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو جاتے ہیں اور پھر جدھر خواہش چاہتی ہے اُدھر ہی چلتے رہتے ہیں۔ یہ بات اللہ نے یہاں پر اس طرح بیان فرمائی ہے۔ أَدَّيْتَهُمْ اتَّخَذَ إِلَهُهُ هَوَاهُ کیا آپ نے اس شخص کی طرف دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو ہی اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ یہاں پر اللہ کو مقدم اور ہوی کو مؤخر کیا گیا ہے۔ مفسرین کو اس فرماتے ہیں کہ یہ ترکیب بات میں زور یہاں کہہ نے کے لیے استعمال کی گئی ہے جس کا مطلب ہے کہ ایسے لوگوں کے نزدیک صرف خواہش ہی ان کا معبود ہے۔ یہ صرف خواہش جاتی ہے۔ اُدھر ہی وہ جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک حق اور باطل میں امتیاز کرنے والی اور کوئی چیز نہیں ہے۔

خواہش کی آفرینش کبھی خاندان کی وجہ سے ہوتی ہے، کبھی سوسائٹی کی وجہ سے اور کبھی علاقائی عسقم و رواج کی وجہ سے۔ لوگ قانون کی پابندی کی پروا کیے بغیر اسی خواہش کے پیچھے پلٹنے لگتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان خلیۃ القدس کا عہد بندگی کی بجائے ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ مفسرین کو اس حضرت ابوامامہ سے روایت بیان کرتے ہیں جسے مفسر طبری، صاحب حلیۃ الاولیاء اور مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نے بھی نقل کیا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 وَمَنْ يَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُتَّبِعْ أَسْمَانًا مَّا ظَلَّ السَّمَاءُ
 مِنْهُ إِلَّا يَجِدُ مِنَ اللَّهِ عَنَّا وَجَلَ عَظِيمًا عِنْدَ
 اللَّهِ مِنَ هَوَىٰ يُتَّبِعْ يَعْنِي آسْمَانًا كَمَا ظَلَّ السَّمَاءُ
 کے سوا اس سے بڑا معبود خواہش ہے۔ جس کی اتباع کی جاتی ہے۔ فرمایا
 أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا، کیا آپ اس کے ذمہ دار
 لہ تفسیر بیان القرآن ص ۱۵۸ (فیاض)

ہیں، مطلب یہ کہ خواہش کے پجاریوں کی ذمہ داری آپ پر نہیں آتی بلکہ اللہ تعالیٰ
خود ہی ان سے قیامت کو نپٹ لے گا اور ان سے وہی سلوک کرے گا
جس کے یہ لوگ مستحق ہیں۔

چار چیزیں
ذریعہ آزمائش

تفسیر حینی والے مفسر لکھتے ہیں کہ آدم اور حوا کے ملاپ سے انسان پیدا ہوا
اور جب شیطان کا ملاپ دنیا سے ہوا تو اس سے خواہش پیدا ہوئی۔ گو یا
شیطان کا عقد دنیا سے ہوا ہے۔ اس بات کو کسی شاعر نے اس طرح بیان
کیا ہے۔

إِنِّي بِلَيْتِ بَارِعِ مَا سَلَطُوا
إِلَّا لِعَظْمِ بِلَيْتِي وَشَقَايُ
إِبْلِيسُ وَالذَّنْبَا وَنَفْسِي وَالْهَوَى
كَيْفَ الْخَلَاصُ وَكَلِّهِمْ أَعْدَائِي

میری آزمائش اور شقاوت کو بڑا بنانے کے لیے مجھے چار چیزوں سے آویزا
کیا ہے یعنی یہ چیزیں مجھ پر مسلط کی گئی ہیں۔ ابلیس، دنیا، نفس اور خواہش۔ یہ ساری
چیزیں انسان کی دشمن ہیں جو طے سے حق کے راستے سے بہر کاتی ہیں۔ ابلیس نے
تو شروع سے ہی وعدہ لے رکھا ہے کہ وہ انسان کو قیامت تک گمراہ کرتا
رہے گا۔ دنیا بھی ہمیشہ انسانوں کو اپنی طرف راغب کر کے غفلت میں مبتلا
کرتی ہے۔ نفس کے متعلق قرآن میں موجود ہے اِنَّ النَّفْسَ
لَا مَرَاةً بِلَا سُوْرٍ (یوسف - ۵۳) انسان کا نفس اُسے ہمیشہ برائی کی طرف
راغب کرتا ہے۔ اگر اس پر قابو پایا جائے تو پھر یہ نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ
بناتا ہے۔ اور خواہش ایک ایسی چیز ہے جسے انسان الوہیت کا درجہ
دے دیتا ہے اور پھر اسی کے پیچھے چلتا رہتا ہے۔ بہر حال خواہش کے پیچھے
لگ کر لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ تو فرمایا کیا آپ نے اس شخص کی طرف نہیں
دیکھا جس نے خواہش کو ہی اپنا معبود بنا رکھا ہے؟

قانون کی
پابندی

قانون کی پابندی ہر مکلف کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ مگر اس پابندی کی خلاف ورزی کرنے والی اولین چیز انسان کی خواہش ہے۔ جب انسان اپنی خواہش کے پیچھے چل نکلتا ہے تو پھر وہ قانون کی کچھ پروا نہیں کرتا بلکہ وہی کچھ کرتا ہے جو اس کی خواہش ہوتی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی حکمت کے مطابق بیان کرتے ہیں کہ قانون کی پابندی کے بغیر انسان خطیۃ القدس کے پاک مقام تک نہیں پہنچ سکتا مگر اسی کی اکثر لوگ خلاف ورزی کرتے ہیں حالانکہ قرآن پاک نے قانون کی پابندی کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ مثلاً فرمایا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُفُّوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ** (البقرہ - ۱۷۲) اے لوگو! ہماری عطا کردہ روزی میں سے پاک چیزیں کھاؤ۔ دوسری جگہ آیا ہے **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمْ** (البقرہ - ۲۱) اے لوگو! عبادت صرف اللہ کی کرو۔ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اپنے عقیدے کو پاک کرو۔ جب تک عقیدہ پاک نہیں ہوگا۔ اخلاق اور عمل پاک نہیں ہوگا۔ جن کی فکر پاک نہیں ہے اس کا ذہن، روح، دل اور دماغ پاک نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا **إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ** (التوبہ - ۲۸) مشرک لوگ سرپا ناپاک ہیں کیونکہ ان کی فکر میں شرک کی ملاوٹ ہے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا **فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ** (الحج - ۳۰) بت پرستی کی گندگی سے بچو کہ یہ بھی نجاست ہے۔ غرضیکہ قانون کی پابندی کے بغیر انسان ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا۔ بلکہ ہمیشہ تنزل کا شکار رہتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا **وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ** (البقرہ - ۱۶۸) شیطان کے نقش قدم پر نہ چلنا کہ یہی خواہش کی پیروی ہے جس کے متعلق فرمایا کہ لوگ خواہش کو ہی اپنا معبود بنا لیتے ہیں۔

جانوروں سے
بیزاران

ارشاد ہوتا ہے **أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ**

اَوْ يَغْفِقُونَ كَمَا آتَى كَمَا كَرِهْتُمْ لَكُمْ هِيَ كَمَا ان مَشْرُوكِمْ مِمْ سِمْ اَكْثَرِ لَوْ كِمْ
 سُنْتُمْ هِمْ يَآ سَمِجْتُمْ هِمْ؟ فَرِآءَ بَآ نِمْ هِمْ. اِنَّ هِمْ اِلَّا كَا لَآ نَعْمَ
 يَه لَو جَآ نَوْرُو لَ كِمْ مَآ نِمْ هِمْ بَلْ هُؤْمَرُ آهَنْ لَ سَبِيْلًا بَلْ كَمَ اَنْ سِمْ
 بَهِمْ نِآ يَآ هُؤْمَرُ هِمْ بَلْ عَقْلُ لَوْ كُو لَ كِمْ جَآ نَوْرُو لَ سِمْ بَهِمْ بَدَلْ هِمْ سِمْ
 وِمْ يَآ سِمْ كِمْ جَآ نَوْرُو لَ هِمْ تَوَالِ نِمْ عَقْلُ كَا مَادَهْ هِمْ نِمْ رَكْهَآ جِمْ كِمْ
 اِنْسَآ نِ كُو عَقْلُ وَ شَعُوْرُ جِمْ بَهِمْ جِمْ عَطَا كِمْ جِمْ نِمْ كِمْ ذَرِيْعَهْ وَ هِمْ حَقُّ وَ بَآ طْلُ مِمْ
 اِنْيَآ زَكْرُ سَكَا تَهْ. جَآ نَوْرُو زِآ يَآ هِمْ سِمْ زِآ يَآ هِمْ جِمْ لِمْ مِمْ نِمْ لَآ هِمْ كِمْ كِمْ
 اِنِمْ شَعُوْرُ هِمْ نِمْ مِمْ كَا فَرُوْ مِمْ شَرِكْ جِمْ لِمْ مِمْ كِمْ كَا شَكَرْ هِمْ جِمْ صِمْ جِمْ كِمْ اَوْ غَلَطْ
 كُو صِمْ قَرَارُ جِمْ هِمْ. يَه لَوْ كِمْ هِمْ سِمْ نَجْمِ كِمْ هِمْ هِمْ اَوْ كِمْ هِمْ
 كُو بَدَا هِمْ سِمْ هِمْ. يَه بَهِمْ خَطْرُ نَا كِمْ رُوْشْ هِمْ. اِنَّ لَ تَهْ فَرِآءَ كِمْ يَه لَوْ كِمْ
 جَآ نَوْرُو لَ سِمْ بَهِمْ نِآ يَآ هِمْ.

جانور ایک ایسی مخلوق ہے جو اپنے مالک اور محسن کو پہچانتی ہے اور
 اس کا حکم مانتی ہے۔ کسی بھی خدمت گزار جانور کو آواز دو تو وہ فوراً متوجہ ہوتا ہے
 جانور رکھلاتے پلانے والے مالک یا کارندے کی آواز پر چونک پڑتا ہے۔
 مگر کافر اور شرک انشرف المخلوقات کافر ہونے کے باوجود اپنے مالک
 حقیقی اور محسن حقیقی کو ذرا نہیں پہچانتا اور نہ ہی اس کی آواز پر لبیک کہتا ہے
 ہم نے ایک بلی پال رکھی تھی جو جوان ہوئی، پھر اس نے بچے دیے۔
 وہ بیماری بیمار ہو گئی۔ اندر آنا چاہتی تھی مگر دروازہ بند تھا۔ آخر دیوار پھٹا مالک کو
 اندر آئی اور میرے پاؤں کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا اے دودھ
 پلاؤ مگر اس نے نہ بیا۔ مقطور ہی دیر بعد دروازے کے راستے باہر نکلی اور
 پھر پتہ چلا کہ بیماری میں مر گئی ہے۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ یہ بلی اپنی زندگی سے
 بالیس ہو چکی تھی۔ اور آخری وقت سلام کرنے کے لیے آئی تھی۔ مقصد یہ کہ
 جانوروں میں بھی اتنا شعور ہوتا ہے کہ وہ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں۔ مگر

ہر دروس کا
 جانور کے بارے
 میں ذاتی تجربہ

انسان جانوروں سے بھی گیا گنہہ رہا ہے جو اپنے حقیقی محسن کو نہیں پہچانتا بلکہ یا تو اس کا انکار کر کے کافر بن جاتا ہے اور یا پھر غیروں کے دروازے پر دستک دیکر مشرک ہو جاتا ہے۔ جانور بے شعور ہو کر بھی اپنا مقصد حیات پورا کر رہا ہے جب کہ انسان انسان ہو کر بھی اپنے مقصد حیات سے غافل ہے اسی لیے فرمایا کہ جو لوگ اپنی خواہش کو ہی اپنا معبود بنا لیتے ہیں، وہ حقیقی معبود سے کٹ جاتے ہیں اور ایسے لوگ جانوروں سے بھی برتر نہیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ، وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا، ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ۝۳۵ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ۝۳۶ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ اللَّيْلَ رِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ۝۳۷

ترجمہ:- (اے مخاطب) کیا تو نے نہیں دیکھا اپنے پروردگار کی طرف کہ اُس نے سائے کو کیسے دراز کیا۔ اور اگر وہ چاہتا تو بنا دیتا اس کو ٹھہرا ہوا۔ پھر ہم نے مقرر کیا سورج کو اس کے اوپر راہ بتلانے والا ۝۳۵ پھر ہم نے سمیٹ لیا اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹنا ۝۳۶ اور وہ وہی ذات ہے جس نے بنائی ہے تمہارے لیے رات مینزلہ لباس کے اور نیند کو ذریعہ آرام۔ اور بنایا ہے دن کو اٹھ کر باہر نکلنے

کا ذریعہ ۝۳۷

گذشتہ آیات میں تسلی کا ضمون تھا۔ اس کے بعد مشرکوں کا رد تھا۔ عبرت کے

ربط آیات

لیے بعض سابقہ اقوام کا حال بیان ہوا اور اُن کی سزا کا ذکر کیا گیا۔ اللہ نے فرمایا کہ کافر اور مشرک لوگ اللہ کے نبی کو دیکھ کر اُس کا تمسخر اڑاتے تھے، اور اپنے باطل عقیدے پر پختگی کا اظہار کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ تمقریب عذاب الہی کو دیکھیں گے تو پھر انہیں پتہ چلے گا کہ گمراہ کون تھا اور راہِ راست پر کون۔ نیز یہ کہ ان لوگوں سے قبولیتِ حق کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ جو شخص اپنی خواہش کو ہی مہمورد بنا لیتا ہے۔ وہ حق و باطل کی تمیز سے

محروم ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ نہ تو حق بات سنتے ہیں اور نہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ جانوروں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر کیونکہ جانور تو اپنے مقصدِ حیات کو پورا کر رہے ہیں مگر مشرک اور کافر اُس سے بھی عاری ہیں۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بعض دلائلِ قدرت بیان فرمائے ہیں اور اسی ضمن میں نبوت و رسالت کا تذکرہ بھی آگیا ہے۔

سایہ بطور
دلیلِ قدرت

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ کفار و مشرکین سننے اور سمجھنے سے محروم ہیں اگر یہ دلائلِ قدرت کو سمجھنے کی کوشش کرتے، تو توحیدِ خداوندی آسانی سے سمجھیں آسکتی تھی۔ اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دلیلِ توحید ہی کے سلسلے میں سائے کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے الَّذِينَ لَا يَدْرُونَ اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف یہاں پر رویت بھری مراد نہیں بلکہ رویتِ قلبی اور رؤیتِ علمی مراد ہے کیا تمہارے علم و فہم میں یہ بات نہیں كَيْفَ مَدَّ الظِّلُّ کہ تیرے پروردگار نے سائے کو کس طرح دراز کیا ہر چیز کا سایہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا اور وہ چاہتا تو اس سائے کو ساکن یعنی ایک جگہ ٹھہرا ہوا بنا دیتا اور ہر چیز کا سایہ گھٹنے بڑھنے کی بجائے ہمیشہ ایک ہی حالت پر قائم رہتا۔ گویا سایہ میں بھی پیشی دلیلِ قدرتِ خداوندی ہے۔ پھر فرمایا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسُ عَلَيْهِ دَلِيلًا کہ ہم نے سورج کو اس پر راہ بنانے والا بنایا ہے سورج کی روشنی کی جسے چیزوں کے سائے بنتے اور آگے پیچھے ہوتے ہیں۔ گویا سائے کا گھٹنا اور بڑھنا سورج پر موقوف ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز کا سایہ مغرب کی جانب پھیلتا ہے۔ پھر جوں جوں سورج اُپر کی طرف آتا ہے، سایہ گھٹتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ عینِ دوپہر کے وقت سایہ اپنے اصل کے ساتھ اگہل جاتا ہے۔ پھر جب سورج مغرب کی طرف سفر شروع کرتا ہے تو سایہ مشرق کی طرف پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور غروبِ شمس کے ساتھ

ہی سایہ بھی غائب ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ سائے کا وجود سورج کے ساتھ متعلق ہے۔

قرآن و سنت میں سائے کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ سایہ بھی دلائل قدرت میں سے ہے۔ بعض حالات میں سایہ تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے جب کہ بعض حالات میں یہ ایک نعمت ہوتا ہے۔ دھوپ اور شدید گرمی میں انسان کسی درخت، پہاڑ یا دیوار کے سائے کے متلاشی ہوتے ہیں۔ ترمذی شریفین میں حضور علیہ السلام کا فرمان موجود ہے کہ جب مجاہد جہاد کے لیے جاتے ہیں تو اس وقت بہترین صدقہ ظِلُّ قَطَاطٍ یعنی خیمہ کا سایہ ہے۔ مجاہدین کو خیمہ مہیا کر دینا جسے وہ دوران سفر و حضر سائے کے طور پر استعمال کر سکیں، بہت بڑی نیکی ہے۔ سائے کا ذکر دوزخیوں کی سزا کے سلسلے میں بھی آتا ہے فِي سَمُومٍ وَحَيْمُومٍ وَظِلِّ مَمْنٍ يَحْمُومٍ (الواقفہ - ۴۲ - ۴۲) ان کے لیے تند و تیز ہوا اور سخت تپش ہوگی۔ نیز دھوپیں کا سایہ ہوگا، جو بہت ہی تکلیف دہ ہوگا۔ جس طرح ہائیڈروجن بم سے زہریلا دھواں نکل کر تباہی پھیلاتا ہے، اسی طرح دوزخیوں کے لیے بھی نہایت ہی مسلک دھواں کا سایہ ہوگا۔ زمانہ جاہلیت کا شاعر ابوبکر بن علی اپنے شکار کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے ۹

وَلَقَدْ صَبَّتْ عَلَى السَّمُومِ يَكْتَبُحُ

قِرْوَعًا عَلَى الْيَتِيمِ عَيْنٍ مَّرْحَلٍ

میں نے سخت ٹو میں بڑا صبر کیا۔ جب کہ میرے پاس کوئی چیز نہ تھی سوائے سر کی لٹوں کے جو کہ غیر کنگی شدہ تھیں اور میری گردن پر سایہ مگن تھیں مطلب یہ کہ اس قدر شدید تپش میں میرے سر کے بالوں کی لیٹیں ہی میری گردن کو ٹوسے پجار ہی تھیں گردن کے مچھے بڑے نازک ہوتے ہیں جو دھوپ لگنے سے خراب ہو جاتے ہیں۔ اس کو گو لگنا یا (SUN STROKE)

کہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے اکثر لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے عرب کے لوگ سر پر زوال باندھتے ہیں۔ جو ان کی گردن کو لگنے سے محفوظ رکھتی ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے اَلْتَّقْوَا لِّلْعَيْنِ یعنی دو لغت والی چیزوں سے بچو۔ لوگوں نے عرض کیا، حضور! وہ دو چیزیں کون سی ہیں؟ فرمایا راستے میں یا سائے کی جگہ میں پانخانہ کرنا۔ ظاہر ہے کہ اگر ان مقامات پر کوئی شخص گندگی پھیلانے کا تو راستہ چلنے والے یا سائے میں تھوڑی دیر آرام کرنے والے مسافروں کو تکلیف ہوگی۔ لہذا ان دو جگہوں پر بول و براز کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے والوں کے حق میں مسافر لعنت کرے گی۔

غزوہ فتح مکہ ۱۰ھ رمضان میں پیش آیا۔ سخت گرمی کے ایام تھے، حضور علیہ السلام دس ہزار صحابہ کی جماعت لے کر مدینہ سے نکلے۔ حضور علیہ السلام نے سفر میں روزہ افطار کرنے کا حکم دیا۔ پھر جب ایک دن کا سفر باقی رہ گیا تو فرمایا کہ کل تو دشمن سے سٹھر بھیسٹ ہو جانے کا احتمال ہے لہذا روزہ نہ رکھو صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ اس سفر کے دوران ہم میں سے سایہ صرف اسی شخص کے پاس ہوا تھا جس کے پاس کوئی کھیل ہوا تھا جسے وہ مان کر سایہ بنا لیتا تھا، ورنہ ہم میں سے اکثر لوگ سورج کی تپش سے پکھنے کے لیے اپنے چہروں کو پتھروں سے ہی ڈھانپتے تھے۔ سایہ کے لیے کوئی خیمہ، کپڑا یا درخت نہیں تھا۔

سایہ کے
نقصات

موسم گرمی میں جہاں سایہ راحت کا باعث ہوتا ہے وہاں سخت سردی میں سایہ تکلیف کا باعث بھی ہوتا ہے۔ جہاں سورج خط استوا سے دور اور قطبین سے قریب ہوتا جاتا ہے تو سردی بڑھتی جاتی ہے۔ اور دھوپ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مشہور ہے کہ سکندر اعظم کے زمانے میں یونان میں بڑے بڑے حکماء گزرے ہیں۔ ان میں سے ایک دیو جانش کی تھا جو کتوں کے ساتھ بڑا انس رکھتا تھا۔ سردی کا موسم تھا، یہ شخص دھوپ میں بیٹھا دھوپ سینگ رہا تھا۔ اسی اثنا میں آدھی دنیا کا حکمران سکندر اعظم اس

کے سامنے اکھڑا ہوا اور دست بستہ عرض کیا، جناب عالی! کوئی کارِ خدمت ہو تو حاضر ہوں۔ بکلی نے نگاہ اٹھا کر سکندر اعظم کی طرف دیکھا تو بولا، مہربانی کر کے اپنا سایہ یہاں سے ہٹا دو اور مجھے دھوپ سے لطف اندوز ہوتے دو۔ بڑے آئے ہو۔ دنیاوی حاجتیں پوری کرنے والے۔ جاؤ اپنا کام کرو، مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ یہ واقعہ علم کے استخفا کے سلسلے میں بیان کیا جاتا ہے۔ بہر حال اُس وقت ایک آدمی کا سایہ بھی ناقابلِ برداشت ہو رہا تھا جب کہ یہی سایہ بعض اوقات باعثِ رحمت ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ دنیا میں دو سکندر بڑے مشہور گئے ہیں۔ ایک سکندر ذوالقرنین ہے جس کا ذکر سورۃ الکہف میں ہے جس نے مشرق و مغرب کا سفر کیا تھا اور لوگوں کو یاجوج ماجوج کی یلغار سے بچانے کے لیے سکندر بنی تعمیر کی تھی، یہ شخص ایماندار تھا۔ دوسرا سکندر جو سکندر اعظم کے نام سے مشہور ہے، یونان میں ہوا ہے۔ اس نے ۳۲۳ سال کی عمر میں نصف دنیا کو فتح کیا۔ اس کا زمانہ مسیح علیہ السلام سے کچھ عرصہ پہلے کا ہے۔ یہ شخص مشرک تھا اور مذکورہ بالا واقعہ اسی کا ہے۔

سائے کی
حقیقت

سایہ حقیقت میں ایک ناری کی ہوتی ہے جو کبھی ہلکی اور کبھی بھاری ہوتی ہے۔ اس مقام پر اللہ نے سائے کو بطور دلیل بیان فرمایا ہے۔ شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں کہ دن کے پہلے پہر کسی چیز کا سایہ سورج کی الٹی طرف گھٹنا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اصل چیز کی جڑ سے آکر مل جاتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں تَمَّ قَبْضَتُهُ الْيَتَا قَبْضًا يَسِيرًا کا یہی مطلب ہے کہ ہم اس کو سمیٹ لیتے ہیں اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹنا۔ وہ سایہ آہستہ آہستہ متعلقہ شے کی جڑ سے آتا ہے۔

ہر چیز کی اصل تو ذات خداوندی ہے اور اُس کا ارشاد ہے۔

وَالْيَهُ يَرْجِعُ الْأَمْرُ كَلَّهٖ دَرَجًا (۱۲۳) سب چیزیں اسی کی طرف
لہ موضع القرآن ص ۴۵ (فیاض)

رجوع کرتی ہیں۔ کائنات کی کسی چیز کا اپنا کوئی مستقل وجود نہیں بلکہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی تخلیقات کا عکس یا سایہ ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے کہ ہر چیز اس کی طرف لوٹتی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ دن کے پہلے پہر میں ہر چیز کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیتے ہیں۔ اور جب پکھلے پہر دو سر رخ شروع ہوئے تو سایہ دوسری طرف لمبا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو سایہ بھی غائب ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی اور بعض دیگر مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اسی سائے سے ہم دنیا کی تہی کی مثال بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اول عدم یعنی کچھ نہیں تھا۔ پھر نور یعنی دنیا کا وجود آیا اور آخر میں یہ سب کچھ پھر عدم میں چلا جائے گا یعنی پوری کائنات ختم ہو جائے گی۔ جس طرح جیسا فی نور اور سائے کی مثال ہے۔ اسی طرح روحانی نور اور ظلمت کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ جب انسانیت کفر، شرک اور معاصی کی تاریکی میں مبتلا ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ آفتابِ نبوت کی روشنی بھیجتا ہے جس کے ذریعے لوگوں کو صحیح راستہ نصیب ہوتا ہے۔ گویا انبیاء کے ذریعے نورِ ہدایت میسر آتا ہے۔ توحید روشنی ہے اور کفر، شرک اور معاصی ظلمت ہے۔ یہ ظلمتِ نبوت کی تعلیم یعنی آسمانی ہدایت کے ذریعے ہی دور ہوتی ہے۔

غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ اے مخاطب! کیا تم نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں سائے کو کس طرح دراز کیا، اور اگر وہ چاہتا تو یہ سایہ ایک ہی مقام پر ٹنکا رہتا۔ مگر اُس نے نظامِ شمسی اس طریقے سے قائم کیا ہے کہ سورج کی رفتار کے ساتھ ساتھ سایہ بھی گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور آخر میں بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ سائے کا گھٹنا بڑھنا سورج پر موقوف ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

کو دیکھا جائے تو اسے (الاحتساب - ۴۶) فرمایا ہے یعنی آپ روشن چراغ ہیں۔ اسی طرح قرآن، تورات اور انجیل کو بھی اللہ نے نور یعنی روشنی کا لقب دیا ہے۔ تو گویا جو روشن چراغ انبیا و کرام کتب سماویہ کی صورت میں لے کر آئے ہیں اُس سے نورِ ہدایت پھیلتا ہے اور کفر، شرک اور معاصی کی تاریکی دور ہوتی ہے۔ تو گویا یہ سایہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل ہے تو دوسری طرف نبوت کی دلیل بھی بنتا ہے کہ نورِ نبوت کی بدولت ہی دنیا سے تاریکی دور ہوتی ہے۔

رات، ہنید
اور دن

اگے اللہ نے مزید تین چیزوں کو اپنی قدرت و وحدانیت کی دلیل کے طور پر بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے **وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا** اللہ تعالیٰ کی ذات مہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے مہینہ لہ لباس کے بنایا ہے۔ لباس سے انسان کو دو فوائد حاصل ہوتے ہیں، ایک زینت اور دوسرا پردہ۔ اللہ نے قرآن پاک میں لباس کی حکمت اس طرح بیان فرمائی ہے **يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُحَارِبُ سَوَآتِكُمْ وَرِثِيًّا (اعراف - ۳۶)** اے آدم کے بیٹو! ہم نے تم پر لباس نازل کیا جو تمہارے لیے پردہ پوشی کرتا ہے اور باعث زینت بھی ہے۔ ویسے بھی یہ عام مقولہ ہے **الْبَاسُ بِاللِّبَاسِ** یعنی لوگ لباس پہن کر ہی اچھے لگتے ہیں جب کہ برہنگی ایک عجیب ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ تمام تمدن دنیا کے لوگ خواہ وہ کسی مذہب، مسلک یا فرقے سے متعلق رکھتے ہوں، اس بات پر متفق ہیں کہ لباس باعث زینت اور برہنگی عجیب ہے۔ برہنہ انسان جانوروں کی طرح ہوتا ہے۔ اللہ نے لباس نازل کر کے انسان کو شرف بخشا ہے۔ گویا جس طرح انسان لباس پہن کر آرام کپڑتے ہیں۔ اسی طرح رات بھی لوگوں کے لیے آرام و سکون کا باعث ہوتی ہے۔

پھر اللہ نے نیند کے متعلق فرمایا وَالسَّوْمُ سَكْبَاتًا یعنی ہم نے نیند کو آرام کا ذریعہ بنایا۔ انسانی صحت کے لیے نیند بہت ضروری ہے۔ اطباء کے مطابق دین رات میں سات گھنٹے سونا ضروری ہے۔ مختلف طبائع کے مطابق کم و بیش بھی ہوتا ہے۔ اگر کئی دن تک نیند نہ آئے تو دماغ میں خستگی پیدا ہو کر انسان شدید قسم کے مایوس ہو گیا ہے۔ جب نیند آتی ہے تو انسان کی تحلیل شدہ توہینیں بحال ہو جاتی ہیں اور وہ تازہ دم ہو کر دوبارہ کام کاج کے قابل ہو جاتا ہے۔

بہر حال فرمایا کہ اللہ نے رات کو تمھارے لیے زینت اور رہ پوشی کا ذریعہ بنایا اور نیند کو آرام و استراحت کا سبب بنایا۔ وَجَعَلَ النَّهَارَ نَشُورًا اور دن کو اٹھ کر باہر نکلنے کا ذریعہ بنا یا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل ہیں۔ اگر انسان شب و روز کے اس نظام پر ہی غور کرے تو اسے اللہ کی وحدانیت سمجھ میں آسکتی ہے۔ وہ جان سکتا ہے کہ یہ پورا نظام اللہ تعالیٰ ہی کا قائم کردہ ہے، اس میں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں ہے۔

وقال الذین ۱۹

الفرقان ۲۵

درس دہم ۱۰

آیت ۲۸ تا ۵۲

وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ
 وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿۴۸﴾ لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً
 مَيِّتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ
 كَثِيرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيهِمْ بَيْنَهُمْ لِيَذَكَّرُوا فَأَبَى
 أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿۵۰﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي
 كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تَطْعَمُ الكُفْرِيْنَ
 وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ﴿۵۲﴾

ترجمہ: اور اللہ کی ذات وہی ہے جس نے چلائی ہیں
 ہوائیں خوشخبری لانے والی اُس کے بارانِ رحمت سے پہلے۔
 اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پاک کرنے والا ﴿۴۸﴾ تاکہ
 ہم زندہ کریں اس کے ساتھ مردہ شر کو۔ اور پلائیں ہم
 اس کو اُن کو جو پیدا کیے ہیں ہم نے موشی اور بہت سے
 انسان ﴿۴۹﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے تقسیم کیا ہے اس کو اُن
 کے درمیان تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ پس انکار کیا اکثر انانوں
 نے مگر ناشکر گزاری۔ ہی ﴿۵۰﴾ اور اگر ہم چاہتے تو بھیجتے ہر
 بستی میں ڈر سنانے والا ﴿۵۱﴾ پس آپ نہ بات مانیں کافروں
 کی۔ اور جہاد کریں اُن سے اس (قرآن) کے ذریعے
 بڑا جہاد ﴿۵۲﴾

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید کے سلسلے میں سلسلے کا ذکر کیا کہ اس کا تعلق سورج کے ساتھ ہے۔ سورج اس کی راہنمائی کرتا ہے اور یہ گھٹتا بڑھتا ہے۔ پھر اللہ نے رات اور دن کا ذکر فرمایا کہ یہ بھی قدرت الہی کے نمونے ہیں۔ اللہ نے رات کو مینزلہ لباس قرار دیا، اور نیند کو آرام کا ذریعہ بنایا۔ پھر دن کے وقت کا روبرو اور سخت مزدوری کرنے کا موقع فراہم کیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں نہیں دیکھ کر اس کی توحید سمجھ میں آتی ہے اب دلائل قدرت ہی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے ہوا اور پانی کا

بارانِ رحمت
کی دعائیں

ذکر بھی فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَثَرَّ
بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جو چلاتا ہے خوشخبری
دینے والی ہواؤں کو اس کی بارانِ رحمت سے قبل۔ ظاہر ہے کہ بارش سے
پہلے ہوائیں چلتی ہیں جن کے دوش پانی سے لبریز بادل اٹھتے ہیں۔ پھر
جہاں اللہ تعالیٰ کو بارش برسانا مطلوب ہوتا ہے، ہوائیں بادلوں کو وہاں
لے جاتی ہیں۔ ان ہواؤں کو دیکھ کر ہی انسان پر امید ہوتے ہیں کہ اب
اللہ کی رحمت بارش کی صورت میں نازل ہوگی اور خطے کی خشک سالی دور ہوگی
انسانوں اور جانوروں کی حیات کا سامان ہوگا۔ اور کھیتیاں اور درخت پھل
پیدا کریں گے۔ گھاس چھوٹس ہوگا، اور اس طرح انسانوں اور جانوروں کے لیے
اکل و شرب کا انتظام ہوگا۔ گویا یہ ہوائیں ہیں جو بارش کی آمد سے پہلے بارش
کی خوشخبری دیتی ہیں۔

پاکیزہ پانی
کا نزول

ارشاد ہوتا ہے وَإِنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً اور ہم نے
آسمان کی طرف سے پانی اتارا۔ آسمان کا اطلاق بادل، فضا، ہوا اور ہر بلند
پر ہوتا ہے۔ بظاہر تو پانی اللہ تعالیٰ بادلوں میں سے اتارتا ہے۔ مگر یہ صرف
بادلوں کا کمال نہیں بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم بھی شامل ہوتا ہے۔ چونکہ
بارانِ رحمت کے نزول کا فیصلہ اُوپر ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے نزول

کو آسمان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

فرمایا ہم نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا جو کہ طہوراً خود پاک ہے اور دوسری چیزوں کو پاک کرتا ہے۔ چنانچہ پانی کے علاوہ کسی دوسری چیز سے طہارت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ مثال کے طور پر دودھ، عرق، کیڑا، پٹرول وغیرہ خود پاک اشیا ہیں مگر ان کے ذریعے دوسری چیزوں کو پاک نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کو ازالہ نجاست کے لیے بوقت مجبوری استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً کپڑے کو نجاست لگ گئی اور پانی میسر نہیں تو اس نجاست کو پٹرول وغیرہ سے دور کیا جاسکتا ہے مگر ان سے وضو یا غسل نہیں کیا جاسکتا۔ پانی کا بدل اللہ نے مٹی کو قرار دیا ہے۔ جیسے فرمایا **فَلَكُمْ تَجْدُوا مَاءً قَتَيْتُمْ مَوَاصِعِدًا صَابِيًا** (النساء - ۴۳) اگر پانی میسر نہ ہو تو پاک مٹی سے تمیم کیا جاسکتا ہے جو وضو یا غسل کا بدل ہوگا۔ تاہم جوہنی پانی میسر آجائے وضو یا غسل ضروری ہو جائے گا۔ طور مبالغے کا صیغہ ہے یعنی یہ پانی خود پاک ہے اور دوسری چیزوں کو پاک کرنے والا ہے چنانچہ ہم روزمرہ کپڑے، برتن، حجم، فرش وغرضیکہ ہر چیز پانی ہی سے پاک صاف کرتے ہیں اور یہی اس کی صفت ہے آگے اللہ تعالیٰ نے پانی کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے کہ اللہ کی یہ نعمت انسان، حیوان اور نباتات کی بنیادی ضروریات میں شامل ہے۔ اللہ نے اس کو بقائے حیات کا ذریعہ بنایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے پاکیزہ پانی کو نازل فرمایا لئیلحیجہ بہ بکدۃ قیستاً تاکہ ہم اس کے ساتھ مردہ شتر یا خشک زمین کو زندہ کریں۔ جب زمین بالکل خشک ہو کر سبزہ آگانے کے قابل نہیں رہتی تو اللہ تعالیٰ بارانِ رحمت کے ذریعے پانی بہم پہنچاتا ہے، اور زمین نرم ہو کر روئیدگی کے قابل ہو جاتی ہے۔ اس میں سبزیاں، پھل اور اناج پیدا ہوتا ہے۔

پانی کی
افادیت

قرمایا پانی کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس سے زمین سیراب ہوتی ہے اور دوسری یہ کہ وَنَسُفِيهَا مِمَّا خَلَقْنَا الْعَامَا وَآنَا سُبْحِي كَثِيرًا تاکہ ہم پلاٹیں یہ پانی اپنے پیدا کردہ موشیوں اور بہت سے انسانوں کو جیسا کہ پہلے عرض کیا پانی انسانوں، حیوانوں اور نباتات کے لیے بنیادی ضرورت ہے نباتات کا ذکر آیت کے پہلے حصہ میں ہوا کہ پانی کے ذریعے ہم مردہ زمین کو زندگی بخشتے ہیں۔ اور انسانوں اور حیوانوں کا ذکر اس حصہ آیت میں آگیا ہے کہ یہ دونوں انواع پانی کی محتاج ہیں۔ اگرچہ پانی کی ضرورت ہر قسم کے حیوانات کے لیے مسلم ہے مگر یہاں پر موشیوں کا ذکر انسانوں کی مناسبت سے کیا ہے کہ ان کو پانی

کی نسبت زیادہ ضرورت ہوتی ہے کیونکہ یہ موشی انسان سے زیادہ مانوس ہیں، انسان کے خادم ہیں اور انسان ان کا دودھ پیتے ہیں۔ سورۃ المائدہ میں ان کو کبھی صحتہ الا نعام یعنی چوپائے جانور کہا گیا ہے، اور سورۃ الانعام میں ان کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ ثَمَنِيَّةُ اَزْوَاجٍ یعنی آٹھ جوڑے ہیں۔ ان میں بھینس، بکری، گائے اور اونٹ کے زودادہ شامل ہیں۔ تاہم باقی تمام جانوروں، درندوں، پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کو بھی پانی کی ضرورت ہے اور ان کی زندگی کا انحصار بھی پانی پر ہے۔ البتہ بعض جانور ایسے ہیں جنہیں پانی کی فوری ضرورت نہیں پڑتی۔ بعض جاندار چھ مہینے بعد پانی پیتے ہیں۔ جیسے گوہے جو مٹی میں رہتی ہے اور کبھی کبھی پانی استعمال کرتی ہے۔ تاہم مذکورہ موشی دن میں کئی کئی مرتبہ پانی پیتے ہیں اس لیے اللہ نے بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔ جہاں تک انسان کا تعلق ہے۔ پانی اس کی غذا کا لازمی حصہ ہے۔ انسان جو بھی غذا استعمال کرتا ہے وہ خون پیدا کرتی ہے اور خون میں اسی فیصد پانی اور باقی بیس فیصد

دیگر اجزاء مثلاً نمک، اچرنی، پروٹین، لچیات، شکر، پائیر وغیرہ ہوتے ہیں۔ گویا انسانوں کے لیے بھی پانی اشد ضروری ہے۔

انسان کے لیے سب سے ضروری چیز ہوا ہے۔ اس کے بغیر انسان چند لمحے کے لیے بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر پانی ہے اللہ نے اس کو بھی باافراط پیدا کیا ہے۔ یہ ایسی بنیادی ضرورت ہے جو مسفت مہیا ہونی چاہیے۔ ہر حکومت کا فرض ہے کہ وہ انسانوں اور جانوروں کے لیے پانی کی فری سپلائی کا بندوبست کرے۔ ہوا اور پانی کے بعد غذا ضروری چیز ہے جس کے حصول کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے۔ پھیر لباس اور رہائش کا حصول ہے۔ یہ بھی جدوجہد کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ انسان کی بنیادی ضروریات میں صحت بھی شامل ہے۔ ہر بچہ کو مناسب علاج معالجے کی سہولت حاصل ہونی چاہیے۔ اور تعلیم بھی کم از کم اتنی تو لازمی ہے کہ انسان کو اپنے فرائض کا علم ہو سکے۔ یہ ہر انسان پر فرض عین کا درجہ رکھتی ہے۔ غرضیکہ پانی انسان کی بنیادی ضروریات میں شامل ہے مگر اکثر لوگ اس کی قدر نہیں کرتے اور اسے ضائع کرنے لگتے ہیں۔ پانی کی قدر ان علاقوں میں ہے جہاں یہ مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔ خود ہمارے ملک میں ایسے مقامات بھی ہیں جہاں پورے ایک دن کی مسافت سے پانی لانا پڑتا ہے۔ لہذا جہاں پانی وافر دستیاب ہے، اس کی قدر کرنی چاہیے اور جہاں نایاب ہے وہاں مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

فَرَمَا وَكَفَدَ صَرْفًا بَيْنَهُمْ هَمَّ نَسَ پانی کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا ہے یعنی پانی کی قدر بھی کو تمام خطوں میں یکساں نہیں رکھا بلکہ کہیں باافراط موجود ہے، کہیں مشقت سے حاصل ہوتا ہے اور کہیں نایاب ہے۔ زیر زمین پانی عام طور پر میٹھا ہوتا ہے۔ مگر بعض علاقوں میں کھاری بھی ہے۔ بارش، انڈی انالے اور دریاؤں کا پانی انسانی

پانی کی فری
سپلائی

زندگی میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر کھاری پانی تمام معمولات میں استعمال نہیں ہو سکتا
 بعض جگہوں پر پانی بالکل کٹھڑا ہے جو نہ پینے کے کام آتا ہے اور نہ کھینتی یاڑی کے
 پانی کا سب سے بڑا ذخیرہ سمندر ہے مگر وہ پینے کے قابل نہیں ہے۔ بڑے بڑے
 صحراؤں میں پانی بالکل نایاب ہے۔ اب جدید دور میں سمندر کے پانی کو صاف کرنے کے
 قابل استعمال بنا یا جا رہا ہے۔ مگر اس پر بہت زیادہ لاگت آتی ہے۔ بہر حال اللہ
 نے فرمایا کہ ہم نے پانی کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا لِيَذُكَّرُوا نَاكُمُ وَهُوَ نَصِيحَةٌ
 بِكُمْ طِبْسٌ مَّگَرُ حَقِيقَتُ يَهْ فَالْجَابِ اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كَفُورًا مَّگَرُ
 اکثر لوگوں نے انکار کیا اور اس نعمت کی نافرمانی کی۔ لوگوں کو چاہیے تھا کہ اس
 نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرتے مگر انہوں نے نعمت کا حق ادا نہیں کیا۔
 اللہ تعالیٰ نے شیکوہ بھی کیا ہے۔

منذرين کی
 بعثت

کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اللہ نے ہر سرستی اور ہر ہر مقام
 پر اپنے رسول کیوں نہیں بھیجے۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا ہے
 وَكُوْنُ شَيْئًا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ تَذِيْرًا لِّكُمْ مِمَّ جَاهْتُمْ تُوْهْرُ
 بستی میں ڈرانے والے بھیج دیتے۔ یہ کام ہماری قدرت سے باہر نہیں ہے
 مگر یہ ہماری حکمت کے خلاف ہے۔ اللہ نے مختلف علاقوں میں خاص
 خاص لوگوں میں اپنے رسول بھیجے، ان پر وحی نازل کی اور اس طرح لوگوں کی
 ہدایت و رہنمائی کا انتظام فرمایا۔ اور پھر آخر میں اقوام عالم اور تمام ہی نوع انسان یکے
 جات کے لیے اپنا آخری رسول مبعوث فرمایا اِلَّا نَذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ
 اَبْلَغُ (الانعام - ۱۱۶) تاکہ وہ اس قرآن کے ذریعے اپنے مخاطبین اور تمام ان
 لوگوں کو ڈرانے جن تک یہ قرآن پہنچے۔ اللہ نے اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے
 فرمایا کہ آپ ان لوگوں کے بہبودہ اعتراض کی طرف توجہ نہ دیں بلکہ اپنا کام
 کرتے چلے جائیں۔

جہاد کبیر

آخر میں اللہ نے فرمایا ہے فَلَا تَطِيعُ الْكٰفِرِيْنَ اَبِ

کافروں کی بات نہ نہیں بلکہ ان کے خلاف قرآن پاک کے ذریعے ایک ضروری کام یہ ہے وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ جہاد کبیر کریں۔ یہ کام مزاحم قرآن ہے کہ اس کے ذریعے آپ بڑا جہاد کریں جس طرح اللہ نے بارش نازل فرما کہ انسان کی جسمانی ضروریات پوری کیں، اسی طرح وحی الہی کے ذریعے قرآن نازل فرما کہ انسان کی روحانی اور عقلی ضرورتوں کی تکمیل کی اور اس کی روحانی پیاس کو بجھایا۔ گویا اللہ نے قرآن نازل فرما کہ انسان کی ہدایت کا سامان مہیا فرمایا

جہاد اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اس سے مراد محض جنگ نہیں بلکہ جنگ بھی جہاد کا ایک حصہ ہے۔ جہاد سے مراد اپنی تمام ظاہری اور باطنی قوتوں کو دشمن کے مقابلے میں صرف کرنا ہے۔ جہاد کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے جَاهِدُوا الْكُفَّارَ وَالْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَالسَّبِيلِ كَمَا يُعْنَى كَافِرُونَ اور مشرکوں سے اپنے مالوں، اپنی زبانوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ مطلب یہ کہ جہاد صرف قتال کا نام نہیں بلکہ زبان کے ذریعے فریضہ تبلیغ ادا کرنا، دین کے احکام لوگوں تک پہنچانا۔ لوگوں کے شکوک و شبہات دور کرنا۔ بوقت ضرورت سبقت میں مباحثہ کرنا، تصنیف و تالیف کے ذریعے لوگوں تک علم پہنچانا، مال خرچ کرنا سبب جہاد میں آتا ہے، مگر قرآن کی تبلیغ کو اللہ نے جہاد کبیر سے موسوم کیا ہے۔ حضور علیہ السلام جب کسی جنگ کے لیے جاتے تو دیگر دعاؤں کے علاوہ یہ دعا بھی فرماتے اللَّهُمَّ مَنْزِلَ الْكِتَابِ وَجُجْرِي السَّحَابِ وَهَارِمِ الْأَحْزَابِ اهْنِ مَهْمَهُمُ وَأَنْصِرْنَا عَلَيْهِمْ اے بادلوں کو اٹھانے والے، کتاب کو نازل کرنے والے اللہ! مخالف لشکروں کو شکست دے اور ہماری مدد فرما کہ ہمیں غلبہ عطا فرما۔ ہمارا مقصد تک گیری نہیں بلکہ اس کتاب کے پروگرام کو آگے چلانا ہے تاکہ لوگوں کی فکر پاک ہو جائے اور ان

کے اعمال درست ہو جائیں۔ شاہ عبدالغزیزؒ فرماتے ہیں کہ دشمن کے مقابلہ میں ظاہری، باطنی، مالی اور جانی قوی کو صرف کہنا جہاد کا ایک حصہ ہے۔

اعدائین

دین کے چار سلسلہ دشمن ہیں جن کا مقابلہ کرنے کے لیے قرآن نے تعلیم دی ہے۔ سب سے پہلا دشمن دین خود نفسِ انسانی ہے جس کے متعلق فرمایا اَعْدَىٰ عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ تَحَارَبُ بَرَادِشْمَنِ تُوخُوذُ تَحَارَبُ نَفْسُ هِيَ جُو تَحَارَبُ دُو سِلُووُوں كے درمیان ہے اور انسان کو ہمیشہ برائی کی طرف راغب کرنا ہے۔ نفس کا مقابلہ عبادت و ریاضت سے ہوتا ہے۔ جو شخص عبادتِ الہی میں مصروف ہوتا ہے اس کا نفس مغلوب ہو جاتا ہے۔ فرمایا دین کا دوسرا دشمن شیطان ہے۔ قرآن نے اُس کو اِنَّهُ لَكُمُ عَدُوٌّ صَبِيۡنٌ (البقرہ-۱۶۸) کہا ہے یعنی یہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ شیطان کا مقابلہ اللہ کے ذکر کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو گے تو شیطان دفع ہو گا۔ فرمایا دین کا تیسرا دشمن کافر ہے جو خدا تعالیٰ کی توحید اور شریعت کا انکار کرتا ہے اور اس کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے اس کے ساتھ مقابلہ کرنا بھی ضروری ہے۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے وَاَعِدُّوْا لَكُمْ مِمَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (الانفال-۶۰) ان دشمنوں کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کرو۔ تیرکمان سے لے کر اٹیم بم اور ہائیڈروجن بم تک جتنے بھی وسائل میسر ہوں سب کو بروئے کار لاؤ۔ پھر فرمایا کہ دین کا چوتھا دشمن منافق ہے جو اندرونی طور پر ریشہ دوانیاں کھمکے جماعت المسلمین اور ان کے دین کو کمزور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ نے فرمایا جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاَعْلَظْ عَلَيْهِمْ (التوبہ-۲۳) اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ ان کی شرارتوں اور سازشوں کو بے نقاب کرو اور انہیں خوب رسوا کرو تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں بہر حال ان چاروں دشمنانِ دین کا مقابلہ کرنا

ضروری ہے۔

دشمن کے خلاف جہاد تو وقتی طور پر ہوتا ہے جو بالآخر ختم ہو جاتا ہے مگر قرآن کے ذریعے جس جہاد کا حکم دیا گیا ہے وہ مسلسل اور دائمی ہے۔ جب تک پوری دنیا کفر، شرک، بدعات اور معاصی سے پاک نہ ہو جائے جب تک لوگوں کی فکھ پاک نہ ہو جائے، جب تک ظلم و نا انصافی کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ یہ جہاد جاری رہے گا۔

مخالفین قرآن بھی اپنی ٹمک و دو جہاد رکھیں گے۔ لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے غلط پراپیگنڈا کریں گے ان سب کے خلاف جہاد کرنا جہاد کبیر ہے۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ان آیات کا نشان نزول یہ ہے کہ جب تک دنیا میں کفر، شرک، بدعتی اور بد اخلاقی پائی جاتی ہے، ان کی اصلاح کرنا اور توحید کا پرچم بلند کرنا، فسق و فجور اور جہالت کو دور کرنا اور نیکی کو پھیلانا ضروری ہے۔ قرآن کی یہ آیات چیخ چیخ کر جہاد کبیر کی دعوت شے رہی ہیں جب تک برائی کو ختم نہیں کر کے نعم فلاح نہیں پاسکتے۔ آج مسلمان اسی فریضہ کو ترک کرنے کی وجہ سے ذلت کی پستی میں جا گئے ہیں۔ آج بھی دنیا کی پانچ ارب آبادی میں چار ارب لوگ کفر اور شرک میں مبتلا ہیں اور باقی ایک ارب بھی برائے نام توحید پرست ہیں۔ ان میں سے بھی بہت قلیل تعداد راہ راست پر ہے۔ بہر حال برائی کے خلاف قرآن کے ذریعے جہاد ہر وقت جاری ہے اور جاری رہے گا۔

سلسلہ

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ
 وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَجُجْرًا
 مَّحْجُورًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ
 نَسَبًا وَوَصْهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿۵۳﴾ وَيَعْبُدُونَ
 مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَكَانَ
 الْكَافِرَ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿۵۴﴾

ترجمہ:- اور وہ (اللہ تعالیٰ) وہی ذات ہے جس نے
 ملا دیا ہے دو دریاؤں کو۔ ایک میٹھا ہے اور خوشگوار یعنی
 پیاس بجھانے والا، اور دوسرا کھاری اور کڑوا ہے۔ اور بنا
 دی ہے ان دونوں کے درمیان ایک آڑ روک بنائی
 ہوئی ﴿۵۲﴾ اور وہ وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا ہے
 پانی سے انسان۔ پس بنا دیا اُس کے لیے نسب اور
 سرال اور تیرا تپور دگار قدرت رکھنے والا ہے ﴿۵۳﴾ اور
 پرستش کرتے ہیں یہ لوگ اللہ کے سوا اُن چیزوں کی جو
 نہیں پہنچاتیں ان کو فائدہ اور نہ نقصان۔ اور کافر اپنے رب
 کے سامنے (پرست پھیرنے والا) اور (شیطان کا)
 مددگار ہے ﴿۵۴﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے نمونے اور توحید کے لہلہ

بیان فرمائے۔ پہلے سامنے کا ذکر ہوا، پھر شب و روز کے تغیر و تبدل اور ہواؤں کے چلنے کا ذکر ہوا۔ اللہ نے خاص طور پر پانی کے نزول اور اس کی افادیت کا ذکر کیا۔ پھر کافروں کی مذمت بیان ہوئی اور اللہ نے اپنے پیغمبر کو نافرمانوں کے ساتھ بڑا جہاد کرنے کا حکم دیا۔ معتضدین کے رسالت کے متعلق اعتراضات کا شافی جواب بھی دیا۔ اب آج کی آیات بھی خدا تعالیٰ کی قدرت نامہ اور حکمت بالغہ سے تعلق رکھتی ہے۔ ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل ہیں۔

دو تضاد
پانیوں کا
ملاپ

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی پہلی دلیل یہ بیان فرمائی ہے وَهُوَ
الَّذِي مَرَّجَ الْيَمِينَ كَمَالِ قَدْرَتِ كِي مَالِكِ وَهَذِهِ خَدِيدِي
ہے جس نے دو پانیوں کو ملا دیا ہے۔ صبح کا مٹی غلط ملط کہہ دیا ہے۔ اور
آپس میں ملا دینا ہوتا ہے۔ اس لیے عربی زبان میں صبح سبزہ زار کو کہا جاتا ہے
جہاں مختلف قسم کے پودے اور گھاس وغیرہ لے لے ہوتے ہیں۔ صحیح حدیث
میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَا تَقْوَمُ السَّاعَةُ حَتَّى تَسِيرَ أَرْضُ
العَرَبِ مَرَّجًا وَأَهْكَأُ قِيَامَتِ اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب
عرب کی سرزمین میں سبزہ زار اور نہریں نہ جاری ہو جائیں۔ فرمایا اس وقت عرب
کا علاقہ وسیع ریگستان اور لافنا ہی سلسلہ کوہ پر مشتمل ہے مگر ایک وقت آنے
والا ہے جب بہت سے مقامات پر سبزہ زار ہوں گے اور وہاں پر نہریں چلیں گی
فرمایا اللہ تعالیٰ نے دو دریاؤں، دو سمندروں یا دو پانیوں کو اکٹھا چلا دیا اور
عجب شان ہے کہ ان دو پانیوں میں هَذَا عَذْبٌ فَرَاتٌ ایک پانی
میٹھا اور پیاس بچھانے کے لیے خوشگوار ہے وَ هَذَا مِلْحٌ أَحْجَاجٌ
اور دوسرا کھاری اور کڑوا ہے جو کہ پینے کے قابل نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت
نامہ کی دلیل ہے۔ یہاں پر دو مختلف دریا، سمندر یا ندی نامے سر آمد نہیں جن کے
پانی کا ذائقہ مختلف ہو، بلکہ اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے بعض مقامات پر ایسے پانیوں کو اکٹھا رواں دواں کیا ہے کہ جن کے ذائقے مختلف ہیں اور عجب بات یہ ہے کہ یہ دونوں قسم کے پانی اکٹھا سینے کے باوجود آپس میں خلط ملط نہیں ہوتے بلکہ اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے الگ الگ رہتے ہیں اللہ نے فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا ہم نے ان کے درمیان ایک آڑ قائم کر دی ہے وَحِجْرًا مَّحْجُودًا اور ایک رکاوٹ کھڑی کر دی ہے جو دونوں قسم کے پانیوں کو خلط ملط ہونے سے روکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر سیٹھا اور کٹر پانی آپس میں خلط ملط ہو جائیں تو سارے کا سارا پانی ہی کٹر ہوا ہو جائے۔ دنیا کے تمام دریاؤں کا پانی میٹھا ہے اور جہاں جہاں سے یہ گزرتے ہیں لوگ اس پانی کو پیتے ہیں اور اس کے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے کہ سمندر کا پانی کٹر ہوا ہے اور جو پہنچے کسی دریا کا پانی سمندر میں جا کر گتے ہو تو وہ بھی ویسا ہی کٹر ہوا ہو جاتا ہے مگر اللہ نے اپنے جس شاہکار کا بیان ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ کسی ایک دریا، سمندر یا ندی نلے میں دو مختلف الذائقہ پانی اکٹھے چلتے ہیں مگر آپس میں مل کر ان کے ذائقے میں فرق نہیں آتا اور ان کی اپنی اپنی نوعیت قائم رہتی ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں محضرین نے بعض مشاہدات کا ذکر کیا ہے۔ مشاہدات
جن سے اللہ تعالیٰ کی اس بیان کردہ حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے حضرت
مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے اپنے ایک بنگالی شاگرد کو لکھا کہ بنگال چونکہ
دریاؤں اور سمندروں کا علاقہ ہے لہذا آپ دلائل کسی دریا وغیرہ کے حالات
لکھیں جہاں مختلف خواص کے پانی اکٹھے بہتے ہوں۔ تو انہوں نے دو معتبر
علماء کی شہادتیں لے کر مولانا تھانویؒ کو آگاہ کیا جس کو آپ نے اپنی تفسیر
بیان القرآن میں نوٹ کیا ہے لکھتے ہیں کہ بنگال میں آراکان سے لیکر چانگام
تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کے سپٹ میں دو مختلف نوعیت کے
پانی چلتے ہیں۔ ایک پانی سفید ہے جب کہ دوسرا سیاہ۔ سفید پانی میٹھا ہے
لہ بیان القرآن ص ۸۶، ۵۵ (فیاض)

اور سیاہ پانی کڑوا ہے۔ سیاہ پانی میں سمندر کی طرح تلاطم ہوتا ہے جب کہ سفید پانی ساکن چلتا ہے۔ کشتی رانی بھی سفید پانی میں ہی ہو سکتی ہے تو اس طرح گویا ایک دریا میں دو مختلف الانواع پانی الگ الگ نظر آتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ دریا ہیں حالانکہ وہ دو کناروں کے درمیان اکٹھے بہ رہے ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے حاشیہ قرآن میں لکھا ہے کہ بحرالکمال کے ضلع باریسال کے بعض طلبانے میرے سامنے یہ حقیقت بیان کی کہ ان کے علاقہ میں دو ندیاں ایک ہی منبع سے نکلتی ہیں مگر ایک کا پانی کڑوا اور ناقابل استعمال ہے جب کہ دوسرے کا شیریں اور لذیذ ہے۔ آپ سورت میں بھی مقیم ہے ہیں۔ آپ وہاں کے حالات لکھتے ہیں کہ صوبہ گجرات میں ضلع سورت کے مقام دھابیل سمک سے سمندر تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ جب سمندر میں نہ آتا ہے تو اس کا پانی سمندر میں گرنے والی ندی میں چڑھ آتا ہے۔ لطفت کی بات یہ ہے کہ سمندر کا کڑوا پانی ندی کے میٹھے پانی کے اوپر تہ کی صورت میں آجاتا ہے اور دونوں پانی آپس میں خلط ملط بھی نہیں ہوتے۔ کڑوا پانی اوپر رہتا ہے اور میٹھا نیچے۔ پھر جب جذب ہوتا ہے تو کھاری پانی سمندر میں واپس چلا جاتا ہے۔ جب کہ ندی کا میٹھا پانی باقی رہ جاتا ہے۔ وہاں کے لوگ بتاتے ہیں کہ سمندر کا پانی ندی میں کئی کئی میل تک چلا جاتا ہے مگر دونوں پانیوں کا آپس میں اختلاط نہیں ہوتا۔ یہ بھی مشاہدے میں آتا ہے کہ زیر زمین پانی کہیں کھاری سے اور کہیں میٹھا۔ کسی ایک ہی سستی میں کھاری اور میٹھے پانی کے کنوئیں قریب قریب تھے ہیں مگر یہ پانی آپس میں خلط ملط نہیں ہوتا۔ مدینہ طیبہ کے اکثر کنوئیں کا پانی کھاری تھا۔ مگر بیٹرومہ کا پانی میٹھا تھا۔ جو یہودیوں کی ملکیت تھا۔ حضور علیہ السلام کے ترغیب دلانے پر حضرت عثمان نے یہ کنواں پیندیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا یہ بھی کمال قدرت کا نمونہ ہے۔ اللہ نے اپنا احسان جتلاتے ہوئے فرمایا ہے۔ لَوْ شَاءَ جَعَلْنَاهُ أَجَاخًا فَلَوْ

لَا تَشْكُرُونَ (الواقفہ - ۷۰) اگر ہم چاہتے تو سارے پانی کو کھڑا بنا دیتے اور تم مصیبت میں مبتلا ہو جاتے۔ تم میٹھا پانی پا کر اللہ کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے؟ فرمایا اس پانی کی ہم رسائی ہمارے ذمے ہے۔ بھلا بناؤ تو عَزَّ وَجَلَّ أَنْزَلْنَا سُبْحَانَكَ مِنَ السَّمَاءِ أَنْزَلْنَاهُ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (الواقفہ - ۶۹) کیا تم نے اس پانی کو بادلوں سے اتارا ہے یا ہم اس کے اتارنے والے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کہ شکر ہے کہ وہ آسمان کی طرف سے میٹھا اور قابل استعمال پانی نازل فرماتا ہے، مخلوق میں یہ طاقت کہاں ہے؟

سمندر کا پانی کھڑا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے خاص مصلحت رکھی ہے۔ اس کی کڑواہٹ کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے اس میں مختلف قسم کے نمکیات اور دیگر کیمیائی مادے رکھے ہیں جن کی وجہ سے یہ گلنے سٹرنے اور تعفن پیدا کرنے سے محفوظ ہے۔ اگر تمام سمندروں کا پانی میٹھا ہونا، تو اس میں تعفن پیدا ہو کہ انسانوں اور جانوروں کے لیے وبالِ جان بن جاتا۔ آبی جانوروں کی گندگی اور ان کے مردے بھی انتہی نمکیات کی وجہ سے گل نہ جاتے ہیں مگر بدبو پیدا نہیں ہوتی یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کا ایک نمونہ ہے۔

پانی پینے
کی دعا

حضور علیہ السلام نے میٹھا پانی پینے کے بعد یہ دعا بھی سکھلائی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي سَقَانَا عَذْبًا قَرَاتًا بِرَحْمَتِهِ وَكَمْ يَجْعَلُهُ مَلْعًا اَجَابًا بِذُنُوبِنَا اِسْمَاءُ بِنْتُ اَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے کڑوا نہیں کر دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے گناہوں کا اثر مختلف چیزوں پر پڑتا ہے۔ چیت بچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ حجرِ اسود جب جنت سے اُتر اٹھا تو یہ بالکل سفید تھا، پھر ابن آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کی نعمتیں کھا کر اور ٹھنڈا پانی پی کر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور اللہ کو شکر کہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہو جاتا ہے۔

اللہ نے اپنی دوسری دلیل قدرت یہ بیان فرمائی ہے وَهُوَ الَّذِي
خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا ۖ اللَّهُ تَعَالَىٰ كَيْ وَه ذَاتِ هِيَ جَسْنَ نِي
قطرہ آب سے انسان جیسی مہتی کو پیدا کیا۔ اور وہ قطرہ بھی ایسا کہ کپڑے کو
اگ جائے تو کپڑا ناپاک ہو جائے۔ اللہ نے اسی قطرہ آب کے متعلق فرمایا
هِيَ الْمَاءُ تَخْلُقُكُمْ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ (المسلسلۃ - ۲۰)
کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ اللہ نے اس ناپاک قطرہ
سے حسین و جمیل انسان کو پیدا کیا جو بہت سی خوبیوں کا مالک ہے۔ اللہ
نے اس کو بہت سی قوتیں اور خواہشیں بخشیں فَجَعَلْنَاكَ نَسِيًا وَظَهْرًا
پھر انسان کا سلسلہ نسب اور سلسلہ مصاہرت قائم کیا۔ اس کی مختلف
گوتیں اور خاندان بنائے بیٹوں سے نئی سلسلہ چلتا ہے اور بیٹیوں سے سسرالی
اس طرح اللہ نے سلسلہ انسانی کو پھیلا دیا۔ یہ سارا سلسلہ آدم علیہ السلام پر
منہی ہوتا ہے۔ گویا پورے نسل انسانی کا سلسلہ مٹی کے ساتھ جا کر چڑھا گیا،
اسی لیے فرمایا كَلَّمَآ اٰتٰآءَ اٰدَمَ وَاٰدَمَ مِّنْ تَرَابٍ
تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی
یعنی غرضیکہ یہ سارا سلسلہ اللہ نے قطرہ آب سے چلایا۔ وَكَانَ رَبُّكَ
قَدِيرًا اور تیرا پروردگار کمال قدرت کا مالک ہے۔ یہ سارا سلسلہ
اس نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ بنایا ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت کے اس قدر
دلائل کے باوجود حالت یہ ہے وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ
اللہ یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں مَا لَا يَنْفَعُهُمْ
وَلَا يَضُرُّهُمْ جو نہ ان کو نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان۔ النافع اور
الضار تو فقط ذات خداوندی ہے۔ بھلا دوسری کون سی ذات ہے جو
نفع نقصان کی مالک ہو۔ پرستش کے لائق تو وہ ذات ہے جو عظیم گل اور

غیر اللہ
کی عبادت

قادِرِ مطلق ہے۔ اللہ کے سوا باقی سب عاجز مخلوق ہے، لہذا ان صفات کا حامل بھی کوئی نہیں تو ایسی ہستیوں کی عبادت کرنا اور ان کو خدا کا شریک بنانا کتنی بے عقلی کی بات ہے۔ وہ تو خود اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ بھلا وہ دوسروں کی حاجت پر ہی کیسے کر سکتے ہیں؟

فَرَمَا وَكَانَ الْكَافِرُ عَلِيٌّ رَجُلًا ظَاهِرًا اَوْ كَيْفَا
 کافر آدمی کس طرح اپنے رب کے پشت پھیر کر شیطان کا مددگار بنا ہوا ہے۔ شرکیہ امور میں ملوث ہونا شیطان کی اتباع کے مترادف ہے۔ شیطان کفر اور شرک کو پسند کرتا ہے اور اسی کی ترغیب دیتا ہے۔ لہذا شیطان کے بہکاوے میں آکر غیر اللہ کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ یہ ایسا جرم ہے جس کی کوئی معافی نہیں، لہذا اس سے بچنا چاہیے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَىٰ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادٍ خَبِيرًا ﴿۵۸﴾ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمَنُ فَسَلِّ بِهِ خَبِيرًا ﴿۵۹﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَّا سَجُدٌ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ﴿۶۰﴾

ترجمہ

ترجمہ:- اور (اے پیغمبر!) نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا ﴿۵۶﴾ آپ کہہ دیجئے، میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی بدلہ، مگر جو چاہے بنائے اپنے پروردگار کی طرف راستہ ﴿۵۷﴾ اور آپ بھروسہ کریں اُس زندہ ہستی پر جو کبھی نہیں مرے گا۔ اور تسبیح بیان کریں آپ اُسکی تعریف کے ساتھ۔ اور کافی ہے وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے والا ﴿۵۸﴾ وہ جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، اچھ دن کے وقفہ میں۔

پھر وہ مستوی ہوا عرش پر۔ وہ بڑی رحمت والا ہے۔
پس پوچھیں آپ اس کے بارے میں خبر رکھنے والے سے (۵۹)
اور جب کہا جاتا ہے ان لوگوں سے کہ سجدہ کرو رحمان
کے سامنے تو کہتے ہیں کیا ہے رحمان؟ کیا ہم سجدہ کریں اُس
کے لیے جس کے لیے تو ہمیں حکم دیا ہے؟ اور بڑھ جاتی
ان کی نفرت اور زیادہ (۶۰)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ مامر کی دو باتوں کا ذکر کیا تھا۔
پہلی بات یہ تھی کہ وہ دو مختلف پانیوں کو اکٹھے چلا کر ان کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دیتا
ہے جس کی وجہ سے وہ پانی آپس میں خلط غلط نہیں ہوتے۔ اور دوسری بات یہ تھی
کہ اُس نے انسان کا سلسلہ نسب حقیر قطرہ آب سے چلایا ہے۔ یہ دونوں باتیں اُس کی قدرت
کا نمونہ اور توحید کے دلائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ مگر ان تمام تر
دلائل و ثبوتوں کے باوجود لوگ ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کو فائدہ پہنچا سکتی
ہیں اور نہ نقصان کر سکتی ہیں۔ فرمایا یہ لوگ خدا کی طرف سے پشت پھیر کر شیطان کے معاون
بنے ہوئے ہیں۔

آج کے درس کی ابتدائی آیات میں رسالت کا ذکر ہے۔ کفار و مشرکین حضور علیہ السلام
سے من مانی نشانیاں طلب کرتے تھے جس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ آپ کا کام
نشانیاں دکھانا نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے، وہ جیب چاہے کوئی نشانی ظاہر کر
دے۔ آپ کے فرائض کے متعلق فرمایا: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا
پیغمبر انہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر خوشخبری دینے والا اور ڈرسانے والا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ
پر ایمان لائے گا اور اس کی توحید کو مانے گا، اس کے متعلق آپ کا کام یہ ہے کہ آپ
اُسے خوشخبری سنائیں أَنْ لَهُمْ قَدْ هَرَبُوا صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (یونس: ۲) کہ ایسے
لوگوں کے لیے ان کے پروردگار کے ہاں سبالی کا پیر ہے، ان کے درجات بلند ہو سکتے

وہ حظیرۃ القدس کے ممبر بنیں گے اور بالآخر جنت میں پہنچ جائیں گے جسٹریا
 آپ ایسے لوگوں کو خوشخبری دے دیں۔ اس کے برخلاف جو لوگ کافر اور مشرک
 ہیں۔ معاصی اور ظلمتوں میں پھنسے ہوئے ہیں، ان پر خدا کا غضب ہوگا۔ لعنت
 سے گی اور وہ ناکام ہو کر جہنم رسید ہوں گے۔ آپ ان کو ان کے بُرے انجام
 سے ڈرا دیں۔ بغیر اللہ کے ذمے نیک کاروں کو خوشخبری دینا اور بُرے لوگوں
 کو ڈرانا ہے۔

فرمایا **قُلْ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ میں جو کچھ اللہ کا**
 پیغام تمہیں پہنچاتا ہوں اور جو علیکم تمہیں دینا ہوں، یہ بے لوث اور بلا معاوضہ
 ہے **مَا اسْتَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ** میں اس پر تم سے کوئی اجر
 نذر دہری یا معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ مجھے تم سے کوئی دنیاوی غرض نہیں، میرا
 کوئی مالی مفاد و وابستہ نہیں، نہ میں تم سے اس سلسلہ میں کوئی نفع مانگتا ہوں۔ ہاں
 میری غرض یہ ہے **اَلَا مَن شَاءَ اَن يَتَّخِذَ الْخَلْقَ رِبًا**
سَبِيًّا کہ تم میں سے جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف راسخ بنا لے
 اور اُس کی اطاعت کرے اُس کی رضا کے مفاد تک پہنچ جائے۔

بے لوث
 تبلیغ

بلا معاوضہ خدمت کی پیش کش صرف حضور علیہ السلام تک ہی محدود نہ
 تھی۔ بلکہ اللہ کے تمام انبیاء علیہم السلام ہی مشن لے کر آئے **رُسُلًا مَّبَشِّرِينَ**
وَمُنذِرِينَ لَعَلَّ يَكْفُرُ النَّاسُ عَنِ اللّٰهِ حُجَّةً ۚ بَعْدَ
التَّوْحِيْدِ (النَّار - ۱۶۵) تمام رسول خوشخبری دیتے رہے اور ڈراتے رہے
 تاکہ ان کے بعد لوگوں کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہے۔ تمام رسولوں نے یہی
 کہا **وَمَا اسْتَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِن اَجِبْتُمْ رَاٰ**
عَلَيْ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الشُّعُرٰۃ - ۱۰۹) لوگو! میں پیغام خدا پہنچانے پر
 تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر تو اللہ کے پاس ہے۔ وہی مجھے
 صلہ دے گا۔ تم میری بات ماننے کی بجائے مجھ سے بدسلوکی سے پیش آتے

ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے یہ بھی کہلوا یا ہے کہ اے لوگو! میں تم سے کوئی معاوضہ تو طلب نہیں کرتا، إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (الشوریٰ - ۲۳) کم از کم میری قربت داری کا ہی خیال کرو۔ میں بھی تمہارے خاندان اور برادری کا آدمی ہوں تمہارے فائدے کی بات کرتا ہوں مگر تم مجھ سے اس طرح بدسلوکی نہ کرو۔ بعض مفسرین اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں طلب کرتا بلکہ چاہتا ہوں کہ تم سچی اور تقرب کے کاموں کو اختیار کرو۔ ظاہر ہے جو شخص اپنا کوئی ذاتی مفاد پیش نظر نہیں رکھتا۔ اس کی سچی بات کی مخالفت کرنا شقاوت کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔

توکل علی اللہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور آپ کے ساتھیوں کو تسلی بھی دی ہے کہ آپ کفار و مشرکین کی بدسلوکی پر دل برداشتہ نہ ہوں وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ بلکہ اللہ تعالیٰ کی اُس زندہ ذات پر بھروسہ رکھیں جس پر کبھی موت نہیں آئے گی، اور اپنا فریضہ تبلیغ ادا کرتے چلے جائیں، مخالفین آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

امام ابن ابی دنیا نے اپنی کتاب "توکل" میں اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں مختلفہ ابن ابی ثبیہ سے کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ تو رات میں یہ بات موجد ہے لَا تَتَوَكَّلْ عَلَى بَنِ آدَمَ فَإِنَّ بَنَ آدَمَ لَيْسَ لَهُ قُوَامًا آدم کے کسی بیٹے پر بھروسہ نہ کرو کیونکہ آدم کے بیٹے کے لیے کوئی اثبات نہیں ہے۔ وہ تو فانی ہے، اُس کی ہر چیز مستعار ہے اُس پر تم کیسے بھروسہ کر سکتے ہو؟ وَلَكِنْ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ بلکہ توکل ہمیشہ اُس ذاتِ خداوندی پر کرو جو زندہ ہے اور جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ اسی لیے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ دنیا میں رہ کر اسباب کو اختیار کرو مگر اُن پر بھروسہ نہ کرو۔ بھروسہ صرف خدا کی ذات پر ہونا چاہیے۔ وہ چاہے گا تو اسباب کو ٹوٹا بنا دیگا۔ ورنہ وہ

وایسے ہی دھڑکے کے دھڑکے رہ جائیں گے۔ سورۃ آل عمران میں ہے۔ وَ عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (آیت ۱۶۰) مومن تو صرف اللہ پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔ نیز فرمایا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ (الزکوٰۃ - ۱۲) بھروسہ کرنے والے صرف اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اے پیغمبر! آپ اللہ کی ذات پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے دشمن کو جاری رکھیں۔

اور دوسری بات یہ قرآنی وَتَسْبِّحُ بِحَمْدِهِ اور اس کی تسبیح بیان کریں اُس کی تعریف کے ساتھ۔ وَكَفَى بِهِ بَذُنُوبِ عِبَادِهِ خَيْرًا اور کافی ہے وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی شہرہ رکھنے والا۔ تمام مجرم اُس کی ننگا ہوں میں ہیں اور اُس کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔

اگلی آیت کہ زمین میں پھر توحید کے دلائل ہیں ارشاد ہوتا ہے الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے پہلے کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں کے وقفہ میں۔ قرآن کی متعدد آیات میں آسمان و زمین کی چھ دنوں میں تخلیق کا ذکر آیا ہے۔ اور یہ ذکر تورات میں بھی بیان ہوا ہے۔ البتہ یہودیوں نے تورات میں ایک بات بڑھا دی ہے جہاں زمین و آسمان کی چھ دن میں تخلیق کا ذکر ہے وہاں آگے یہ اضافہ ہے فَسَخَّرْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی شک کا دہلیز لاجہ نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تو ایک لحظہ میں تمام چیزوں کو پیدا کر سکتا ہے۔ یہ چھ دن کا وقفہ تو اُس کی

تخلیق ارض و سما

خاص مصلحت پر مبنی ہے۔ اس کی طرف تھکاوٹ کو منسوب کرنا تو کفر کی بات ہے

استوی
علی العرش

تخلیق ارض و سما کے بعد فرمایا **ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ**

پھر اللہ تعالیٰ عرش پر استوی ہوا۔ بعض مفسرین استوی کا معنی کرتے ہیں **يُدْبِرُونَ الْأُمُورَ** یعنی وہ معاملے کی تدبیر کرتا ہے۔ سورة **الْحَمْدِ** السجده میں موجود ہے

يُدْبِرُونَ الْأُمُورَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ (آیت - ۵) وہ

آسمان کی بلندیوں سے لیکر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر کرتا ہے۔

نوع انسانی کے متعلق خاص طور پر اشارہ ہے **وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَلِيُّ** فوق

عِبَادِهِ (الانعام - ۶۱) وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔ تفسیر جلالین کے

کتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر اس طرح استوی ہے **كَمَا أَيْدِقُ**

بِشَايِهِ جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ وہ اس طرح عرش پر نہیں

بیٹھا جیسا کہ ہم چارپائی یا کرسی پر بیٹھتے ہیں کیونکہ وہ جسمیت اور جہت سے پاک

ہے۔ ہم اس لئے استوی کو نہیں سمجھ سکتے۔ اسی لیے بعض بزرگان دین فرماتے ہیں

رَبُّ الْعَرْشِ فَوْقَ الْعَرْشِ لَكِنْ

بِلَا وَسْوَاسٍ التَّحْكُنُ وَالِاتِّصَالُ

عرش کا مالک عرش کے اوپر ہے لیکن ایسا نہیں جیسا کہ کوئی اوپر ٹھکا ہوا ہو یعنی

اتصال نہیں ہے۔ اتصال ماننے سے جسمیت لازم آئے گی مگر اللہ تعالیٰ

جسم سے پاک ہے۔ اس کا استوی علی العرش متناہات میں سے ہے اللہ

انسانی عقل و فکر سے بعید ہے۔ استوی علی العرش کی مثال بھی ایسی ہی ہے

جیسے قرب خداوندی۔ اللہ تعالیٰ کا ایسا فرمان ہے **وَلَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ**

مِثْلُ حَبْلٍ مُّوَدَّدٍ (ق ۱۶) ہم بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ

قریب ہیں مگر وہ قرب بلا کیفیت ہے، اس کی کیفیت کو وہ خود ہی جانتا ہے

ہمیت رب الناس را با جان نامس است
اتصال بے کیفیت ہے قیاس آیت

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے

لوگوں کا پروردگار اُن کی جانوں سے متصل ہے مگر اُس کی کیفیت کو کوئی نہیں جانتا۔ اسی طرح استویٰ علی العرش کے متعلق بھی یہی عقیدہ ہونا چاہیے کہ وہ عرش پر اسی طرح مستوی ہے جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

فرمایا الرَّحْمٰنُ وہ بڑا ہی مہربان ہے فَسْئَلُ بِہٖ تَحِيْرًا پس پوچھ لیں آپ کسی خبر رکھتے والے سے۔ نزولِ قرآن کے زمانہ میں تو رات کے عالم موجود تھے۔ یہ انہی کی طرف اشارہ ہے کہ کم از کم اُن سے پوچھ لیں وہ بھی بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ارض و سما کو چھ دن کے وقفہ میں پیدا فرمایا۔ عام مفسرین یہ کہ ضمیر خدا تعالیٰ کی طرف لوٹتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں اہل علم سے دریافت کر لیں۔ بعض مفسرین یہ کہ معنی مِّنْہٗ جی بھی کہتے ہیں یعنی آپ اُس سے پوچھ لیں جو خبر رکھنے والا ہے۔ کیونکہ دوسرے کو تو علم ہی نہیں ہے۔

رحمان کے
سجدہ

ارشاد ہوتا ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمٰنِ جب اُن کفار سے کہا جاتا ہے کہ خدا کے سامنے سجدہ کرو تو وہ اس سے بدکتے ہیں۔ قَالُوا وَمَا الرَّحْمٰنُ کہتے ہیں رحمان کیا ہے؟ ہم کسی رحمان کو نہیں جانتے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بھی معاملہ اسی بات پر آکر رک گیا تھا۔ صلح نامہ کی ابتدا میں جب حضور علیہ السلام نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھوایا، تو مشرکوں نے فوراً اعتراض کر دیا۔ کہ ہم کسی رحمان اور رحیم کو نہیں جانتے، لہذا بِسْمِکَ اللّٰہِ لکھو جیسا پہلے لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایسے ہی لکھا گیا۔

مشرکین کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ نبوت کا دعویٰ ہمیں تو توجیہ کی دعوت دیتا ہے اور خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ رحمان اور رحیم کو پکارنے کے لیے بھی کہتا ہے۔ اللہ نے اس اعتراض کا جواب متحدہ مقامات پر دیا ہے جیسے فرمایا وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِہَا (الاعراف ۱۸۰)

خدا کی ذات تو ایک ہی ہے البتہ اُس کے اسمائے پاک اور صفات بہت سی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو جس نام سے بھی پکارو گے۔ وہ راضی ہوگا۔ وہ رحمان، رحیم، ستار، غفار اور رازق ہے۔ اُس کے تمام نام بچلے ہیں اور اُسے کسی بھی نام سے پکارا جا سکتا ہے۔ اور صرف اُسی کے سامنے سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ اُس کے سوا کسی کے لیے سجدہ روا نہیں۔ اللہ نے سورۃ فتح مسجدہ میں صراحتاً فرمایا ہے لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ (آیت - ۳۷) نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اُن کے خالق اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریزہ ہو جاؤ۔

ابن ابی حاتم محدث نے روایت بیان کی ہے جسے امام ابن کثیر نے بھی نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام مدینے کی کسی گلی بازار میں جا رہے تھے۔ راستے میں حضرت سلمان فارسیؓ ملے۔ ایران کے لوگ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے تھے، تو سلمان فارسیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ اس پر آپ نے اس کو سمجھایا لَا تَسْجُدْ لِي يَا سَلْمَانَ وَاسْجُدْ لِلْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کرو بلکہ اُس زندہ جاوید ہستی کو سجدہ کرو جس کو موت نہیں۔ دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ روا ہوتا تو میں عورت سے کہتا کہ وہ اپنے خاوند کے سامنے سجدہ کرے کیونکہ اللہ نے خادۃ کا بڑا حق رکھا ہے۔ آج کل کی مغربی تہذیب والے زن دشمنوں کی مساوات کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاوند کو بیوی پر فضیلت عطا کی۔

ایک صحابی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا، حضور! ہم غیر حلالک میں جا کر دیکھتے ہیں کہ وہاں لوگ اپنے لوگ کے سامنے سجدہ ریزہ ہوتے ہیں، تو آپ تو اس کے زیادہ حقدار ہیں، پھر کیوں نہ ہم آپ کے سامنے سجدہ کیا کریں۔

آپ نے فرمایا کہ میری وفات کے بعد اگر تمھارا گنہ میری قبر سے ہوا تو کیا میری قبر پر بھی سجدہ کرو گے؟ اُس نے عرض کیا حضور! ایسا تو نہیں ہو گا۔ فرمایا جس طرح میری قبر پر سجدہ روا نہیں اسی طرح میری زندگی میں بھی میرے سامنے سجدہ روا نہیں۔ سجدہ صرف اللہ کے سامنے کرو۔

اس زمانے میں لوگ قبروں پر سجدہ کرتے ہیں جو کہ شرک اور قطعی حرام ہے سر یہ اپنے پیرواں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ حالانکہ خود حضور علیہ السلام نے اپنے سامنے سجدہ کرنے سے منع فرمادیا تھا۔ کسی ہندو پیر کے متعلق اخبار میں آیا تھا کہ وہ کُرسی پر بیٹھ جاتا اور اُس کے چیلے اُس کے سامنے آکر سجدہ کرتے یہ تو انسانیت کی توہین ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کو نافع اور ضار سمجھ کر سجدہ کرے تو وہ کافر اور مرتد ہو جائے گا۔ اور ایسا نہیں سمجھتا تو سجدہ بہر حال حرام ہے۔ اس آخری آیت میں نہ عبادت کا سجدہ روا ہے اور نہ تعظیمی سجدہ۔ فرمایا جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ رحمان کے سامنے سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں ہم کسی رحمان کو نہیں جانتے۔ اور ساتھ یہ بھی اَلَسَّجِدُ لِمَا تَأْمُرُنَا کیا ہم جس کے لیے سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دیتا ہے؟ کافر اور شرک لوگ جہالت میں مبتلا تھے۔ وہ خدائے رحمان کے سامنے سجدہ کرنے سے پرکتے تھے مگر انسانوں اور تیروں کے سامنے جھکنے میں ذرا عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ وَ زَادَهُمْ ذُفُورًا اور خدا تعالیٰ کو سجدہ کرنے کے متعلق اُن کی نفرت مزید بڑھ جاتی تھی۔ قرآن پاک میں کل چودہ آیات سجدہ ہیں جن کو پڑھنے سننے سے سجدہ لازم آتا ہے، اُن میں سے ایک یہ آیت بھی ہے۔ تمام سامعین بعد میں سجدہ کر لیں۔

تَبْرُكٌ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا
سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ
وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنۢ أَرَادَ أَنۢ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٦٢﴾

ترجمہ :- بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے بناکے ہیں آسمان
میں برج اور رکھا ہے ان میں ایک چراغ اور روشنی کھننے
والا چاند ﴿۶۱﴾ اور وہ وہی ذات ہے جس نے بنایا ہے
رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والا اس شخص کے لیے
جو ارادہ کرتا ہے کہ نصیحت پکڑے یا جو ارادہ کرتا ہے
شکرگزاری کا ﴿۶۲﴾

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ جب کنار و مشرکین کو خدا نے رحمان کے
سامنے سجدہ کرنے کے لیے کہا جاتا تو وہ کہتے کہ ہم کسی رحمان کو نہیں جانتے۔ اب آج
کی پہلی آیت میں اسی اعتراض کا جواب ہے اور اس ذات کی تعریف بیان کی گئی ہے
جس کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے تَبْرُكٌ الَّذِي
جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا بڑی بابرکت ہے وہ ذات خداوندی جس نے آسمانوں
میں برج بنا دیے ہیں۔ وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا اور ان آسمانوں میں ایک روشن چراغ
بھی رکھا ہے۔ وَقَمَرًا مُنِيرًا اور ایسا کرنے والا چاند بھی رکھا ہے۔ مطلب یہ
کہ خدا تعالیٰ کی وہ ذات ہے جو ان صفات کی حامل ہے کہ اس نے آسمانوں میں برج
سورج اور چاند جیسی چیزوں کو پیدا کیا ہے اور اسی کے سامنے سجدہ ریزہ ہونے کا حکم دیا
جاتا ہے۔ روشن چراغ سے مراد سورج ہے جو ساری دنیا کو روشنی اور حرارت بخاتا ہے

اللہ تعالیٰ کی صفت بابرکت اس سورۃ میں دو دفعہ پہلے بھی بیان ہو چکی ہے
سورۃ کی ابتدا میں پڑھ چکے ہیں قَبْرُكَ الَّذِي نَزَّلَ الْقُرْآنَ
عَلَى عَبْدِهِ (آیت - ۱) بڑی برکتیں نینے والی ہے۔ وہ ذات جس نے
قرآن کو نازل فرمایا ہے۔ پھر دو کے رکوع کی ابتدا میں رسالت کے باب
میں فرمایا قَبْرُكَ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّمَّ
ذَلِكَ (آیت - ۱۰) بابرکت ہے وہ ذات کہ اگر چاہے تو رائے پیغمبر!
آپ کو اس سے بہتر چیزیں عطا کر دے۔ اور اب تیسری مرتبہ ہی لفظ اللہ
تعالیٰ کی وحدانیت کے سلسلہ میں آیا ہے

بعض فرماتے ہیں کہ برج سے مراد آسمان کے بڑے بڑے ستارے ہیں
جو رات کو نظر آتے ہیں اور ان میں کسی کی روشنی سفید، کسی کی سرخ اور کسی کی نیلی ہوتی
ہے۔ اللہ نے ان میں مختلف قسم کے خواص رکھے ہیں۔ اور بعض فرماتے ہیں
کہ آسمان کے مختلف مقامات پر بڑے بڑے قلعے اور دروازے بنے ہوئے
ہیں جہاں اللہ نے فرشتوں کی ڈیوٹیاں رکھا رکھی ہیں اور وہ دہاں پر پہرہ دیتے
ہیں۔ ان قلعوں اور دروازوں کو برج کا نام دیا گیا ہے۔

بیت
یہ برج

البتہ بعض کا نظریہ ہے کہ یہاں پر برج سے مراد وہ معروف بارہ برج
ہیں جو سات بڑے بڑے سیاروں کی منزلیں ہیں جن کے اندر یہ سیارے چلتے
ہیں۔ سورج اور چاند بھی ان سبع سیارات میں شامل ہیں جن کی منازل کا ہم ہر روز
مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ ہر روز تبدیل ہوتی رہتی ہیں اور پھر ان کے ذریعے ہر ماہ
اور چاند کو رسم نمایاں طور پر واقع ہوتے ہوتے ہیں۔ ان بارہ برجوں میں جو ستارے
اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان کی ایک خاص شکل بن جاتی ہے اور اسی شکل کی مناسبت
سے ان برجوں کے نام بھی رکھے گئے ہیں۔ بارہ برجوں کے نام اور ان کی شکلوں
کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اس میں موجود ستاروں سے بننے والی شکلیں

نام برج

بھیسٹر کا بچہ	حل	-۱
بیل	ثور	-۲
اخروٹ کا درخت	جوزا	-۳
پانی کا کیکرٹا	سرطان	-۴
شیر	اسد	-۵
اناج کا خوشہ	سنبلہ	-۶
ترازو	میزان	-۷
بچھو	عقرب	-۸
کمان	قوس	-۹
بکھری کا بچہ	جدی	-۱۰
ڈول	دلو	-۱۱
مچھلی	حوت	-۱۲

بسیار آ
کی منازل

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے ہمارے اس نظام شمسی میں سات بڑے بڑے سیارے ہیں جو ان برجوں میں چلتے ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نام سیارہ	نام برج
۱- مریخ	حل اور عقرب
۲- زہرہ	ثور اور میزان
۳- عطارد	جوزا اور سنبلہ
۴- قمر	سرطان
۵- شمس	اسد
۶- مشتری	قوس اور حوت
۷- زحل	جدی اور دلو

اکثر اجبارت کے ہفتہ وار ایڈیشن میں ان سیاروں اور برہمنوں کی مدد سے منجم لوگ بعض پیشین گوئیاں بھی کرتے ہیں۔ چونکہ درست نہیں ہے۔ نجوم کے ذریعے غیب کی خبریں معلوم کرنا سحر اور شرک میں شمار ہوتا ہے۔ البتہ ان سیاروں اور برہمنوں کے ذریعے مومنوں کے تغیر و تبدل وغیرہ معلوم کرنا درست ہے۔ بعض منجم لوگوں کی سعادت اور شقاوت کو ان سیاروں کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں اور پھر غیب کی خبریں دیتے ہیں۔ ایسا کرنا باطل ہے۔

سورج اور
چاند کے
فوائد

سات بڑے بڑے سیاروں میں سے سورج اور چاند کا ذکر اللہ نے اس آیت میں کیا ہے اور دیگر بہت سے مقامات پر بھی ہے۔ مثلاً سورۃ توح میں فرمایا ہے **وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا** (آیت ۱۶) اللہ نے سات آسمانوں کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ان میں چاند کو اجالا کرنے والا اور سورج کو چراغ بنایا۔ چاند اور سورج دونوں بڑے نمایاں سیارے ہیں جن کا تعلق براہ راست مخلوق کے ساتھ ہے۔ رات کے وقت چاند کی مدھم روشنی اور ستاروں کی ادلا بدلی رات کے مسافروں کے لیے راہنمائی کا کام دیتی ہے۔ اور سورج کے چمکدار سیارے اللہ نے اس میں روشنی اور حرارت کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ پورے نظام شمسی کو یہ دونوں چیزیں مہیا کر رہا ہے۔ جبکہ اللہ نے سورج کو پیدا کیا ہے، اس کا ایندھن برابر جل رہا ہے اور قیامت تک جلتا ہے گا اور اس کی حرارت اور روشنی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ لیکن آخر میں ایک وقت ایسا آئے گا جب یہ ایندھن بھی ختم ہو جائے گا پھر اس پورے نظام کو تبدیل کر دیا جائے گا۔ اور اس کی جگہ دوسرا نظام لایا جائے گا۔

آج کل ہم اٹمی دہ سے گزر رہے ہیں۔ سائنس بہت ترقی کر چکی ہے۔ ابتداء میں کھڑی سے ایندھن کا کام لیا جاتا تھا۔ جنوں جنوں آبادی بڑھتی گئی اور

اس کے ساتھ ساتھ ایندھن کی ضروریات میں بھی اضافہ ہوا تو ایندھن کا کام کوئلہ سے لیا جانے لگا۔ پھر گیس اور پٹرول دریافت ہوئے، مگر ان تمام چیزوں کے ذخائر محدود ہیں۔ بجلی پیدا ہونے لگی ہے اور اس سے نہایت ہی مفید کام لے جا رہے ہیں۔ مگر اس کی پیداوار کا اختصار بھی تیل یا پانی پر ہے اور یہ چیزیں بھی لا محدود نہیں ہیں، لہذا سائنسدان آئندہ کی ایندھن کی ضروریات کا جائزہ لیتے رہتے ہیں اور ایندھن کے نئے نئے وسائل بھی دریافت کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح

کی ضرورت (SOLAR ENERGY) کے عام استعمال میں لانے کے لیے تجربات ہو رہے ہیں اور اس میں کمی حرکت کا میکانی بھی حاصل ہوئی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ اکیسویں صدی میں شمسی توانائی کا استعمال عام ہو جائے گا۔ اور عام گھسٹو استعمال کے علاوہ اس سے بڑے بڑے کارخانے، بجلی گھر اور گاڑیاں بھی چلنے لگیں گی۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سورج میں اس قدر حرارت اور روشنی رکھی ہے جو صدیوں سے کام آرہی ہے اور آئندہ نامعلوم کتب تک اور کس کس طرح استعمال میں آتی رہے گی تو یہاں پر اللہ نے بطور احسان یاد دلایا ہے کہ وہ ایسی یا برکت ذات ہے جس نے آسمانوں میں بروج کھڑے کئے ہیں اور ان میں خاص طور پر دو نہایت ہی مفید سیارے چاند اور سورج مقرر کیے ہیں جن سے جاندار اور نباتات مستفید ہو رہے ہیں۔

جن طرح شمس ایک نہایت ہی کارآمد سیارہ ہے، اسی طرح چاند سے بھی بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ قمر کی مدھم اور دھیمی روشنی اپنے اندر خاص اثرات رکھتی ہے۔ مثلاً پھولوں میں اس چاندنی کی وسیع پیدائش سے اللہ جانوروں اور نباتات پر بھی اس کے خاص اثرات پڑتے ہیں۔ سمندروں میں موجز بھی چاند کے اثرات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت

اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہیں۔

آگے عدا اللہ عز وجل

اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والے بنایا۔ یہ آپس میں بدلتے رہتے ہیں۔ رات گئی تو دن نمودار ہو گیا۔ اور دن ختم ہوا تو رات کی تاریکی چھا گئی۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے یہ نشانات اُس شخص کے بخیر و شکر کے لیے ہیں لَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَتَذَكَّرَ جو نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور أَرَادَ شُكْرًا یا جو شکر ادا کرنا چاہتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ مناظر قدرت سے جو شخص متغیر ہونا چاہے گا۔ ان میں غور و فکر کر لیا اور آخر کار اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل ہو جائے گا۔ مگر جو شخص ان میں دھیان ہی نہیں کرتا، سوچتا سمجھتا ہی نہیں، وہ نہ تو ان سے کوئی نصیحت حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ اُس کے لیے سارا نظام قدرت محض بیکار ہے۔ اُس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی دن کے وقت بھی آنکھیں بند کر لے اور پھر کائنات کی ہر چیز کا انکار کر دے۔

صحیح حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوبَ مُسِيءَ النَّهَارِ اللہ تعالیٰ اپنی شفقت کا ہاتھ رات کو پھیلا دیتا ہے تاکہ دن کے وقت برائی کو نپوڑا کر تویر کرے اس طرح فرمایا يَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوبَ مُسِيءَ اللَّيْلِ اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ دن کے وقت پھیلا دیتا ہے تاکہ رات کو گناہ کو نپوڑا دے۔ وقت معافی مانگے، شہ روز کے تغیر و تبدل کی ایک یہ حکمت بھی بیان کی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں دِنِ رَاتِ كِي حِكْمَتٍ اَوْ رِصْلَتٍ اِسْ طَرَحِ بِي بیان کی گئی ہے۔ مَنْ نَامَ عَنْ حَزْبِهِ اَوْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ فَقَرَأَهُ فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ كَتَبَ لَهُ كَأَنَّهُ قَرَأَهُ مِنْ التَّيْلِ (مسلم) جو آدمی رات کو اپنا اور دپورا کیے بغیر سو گیا، پھر اگر اس نے وہ عمل فجر اور ظہر کے درمیان ادا

کہر یا تو ایسا ہی ہے جیسا اس نے وہ عمل رات کے وقت ہی کیا۔ کسی شخص نے کسی ورد، تلاوت یا نماز کا معمول بنا رکھا ہے کہ وہ رات کو اٹھ کر یہ عمل کرے گا، مگر نہیں کہہ سکا تو اس کی تلا فی بھی حضور علیہ السلام نے بتا دی کہ وہ اپنا عمل دن کے وقت کرے تو اسے پورا پورا ثواب ملے گا۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے چاشت کی نماز بڑی دراز کر کے پڑھی۔ لوگوں نے پوچھا، حضرت اس کی کیا وجہ ہے؟ تو فرمایا، آج رات کی نماز مجھ سے رہ گئی تھی جسے میں نے اب ادا کیا ہے۔ نیز فرمایا **أَبْدِلْ مَا قَاتَكَ مِنْ لَيْلِكَ فِي نَهَارِكَ** جو چیز تم سے رات کے وقت رہ گئی ہے اس کا بدل دن میں ادا کر لو کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے **جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً** کہ اس نے رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والا بنایا ہے۔ مگر یہ اس شخص کے لیے ہے جو دھیان کر رہا ہے، نصیحت پکڑتا یا شکر گزاری کرتا ہے۔ جو شخص غور و فکر سے عاری ہے، وہ رات دن کی مصلحت کیا سمجھے گا؟ اس کا تو نصیحت پکڑنے یا شکر کرنے کا ارادہ ہی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند اور پھر رات دن کا سلسلہ اس لیے قائم کیا ہے تاکہ لوگ پورے طریقے سے اس میں غور و فکر کریں اور پھر خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں۔ تمام تعلقات اور تصرفات خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ سب کی کار سازی اسی کے پاس ہے۔ رات اور دن کے فوائد کو دیکھ کر انسان کو شکر گزاری بنانا چاہیے۔ یہ سارا اس خدا نے رحمان کا کارخانہ قدرت ہے جس کے نام سے مشرک بدکتے ہیں۔ حالانکہ پورے نظام کائنات میں بے شمار مصلحتیں ہیں جن سے نصیحت حاصل کی جا سکتی ہے اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا جا سکتا ہے۔

الفرقان ۲۵

وقال الدین ۱۹

آیت ۶۲ تا ۶۷

درس چہارم ۱۲

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝۶۲ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝۶۳ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝۶۴ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝۶۵ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ۝۶۶

ترجمہ:- اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر وقار کے ساتھ۔ اور جب خطاب کرتے ہیں ان سے نادان لوگ تو وہ کہتے ہیں سلام ۝۶۲ اور وہ لوگ جو رات گزارتے ہیں اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے ۝۶۳ اور وہ لوگ جو کہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! ہٹا دے ہم سے جہنم کے عذاب کو۔ بیشک اس کا عذاب لازم ہونے والا ہے ۝۶۴ بیشک وہ (جہنم) بہت بُری جگہ ہے ٹھہرنے کی اور رہنے کی ۝۶۵ اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل۔ اور ہونا ہے اس کے درمیان ان کا گزاران ۝۶۶

گذشتہ رکوع کے آخر میں مشرکین کا ذکر ہوا کہ جب انہیں خدا نے رحمان کے

رابطہ آیات

سامنے سجدہ کرنے کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں، کون ہے رحمان؟ ہم کسی رحمان کو نہیں جانتے۔ اللہ نے اُن کے اس یہودہ کلام کے جواب میں خدا نے رحمان کی صفات اور اُس کے کمالات کا تذکرہ فرمایا کہ رحمان وہ برکتیں دینے والی ہستی ہے جس نے آسمانوں میں بروج قائم کیے۔ سورج جیسا روشن چراغ اور چاند جیسا اجالا کرنے والا سیارہ بنایا۔ اُس نے رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والا بنایا اور اس تغیر و تبدل میں خاص مصلحت رکھی جو نصیحت بکچھڑنے اور شکر ادا کرنے والوں کو دعوتِ خور و فخر سے رہی ہے۔ اب اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے خدا نے رحمان کے بندوں کی چودہ صفات بیان کی ہیں تاکہ مشرکوں کو معلوم ہو جائے کہ جس رحمان کے بندوں میں یہ اعلیٰ صفات پائی جاتی ہیں۔ خود رحمان کن کمالات کا مالک ہے جس کے سامنے انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے مگر وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوتے، بلکہ یہودہ اعتراضات کرتے ہیں

عباد الرحمن
کی صفات
(۱) چال میں
طہانیت

ارشاد ہوتا ہے وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلٰى
الْاَرْضِ هَمُوْنَ اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر وقار اور طاہرت کے ساتھ چلتے ہیں۔ یہ عباد الرحمن کی پہلی صفت ہے کہ وہ دنیا کی اس عارضی زندگی میں غرور و تکبر اور اکثر کا اظہار نہیں کرتے بلکہ خدا کی زمین پر چلتے وقت پر سکون اور چرچا نظر آتے ہیں۔ اُن کی چال ڈھال میں کمال و برج کی تواضع اور منانیت ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف کفار و مشرکین ہمیشہ غرور میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہ اُن کا تکبر ہی تھا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے خدا نے رحمان کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک نوجوان سینہ آگے نکال کر اکھڑتے ہوئے جا رہا تھا۔ آپ نے اُس کو بلا کر کہا کہ اکھڑ کی چال اللہ کو لپٹ نہیں ہے سوائے جہاد کے وقت کافروں کے مقابلے میں کہ ایسے موقع پر اکھڑنا درست ہے۔ تاکہ دشمن مرعوب ہو، سورۃ لقمان میں ہے وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ (آیت ۱۹) اپنے چال میں میانہ روی اختیار کرو۔ جس طرح غرور و تکبر والی چال درست نہیں۔

اسی طرح ضعیفوں والی چال وصال بھی ٹھیک نہیں۔ حضور علیہ السلام کے بارے میں آتے ہیں کہ آپ متواضعانہ طریقے پر چلتے تھے مگر پاؤں زمین سے اٹھا کر۔ بیادوں کی طرح پاؤں زمین پر گھسٹ کر چلنا بھی ٹھیک نہیں۔ حضور علیہ السلام چلتے وقت آگے کی طرف جھکے ہوئے ہوتے تھے گویا کہ آپ کسی دھلوان میں اتر رہے ہیں۔ سینہ نان کرتے تھے کی چال چلنا اللہ کو مزہ گزرتا ہے نہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ اگر اکثر کمر چلو گے۔ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طَوْلًا (آیت - ۳۷) تو نہ تو زمین کو بھارتی گے گا۔ اور نہ پہاڑ سر آسمان سے ٹکرائیگا، بلکہ رہو گے۔ پھر بھی انسان ہی۔ لہذا اکثر کی چال اللہ کو مزہ گزرتا ہے نہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ کے بندے زمین پر ہمیشہ وقار کے ساتھ چلتے ہیں۔ سکون اور اطمینان کو اپنا وسیعہ بناتے ہیں۔ بلاوجہ دوڑنا بھی بوقبول والی بات ہے، ایسا بھی نہیں کرنا چاہیے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب نماز کے لیے آؤ تو تیز رفت چلو بلکہ علیکم کھڑکیئۃ والوقار تم پر اطمینان اور وقار لازم ہے آرام سے آؤ، نماز کا جتنا حصہ جماعت سے مل جائے ادا کرو، اور باقی حصہ بعد میں پڑھ لو مگر طہانیت کا دلہن مرت چھوڑو کہ یہ ناپسندیدہ ہے عباد الرحمن کی دوسری صفت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے وَاِذَا خَاطَبْتَهُمْ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا حَبِيبًا اَنْ سَمِعَ جَاهِلٌ لَوْ كَانَتْ بَاتٍ حَبِيبًا کہتے ہیں تو یہ کہتے ہیں سلام ہو۔ کفار و مشرکین بے ادب، گستاخ اور بے وقوف لوگ ہیں مگر اللہ کے بندے بے ادبی اور گستاخی کا جواب اس طرح نہیں دیتے بلکہ سلام کہہ کر گزر جاتے ہیں۔ یہ سلام متنازکت کہلاتا ہے کہ ہم تمھارے ساتھ آنے کی بات نہیں، تمہاری اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دیں گے، گالی کا جواب گالی نہیں ہوگی۔ کیونکہ جہالت کا جواب جہالت سے دینا جاہلوں کا کام ہے۔ عرب کے مشرک کہتے تھے

اَلَا لَا يَجِبُ لَنَا اَحَدٌ عَلَيْنَا
فَجَهْلٌ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِيْنَ

خیر و رکوعی ہمارے ساتھ جہالت سے پیش نہ آئے، ورنہ ہم تمام جاہلوں سے بڑھ کر جہالت سے پیش آئیں گے۔ یغریب کہ یہ طریقہ درست نہیں ہے۔ جب جاہل لوگ کوئی ایسی بات کہتے ہیں تو اللہ کے بندے مناسب طریقے سے صاحب سلامت کو کمر الگ ہو جاتے ہیں اور یہودہ لوگوں کو منہ نہیں لگاتے روزے والی حدیث میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص روزے دار کے ساتھ یہودہ بات کرے تو روزے دار کو چاہیے کہ وہ کہے بھائی! اَلْحَبِ اِمْنِ حَصَا اِمْنِ رِزْوَارِ ہوں۔ میں تمہاری یہودہ بات کا جواب یہودگی سے نہیں دوں گا۔ اسی طرح عباد الرحمن کی صفت یہ ہے کہ جاہلوں کے ساتھ الجھنے کی بجائے سلامت کو گزر جاتے ہیں۔

(۳)
سجود و قیام

فَرَمَا وَالَّذِينَ يُدْعُونَ لِحَبَّتِهِمْ سَجْدًا وَقِيَامًا
اللہ کے بندے وہ ہیں جو اپنے رب کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے یعنی نماز پڑھتے ہوئے رات گزارتے ہیں یہ ان کی تیسری صفت بیان ہوئی ہے۔ ایسے لوگوں کی راتیں لہو و لعب، کھیل تماشے اور غفلت میں نہیں گزرتیں بلکہ اپنے پروردگار کے حضور گھبراتے ہوئے بسر ہوتی ہیں۔ پرانے زمانے میں لوگ رات کے وقت بڑی بڑی مجلسیں قائم کیا کرتے تھے جہاں قصے کہانیاں سنائے جاتے، شعر و شاعری ہوتی، لطیفہ گوئی ہوتی۔ آج کے ترقی یافتہ زمانے میں لوگوں کی راتیں سنیا، آرٹ گیلری اور کلب میں گزر جاتی ہیں، جہاں گانا بجانا، رقص و سرود اور یہودہ باتیں ہوتی ہیں، عریانی اور فحاشی کا بازار گرم ہوتا ہے مگر جو اللہ کے بندے ہیں وہ پُرانے زمانے میں بھی ان لغویات سے مبرا تھے اور آج بھی ان کی راتیں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ہی گزرتی ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ تہجد کی نماز نفل عبادتوں سے افضل ہے۔ مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ اَفْضَلُ الصَّلَاةِ
لے مسند احمد ص ۱۰۷ و ترمذی ص ۱۰۷ (فیاض)

بَعْدَ الْمَفْرُوضَةِ صَلَاةٍ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ يَعْنِي فِرْضِ نَمَازِوْنَ
 كے بعد سے افضل نماز وہ ہے جو رات کو پڑھی جائے۔ ترمذی شریف
 میں آپ کا یہ فرمان بھی موجود ہے۔ عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ
 دَأْبُ الصَّالِحِينَ قَبْلَكُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَكُمْ إِلَىٰ رَبِّكُمْ
 وَمَكْفَرَةٌ لِّلسَّيِّئَاتِ وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْاَثْمِ لَوْ لَوَّ اِرَاتِ
 کے قیام کو لازم بچھڑو کہ تم سے پہلے نیک لوگوں کی یہی عادت تھی۔ یہ تمہارے
 لیے خدا تعالیٰ کا قرب دلانے، برائیوں کو مٹانے اور گناہوں سے روکنے کا
 ذریعہ ہے، غرضیکہ فرمایا کہ اللہ کے بندوں کی تیسری صفت یہ ہے کہ
 اُن کی راتیں سجد و قیام میں گزرتی ہیں۔

فرمایا اللہ کے بندوں کی چوتھی صفت یہ ہے وَالَّذِينَ يَقُولُونَ
رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے
 ہمارے پروردگار! ہم سے جہنم کے عذاب کو دور کر دے۔ اللہ کے بندوں کو ہمیشہ
 یہ فکھ رہتی ہے کہ کہیں وہ دوزخ کے عذاب کا شکار نہ ہو جائیں اس لیے وہ ہمیشہ
 اس سے پناہ مانگتے رہتے ہیں۔ سورۃ بقرہ میں موجود ہے کہ اللہ کے بندے
 اپنے پروردگار سے جہاں دنیا اور آخرت کی بھلائی طلب کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی
 درخواست کرتے ہیں وَقَدْ كَانُوا عَذَابَ النَّارِ (آیت - ۲۰۱) پروردگار!
 ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔ سورۃ آل عمران میں ہے قَمِئًا
زُحْرِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (آیت ۱۸۵)
 جو شخص دوزخ سے بچا کہ جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ اللہ کے
 بندے ہمیشہ ایسی ہی کامیابی کی دعائیں کرتے ہیں۔ بہر حال اللہ کے بندوں
 کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ جہنم کے عذاب سے رہائی چاہتے ہیں کیونکہ ان
عَذَابِهَا كَانَ غَرَامًا، بیشک جہنم کا عذاب لازم ہونے والا یونہی چھوٹ
 جانے والا ہے۔ غرام تو ان کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ متعلقہ شخص کو چھوٹ
 لے تو ہدیٰ مآک (فاض)

(۲)
 جہنم سے دور
 رہنے کی دعا

جانے اِنہا سَاءَاتٍ مُّسْتَقَرًّا وَمُقَامًا بیشک یہ دوزخ رہائش کی بہت بری جگہ اور بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

مسند احمد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ دوزخ میں پُراہ ہو ایک شخص ایک ہزار سال تک یا حَتَّانُ یا مَنَّانُ یعنی اے شفقت کرنے والے اور احسان کرنے والے خدا پکارتا رہے گا۔ بِالْاِحْسَرِ اللّٰهِ تَعَالٰی فرشتوں سے فرمائے گا۔ کہ جاؤ اس شخص کو پکڑ کر لے آؤ۔ فرشتے جاکر دیکھیں گے تو سب دوزخی اور بھے منہ پڑے ہوں گے اور مطلوبہ شخص کی شناخت نہیں ہو سکے گی۔ واپس آکر اللہ کے سامنے صورتِ حال بیان کریں گے۔ اللہ فرمائے گا، جاؤ اس کو لے کر آؤ۔ فرشتے اُس شخص کو پکڑ کر لے آئیں گے جب وہ اللہ کے سامنے پیش ہوگا۔ تو اللہ فرمائے گا، اے میرے بندے! دوزخ کا ٹھکانا کیسا ہے؟ وہ کہے گا، بہت ہی بُرا ہے نہایت ہی تکلیف دہ ہے۔ اللہ فرمائے گا، جاؤ واپس اُسی میں چلے جاؤ۔ وہ بندہ عرض کرے گا، مولانا کریم! تیری رحمت سے مجھے یہ اُمید تو نہ تھی کہ ایک دفعہ دوزخ سے نکالنے کے بعد پھر اُسی میں داخل کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی اور حکم ہوگا کہ اُس کو دوزخ سے رہا کر دو۔ غرضیکہ دوزخ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

(۱۵)
خرچ میں
میانہ روی

عباد الہیجان کی پانچویں صفت یہ بیان فرمائی ہے وَالَّذِينَ إِذَا
انْفَقُوا لَمْ یَسْرِفُوا وَاَلَمْ یَقْتَدِرُوا اللّٰہَ کہ بندے وہ ہیں
کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل۔ اسراف و بطرح سے ہوتا ہے۔ ایک اسراف تو یہ ہے کہ انسان حرام، حرم و ہر وہ اور ناجائز اشیاء پر مال خرچ کرے جیسا کہ دھنوں، شادیوں اور پارٹیوں پکلیا جاتا ہے۔ مختلف تخریبات اور باطل رسوم پر وہ خرچ کیا جاتا ہے۔ یا پھر مکان کی زیب و زینت لباس پر فضول خرچی اور دیگر ناجائز امور پر خرچ ہوتا ہے۔ دوسرا اسراف یہ

ہے کہ ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے۔ ایک کام محسوس ہو تو خرچ سے
 باسانی پائی تکمیل کو پہنچ سکتا ہے مگر ذاتی نمود و نمائش کی خاطر بے دریغ روپیہ
 بہانا اسراف ہے۔ ایک دعوت کا انتظام دو سو روپیے میں ہو سکتا ہے تو اس پر
 ایک ہزار روپیے خرچ کر دینا اسراف میں داخل ہے۔ چار چھ ڈش کی بجائے
 اگر ایک دو ڈش پر گزارا کر لیا جائے تو مال ضائع نہیں ہوگا۔ مگر اب تو ایک
 دو سو روپے سے بڑھ چھ سو روپے نمائش کی جاتی ہے اور پھر اس کے لیے کسی حد تک
 نہیں ہو سکتا۔ جتنا بڑھاؤ گے بڑھتا چلا جائے گا۔ یہی اسراف ہے جسے حضرت عمر
 کا قول ہے کہ نفس کی ہر خواہش کو پورا کرنا، جو جی چاہے کھانے کے لیے فوراً
 مہیا کر لینا بھی اسراف میں داخل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت
 میں آتا ہے مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ بَيْنَهُ رُومِيٌّ اخْتَارَ كَرْتَاةَ
 وَهُوَ مَحْتَجٌّ نَهَيْتُ بِنَا - اللہ کا فرمان ہے كَلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا
 (الاعراف - ۳۱) کھاؤ، پیو مگر فضول خرچی نہ کرو۔

جس طرح فضول خرچی ناپسندیدہ ہے اسی طرح بخل بھی بہت بُری
 بیماری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَحْسَبُ دَاعِيَ اَدْوَعِ مِنَ
 الْبَخْلِ بخل سے بڑھ کر کوئی بیماری ہو سکتی ہے۔ اپنے بال بچوں کی جائیداد
 ضروریات بھی پوری نہ کرنا بخل ہے۔ بخر باد و مساکین کی حق تلفی کرنا اعزیز و افکار
 سے روگردانی کرنا وغیرہ بخل کی علامات ہیں جو کہ حلیم اور ممنوع ہیں۔ بخل اور
 فضول خرچی کے درمیان بہترین راستہ میانہ روی کا راستہ ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 نے دعا بھی سکھلائی ہے اے پروردگار! میں تجھ سے میانہ روی کا سوال کرتا
 ہوں۔ جیسا کہ کوئی انسان فقیر، غنی اور معیشت میں میانہ روی اختیار کرے گا تو
 اس کو پریشانی لاحق نہیں ہوگی کیونکہ اس کی معیشت کا توازن برقرار ہے گا۔
 جو ہمہ تن کوئی شخص اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ کرتا ہے۔ مفروض ہو کر ذلیل
 ہو جاتا ہے۔

فرمایا، رحمان کے بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف
کرتے ہیں اور نہ بخل و کَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا لِيَكُ اِنْ كَاغْزِرَانِ
ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے۔ وہ اعتدال کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔
امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ قوام اگر ترقی کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد وہ چیز
ہوتی ہے جس سے انسان کی ضرورت پوری ہو جائے اور قوام کا معنی گزران کا
دونوں کحاط سے معنی ایک ہی ہے کہ اللہ کے بندے خرچ کرتے وقت میانہ
اختیار کرتے ہیں۔ اپنی جائزہ ضروریات سنجشی پورا کرتے ہیں مگر ناجائزہ امور پر اپنا
مال خرچ نہیں کرتے۔

۱۔ بیضاوی ص ۱۵۱ (فیاض)

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ
 النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ
 يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۖ ۶۸ يُضْعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ
 الْقِيَامَةِ وَيَخَذُ فِيهِ مَهَانًا ۖ ۶۹ إِلَّا مَنْ تَابَ وَامَنْ
 وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ
 حَسَنَاتٍ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۗ ۷۰ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ
 صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ۗ ۷۱ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ
 الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۗ ۷۲

ترجمہ:- اور (عباد الرحمن) وہ لوگ ہیں جو نہیں پکارتے اللہ تعالیٰ
 کے ساتھ کسی اور کو اللہ اور نہیں قتل کرتے اُس جان کو کہ اللہ
 نے اُسے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور نہیں وہ
 بدکاری کرتے۔ اور جو شخص ایسا کرے گا، وہ پائے گا،
 گناہوں کی سزا ۶۸) دگنا کیا جائے گا اس کے لیے عذاب
 قیامت کے دن، اور ٹھہریگا وہ اس میں غار کیا ہوا ۶۹)
 مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا عمل کیا۔ پس
 یہی لوگ ہیں کہ تبدیل کر دے گا اللہ تعالیٰ اُن کی برائیوں
 کو نیکیوں میں اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا مہربان

ہے (۷۰) اور جس شخص نے توبہ کی اور اچھا عمل کیا پس بیشک وہ شخص رجوع رکھتا ہے اللہ کی طرف رجوع رکھنا (۷۱) اور وہ لوگ جو نہیں شامل ہوتے جھوٹے کام میں، اور جب وہ گزرتے ہیں کسی بیہودہ بات کے پاس سے تو گزرتے ہیں شریفانہ طریقہ پر (۷۲)

پہلے خدائے رحمان کے اوصاف اور کمالات کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ نے عباد الرحمن کی صفات بیان فرمائیں۔ اب تک پانچ صفات کا بیان ہو چکا ہے یعنی خدائے رحمان کے بندے وہ ہیں جو (۱) زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے بلکہ وقار اور سکینت کے ساتھ چلتے ہیں۔ (۲) جب اُن سے نادان لوگ بات کرتے ہیں تو وہ الجھنے کی بجائے سلام کر کے گزر جاتے ہیں۔ (۳) اللہ کے بندوں کی راتیں سجد و قیام میں گزرتی ہیں (۴) وہ اپنے پروردگار سے دوزخ کو دور کرنے کی دعائیں کرتے ہیں (۵) وہ لوگ خرچ کرتے وقت نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل، بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔

(۷۱) شرک سے
بیزاری

اب آج کی آیات میں عباد الرحمن کی چھٹی صفت یہ بیان ہوئی ہے وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ يَهُؤُوهُ لَوْ كَرِهَ اللَّهُ الْمُشْرِكِينَ

نہیں پکارتے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کسی کو شریک نہیں بناتے۔ یہ بڑی عظیم اور سب سے مقدم صفت ہے۔ خدا کا بندہ کسی کو الوہیت میں شریک نہیں کرے گا۔ چونکہ خالق، مالک، قادر مطلق، مختار مطلق اور علیم کل صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے لہذا اُس کے سوا سمجھیں عبادت بھی کوئی نہیں، قَوْلًا، فِعْلًا، عَمَلًا غایت درجے کی تعظیم کے لائق صرف ذاتِ خداوندی ہے۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو اللہ کا شریک ٹھہرائے

حالانکہ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے، عرض کیا، اس کے بعد کون سا گناہ ہے۔ فرمایا
 اَنْ تَقْتُلَ وَكَذَلِكَ خَشِيَةَ اَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ تُوَ اِنِّي نَكِي كُو
 اس وجہ سے قتل کرنے سے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہو
 جائے گا۔ اولاد کی پرورش کے خوف سے مار ڈالے۔ ابن مسعود نے پھر
 عرض کیا، اس کے بعد کون سا گناہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اَنْ تَنْفَخَ
 حَلِيْلَةَ جَارِكَ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے۔ گویا یہ اکبر الجبار
 میں سے بعض جرائم ہیں، اور ان میں سے سرفہرست اشرک باللہ ہے اگر
 کوئی شخص اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اللہ کی عبادت میں یا صفت میں شریک
 کرے گا کسی کو نافع اور ضرار سمجھ کر اُس سے حاجت طلب کرے گا، مراد مانگے
 گا۔ یا کسی کی نذر و نیاز پیش کرے یا تزیہ شریک ہو گا جسے سب سے بڑا جرم شمار کیا گیا ہے
 فرمایا اللہ کے بندوں کی ساتویں صفت یہ ہے وَلَا يَكْفُرُ لِكُو
 النَّفْسِ اَلَّتِي حَدَّثَهُ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ کہ وہ کسی جان کو ناحق قتل نہیں
 کرتے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ صرف تین صورتوں میں قتل کفر نارد ہے
 ایک ایسا قتل جو قتل کے بدلے میں قصاص کے طور پر کیا جائے۔ دوسرا مرتد کا
 قتل ہے جو دین اسلام سے پھر جائے اور سمجھنے نہ کچھانے اور شوک و شہامت
 دور کرنے کے باوجود دین میں واپس نہ آئے، اور تیسرا قتل محسن زانی کا ہے جسے
 سنگسار کر دیا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کے بندے وہ ہیں جو اللہ کی صلہ کو
 کسی جان کو قتل نہیں کرتے سوائے قتل حق کے۔

(۷)
 قتل نفس
 سے
 اجتناب

اگے فرمایا اللہ کے بندے وہ ہیں وَلَا يَكْفُرُ لِكُو
 نہیں کرتے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، زنا بھی اکبر الجبار میں شامل ہے
 پھر اس میں بھی قبیح بدکاری وہ ہے جو اپنے پڑوسی کی بیوی سے کی جائے۔
 کیونکہ اِنَّ لِلْجَارِ عَلَي الْجَارِ حَقًّا پڑوسی کا پڑوسی پر بڑا حق
 ہوتا ہے۔ ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کے مال اور عزت ناموں کا محافظ ہوتا ہے

(۸)
 زنا سے
 پرہیز

اور اگر وہی اُس کی آبرو برتری کہ سے توبہ بہت بڑا گناہ ہوگا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ دس گھنٹوں سے چوری کرنا زیادہ ہلکا ہے اس سے کہ پڑوسی کے ایک گچھر سے چوری کی جائے۔ چوری تو مطلق حرام ہے مگر پڑوسی کی چوری دس گناہ زیادہ بیخ ہے۔

فَرِيَا وَوَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَأْتِ أَثَامًا جَوْكُوْنِي لِیْسَ فَعْلُكَ اَنْتَ كَاب
 کہے گا، وہ گناہوں کے جرم کو پالے گا۔ انا تم کی جمع ہے جس کا معنی گناہ ہوتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ انا تم جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ جس میں سخت سزا دی جائے گی۔ اگر یہ معنی ہو تو محلے کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا شخص جہنم کی اُس وادی کو پالے گا یعنی اُس میں پہنچ جائے گا۔ فرمایا ایسے مجرم کے لیے کُضَعَفَ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت والے دن اُس کے عذاب کو دگنا کر دیا جائے گا۔ نہ اس کا جرم ختم ہوگا اور نہ سزا ختم ہوگی۔ بلکہ بڑھتی ہی جائے گی، اس لیے فرمایا کہ اُس کی سزا کو ڈبل کر دیا جائے گا۔ وَجِدَلُ فِيْهِ مِهَانًا اور وہ اس میں ذلیل و خوار ہو کر رہے گا۔ یہ تو ایک گناہ کی سزا ہے۔ اگر اس کے علاوہ دیگر جرم بھی ہیں تو ہر جرم کی الگ الگ سزا ملے گی اور وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

فَرِيَا اِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا
 مگر جس شخص نے توبہ کر لی، وہ ایمان لے آیا، اور اس نے اچھا عمل بھی کیا۔
 فَوَلِيْلِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ پس یہی لوگ ہیں کہ جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں تبدیل کرے گا یعنی پہلے جرائم معاف ہو کر اُن کی جگہ نیکیاں لکھ دی جائیں گی۔ جب تک انسان کے ہوش و حواس قائم ہیں اور اس پر موت کا غرغره طاری نہیں ہو جاتا۔ اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ وہ ہر گناہ سے حتیٰ کہ کفر اور شرک جیسے بدترین گناہوں سے بھی تائب ہو کر اللہ کے نیک بندوں میں شامل ہو سکتا ہے۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، قیامت
 والے دن اللہ تعالیٰ ایک بندے کو حاضر کرے گا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو شمار
 حاضر ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو شمار
 کیا جائے۔ پھر اُس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے یہ گناہ کیا۔ وہ شخص اقرار
 کرتا جائے۔ گا اور ساتھ ساتھ خائف بھی ہوگا کہ کہیں اللہ تعالیٰ بڑے
 بڑے جرائم کے متعلق نہ پوچھ لے۔ پھر حکم ہوگا، جاؤ ہم نے تمہارے یہ
 چھوٹے چھوٹے گناہ معاف کر دیئے اور ان کے بدلے میں ایک ایک نیکی
 دے دی۔ وہ شخص دلیر ہو جائے گا کہ گناہوں کے بدلے میں نیکیاں ہی مل رہی
 ہیں تو کیوں نہ بڑے بڑے گناہوں کا تذکرہ بھی ہو جائے تاکہ ان کے بدلے میں بھی نیکیاں مل جائیں
 پھر وہ عرض کرے گا۔ کہ مولا کہیم! ابھی میرے بعض گناہوں کا تذکرہ نہیں
 ہوا۔ یہ بیان کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے تبسم فرمایا کہ دیکھو یہ شخص
 پہلے تو اپنے گناہوں سے خائف تھا مگر اب اللہ کی مہربانی دیکھ کر اتنا
 دلیر ہو گیا کہ خدا ان کا تذکرہ کر رہا ہے۔ بہر حال بعض لوگوں پر اللہ تعالیٰ اس
 قدر راضی ہو جائے گا کہ ان کے گناہوں کی بجائے ان کے نام نیکیاں درج ہو
 جائیں گی۔ یہ سب سچے دل سے توبہ کرنے کی وجہ سے ہوگا۔ وَكَانَ
اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا اور بے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے
 اللہ نے یہ بھی فرمایا وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا جس نے توبہ
 کر لی اور نیک عمل انجام دیا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا
 پس بیشک وہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھتا ہے۔ رجوع رکھنا۔
 یہ ایمان والوں کی اعلیٰ صفت ہے کہ کوتاہی ہو جاتی ہے تو فوراً تائب ہو
 جاتے ہیں۔ ایسا کرنے والے شخص کے نہ صرف گناہ معاف ہو جائیں گے۔
 بلکہ اُس کے گناہ نیکیوں میں بدل دیے جائیں گے۔

اس کے علاوہ اللہ کے بندوں کی دسویں صفت یہ ہے وَالَّذِينَ
لَا يَشْهَدُونَ الزُّوْمِ کہ وہ چھوٹے کام میں حاضر نہیں ہوتے بلکہ ہر چھوٹے
 ملے و مٹوہ سے (فیاض) ۵۴

(۱۰)
 چھوٹے
 سے پر ہیز

فعل سے پرہیز کرتے ہیں۔ بعض اس سے مراد جھوٹی گواہی لیتے ہیں یعنی اللہ کے بندے وہ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے کہ جھوٹی گواہی بھی اکبر الکبائر میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ أَقِمْ وَ الشَّهَادَةَ لِلَّهِ (الطلاق - ۲) یعنی اللہ کے لیے گواہی صحیح صحیح دو۔ چنانچہ گواہ کا عادل ہونا ضروری ہے۔ کسی فاسق فاجر اور غیر عادل گواہ کی گواہی معتبر نہیں ہے کیونکہ جھوٹی گواہی سے یا تو کسی کا جائز حق ضائع ہوتا ہے یا ناجائز حق ثابت ہوتا ہے۔ کسی مسلمان کی حق تلفی بھی بہت بڑا جرم ہے۔ اسی لیے مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق جیسی کتب احادیث میں یہ حدیث موجود ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس شخص کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ اس نے کسی معاملہ میں جھوٹی گواہی دی ہے تو اس کو چالیس درے مارے جائیں، اس کا منہ سیاہ کر کے اس کی نشہیر کی جائے کہ یہ جھوٹا گواہ ہے۔ نیز اس کو قید میں بھی ڈالا جائے وہ ۱۰

میںوں سزاؤں کا مستحق ہے۔

اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ہماری عدالتوں کا سارا نظام ہی جھوٹی گواہیوں پر چل رہا ہے۔ پولیس والے گواہ کو اچھی طرح پڑھا کہ عدالت میں پیش کرتے ہیں کہ یوں کہنا اور یوں نہ کہنا۔ درحقیقت ہونا تو یہ چاہیے کہ گواہ جو کچھ جانتا ہے یا اس نے جو دیکھا ہے بے کم و کاست بیان کر دے۔ مگر اس طرح تو مقدمہ خراب ہو جاتا ہے۔ جب تک اس میں جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہوگی، مقدمے کا فیصلہ حسبِ مذمت حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ سارا قانون شہادت ہی غلط ہے۔ عدالتوں میں روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ محوڑی سی فیس کے بدلے پیشہ ور اجرتی گواہ مل جاتے ہیں۔ بعض تو ایک سگھریٹ کے بدلے جھوٹی گواہی دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ لوگ گواہی کی اہمیت سے اس قدر بیخوف ہو چکے ہیں ایسے حالات میں عدالتوں کا نظام کیسے درست ہو سکتا ہے اور سوسائٹی کیسے پاک ہو سکتی ہے؟ بہر حال عباد الرحمن کی ایک صفیت یہ

بھی ہے کہ نہ وہ مجھوٹی گواہی دیتے ہیں اور نہ کسی مطلق مجھوٹے معاملے میں شریک ہوتے ہیں۔

(۱۱)
لغویات
سے تیار کئی

اللہ کے بندوں کی گیارہویں صفت یہ ہے وَإِذَا مَرَّ بِاللِّخْوِ
مَرَّ وَآكِرًا کہ جب وہ کسی لغویات کے پاس سے گزرتے ہیں، تو
شریفانہ طریقے پر گزر جاتے ہیں۔ ہر بہبود، ناجائز اور فحش بات لغو کے
زمرہ میں آتی ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود اور امام ابو حنیفہ لغویات سے
گانا، بجانا سزا دیتے ہیں۔ کھیل تماشہ، گانا بجانا، عشق و محبت کی باتیں سب
لغویات میں شامل ہیں بعض آثار میں آتا ہے يُنذِرُ الْبِقَاقَ
فِي الْقَلْبِ کہ یہ چیزیں دل میں لفاق پیدا کرتی ہیں۔ مگر آج آپ متحار
میں نظر مار کر دیکھ لیں، کوئی گھر، کوئی مکان، کوئی رفاہ عامہ کا ادارہ، کوئی
کلب اور آرٹ گیلری اس قیاحت سے پاک نہیں ہے۔ ریڈیو ہوائی وی
ہر وقت موسیقی کا پروگرام چل رہا ہے کھیل تماشے کے لیے وزارتیں بنی
ہوئی ہیں۔ لاکھوں روپیہ کا زرمبادلہ خرچ کر کے بین الاقوامی کھیلوں میں
حصہ لیا جاتا ہے اور پھر جیتنے پر صد اور وزیر اعظم کی طرف سے مبارکباد
دی جاتی ہے۔ اللہ کے بندو! انہوں نے کون سا قلعہ فتح کر لیا ہے۔ کوئی
قوم اور ملک کی خدمت کی ہوئی، دین کی خدمت کی ہوئی تو کچھ قائد بھی ہوتا
یہی حال پہلوانی اور باڈی بلڈنگ کے فن کا ہے۔ محض فضولیات اور
تضییع اوقات ہے۔ پیسے کی بربادی ہے۔ عیاشیوں، بیودیوں اور دہریوں
کے نقش قدم پر بلا سچے سمجھے چل رہے ہیں۔ آخر ان ڈراموں سے قوم کی
کون سی اصلاح ہوتی۔ یہ تو الٹا چوری، ڈکیتی اور عشق و محبت کی تربیت کا ہیں
بن چکی ہیں مگر ساری قوم انہی لغویات میں الجھ کر رہ گئی ہے، کوئی نہیں
کہتا کہ بجائی ان لغویات کی بجائے کوئی اچھا کام کرے۔ اللہ نے فرمایا کہ اللہ
کے مقبول بندے وہ ہیں جو ایسی لغویات سے شریفانہ طریقے سے گزر جاتے
ہیں، اور ان میں طورٹ نہیں ہوتے

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴿۴۳﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ﴿۴۴﴾ أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿۴۵﴾ خَلِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿۴۶﴾ قُلْ مَا يَعْجُبُكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿۴۷﴾

ترجمہ:- اور وہ لوگ جب کہ ان کو یاد دلائی جاتی ہیں اپنے پروردگار کی آیتیں، تو نہیں گرتے ان پر بہرے اور اندھے ہو کر ﴿۴۳﴾ اور وہ لوگ جو کہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار عطا فرما ہم کو ہماری بیویوں سے اور ہماری اولادوں سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا دے ہمیں متقیوں کا پیشوا ﴿۴۴﴾ یہی لوگ ہیں جن کو بدلہ دیا جائے گا بلاخانوں کا اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا، اور وہ دیے جائیں گے اس میں دُعا اور سلام ﴿۴۵﴾ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اچھی ہے وہ ٹھہرنے کی جگہ اور قرار گاہ ﴿۴۶﴾ (اے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے، نہیں پروا رکھتا تمہاری میسر پروردگار اگر نہ ہو تمہارا پکارنا اُس کو۔ پس بیشک تم نے جھٹلا دیا ہے، لہذا

عنقریب مسطح بھیسٹر ہوگی ﴿۷﴾

عبدالرحمن کی صفات ہی کا ذکر ہوا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وَالذِّقْتُ إِذَا
ذُكِرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ اور اللہ کے بندے وہ ہیں کہ جب انہیں
 ان کے پروردگار کی آیات یعنی احکام اور دلائل یاد دلائے جاتے ہیں
 سمجھائے جاتے ہیں۔ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا تو
 وہ اُس پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے۔ اس کے برخلاف وہ
 اللہ تعالیٰ کے دلائل قدرت میں غور و فکر کرنے کے اُس کی معرفت حاصل کرتے
 ہیں، اس کے احکام کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور پھر ان پر عمل کرنے کی کوشش
 کرتے ہیں۔ اللہ کے بندے آیات الہی کے ساتھ کفار و مشرکین جیسے
 بہرے اور اندھوں کا سلسلہ نہیں کرتے کہ ان کو سنا، نہ سمجھا، نہ
 غور و فکر کیا اور نہ اُس پر عمل کیا۔ بہر حال عبدالرحمن آیات الہی سے
 غفلت نہیں ہرستے، جن باتوں پر یقین رکھنا ضروری ہوتا ان کو دل و
 دماغ میں جگہ دیتے ہیں اور جن پر عمل کرنا ہوتا ہے ان پر عمل پیرا ہو جاتے
 ہیں۔ یہ ان کی بارہویں صفت ہے۔

ذُكِرُوا کا معنی یاد دلانا یا سمجھانا ہوتا ہے۔ گویا آیات الہی کا سمجھانا
 ضروری امر ہے۔ سب سے پہلے اللہ کا نبی وحی الہی کو اپنے مخاطبین تک
 پہنچانا ہے اور اس کی جزئیات سمجھانا ہے۔ پھر امت کے اہل علم
 لوگ احکام الہی کو نسل در نسل سمجھاتے چلے جاتے ہیں۔ اس سے یہ بات
 بھی اخذ ہوتی ہے کہ علم سمجھانے سے آتا ہے اور جو لوگ خود بخود شخص
 مطالعہ کے ذریعہ کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ غلطیاں
 کرتے ہیں۔ استاد کے بغیر کوئی شخص کسی بھی علم میں کمال حاصل نہیں
 کر سکتا۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ دنیا کا کوئی بھی
 کسب و ہنر خواہ وہ موحی، بھیسٹی، درزی یا لوہار کا ہو، اسناد کے
 لے حجة اللہ بالذمہ (فیاض)

(۱۲)
 آیات الہی
 میں غور و فکر

تعلیم و علم

سمجھائے بغیر نہیں آتا۔ کوئی ڈاکٹر خود بخود مطالعہ کر کے ڈاکٹر نہیں بن سکتا اور نہ ہی کوئی انجینیئر ذاتی مطالعہ کے ساتھ کامیاب انجینیئر بن سکتا ہے۔ بہتر نتیجہ میں سخت محنت اور سادگی ضرور ہوتی ہے۔ تب جا کر کسی شخص کو اپنے فن میں مہارت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح حکمت الہی کو سمجھنے کے لیے سادگی ضرورت ہے۔ پروردگار وغیرہ جیسے لوگ تھوڑی بہت عربی زبان پڑھ کر قرآن کریم کا ترجمہ شروع کر دیتے ہیں تو پھر وہ گمراہی کا باعث بھی بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ** (النحل - ۴۳) جس چیز کا تمہیں علم نہیں وہ یاد کرنے والے یعنی اہل علم سے دریافت کر لو۔ قرآن پاک میں اس بات کا بار بار تذکرہ آیا ہے کہ ناواقف لوگ جاننے والوں سے پوچھ لینا کہہ میں تاکہ **إِنْ كُنْتُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ** (النساء - ۸۳) اہل علم کے پاس جاؤ، وہ اتنبناط و استخراج کے تمہارا مسئلہ حل کر دیں گے۔ اور اس طرح گویا اسناد سے صرف سیکھنا ہی کافی نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے سچے پیروکاروں کا نمونہ بھی سامنے رکھنا ضروری ہے۔ اور پھر اس کے مطابق عمل کرنا بھی لازم ہے۔

(۱۳۱)
ازواج و اولاد
کی منکر

عبدالرحمن کی ایک صفت یہ بھی ہے **وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ** اور اللہ کے بندے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تجھ سے دے ہمیں ہماری بیویوں اور اولادوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ مطلب یہ کہ ہماری بیویوں کو ایسی ہدایت عطا فرما کہ وہ قلب و نظر کا سرور بن جائیں اور اولاد بھی ایسی ہو کہ جسے دیکھ کر دل مطمئن اور آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ جس کا **کامل الایمان آدمی** کی بیوی فرما بنو رہے ہو، اس کا عقیدہ اور اخلاق درست ہو اور عمل صالح ہو تو وہ اس کے لیے مسرت کا باعث ہوگی۔ اسی طرح

جس کی اولاد نیک اور باعمل ہوگی وہ بھی اُس شخص کے لیے اطمینان کا باعث ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر بیوی یا اولاد کا عقیدہ خراب ہوگا، یا عمل میں کوتاہی ہوگی۔ اخلاق غیر معیاری ہوگا تو ایسے شخص کو سرور اور اطمینان کیسے حاصل ہو سکے گا؟

حدیث میں آتا ہے کہ کسی شخص کے مرنے کے بعد اُس کی اولاد اس کے حق میں جو دعا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اُس کا صلہ مرنے والے کو دیتا ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں أَوْ وَكَذَٰلِكَ يَدْعُو كَلِّهِ یعنی وہ نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔ ظاہر ہے کہ اگر اولاد نیک ہوگی تو وہ دعا بھی کرے گی اور اس کا فائدہ بھی ہوگا اور اگر اولاد نیک ہی نہیں ہے تو وہ والدین کو اُن کے مرنے کے بعد کیا فائدہ پہنچا سکے گی۔ اسی لیے اللہ کے بندے یہ تمنا رکھتے ہیں کہ اُن کی اولاد اطاعت کے راستے پر گامزن ہے وہ مفید علم حاصل کرے اور اچھی باتوں کے ساتھ شغل رکھے تاکہ اُس کو دیکھ کر دل کو سرور اور آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو۔ اگر اولاد نالائق، نامنران اور بدعاش ہوگی تو مومن کا دل کیسے مطمئن ہوگا؟ جو اولاد نقصان پہنچائے، والدین کے مال کو ضائع کرے تو ایسی اولاد سے تو سائب اچھا ہوتا ہے بدکار اولاد والدین اور خاندان کو بدنام کرتی ہے اور اُن کی عزت و شرافت کو بٹھکاتی ہے۔ چنانچہ عباد اللہ رحمان یہی دعا کرتے ہیں کہ مولا کریم! انجی بیویوں اور اولادوں کو نیک بنا دے جن کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوں مطلب یہ ہے کہ ہر مومن آدمی کو اپنی بیوی اور اولاد کی فکر کرنی چاہیے کہ وہ صراطِ مستقیم پر قائم رہے۔ اُن کو خود بھی سمجھانا چاہیے اور صحیح راستے پر ڈالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ایک مومن آدمی جہاں اپنے اہل خانہ کی بہتری اور اصلاح کے لیے دعا کرتا ہے، وہاں وہ اپنی ذات کے لیے بھی ایسی ہی خواہش رکھتا ہے

چنانچہ عباد الرحمن کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اللہ سے یوں دعا کرنے
ہیں وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِحَدِيثِ ابْنِ مَرْثَدَةَ اے پروردگار! کہ خود ہمیں ایسا
اصلاح یافتہ بنا دے کہ ہم متقیوں کے پیشوا بن جائیں یعنی آئندہ آنے والے
لوگ ہمارے لقمہ قدم پر چلنے میں فخر محسوس کریں۔ انسان کی ابدی کامیابی کے
لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے درجے میں ایسی روحانی ترقی حاصل کرے کہ
دوسروں کے لیے پیشوا بن جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے
لیے یہی دعا کی تھی وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ
(الشعراء - ۸۲) پچھلے لوگوں میں میرا نیک ذکر جاری فرما۔ ہمارے بعد آنے
والے ہمارے لقمہ قدم پر چلیں۔

ظاہر ہے کہ کئی ایمان اور توحید کا راستہ ہی ایسا راستہ ہے جس پر چل کر
لوگ فخر محسوس کر سکتے ہیں۔ جو شخص ایمان سے عاری اوجھ سے خالی، اور
کھیل تماشے کا دلدادہ ہوگا، وہ آئندہ آنے والوں کے لیے کیسے نمونہ بن
سکتا ہے۔ ہمارے سلف صالحین نے کیا اچھا نظام قائم کیا جس پر
چل کر دنیا و آخرت میں مسرور ہوئے۔ لیکن ایک ہم ہیں کہ ان کی تعلیم
کو مجھول چکے ہیں۔ آج ہمارے پاس اپنا کوئی نظام ہی نہیں ہے۔ ہم بیوقوفانہ
اور دہریوں کے نظام کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور اسی کو اپنانے میں فخر محسوس
کرتے ہیں ہاں! جو اللہ کے بندے ہیں وہ ہمیشہ متقیوں کی پیشوائی کے لیے
دعا کرتے ہیں۔

عباد الرحمن
کے لیے
انعامات

یہ اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ نے عباد الرحمن کے انعامات کا
تذکرہ بھی فرمایا ہے أُولَٰئِكَ يَجْزِيكَ الْعُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا
یہی لوگ ہیں جن کو بالآخر نے دیے جائیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر
کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جنتیوں کے لیے عجیب و غریب
بالائی منزلیں ہوں گی جو اس قدر شفاف ہوں گی کہ اندر کا منظر باہر سے نظر
ملے درمنثور ص ۱۱۱ ج ۵ (فیاض)

آئے گا اور باہر کا منظر اندر سے دیکھا جاسکے گا۔ یہ اُن کے صبر کا اجر ہوگا۔
 کیونکہ صبر بھی دین کے بڑے اصولوں میں سے ایک اصول ہے۔ خدا کی
 وحدانیت، اُس کا ذکر، اس کی نعمتوں کی قدر دانی، اُس کا شکر ادا کرنا۔ شعاہد
 کی تعظیم، خدا کی عبادت وغیرہ بڑے بڑے اصول ہیں جن میں سے صبر بھی
 ایک اصول ہے۔ صبر اطاعت کے وقت بھی کام آتا ہے اور مصیبت
 کے وقت بھی۔

فرمایا وَيُكْفَوْنَ فِيهَا حَيَّةً وَوَسَلْمًا اللہ کے نیک
 بندوں کو جنت میں دُعا اور سلام کے تحفے ملیں گے۔ اُن سے جو بھی ملے گا
 اچھے دعائیہ کلمات کے ساتھ ملاقات کرے گا۔ مومن اور فرشتے سب
 سلام کریں گے۔ سورۃ یسین میں بھی ہے سَلَامٌ قَوْلًا وَمَنْ
رَبِّ رَحِيمٍ (آیت۔ ۵۸) اہل جنت کو مہربان پروردگار کی طرف
 سے بھی سلام ہوگا۔ خَلِدِينَ فِيهَا وہ اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں
 گے اور وہاں سے کبھی نکالے نہیں جائیں گے۔ حَدِسَاتٌ مُّسْتَقَرًّا
وَمَقَامًا یہ اُن کے لیے بہترین قرار گاہ (جگہ) کی جگہ ہوگی اور بہترین
 رہنے کا مقام ہوگا، جنت کی خوبصورتی، پاکیزگی اور سہولتوں کا کوئی اندازہ
 نہیں لگا سکتا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَمْ يَوْضِعْ سَوِّطٌ فِي
الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا یعنی جنت میں ایک
 کیرڑا بھجڑا بھاری دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے بہتر ہے۔ وہاں اہل جنت
 کے سامنے اعلان کرنے والا اعلان کرے گا، اے اہل جنت! اِنَّ
لَكُمْ اَنْ تَصِحُّوْا فَاَلَا تَسْقُمُوْا وَ اِنَّ لَكُمْ اَنْ
تَحْيُوْا فَاَلَا تَمُوْتُوْا وَ اِنَّ لَكُمْ اَنْ
تَسْتَبُوْا وَ اِنَّ لَكُمْ اَنْ
تَنَعَمُوْا وَ اِنَّ لَكُمْ اَنْ
 اب تم ہمیشہ کے لیے تندرست رہو گے اور بیمار نہیں ہو گے۔ تم

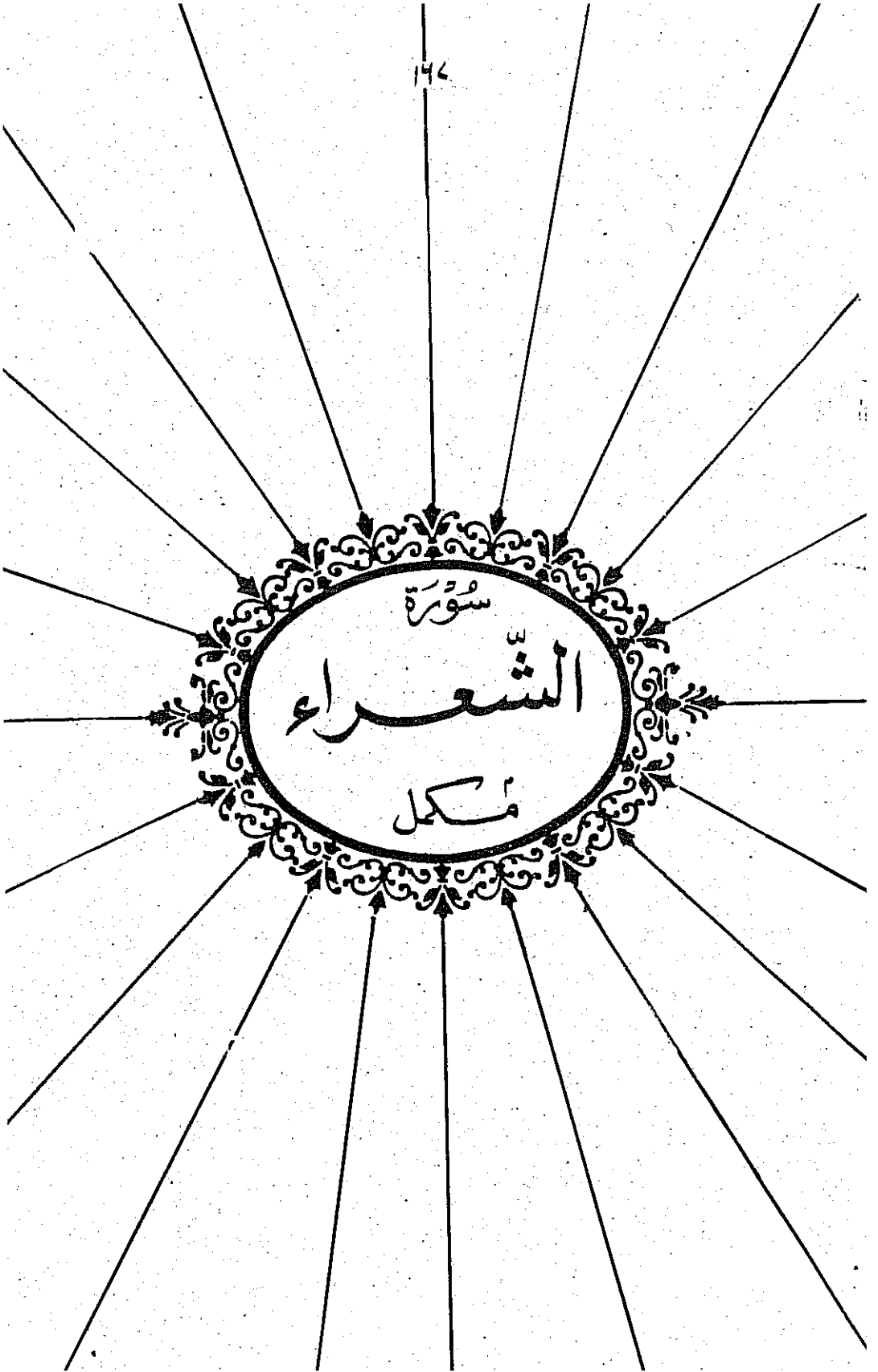
ہمیشہ زندہ رہو گے اور کبھی موت نہیں آئے گی۔ تم ہمیشہ جوان رہو گے اور تم پر ٹیڑھ چاہا نہیں آئے گا۔ تم ہمیشہ خوشحال رہو گے اور کبھی بد حالی اور تکلیف کا شکار نہیں ہو گے اسی لیے فرمایا کہ جنت کے بالاخانے ٹھہرنے کی بہترین جگہ اور رہنے کے لیے بہترین مقام ہو گا۔

ابتداء اللہ

آخر میں اللہ تعالیٰ نے بتیہ فرمائی ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ کہ دیں
مَا يَعْْبُوْا بِكُمْ رَحْمَتٌ لِّوَالِدِكُمْ مِّمَّيْرَةٍ پروردگار کہ
 کچھ پروا نہیں اگر تم اس کو نہیں پکارو گے۔ اگر تم خدا تعالیٰ کی اطاعت یا
 اس کی عبادت نہیں کرو گے تو اس کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔
 تم اسے پکارو یا نہ پکارو، وہ اپنے تمام تر اختیارات کے ساتھ قائم و دائم ہے
 بعض اس کا معنی یوں کرتے ہیں کہ ”اگر میرے پروردگار کو تمہارا پکارنا نہ ہوتا
 تو وہ تمہاری کچھ پروا نہ کرتا“ جب مصیبت آتی ہے تو کافر اور مشرک لوگ
 بھی خدا تعالیٰ کو پکارنے لگتے ہیں۔ فرمایا تمہاری یہی پکار تمہارے لیے جہالت
 کا باعث بن رہی ہے، ورنہ اسے تمہاری کچھ پروا نہ نہیں ہے۔ وہ جب
 چاہے تمہیں ہلاک کر دے اور آخرت بھی برباد ہو جائے۔ اس کے علاوہ
 بعض نے یہ ترجمہ بھی کیا ہے ”اگر تمہیں ایمان کی طرف دعوت دینا مقصود
 نہ ہوتا تو میرے پروردگار تمہاری کچھ پروا نہ رکھتا“ ظاہر ہے کہ انسانوں اور
 جنوں کی تخلیق کا مقصد ہی اللہ کی عبادت ہے وَمَا خَلَقْتُ
الْاِنْسَانَ وَالْاِنْسَانَ (الذاریت - ۵۶) بیش جنوں
 اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ لہذا اس کا معنی ایمان
 کی دعوت بھی ہو سکتا ہے۔

فرمایا فَقَدْ كَذَّبْتُمْ پس تم نے جھٹلادیا ہے یعنی تم نے اللہ
 کی توحید، رسالت، وحی الہی اور قیامت کا انکار کر دیا ہے۔ اس کا نتیجہ
 یہ ہو گا فَسَوْفَ يَكُوْنُ لَكُمْ لڑاؤ کہ عنقریب تم سے ستم بھرا

ہوگی۔ جنگ و جہاد ہوگا اور پھر تمہاری سرکوبی ہوگی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ جنگِ بدر کے موقع پر پورا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت آئی تو بڑے بڑے مشران کھڑے گئے، کچھ قیدی بنے اور باقی بھاگ گئے۔ حضور علیہ السلام نے یہ کہے کہ نہیں پکھڑے ہو کر کفار کو خطاب کیا کہ اے فلاں! اے فلاں! اللہ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ تو آج پورا ہو گیا۔ اللہ نے ہمیں فتحِ مبین عطا فرمائی اس وعدے کو تو ہم نے سچا پایا۔ اب تم بناؤ کہ اللہ نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا کہ نافرمانی کر کے تو سزا دوں گا۔ وہ وعدہ پورا ہوا یا نہیں، اور کیا تم نے سزا پائی یا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا حضور! یہ تو مردہ لاشیں پڑی ہیں۔ آپ ان سے خطاب فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بیشک یہ مردہ ہیں مگر تم سے زیادہ سنتے ہیں، لیکن جواب نہیں دے سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو میری بات سنا رہا ہے مگر ان کو جواب دینے کی قدرت نہیں۔ غرضیکہ اللہ نے مکذبین کو حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلوا دیا کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ میدانِ جنگ میں ہوگا، لہذا اس کے لیے تیار جاؤ۔ یہ سورۃ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حقانیت سے شروع کی، پھر معاد کا مسئلہ بیان ہوا۔ رسالت کے متعلق شکوک و شبہات کرنے والوں اور منکرین کا رد فرمایا۔ بعض دیگر باتوں کے علاوہ اللہ نے عباد الرحمن کی چودہ صفات بیان فرمائی ہیں اور آخر میں کفار و مشرکین کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو تمہارے ساتھ میدانِ جنگ میں محوِ بصر ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو غالب کرے گا اور تمہیں ذلیل و خوار ہونا پڑے گا۔



سورة
الشعراء
مكمل

الشعراء ۲۶

وَقَالَ الَّذِينَ ۱۹

آیت ۱ تا ۹

درس اول ۱

سُورَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ قُورَةٌ مِائَتَانِ وَسَبْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً أَحَدُ عَشَرَ رُكُوعًا
سوزہ الشعراء مکی ہے۔ اس کی دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے محدود مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

طَسْمًا ① تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ② لَعَلَّكَ
بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ③ إِنْ نَشَأْ
نُنَزِّلُ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ
لَهَا خِضَعِينَ ④ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَنِ
مُحَدَّثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوا
فَسَيَاتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ⑥ أَوَلَمْ
يَرَوْا إِلَى الْآرْضِ كَمَا أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ
زَوْجٍ كَرِيمٍ ⑦ إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ لِّوَمَا كَانَ
أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ⑧ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ
الرَّحِيمُ ⑨

ترجمہ:۔ طَسْمًا ① یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے
والی کتاب کی ② شاید کہ آپ اپنا گلا گھونٹ دیں گے
اس وجہ سے کہ یہ لوگ ایمان قبول نہیں کرتے ③ اگر ہم
چاہیں تو اتار دیں ان پر آسمان کی طرف سے ایسی نشانی کہ

ہو جائیں ان کی گردنیں اس کے سامنے مبنے والی (۴) اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نصیحت نئی خدا نے رحمان کی طرف سے مگر یہ لوگ اس سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں (۵) پس بیشک جھٹلایا انہوں نے، پس عنقریب آئے گی ان کے پاس خیر اس چیز کی کہ جس کے ساتھ یہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے (۶) کیا انہوں نے نہیں دیکھا زمین کی طرف کہ ہم نے اس میں کتنی عمدہ قسم کی چیزیں لٹکائی ہیں (۷) بیشک اس میں البتہ نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر ایمان قبول کرنے والے نہیں ہیں (۸) اور بیشک تیرا پروردگار زبردست ہے اور رحم کرنے والا (۹)

اس سورۃ کا نام سورۃ الشعرا ہے۔ اس کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے شعر و شاعری اور شاعروں کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ اسی مناسبت سے سورۃ کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ البتہ امام مالکؒ کے قول کے مطابق اس سورۃ کا ایک نام سورۃ الجاہلیۃ بھی ہے کیونکہ یہ نصیحت کی بہت سی باتوں کو جمع کرنے والی سورۃ ہے۔

یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی بعض کے مطابق اس سورۃ کا نزول سورۃ واقعہ کے بعد ہوا یعنی ہجرت سے دو یا تین سال قبل۔ اس کی چھوٹی چھوٹی ۲۲ آیات اور گیارہ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۱۲۲۷ الفاظ اور ۵۵۴۲ حروف پر مشتمل ہے۔

اس سورۃ میں مختلف مضامین بیان ہوئے ہیں۔ ابتدا میں قرآن کریم کی حقانیت و صداقت اور اس کے فضائل کا ذکر ہے۔ اصول دین کے سلسلے میں انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا ذکر ہے۔ حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ، ہارون، ہود، صالح، شعیب اور آخسر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ کس طرح اللہ کا پیغام اپنی اپنی امت تک پہنچاتے رہے۔ حضور علیہ السلام کے فرائض اور ذمہ داریوں کا تذکرہ ہے۔

معاندین اور مکذبین توجید و رسالت کے شکر و شہادت کو رفع کیا گیا ہے اور ان کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔ اخلاقی تعلیمات ہیں۔ توجید کے عقلی اور نقلی دلائل ہیں۔ بعثت بعد الموت کا ذکر ہے اور اس ضمن میں لوگوں پر پڑے ہوئے حجابات کا ذکر ہے جن کو اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

حروف
منقطعات

اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا حروف مقطعات طسّم سے ہوئی ہے جو کہ قرآن پاک کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ بعض کے نزدیک سورۃ کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے۔ ان حروف سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے، یہ تو وہی پتھر جانتا ہے، تاہم تقریباً قہم کے لیے بعض مفسرین نے ان حروف کے معانی بچانے کی کوشش کی ہے، چنانچہ مفسرین فرماتے ہیں کہ طسّم میں سے حرف ط کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اسم پاک ظاہر کی طرف ہے۔ س سے مراد اسم پاک سار یا سلام ہے اور م کا اشارہ اسم پاک مجید یا محیط کی طرف ہے۔

بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ط سے مراد طول یعنی طاقت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ذی الطول بھی ہے کہ وہ طاقت کا مالک ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ س سے مراد تقدیس ہے کہ خدا تعالیٰ کا ایک اسم پاک قدوس بھی ہے۔ اس طرح م سے مراد مَن اللّٰہ جلّ ہے کہ یہ سارا سلسلہ خدا تعالیٰ کی صفت رحمان کی رحمت کا نتیجہ ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ ط کا اشارہ طوبیٰ کی طرف ہے جو ایک درخت کا نام ہے۔ س سے مراد سورۃ المنتہیٰ ہے اور م کا ارشاد محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ ان تینوں اسماء کا تعلق واقعہ معراج سے ہے۔ سورۃ المنتہیٰ کا تذکرہ تو سورۃ البخم میں بھی موجود ہے۔

صاحب تفسیر کبیر یا ام رازی نے بعض بزرگوں کے حوالے سے ان حروف کی تشریح اس طرح بیان کی ہے کہ ط کا اشارہ قلوب عارفین میں

پیدا ہونے والے طرف یعنی خوشی کی طرف ہے۔ اس سے مراد سیر الی اللہ یعنی خدا تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے لوگ ہیں اور صر سے مراد مناجات المرید ہے کہ ادنیٰ درجے کے لوگ بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و نیاز مندی کا اظہار کرتے ہیں اور اس کے سامنے مناجات اور دعائیں کرتے ہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ ط کا اشارہ طائثران و حدت یعنی خدا تعالیٰ کی توحید کی طرف تیزی سے چلنے والے لوگوں کی طرف ہے۔ اس سے مراد سیر الی اللہ یعنی خدا کی طرف چلنے والے عام لوگ ہیں اور صر سے وہ لوگ مراد ہیں جو راہ حق کی طرف پیدل یعنی آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی حکمت الیہ کے مطابق بیان کرتے ہیں کہ ط سترہ اجمال ہے اور اس کی تفصیل آگے سورۃ میں بیان ہوگی۔ ان حروف میں انبیا و علیہم السلام کی منزل کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عالم بالا کی طرف کس طرح حرکت کرتے تھے جس کے نتیجے میں خدا تعالیٰ کا فیضان اس ماویٰ جہان میں سرایت کرنا ہے اور پھر آفاق میں پھیل جاتا ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ط سترہ خدا تعالیٰ کی ذات مقدس ہے جیسا کہ فقہائیں کا حق ہے اور اس کا فیضان اس عالم تخلیط میں سرایت کرنا ہے۔ جو کہ پاک مہربان ہونا ہے۔ گو یا کہ یہ اشارہ ہے خدا تعالیٰ کے ان اسمائے پاک کے فیضان اور ان کے احکام کی طرف جو اس عالم متدلس میں قدسی طریقے پر سرایت کرتے ہیں۔ بہر حال زیادہ آسان بات وہی ہے جو امام جلال الدین سیوطی نے فرمائی ہے کہ ان حروف کے متعلق زیادہ کہیدہ کی جائے بلکہ ان کے بارے میں یہی عقیدہ رکھا جائے اللہ اعلم بحمدہ بذلک کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان سے کیا مراد ہے۔ تاہم اللہ کی جو بھی مراد اور نشانہ ہے۔

اٰمَنَّا وَصَدَّقْتَ اٰمَنَّا اس پر ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے

ہیں۔ زیادہ سلاستی والی یہی بات ہے

حروف مقطعات کے بعد فرمایا تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ
 یہ کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں جو آپ کو پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں
 یہ آیات ایسے عمدہ طریقے پر احکام کو بیان کرتی ہیں کہ حق و باطل کو الگ الگ
 کر دیتی ہیں اور کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ بعض مقامات پر یہ آیات
 اپنی تفسیر خود آپ ہیں کہ اگر کسی مقام پر اجمال ہے تو دوسرے مقام پر اس کی
 تفصیل ہے یا پھر اللہ تعالیٰ ان آیات کی تفسیر اپنے پیغمبر کی زبان سے کر دیا
 دیتا ہے۔ عموماً تو کتاب الہی بیان کرتی ہے اور اس کی صریحات اللہ کا نبی اپنے
 قول اور عمل سے کر کے دکھا دیتا ہے۔ غرضیکہ فرمایا یہ واضح طور پر بیان کرنے
 والی کتاب کی آیات ہیں۔

تسلی کا مضمون

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی
 ہے۔ کفار کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے حضور علیہ السلام سخت متفکر رہتے
 تھے اور آپ کو شدید غم لاحق ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے
 ہوئے فرمایا کہ آپ اتنا غم نہ کریں بلکہ اپنا فریضہ تبلیغ ادا کرتے جائیں اور پیغمبر
 خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ فرمایا لَعَلَّكَ يَأْخُذُكَ نَفْسُكَ الْأَخْسَرُ
 مَوْمِنِينَ شاید کہ آپ اپنا گلا گھونٹ لیں اس وجہ سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں
 لاتے۔ تو فرمایا کہ کیا ان کے پیچھے آپ اپنی جان کو ضائع کر لیں گے؟ ان کو محنتوں
 کے ساتھ اتنی دلسوزی اور شفقت کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے عمل کے خود ذمہ دار
 ہیں وَلَا تَسْأَلْ عَنَّا أَصْحَابَ الْجَحِيمِ (البقرہ - ۱۱۹) اہل دوزخ
 کے متعلق آپ سے نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ لوگ دوزخ میں کیوں گئے؟ بلکہ خود ان
 سے پوچھا جائے گا مَا سَأَلُكُمْ فِي سَقَرٍ (المائدہ - ۴۳) کہ تم دوزخ
 میں کیوں پہنچے؟

فرمایا اِنَّ شَتَاتِنَزَّلَ عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ آيَةً
 اگر ہم چاہیں تو آسمان کی طرف سے ایسی نشانی اتار دیں فَظَلَّتْ اَعْيُنُهُمْ

لَهَا خَضِعِينَ بَحْسِ كَسَانِهِ اُنْ كِي گرونیں دب کر رہ جائیں۔ وہ مجبور ہو جائیں اور اُن کی ساری سرکشی ختم ہو جائے۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔ اُس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کا اختیار سلب نہ کیا جائے بلکہ ہدایت کی ہر چیز واضح کر دی جائے۔ اس کے بعد جو کوئی اس ہدایت کو قبول کرے گا تو وہ کامیاب ہو جائے گا، اور جو اس سے عرض کرے گا وہ جہنم رسید ہوگا۔

آیات الہی
سے عرض

اِرْشَادٌ هُوَ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ مِنَ الرَّحْمَنِ
مُحَدَّثٍ اِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ اور نہیں آتی ان کے
پاس خدا نے رحمان کی طرف سے کوئی نئی نصیحت مگر یہ اس سے منہ پھیر لیتے
ہیں۔ یہ تو ان کی بہتری کی ضامن ہوتی ہے مگر یہ ان کی بدبختی ہے کہ کسی نصیحت
کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ فَقَدْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
انہوں نے ہر بہتری کی آمدہ بات کو جھٹلا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا فَسَيَا
تِيهِمْ اَنْبَاؤُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ پس
عنقریب ان کے سامنے اُس چیز کی خبر یا حقیقت آجائے گی۔ جس کے
ساتھ یہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ ان کی ساری مجرمانہ کارگزاریاں ان کے رو برو کر
دی جائیں گی جن کا نتیجہ ان کو جھگٹنا پڑے گا۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ، اس کے انبیاء
ﷺ، قرآن اور احکام شرعیہ کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے۔ جب ان کی حقیقت
سامنے آئی تو پھر ان کو تیر چلے گا کہ وہ دنیا میں کس رستے پر چلتے رہے اس وقت
یہ کچھ نہیں گے مگر اُس وقت کا کچھ پتا کسی کام نہ آئے گا اور انہیں اپنے کئے
کا بدلہ مل کر رہے گا۔

مخبر
مطالبہ

اکثر کفار و مشرکین ایمان لانے کی شرط کے طور پر طرح طرح کی نشانیاں
طلب کرتے تھے۔ اللہ نے ان کے اس بیہودہ مطالبہ کا ذکر کرتے
ہوئے فرمایا اَوْ كُمْ يَرْوِ الْاَرْضِ كَمْ اَنْكَبْتُمْ بَيْنَ يَدَيْهَا

ہر گل زوچ گریہ کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھی کہ ہم نے اس میں کتنی عمدہ قسم کی چیزیں اگائی ہیں۔ بھلا اس سے بڑا معجزہ اور نشانی کیا ہو سکتی ہے؟ ایک اناج کے پودے کو ہی دیکھو۔ کسی پھلدار درخت پر نگاہ ڈالو، پھلوں کی مختلف قسمیں ملاحظہ کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں یکے کیسے رنگ بھرے ہیں اور کیسی کیسی خوشبوئیں بخشی ہیں۔ اللہ نے چھوٹے چھوٹے دانوں کی صورت میں اناج پیدا کر کے انسانوں کی خوراک کا بندوبست کیا ہے۔ اور چارہ پیدا کر کے جانوروں کی زلیلت کا سامان دیا کیا ہے۔ اللہ نے زمین میں ایسی قوت روئیدگی رکھ دی ہے کہ وہ تمام جانداروں کے لیے خوراک اگاتی ہے۔ یہ چیزیں خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ ان کو دیکھ کر ہر منصف مزاج آدمی خدا کی وحدانیت پر ایمان لانے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

فَقِيْلَ كُلُّ شَيْءٍ لَّهٗ اٰیَةٌ تَدُلُّ عَلٰۤى اَنَّهُ وَاٰحِدٌ

ہر چیز میں ایسی نشانیاں ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے۔ مگر جو لوگ ضدی اور متعصب ہیں انہیں اتنی واضح نشانیاں بھی نظر نہیں آتیں لہذا وہ ظلم و انصافی پر ہی قائم رہتے ہیں اور نئے نئے مطالبات پیش کرتے رہتے ہیں۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّبَشٰرٍ اِنْ مَّا شِئْتُمْ بِمَعْنٰی زَمِيْنٍ سے پیدا ہونے والی چیزوں میں نشانی ہے، مگر حقیقت حال یہ ہے۔ وہ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کہ کفار و مشرکین کی اکثریت ایمان قبول کرنے سے قاصر ہے۔ دنیا کی اکثر آبادی ہمیشہ ایمان سے بے بہرہ رہی ہے آج بھی دیکھ لیں، دنیا کی کل آبادی کا صرف پانچواں یا چھٹا حصہ ایسا ہے جو خدا کی وحدانیت کو تصور ثابت مانتا ہے، وگرنہ باقی سارے کے سارے کفر اور شرک میں مبتلا ہیں۔ فرمایا اِنَّ رَبَّكَ لَمَنْ لَّهٗوَ الْعٰرِضِيْنَ الرَّحِيْمِ

بے شک تیرا سپردگار عزیز یعنی زبردست اور مہربان ہے۔ اس کی مہربانی کا
 تقاضا ہے کہ وہ جلدی گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دینا رہتا ہے۔ پھر جب
 مقررہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو نافرمانوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے
 اور پھر آخری اجتماع قیامت کے دن ہوگا۔ جب زندگی بھر کے سچاؤ و اعمال
 کا حساب لیا جائے گا اور ہر ایک کو اپنا اپنا حساب کتاب دینا ہوگا۔ وہ
 کمالِ قدرت کا مالک، ہر چیز پر غالب اور مہربان ہے۔

وَإِذْ نَادَى رَبُّكَ مُوسَىٰ إِنَّ اثَّتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰﴾
 قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۖ أَلَا يَتَّقُونَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ
 يُكَذِّبُونِ ﴿۱۲﴾ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي
 فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ ﴿۱۳﴾ وَلَهُمْ عَلَىٰ ذَنْبٍ فَأَخَافُ
 أَنْ يَقْتُلُونِي ﴿۱۴﴾ قَالَ كَلَّا ۖ فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا أَنَا مَعَكُمْ
 مُسْتَمِعُونَ ﴿۱۵﴾ فَآتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ
 الْعَالَمِينَ ﴿۱۶﴾ أَنْ أَرْسِلَ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۱۷﴾ قَالَ
 أَلَمْ نُزِّقْ فِيْنَا وِلِيدًا وَلَكِنْتُ فِيْنَا مِنْ
 عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعَلْتِكَ الَّتِي فَعَلْتَ
 وَأَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا وَأَنَا مِنَ
 الضَّالِّينَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُمْ فَوَهَبَ
 لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ
 نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ :- (اُس واقعہ کو یاد کرو) جب کہ پکارا تیرے پُروردگار

نے موسیٰ علیہ السلام کو (اور فرمایا) جاؤ ظالم قوم کے پاس ﴿۱۰﴾

(یعنی) فرعون کی قوم (اور کہو کہ) کیوں نہیں ڈرتے ﴿۱۱﴾

کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) اے میرے پروردگار! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے (۱۲) اور میرا سینہ تنگ ہوتا ہے اور میری زبان اچھے طریقے سے نہیں چلتی۔ پس پیغام بھیج دے تو ہارون علیہ السلام کی طرف (۱۳) اور ان کے لیے مجھ پر گناہ بھی ہے، اور میں خوف کھاتا ہوں کہ وہ مجھے مار نہ ڈالیں (۱۴) فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) ہرگز ایسا نہیں ہوگا، پس تم دونوں جاؤ ہماری نشانیاں لے کر ہم تمہارے ساتھ ہیں اور سننے والے ہیں (۱۵) تم دونوں جاؤ فرعون کے پاس اور دونوں اس سے کہو کہ بیشک ہم اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں (۱۶) اور ہمارا مطالبہ ہے، کہ بھیج دے تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو (۱۷) کہا (فرعون نے) کیا ہم نے نہیں پالا تھا تم کو اپنے درمیان بچپن میں۔ اور گوارے تو نے ہم میں اپنی عمر کے کئی سال (۱۸) اور کیا تو نے وہ کام جو تو نے کیا، اور تھا تو ناشکر گزاروں میں (۱۹) کہا (موسیٰ نے) کیا تھا میں نے وہ کام اُس وقت کہ تھا میں بے خبروں میں سے (۲۰) پس بھاگ گیا میں تم سے جب کہ میں نے خوف کھایا تم سے۔ پس بخشا مجھ کو میرے پروردگار نے حکم اور بنایا مجھ کو رسولوں میں سے (۲۱) اور کیا یہ احسان ہے جو تو احسان جلتا ہے مجھ پر کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے (۲۲)

فرعون کو
دعوتِ توحید

سورۃ کی ابتدائی آیات میں قرآن کریم کی حقانیت اور تسلی کے مضمون کو اجمالی طور پر بیان کیا گیا تھا۔ اب یہاں سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ہے

جس سے اصل مقصود اصول دین یعنی توحید اور ایمان کی دعوت دینا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی واقعات تو سورۃ قصص اور بعض دیگر سورتوں میں بھی بیان ہوئے ہیں۔ تاہم یہاں پر مضمون کی ابتداء تبلیغ حق سے ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور پھر ان کو تبلیغ کے لیے فرعون اور اس کی ظالم قوم کے پاس بھیجا۔ ارشاد ہوتا ہے، وہ بات قابل ذکر ہے وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰٰ حَبِّبْ کہ تیرے پروردگار نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا اور کہا أَنْتَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ کہ تم ظالم قوم کے پاس تبلیغ کے لیے جاؤ۔ قَوْمٌ قَٰرِعُونَ جو کہ فرعون کی قوم ہے۔

اللہ نے ساری قوم فرعون کو ظالم کا خطاب دیا ہے۔ اگرچہ اصل ظالم فرعون تھا مگر اُس کے امیر، وزیر، سواری، مولیٰ اور ست اعیان اسزیز و اقرباء سب اُس کی ٹول میں ہل ملاتے تھے، اس لیے سب کو ظالم کہا گیا ہے۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ دُورے میں نہیں رہتا تھا۔ اس قسم کی مثالیں بعض دوسری اقوام کے متعلق بھی ملتی ہیں۔ مثلاً نوح علیہ السلام کی قوم کے متعلق اللہ نے فرمایا إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا يٰعٰبِدِينَ (الاعراف - ۶۴) یعنی شکوکہ وہ ساری کی ساری قوم اندھی تھی۔

پوری قوم فرعون میں بعض استثناء کا ثبوت بھی ملتا ہے، مثلاً اُس کے سورۃ مؤمن میں آتا ہے وَقَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّي قَوْمًا يٰعٰبِدِينَ؟ مَنْ هٰذَا الَّذِي يَدْعُوَنِي كَيْتَمَ اٰيٰمَاتِ رَالمؤمن - ۲۸ کہ فرعون کی قوم میں ایک ایسا نادر آدمی بھی تھا جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا۔ اس طرح فرعون کی بیوی آسیہ بھی صاحب ایمان تھی۔ بہر حال چینہ ایک کو چھپوٹ کر ساری قوم ظالم تھی، اسی لیے پوری قوم کے لیے ظالم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ ظالم قوم کے پاس جاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام کو دین سے دلچسپی پر دورانِ سفر ہی نبوت عطا ہوئی تھی اور وہیں حکم ہوا تھا کہ فرعون کے پاس جا کر تبلیغ حق کرو۔ فرمایا کہ اُس قوم کو جا کہ مَوٰلَا يٰتَّقُوْنَ، کیا وہ خدا

میرا سیدہ کسول ہے، میرے کام کو آسان کر دے۔ میری زبان کی گہرے کو کھول دے، تاکہ لوگ میری بات کو سمجھنے لگیں۔ جواب میں اللہ نے فرمایا قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُلْوٰتًا يٰمُوسٰى (آیت - ۳۶) اے موسیٰ! ہم نے تمہاری درخواست قبول کر لی۔ چنانچہ اللہ نے زبان کو کھول دیا۔ اور ہارون علیہ السلام کو وزیر یعنی معاون بھی بنا دیا اور اس طرح آپ کے کام کو آسان بنا دیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے ایک اور عذر بھی پیش کیا، وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَرَعَوْنِيْوُنَّ كَا مَجْحُوْبٍ بِرَبِّكَ اَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّ يَاقُوْبَ بْنَ يَعْقُوْبَ لَمَّا كَانَ اَبًا لِمُوسٰى وَهٰرُوْنَ اٰتٰىهُمُ الْاَسْمٰى فَاَخَافُوْا فَرَعُوْنَ اِنَّهُمْ كَانُوْا اَشْقٰى۔ اِنَّ يَاقُوْبَ بْنَ يَعْقُوْبَ لَمَّا كَانَ اَبًا لِمُوسٰى وَهٰرُوْنَ اٰتٰىهُمُ الْاَسْمٰى فَاَخَافُوْا فَرَعُوْنَ اِنَّهُمْ كَانُوْا اَشْقٰى۔ وہ اللہ سے کہیں وہ مجھے قتل ہی نہ کر ڈالیں۔ وہ الزام یہی تھا کہ میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا۔ اگرچہ وہ قتل عمد نہیں تھا مگر ان کا آدمی تو بہر حال میرے ہاتھوں سے مارا گیا تھا اور اسی وجہ سے میں صرصر چھوڑ کر دس سال تک دین میں مقیم رہا۔ اب اگر ان کے پاس دوبارہ جاؤں گا۔ تو وہ مجھے سابقہ جرم میں گرفتار کر لیں گے۔

اللہ کی طرف سے ہدایت

ان معروضات کے جواب میں قَالَ اللّٰهُ نَعَمْ فرمایا کہ لا ایاہ گز نہیں ہوگا کہ فرعون تجھے قتل کر دیں اور تم میرے پیغام ہی ان تک نہ پہنچا سکو فرمایا فکر نہ کرو فَاذْهَبْ بِاٰیٰتِنَا بَلٰغًا لِّقَوْمٍ یَّاخٰذِلُوْنَ۔ عَصٰوْا اٰتٰىہُمْ کُلُّہُمْ سُلٰوٰتًا۔ عَصٰوْا اٰتٰىہُمْ کُلُّہُمْ سُلٰوٰتًا۔ دو واضح معجزات ہیں کہ یہ معجزات لے کر ان کے پاس جاؤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور سننے والے ہیں۔ تمام معاملات اور ان کا حسن و قبح ہمارے علم میں ہے تم کہہ لو نہیں فَاٰتٰیہُمْ فَرَعُوْنَ۔ یٰسٰوٰتِیْنَ اِنَّا نَسْمَعُ لَیْلًا وَّ نَهَارًا۔ یٰسٰوٰتِیْنَ اِنَّا نَسْمَعُ لَیْلًا وَّ نَهَارًا۔ یٰسٰوٰتِیْنَ اِنَّا نَسْمَعُ لَیْلًا وَّ نَهَارًا۔ اور دونوں کو کہو کہ ہم پروردگار عالم کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ یعنی ہم از خود تمہارے پاس نہیں آئے بلکہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے پیغام لیکر آئے ہیں اس مقام پر زیادہ تفصیلات ذکر نہیں کی گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن پاک میں مختلف مقامات پر چھپالیس مرتبہ سے زیادہ بیان کیا گیا ہے کہیں اجمال

ہے اور کہیں تفصیل۔ کہیں واقعہ کا ایک پہلو بیان کیا گیا ہے تو کہیں دوسرا۔ اس منہام پر
 موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے درمیان ہونے والے مذاکرات کی زیادہ وضاحت نہیں
 کی گئی۔ البتہ بعض روئے مرقا میں کچھ مزید باتیں بھی ذکر کی گئی ہیں مثلاً سورۃ طہ میں
 اللہ نے اپنے دونوں انبیاء سے فرمایا کہ تم دونوں بھائی فرعون کے پاس جاؤ کہ اُس نے
 سرکشئی اختیار کر رکھی ہے فَقُولَا لَهُ فَوَلَا لَنَا لَعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَحْشُرُ
 (آیت - ۴۴) پس تم دونوں اُس کے ساتھ نرمی سے بات کرنا شاید کہ وہ نصیحت
 پکڑے یا ڈر جائے، اور تمہاری بات اُس کے ذہن میں اثر کر جائے، گویا اللہ تعالیٰ
 نے تبلیغ دین کے سلسلے میں ایک کلیہ بنا دیا کہ تبلیغ کے وقت ہمیشہ نرم لہجہ اختیار کرو
 کہ یہ مؤثر ہوتا ہے، سخت کلامی سے بات بگڑ جاتی ہے۔ اسی طرح سورۃ النحل
 میں یہ بات بھی آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے فرمایا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ،
 کیونکہ اس نے سرکشئی اختیار کر لی ہے فَقُلْ هَلْ لَّکَ اِلٰہٌ اَنْ تَنْکُرَ
 (آیت - ۱۸) اور اُس سے یوں کہو کیا تم میں پاک ہونے کی کوئی خواہش ہے؟ تاکہ
 میں تمہاری رہنمائی کروں۔ اور تمہیں کفر، شرک، کی گندگی سے طہارت حاصل ہو جائے
 بہر حال اس مقام پر صرف اسی قدر ذکر ہے کہ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس
 سے کہو کہ ہم دونوں جہانوں کے پروردگار کے فرستادہ ہیں۔

بنی اسرائیل کی
 آزادی کا مطالبہ

اللہ نے فرمایا کہ تم دونوں جا کر پہلے فرعون کو دعوتِ توحید دو اور پھر اس
 سے یہ مطالبہ کرو اَنْتَ اَرْسِلْ مَعَنَا رِجُلًا مِّنْ بَنِي اِسْرَائِیْلَ
 کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔ بنی اسرائیل کا اصل وطن شام اور فلسطین تھا۔ حضرت
 یوسف علیہ السلام کے زمانے میں آپ کے خاندان کے کم و بیش بہتر افراد مصر
 میں آکر آباد ہوئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک سارے چار سو پانچ سو سال
 کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس دوران میں بنی اسرائیل کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی۔ چنانچہ
 جب وہ مصر سے نکلے تھے تو ان کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ
 کا مناد یہ تھا کہ انہیں ان کے اصلی وطن میں دوبارہ آباد کیا جائے اور اس مقصد کے

یہ فرعون کی غلامی سے آزادی کی ضرورت تھی۔ اللہ نے یہ مطالبہ دے کر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا۔

جب فرعون نے اللہ کے نبیوں کی یہ باتیں سنیں تو سخت برہم ہوا۔ اسے یہ گمان نہیں تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جیسا اس کا اپنا پروردہ اس کے سامنے یوں حرکت کے ساتھ بات کر سکے گا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام پر اپنا احسان جتلانا شروع کیا۔ قَالَ اَلَمْ نُنَّبِّئَكَ فِیْنَا وَلِیْدًا كُنْتَ لَكَ كَاۡمِرًا ہم نے تمہیں اپنے درمیان بچپن میں نہیں پالا تھا؟ تمہاری ماں نے تمہیں صندوق میں بند کر کے پانی میں بہا دیا تھا۔ ہم نے تجھے نکال لیا اور پھر تمہاری پرورش کی۔ اب تم ہمیں ہی آنکھیں دکھانے لگے ہو اُس نے یہ بھی کہا وَكُنْتَ فِیْنَا مِنْ عُمَّرٍ اَسْبَغِیْنَا تم اپنی عمر کے کئی سال ہمارے درمیان ٹھہرے۔ ظاہر ہے کہ تقریباً تیس سال کی عمر میں موسیٰ علیہ السلام بدین چلے گئے۔ دس سال تک وہاں رہے۔ اور پھر واپسی کے سفر میں آپ کو نبوت عطا ہوئی جب کہ آپ کی عمر چالیس سال ہو چکی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی دور کا ذکر سورۃ قصص میں موجود ہے۔

فرعون نے کہا کہ تو اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ساتھ رہا وَفَعَلْتَ كَفَعَلْتَكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ اور پھر تو نے وہ کام کیا جو تو نے کیا۔ یعنی تو نے ہمارے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ ہم نے تو تمہیں پالا پوسا، تمہاری جان بچائی اور تو نے یہ جملہ دیکر ایک قبیلے کو قتل کر کے دین چلا گیا۔ وَاَدَّتْ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ تو تو ناشکر گزاروں میں سے نکلا تو نے ہمارے احسان کا بدلہ احسان فراموشی کے ساتھ دیا۔ ان واقعات کا تفصیلی ذکر سورۃ قصص اور دیگر سورتوں میں موجود ہے۔

فرعون کی بات کے جواب میں قال موسیٰ علیہ السلام نے کہا فَعَلْتُهَا اِذَا وَاَنَا مِنَ الصّٰلِحِیْنَ میں نے وہ کام (قبیلے کا قتل) اس وقت کیا۔ جب کہ میں بے خبروں میں سے تھا۔ ہم نے یہاں پر ضال کا معنی بے خبر کیا ہے جب کہ اس کا معنی گمراہ بھی ہوتا ہے، مگر یہ معنی یہاں پر مناسب حال نہیں ہے۔

فرعون کا
احسان جتلانا

موسیٰ علیہ السلام
کا جواب

اس لفظ کا معنی بے خبر کے علاوہ حیران، سرگردان اور پریشان بھی ہوتا ہے چنانچہ
 وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَاي (الضحیٰ - ۷) کا بھی یہی معنی ہے کہ ہم نے آپ
 کو سرگردان پایا، پس رہنمائی فرمائی۔ بعض ضال کا معنی خطا کرنے والا کرتے ہیں۔
 مولانا شیخ الحدیث چکنے والا کہتے ہیں کہ مجھ سے خطا ہوئی۔ اکثر مفسرین اس کا ترجمہ
 بے خبر کرتے ہیں اور یہ زیادہ درست ہے، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے قبلی کو قتل
 کے ارادے سے مکتہ نہیں مارا تھا۔ اور قبلِ عمر نیت اور ارادے سے ہوتا ہے۔
 موسیٰ علیہ السلام کا مقصد تو ایک قوم اسرائیلی کو ظالم قبلی سے نجات دلانا تھا مگر
 وہ ایک ٹمکہ برداشت نہ کر سکا اور مکیا۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو یہ
 جواب دیا کہ ان سے قبلی کا قتل بے خبری میں غیر ارادی طور پر ہو گیا تھا، آپسے
 یہ بھی وضاحت کی کہ قبلی کے قتل کے بعد خود میری جان کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا،
 مجھے گرفتار کرنے کے منصوبے بنائے تھے جس کی اطلاع مجھے میرے ایک
 خیر خواہ نے دی فَقَدَرْتُ مَنِّكُمْ فَمِنْ مَنِّكُمْ سَبَّحْتُ لَكَ مَا خَفْتَهُمْ
 جب کہ میں نے تمہاری طرف سے خوف محسوس کیا۔ پھر اللہ نے مجھ پر مہربانی فرمائی
 فَوَهَبَ لِي رَيْفَ حُكْمًا كَمَا كُنْتُ عَالِمًا بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ
 مَنَ الْمُرْسَلِينَ اور مجھے رسولوں میں سے بنایا یعنی میرے سر
 پر نوح نبوت رکھا۔ نبوت و رسالت کا تذکرہ بھی مختلف سورتوں میں بیان ہوا
 ہے پہلے اللہ تعالیٰ نے دورانِ سفر موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔
 پھر آپ کی فرمائش پر آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنایا۔ البتہ موسیٰ
 علیہ السلام عظیم المرتبت رسول تھے اور کتابِ تورات بھی آپ ہی پر نازل ہوئی۔
 تو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ میں اللہ کا رسول بن کر تمہارے پاس
 آیا ہوں۔ البتہ جہاں تک تم نے میری پرورش کا مجھ پر احسان جتلیا ہے وَتِلْكَ
 نِعْمَةٌ تَهْتَمُ عَلَيْكَ تُوْبِرُكَ بِأَيِّ احْسَانٍ هُوَ جُو تُو مَجْھ پُر رَكْھَا بے مَجْھ حَقِیْقَت
 یہ ہے کہ میری پرورش بھی تیرے ہاں ظلم کی وجہ سے ہی ہوئی تھی تو نے بنی اسرائیل

پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رکھے تھے۔ اُن کے بچوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیتا تھا۔ تیرے اس ظلم کے ڈر سے ہی میری والدہ نے مجھے صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دیا۔ اللہ کو اسی طرح منظور تھا۔ وہ صندوق تھا سے محل میں پہنچ گیا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق **وَالْقَيْثُ عَلَيَّ كَحَبَّةٍ مِّمَّيْ (طلہ - ۳۹)** اللہ نے مجھ پر ایسی محبت ڈال دی کہ جو بھی دیکھتا تھا گریہ ہو جاتا تھا جب فرعون نے دیکھا تو وہ بھی میری زندگی بچانے پر مجبور ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے زندہ رکھنا تھا اور ٹپکا کام لینا تھا، اس لیے اُس نے ایسے اسباب پیدا کر دیے کہ میری زندگی بچ گئی۔ مقصد یہ کہ میری پرورش میں تیرا کوئی احسان نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی سلیم کہ کامیاب بنایا کہ تیرے دل میں میری محبت پیدا کر دی گویا تیرے ہاتھوں سے میری پرورش بھی کسی احسان کی وجہ سے نہیں بلکہ تیرے ظلم کی وجہ سے ہوئی تھی۔

فرمایا، تیرے ظلم و ستم کی داستان تو یہ ہے جسے تو احسان بنا کر لے رہے۔ کیا یہی تیرا احسان ہے **اَنْ عَتِدْتُ يَتِي رَاسًا عِيْلًا** کہ تو نے ساری قوم بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا ہے؟ ایک فرد کی پرورش کہہ کے لاکھوں افراد کو غلام بنانا اور اُن کے مشقت لینا کہاں کا انصاف ہے؟ بنی اسرائیل نے فرعون کے ہاتھوں واقعی بڑے مظالم برداشت کئے تھے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کیا اور بنی اسرائیل کو آزادی نصیب ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہی مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر کے ہمارے ساتھ بیچ دے تاکہ وہ اپنے اصلی وطن پہنچ کر آزادی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۚ (۲۳) قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِن كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ۚ (۲۴) قَالَ
 لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ۚ (۲۵) قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ
 الْأُولِينَ ۚ (۲۶) قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ
 لَمَجْنُونٌ ۚ (۲۷) قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا
 إِن كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۚ (۲۸) قَالَ لَئِن أَخَذَتِ الْإِلهَا
 غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ۚ (۲۹) قَالَ
 أَوْلَوْجِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ۚ (۳۰) قَالَ فَأْتِ بِهِ إِن
 كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ۚ (۳۱) فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ
 ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۚ (۳۲) وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ
 لِلنَّظِيرِينَ ۚ (۳۳)

۲۳۴

ترجمہ:- کہا فرعون نے اور کیا ہے رب العالمین؟ (۲۳)
 کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین
 کا اور جو کچھ اُن دونوں کے درمیان ہے، اگر تم نے یقین
 کرنا ہے (۲۴) کہا (فرعون نے) اُن سے جو اُس کے اردگرد
 تھے، کیا تم سنتے نہیں؟ (۲۵) کہا (موسیٰ نے) جو تمہارا بھی پروردگار
 ہے اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد کا پروردگار بھی ہے (۲۶)

کہا (فرعون نے) بیشک تمہارا یہ پیغام لانے والا، جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، دیوانہ ہے، (۲۷) کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) وہ رب ہے مشرق اور مغرب کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو (۲۸) کہا (فرعون نے) اگر تو بنائے گا کسی کو الہ میرے سوا، تو میں کہ دوں گا تجھ کو قید میں ڈالے ہوئے لوگوں میں سے (۲۹) کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) اگرچہ میں لاؤں تیرے پاس کوئی کھلی چیز؛ (۳۰) کہا (فرعون نے) لاؤ اس کو اگر تم سچے ہو (۳۱) پس ڈالا (موسیٰ علیہ السلام نے) اپنی لاشیٰ کو۔ پس اچانک وہ ایک اژدھا بن گیا کھلا (۳۲) اور کھینچا انہوں نے اپنے ہاتھ کو، پس وہ اچانک سفید تھا دیکھنے والوں کے لیے (۳۳)

بط آیات

اس سورۃ کی ابتداء سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا تذکرہ بیان کیا گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے سر پر تاج نبوت رکھا تو آپ کو حکم دیا کہ فرعون کے سامنے جا کر کلمہ حق بلند کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے بعض مشکلات کا ذکر کیا تو اللہ نے آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرمائی اور پھر دونوں کو حکم ہوا کہ فرعون سے جا کر کہو کہ ہم دونوں رب العالمین کے فرستادہ ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ تم اللہ کی وحدانیت کو قبول کر لو اور دوسری بات یہ کہ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر دو۔ اس کے جواب میں فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو ظن کیا کہ کیا تم وہی نہیں جس کی ہم نے بچپن میں پرورش کی تھی۔ تم نے ہمارے درمیان اپنی عمر کا کافی حصہ گزارا۔ پھر تم نے ہمارے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسا بے خبری میں ہوا تھا، ورنہ میرا ارادہ قتل کرنے کا نہیں تھا۔ پھر میں خوفزدہ ہو کر بھاگ گیا۔ اللہ نے مجھے نبوت و رسالت عطا فرمائی ہے اور میں اسی فرض منصبی

کی تکمیل کے لیے تمہارے پاس آیا ہوں۔ مگر یاد رکھو! پچھن میں میری پرورش کرنے کا مجھ پر کوئی احسان نہیں ہے۔ یہ تمہارے ظلم ہی کی وجہ سے ہوا تھا، مگر تم نے ساری قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ اس کے مقابلے میں تمہارا پرورش کرنے کا احسان کیا حیثیت رکھتا ہے؟

رب العلمین
کی تعریف

گذشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے فرعون کو دعوتِ توحید دیتے ہوئے فرمایا اِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ (آیت - ۱۶) کہ ہم رب العلمین کے بھیجے ہوئے تیرے پاس آئے ہیں۔ اس کے جواب میں فرعون نے خود سوال کیا قَالَ فَرَعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ کہ رب العالمین کیا ہے جس کی طرف سے تم رسول بن کر آئے ہو۔ سورۃ النزلعات میں موجود ہے کہ وہ اپنے سوا کسی دوسرے کو رب ماننے کے لیے تیار نہیں تھا، بلکہ علی الاعلان کہتا تھا اِنَّا رَبُّكُمْ الْاَعْلٰی سب سے بڑا رب تو میں ہوں۔ تم کس رب العلمین کی بات کر رہے ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے پروردگارِ عالم کا تعارف ان الفاظ میں کر لیا قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا کہ رب العلمین وہ ہے جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، سب کا رب ہے اِنَّكُمْ لَمَوْقِنٰی اَکْمَرُمْ نے یقین کرنا ہے تو رب العلمین تو وہی ہے جو کائنات کا خالق ہے۔ کائنات کی ہر چیز کی تدبیر کر کے اُسے حدِ کمال تک پہنچانے والا ہے۔

رب العلمین کی حیثیت کے بارے میں سوال منطقی کہلاتا ہے۔ جب فرعون نے اللہ تعالیٰ کی حقیقت اور ماہریت کے متعلق سوال کیا تو جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی صفات کو بیان کیا۔ وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات اور حقیقت کو تو کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ وہ تو رُو الوراء ہے۔ وہ الہی ذات ہے۔ جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے لَا فِكْرَةَ فِي الرَّبِّ رب تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہ کرو۔ وہ انسانی عقل و فہم سے بالاتر ہے۔

لہذا اس کی پہچان اس کی مصنوعات کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔ اس کی مصنوعات میں غور کرو گے تو اس کی صفت سمجھ میں آئے گی۔ اور پھر خدا کی ذات کا تصور قائم ہوگا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا ذکر کیا۔ کہ رب العالمین وہ ہے جس نے زمین و آسمان اور تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور جو ان کی تدبیر کرتا ہے۔

یہ سن کر فرعون اپنے حواریوں کی طرف متوجہ ہوا۔ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْمَعُونَ اور اپنے ارد گرد والوں سے کہنے لگا، کیا تم سنتے نہیں؟ کہ یہ شخص کیا کہتا ہے۔ میں نے اسے رب العالمین کے متعلق پوچھا ہے تو یہ ارض و سما کی تخلیق کی بات کرتا ہے۔ دراصل فرعون اپنے حواریوں کو موسیٰ علیہ السلام کے خلاف برگشتہ کرنا چاہتا تھا کہ کہیں یہ اس کے کہنے میں نہ آجائیں۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار کی دوسری تعریف بیان کی قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ کہتے گئے رب العالمین وہ ہے جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے آباء و اجداد کا بھی وہی پروردگار ہے۔ تم یہ نہ سمجھو کہ کسی نے تمہیں پیدا نہیں کیا، یا اپنی پیدائش کو اپنے آبا و اجداد تک ہی محدود نہ سمجھو بلکہ تمہارا ایک حقیقی خالق بھی ہے جس نے تمہیں بھی اور تمہارے باب دادوں کو بھی پیدا کیا۔ اور وہ وہی ذات ہے جس نے تمہیں ہر طرح کا مسلمان زلیلت دیا کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پروردگار کی یہ صفت اس لیے بیان کی کہ شاید کہ فرعون کے دماغ پر چوٹ لگے۔ وہ خود الہ کہتا تھا اور کسی دوسرے کو الہ نہیں مانتا تھا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کی توجیہ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کی طرف دلائی کہ الہ تو وہ ہو سکتا ہے جو خالق ہو جب تم نے کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی تو تم کیسے الہ ہو سکتے ہو۔ الہ اور رب العالمین تو وہ ہے جو رب کا خالق ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام کی اس دلیل کا فرعون کو کوئی جواب نہ آیا تو اپنے حواریوں کو موسیٰ علیہ السلام سے بظن کرنے کیلئے کہنے لگا قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ بیشک تمہارا یہ

پیغام لانے والا جو تمھاری طرف بھیجا گیا ہے (یعنی موسیٰ علیہ السلام) یہ البتہ دیوانہ ہے یہ تو سہی پہنچی باتیں کہہ رہا ہے۔ نہ صرف ہمیں کو سنا ہے بلکہ ہمارے آباؤ اجداد کی خیر بھی لیتا ہے۔ اس نے ہماری حکومت اور شان و شوکت کی کچھ پرواہ نہیں کی اور نہ ہی مجھے الہ ماننے کے لیے تیار ہے۔ یہ تو پاگلوں والی باتیں کرتا ہے اس کی بات کو سنجیدگی سے نہ لینا۔

مگر موسیٰ علیہ السلام بات کو چھوڑنے والے نہ تھے۔ انہوں نے تیسری دلیل پیش کی قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَسَاءَ رِبِّ الْعَالَمِينَ تو وہ ہے جو مشرق و مغرب اور ان کے درمیان ہر چیز کا پروردگار ہے۔ شمال سے لے کر جنوب تک اور مشرق سے لے کر مغرب تک اسی کی بادشاہی ہے۔ فرمایا تمھاری سلطنت تو ایک محدود علاقے پر مشتمل ہے جس کے باہر تمھارا حکم نہیں چلتا بلکہ کسی دوسرے بادشاہ کا سکہ چلتا ہے، مگر پروردگار عالم وہ ہے جس کی بادشاہت کا کوئی گناہ نہیں۔ اُس کا تسلط پوری زمین پر بھی دلیا ہی ہے جیسا آسمانوں پر۔ اُس کا تسلط سمندروں پر بھی ہے اور قضاؤں پر بھی۔ وہ پہاڑوں کا بھی خدا ہے اور صحراؤں کا بھی۔ اس کا حکم ہر جگہ چلتا ہے اور کوئی چیز اُس کے احاطہ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ میرا رب تو وہ ہے جو ان صفات کا مالک ہے اِنَّ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ اگر تمہیں کچھ عقل ہے تو اب بھی سمجھ جاؤ اور اسی وحدہ لا شریک پر ایمان لے آؤ جو ہر چیز کا خالق مالک اور پرورش کنندہ ہے۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام ایک ایک بات کہتے جاتے تھے اور خدا کی قدرت پر دلائل دیتے تھے مگر فرعون اپنے جواروں کو موسیٰ علیہ السلام سے پٹن کرنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ وہ آپ کے دلائل سے متاثر نہ ہو جائیں۔

بہر حال جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی حکومت کو چیلنج کیا اور بتایا کہ تمہیں ایک محدود خطے میں تسلط حاصل ہے تو وہ اس کا کوئی جواب تو نہ دے سکا۔

البتہ غصے میں آکر موسیٰ علیہ السلام کو دہکی دی قَالَ لَیِّنَ اتَّخَذْتَ الْهَاءَ
 غَیْرَیْ كُنْتُمْ لَکَا، اے موسیٰ! اگر تو نے میرے سوا کسی دوسرے کو معبود تسلیم
 کیا۔ لَا جَعَلْتُكَ مِنَ الْمَسْجُورِينَ تُوْمِنُ تَجھے قید میں ڈالے ہوئے
 لوگوں میں سے بنا دوں گا یعنی تمہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دوں گا۔ کتنے
 لگا ملک مصر میں تو میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اگر تو نے کسی دوسرے
 کو معبود مانا تو یاد رکھنا میں تمہیں سزا لینے پر بھی قادر ہوں۔ پھر بٹیک اپنے رب
 کو میرے مقابلے پر لے آنا۔

موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے سچے نبی تھے، وہ ایسی دیکھوں سے کہاں مرعوب
 ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی حیثیت کو منوانے کے لیے پہلے انہوں نے عقلی
 دلائل پیش کیے جن کا فرعون پر اثر نہ ہوا۔ لہذا اب انہوں نے اللہ تعالیٰ
 کی طرف سے عطا کردہ معجزات پیش کرنے کا فیصلہ کر لیا اور فرعون کی
 آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فرمایا کہ تم عقلی دلائل کو تو تسلیم کرنے کے لیے تیار
 نہیں۔ قَالَ اَوْ كَوْجُتُكَ بَشَحَىٰ ۚ مُبِیْنٌ اَکْرَمِیْ تیرے پاس کوئی واضح
 چیز یا نشانی لے آؤں تو کیا پھر بھی تم اپنے نظریہ پر قائم رہو گے اور میری صداقت
 اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو تسلیم نہیں کرو گے؟ قَالَ فَاتِّبِیْ اِنَّ کُنْتَ
 مِنَ الصّٰدِقِیْنَ فرعون نے فوراً کہا، اگر تم سچے ہو تو ایسی کوئی نشانی
 لاکر پیش کرو۔ پتہ چل جائے گا تم اپنے دعوے میں کس حد تک سچے ہو۔

موسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے نشانیاں پیش کرنے والے تھے۔ لہذا انہوں
 نے اس چیلنج کو فوراً قبول کر لیا، اور پہلی نشانی کے طور پر قَالَ لَقِيَ عَصَاهُ اَنْتَ
 اپنی لاشعی پھینک دی۔ آپ کے ہاتھ میں ہمیشہ معجزانہ لاشعی ہوتی تھی جسے آپ نے
 زمین پر ڈال دیا فَادَاهِیْ ثَعْبَانٌ مُّبِیْنٌ پس اچانک وہ ایک بڑا اثر دھا
 بن گئی جسے دیکھ کر فرعون کے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ تمام درباری خوفزدہ ہو
 گئے یا فرعون تھے۔ ایسی عجیب و غریب چیز دیکھ کر وہ گم رہ گئے۔

عجرات کا
 نکار

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے دوسری نشانی پیش کی وَنَزَعَ يَدَهُ آتِنَا
 اِنَّا لَمُهَيَّبَةٌ اِذْ اَنزَلْنَا فِيهَا سُلٰطٰنًا مِّنْ اٰمٰرِنَا لِيُظٰهَرٰتِ لَكَ
 تُوْرُهُ اِجَابَتُكَ وَيَكْتُمُ وَالْوٰجِدُ كَيْفَ لِيُتَقَبَّرَ تَقَابُرًا اَبُو بَكْرٍ
 مِثْلُ سُوْرَجٍ جَيْسِي حَبْكٌ اَكْمَلِي اَوْ اَكْمَلِي اَوْ اَكْمَلِي اَوْ اَكْمَلِي
 سَفِيْرِيْ نِهَيْسِيْ تَهِيْ - جَيْسِيْ كَرْبُصٍ كَيْفَ لِيُتَقَبَّرَ تَقَابُرًا اَبُو بَكْرٍ
 (طہ: ۲۲) اس میں کوئی نقص یا خرابی نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو معجزانہ
 طور پر سفید اور چمکدار بنا دیا تھا۔ مگر فرعون پھر بھی ایمان نہ لایا اور اس نے ان معجزات
 کو سحر پر محمول کیا۔ اس بات کا ذکر اگلی آیات میں آ رہا ہے

قَالَ لِلْمَلَأِ حَوْلَهُ إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ عَلِيمٌ ﴿٣٢﴾ يُرِيدُ
 أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ ۗ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾
 قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَبْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿٣٦﴾
 يَا تَوَكُّبِكُمْ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ
 يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٣٨﴾ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ حَاجِتُمْوْنَ ﴿٣٩﴾
 لَعَلَّكُمْ تَتَّبِعُونَ السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿٤٠﴾
 فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا
 إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذَا لَمِنَ
 الْمُقْرَبِينَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُمْ مُوسَى الْقَوْمَا أَلَيْسَ لَكُمْ
 مُلْكُكُمْ ﴿٤٣﴾ فَالْقَوْمَا جِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا
 بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿٤٤﴾ فَالْقَى مُوسَى
 عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿٤٥﴾ فَالْقَى
 السَّحَرَةَ لِسَبْعِينَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا امْنَا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٥﴾
 رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ ﴿٤٦﴾ قَالَ امْنَا لَهُ قَبْلَ
 أَنْ أَدْنَى لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرِكُمْ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ
 فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۗ لَا قَطِيعَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ مِّنْ
 خَلْفٍ وَلَا وَصِيلَتِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٧﴾ قَالُوا لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَى

رَبَّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطِيَاَتَنَا
 اَنْ كُنَّا اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾

۱۵۷

ترجمہ:- کہا (فرعون نے) اپنے سرداروں سے جو اُس کے اردگرد تھے کہ بیشک یہ شخص البتہ جادوگر ہے علم والا ﴿۴۷﴾ یہ چاہتا ہے کہ تم کو نکال دے تمہاری سرزمین سے اپنے جادو کے زور سے۔ پس تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ ﴿۴۸﴾ کہا انہوں نے مہلت دے اس کو اور اس کے بھائی کو، اور بھیج دے مختلف شہروں میں اکٹھا کرنے والے ﴿۴۹﴾ تاکہ وہ لائیں تمہارے پاس ہر قسم کا علم دار جادوگر ﴿۴۹﴾ پس اکٹھے کئے گئے جادوگر ایک معلوم دن کے وعدے پر ﴿۴۸﴾ اور کہا گیا لوگوں کو کہ تم بھی اکٹھے ہو جاؤ ﴿۴۹﴾ شاید کہ ہم پیروی کریں جادوگروں کی، اگر وہ غالب رہیں ﴿۴۹﴾ پس جب آئے جادوگرا تو انہوں نے فرعون سے کہا، کیا ہمارے لیے کوئی بدلہ ہوگا؟ اگر ہم غالب آگئے ﴿۴۹﴾ کہا (فرعون نے) ہاں (بدلہ ہوگا)

اور بیشک تم اُس وقت میرے مقربین میں ہو گے ﴿۴۷﴾ کہا اُن (جادوگروں) سے موسیٰ علیہ السلام نے کہ ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو ﴿۴۸﴾ تو انہوں نے ڈالی اپنی رسیاں اور لاشیاں اور کہنے لگے، فرعون کی عزت و اقبال کی قسم، بیشک ہم غالب ہوں گے ﴿۴۹﴾ پھر ڈالا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاشی کو۔ پس اچانک وہ نکلتی تھی اُس چیز کو جو اُن لوگوں نے بنایا تھا ﴿۴۸﴾ پس گر پڑے جادوگر سجدے میں ﴿۴۹﴾ کہنے

لگے ہم ایمان لائے ہیں رب العلمین پر (۴۹) وہی جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا پروردگار ہے (۴۸) کہا (فرعون نے) کیا تم اس پر ایمان لائے ہو قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ یہ تمہارا بڑا استاد ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ پس عنقریب تم جان لو گے کہ میں کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور پاؤں الٹے سیدھے، اور لٹکاؤں گا تم سب کو سولی پر (۴۹) وہ کہنے لگے، کوئی ڈر نہیں ہے۔ بیشک ہم اپنے پروردگار کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں (۵۰) اور ہم اُمید رکھتے ہیں کہ بخش دے گا ہمارا پروردگار ہماری غلطیاں، اس وجہ سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے والے ہیں (۵۱)

گزشتہ آیات میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے فرعون کے دربار میں پہنچ کر اللہ کا پیغام پہنچایا اور کہا کہ ہم رب العلمین کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اُس نے منکرانہ انداز میں سوال کیا کہ رب العالمین کیا ہوتا ہے؟ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بعض صفات بیان کیں اور اُس کی سبحان کی نشانیاں بتلائیں کہ رب العلمین وہ ہے جو ارض و سما کا پروردگار ہے اور جس نے تمہیں اور تمہارے آباؤ اجداد کو بھی پیدا کیا ہے۔ مشرق و مغرب کی تمام اشیاء بھی اُسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اس پر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو دہلی دی کہ اگر تم نے میرے سوا کسی دوسرے کو الٰہ تسلیم کیا تو میں تمہیں قید میں ڈال دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں کوئی کھلی نشانی پیش کروں تو کیا تم پھر بھی اپنی قبیح حرکت سے باز نہیں آؤ گے؟ فرعون کہنے لگا۔ دکھلاؤ تم کوئی نشانی پیش کرنا چاہتے ہو۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے دو نشانیاں پیش کیں۔ اپنی لاشیٰ کو زمین پر پھینکا تو وہ ایک بڑا اثر دھابن گئی جسے دیکھ کر سارے درباری مع فرعون خوفزدہ

رابط آیات

ہو گئے۔ آپ نے دوسری نشانی یہ پیش کی کہ اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا کر نکالا تو وہ سوچ کی طرح چمکد نظر آنے لگا یہ واضح نشانیاں دیکھ کر فرعون اور اس کے حواری سمجھ گئے کہ یہ شخص سچا ہے مگر اپنے ظلم و تعدی کی بنا پر یہ انہوں نے آپ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔

فرعون کا
درباریوں
سے مشورہ

فرعون کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ اس کے حواری درباری کہیں موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کے معترف نہ ہو جائیں۔ چنانچہ اُس نے اُن کو موسیٰ علیہ السلام سے بظن کرنے کے لیے ایک تذبذب سوچی اور قَالَ لِلْمَلَائِكَةِ اِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ عَلَیْكُمْ اور اپنے ارد گرد کے حواریوں سے کہنے لگا کہ یہ (موسیٰ علیہ السلام) تو بڑھا کھنا جادوگر ہے۔ فرعون کی یہ افتراء پر دازی کوئی نئی بات نہیں تھی کیونکہ کافروں، مشرکوں اور جباروں کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جب وہ انبیاء علیہم السلام کے پیش کردہ معجزات سے لاجواب ہو جاتے ہیں تو پھر اسے جادو کہہ کر ہی رد کرتے ہیں۔ فرعون نے بھی یہی صر بہ استعمال کیا اور اپنے مصاحبین سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کی پیش کردہ نشانیاں بہت بڑھا دو ہے۔ يُرِيْدُ اَنْ يُخْرِجَكُمْ مِمَّا اَرْضَكُمْ يَسْحَبُ یہ شخص اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہاری سر زمین سے نکال باہر کرے گا اور تمہارے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اِنَّ حَالَاتٍ مِّنْ فَتَمَّا ذَاتَا مَسْ وَا تَبَدَّلَتْ مجھے کیا مشورہ دیتے ہو۔ ہمیں اپنے ملک کی کس طرح حفاظت کرنی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نبی کسی کا ملک یا حکومت غصب نہیں کرنا چاہتے۔ انہیں سلطنت کی کوئی خواہش نہیں ہوتی بلکہ وہ اللہ کی زمین پر اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ اور اصلاح میں دونوں چیزیں آتی ہیں۔ یعنی عقیدے کی درستگی اور امن و امان کا قیام۔ اللہ کے ہر نبی نے انہی دو چیزوں کو اپنی تبلیغ کا خاص موضوع بنایا۔ مثال کے طور پر شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا لِيَقْوِمَ اَعْبَادُ اللّٰهِ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ

(ہود - ۸۴) اے میری قوم کے لوگو! عبادت صرف اللہ کی کرو کہ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔ نیز عام اصلاح کے متعلق فرمایا اِنَّ اَرْبَابَ
 اِلٰہِ الْاَصْلَاحِ مَا اسْتَضَلُّتُمْ (ہود - ۸۸) میں تو حسب استطاعت
 تمہاری اصلاح چاہتا ہوں۔ زمین کو کفر و شرک اور فتنہ و فساد سے پاک کرنا چاہتا
 ہوں۔ میری کوئی ذاتی عرض نہیں ہے، میں کسی کا مال و دولت یا حکومت و اقتدار
 نہیں چھیننا چاہتا بلکہ خدا کی زمین پر خدا کے حکم سے اصلاح چاہتا ہوں۔

فرعون کے درباریوں نے جب اس کی بات سنی تو کہنے لگے کہ اس
 معاملہ میں جلد بازی سے کام نہیں لینا بلکہ اس معاملے کو حکمت کے ساتھ طے
 کرنا چاہیے قَالُوا اَرْجَاهُ وَاَخَاهُ کہتے لگے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے
 بھائی کو بہت سے دن یعنی اُن کے خلاف کوئی فوری کارروائی نہ کریں کہیں
 ایسا نہ ہو کہ ہمارا معاملہ ہی بگڑ جائے۔ لہذا احسن طریقہ یہ ہے وَالْعَشْفُ فِي
 فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ آپ مختلف شہروں میں (جادوگروں کو) اکٹھا
 کرنے والے بیچ دیں مطلب یہ کہ ملک کے بڑے بڑے شہروں میں آدمی بیچ
 کہ ماہر جادوگروں کی خدمات حاصل کریں، موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ وہی کر سکیں گے
 تمہارے پیچھے ہوئے ایچی یَاتُوْكَ دِكْلًا سَخًّا عَلَيِّمْ تمہارے
 پاس بڑے بڑے علم والے جادوگر لے آئیں گے۔ سحار بالغہ کا بھیغہ ہے یعنی
 بہت زیادہ عالم فاضل جادوگر آجائیں گے۔ فرعون نے اپنے درباریوں کے
 مشورہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے محال مختلف شہروں میں دوڑا دیے جو ماہر ترین
 جادوگروں کو اکٹھا کر کے لے آئیں۔ فَجَمَعَ السَّحَرَةَ لِصِیْقَاتِ
 یَوْمٍ مَّعًا لَوْ هُوَ جَانِحٌ اِیْکَ مَعْلُومِ دِنِ كے وعدے پر جادوگر اکٹھے ہو گئے
 جادوگروں کے اجتماع کا ایک دن مقرر کر دیا گیا کہ فلاں دن تمام جادوگر
 فلاں جگہ پر اکٹھے ہوجائیں۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ فرعون یوں کے میلے
 والے دن جادوگروں کو اکٹھا کیا گیا۔ اس دن بہت سے لوگ جہنم منانے کے

خادو کے
 ذریعے مقاب

یہ ویسے ہی اکٹھے ہوتے تھے لہذا اس دن سب کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ سورۃ طہ میں ہے قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْتَةِ وَأَنَّ طَائِفًا مِّنَ النَّاسِ ضَلَّ سَبِيلَهُمْ فَكَانُوا عَلَىٰ عَصَاكَ أَلْمَامِينَ (آیت - ۵۹) وہ وعدے کا دن اُن کی زیت اور زینت اور حن کا دن تھا اور لوگوں کو چاشت یعنی دوپہر کے وقت یہ مقابلہ دیکھنے کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَذَا نِسْمٌ مِّنْكُمْ فَاتَّبِعُونَهُمْ وَلَا يَكُونُوا لَكُمْ حُجَّتًا لَّيْسَ لَهُمْ شَيْءٌ مِّنْكُمْ وَلَا يَحْتَمُونَ اور عام لوگوں سے بھی کہا گیا کہ فلاں دن اور فلاں وقت پر اکٹھے ہو کر جادو گروں کا مقابلہ دیکھو۔ ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا۔ لَعَلَّنَا نَبْجُ السَّحَرَةَ إِنَّ كَانُوا لَهُمُ الْقَلْبُ مِنْ شَيْءٍ كَرِهُوا لَكُمْ وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَخَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (آیت - ۶۰) ان بڑے بڑے جادو گروں کا اتباع کریں اگر وہ غالب آجائیں۔ یہ مطلب یہ تھا کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام ہمارا دین عقیدہ، اور پورا نظام سلطنت تبدیل کر دینا چاہتے ہیں۔ اگر ہمارے جادو گروں نے ان دونوں کو شکست دے دی تو پھر ہم اپنے موجودہ طریقے پر قائم رہتے ہوئے انہی کی پیروی کرتے رہیں گے اور ہمیں اپنا دین تبدیل نہیں کرنا پڑے گا۔

تفسیری روایات میں آتا ہے کہ مقررہ دن پر ہزاروں کی تعداد میں جادو گروں اکٹھے کیے گئے۔ فَمَا جَاءَ السَّحَرَةَ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَدْرِكُهُمْ لَسَأَلْنَاهُمْ نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَذَرْنَا أَعْيُنًا وَلَا جَمْعًا لِلَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ آلِهَتِهِمْ كَأَنَّاهُمْ فَسَقَطُوا رِجَالَهُم وَكَانُوا يَلْعَلُونَ (آیت - ۶۱) جب وہ سارے کے سارے فرعون کے دربار میں اکٹھے ہو گئے تو اُس سے کہنے لگے اے اللہ! لَنَا لَآجِزٌ إِنَّ كُنَّا نَحْنُ الْقَلِيلِينَ کیا ہمارے لیے کچھ مزدوری بھی ہوگی۔ اگر ہم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے جادو گروں کو اسی لیے آئے تھے کہ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو ہمیں انعام و اکرام ملے گا۔ ہماری عزت افزائی ہوگی اور اس طرح ہمیں ملک بھر میں شہرت حاصل ہوگی۔ جادو گروں اور انبیاء علیہم السلام میں یہی تو بنیادی فرق ہے۔ جادو گروں کے مال و دولت اور عزت و شہرت کے خواہشمند ہونے ہیں۔ جب کہ اللہ کے نبیوں کا یہ اعلان ہونا ہے وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِن مَّثَلٍ هِيَ تَابِعًا

إِنْ أَحْبَبَ رَأَىٰ عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الشعراء - ۱۰۹) اے لوگو! میں
 دعوتِ حق کا تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، کیونکہ میرا اجر تو رب العالمین کے
 پاس ہے، میں اسی کے حکم کی بجا آوری کرنے والا ہوں اور وہی مجھے اس کا صلہ بھی
 عطا کرے گا۔ ہر نیا نبی ہی کہا کہ میری خدمت بے لوث ہے اَبْلَغُ كَرَمٍ
 رَسَلَتْ رَبِّي وَأَنْصَحُ كَكُمِ (الاعراف - ۶۲) میں اپنے پروردگار کا پیغام
 تم تک پہنچا رہا ہوں اور تمہیں نصیحت کر رہا ہوں، مجھے تمہاری خیر خواہی
 مطلوب ہے، لہذا میری بات کی طرف توجہ کرو۔

جادو کا فتنہ

جادوگر میری بڑا ذلیل قسم کا فن ہے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نے اپنی
 تفسیر میں لکھا ہے کہ اعلیٰ درجے کا جادو کفر اور شرک پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ
 میدان علیہ السلام کے واقعہ میں موجود ہے کہ جو دو آدمی جادو سیکھتے تھے وہ لوگوں
 پر واضح کر دیتے تھے اِنَّمَا نَحْنُ فَتَنَةٌ فَلَا تَكْفُرُوا (البقرہ - ۱۰۲)
 کہ ہم تو آزمائش میں مبتلا ہیں مگر جادو کر کے تم کفر نہ کرو۔ جادو میں ایسا کلام پڑھنا
 پڑھنا ہے اور ایسی حرکات و سکنات اور اعمال کہنا پڑتے ہیں جن سے کفر
 لازم آتا ہے۔ اسی لیے اعلیٰ درجے کا جادوگر کفر اور شرک کا مرتکب ہو گا۔ البتہ
 جادو کا کم از کم درجہ بھی بدعت کے ارتکاب سے کم نہیں ہے اور اس میں بھی
 فسق و فجور اور گناہ پایا جاتا ہے۔ جادو کا شعبہ غیر نافع یا مضر علم میں شمار کیا گیا ہے
 یہ دنیا میں تو کسی حد تک مفید ہو سکتا ہے مگر آخرت کے اعتبار سے سخت مضر
 ہے اور انسان کو جہنم رسید کر کے چھوڑتا ہے۔

سجود کے ذریعے غیب کی باتیں معلوم کرنے کے متعلق حضور علیہ السلام
 کا ارشاد ہے کہ یہ بھی سحر ہی کا ایک شعبہ ہے۔ اس میں بھی جادوگروں کی طرح
 ذلیل حرکتیں کہنا پڑتی ہیں۔ کہیں مردوں کا گوشت، ہڈیاں یا بال حاصل کرنا
 پڑتے ہیں، کہیں زندہ انسانوں کو قتل کر کے ان کا خون حاصل کیا جاتا ہے کہیں
 قبر یا سماں کی سٹی یا راکھ حاصل کی جاتی ہے۔ یہ سب شیطانی حرکات ہوتی ہیں

جو محض دنیا کی کھائی کے لیے اختیار کی جاتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا حَدَّثَنَا السَّاحِرِ صَرِيحًا بِالسَّيْفِ جَادٍ وَكَهْرٍ جَادٍ کے ذریعے لوگوں کی جانیں تلف کرتا ہے۔ اس کی سزا سزائے موت ہے۔ تلوار کے ساتھ اس کا سر قلم کر دو اور اگر کھری ہو تو اس سے کوئی جان تو ضائع نہیں ہوئی بلکہ کم تر نقصان ہوا ہے تو حاکم مقتدر کی نوعیت کے اعتبار سے قید و بند کی سزا بھی دے سکتا ہے۔ بہر حال جادوگری، ٹونے ٹونکے تعویذ گنڈے جن کے ذریعے مخلوق خدا کو نقصان پہنچایا جائے، بصریح حرام اور شدید گناہ کا کام ہے۔

انعام واکرام
کا وعدہ

بات یہ ہو رہی تھی کہ جادو گروں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو ہمیں کچھ معاوضہ بھی ملے گا یا نہیں۔ اس کے جواب میں فرعون نے کہا، قَالَ لَعَنَ هَا، تَمَّحِينَ نہ صرف معقول معاوضہ ملے گا بلکہ وَإِنَّكُمْ إِذَا لَمِنَ الْمُقْسَبِينَ تم میرے مقربوں میں سے ہو جاؤ گے تم کو یہی نشین ہو گے مجلس شوریٰ کے ممبر بن جاؤ گے یا تمہیں فلاں خطاب مل جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہاں ایک بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس دور میں بچوں، ساحروں اور کاهنوں کو بھی وہی حیثیت حاصل تھی جو آج کے دور میں بڑے بڑے سینیٹروں، ڈاکٹروں، انجینئروں اور سائنس دانوں کو حاصل ہے۔ آج کے زمانے میں ہر کام کی سیمیں ماہرین ہی ملتی ہیں۔ اور ان پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ اسی طرح فرعونی دور میں یہ کام بڑے بڑے ساحروں سے لیا جاتا تھا۔ وہ اپنے جادو کے زور پر جس چیز کی نشاندہی کر دیتے تھے، حکومتی سطح پر اسی کے مطابق عمل کیا جاتا تھا۔ آج حکومت کے موجودہ مشیر ٹی بی ٹی ملاقات حاصل کر رہے ہیں۔ تو اس زمانے میں جادو گروں کی چاندنی تھی۔

جادو گروں
کا کہنا

جب موسیٰ علیہ السلام اور ان کے مقابلے میں فرعون، تمام جادو گروں اور عام لوگ جمع ہو گئے تو مقابلے کی تیاری شروع ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے پہلے ملہ ترفی ص ۲۲ (فیاض)

تو جادو گروں کے سامنے نصیحت کی اور فرمایا **وَيَا كَذِبًا** (۶۱) تمہاری ہلاکت ہو! خدا تعالیٰ پر افسردہ نہ بانڈھو جادو، جیسا غلط کام کمر کے اپنی عاقبت تخریب نہ کرو اور اس سے باز آ جاؤ۔ اس نصیحت آموز بات سے جادو گروں کے دل ہل گئے مگر فرعون کے خوف سے

انہوں نے سقا بلکہ کا چیلنج دے دیا۔ چنانچہ **قَالَ لَهُمْ مُوسَى الْقَوْمَا أَنْتُمْ مُنْقَلَبُونَ** موسیٰ علیہ السلام نے ان کا چیلنج قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ **وَالْوَجْهُ كَيْفَ تَمُّوا** (۶۲) تمہاری جادو کا جو کہ تیرے تم دکھانا چاہتے ہو، اس میں پہل کمر و اور اس عام مجمع کے سامنے اپنی کارکردگی ظاہر کرو **فَالْقَوْمَا حَبَا لَهُمْ وَعَصِيَّهُمْ** (۶۳) پس ڈالیں انہوں نے اپنی رسیاں اور لاکھٹیاں جادو گروں نے اپنا بہترین کرتب پیش کیا۔ سورۃ الاسعاف میں ہے۔ **وَجَاءُوا بِسِحْرِ عَجِيزٍ** (آیت ۱۱۶) کہ جادو گروں بہت بڑا جادو لائے تفسیری روایات میں آتا ہے کہ ملک بھر سے پندرہ سو جادو گروں اکٹھے کیے گئے اپنا کرتب پیش کمر کے جادو گروں نے نعرہ مارا **وَقَالُوا يَعْزُبُ عَنْ قُرْعُونَ** کہتے لگے، "فرعون کی جے" گویا انہوں نے زبانی طور پر موعوب کرنے کے لیے فرعون کی فتح مندی کا نعرہ بھی بلند کیا۔ اسی قسم کا نعرہ میدان احد میں ابوسفیان نے بھی لگایا تھا جب مسلمانوں کو وقتی طور پر شکست کا سامنا کرنا پڑا تو ابوسفیان نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر کہا **أَعْلَى هَسْبَلٍ** یعنی ہسب لبت کی جے اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے یہ نعرہ مارنے کا حکم دیا **اللَّهُ أَعْلَى وَأَجَلٌ** یعنی اللہ تعالیٰ ہی بلند و برتر ہے۔

اس مقام پر یہ تفصیل موجود نہیں ہے کہ جادو گروں کی طرف سے رسیاں اور لاکھٹیاں پھینکنے کے بعد کیا ہوا۔ البتہ سورۃ طہ میں موجود ہے کہ جب جادو گروں نے اپنی رسیاں اور لاکھٹیاں پھینکیں **يُخِيلُ إِلَيْهِمْ** (۶۶) تو موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں ایسا آگیا کہ وہ میدان میں ادھر ادھر دوڑ رہی ہیں۔ وہ رسیاں اور لاکھٹیاں چھوٹے چھوٹے سانپ بن کر دوڑتے ہوئے نظر آتے تھے۔ اس شعبہ بازی پر جادو گروں

تے فرعون کی قسم اٹھا کر کہا اِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ بیشک ہم ہی غالب آئیں گے۔ انہوں نے اپنے فن کی بچھنگی کی بنا پر اپنی کامیابی کا پیشگی دعویٰ کر دیا۔

موسٰی کی طرف سے جواب

جادوگروں کا کرتب دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کے دل میں بھی قدرے نخوت پیدا ہوا کہ ممکن ہے یہ لوگ جادو اور معجزے میں فرق نہ کر سکیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی اور فرمایا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی (طہ - ۶۸) کہ ڈرو نہیں، بیشک تم ہی غالب رہو گے۔

خدا تعالیٰ تمہیں بلندی عطا فرمائے گا۔ اب پورے میدان کی نظریں موسیٰ علیہ السلام کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ وہ جادوگروں کے کرتب کا جواب کس طرح دیتے

ہیں۔ فَالْقٰی مُوسٰی عَصَاہٗ وَاٰیٰتِہٖ سٰیطٰتِہٖمُ لَمٰحٰطٰی

پھینک دی جو نہی وہ زمین پر پڑی تو وہ بہت بڑا اثر دھا نظر آنے لگا۔ فَاِذَا هٰی تَلَقَّتْ مَا یَاْفِ کُوْنِ سِیٔنِ اِجَابَکَ وَہ بکل گیا جو کچھ جادوگروں

نے بنایا تھا۔ اُن کے بنائے ہوئے چھوٹے چھوٹے سانپ موسیٰ علیہ السلام کا بڑا اثر دھا کھا گیا۔ یہ دیکھ کر تمام لوگ خوفزدہ ہو کر بھاگنے لگے حتیٰ کہ فرعون

کا پیشاب بھی خطا ہو گیا۔ اور اس طرح جادوگروں کا بنایا ہوا سارا کھیل بگڑ گیا اور وہ مغلوب ہو گئے۔

جادوگروں کا ایمان لانا

جب جادوگروں نے یہ ماجرا دیکھا فَالْقٰی السَّحَرَةُ سٰجِدٰتِیْنَ

تو وہ سب سجدہ میں گر پڑے اور انہوں نے اقرار کیا قَالُوْا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہتے لگے ہم رب العالمین پر ایمان لائے۔ وہ پروردگار

ہے رَبِّ مُوسٰی وَہٰرُوْنَ جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا بھی پروردگار ہے۔ جادوگر سمجھ چکے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام

اللہ کے پیچھے نہیں ہیں اور ان کا کارنامہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزہ ہے۔ یہ کسی انسانی بس کا کام نہیں، لہذا اس کا مقابلہ ناممکن ہے۔ بہر حال جادوگروں

میں ہمت ہی نہ رہی کہ اس معجزے کے مقابلہ میں کوئی دوسرا جادو لاسکتے۔

جب جادوگر ایمان لے آئے تو فرعون سخت ٹپٹایا اور اب وہ جادوگروں
کو خطاب کر کے کہنے لگا۔ قَالَ اٰمَنْتُمْ لِهٰٓءِ اٰذَنْ لَكُمْ
کیا تم اس پر ایمان لے آئے ہو قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں میری رحمت
ہو اور تمہاری زندگی میرے رحم و کرم پر ہے، تم کیسے ایمان لے آئے ہو۔ کہنے
لگا، اب میں سمجھ گیا ہوں، دراصل تم سب ایک ہی ہوا اِنَّكَ لَكَيْتٌ كَرِيْمٌ
الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ دراصل موسیٰ علیہ السلام تمہارا بڑا یعنی تمہارا استاد
جادوگر ہے جس نے تمہیں سارا جادو دکھایا ہے۔ یہ جو کچھ ہوا ہے تمہاری عقل
سے ہوا ہے فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ پس عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا
کہ میں تم سب کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں۔ یاد رکھو لَا تَقْطَعْنَ
اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ میں تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے
بیدھے کاٹ دوں گا جیسا کہ ڈاکوؤں کو سزا دی جاتی ہے وَلَا تَصْلِبْكُمْ
اَجْمَعِيْنَ اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ ایسی سخت سزا دوں گا۔

اسکے جواب میں جادوگروں نے کہا فَاَلَا نَرْضٰى لَكُمْ کوئی ڈر نہیں۔ اب ہم
خوف کی مدد سے نکل چکے ہیں۔ نارتج نہیں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جو لوگ کفر
میں شدید تھے جب ان میں تغیر آیا تو وہ ایمان میں بھی درخیز کمال تک پہنچے اور اللہ
کے مقربین میں شامل ہو گئے۔ فرعون تو انہیں اپنا مقرب بنانا چاہتا تھا۔ مگر
اس کی بجائے اللہ نے انہیں اپنا مقرب بنا لیا۔ کہنے لگے اِنَّا اَلَطْنَا
دَبَّآ مُنْقَلِبُوْنَ بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے
والے ہیں۔ ابھی تمہارے ہاتھوں شہادت کا جام پی لیں یا کچھ دیر کے بعد طبعی موت
سے ہم کنار ہوں، ہم ایمان کی دولت لے کر اس دنیا سے جائیں گے انہوں
نے یہ بھی کہا۔ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّعْزِفَنَا رَبُّنَا خَطِيْبًا ہمیں امید
ہے کہ ہمارا پروردگار ہماری سابقہ غلطیوں کو معاف فرما دے گا۔ اَنْ كُنَّا
اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اس وجہ سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے ہیں۔

ہم نے سوسی علیہ السلام کی دعوت قبول کر لی ہے اور اپنی جان کی پرواہ کے بغیر ایمان پر تائید قدم ہو گئے ہیں، لہذا ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا یقین ہو گیا ہے۔ سورہ طہ میں ہے کہ جادو گروں نے فرعون سے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم پر ہدایت واضح ہو چکی ہے اور ہم اُس پر تجھے ترجیح نہیں دے سکتے **فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ ۗ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا** (آیت ۷۲) تو جو چاہے فیصلہ کر لے۔ تیرا فیصلہ تو اسی دنیا تک محدود ہوگا، تو زیادہ سے زیادہ ہماری یہ فانی زندگی ہی ختم کر سکتا ہے تو جو چاہے کر لے، اب ہم ایمان کا سودا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس کے بعد کا واقعہ قرآن نے بیان نہیں کیا کہ فرعون نے جادو گروں کے ساتھ فی الحقیقت کیا سلوک کیا مفسرین کہتے ہیں کہ فرعون مسرت آدمی تھا، اُس نے اپنے فیصلے پر ضرور عمل کر لیا ہوگا اور جادو گروں کو یقیناً سزا دی ہوگی۔ اس کے بعد سوسی اور لارون علیہما السلام چالیس سال تک مصر میں مقیم رہے اور وقتاً فوقتاً خدا تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ ساتھ ساتھ فرعونوں کے مظالم بھی برداشت کرتے رہے جیسا کہ سورۃ الاسراف میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہو رہا ہے۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنَّ اسْرِ بِعِدَابِي إِنَّكُمْ مَّتَّبِعُونَ ﴿۵۲﴾
 فَأَرْسَلْنَا فِرْعَوْنَ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۵۳﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ
 لَشُرْمَةٌ قَلِيلُونَ ﴿۵۴﴾ وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِطُونَ ﴿۵۵﴾
 وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَازِرُونَ ﴿۵۶﴾ فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّتِ وَ
 عِيُونِ ﴿۵۷﴾ وَكُنُوزِ وَمَقَامِ كَرِيمِ ﴿۵۸﴾ كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا
 بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: اور ہم نے وحی نازل کی موسیٰ علیہ السلام کی طرف کہ
 رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ۔ بیشک
 تمہارا پیچھا کیا جائے گا ﴿۵۲﴾ پھر بھیجا فرعون نے مختلف شہروں
 میں اکٹھا کرنے والوں کو ﴿۵۳﴾ کہا (فرعون نے) بیشک یہ (اسرائیلی)
 ایک جماعت ہے بہت بھڑکی ہوئی ﴿۵۴﴾ اور بیشک یہ ہمیں
 بہت عنصر دلاتے ہیں ﴿۵۵﴾ اور بے شک ہم (ان سے)
 خطرہ رکھتے ہیں یا ہم سب مسلح ہیں ﴿۵۶﴾ پس نکالا ہم نے
 ان (فرعونیوں) کو باغوں اور چشموں سے ﴿۵۷﴾ اور خزانوں اور
 عمدہ مکانوں سے ﴿۵۸﴾ اسی طرح، اور وارث بنایا ہم نے
 ان چیزوں کا بنی اسرائیل کو ﴿۵۹﴾

آیات: جب موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ حق کا آغاز کیا تو فرعون نے آپ پر جادوگری کا
 الزام لگایا اور آپ سے مقابلہ کے لیے مکہ بھر کے جادوگروں کو اکٹھا کیا۔ فرعونیوں

کے قومی میلے کے دن سب لوگ ایک کھلے میدان میں جمع ہو گئے۔ جہاں جادوگر نے
 نے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنا تھا۔ جادوگروں نے پہل کی اور کچھ رسیاں اور لاکھیاں
 زمین پر پھینکیں جو دوڑتے ہوئے سانب نظر آنے لگیں۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام
 نے اپنی لاکھی پھینکی تو وہ بہت بڑا اثر دھا بن گئی اور جادوگروں کے تمام سانبوں
 کو نکل گئی۔ یہ معجزہ دیکھ کر جادوگر تو ایمان لے آئے مگر فرعون اور اس کے حواری
 اپنی ضد پراڑے رہے۔ فرعون نے جادوگروں کے ایمان لاتے کا بھی بہت
 بڑا مانیا اور ان کو سخت سزا دینے کی دیکھی بھی دی، مگر ان کو اللہ نے ایمان پرست
 بخشی اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ تمہیں اب کچھ خوف نہیں ہے اور وہ اپنے
 پروردگار کی طرف ہی پلٹ کر جانے والے ہیں۔

اس واقعہ کے بعد تقریباً چالیس سال تک موسیٰ علیہ السلام مصر میں مقیم
 رہ کر اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے اور فرعون کو درس تو عید دیتے رہے آپ اس
 سے اسرائیلیوں کی آزادی کا مطالبہ بھی کرتے رہے تاکہ وہ اپنے اصل وطن شام
 و فلسطین جاسکیں مگر فرعون نے یہ مطالبہ تسلیم کرنے کی بجائے اسرائیلیوں کو مزید
 تکلیفیں دینا شروع کر دیں، بنی اسرائیل نے فرعون کے مظالم سے تنگ آ کر حضرت
 موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی **قَالُوا اَوْذَيْنَا مِنْ قَبْلِكَ اَنْ تَاْتِيَنَا
 وَمَنْ اَنْجِدُنَا مَا جِئْتَنَا (الاعراف - ۱۲۹)** کہ آپ کی مین سے واپسی سے
 پہلے بھی ہم تکلیف میں مبتلا تھے اور آپ کے آنے کے بعد بھی ہمارے مصائب
 میں کمی نہیں آئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تم صبر کرو
 اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے۔ زمین کا وارث بناتا ہے **وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ**
(الاعراف - ۱۲۸) اور آخری کامیابی متقین ہی کے حصے میں آتی ہے۔ سورۃ
 یونس میں اس مضمون کو مزید دردناک انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ فرعون نے لوگ
 بنی اسرائیلیوں کو کھلے بندوں نماز بھی نہیں پڑھتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ
 نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ مصر ہی میں اپنے گھروں میں رہو **وَاَجْعَلُوا**

بِیُوبَتِكُمْ قَبْلَهُ وَقَابِضُوا الصَّلَاةَ (آیت - ۸۷) اپنے گھروں میں قبلہ رخ نماز ادا کرتے رہو۔ اس دوران فرعون بنی اسرائیلیوں کو قتل کرتے رہے ان سے سخت مشقت کے کام لیتے رہے اور وہ بچاؤ کے علم کی چچی میں پلٹتے رہے۔ بعض اوقات جب فرعون بنیوں پر قحط سالی یا کوئی دوسری مصیبت آتی تو وہ موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست بھی کرتے اور ساتھ وعدہ بھی کرتے کہ اگر یہ تکلیف دور ہوگئی تو وہ آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آزاد بھی کر دیں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ان سے وہ تکلیف دور کر دیا تو وہ اپنے عہد کو توڑ دیتے۔ یہاں سے واقعات سورۃ یونس میں مذکور ہیں۔

اس مقام پر ان درمیانی واقعات کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ جا دو گھروں کے مقابلہ کا ذکر کرنے کے بعد بنی اسرائیل کے مصر سے خروج اور فرعون بنیوں کی ہلاکت کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَ اَوْحَيْنَا اِلَىٰ مُوسٰی اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی اِنَّ اَسْرٰی بَعِیْدَ اَدْحٰ کہ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ۔ اس رات کے سفر کو کہتے ہیں جیسا کہ واقعہ معراج بھی بیان کیا گیا ہے الَّذِیْ اَسْرٰی بَعِیْدَہ (بنی اسرائیل - ۱) پاک ہے وہ خدا تعالیٰ جو اپنے بندے کو رات کے وقت لے گیا۔ تو یہاں پر موسیٰ علیہ السلام کو رات کے وقت سفر کرنے کا حکم دیا گیا۔

بنی اسرائیل کے خروج کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ بنی اسرائیل ہر سال شہر سے باہر کھلے میدان میں چند دن کے لیے کوئی تقریب منایا کرتے تھے۔ اس مرتبہ بھی جب وہ دن قریب آئے تو انہوں نے جشن منانے کی تیاری شروع کی۔ قرآن پاک میں آتا ہے کہ انہوں نے تقریب کے موقع پر پہنتے کے لیے بعض قبیلوں سے کچھ زیورات بھی مستعار لیے۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو سمجھا دیا تھا کہ دوران سفر استعمال کے لیے خوراک کا مختصر ذخیرہ بھی ہمراہ لے لیں۔ ادھر کسی وبا کی مرض کی وجہ سے قبیلوں کے گھروں میں کچھ نوجوان موت

بنی اسرائیل
کا خروج

بھی واقع ہو گئیں جس کی وجہ سے وہ لوگ زیادہ تر اُدھر مصروف ہو گئے۔ اُدھر
 بنی اسرائیل کو راتوں رات بچکنے کا حکم مل گیا۔ فرعونی لوگوں نے اس بات کا زیادہ
 ٹوٹس نہ لیا وہ جانتے تھے کہ بنی اسرائیل ہر سال چند دن کے لیے حین منانے کے
 لیے جایا ہی کرتے ہیں۔ بہر حال بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ رات کے وقت نکل چلو
 اور ساتھ اس بات سے بھی آگاہ کر دیا گیا اِنَّكُمْ كَوْمٌ تَبِیُّوْنَ کہ تمھارا پیچھا
 کیا جائے گا، مگر گھبرا نہ نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں کامیابی عطا کرے گا۔

فرعون کی
 منصوبہ بندی

بنی اسرائیل کے خروج کے تین دن بعد فرعون نے یہ خیال آیا کہ اس مرتبہ
 سارے کے سارے بنی اسرائیلی میلے میں چلے گئے ہیں اور ان کا ایک فرد
 بھی پیچھے نہیں رہا، آخر بات کیا ہے؟ انہیں بنی اسرائیل کے فرار کا شبہ
 پیدا ہونے لگا چنانچہ فرعون نے فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کا تعاقب کر کے معلوم
 کیا جائے کہ وہ کہاں گئے ہیں فَارْسَلَ فِرْعَوْنَ فِي الْمَدَائِنِ
 حَشِیْشِیْمَ پِس بھیجا فرعون نے مختلف شہروں میں اکٹھا کرنے والوں کو۔
 منصوبہ یہ تھا کہ تمام فوجی جوان اور سرکردہ قبلی اکٹھے ہو کر بنی اسرائیل کا تعاقب
 کریں۔ آجکل کی اصطلاح کے مطابق پورے ملک میں ہنگامی حالت نافذ کر دی
 گئی۔ تمام سرکاری ملازمین اور فوجیوں کی چھٹیاں منسوخ کر کے انہیں اپنی اپنی ڈیوٹیوں
 پر حاضر ہو جانے کا حکم دے دیا گیا۔ بہت سے تیز رفتار گھوڑوں کے ذریعے فوجیوں
 سرکردہ عہدیداروں اور دیگر اہم لوگوں کو اکٹھا کیا گیا۔ اس وقت مصر میں ایک ہزار بڑے
 بڑے شہر اور بہت سی چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں۔ سب میں آدمی بھیج کر لشکر جمع کیا
 گیا۔ ان کو بنی اسرائیل کے تعاقب کے فیصلے سے آگاہ کیا گیا اور ساتھ ساتھ ڈھارس
 بھی بندھائی گئی کہ اس مہم سے گھبرا نہ نہیں اِنَّكُمْ كَوْمٌ تَبِیُّوْنَ كَشِیْرٌ ذِمَّةٌ
 قَلِیْلٌ لَّوْنَ یہ بنی اسرائیل ایک چھوٹی سی جماعت ہے جسے ہم نے پکڑنا ہے
 اور ہماری کثرت تعداد کے پیش نظر یہ ایک معمولی سا کام ہے۔ نیز اپنے لوگوں
 کو ابھارنے کے لیے یہ بھی کہا وَرَافِعُوْهُم لَّا غَآذِیْطُوْنَ اور بیشک

یہ بنی اسرائیلی بہین غصہ دلاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیلی کاراتون رات نکل جاتا فرعون کے لیے غصے کا باعث تھا، لہذا اُس نے اپنے حواریوں اور مولیوں کو تعاقب پر آمادہ کیا اور ساتھ یہ بھی کہا وَإِنَّا لَجَمِيعٌ خَذِرُونَ اور بیشک ہم سب ان سے خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے بھی کئی دفعہ بحث مباحثہ ہو چکا تھا اور آپ نے ہر دفعہ فرعونیوں کو لاجواب کیا حتیٰ کہ فرعون کے بڑے بڑے جادوگر بھی آپ پر ایمان لایچکے تھے، لہذا فرعون پوری اسرائیلی قوم کو اپنے لیے خطرہ محسوس کرتا تھا کہ یہ کسی بھی وقت اُس کا تختہ الٹ سکتے ہیں۔

مفسرین کہہ رہے ہیں کہ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ خَذِرُونَ کا معنی یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم مسلح ہیں۔ جیسا کہ جہاد کے ضمن میں آتا ہے کہ نماز پڑھتے وقت بھی خُذُوا حِذْرَكُمْ (النساء-۱۰۲) اپنے ضروری ہتھیار اپنے پاس رکھو کہ کہیں دشمن دورانِ نماز ہی حملہ نہ کرے۔ اس لحاظ سے یہ معنی بھی درست ہے کیونکہ فرعون کی پوری فوج ہتھیار بند تھی جب کہ اسرائیلی قوم غیر مسلح اور بے سرو سامان تھی۔

فرعونی لشکر کو جمع ہوتے ہوئے کئی دن گزر گئے اور اس اثنا میں بنی اسرائیل بحرِ قلزم کے کنارے پہنچ گئے۔ فرعونیوں کا بارہ تیرہ لاکھ کا لشکر اسرائیلیوں کے تعاقب میں چل پڑا۔ اسی واقعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَآخِرُ جَهَنَّمَ مَنْ جَدَّتْ وَعَيْوَابٌ ہم نے نکالا ان کو باغات اور چشموں سے مصر بڑا سرسبز ملک تھا اس میں ڈیم اور نہریں بنی ہوئی تھیں۔ دریائے نیل سارا سال بہتا تھا۔ زمین سیراب ہوتی تھی جس سے فصل اور باغات پیدا ہوتے تھے اس لیے اس کو باغات اور چشموں کی سرزمین کہا گیا ہے کہ ہم نے قبیلوں کو ایسی جگہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ وہ اپنے ڈیم نہریں اور چشمے، فصل سے بھر پور کھیت اور چھل سے لدے باغات کو چھوڑ کر اسرائیلیوں کے تعاقب میں چل کھڑے ہوئے وَكَتُونٌ وَمَقَامِرٌ ہم نے انہیں ختمہ اولیٰ اور عمدہ مکانوں سے نکالا۔ ظاہر ہے کہ خوشحال ملک کے باشندوں کے پاس

فرعون کی
طرف سے
تعاقب

مال و دولت اور خزانے بھی دافرہوں گے اور ان کی رہائش گاہیں بھی اعلیٰ درجے کی ہوں گی، جن میں ہر قسم کی آرام و آسائش ہوگی۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ہم نے انہیں ایسی جگہوں سے نکال کر تھرقلندرم کی لہروں کے سپرد کر دیا اور پھر وہ لوٹ کر اپنے باغات اور گھروں میں واپس نہ آئے۔ فرمایا، كَذٰلِكَ هَمَّ نُنَالُكَ ہم نے ان کو اسی طرح نکالا، جس کا نعتہ سورۃ ہود میں کیسبیا گیا ہے يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْدَدَهُمُ السَّارُ (آیت - ۹۸) کہ آگے آگے فرعون تھا اور اُس کے پیچھے پیچھے سارا لشکر اور مولیٰ درباری تھے فرمایا قیامت والے دن بھی ایسا ہی ہوگا کہ فرعون آگے آگے چل رہا ہوگا۔ اس کا سارا لشکر اُس کے پیچھے پیچھے ہوگا۔ جنہیں لے کر وہ دوزخ میں پہنچ جائے گا۔

بنی اسرائیل کی کج نیت
ورثانے مصر

فرمایا ہم نے فرعونوں کو ان کے باغات، چشموں، خزانوں اور عمدہ ٹھکانوں سے نکالا وَ اَوْدَتْنٰهَا بَنِي اِسْرٰءِیْلَ اور ان چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا۔ مفسرین کے نزدیک یہ حصہ آیت اس لحاظ سے اشکال پیدا کرنے والا ہے کہ فرعونوں کی بجزقلندرم میں غرقابی کے بعد بنی اسرائیل تو ان کی املاک کے وارث نہیں بنے مگر یہاں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو وارث بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل بجزقلندرم کو مچھرتی راستوں کے ذریعے بچے تو پھر وہ واپس مصر نہیں آئے بلکہ آگے بھاڑے سینا پہنچ گئے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَرْتَبِعِينَ سَنَةً يَتِيمَهُمْ فِي الْاَرْضِ (المائدہ - ۲۶) چالیس سال تک میں بھٹکتے رہے ان کے لیے حکم یہ تھا کہ ارض مقدس میں واپسی کے لیے وہاں کے قابضین سے جہاد کریں مگر انہوں نے پس و پیش کیا اور کہنے لگے کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو، ہم تو یہیں بیٹھیں گے۔ اسی دوران موسیٰ اور ہارون علیہما السلام فوت ہو گئے۔ پھر نئی نسل آئی اور انہوں نے حضرت یوشعؑ کی سرکردگی میں جہاد کیا اور ارض مقدس شام و فلسطین پر دوبارہ قابض ہوئے۔

اس ضمن میں مفسر قرآن حضرت قتادہ کے قول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ممکن ہے بنی اسرائیل صحرا نے سینا کی قید کے بعد دوبارہ مصر گئے ہوں اور انہوں نے فرعونوں کی اہلک پر قبضہ بھی کیا ہو جس کا ذکر اس آیت میں اللہ نے کیا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جب فرعون غرق ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ اس کا بارہ تیر لاکھ کا لشکر بھی لقمہ اجل بن گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے کچھ اسرائیلیوں کو واپس مصر بھیج دیا تھا تاکہ جا کر وہاں کا نظم سنبھال لیں کیونکہ فرعونوں کی اکثریت اور ان کے سرکردہ لوگ تو ختم ہو چکے تھے اور مصر میں نظم و نسق کا خلا پیدا ہو گیا تھا۔ مگر ان میں سے کوئی بھی روایت پایا ثبوت کو نہیں پہنچتی، کیونکہ بنی اسرائیل اُس وقت واپس مصر نہیں گئے۔ بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں انہیں مصر پر دوبارہ اقتدار حاصل ہوا جو کہ بہت عرصہ بعد کی بات ہے۔ تاریخی لحاظ سے بھی فرعون کی طاقت کے بعد مصر پر قبضہ کو ہی اقتدار حاصل رہا۔ حتیٰ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں مصر دوبارہ آپ کے زیر نگیں آیا۔

اندریں حالات مفسرین کرام اس آیت کا حل یہ پیش کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو باغات، چشموزں اور محلات و حراٹن کا وارث مصر میں نہیں بلکہ شام و فلسطین میں بنایا تھا۔ یہ سبز زمین بھی بڑی زرخیز ہے جہاں دریا، نہریں اور چشمے جاری ہیں۔ اناج، پھل اور پھل ہوتے ہیں۔ لوگ خوشحال ہیں، خزانوں اور عمدہ رہائش گاہوں کے مالک ہیں، تو اس وراثت سے مراد ارض مقدس کی وراثت ہے نہ کہ مصر کی۔ چنانچہ سورۃ الدخان میں آتا ہے

قَاوْرَتْهَا قَوْمًا الْخَيْرِيْنَ (آیت - ۲۸) وہاں پر باغات، چشموزں کھیتی باڑی اور محلات کا ذکر ہے کہ ہم نے دو سروں کو اس کا وارث بنایا۔ دو سروں میں اسرائیلیوں کا ذکر نہیں ہے، البتہ یہ نعمتیں انہیں ملک شام میں جا کر حاصل ہوئیں۔ بنی اسرائیل میں بہت سے انبیاء مبعوث ہوئے،

بڑے بڑے بادشاہ اور جرنیل پیدا ہوئے۔ پھر حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا دور آیا۔ مختلف اقوام سے مقابلہ ہوا۔ اس کے بعد بخت نصر نے پھر ان پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اور انہوں نے سو سال تک غلامی کی زندگی بسر کی۔ اس کے بعد اللہ نے پھر انہیں اس غلامی سے رہائی دلائی اور ان نعمتوں کا وارث بنایا جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس حصہ آیت کا یہی معنی راجح ہے۔

فَاتَّبَعُوهُمْ مُّشْرِقِينَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعِينَ قَالَ
 أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرِكُونَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّاهُ إِنِّ مَعِيَ
 رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿۶۲﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ اضْرِبْ
 بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ
 الْعَظِيمِ ﴿۶۳﴾ وَأَزَلَفْنَا ثُمَّ الْآخِرِينَ ﴿۶۴﴾ وَأَنْجَيْنَا
 مُوسَىٰ وَمَنْ مَّعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ أَعْرَفْنَا الْآخِرِينَ ﴿۶۶﴾
 إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۶۷﴾
 وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۶۸﴾

ترجمہ:- پھر پیچھے آئے وہ اُن کے سورج نکلنے کے وقت ﴿۶۰﴾
 جب آمنے سامنے ہوئیں دونوں جماعتیں تو کہا موسیٰ علیہ السلام
 کے ساتھیوں نے بیشک ہم تو پکڑے گئے ﴿۶۱﴾ کہ
 موسیٰ نے (ہرگز نہیں۔ بیشک میرے ساتھ میرا پروردگار ہے
 وہ ضرور مجھ کو راہ بتلایگا ﴿۶۲﴾ پھر وحی نازل کی ہم نے
 موسیٰ علیہ السلام کی طرف کہ مارو اپنی لاکھی سمندر پر۔ پس پھٹ
 گیا وہ۔ پس ہو گیا ہر ایک حصہ ایک بڑے پہاڑ کی
 طرح ﴿۶۳﴾ اور پایا ہم نے دلوں پر دوسروں کو ﴿۶۴﴾
 اور نجات دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھ

دالوں سب کو (۶۵) پھر ہم نے پانی میں ڈبو دیا دوسروں کو (۶۶) بیشک اس میں البتہ نشانی ہے۔ اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں (۶۷) اور بیشک تیسرا پروردگار البتہ زبردست اور رحم کرنے والا ہے (۶۸)

رابط آیات

گذشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جائیں اور ساتھ یہ بھی بتلادیا کہ فرعون کا لشکر آپ کا تعاقب کرنے کا۔ حسب الحکم موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ جیسا کہ پہلے درس میں بیان ہو چکا ہے کہ بنی اسرائیل ہر سال خاص دنوں میں اپنا قومی میلہ منایا کرتے تھے۔ حسب معمول اس سال بھی انہوں نے شہر سے باہر جا کر جین من نے کا پروگرام بنایا اور اس سلسلے میں بعض نے قبطیوں سے زیورات بھی مانگے جو انہوں نے بخوشی دے دیے۔ پروگرام کے مطابق موسیٰ علیہ السلام جمع قوم بنی اسرائیل مصر سے نکل گئے اور چلتے چلتے بحر قلزم کے کنارے پر پہنچ گئے۔ اب انہیں اپنے وطن ارض مقدسہ شام و فلسطین پہنچنا تھا مگر راستے میں بحر قلزم پڑنا تھا، اس دوران میں فرعون نے کوشش کرنا کہ بنی اسرائیلی کہیں بھاگ ہی نہ جائیں۔ چنانچہ فرعون نے بڑے بڑے شہروں میں گھڑ سوار دوڑائے تاکہ وہ تمام چھاؤنیوں سے فوج کو اکٹھا کریں اور ساتھ ساتھ ملک کے سرکردہ آدمیوں کو بھی بلا لائیں تاکہ بنی اسرائیل کا تعاقب کر کے انہیں پکڑا جاسکے۔ اس حکم کی تعمیل میں دو تین دن گزر گئے۔ اتنے میں بنی اسرائیل بحر قلزم کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ فرعون نے تمام جمع شدہ فوج اور دیگر سرکردہ لوگوں کو بتلایا کہ بنی اسرائیل کی ایک قبیلہ سی جاعت ہمیں تنگ کرتی ہے اور اب وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ ہمیں بہت غصہ دلا ہے ہیں۔ لہذا ان کا تعاقب کر کے انہیں اپنی غلامی میں لے کر مجبور کرنا چاہیے۔ سب فرعونوں نے اس تجویز کی حمایت کی اور وہ بنی اسرائیل کے تعاقب میں چل نکلے۔ اب آج کے درس میں واقعہ کا اگلا حصہ بیان کیا جا رہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے فَاتَّبَعُوا لَّهُمْ مُشْرِقِينَ فرعونوں نے سورج کے نکلنے کے وقت ہی بنی اسرائیل کا تعاقب شروع کر دیا۔ وہ بڑی شان و شوکت سے بنی اسرائیل کو کوٹھس ہنس کرنے کے ارادے سے نکلے اُن کی کل تعداد تفسیری روایات کے مطابق بارہ تیرا لاکھ تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ اُن میں سے ایک لاکھ تو صرف سیاہ رنگ کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق سیاہ رنگ کے گھوڑوں کی تعداد آٹھ لاکھ تھی۔ تاہم یہ روایات قابلِ اعتماد نہیں کیونکہ قرآن پاک یا کسی صحیح روایت میں ان کی تعداد نہیں بتائی گئی۔ بہر حال یہ شکر تعاقب کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے قریب پہنچ گیا فَلَمَّا نَظَرَ الْجَمْعَ مِنْ جِيبِ دُونِ جَمْعَتَيْنِ نے ایک دوسری کو دیکھا قَالَ اصْحَابِ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُحَدَّرُونَ تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے کہ اب تو ہم بچنے کے لئے ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل سمندر کے کنارے کھڑے تھے۔ سمندر میں کود جانے کے لیے ان کے پاس کوئی کشتیاں بھی نہیں تھیں اور پیچھے سے فرعون کا لشکر بھی پہنچ گیا تو اُن کی تشویش ایک قطری اسرختا انہوں نے گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام سے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔ موسیٰ علیہ السلام حکم الہی کی تعمیل میں مصر سے نکلے تھے۔ لہذا انہیں اللہ تعالیٰ کی اعانت پر بھروسہ کرنا چاہیے انہوں نے قوم کو تسلی دیتے ہوئے قَالَ كَلَّا فَمَا لِفِرْعَوْنَ يُغْتَابِلُ الْفِرْعَوْنَ نہیں پہنچا سکتا کیونکہ اس کا مقابلہ میرا ہے میرے ساتھ ہے۔ ہم اسی کے حکم سے مصر سے نکلے ہیں۔ اسی کی مدد ہمارے شامل حال ہے سَيَكْفُرُونَ بِوَعْدِ رَبِّكَ وہ ضرور مجھ کو راہ بتلائے گا۔ یعنی ہمارے بچاؤ کی کوئی سبیل پیدا کرے گا۔ بالکل اسی قسم کا واقعہ حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آیا ہے ہجرت پر روانہ ہوتے وقت جب حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے غار ثور میں قیام فرمایا تو قریش مکہ آپ کی تلاش میں غار کے مرنے تک پہنچ گئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے پاؤں بھی نظر آئے تھے۔ اگر وہ نیچے جھک کر دیکھ لیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پا لیتے مگر انہیں ایسا کرنے کی توفیق نہ ملی۔ غار کے منہ پر پتھر کی جال باندھی اور وہ

سمجھ رہے تھے کہ اس غدار کے اندر کسی شخص کے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا
 بہر حال اس نازک موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی پریشانی بجا تھی۔ چونکہ حضور ﷺ
 بھی اپنے پروردگار کے حکم سے ہجرت کے لیے نکلے تھے، اس لیے انہیں
 بھی خدا تعالیٰ کی نصرت پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ آپ نے صدیق اکبرؓ کو ان الفاظ
 کے ساتھ تسلی دی **لَا تَخَفَنَّ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا** (التوبہ - ۴۰) آپ خوف
 نہ کھائیں، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ وہی ہیں دشمنوں سے بچانے کا۔
 وہاں آپ نے صدیق اکبرؓ کو شامل کر کے جمع کا صیغہ **مَعَنَا** فرمایا جب کہ
 آیت زہیرہ میں موسیٰ علیہ السلام نے صیغہ **وَاحِدًا** استعمال کیا ہے مطلب
 یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے اور میری وساطت سے پوری قوم کا حامی و
 ناصر ہے۔

اس پریشانی کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوئی **فَاَوْحَيْنَا إِلَىٰ**
مُوسَىٰ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی **إِنِّي اصْطَرَيْتُ لَكَ الْبَحْرَ**
 کہ اپنی لالٹھی کو سمندر پر مار رہا ہے وہی متبرک لالٹھی تھی جسے مغلیہ کے میدان میں پھینکا
 تھا تو یہ بہت بڑا اثر دھائیں گئی اور پھر اس نے جادو گروں کے بنائے ہوئے تمام
 سانپوں کو نکل لیا۔ اب اس کو پانی پر مارنے کا حکم ہوا۔ جو نہی آپ نے پانی پر لالٹھی ماری
فَانْفَلَقَ تو پانی پھٹ گیا لالٹھی مارنے کی جگہ کے اطراف میں پانی منجمد ہو کر پیٹروں
 جیسے بڑے بڑے برف کے توڑوں کے شکل میں کھڑا ہو گیا اور بیچ میں چلنے
 کے لیے راستہ بن گیا۔ فرمایا **فَكَانَ كُلُّ قَرِيْقٍ كَالظُّلْمِ الْعَظِيمِ**
 پانی کا ہر حصہ بڑے بڑے پیٹروں کی مانند کھڑا ہو گیا۔ بنی اسرائیل کے بارہ
 قبیلے تھے اور سمندر میں بارہ راستے بن گئے تاکہ ہر قبیلہ ایک ایک راستے پر چلتا
 ہو اور سمندر کو عبور کر لے۔

حضرت قادہؓ فرماتے ہیں کہ اس رات اللہ تعالیٰ نے دریا کی طرف پہلے
 ہی وحی بھیج دی تھی کہ جب میرے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام آئیں اور تجھے لالٹھی ماری

توان کی سُننا اور ماننا۔ چنانچہ سمندر رات بھر تلاطم میں رہا۔ اس کی موجیں اُدھر اُدھر
 سرکراتی رہیں کہ نامعلوم موسیٰ علیہ السلام کب اور کدھر سے آکر مجھے لاسٹی مار دیں
 اور مجھے خبر ہی نہ ہو جس کی وجہ سے اُن کے حکم کی تعمیل نہ ہو سکے۔ جب آپ
 سمندر کے بالکل کنارے پر پہنچ گئے تو آپ کے ساتھی یوشع بن نون علیہ السلام نے
 پوچھا، اللہ کے نبی! آپ کو کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے سمندر پر لاسٹی
 مارنے کا حکم ہے۔ انہوں نے کہا پھر دیکھ کیا ہے؟ پھر موسیٰ علیہ السلام نے پانی
 پر لاسٹی مار کر کہا کہ مجھے چلنے کا راستہ مے مے بس اسی وقت پانی پھٹ گیا
 اور درمیان میں بارہ راستے صاف نظر آنے لگے۔ ہوا کو حکم ہوا کہ ان راستوں کو خشک
 کر کے چلنے کے قابل بنا دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر بارہ راستوں کے درمیان
 طاق بھی بن گئے۔ جن کے ذریعے بارہ قبائل ایک دوسرے کو دوران سفر
 دیکھ سکتے تھے

بائبل کا بیان ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنا ہاتھ بلاؤ۔ جب آپ نے
 ایسا کیا تو ہوائے پانی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ درست نہیں ہے بلکہ لاسٹی مارنے
 والا واقعہ درست ہے۔ بعض سرسید جیسے گمراہ لوگوں کی نام تہا و تحقیق یہ ہے
 کہ سمندر میں مدوجزر جیسے حالات پیدا ہو گئے تھے۔ مدوجزر میں سمندر کا پانی گئی گئی
 میل تک خشکی پر چڑھ جاتا ہے اور پھر واپس بھی چلا جاتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ
 سمندر کا پانی جذب کی حالت میں پیچھے ہٹ گیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی
 اس کو پار کر گئے۔ پھر جب مد آیا تو فرعون نے لشکر عرق ہو گیا۔ یہ سب محض باتیں ہیں
 صحیح بات یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے لاسٹی ماری تو پانی دو حصوں
 میں تقسیم ہو کر بڑے بڑے پہاڑوں جیسے برف کے ٹودوں کی شکل میں کھٹھرا ہو
 گیا اور درمیان میں بارہ راستے بن گئے۔ جن پر سے نبی اسرائیل گزر گئے۔

ارشاد ہوتا ہے وَأَزَلْنَا سَمَّ الْآخْرَيْنِ پھر ہم نے پہنچا دیا
 وہاں پر دوسروں یعنی فرعونوں کو۔ جب فرعون اور اس کے لشکر نے دیکھا کہ

فرعونوں کی
 عشرت قافی

بنی اسرائیل سمندر کے پتھروں پہنچ گئے ہوئے راستوں پر جا رہے ہیں تو انہوں نے بھی پیچھے جانا چاہا۔ پہلے تو انہوں نے کچھ پس و پیش کیا مگر عید کا رولایت میں آتے ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام سیاہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور انہوں نے اپنا گھوڑا فرعون کے گھوڑے کے آگے لگا دیا جسے دیکھ کر فرعون کا گھوڑا بھی سمندر میں اتر گیا اور پھر اس کے پیچھے سارا لشکر اسی راستے پر چل نکلا۔ جب وہ سارے کے سارے سمندر کے اندر پہنچ گئے تو اتنے میں بنی اسرائیل سمندر کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہنچ چکے تھے جب آخری اسرائیلی خٹیا پر پہنچا تو عین اسی وقت آخری فرعون سمندر میں اتر چکا تھا۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے سمندر کا منجن پانی پھر سے آپس میں مل گیا۔ نتیجہ یہ ہوا وَاجْبَحَيْنَا هُوْسَى وَمَنْ مَعَهَا اَجْمَعِيْنَ کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے تمام ساتھیوں کو بچا لیا۔ ان میں سے فرد واحد بھی ضائع نہ ہوا۔ ثُمَّ اَعْرَفْنَا الْاَحْرَابَ پھر ہم نے دوسروں یعنی فرعونوں کو سمندر میں ڈبو کر ہلاک کر دیا۔ فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّاَسْمَاعِ واقعہ میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے فرمانبرداروں کو محفوظ رکھتا ہے اور نافرمانوں کو نیرت و نابود کر دیتا ہے۔ فرمایا حقیقت یہ ہے کہ اس فہم کی بیشمار نشانیاں دیکھنے کے باوجود وہ ماکان اَكْتَرُ هُمْ مَوْجُوْدِيْنَ لوگوں کی اکثریت ایمان سے خالی رہتی ہے۔ آج پوری دنیا میں دیکھ لیں پانچ ارب کی آبادی میں سے غالب اکثریت کفر و شرک میں مبتلا ہے اور ایمان سے خالی ہے ایک قلیل تعداد ایمان کی دولت سے مالا مال ہے۔ باقی سب بے دین اور ملحد ہیں۔ فرمایا اِنَّ رَبَّكَ لَهٗوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ بیشک تیرا پروردگار غالب بھی ہے اور از حد مہربان بھی ہے۔ وہ ہر نافرمان، مشرک اور کافر کے لیے زبردست اور اُس کو سزا دینے پر قادر ہے جب کہ ہر اطاعت گزار کے لیے نہایت شفیع اور مہربان ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ
 وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ
 لَهَا عَافِيَةً ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿٧٢﴾
 أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يُضُرُّونَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا
 كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٧٤﴾ قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ
 تَعْبُدُونَ ﴿٧٥﴾ أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ الْأَقْدَامُونَ ﴿٧٦﴾ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ
 لِلرَّبِّ الْعَلِيمِينَ ﴿٧٧﴾

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) آپ ان کو ابراہیم علیہ السلام کی خبر
 سنا دیں ﴿۶۹﴾ جب کہا اُس نے اپنے باپ سے اور اُس کی قوم
 سے کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو ﴿۷۰﴾ کہا انہوں نے ہم
 سورتیوں کی پوجا کرتے ہیں۔ پس ہم سارا دن ان کے سامنے
 جھکے رہتے ہیں ﴿۷۱﴾ کہا (ابراہیم علیہ السلام نے) کیا وہ تمہاری
 بات کو سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ ﴿۷۲﴾ یا تم کو نفع
 پہنچاتے ہیں یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ ﴿۷۳﴾ انہوں نے کہا، نہیں
 بلکہ پایا ہے ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو، وہ اسی طرح کرتے
 تھے ﴿۷۴﴾ کہا (ابراہیم علیہ السلام نے) بھلا کیا تم دیکھتے ہو جن
 چیزوں کی تم عبادت کرتے رہے ہو ﴿۷۵﴾ تم بھی اور تمہارے
 پہلے آباؤ اجداد بھی ﴿۷۶﴾ پس وہ میرے دشمن ہیں مگر رب العالین

(میرا دوست ہے) (۷۷)

گذشتہ تین رکوع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بالتفصیل ربطاً آیات بیان فرمائے۔ اس سورۃ مبارکہ میں موسیٰ علیہ السلام کے حالات اُن کی فرعون کی طرف روانگی سے شروع ہوئے۔ اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ فرعون اور اس کی ظالم قوم کو میرا پیغام توحید سناؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ مہربان علیہ السلام کی تائید چاہی اور ساتھ یہ خدمت بھی ظاہر کیا کہ میں نے اُن کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا شاید کہ وہ مجھے بھی نہ مار ڈالیں۔ اللہ نے تسلی دی تو آپ فرعون کے پاس پہنچے، اپنی رست کا اعلان کیا اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا۔ فرعون نے آپ پر بچپن میں کیے گئے اجناساتِ یاد دلائے اور کہا کہ تو ہماری ناشکری کا مرتکب ہو رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو میرے رب کا احسان ہے کہ اُس نے مجھے تمہارے ظلم سے بچایا اور نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا فرعون کے استفسار پر رب العالمین کا تعارف بھی کہلایا کہ وہ وہی ہے جس نے تمہیں اور تمہارے آباؤ اجداد کو پیدا کیا اور وہ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ فرعون نے کہا کہ اگر تو نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو تجھے قید میں ڈال دوں گا۔ پھر فرعون کے مطالبہ پر اپنے عصا اور پیر بیضا کے معجزات پیش کئے۔ فرعون نے مقابلہ کے لیے ملک بھر سے جادوگر اکٹھے کیے۔ تمام لوگوں کی موجودگی میں ایک کھلے میدان میں موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے درمیان مقابلہ ہوا جس میں موسیٰ علیہ السلام غالب آئے اور جادوگر موقع پر ہی ایمان لے آئے۔ پھر اللہ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر راتوں رات نکل کھڑے ہوئے فرعون کے لشکر نے پھینچا کیا تو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاشی پانی پر پار لیا کہرنے سے سمندر میں بارہ خشک راستے بن گئے جن کے ذریعے بنی اسرائیل سمندر پار جانے کے لیے چل پڑے۔ لشکر فرعون بھی اپنی راستوں پر سمندر میں اتر آیا مگر اللہ نے سب کو جمع فرعون غرق کر دیا اور اس طرح بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے آزاد ہو

گئے۔ اب اگلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت
توصیف کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے اپنے باپ اور قوم کے سامنے پیش کی اور
عقلی دلائل دیے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے اور جن بتوں کی تم لو جا کرتے
ہو انہیں کچھ اختیار نہیں اور وہ تمہارے کچھ کام نہیں آسکتے

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر پیغمبر میں جنہیں جد الانبیاء بھی کہا
جاتا ہے۔ آپ عراق کے قصبہ ہرمز حیدر میں پیدا ہوئے۔ مؤرخ ابن سعد کی
روایت کے مطابق آپ کے والد کا نام آرخ اور لقب آذر تھا۔ واصل آذر ایک
بت کا نام تھا اور اسی لقب سے آپ کے شہرت پائی۔ قرآن میں دو سرے مقام پر آپ
کے باپ کے لیے آذر کا لفظ آیا ہے۔ جیسے فرمایا **وَإِذْ قَالَ آبُ إِبْرَاهِيمَ لَأُبْرِئُ
أَنْفِ (الانعام ۷۷) اذ خود بت ساز بت پرست اور بت پرستی کا مرکز اور پوری قوم کا
مخبر بن چکے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے والد اور قوم سے جدا ہو کر دریائے فرات
کے مغربی کنارے پر اور کلدانیوں کی بستی میں کچھ عرصہ رہائش پذیر رہے۔ آپ کی
بیوی حضرت سارہ اور آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ
تھے۔ یہاں سے آپ ہران کی طرف چلے گئے اور پھر اگے فلسطین کے
مغربی حصے میں کنعانیوں کے زیر اثر شہر تاملین میں قیام کیا۔ پھر وہاں سے مغرب
کی جانب مصر چلے گئے۔ مصر میں ملک جبار والا واقعہ پیش آیا جو بخاری اور مسلم
میں مذکور ہے۔ فرعون بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرح ساجی نسل سے تعلق رکھتا
تھا۔ جب اُس نے حضرت سارہ کی بددعا اور اُن کی کمر امت کو دیکھا تو اپنی
بیٹی ہاجرہ کو ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ خاندان ابراہیم اللہ کے
نزدیک ایک مقرب خاندان ہے اور اگر اُس کی بیٹی حضرت سارہ کی خدمت بھی
کریگی تو اُس کے لیے باعث سعادت ہوگی۔ بعض بنی اسرائیلی کہتے ہیں کہ حضرت
ہاجرہ بادشاہ مصر کی لونڈی تھی اور اس طرح اسماعیلی خاندان کی لونڈی کی اولاد میں جو کہ
درست نہیں ہے۔ بعض یہودی علماء بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ یا تو خود**

ابراہیم کے
ابتدائی حالات

فرعون مہر کی بیٹی تھی یا پھر کوئی دوسری شہزادی تھی جو فرعون کے قبضہ میں تھی۔ حضرت مولانا الفرشاہ کشمیری نے یہی بیان فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

ابراہیم علیہ السلام کی مادری زبان سربانی تھی مگر جب آپ اور کلہ انبیین پہنچے تو وہاں پر عبرانی زبان بولی جاتی تھی لہذا آپ یہ زبان بھی بولنے لگے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ متعدد و انبیاء کا سلسلہ وابستہ تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام آپ کے بیٹھے تھے جن کو اللہ نے شرق اردن کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام آپ کے حقیقی فرزند اور اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت اُس وقت ہوئی جب ابراہیم علیہ السلام اسی یا تراسی سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ پھر جب آپ کی عمر سو سال ہوئی تو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کل دو سو سال عمر پائی اور اس دوران آپ کے پوتے یعقوب علیہ السلام بھی پیدا ہو چکے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر قرآن پاک کی پچیس مختلف سورتوں میں آیا ہے۔ سورۃ الانبیاء میں خصوصیت کے ساتھ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اوائل عمر میں محمد، بوحیہ، رشد و ہدایت اور بصیرت نے نواز دیا تھا۔ آپ ابتداء ہی سے بت پرستی کے سخت خلاف تھے اور آپ کو یقین تھا کہ یہ مورتیاں نہ تو سن سکتی ہیں۔ نہ دیکھ سکتی ہیں اور نہ کسی کی بچار کا جواب دے سکتی ہیں۔ بگڑھی اور چمقر کے بنے ہوئے یہ بت کسی نفع و نقصان کے مالک نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوتِ توحید کا آغاز اپنے والد اور خاندان سے کیا۔ آپ نے نہایت نرمی اور لطافت کے ساتھ پند و نصیحت کا حق ادا کیا مگر باپ نے کوئی بات نہ مانی بلکہ دھکے دیکر گھر سے باہر نکال دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے توحید کے حق میں بڑے جاندار اور وزنی دلائل پیش کئے مگر پوری قوم ان کا جواب دینے سے قاصر تھی۔ آخر انہوں نے وہی جہال والا طریقہ اختیار کیا اور آپ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے لگے۔ غرود نے سات سال تک آپ کو قید میں بھی رکھا مگر آپ دعوتِ توحید

جینے سے باز نہ آنے والا آخر اُس نے آپ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لیے بہت بڑا آگ کا آلاؤ جلا کر آپ کو اُس میں پھینک دیا گیا مگر اللہ نے وہاں بھی آپ کو صحیح سلامت رکھا اور مشرکین کی ہر تدبیر کو ناکام بنایا۔ آپ عراق سے ہجرت کر کے شام و فلسطین پہنچے اور تین دفعہ مکہ مکرمہ کا سفر بھی اختیار کیا۔ آپ نے اپنی دوسری بیوی ماجرہؓ اور نومولود بچے اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں آباد کیا، خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور حج کا اعلان فرمایا حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کی پہلی بیوی سارہؓ سے تھے جو کہ سو سال کی عمر میں پیدا ہوئے۔ سارہ کی وفات کے بعد آپ نے سنی کنعان کی ایک خاتون قنظورہ سے نکاح کیا جس سے چار فرزند پیدا ہوئے۔ اس کے بعد ایک اور خاتون حورنی سے نکاح کیا جس سے سات بیٹے پیدا ہوئے۔ اس طرح آپ کے جملہ بیٹوں کی تعداد تیرہ بنتی ہے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق آپ کی والدہ کا نام نزام بنت کر بنایا بیونا تھا۔

درس فیجید

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے اُس درس توحید کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے اپنے باپ اور قوم کو دیا۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ لِي ذُرِّيَّتًا نَّاصِحَةً وَّارِثَةً وَأَبْرَأِ بَنِيَّ لِمَن كَفَرَ بِهِمْ وَأَبْرَأِ لِي مِن مَّن كَفَرَ بِهِمْ وَأَبْرَأِ لِي مِن مَّن كَفَرَ بِهِمْ وَأَبْرَأِ لِي مِن مَّن كَفَرَ بِهِمْ۔ یہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور ان کے دین حنیف کے پیروکار ہونے کے دعویدار ہیں۔ ذرا ان پر واضح کر دیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے کونسا دین پیش کیا اور تم کہاں جا پینچے ہو۔ تمہیں تو دین ابراہیمی سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ جب کہ کہا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے مَا تَعْبُدُونَ تم کس چیز کی پوجا کرتے ہو؟ قَالُوا نَعْبُدُ آبَاءَنَا وہ کہنے لگے کہ ہم تو ان بتوں کی پوجا کرتے ہیں فَقَالَ لَهُمْ كَفَرْتُمْ پس تم متواتر انہی پر ٹھیکے رہتے ہیں۔ صنم وہ بت ہوتا ہے جو کسی انسان یا جانور یا پتھر یا نسلے کی شکل پر بنا لیا ہو اور وہ بت ہوتا ہے جو ان گھڑا پتھر، لکڑی وغیرہ

ہو مشرکین مکر نے بھی مختلف ناموں اور مختلف شکلوں پر بیشمار بت تراش رکھے تھے
 حتیٰ کہ بیت اللہ شریف کی دیواروں کے ساتھ بھی تین سو ساٹھ بت لگا رکھے تھے
 اور ہر وقت ان کی پوجا پاٹ میں لگے رہتے تھے کبھی ان کو غسل دیتے۔ کبھی کپڑے
 پہناتے، کبھی ان کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے اور کبھی ان سے حاجت روائی
 اور مشکل کشائی کے طالب ہوتے۔ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کے مشرکوں کا بھی
 یہی حال تھا کہنے لگے کہ ہم تو ہمہ وقت ان بتوں کی پوجا کرتے رہتے ہیں۔
 اب ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کے ضمیر کو بھینچنے کے لیے چوڑ
 لگائی۔ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَ كُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ كَيْفَ لَكُمْ بِمَا تَعْبُدُوْنَ
 کو سنتے ہیں جب کہ تم ان کو پکارتے ہو؟ ظاہر ہے کہ وہ تو مٹی، پتھر اور دھات
 کی بنی ہوئی مورتیاں تھیں، بھلا وہ کیسے کسی کی پکار کو سن سکتی تھیں۔ مشرکین لاجواب
 تھے، وہ بتوں کی سماعت کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے پھر ابراہیم علیہ السلام نے دوسرے
 سوال کیا اَوْ يَنْفَعُونَ كُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ اَوْ دُونَ ذَلِكَ يَتَّبِعُونَ اَنْفُسَهُمْ
 پہنچا سکتے ہیں۔ آخر بتاؤ تو سہی کہ تم کس مقصد کے لیے ان بتوں کی پرستش کر رہے ہو؟
 جب مشرکوں سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو وہی اندھی تقلید والی پرانی رٹ لگائی
 قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آٰبَاءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ كُنْتُمْ لَكُمْ، بلکہ ہم
 نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طرح کرتے پایا ہے۔ وہ بھی ان بتوں کی پوجا کرتے تھے
 ان کو نذر و نیاز پیش کرتے تھے اور پھر ان سے مرادیں مانگتے تھے، ہم بھی ایسا
 ہی کرتے ہیں۔ ہم کسی دلیل کو نہیں جانتے۔ مشرکوں کی یہ جیلہ سازی اللہ نے قرآن
 میں جگہ جگہ بیان فرمائی ہے۔ سورۃ الانبیاء میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے
 مشرکوں سے پوچھا کہ تم ان مورتیوں کی پوجا کیوں کرتے ہو قَالُوا وَجَدْنَا
 آٰبَاءَنَا لَهَا عِبَادَةً (آیت - ۵۳) کہنے لگے ہم نے اپنے باپ دادا کو
 ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا تو ہم بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔ تقریباً ہی الفاظ سورۃ
 الشعراء اور سورۃ الزمر میں بھی ہیں۔ سورۃ بقرہ میں بھی مشرکوں کا یہی جواب بیان کیا

گیا ہے کہ ہم تو اس چیز کا اتباع کرتے ہیں جس پر ہم نے اپنے اباؤ اجداد کو پایا۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا: **أَفَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ** (البقرہ - ۱۷۰) اگرچہ تمھارے باپ دادا بے عقل اور اور غیر راہِ راست یافتہ ہوں تو پھر بھی انہی کے نقش قدم پر چلو گے؟ بہر حال مشرکین نے ابراہیم علیہ السلام کو یہی جواب دیا کہ ہم نے تو اپنے اباؤ اجداد کو اسی طرح بتوں کی پوجا کرتے پایا ہے، لہذا ہم بھی ویسے ہی کیے جا رہے ہیں۔

پھر ابراہیم علیہ السلام نے دو سے طریقے سے قوم کو سمجھانے کی کوشش کی **قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ** کہنے لگے، کیا تم نے دیکھا ہے یعنی کیا تمہیں خبر ہے کہ جن کی تم پوجا کرتے ہو انتم **وَأَبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ** تم بھی اور تمھارے پہلے آباؤ اجداد بھی ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ **فَأَنْهَضُوا عَنْهُمْ** یہ سب میرے تو دشمن ہیں۔ چونکہ میں مؤحد ہوں اور ان کی مذمت بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لہذا یہ بھی میرے دوست نہیں ہو سکتے

الَّذِينَ كَفَرُوا

سوائے تمام جانوں کے پروردگار کے کہ وہی میرا دوست ہے اور وہی میرا کارساز ہے۔ میں نے اسی کے حکم کے مطابق ان تمام جھوٹے معبودوں کی دشمنی لی ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا بلکہ ان سب کے مقابلے میں اکیلا ہی میری مدد کرے گا اور ان سب پر غالب بنے گا۔

ابراہیم علیہ السلام کا
اعلانِ حق

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي
 وَيَسْقِينِ ﴿۷۹﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِي
 يُمَيِّتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي
 خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَالْحَقِّقْ
 بِالصَّالِحِينَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ﴿۸۴﴾
 وَاجْعَلْ لِي مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿۸۵﴾ وَاعْفُرْ لِابْنِ
 آتَمِهِ كَانَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿۸۷﴾
 يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿۸۸﴾ إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ
 سَلِيمٍ ﴿۸۹﴾

ترجمہ:- وہ جس نے مجھے پیدا کیا، پس وہی میری رہنمائی

فرماتا ہے ﴿۷۸﴾ اور وہ جو مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے ﴿۷۹﴾ اور

وہ کہ جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا

ہے ﴿۸۰﴾ اور وہ جو مجھ پر موت طاری کرے گا، پھر مجھے

زندہ کرے گا ﴿۸۱﴾ اور وہ کہ میں اُمید رکھتا ہوں کہ میری

کوٹاہی کو انصاف کے دن سماعت فرمائے گا ﴿۸۲﴾ اے پروردگار

عطا فرمائے مجھے حکم (حکمت) اور ملائے مجھے نیکوکاروں

کے ساتھ ﴿۸۳﴾ اور رکھ دے میرے لیے سچی زبان بچھلوں

میں ﴿۸۴﴾ اور بنا دے مجھے نعمت کے باغ کے وارثوں میں

سے (۸۵) اور معاف کرنے میرے باپ کو، بیشک وہ ہے
مگر اہوں میں سے (۸۶) اور مجھے رسوا نہ کرنا جس دن لوگ
دوبارہ اٹھائے جائیں گے (۸۷) جس دن فائدہ نہ پہنچائے گا
مال اور نہ بیٹے (۸۸) بھگو جو کوئی آیا اللہ کے پاس قلبِ سلیم
لے کہ (۸۹)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ تھا کہ انہوں نے اپنے باپ اور
قوم کو توحید کا درس دیا۔ آپ نے یہ انداز اختیار کیا کہ خود ان مشرکین سے ہی پوچھا کہ تم
کن چیزوں کی پوجا کرتے ہو انہوں نے کہا کہ ہم تو ان بتوں پر جھکے پڑتے ہیں۔ فرمایا، کیا
یہ بت تمہاری بات کر سکتے ہیں یا تمہارے لیے کسی نفع نقصان کے مالک ہیں۔ کہنے
لگے، ہم یہ باتیں تو نہیں جانتے، البتہ ہم نے اپنے آباء اجداد کو ان کی پرستش کرتے
دیکھا ہے لہذا ہم بھی اپنی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کی پوجا کر رہے ہیں۔ فرمایا
تم تو ان کو اپنا مجبور اور کار ساز سمجھتے ہو۔ مگر یہ سب میرے دشمن ہیں سو انے رب العالمین
کے کہ فقط وہی میرا دوست اور کار ساز ہے اور مجھے اسی پر بھروسہ ہے کہ وہ مجھے
بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔

مشرکین تو اپنے جھوٹے معبودوں کا کوئی کام پیش نہ کر سکے، البتہ ابراہیم علیہ السلام
نے اپنے پروردگار کی بعض صفات بیان کیں جس پر مشرکین کوئی اعتراض نہ کر سکے۔ فرمایا
میرا پروردگار، کار ساز، حاجت روا اور مشکل کشا وہ ہے الَّذِي خَلَقَنِي حِينَ نَسْتُ
پیدا کیا۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اُس نے نسلِ انسانی کی ابتدا ہی
سے کہ اور پھر اسے لطف کے ذریعے آگے چلایا۔ سورة النجم میں ہے وَ اِنَّكَ خَلَقَ
الَّذِيْنَ الذَّكَرَ وَالْاُنثٰى (۴۵) مِنْ ذُطُوْقٍ اِذَا تَمْنٰى (۴۶)
اسی نے لطف کے ذریعے مرد و زن کے جوڑے پیدا کیے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنی
تخلیق کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔

صحیحاً۔ ربانی
تخلیق اور
ہدایت

پھر فرمایا فَهَوَّيْنَاهُ بِرُوحٍ مِّنْهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ آيَاتِنَا فَتَحْتَفِئُوا فِيهَا كِطَابًا لِّتَذَكَّرُوا
انسان کو پیدا کر کے یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ساتھ ساتھ اس کی ہدایت کا بندوبست
بھی کر دیا ہے۔ انسان کو عقل و شعور عطا کیا تاکہ وہ اپنے ارد گرد کے ماحول میں غور و فکر
کرسے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات دیکھے اور پھر اُس کی وحدانیت پر
ایمان لائے۔ یہی تھیں بلکہ اُس نے انسان کی ہدایت کے لیے وقتاً فوقتاً نبی اور
رسول بھیجے، اُن کے تابعین اور مبلغین نے اگر اللہ کا راستہ دکھایا۔ پھر اللہ نے
اپنی کتابیں نازل فرما کر انسان کی رہنمائی کے لیے مستقل انتظام فرما دیا۔ اسی لیے
ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جس نے نہ صرف مجھے پید کیا بلکہ میری
رہنمائی کا بندوبست بھی کر دیا۔

خوردن و نوش
کا بندوبست

آپ نے اپنے پروردگار کی تیسری صفت یہ بیان کی وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُهُ
وَيَسْقِيهِنَّ يُرِيدُ دُكَّارًا وَهُوَ يَكْفِي مَا يُرِيدُ كَمَا تَرَىٰ فِي سَمَاءٍ مِّن مَّحْمَدٍ
جائزہ کی روزی بھی اللہ ہی کے ذمے ہے۔ اس کا اعلان ہے وَمَا مَرَجَّ
دَابَّةً فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَيَّا اللَّهُ رَزَقُهَا (ہود-۶) زمین پر چلنے
پھرنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ وہی وسائل رزق جمایا
کرتا ہے تو انسان اور دوسرے جانداروں کو غذا ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے
اس احسان کا ذکر قرآن پاک میں بار بار کیا ہے کہ وہ سمندروں سے بادلوں کی صورت
میں بخارات اٹھاتا ہے۔ پھر ہوا اُن بادلوں کو مطلوبہ خطے کی طرف لے جاتی ہے،
وہاں پر اس کے حکم کے مطابق بارش ہوتی ہے جس سے سرورہ زمین میں زندگی کی
لہریاں ہوتی ہے۔ زمین میں پھل اناج اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں جو انسانوں اور جانوروں
کی خوراک بنتی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہی کسی خطے سے بارش کو روک لے تو وہاں کچھ
پیدائہ ہو اور نہ کسی جاندار کو خوراک میسر آئے، اسی لیے فرمایا کہ میرا پروردگار تو وہ ہے
جس نے میرے لیے اکل و شرب کا انتظام کر دیا ہے

شفا میں
مذکورہ

پھر جو تمہیں نمبر پر فرمایا وَإِذَا مَرَضْتُمْ فَهَوَّيْنَاهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ آيَاتِنَا فَتَحْتَفِئُوا فِيهَا كِطَابًا لِّتَذَكَّرُوا

ہوں تو وہی مجھے شفا بخشا ہے۔ بیماری اور شفا دونوں قبضہ قدرت میں ہیں مگر یہاں پر
 ابراہیم علیہ السلام کے کالی ادب کا نمونہ دیکھیے کہ انہوں نے موصفت کہہ کر بیماری
 کو اپنی طرف منسوب کیا ہے وگرنہ آپ خَلَقْنِي فَهُوَ يَهْدِيْنِي کی طرح
 موصفتی کہہ کر بیمار کرنے کو بھی اللہ کی طرف منسوب کر سکتے تھے مگر آپ نے
 بیماری جیسی تکلیف دہ چیز کو اللہ کی بجائے خود اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ اکل و
 شرب میں بے اعتدالی یا بود و باش میں کسی بے احتیاطی کی بنا پر خود بیمار ہوتا ہوں
 اللہ تعالیٰ کسی کو بلا وجہ تکلیف میں مبتلا نہیں کرتا۔ اور پھر جب بیمار ہو جاتا ہوں
 تو شفا وہ بخشا ہے گویا بندے کے حق میں بہتر چیز شفا کو اللہ کی طرف منسوب
 کیا کہ وہ چاہے تو شفا ہوتی ہے وگرنہ نہیں۔ دنیا میں بڑے بڑے حکیم اور ڈاکٹر
 گتے ہیں جو بڑی بڑی پیچیدہ بیماریوں کا علاج کرتے ہیں مگر کسی دوائی میں شفا
 کی خاصیت پیدا کرنے والی اللہ ہی کی ذات ہے۔ جب تک اس کا حکم نہ ہو کوئی
 دوائی کارگر نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے بزرگان دین فرماتے ہیں کہ چیلے کے طور پر علاج
 کرنا تو درست ہے مگر دوائی کو موثر بالذات سمجھنا شرک میں ملوث ہونے کے
 مترادف ہے۔ شفا ہمیشہ منجانب اللہ ہوتی ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے
 امست کو یہ دعا سکھائی ہے اَذْهَبِ الْبَاسَ رَبِّ النَّاسِ واشْفِ
 اَنْتَ الشَّافِ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ اے سب لوگوں کے پروردگار
 تکلیف کو دور کر دے، اور شفا دے کہ تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیرے سوا کہیں
 بھی شفا نہیں ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی پانچویں صفت یہ بیان کی وَالَّذِي يَمِيْتُنِي و
 شَفِيْحِيْنِ کہ وہی مجھے موت دے گا اور وہی قیامت کو دوبارہ زندہ
 کرے گا۔ موت اور زندگی بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہی انسان کو پیدا کرتا
 ہے، کسی کو کم عمر دیتا ہے اور کسی کو زیادہ۔ اور پھر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ
 موت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ انسان کی انفرادی موت ہو یا کسی قوم کی مجموعی موت

فَإِذَا جَاءَ أَجْلَهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ
 (الاعراف - ۳۴) جب مقرر وقت آجاتا ہے تو پھر گھڑی بھیر بھی آگے پیچھے
 نہیں ہوتی۔ اللہ کا یہ بھی فرمان ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط
 (آل عمران - ۱۸۵) ہر جان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور اس سے کوئی بھی بچ نہیں
 سکتا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حفاظت کرنا چاہے تو کوئی دوسرا
 شخص لاکھ کوشش کرے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ الغرض! ابراہیم علیہ السلام نے
 واضح طور پر فرمادیا کہ میری موت میرے اللہ کے ہاتھ میں ہے، تم لاکھ مذاہیر
 اختیار کر لو، اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مجھے ختم نہیں کر سکتے کیونکہ مجھے موت دینے
 والا بھی وہی ہے۔

موت ایک مصیبت ہے مگر اس مقام پر ابراہیم علیہ السلام نے موت
 کی نسبت اپنی طرف کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے کہ وہی مجھے
 موت سے بچا کر رہے گا۔ مفسرین کرام اس اشکال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ دراصل
 موت اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کے عزت کے مقام کی طرف اتصال کا
 کا ایک ذریعہ ہے، اس لحاظ سے موت ایک نعمت بھی ہے اور اس کی نسبت
 اللہ تعالیٰ کی طرف بالکل درست ہے مسلم شریف کی حدیث میں جہاں حجیر کی فضیلت
 کا ذکر ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی دن آدم علیہ السلام کی تخلیق
 فرمائی، اسی دن اُن کو جنت میں داخل کیا، اور اسی روز آپ کو جنت سے نکالا
 گیا۔ یہاں بھی یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جنت میں داخلہ تو نعمت خداوندی ہے اور
 اللہ نے اس کا ذکر فضیلت جمعہ کے طور پر کیا مگر جنت سے اخراج تو نعمت
 نہیں، پھر اس سے جمعہ کی فضیلت کیسے ثابت ہوئی۔ تو یہاں بھی محدثین کرام
 فرماتے ہیں کہ جنت سے اخراج دراصل اس میں دوبارہ اور ابدی دخول کا سبب اور
 ذریعہ ہے لہذا یہ اخراج نعمت میں شامل ہے

مشرکین بعث بعد الموت کے بھی منکر تھے اور کہتے تھے کہ نہ کوئی قیامت

برپا ہوگی انہرے دوبارہ زندہ ہوں گے اور نہ حساب کتاب کی منزل کے بعد کوئی جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس مقام پر یحییٰ بن کا لفظ بول کر کفار و مشرکین پر واضح کر دیا کہ میرا پروردگار وہ ہے جو مجھے دوبارہ زندہ کرے گا۔ اور وہ تمہیں بھی دوبارہ زندگی دینے پر قادر ہے۔ وہ ضرور تمہیں قیامت کو دوبارہ زندہ کر کے اپنے سامنے لا کھڑا کرے گا اور پھر تمام کردہ عقائد و اعمال کا حساب ہو گا۔ مجھ کے مشرک بھی قوم ابراہیم کی طرح قیامت اور جزا کے عمل کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب ہم مر گئیں میں بل جائیگی، ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی۔ تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ جیسا کہ دوسری سورۃ میں مذکور ہے، اللہ نے فرمایا

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ الَّذِينَ رَبَّهٖمْ
يَسْأَلُونَ (یس - ۵۱) جب صور میں پھونکا جائیگا تو سب لوگ اپنی خواب گاہوں
سے اٹھ کر دوڑتے ہوئے اپنے پروردگار کی طرف جائیں گے۔ پھر حساب کتاب کی
منزل آئے گی اور اعمال کے فیصلے ہوں گے۔

اچھائی اور برائی
کی نسبت

ان آیات میں ابراہیم علیہ السلام کا اچھائی کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور برائی کو اپنی طرف
منسوب کرنے کا اصول خود اللہ تعالیٰ کا وضع کردہ ہے۔ سورۃ النور میں ارشادِ ربانی ہے

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ
فَمِنْ نَفْسِكَ (آیت - ۷۹) تمہیں جو بھی اچھائی پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف
سے اور جو بھی برائی پہنچے وہ تمہارے اپنے نفس کی بنا پر ہے۔ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے سفر کے واقعہ
میں بھی ایسی مثال ملتی ہے۔ حضرت علیہ السلام نے اچھی بھلی کشتی کو عبیدناک کر دیا تو اس فعل کو اپنی طرف
منسوب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کشتی بعض مسکین لوگوں کی تھی جو اس کے ذریعے روز
کمانے تھے مگر یہ پیچھے بادشاہ ہر اچھی کشتی پر قبضہ کر رہا تھا فَارَدْتُ اَنْتَ
اَعْيَبَهَا (الکہف - ۷۹) پس میں نے ارادہ کیا کہ اس کو داغدار کر دوں
اگرچہ یہ فعل بھی کشتی کے مالکان کے حق میں تھا۔ مگر عبیدناک کرنے کے فعل کو اپنی
طرف منسوب کیا کہ ادب کا یہی تقاضا تھا۔ اور آگے جہاں گری پڑی دیوار کو پیچھے

کی خاطر دوبارہ تعمیر کرنے کا فعل تھا تو اسے اللہ کی طرف منسوب کیا قارِ اَدْرَبْتُ
 اَنْ يَّبْلَغَا اَشَدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنَزَّهُمَا (الکہف - ۸۲) تیرے
 رہنے ارادہ کیا کہ دیر لڑو اس وقت تک قائم رہنا چاہیے جب تک یتیم بچے
 بالغ ہو کر اس کے نیچے سے خزانہ حاصل کرنے کے قابل نہ ہو جائیں۔

معافی کی
 درخواست

اللہ تعالیٰ کی مذکورہ پانچ صفات کا ذکر کرنے کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے
 عبدیت کے کمال انداز میں اپنی خطاؤں کی بخشش کی دعا کی۔ عرض کیا امیر اللہ وہ

ہے جس کی یہ صفات ہیں وَالَّذِي اَطْمَعُ اَنْ يَّعْفِرَ لِي
خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ میرا پروردگار وہ ہے کہ میں امید رکھتا ہوں، کہ
 قیامت کے دن وہ میری کوتاہیوں کو معاف فرما دے گا۔ اللہ کے نبی اور رسول اس کے
 برگزیدہ بندے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی غم و حفاظت کرتا ہے اور ان سے
 گناہ سرزد نہیں ہونے دیتا۔ اس کے باوجود اللہ کے نبی جتنے زیادہ مغرب ہوتے
 ہیں اتنا ہی زیادہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے بھی ہیں۔ نوح علیہ السلام نے اپنے ڈوبتے
 ہوئے بیٹے کے لیے براہ راست دعائیں کی بلکہ کمال عجز کے ساتھ پروردگار
 کی بارگاہ میں عرض کیا اِنَّ ابْنِي مِنْ اَهْلِي (سود - ۴۵) پروردگار
 میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے۔ مطلب یہ کہ اسے بچالے مگر جواب ملا
 کہ اپنے غیر صلح اعمال کی وجہ سے وہ تیرے اہل خانہ میں سے خارج ہو چکا ہے
 اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی اور بھائی کی کوتاہیوں کی معافی کی درخواست
 کی رَبِّ اغْفِرْ لِي وَ لِاخِي وَ اَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ (الاعراف - ۱۵۱)
 پروردگار! مجھ اور میرے بھائی کو معاف فرما دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل
 کر لے۔ خود حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا
رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ (المومنون - ۱۱۸)
 پروردگار! مجھے معاف کر دے اور رحم فرما کہ تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔ بہر حال
 ابراہیم علیہ السلام نے اپنی کوتاہیوں کی معافی اس انداز میں چاہی کہ میں امید رکھتا ہوں۔

کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میری کوتاہی کو معاف فرمائے گا۔
 پھر عرض کیا رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا پوروں کو مجھے حکم یعنی حکمت عطا فرما
 امام رازمی فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد نبوت نہیں کیونکہ یہ تو پہلے ہی آپ کو حاصل تھی
 البتہ اس سے مراد قوتِ علمی و فطری کا کمال ہے جس کے ذریعے اشیائے عالم کو کاٹتا
 سمجھنے کی اہلیت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس کام پر مامور کیا تھا۔
 اُس کے لیے ان چیزوں کی اشد ضرورت تھی لہذا آپ نے ان چیزوں کے لیے دُعا
 کی اور ساتھ ہی بھی عرض کیا وَ الْحَقِّي بِالصَّالِحِينَ اور مجھے نیک کاروں کے ساتھ
 ملائے۔ اس سے آخرت میں نیک لوگوں سے ملاقات
 مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ میرا انجام بخیر فرما اور مجھے عزت والے مقام میں جگہ عطا
 فرما۔ یہ دُعا اللہ کے سب نبی اور صالحین کرتے رہے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام
 کی دُعا کا ذکر بھی قرآن پاک میں موجود ہے۔ آپ نے عرض کیا تھا، اے آسمان زمین
 کے پیدا کرنے والے، دنیا و آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے تَوْفِيحِي مُسْلِمًا
وَ الْحَقِّي بِالصَّالِحِينَ (یوسف - ۱۰۱) مجھے اسلام کی حالت میں وفات دینا
 اور اپنے نیک بندوں کی رفاقت نصیب کرنا۔ ایک حدیث میں حضور علیہ السلام
 کی یہ دُعا بھی منقول ہے اللَّهُمَّ أَحْيِنَا مُسْلِمِينَ وَأَمِتْنَا مُسْلِمِينَ
وَالْحَقْنَا بِالصَّالِحِينَ غَیْرَ حَزَائِيَا وَلَا مُبَدِّلِينَ اے اللہ! ہمیں اسلام
 پر زندہ رکھ اور اسلام کی حالت میں ہی موت دے اور نیکوں کے ساتھ ملائے در آخرت
 نہ سووائی ہو اور نہ تبدیل۔ اس سے مراد قوتِ علمیہ بھی ہے کہ جس کے ذریعے اعمال و
 افعال کو صحیح طریقے پر انجام دیا جاسکے۔

ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا بھی کی وَلَجَعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ
فِي الْآخِرِينَ اور میرے لیے سچی زبان یعنی میرا ذکرِ خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی

رکھو۔ اسی لیے اہل اللہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کا طریق باقی رہے تاکہ ان کو اجر و ثواب ملتا رہے، مطلب یہ ہے کہ میرے بعد آنے والی نسلیں بھی میرے طریقے پر چلیں اور اس طرح میرا ذکر خیر کرتی رہیں۔ آپ کی دعا کی قبولیت کا یہ عالم ہے کہ یہودی عیاشی اور اہل ایمان ایک وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جد الانبیاء تسلیم کرتے ہیں اگرچہ اہل کتاب آپ کی تعلیمات سے منحرف ہو چکے ہیں مگر وہ آپ کا ذکر خیر ہمیشہ ادب و احترام سے کرتے ہیں۔ جہاں تک اہل ایمان کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آخری امرت کو ملتِ ابراہیمی کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔ سورۃ بقرہ میں اللہ نے اہل کتاب کی بات نقل کی ہے کہ وہ اہل ایمان کو یہودی یا نصرانی بن جانے کا مشورہ دیتے ہیں مگر اللہ نے اپنے آخری نبی کو فرمایا قُلْ بَلِّغُوا رِسَالَاتِ اللَّهِ وَلْيُحَدِّثْ إِلَىٰ سَمْعِ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ (آیت ۱۲۵) آپ ان سے کہہ دیں کہ ہم تو دینِ ابراہیمی کو اختیار کیے ہوئے ہیں جو ہر طرف سے کٹ کر صوفِ خدا نے واحد کی طرف رجوع کرنے والے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اگر یہ مقصود نہ ہو تو کوئی صریح نہیں کہ کوئی شخص پسند کرے کہ اس کی تعریف کی جائے۔

ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ رب العزت میں یہ دعا بھی کی وَاجْعَلْنِي مِّنْ قَوْمٍ رَّحِمْتَ الْجَنَّةِ النَّبِيِّينَ اور مجھے نعمت کے باغوں کے وارثوں میں سے بنا دے یعنی آخرت میں مجھے کامیابی عطا کرنا اور بہشت میں داخل کرنا ظاہر ہے کہ ہر شخص کی آخری خواہش تو یہی ہے کہ اُسے جنت میں داخل مل جائے۔ سورۃ آل عمران میں جہاں جزائے عمل کا ذکر ہے وہاں اللہ نے فرمایا فَمَنْ رَّحِمْنَا مِنْ عِبَادِنَا وَادْخَلْنَا الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (آیت ۱۸۵) جو دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کیا دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے لیے نعمتوں کے باغ یعنی جنت کی دعا کی۔

باب کے
لیئے دعا

پھر عرض کیا، ہوا کریم! وَاعْفِرْ لِي يَا رَبِّ مِثْرًا مِّمَّنْ عَفَاكَ

اِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ بیشک وہ گمراہوں میں سے تھا۔ مشرکین کے لیے دُعا کا مسئلہ بھی وضاحت طلب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں فیصلہ کر دیا ہے کہ کسی نبی اور اہل ایمان کے لائق نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش طلب کریں اگرچہ ان کے قربت دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ ان کا جہنمی ہونا واضح ہو چکا ہو۔ ابراہیم علیہ السلام کے باپ بیشک مشرک اور جہنمی تھے مگر یہاں وہ اپنے گمراہ باپ کے لیے بخشش کی دُعا کر رہے ہیں۔ اس بات کی وضاحت سورۃ توبہ ہی کی اگلی آیت میں موجود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی باپ کے لئے دُعا نے مغفرت ایک وعدے کی بنا پر تھی جو وہ اپنے باپ سے کر چکے تھے۔ سورۃ مريم میں ہے کہ بتوں کی مذمت کی پاداش میں جب ابراہیم کو ان کے باپ نے گھر سے نکال دیا تو جلتے وقت انہوں نے کہا تھامنا ستغفر لک ربک اِنَّہُ كَانَ لِیْ حَافِیًا (صدی ۴) میں تیرے لیے اپنے رب بخشش کی دُعا کروں گا ابے شک میرا پروردگار بڑا ہی مہربان ہے۔ چنانچہ اسی وعدے کے مطابق آپ نے بخشش کی دُعا کی جو آیت زیر درس میں مذکور ہے۔ مگر سورۃ توبہ میں فرمایا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ اَنَّہُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْہُ (آیت - ۱۱۴) مگر جب آپ پر واضح ہو گیا کہ باپ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بیزار ہو گئے اور پھر کبھی باپ کے لیے دُعا نہیں کی۔

ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُعْشَوْنَ سَورۃ ابراہیم ایچھے رسوا نہ کر کہنا جس دن لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ اس دُعا کا تعلق بھی ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے مشرک ہونے سے ہے۔ ظاہر ہے کہ مشرک کی مغفرت نہیں اور اسی وجہ سے ابراہیم نے اپنے باپ کے لیے دوبارہ دُعا بھی نہیں کی۔ اب قیامت والے دن جب سب اگلے پچھلے لوگ جمع ہوں گے تو اس دن ابراہیم علیہ السلام کے باپ کی ذلت آپ کے لیے رسوائی کا سبب بن سکتی ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ قیامت والے دن ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد سے

ملاقات ہوگی۔ آپ دیکھیں گے کہ اس کا منہ ذلت اور گرد و خبار سے آلودہ ہو رہا ہے
 دوسری روایت میں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ پروردگار! تیرا
 مجھ سے قول ہے کہ مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا
 کہ جن نے جنت تو کافر پر قطعاً حرام ہے ایک اور روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام
 اپنے باپ کو اس حالت میں دیکھ کر فرمائیں گے کہ باپ! میں تجھے نہ کہتا تھا کہ میری
 نافرمانی نہ کرے۔ باپ جواب دے گا، اچھا اب نہ کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام بارگاہ
 رب العزت میں عرض کریں گے، پروردگار! تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ اس
 دن مجھے رسوا نہ کرے گا مگر اس سے بڑھ کر کیا رسوائی ہوگی کہ میرا باپ اس طرح
 رحمت سے دور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے خلیل! میں نے جنت تو کافروں
 پر حرام کر دی ہے، پھر حکم ہوگا، ابراہیم! دیکھ تیرے پیروں تلے کیا ہے۔ آپ
 دیکھیں گے کہ ایک بد صورت بچہ کھینچ پانی میں لتھڑا کھڑا ہے جس کو پاؤں سے پکڑ
 کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ ہوں گے جن کی شکل
 تبدیل کر دی جائے گی۔

مال و اولاد

فرمایا قیامت کا دن ایسا ہوگا یَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ
 جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے۔ اس دن کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا
 اور نہ کوئی کسی کی طرف سے دلیل پیش ہو کر مقدمہ پیش کر سکے گا فَكَفَّهُمْ
 اٰتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَدْ اُ (مریم - ۹۵) قیامت والے دن ہر شخص کیلا
 ہی حساب کتاب کے لیے پیش ہوگا۔ سورۃ آل عمران میں بھی فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ
 كَفَرُوْا لَنْ تَغْنِيْ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ
 مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا (آیت - ۱) کافروں کو ان کے اموال اور اولاد کچھ کام
 نہیں آئیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہاں کمال تو یہ ہیں رہ جائے گا اور انسان خالی ہاتھ
 اللہ کی عدالت میں پیش ہوگا۔ جہاں تک اولاد اور دیگر عزیز واقارب کا تعلق ہے
 تو وہ سب اپنی اپنی فکر میں ہوں گے۔ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيهِ ۝

وَأُمَّهُ وَآبِيَّهِ هَ وَصَاحِبَتِهِ وَبَيْنِيهِ دَسُودَةُ عَسَى ۲۲-۲۳) انسان اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بیٹے سے بھلے گا کہ کہیں مجھ سے کوئی نیکی نہ طلب کرے۔ ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی کہ کس طرح میں نیک جاؤں۔

البتہ بعض مال اور اولاد کا کام بھی آئیں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے، کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین چیزوں کا فائدہ اس کو مرنے کے بعد میں پہنچتا رہتا ہے۔ پہلی چیز صدقہ جاریہ ہے کہ آدمی اپنا مال اچھی جگہ صرف کر کے گیا جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، وہ قیامت کے دن فائدہ دے گا۔ دوسری چیز نافع علم ہے جس سے دوسرے لوگ مستفید ہوں، اور تیسری نیک اولاد ہے جو باپ کے حق میں دعائیں کرے۔ حدیث میں آتا ہے کہ بچپن میں فوت ہونے والا بچہ بھی والدین کے حق میں سفارش کرے گا۔ تو یہ چیزیں موت کے بعد بھی نافع ہوتی ہیں۔ تو اس آیت کریمہ میں بخیر مفید ہونا بخیر مومن کے لیے ہے۔ ایسے شخص کو نہ مال کام آئے گا اور نہ اس کی اولاد بلکہ اس کا فیصلہ اس کے اعمال و عقائد کے مطابق ہوگا۔

فرمایا قیامت والے دن ہر شخص کا مال و اولاد تو مفید نہیں ہوگی، البتہ
 الْآمَنَاتِ آتَى اللَّهُ بِقَلْبِكَ سَلِيمٌ مگر جو کوئی اللہ تعالیٰ کے پاس
 قلب سلیم لے کر آیا۔ وہ کامیاب ہوگا، اس دن قلب سلیم ہی مفید ہوگا۔ مطلب
 یہ کہ جس انسان کا دل کفر، شرک، نفاق اور بد عقیدگی کی آلودگیوں سے پاک ہوگا اسے
 لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کیا ہو مال بھی مفید ہوگا اور اس کی نیک اولاد
 بھی مفید ہوگی جو اس کے لیے دعائیں کرے گی۔

حضرت خواجہ ضیاء الدین نخشبیؒ اپنی کتاب سلک السلوک میں لکھتے ہیں، کہ
 لوگوں نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ قلب سلیم کس کو کہتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا
 کہ قلب سلیم ایسا دل ہے جو بیس خصلتوں سے پاک اور بیس خصلتوں سے پر
 ہو۔ فرمایا بڑی خصلتیں یہ ہیں، شرک، کفر، نفاق، عداوت، بدلا و جہم، اور رغبت

(لا یعنی امور کی طرف) حرص، شک، جہالت، اصرار (گناہ پر) تکبر، تعلق و غلط باتوں سے) طمع، لمبی آرزو، بے صبری، خود پسندی، بخل، مایوسی، بے فکری (خدا کی گرفت سے) حسد، بدگمانی اور نیاں (حق) و انجام کو فراموش کر دینا) پھر فرمایا اچھی خصلتیں یہ ہیں۔ جو انسان میں موجود ہونی چاہئیں یعنی توحید، اخلاص، نصیحت، زہد، قناعت، یقین، علم، تفویض (اپنے امور کو اللہ کے سپرد کرنا) لوگوں سے مایوسی، آرزو کا اختصار، صبر، موت کی یاد، سخاوت، توبہ، تواضع، خوف و رجا، بھوک، حزن ظن، اللہ کا ذکر اور اس کی محبت۔

الشعرہ ۲۶

آیت ۹۰ تا ۱۰۴

وقال الذین ۱۹

درس ہم ۹

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ۹۰ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ
 لِلْغَافِلِينَ ۹۱ وَقِيلَ لَهُمْ أَيُّنَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۹۲
 مِنْ دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْصُرُونَ ۹۳
 فَكَبُّوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ۹۴ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ
 أَجْمَعُونَ ۹۵ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ۹۶ تَا اللَّهُ
 إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۹۷ إِذْ نُسُوْتِكُمْ بِرَبِّ
 الْعَالَمِينَ ۹۸ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمَجْرُمُونَ ۹۹ فَمَا لَنَا
 مِنْ شَافِعِينَ ۱۰۰ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ۱۰۱ فَلَوْلَا نَنَا
 كَثْرَةً فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۱۰۲ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً
 وَمَا كَانَ أَكْثَرَهُمْ مُؤْمِنِينَ ۱۰۳ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
 الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۱۰۴

ترجمہ:- اور قریب کر دی جائے گی جنت متقین (ڈرنے والوں) کے لیے ۹۰ اور ظاہر کر دیا جائے گا دوزخ کو گمراہوں کے لیے ۹۱ اور کہا جائے گا ان سے کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کرتے تھے ۹۲ اللہ کے سوا کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں، یا وہ بدلے سکتے ہیں؟ ۹۳ پھر اوندھے منہ ڈالے جائیں گے اس میں وہ سب اور

کجبرد (۹۳) اور اہلیس کے تمام لشکروں کو بھی (۹۵) اور کہیں گے وہ جب کہ وہ اس دوزخ میں جھجکا کرتے ہوں گے (۹۶) اللہ کی قسم، بیشک ہم تھے البتہ کھلی گمراہی میں (۹۷) جب کہ ہم تمہیں پروردگارِ عالم کے ساتھ برابر کرتے تھے (۹۸) اور نہیں بہنکایا ہم کو مگر مجرموں نے (۹۹) پس اب نہیں ہے کوئی ہماری سفارش کرنے والا (۱۰۰) اور نہ کوئی محبت کھنے والا دوست (۱۰۱) پس کاش کہ ہمارے لیے دنیا میں دوبارہ پلٹنے کا موقع ہوتا تو ہم ایمان والوں میں سے ہوتے (۱۰۲) بیشک اس میں البتہ نشانی ہے، اور اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے (۱۰۳) اور بیشک تیرا پروردگار ہی زبردست اور رحم والا ہے (۱۰۴)

اس رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ گذشتہ درس میں آپ کی بعض دعائوں کا ذکر تھا جو اپنے پروردگار کے سامنے پیش کیں۔ اور ساتھ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات بھی بیان کی گئی تھیں کہ وہی خالق ہے اور صراطِ ستقیم بھی وہی دکھاتا ہے۔ مجھے اور ہر جاندار کی روزی کا وہی ذمہ دار ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو شفا بھی وہی بخشتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مجھے موت دینا اور پھر قیامت کو دوبارہ زندہ کرنے کا پھیرا ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ پروردگار! میری خطاؤں کو معاف فرما، مجھے حکمت عطا فرما اور نیکیوں کے ساتھ انجام فرما۔ آپ نے پچھلے لوگوں میں اپنے ذکرِ خیر کے جاری رکھنے کی دعا بھی کی۔ اپنے لیے جنت کی درخواست اور باپ کے لیے بخشش کی دعا مانگی۔ اب آج کے درس میں نیکی کاروں کے لیے جنت کی بشارت اور سرکشوں کے لیے جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ جہنمیوں کے بعض حالات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ جو قیامت کو پیش آتے والے ہیں۔

متقین کے لیے جنت

ارشاد ہوتا ہے وَأَزَلِفَتْ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ اور جنت متقیوں کے قریب

کہ دی جائے گی، قرآن پاک میں جنت ایک رسائی دو طریقوں سے بیان کی گئی ہے۔
 مگر مضموم ایک ہی ہے ایک طرز بیان یہ ہے جو بیاں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی جنت
 مقیتوں کے قریب کر دی جائے گی، سورۃ ق میں بھی ہی الفاظ ہیں اور آگے اضافہ ہے۔
 عَنِ بَعِيدٍ (آیت ۳۱) جو کہ دور نہیں ہوگی۔ اسی طرح سورۃ التکویر میں - وَ
 اِذَا الْجَنَّةُ اُذِلَّتْ (آیت ۱۳) جب جنت قریب کر دی جائے گی۔ بیان
 کا دوسرا طریقہ عام ہے کہ اہل ایمان کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ جیسے سورۃ النحل
 میں متقیوں کے متعلق فرمایا جَنَّتْ عَلَيْنِ بَيِّدًا خَلَوْنَهَا (آیت ۳۱)
 ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے۔ اسی طرح سورۃ روم
 میں ہے کہ فرشتے نیچے کاروں کو گروہ درگروہ جنت کی طرف لے جائیں گے، اُن
 کے دروازے کھول دیے جائیں گے، تو اس کے دروغے اُن سے کہیں گے،
 تم پر سلام ہو، تم بہت اچھے رہے ہو، فَأَدْخُلُوهَا خَالِدِينَ (آیت ۳۰)
 اب اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جنت
 یا دوزخ لوگوں سے حجاب میں ہوں گے، پھر جب وہ حجاب اٹھا دیا جائے گا
 تو جنتی جنت کو قریب ہی پائیں گے، ایک عام مفہولہ بھی ہے کہ جب کوئی مسافر
 سفر کرتے ہوئے کسی شہر یا بستی میں پہنچتا ہے تو کہتا ہے کہ فلاں بستی قریب آگئی
 ہے حالانکہ بستی تو اپنی جگہ قائم ہوتی ہے اور مسافر نمود و لال پہنچتا ہے۔ اسی طرح
 جنت تو اپنی جگہ پر قائم ہے مگر جب غنئی دہاں قریب پہنچیں گے تو اسی کو کہا گیا
 ہے کہ جنت اُن کے قریب کر دی جائے گی۔ اگر اس جملے کو بعینہ ظاہر ہی محزون
 میں لیا جائے تو بھی درست ہے، جیسا کہ دوزخ کے متعلق مسلم شریف میں آتا ہے
 يَوْمَ يَجْهَنَّمُ يَوْمَئِذٍ اَسْبَعُونَ الف ذم امر مع كل
 ذم امر سبعون الف مالك اس دن جہنم کو کھینچ کر میدان محشر کے
 قریب لایا جائیگا جس کی ستر ہزار زنجیریں ہوں گی اور ہزار زنجیر کے ساتھ ستر ہزار کھینچنے
 والے فرشتے ہوں گے۔

قَرِيبًا وَبُرْدَتٍ الْجَحِيمِ لِلْغَوِيْنَ اور ظاہر کر دیا جائے گا،

دوزخ کو گمراہوں کے لیے۔ جو لوگ عمر بھر کفر و شرک اور گمراہی میں پھنسے رہے، ان کو دوزخ کا نظارہ کر دیا جائے گا۔ جس کے متعلق سورۃ المعارج میں فرمایا
كَلَّا مَا أَتَاهَا نُظَىٰ ه نَزَّاعَةٌ لِّلشَّوْءِ (آیت ۱۶۷۱۵) یہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے جو کمال ادب پھر کر رکھ دے گی۔ امام ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس جہنم میں سے ایک گمراہ نکلتے گی جو گنہگاروں کی طرف غضبناک تیروں سے دیکھے گی اور ایسا شور مچائیگی کہ ذل اڑ جائیں گے، کلیجے ہل جائیں گے اور مشرکوں سے ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرمایا جائے گا وَقِيلَ لَهُمْ آيِنَمَا كُنْتُمْ تُعْبَدُونَ
مِن دُونِ اللّٰهِ کہاں ہیں تمہارے وہ باطل معبود جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ کیا آج وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں؟
أَوْ يَنْصُرُونَ یادہ بدل لے سکتے ہیں؟ مگر وہ کوئی جواب نہیں دے سکیں گے فَكَبَّ كِبًا اور فِيهَا هُمْ وَالْغَاوِنَ پھروہ اور تمام کج رو جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے۔ تابع اور متبوع سب کا ایک ہی ٹھکانا ہوگا۔ اور کوئی ان کی مدد کو نہیں پہنچے گا۔ صرف ہی نہیں بلکہ وَجَبَّوۡرِ ابْلِیۡسَ
اَجْمَعُوۡنَ، شیطان کے تمام لشکر بھی جہنم رسد کر دیے جائیں گے۔ جو لوگوں کو بہا کر کفر اور شرک پر آمادہ کرتے رہے۔ قَالُوا وَهٰمْ مَعَهَا
يَخْتَصِمُوۡنَ دوزخ میں پہنچنے والے آپس میں جھگڑتے ہوئے کہیں گے تَاللّٰهِ اِنۡ كُنَّا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ اللہ کی قسم ہم تو کھلی گمراہی میں تھے۔ اس وقت اقرار کریں گے کہ دنیا میں ہم نے صحیح راستہ اختیار نہ کیا اور ادھر ادھر بھٹکے رہے اِذۡنَسُوۡنَکُمْ رَبِّۡمُ الْعٰلَمِیۡنَ جب کہ ہم تمہیں پروردگار عالم کے ساتھ برابر کرتے تھے وَمَاۤ اَصۡنَعۡنَاۤ اِلَّا الْمَعۡجُوۡنَ ہمیں تو ان مجبوروں یعنی گنہگاروں نے گمراہ کر دیا تھا۔ اس وقت چھوٹے لوگ بڑے لوگوں کی طرف اشارہ کریں گے اور تابعین اپنے متبوعین کو مورد الزام ٹھہرائیں گے کہ یہ ہم سے اپنی عبادت کرتے رہے، ہم ان کے حکم کو خدا کا حکم سمجھ کر عمل کرتے رہے ان کو نذر دنیا پیش کرتے رہے مگر یہ آج ہماری کچھ مدد نہیں کر پائے بلکہ ہمارے ساتھ یہ بھی جہنم

ہیں شیخ چکے ہیں۔ ہمیں تو انہوں نے مراد دیا

فَمَا كُنَّا مِنْ شَافِعِينَ آج ہماری سفارش کرنے والا کوئی
 نظر نہیں آتا جو ہمیں اس عذاب سے چھڑا سکے وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ اور نہ ہی
 کوئی محبت کرنے والا دوست ہے، جو دوستی کا حق ادا کر سکے۔ اس وقت تابعین
 سخت مایوسی کا اظہار کریں گے۔ یہاں پر یہ نقطہ غور طلب ہے کہ لفظ شافعین کو
 جمع لیا گیا ہے جب کہ صدیق مفرد ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ
 صدیق اہم جنس کی طرح ہے جس کا اطلاق مفرد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے۔ اور
 اس کا مطلب یہ ہے کہ سفارشی تو عاداتاً بہت ہوتے ہیں اس لیے جمع کا
 صیغہ استعمال کیا گیا ہے جب کہ مخلص دوست عزیز الوجود یعنی بہت کم ہوتے
 ہیں اس لیے صدیق مفرد لایا گیا ہے۔

دنیا میں
 واپسی کی حسرت

پھر آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے فَلَوْ اَنَّ كُنَّا كُفْرًا فَكُنَّا
 مِنَ الْمُؤْمِنِينَ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں دوبارہ لوٹ جائیں اور وہاں
 جا کر ایمان لانے والوں میں ہو جائیں۔ اب کی بار ہم کفر اور شرک کے قریب نہیں
 جائیں گے اور نہ شیطان اور دوسرے معبودان باطلہ کے جھانے میں آئیں گے
 بلکہ صدق دل سے اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں گے، کیا ایسا ممکن ہے؟
 مگر اُن کی یہ حسرت کبھی پوری نہیں ہوگی۔ سورۃ یقرہ میں ہے کہ تابعین کہیں گے
 کہ اگر ہمیں دنیا میں دوبارہ لوٹا دیا جائے، تو ہم ان متنبوعین سے اسی طرح
 بیزاری کا اظہار کریں گے جس طرح آج یہ ہم سے کر رہے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ
 ان کے اعمال کو حسرت کی صورت میں دکھائے گا وَهَلْ هُمْ
 بِمُخْرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (آیت - ۱۶۷) مگر وہ دوزخ سے کبھی نہیں نکل
 سکیں گے، اُن کی حسرت اُن کے دل میں ہی رہ جائے گی۔ سورۃ السجدہ میں بھی
 ہے کہ مجرم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے سرنجوں کھڑے ہوں گے اور کہیں گے
 پروردگار! ہم نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور سن لیا فَأَرْجِعْنَا

نَعْمَلْ صَالِحًا (آیت ۱۲) ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے، اب ہم اپنے
 اعمال انجام دیں گے، مگر جواب ملیگا کہ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا
 كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (آیت ۱۳) اب اپنی کارگزاری کے لئے میں ہمیشہ کا
 عذاب چکھو، اب تم واپس نہیں جاسکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بد بخت اگر دوبارہ
 بھی دنیا میں لوٹائیے جائیں تو پھر وہی بد اعمالیاں شروع کر دیں جو پہلے کرتے رہے ہیں
 فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّبَشَرٍ اَسِ فِي الْبَلَدِ الثَّانِي سے اور
 وہ یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے اللہ کی وحدانیت کی جو بھی نہیں
 پیش کی اور تو تم کو جس طریقے سے سمجھایا، اس میں خدا تعالیٰ کی مکتا کی برہان
 موجود ہے۔ انان اگر ذرا سا بھی غور و فکر کرے تو اس کے ہاں شوک و شہت
 رفع ہو سکتے ہیں۔ اس کے باوجود وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ
 ان میں سے لوگوں کی اکثریت ایمان سے محروم رہتی ہے۔ انہیں توحید کی بات
 سمجھ میں ہی نہیں آتی اور اس طرح کفر و شرک پر اڑے رہتے ہیں فرمایا اور کھو
 وَاِنَّ رَبَّكَ لَكَهُو الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ بَلٰك تيز پروردگار زبردست
 ہے۔ آج تو یہ لوگ اس کی توحید کو تسلیم نہیں کرتے مگر قیامت والے دن ان کو
 پتہ چلے گا کہ جس کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے رہے وہ کتنا زبردست اور
 غالب ہے۔ سورۃ یوسف میں ہے وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِہٖ
 وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (آیت ۲۱) اللہ تعالیٰ اپنے
 ہر کام پر غالب ہے، اُس کے ارادے اور مشیت میں کوئی چیز حاصل نہیں ہو
 سکتی مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے اور وہ گمراہی میں لاپرواہ پڑے رہتے
 ہیں۔ فرمایا اس کے ساتھ ساتھ وہ الرحیم بھی ہے۔ اُس کا کوئی بندہ جب بھی مکرشی
 کو چھوڑ کر اُس کے دروازے پر آجائے اور اُس کی وحدانیت کو تسلیم کر لے تو
 وہ نہایت رحم والا ہے اور معاف کر دیتا ہے كَتَبَ عَلٰى نَفْسِہٖ
 الرَّحْمٰتَہٗ (الانعام ۱۲) اُس نے اپنے اوپر رحمت کو واجب کر رکھا ہے

اس کا یہ بھی فرمان ہے۔ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الاعراف-۱۵۶)
 میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے۔ جو نہی اُس کا کوئی بندہ اُس کی طرف رجوع کرتا ہے
 اُس کی رحمت بندے کو ڈھانپ لیتی ہے اور وہ بندے کو معاف کر کے اپنی انوش
 رحمت میں لے لیتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۱۰۵ ۱؎ اِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ
 نُوحٌ اَلَا تَتَّقُونَ ۱۰۶ ۱؎ اِنِّى لَكُمْ رَسُولٌ اَمِيْنٌ ۱۰۷ ۱؎ فَاتَّقُوا
 اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنَ ۱۰۸ ۱؎ وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنِّى
 اَجْرِي اِلَّا عَلَى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۱۰۹ ۱؎ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنَ ۱۱۰ ۱؎
 قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْدٰذِلُوْنَ ۱۱۱ ۱؎ قَالَ وَمَا
 عَلَيَّ بِمَا كَانُوْۤا يٰعْمَلُوْنَ ۱۱۲ ۱؎ اِنِّىْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلَى
 رَبِّىْ لَو تَشْعُرُوْنَ ۱۱۳ ۱؎ وَمَا اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۱۱۴ ۱؎
 اِنِّىْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۱۱۵ ۱؎ قَالُوْۤا لَيْن لَّمْ تَنْتَه
 يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۱۱۶ ۱؎ قَالَ رَبِّ اِنِّى
 قَوْمِىْ كَذَّبُوْنِىْ ۱۱۷ ۱؎ فَافْتَحْ بَيْنِىْ وَبَيْنَهُمْ فِتْنًا وَّ
 نَجِّنِىْ وَمَنْ مَّعِىْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۱۱۸ ۱؎ فَاجْبِنِهٖ
 وَمَنْ مَّعَهُ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۱۱۹ ۱؎ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ
 الْبٰقِيْنَ ۱۲۰ ۱؎ اِنِّىْ فِىْ ذٰلِكَ لٰآيَةٌ وَّمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
 مُّؤْمِنِيْنَ ۱۲۱ ۱؎ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۱۲۲ ۱؎

ترجمہ: جب لایا نوح علیہ السلام کی قوم نے اللہ کے رسولوں
 کو ۱۰۵ جب کہا ان سے ان کے بھائی نوح علیہ السلام نے

کیا تم ڈرتے نہیں؟ (۱۰۶) بیشک میں تمہارے لیے رسول
ہوں امانت دار (۱۰۷) پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت
کرو (۱۰۸) اور میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی بدلہ۔
نہیں ہے میرا بدلہ مگر رب العالمین کے ذمے (۱۰۹) پس
ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو (۱۱۰) کہا انہوں نے کیا
ہم ایمان لائیں تجھ پر حالانکہ تیری پیروی رذیل لوگ کرتے
ہیں (۱۱۱) کہا (نوح نے) اور مجھے کیا علم ہے اُن باتوں
کا جو کچھ وہ کہ رہے ہیں (۱۱۲) اُن کا حساب میرے رب
کے ذمے ہے، اگر تم میں کچھ شعور ہے (۱۱۳) اور میں
نہیں دیکھنے والا ایمان والوں کو (۱۱۴) میں نہیں ہوں مگر
ڈر سنانے والا کھول کر (۱۱۵) کہا انہوں نے اگر تو باز
نہیں آئے گا لے نوح! البتہ ہو گا تو سنا کر کے ہڑوں
میں (۱۱۶) کہا (نوح نے) اے میرے پروردگار! بیشک
میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے (۱۱۷) پس فیصلہ کر میرے درمیان
اور ان کے درمیان واضح فیصلہ۔ اور نجات دے مجھے اور
جو میرے ساتھ ہیں ایمان والے (۱۱۸) پس ہم نے نجات
دی اُن کو اور جو اُن کے ساتھ تھے بھری ہوئی کشتی میں (۱۱۹)
پھر ہم نے غرق کر دیا اس کے بعد دوسروں کو (۱۲۰) بیشک
اس واقعہ میں البتہ نشانی ہے۔ اور نہیں ہیں اکثر لوگ ایمان
لانے والے (۱۲۱) اور بیشک تیرا پروردگار البتہ زبردست اور
نہایت رحم کرنے والا ہے (۱۲۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نصیحت

بط آیات

کے لیے حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا حال بیان کیا ہے۔ ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم مشرکین و کفر کے تصور پر اور ہٹ و دھرمی کا ذکر کیا اور اپنے پیغمبر کو تسلی دی کہ آپ اتنی دلی موزی نہ کریں۔ پھر اہل ایمان کی تسلی کے لیے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور ان کی قوم کا حال بیان کیا۔ فرعون اور قبطیوں کی غرقابی کا ذکر کیا۔ اس سورۃ مبارکہ میں مختلف انبیاء کے ادوار کی ترتیب کو ملحوظ خاطر نہیں رکھنا گیا۔ جیسا کہ سورۃ اعراف میں اس ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ یہاں پر مختلف اقوام کے غرور و تکبر کی شدت کے پیش نظر ان اقوام اور ان کے انبیاء کا حال بیان کیا گیا ہے۔ فرعون اور اس کی قوم چونکہ سب سے زیادہ متکبر تھی، لہذا اس سورۃ میں تاریخ انبیاء اور ان کی اقوام کا حال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شروع کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے کیونکہ آپ کا مخالف غرور و جیسا مغرور بادشاہ تھا۔ اس کے بعد آپ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر آیا ہے کہ غرور و تکبر میں غرور کے بعد قوم نوح کا نمبر آتا ہے فرعون کے تکبر کا حال یہ تھا کہ اُس نے کہہ دیا اَنَا رَبُّكُمْ اَلَا عَلٰی (الزُّرُّوٰتِ - ۲۴) میں تھا کہ اُس کے بڑا رب ہوں۔ اور غرور نے ابراہیم علیہ السلام کے سامنے اپنی بڑائی کا اظہار اس طرح کیا اَنَا اَحْمَدٌ وَاُمِّيَّتٌ (البقرہ - ۲۵۸) میری بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ اب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے غرور و تکبر کا ذکر ہو رہا ہے۔

نوح علیہ السلام
کا قوم کے
خطاب

ارشاد ہونا ہے كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحٍ اَلْمُرْسَلِيْنَ حضرت
نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت
نوح علیہ السلام کی قوم میں صرف آپ ہی ان کی طرف سے رسول مبعوث ہوئے تھے۔
جیسا کہ سورۃ نوح میں صاف موجود ہے اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ
(آیت - ۱) ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، مگر یہاں پر فرمایا
ہے کہ آپ کی قوم نے مرسلین یعنی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا۔ مفسرین کرام

فرتے ہیں کہ یہاں پر حج کا صیغہ اس لیے استعمال ہوا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیڑھوں میں سے کسی ایک کا چھٹلا ناسکے چھٹلانے کے مترادف ہے۔ اللہ کے تمام نبی توحید اور ایمان ہی کی دعوت لیتے رہے۔ تمام انبیاء کے بنیادی اصول دین ایک ہی ہیں لہذا یہاں پر جمع کا صیغہ مسرسلین استعمال کیا گیا ہے۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ تَوَجَّحْ جَبَّالٍ ان کے بھائی نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا۔ اَلَا تَتَّقُوْنَ کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ تم اللہ کے نبی کی بات کو نہ صرف تسلیم کرنے سے انکار کر رہے ہو، بلکہ اُسے طرح طرح کی ذمہ داری اور جہانی تکلیفیں بھی پہنچا رہے ہو۔ کیا تم خدا تعالیٰ کی گرفت سے خوف نہیں کھاتے؟ یہاں پر نوح علیہ السلام کو آپ کی قوم کا بھائی کہا گیا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ اپنی قوم اور برادری ہی کے ایک فرد تھے اس لیے نسب میں ان کے بھائی سمجھے تھے بعض نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے غیر اقوام کی طرف بھی مبعوث فرمایا ہے۔ مثلاً حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے مگر اللہ نے ان کو مشرق اردن کی دوسری قوم کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ ان کے خاندانی بھائی نہیں تھے۔ بھائی بندی کے بعض دوسرے ذرائع بھی ہیں۔ مثلاً ایک ہی دین کے پیروکار آپس میں دینی بھائی ہوتے ہیں۔ ایک ملک کے باشندے یا ایک زبان بولنے والے لوگوں میں بھی ملکی یا لسانی رشتہ انوث موجود ہوتا ہے جب کسی غیر ملک میں جا کر ایک ہی ملک کے رہنے والے دو آدمی اکٹھے ہوتے ہیں تو وہ ملکی بھائی کہلاتے ہیں۔ بہر حال نوح علیہ السلام ملکی، قومی اور نسبی اعتبار سے اپنی قوم کے فرد اور ان کے بھائی تھے، اسی لیے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کی قوم سے ان کے بھائی نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ دیکھو اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ میں تمہاری طرف امانت دار رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ ظاہر ہے کہ حق تبلیغ کی ادائیگی میں اللہ کا ہر نبی امانت دار ہوتا ہے، جو تبلیغ کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کرتا ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے خطاب کر کے فرمایا اَلَا یَاۤئِیْہَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنزِلَ اِلَیْکَ مِنْ

رَبِّكَ اِقَان لَمَّا تَفَعَّلَ فَمَا بَلَغَتْ رِسَالَتَهُ (الہائدہ ۶) اے
رسول! جو کچھ تیرے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اُسے امت تک ٹھیک ٹھیک پہنچا دیں۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے حق رسالت ہی ادا نہیں کیا۔ غرضیکہ حضرت
نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے فرمایا کہ میں تمھارے لیے امانتدار رسول ہوں فَاتَّقُوا
اللَّهَ وَأَطِيعُوا پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ہر نبی تو حید کی تعلیم اور
اپنی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ انبیاء کی اطاعت گویا اللہ ہی کی اطاعت ہے، کیونکہ
فَمَا لِبَارِئِ تَعَالَىٰ بَعَثَ يَطِيعَ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۰)
جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ نوح علیہ السلام نے
بھی قوم کو یہی کہا کہ اللہ کی گرفت سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ نیز فرمایا کہ
اس تبلیغ حق کے ضمن میں وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ مِّنْكُمْ
سے کوئی بدلہ، اجرت یا مزدوری طلب نہیں کرتا کیونکہ اِنْ اَجْرِي لَآ اَعْلَىٰ
رَبِّ الْعَالَمِينَ میرا اجر تو تمام جہانوں کے پروردگار کے ذمے ہے۔ سائے
انبیاء کا یہی مشن رہا ہے کہ وہ احکام الہی کی تبلیغ و تعلیم کے لیے کوئی معاوضہ طلب
نہیں کرتے کیونکہ وہ اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ سے بہترین بدلے کے اُمیدوار
ہوتے ہیں۔ فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت
کرو کہ اسی میں تمھاری صلاح کا راز پنہاں ہے۔ میری بے لوث اور بے غرض تبلیغ
کا تقاضا یہی ہے کہ میری طرف سے پیش کردہ سچی بات کو مان لو۔ یہاں پر اللہ نے اختصار
کے ساتھ نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سورۃ ہود، سورۃ یونس، سورۃ
اعراف اور سورۃ نوح میں تفصیلات بھی بیان کی گئی ہیں۔

جب نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے یہ پیغام رکھا قَالَ لَوَآ اَنْتُمْ
لَا تَكُ وَاَتَّبَعَكَ اِلَّا رِذَالٌ تَوَلَّوْا تو وہ کہنے لگے، اے نوح! کیا ہم تیری بات
کو مان لیں حالانکہ تیرے پیچھے چلنے والے تو رذیل لوگ ہیں۔ تیری مجلس میں کئی کئی
لوگ بیٹھے ہیں، بھلا ہم ان کے ساتھ کیسے بیٹھ سکتے ہیں جب کہ ہم اعلیٰ خاندان اور

اعلیٰ برادری کے اشرف لوگ ہیں یہی کبر کی بات تھی۔ جو قوم فرعون اور فرعون نے بھی کی تھی۔ قریش مکہ بھی اسی بیماری میں مبتلا تھے۔ وہ بھی کہتے تھے کہ تیرے پاس گھٹیا درجے کے لوگ آکر بیٹھتے ہیں ہم ان کی ہم نشینی کیسے اختیار کر سکتے ہیں حضور علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ میں یہی کچھ ہوا۔ صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ جیسے اشرف بہت کم تھے۔ جو ابتدائی دور میں ایمان لائے، ورنہ جمہور خاندانی آدمیوں کا حال یہی تھا کہ جب کوئی دوسرا راستہ باقی نہ رہا تو چاروں چارہ ایمان لے آئے۔ ابو سفیانؓ نے بیس سال تک سخت مخالفت کی، جنگیں لڑیں، پھر حیرت بکھر چکے ہو گیا تو ایمان لے آئے۔ اس کے بعد ان میں بڑا اخلاص پیدا ہو گیا تھا اور وہ جاہلیت کی زندگی پر سخت افسوس کیا کرتے تھے خود اپنے خاندان کے لوگوں کے رد پر دکھا کرتے تھے کہ ہم نے سخت غلطی کی، لہذا اس غلطی کی تلافی کی صورت یہی ہے کہ باقی زندگی میں دین کی بڑھ چڑھ کر خدمت کی جائے۔ چنانچہ حقیقت یہی ہے اکثر انبیاء کی امتوں میں عترت ہی پہلے اسلام لائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے **بَدَا الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ فَطُوبَىٰ لِلْغُرَبَاءِ** اسلام کی ابتداء غریبوں سے ہوئی اور پھر یہ غریبوں ہی میں رہ جائے گا، لہذا غریب لوگ خوشخبری کے مستحق ہیں۔ نسلِ نازک یا خاندان کی بنا پر کسی کو حقیر جانا سخت جہالت کی بات ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے **كُلُّكُمْ أُمَّةٌ وَأُمَّةٌ مِّنْ تَرَاكِبِ أَدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ** کی اولاد ہو اور آپ کی تخلیق سب سے ہوئی تھی۔ لہذا پیدا ہونے کی طور پر کوئی حقیر یا اشرف نہیں ہے بلکہ **إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ** (الحجرات - ۱۳) اللہ تعالیٰ کے ہاں باعزت اور شریف وہ ہے جو زیادہ متقی ہے لہذا کسی کو کسی خاص پیشے کی بنا پر کم تر خیال کرنا نہایت ہی بُری بات ہے، بلکہ یہ تو انسانیت کی توہین ہے۔

فقہائے کرام نے پیشوں کے لحاظ سے جو کلمہ کا مسئلہ نکالا ہے وہ محض لوگوں کی سولت کے لیے ہے کہ ہم پیشہ لوگوں کو آپس میں زیادہ مناسبت ہوتی ہے

ص ۸۲ (فیاض)

لہذا اگر وہ آپس میں رشتے ٹٹے کر سکیں گے تو ان کے لیے آسانی ہوگی۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی لازم نہیں ہے بلکہ حقیقت میں ہر مسلمان دوسرے کا کفو ہے اور رشتہ کر سکتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سادات کی عورتوں کا نکاح امتیوں سے نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی غلط بات ہے۔ خود حضور علیہ السلام نے اپنے منہ بولے بیٹے زید جو آزاد اور کردہ غلام تھے، کا نکاح قریش خاندان کی حضرت زینبؓ سے کر لیا۔ اگرچہ بوجہ اُن کا نیا نہ ہو سکا۔ مگر ہر مومن دوسرے مومن کا کفو ہے۔ ہاں اگر کوئی مرد یا عورت دینی یا اخلاقی اعتبار سے مجبور ہے تو اس میں خرابی آئے گی۔ گویا شرافت یا ذالمت دین اور اخلاق کے اعتبار سے ہے نہ کہ بھادری، خاندان اور پیشوں کے اعتبار سے۔ بعض خاندانوں کو اللہ نے دنیاوی طور پر بھی معزز بنایا ہے تو اُن کا فرض ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کریں، ورنہ حقیقت میں تو سارے اولادِ آدم ہی ہیں۔ بہر حال نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ کے کہا کہ ہم آپ پر کیسے ایمان لاسکتے ہیں جب کہ آپ کے ہم نشین اور اتباع کرنے والے تو رذیل لوگ ہیں۔

اہل ایمان
کی قدر قیمت

ارشاد ہوتا ہے قَالَ وَمَا عَلِمْنَا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ہ

نوح علیہ السلام نے فرمایا، مجھے کیا علم ہے جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں ان حسابہم
الْأَعْلَىٰ كَيْفَ كُنتُمْ شَعُرُونَ اُن کا حساب تو میرے رب کے پاس ہے
اگر تم کچھ شعور رکھتے ہو۔ مطلب یہ کہ جن لوگوں نے عداوت دل سے ایمان قبول
کیا ہے اُن کی نیت اور ارادے کو تو خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اُن کے اعمال سے
بھی اللہ تعالیٰ واقف ہے۔ تم اُن کو حقیر سمجھتے ہو مگر وہ تو ایسا نہیں سمجھتا لہذا
میں اُن کو اپنی مجلس سے کیوں اٹھا دوں۔ میں تو تھکے رہنے کے لیے تیار نہیں ہوں،
تمہارا خیال غلط ہے کہ ہدایت قبول کرنے والے کبھی
کبھی لوگ ہیں، بلکہ اللہ کے ہاں یہی اہل ایمان عزت و احترام کے قابل ہیں۔

لِذَا وَمَا آتَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ اِن مَّحْضِ اِيْمَانِ وَالَّذِينَ كُو
اپنی مجلس سے دور نہیں کر سکتا۔ اِن اَنَا الَّذِيْنَ هُوَ

میری حیثیت تو یہ ہے کہ میں کھول کر ڈرنا نہ والا ہوں۔ دوسری جگہ یہ بھی موجود ہے کہ اگر میں ان ایمان والوں کو دیکھ سکوں گا تو ظالم بن جاؤں گا (العیاذ باللہ) یہاں پر کسی کے خاندان اور قبیلے کا لحاظ نہیں بلکہ ایمان اور اخلاص کی قدر و قیمت ہے۔ یہاں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس کا دل فوراً ایمان اور نورِ توحید سے منحور ہے؟

کون شخص ہے جو اطاعت کرے، تابہ اور صدق و امانت کا پاسدار ہے؟

نوح علیہ السلام کی قوم دلیل کے ساتھ تو کوئی بات نہ کر سکی اس لیے انہوں نے

آپ کو دیکھا، دینی شروع کر دیں۔ قَالُوا لَنْ نَمُنَّ بِكَ مَا نَبِيٍّ نَبِيٍّ

کہنے لگے اے نوح علیہ السلام اگر تو اپنی تبلیغ سے باز نہ آیا لستكونن من

الْمُؤْمِنِينَ تو ہو جائے گا تو سنگسار کیے ہوؤں میں سے مطلب یہ کہ اگر تو

اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا تو تم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔ یہ قوم

کا مغرور و تکبر بول رہا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ اکیلا آدمی ہے، چند کمزور قسم کے

لوگ اس کے حمایتی ہیں، ہم جو چاہیں ان کے ساتھ کر گزریں گے۔ چنانچہ انہوں

نے نوح علیہ السلام کو بہت زیادہ تکلیفیں دینا شروع کر دیں، آپ کو مار مار کر

بیہوش کر دیتے تھے۔ ذرا ہوش آتی تو پھر اللہ کا پیغام سننے لگتے۔

ان تمام تر تکالیف کے باوجود نوح علیہ السلام نے اپنا مشن جاری رکھا

سورۃ نوح میں موجود ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ پروردگار

الْحَبِّ دَعَوْتُ قَوْمِي لِيَدْعُوا إِلَيَّ وَإِنِّي لَأخْشَىٰ قَوْمِي كَثِيرًا

قوم کو شب و روز توحید و ایمان کی دعوت دی۔ اَلْحَبِّ دَعَوْتُ قَوْمِي لِيَدْعُوا إِلَيَّ

(آیت ۸) میں نے ان کو علی الاعلان تبلیغ کی۔ قَوْمِي كَثِيرًا اَعْلَمْتُ كَثِيرًا

وَاسْرَدْتُ كَثِيرًا اَسْرَارًا (آیت ۹) میں نے ان کو ظاہر بھی دعوت دی

اور خفیہ طور پر بھی سمجھایا مگر انہوں نے میری ایک نہ مانی۔ تمام لوگ مغرور اور سرکش

تھے سوائے ان بہتر یا انہی افراد کے جو کشتی میں سوار ہو گئے اللہ نے ساری قوم نوح

کو قَوْمًا غَمِيْنًا (الاعراف - ۶۴) اندھی قوم کہا ہے ان کی آنکھیں تھیں

قوم نوح کی
طرف سے دہائی

حضرت نوح
کا دعا

مگر دل کے اندھے تھے، وہ سنی کو بچانے کے لیے تیار نہ تھے۔ آخر میں تنگ
 اگر نوح علیہ السلام نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا قَالَ رَبِّ اِنِّیْ
 قَوْمٌ کَذِبُوْنَ پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے۔ فَاَفْتَحْ
 بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فَتَحَّ اَیْسِیْرٌ اور ان کے درمیان کھلا فیصلہ کر دے
وَیَجْعَلْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اور مجھے اور میرے ساتھ
 دوسرے ایمان والوں کو نجات دے اللہ کے سارے نبی مصائب پر صبر کرنے
 رہے مگر آخر اللہ کے سامنے اپنی مدد کے لیے درخواست کرنے پر مجبور ہو
 گئے۔ قَالَ رَبِّ اَنْصُرْنِیْ بِمَا کَذَبُوْا عَلَیَّ (المؤمنون - ۳۹) پروردگار!
 میری مدد فرما کہ یہ لوگ مجھے جھٹلا رہے ہیں۔

دُعا کی
 قبولیت

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی دُعا کو شرف قبولیت بخشا فَاَجَبْنَا لَهُ
 وَمَنْعَهُ فِی الْفَلَکِ الْمَشْحُوْر پس ہم نے نجات دی حضرت
 نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی کے ذریعے۔ یہاں پر کشتی بنانے
 اور پھر طوفان آنے کا ذکر نہیں کیا۔ دوسری سورتوں میں مفصل حالات مذکور ہیں۔
 نوح علیہ السلام کی دُعا کے ضمن میں صرف اتنا فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کو اور آپ کے
 ساتھ والے بیشتر یا انہی افراد کو بچالیا جو کشتی میں سوار ہو گئے۔ یہ کشتی اللہ کے حکم سے حضرت
 نوح علیہ السلام نے کشتی پر بنائی تھی جس کی لمبائی ساڑھے چار سو فٹ تھی۔ یہ تین منزلہ
 کشتی تھی اور ہمارے زمانے کے سفینہ حجاج جیسے بڑے بحری جہاز کے مانند تھی جس میں
 جانوروں کا ایک ایک جوڑا اور باقی انسان تھے جن میں نوح علیہ السلام کے دربیٹے
 اور ان کی بیویاں بھی شامل تھیں۔

بہر حال فرمایا کہ ہم نے نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو بچالیا۔ ثُمَّ
 اَعْرَقْنَا بَعْدَ الْبَقِیِّیْنَ پھر اس کے بعد ہم نے باقی سب انسانوں اور
 جانوروں کو پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیا۔ یہ اتنا بڑا سیلاب تھا جس کی نظیر پوری انسانی
 تاریخ میں نہیں ملتی۔ توہرات کے بیان کے مطابق طوفان کا پانی بلند ترین پہاڑی سے

جیسی تیس فٹ اونچا چلا گیا اور سب کچھ غرق ہو گیا فرمایا۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
 اس سارے واقعہ میں ایک نشانی ہے جسے اہل مکہ اور بعد میں آنے والے بھی دیکھ
 لیں کہ مجرموں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ اس کشتی کو بھی اللہ نے نشانی کے
 طور پر پانی رکھا ہے جو کہ انسانی تاریخ کا ایک نمونہ ہے۔ اس قدر بڑے انجام کے
 باوجود اللہ نے فرمایا وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اَكْثَرِ لَوْ كَانِ
 قبول کرنے والے نہیں ہیں۔ آج بھی دیکھ لیں کہ انبیاء کی آمد، کتب کے نزول اور
 ہدایت کے دیگر تمام تر اسباب مہیا ہونے کے باوجود لوگوں کی اکثریت ایمان
 سے خالی ہے لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور کفر، شرک اور رسم و رواج
 کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ فَرَاوٰ اِنَّ رَبَّكَ لَهٗوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ بیشک تیرا پروردگار غالب بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ حضرت
 نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کے حق میں خدا تعالیٰ کی صفت رحمت
 کا ظہور ہوا جب کہ باقی مجرموں کے لیے اس کی صفت عزت کا ظہور ہوا کہ وہ سب
 پر غالب بھی ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ ۱۲۳ اِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ
هُودٌ اَلَا تَتَّقُونَ ۱۲۴ اِنِّى لَكُمْ رَسُولٌ اَمِيْنٌ ۱۲۵ فَاتَّقُوا
اللّهَ وَاَطِيعُوْنَ ۱۲۶ وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنِ
اَجْرِى اِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۱۲۷ اَتَّبِعُوْنَ بِكُلِّ رِيْحٍ
اٰیةً تَعْبَثُوْنَ ۱۲۸ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ
تَخْلُدُوْنَ ۱۲۹ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۱۳۰ فَاتَّقُوا اللّهَ
وَاَطِيعُوْنَ ۱۳۱

ترجمہ ۱۰۔ جھٹلایا قوم عاد نے اللہ کے رسولوں کو ۱۲۳ جب
کہا ان کے لیے ان کے بھائی ہود علیہ السلام نے، کیا تم
ڈرتے نہیں؟ ۱۲۴ بیشک میں تمہارے لیے رسول ہوں
امانت دار ۱۲۵ پس اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ۱۲۶
اور میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی بدلہ۔ میرا بدلہ نہیں
ہے مگر رب العالمین کے ذمے ۱۲۷ کیا بناتے ہو تم ہر بلندہ
جگہ پر ایک نشانی جس کے ساتھ تم کھیل کرتے ہو ۱۲۸
اور بناتے ہو تم مختلف کاریگریاں (یا عالیشان مکانات) شاید
کہ تم نے ہمیشہ رہنا ہے ۱۲۹ اور جب تم ہمت ڈالتے ہو
کسی پر تو گرفت کرتے ہو تم ظلم کے ساتھ ۱۳۰ پس اللہ سے
ڈرو اور میری بات مانو ۱۳۱

یہ تلی کا مضمون بیان ہو رہا ہے۔ سورۃ ہذا کی ابتدائی آیات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے رفقاء کو تلی دی گئی تھی کہ آپ اتنی زیادہ فخر نہ کریں کہ یہ لوگ آپ کی بات کو تسلیم کیوں نہیں کرتے، بلکہ آپ اپنا فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہیں اور نتائج اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ اب اسی سلسلے میں سابقہ اقوام کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مشرکین بہت بڑے سرکش ہیں تو ان سے پہلی اقوام کے لوگ بھی کوئی کم سرکش نہیں تھے۔ انہوں نے بھی اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام کو سخت تکالیف پہنچائیں۔ ان کی تکذیب کی مگر وہ خود ہی ہلاک ہوئے۔ اس ضمن میں قوم فرعون، قوم ابراہیم اور قوم نوح کا ذکر ہو چکا ہے۔ قوم فرعون اور قوم نوح کو اللہ نے پانی میں ڈبو کر ہلاک کیا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے باپلی لوگ بھی بڑے ظالم اور سرکش تھے۔ انہوں نے آپ کو سات سال تک قید میں رکھا، پھر آپ کو بڑی آگ میں پھینک دیا مگر اللہ نے آپ کو صحیح سلامت بچا لیا۔ پھر بابل والوں پر اللہ کی گرفت آئی اور وہ تباہ و برباد ہوئے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کا تذکرہ فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے رسول حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ کیا سلوک کیا اور ان کا کیا انجام ہوا۔

ارشاد ہوتا ہے كَذَّبَتْ عَادُ الْعَمَلِينَ قوم عاد نے بھی اپنے رسولوں کو جھٹلایا۔ اگرچہ ان کے رسول تو ہود علیہ السلام ہی تھے مگر یہاں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے وجہ یہ ہے کہ تمام رسولوں کا دین اور مشن تو ایک ہی رہا ہے لہذا کسی ایک رسول کا جھٹلانا تمام رسولوں کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اسی طرح خطاب کیا اِنَّكُمْ اَخْوَفُ مِمَّا تَكْفُرُ بِهٖ کہ ان کو ان کے بھائی ہود علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی طرح حضرت ہود علیہ السلام بھی اسی قوم کے فرد تھے، اس لیے آپ کو ان کا بھائی کہا گیا ہے۔ تو انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا الَا تَتَّقُوْنَ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ اللہ کے نبی کی تکذیب کرتے ہو، اسلاف اور دیگر طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو کر خود شرک تمہارا شعار ہے مگر اس کے باوجود تم خدا تعالیٰ کی گرفت سے ڈرتے نہیں۔ یاد رکھو! اِنَّكُمْ

قوم عاد
کا حال

رسول امینؐ میں تمھاری طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول اور ماندار ہوں۔ میں تمھیں اللہ کا پیغام لے کم و کاست پہنچانا ہوں کسی کی رو رعایت نہیں رکھتا لہذا فاتقوا اللہ واطیعوا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ اس کے بعد آپ نے وہی جملہ دہرایا جو سائے نبی کہتے آئے ہیں وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَحِبٍّ میں تم سے اس تبلیغ حق کے عوض کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا کیونکہ انْ أَحْبَبِي إِلَّا خَلْفَ رِبِّ الْعَالَمِينَ کیونکہ میرا بدلہ تو صرف تمام جہانوں کے پروردگار کے ذمے ہے۔ وہی مجھے حق مہفتا نہ ادا کرے گا۔ میرا تم سے صرف یہی مطالبہ ہے کہ خدا کی وحدانیت کو تسلیم کرو اور میری بات مان کر ہریت کے راستے پر گامزن ہو جاؤ کفر شرک اور معاصی کو ترک کر کے اللہ کے مقبول بندے بن جاؤ۔

اسراف کی بیماری

مختلف اقوام میں مختلف اخلاقی بیماریاں پائی جاتی رہی ہیں۔ عقیدے کی بیماری کفر، شرک تو ہر قوم میں تھا، تاہم قریم نوح، قوم ابراہیم اور قوم فرعون کی اخلاقی بیماریوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ اسی طرح قوم عاد میں ظلم و ستم کے علاوہ اسراف کی بیماری عام تھی۔ بڑی بڑی عمارت تعمیر کرنا ان کا عام مشغلہ تھا جن کا کوئی خاص مصروف نہیں بلکہ محض نمود و نمائش مطلوب ہوتی تھی۔ اسی چیز کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ بھی فرمایا اَتَّبِعُوا نِسْرًا بِكُلِّ رِيحٍ آيَةٌ تَعْبَثُونَ کیا بناتے ہو تم ہر اونچی جگہ پر کوئی نشانی محض کھیل کے لیے؟ وَتَخِذُوا مِن مَّصَانِعِ أَوْ طَرِحِ طَرِحِ كَارِجِيَّاتٍ أَمْكَانَاتٍ بناتے ہو لوگ لگے تم تختوں کو گرا تم نے یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ آپ نے اپنی قوم کی توجہ اس طرف دلائی کہ تم عالیشان عمارت بنا کر اور اس میں نقش و نگار کر کے فضول خرچی کے مزئج ہو رہے ہو۔ رہائش یا کسی دوسرے ضروری مقصد کے لیے کوئی عمارت تعمیر کی جائے تو اس میں تو کوئی صرح نہیں مگر اتنی بڑی بڑی عمارت بنا آ جن کا کوئی مصروف نہ ہو، محض اسراف ہے۔ اللہ کے نبی نے قوم کو ایسی باتوں سے منع فرمایا۔

قومِ عاد حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے سماجی نسل سے تعلق رکھتی تھی ان کا مرکز یمن کے اطراف میں وادی داہنا اور ریگستانی علاقہ تھا۔ یہ لوگ فنِ تعمیر کے ماہر تھے۔ انہوں نے پیشمار عمارتیں تعمیر کیں جن میں قصرِ عدنان یا عمران چالیس منزلہ تھا۔ اس کے کھنڈرات حضرت عثمانؓ کے دور تک پائے جاتے تھے۔ مصر سے لے کر ترکستان، ہندوستان اور ایشیا کے دیگر ممالک پر ان کا دبرہ تھا۔ اہرامِ مصر بھی ساڑھے پانچ ہزار سال پہلے ہی۔ کچھ سلامت ہیں اور کچھ ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں جس طرح فرعونِ مصر کو بڑی بڑی عمارتیں بنانے کا شوق تھا، اسی طرح قومِ عاد بھی نمود و نمائش کے لیے عالیشان عمارتیں تعمیر کرتی تھیں۔

عبث عمارت

ان آیات میں آدھ الفاظ ریح، قعبثون اور مصانع خاص طور پر توجہ طلب ہیں۔ ریح کا معنی درہ بھی ہوتا ہے مگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ریح کا معنی اونچی جگہ ہے۔ قومِ عاد کے لوگ اونچے ٹیلے پر اونچی اونچی عمارتیں مینار اور گنبد وغیرہ بناتے تھے۔ دوسرا لفظ مصانع ہے جو مصنع کی جمع ہے۔ آجکل یہ لفظ فیکٹری یا کارخانے کے لیے بولا جاتا ہے۔ اگر یہ لفظ بطور مصدر ہو تو اس کا معنی مختلف کارہیگیاں یا فنون ہوگا۔ تاہم یہاں پر عالیشان مکانات، محلات، مینار، گنبد اور کبوتر اڑانے کے اونچے چبوترے مراد ہیں جنہیں قومِ عاد کے لوگ تعمیر کرنے لگے تھے۔ قرآن پاک کی رو سے بلا ضرورت ایسی شاندار عمارت تعمیر کرنا اسراف میں داخل ہے۔ جیسے اس مقام پر عبث سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی فضول اپنے مقصد، عبث قول سے ہوا فعل سے، دونوں طرح ناجائز ہے۔ غرضیکہ عبث ہر وہ چیز ہے جس کا نتیجہ انسان کے حق میں آخرت کے اعتبار سے اچھا نہ نکلے اور یہ قابلِ مذمت ہے۔

پڑانی اقوام میں اس قسم کی عبث عمارت مصریوں کے ہاں بھی پائی جاتی ہیں مشہور اہرامِ مصر فرعون کے قبرستان اور مقبرے ہیں۔ برصغیر میں

تاج محل اگر وہ مقبرہ جہانگیر مقبرہ نور جہاں، قطب صاحب کی لاٹ وغیرہ اسی قبیل سے ہیں۔ حیدرآباد دکن میں کسی امیر آدمی نے قصر خٹک نمائنا کر افضل اللہ کو کھنے میں دیا تھا یہ پہاڑی کے اُرد پ بنا ہوا، عالیشان محل ہے جس کے چالیس کمرے ہیں اور ہر کمرے کی آرائش، تزیین و زینت، فرخچہ پر سے، رنگ دروغن اور ماحول الگ الگ ہے۔ اسی طرح پاکستان کی تاریخ میں جن صاحب کا مقبرہ کمرہ ڈول کی لاگت سے تعمیر ہوا ہے۔ لاہور میں مینار پاکستان ہے۔ علامہ اقبال کا مقبرہ ہے اس کے علاوہ کھیلوں کے لیے بڑے بڑے سٹیڈیم اور کھیل گرس تعمیر ہوئے ہیں جن پر کمرہ ڈول روپیہ صرف ہوا ہے۔ یہ سب عمارات نام و نمود کے لیے تعمیر ہوئی ہیں مگر نہ ان کا حقیقی فائدہ کچھ نہیں۔ ان کی بجائے اگر جی روپیہ سکول، کالج یا لائبریریوں بنانے پر صرف ہوتا تو لوگوں کو اجتماعی فائدہ ہوتا، غریب لوگوں کے لیے مکانات تعمیر ہوتے تو ان کے بچوں کو سر دی اور گرمی سے پناہ گاہ حاصل ہو جاتی جس سے ہزاروں خاندان مستفید ہو سکتے تھے مگر اس قسم کی عالیشان عمارتوں جن کا کوئی خاص مقصد نہیں عبت کی تعریف میں آتی ہیں۔ بجلا اہرام مصر فرعونوں کو آخرت میں کیا فائدہ دیں گے، ان کی شہرت اسی دنیا تک محدود ہے۔ اسی طرح ستر لاکھ روپے سے تعمیر ہونے والا لاہور کا مینار پاکستان کس قدر مقید ہو سکتا ہے۔ یہی رقم اگر لوگوں کی تالیف قلوب پر ہی صرف ہوتی تو لوگ مرتد ہونے سے بچ جاتے۔ عیسائی مشنریاں اسی دولت کی بنا پر مسلمانوں کو عیسائی بنا رہی ہیں۔ نادار مسلمانوں کی دست گیری کی جائے تو لوگ اسلام جیسے اعلیٰ و ارفع دین کو فرحت کرنے پر تو مجبور نہ ہوں، لبنان کی جنگ کے نتیجے میں بارہ سو لاکھ پھولوں کو انگریزوں نے اپنی کفالت میں لے لیا۔ آخر وہ عیسائی ہی بنیں گے۔ دنیا نے اسلام کی نظریں ان ضروری کاموں کی طرف کیوں نہیں اٹھتیں۔ ذاتی نمائش کے لیے عالیشان محلات، سرنگھٹک پلازے، بڑے بڑے اسمبلی ہال، پریذیڈنٹ ہاؤس اور وزیر اعظم ہاؤس جیسی عمارت محض شان و شوکت کا اظہار نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا یہ ضرورتیں کم

خرچ عمارت سے پوری نہیں ہو سکتی۔ یہ سب فضول خرچی ہے جو کہ عبت ہے۔
 طبرانی نے حیدر سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے جسے صاحب
 تفسیر منظر ہی نے بھی نقل کیا ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ
 کسی بندے کے بارے میں برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اُس کی دولت کو مٹی اور گارے
 میں لگا دیتا ہے۔ دیکھ لیں آج بلڈنگ بازی کا شوق کن لوگوں کے سروں پر سوار
 ہو چکا ہے۔ آخرت کی کچھ فکر نہیں۔ محض دنیا کی نمود و نمائش کے لیے عمارت تعمیر
 کی جا رہی ہیں، وگرنہ اگر محض رہائش مقصود ہو تو وہ کم خرچ سے عسٹوری جگہ پر بھی بن
 سکتی ہے۔ اُس کے آرائش و زیبائش کے اخراجات کو کم کیا جاسکتا ہے۔ مگر لوگ
 ان کو اس طرح تعمیر کر رہے ہیں گویا کہ ہمیشہ ان میں رہائش پذیر ہوں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بھی فرمان ہے كَلِّبْنَا آءِ وَبَالَ
 عَلٰٓ صَاحِبِهِ الْاَمَّا كَا الْاَمَّا لَا ہر عمارت اپنے بنانے والے کے لیے
 باعث وبال ہوگی سوائے اُس کے جو ضروری ہے اور جس میں رہائش مقصود ہے
 دوسری روایت میں آتا ہے۔ ہر نبائی جانے والی عمارت وبال ہے الْاَمَّا كَا
 مَاتِ تَمْسِيْدِ اَوْ دَارِ سِوَآئِ مَسْجِدٍ يَّا كُھر کے۔ مسجد کو اگر خوشنما بھی بنائے گا تو
 اُس میں کوئی حرج نہیں۔ باقی عمارتیں انسان کے لیے وبالِ جان ہیں۔ لوگ انہیں
 یادگار کے طور پر بناتے ہیں مگر آخرت میں ان کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا بلکہ ایسے
 لوگ اسراف کے جرم میں قابلِ مواخذہ ہوں گے۔

شہاد اسی قوم عاد کا ایک فرد تھا جس نے باغ ارم تعمیر کرایا تھا۔ اُس نے دنیا میں جنت
 کا نمونہ تیار کر دیا۔ وہ بھی سمجھتا تھا کہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ مگر اُس کو اُس باغ میں داخلہ بھی
 نصیب نہ ہوا۔ ابھی دروازے پر ہی تھا کہ موت کا وقت آگیا۔ ایک اور روایت میں
 بھی دنیا کی یہ ثباتی اور انسانی زندگی کی قلت اور وقوعِ موت کا ذکر کیا گیا ہے، یہ سب
 کچھ روزمرہ مشاہدہ میں آ رہا ہے مگر ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ موت دوسروں کے لیے ہے
 اور وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور اسی زعم میں بڑے بڑے منصوبے بنا آتے ہیں مگر سب عبت۔

دنیا کی
 بے ثباتی

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ جا رہا تھا۔ راستے میں حضور علیہ السلام کو پیشاب کی حاجت ہوئی۔ آپ نے فارغ ہو کر فوراً مٹی سے تیمم کر لیا۔ میں نے عرض کیا حضور! پانی تو قریب ہی ہے آپ ذرا توقف فرما کر وضو ہی کر لیتے۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلِّي لَا أَبْلُغُ مَجْهِي كَمَا عَلِمَ كَرِيمٌ فِي مَاءٍ يَخْتَلِفُ فِي مَوَاقِعِهَا يَنْهَيْهِمْ، لَهَذَا مِنْ نَبِيِّهِ فِي مَاءٍ يَخْتَلِفُ فِي مَوَاقِعِهَا يَنْهَيْهِمْ۔

حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاصؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا ہمارے پاس سے گزر ہوا۔ میں اور میری والدہ اُس وقت اپنی جھونپڑی مرمت کر رہے تھے، آپ علیہ السلام نے فرمایا عبداللہ! کیا کہہ رہے ہو۔ عرض کیا حضور! جھونپڑی اصلاح طلب تھی اُس کو ٹھیک کر رہے ہیں۔ فرمایا اَلَا مَسْرُوعٌ اَحْجَلُ مِنْ ذٰلِكَ مَعَالِمِ تُوَاسَّ مِنْ سَبِيحِ جَلْدِي كَمَا هِيَ تَحْمِيصٌ كَمَا مَعْلُومٌ كَرِ اس جھونپڑی کی درستگی کے بعد تمہیں اس میں رہنا بھی نصیب ہو گا یا نہیں۔ کیا پتہ کہ موت کس وقت آجائے۔

حضرت ابو ذرؓ کا وعظ

جس طرح حضرت ابو ذر غفاریؓ، کمال درجے کے مجذوب اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ افتخار الامت یعنی امت محمدیہ کے بڑے فقیہ تھے، اسی طرح حضرت ابو ذرؓ حضور علیہ السلام کی امت کے حکیم الامت تھے۔ مسلمانوں کے عروج کے زمانے میں آپ دمشق گئے تو دیکھا کہ لوگ بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کر رہے ہیں۔ آپ مسجد میں آئے، اللہ کی حمد و ثنائیاں کی اور پھر اعلان کیا۔ اے اہل دمشق! میری بات سنو! کیا تمہیں چاہئیں آتی کہ عالیشان عمارت بنانے لگے ہو۔

تَجْمَعُونَ مَا لَا تَأْكُلُونَ، تم ایسی چیزیں جمع کرتے ہو جنہیں کھانا نصیب نہیں ہوگا۔ ایسی عمارت بنانے ہو جن میں رہنا نصیب نہیں ہوگا، اور ایسی چیز کی آرزو کرتے ہو جسے پانہیں سکتے۔ تم سے پہلے بہت سی قومیں گزری ہیں جو جمع کرتی تھیں، مال و دولت سمیٹ سمیٹ کر رکھتی تھیں، مضبوط تعمیرات کرتی تھیں، لمبی آرزوئیں باندھتی تھیں مگر یہ سب چیزیں باطل ثابت ہوئیں اور وہ

قومیں ہلاک ہو گئیں۔ فرمایا اب ان قوموں کے ساکن قبرستان بنے ہوئے ہیں۔ دیکھو! قوم عاد عدن سے عمان تک برسراقتدار تھی۔ ان کے گھوڑے اور اونٹ دوڑتے تھے، ان کے پاس آسائش کی ہر چیز موجود تھی۔ مگر آج ان کی پوری وادی ویران اور سنان پڑی ہوئی ہے جسے کوئی ٹکڑے پر بھی لینے کے لیے آمادہ نہیں۔ جہلا تم لوگ رکن کاموں میں مصروف ہو گئے ہو کہ بڑی بڑی عمارتیں بنانا شروع کر دی ہیں۔

بہر حال اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عبادت کیا بھی ہو اچھا نہیں ہے۔ ایسی عمارتیں بنانا جن کا کوئی خاص مصروف نہ ہو، محض نمود و نمائش کا اظہار ہو ا ان کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ایسا کرنا بری بات ہے اور حضرت ہر علیہ السلام کے بیان سے ان کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔

ظلم کی نعت

حضرت ہر علیہ السلام نے اپنی قوم کی دوسری خرابی یہ بیان فرمائی وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ لوگو! جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو ظلم و ستم ڈھالتے ہو قوم عاد کے لوگ اپنے ارد گرد کے کمزور لوگوں پر بڑا ظلم کرتے تھے، ان سے پیچھا ر لیتے، ان کی مزدوری ادا نہ کرتے اور ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے۔ اللہ کے نبی نے ان کو ظلم و ستم سے منع کیا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے غرور، تجبر، شرک، کفر، فضول خرچی، نمود و نمائش، فضول عمارت، مینار اور گنبد تعمیر کرنے اور ناداروں اور کمزوروں پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اللہ کے نبی ہر علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان باتوں سے آگاہ کیا اور یہ بھی فرمایا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا لوگو! اللہ سے ڈر جاؤ اور میری بات مانو۔ میں تمہیں اللہ کے احکام ٹھیک ٹھیک پہنچا رہا ہوں کہ میں اس کا امانتدار رسول ہوں۔ اگلی آیات میں مزید وعظ و نصیحت کا ذکر ہے۔

وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ۝ (۱۳۲) أَمَدَّكُمْ
 بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ۝ (۱۳۳) وَجَدْتِ وَّعْيُونَ ۝ (۱۳۴) إِلَىٰ أَخَافُ
 عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ (۱۳۵) قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا
 أَوَعَضْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ۝ (۱۳۶) إِنْ هَذَا إِلَّا
 خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ۝ (۱۳۷) وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ۝ (۱۳۸) فَكَذَّبُوهُ
 فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۝ (۱۳۹) إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ كَانَ
 أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝ (۱۴۰) وَإِنَّ رَبَّكَ لَهوَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ (۱۴۱)

۷۰۳

ترجمہ:- اور ڈرو اُس ذات سے جس نے تم کو مدد پہنچائی
 ہے اُن چیزوں کے ساتھ جن کو تم جانتے ہو (۱۳۲) اُس نے
 مدد پہنچائی ہے تم کو جانوروں کے ساتھ اور بیٹوں کے
 ساتھ (۱۳۳) اور بانگات کے ساتھ اور چشموں کے ساتھ (۱۳۴)
 بیشک میں خوف کھاتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب
 سے (۱۳۵) کہا اُن لوگوں نے (جواب میں) برابر ہے کہ تو
 نصیحت کرے یا نہ ہو تو نصیحت کرنے والوں میں سے (۱۳۶)
 نہیں ہے یہ مگر عادت پہلے لوگوں کی (۱۳۷) اور نہیں
 ایسے ہم کہ ہمیں سزا دی جائے (۱۳۸) پس جھٹلایا انہوں نے
 اُس (ہوئے) کو۔ پھر ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا۔ بیشک اس
 میں البتہ نشانی ہے۔ اور نہیں ہیں اکثر لوگ۔ ایمان لانے والے (۱۳۹)

اور تحقیق تیرا پروردگار وہی ہے زبردست ہے اور نہایت رحم کرنے والا ہے (۱۴۰)

رابطہ ایٹ

حضیر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے رفقاء کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں پہلے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور ان کے ساتھ فرعون کا ذکر کیا۔ پھر نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا حال بیان کیا۔ اس سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ پھر ہود علیہ السلام کی قوم کا حال بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان اقوام میں پائی جانے والی بیماریوں کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ کے نبی اپنی اپنی اقوام کو ان خرابیوں سے منع کرتے رہے، انکس و شرک کی بیماری تو تمام اقوام میں قدر مشترک تھی۔ اس کے علاوہ کسی میں معاملات کی خرابی تھی، کسی میں ظلم و زیادتی پائی جاتی تھی اور کوئی قوم خلاف وضع فطری امر میں مبتلا تھی۔ بعض میں غرور و تکبر اس حد تک تھا کہ وہ اللہ کے نبی کو کہتے کہ ہم تمہاری مجلس میں کیسے بیٹھ سکتے ہیں جب کہ تمہارے پاس حقیر لوگوں کی نشرت و برخاست ہے۔ گذشتہ درس میں حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ ایک نوان میں فرشتا بکثرت تھا، وہ بڑی بڑی عمارت، گنبد، مینار اور مقبرے بناتے تھے۔ جن کا کوئی فائدہ نہ تھا، محض نمود و نمائش تھی اور دوسرے یہ کہ وہ ظالم و جاہل قوم کے لوگ تھے کم تر لوگوں پر زیادتی کرتے تھے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطْشَتُمْ جَبَّارِيْنَ جَبَّارِيْنَ جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو نہایت سختی سے پیش آتے ہو۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی معرکہ آرا کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں کہ جملہ انبیاء علیہم السلام کے مشن میں جہاں عقائد، اعمال اور اخلاق کی اصلاح شامل تھی وہاں "رفع الظالم من بین الناس" بھی شامل رہا ہے۔ یعنی ہر نبی کا فرض منصبی رہا ہے کہ لوگوں کو ظلم و زیادتی سے منع فرمائے۔ چنانچہ اللہ کے نبی ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو ظلم و ستم سے منع فرمایا، اور ساتھ ساتھ وہ انعامات بھی گنوائے

جو اللہ نے ان پر کیے تھے اور ان کا شکر ادا کرنے کی تلقین فرمائی۔ انعام ہمیشہ اپنے منعم کا شکر یہ چاہتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے **مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللَّهَ** جو شخص لوگوں کا شکر یاد نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بھی شکر گزاری نہیں کرتا، فرمایا جو شخص تمہارے ساتھ احسان کرنے سے اُس کو احسان کا بدلہ دو۔ اگر بدلہ نہیں دے سکتے تو کم از کم اُس کے لیے دعائے خیر ہی کر دو۔ اب آج کے درس میں ہو و علیہ السلام کی طرف سے بیان کردہ اللہ کے بعض انعامات کا ذکر ہے۔ اس کے ساتھ قوم کا جواب اور پھر اُن کی ہلاکت کا تذکرہ ہے۔

انعام اللہ علیہ
کا شکر یہ

ہو و علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا **وَالْقَوْمِ الَّذِي هَمَّ أَمْدَكُمْ رِجَالًا فَعَلِمُونِ** اللہ تعالیٰ کی اس ذات سے ڈرجا جس نے تمہیں مدد پہنچائی ہے اُن چیزوں کے ساتھ جن کو تم جانتے ہو۔ سب سے بڑی نعمت تمہارا اپنا وجود ہے اور پھر اس جسم کو ملنے والی یہ شمار بیرونی نعمتیں ہیں جن میں تم ڈوبے ہوئے ہو۔ سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصَوْهَا** (آیت - ۱۸) اگر تم اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ ان کی تعداد اور مقدار اس قدر زیادہ ہے کہ تم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مگر انیس کا مقام ہے کہ **إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٌ غَافِلٌ** (ابراہیم - ۳۴) انسان بڑا ہی ظالم اور ناشکر گزار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان عمر بھر عبادت و ریاضت میں گزار کر اللہ تعالیٰ کی ایک ادنیٰ ترین نعمت کا بھی شکر یہ ادا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ تمام نعمتوں کا احاطہ کر سکے۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ انسان کی طرف سے محسوس ہونے سے شکر یہ کے ساتھ بھی راضی ہو جاتا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بیشمار نعمتیں پھیلا دی ہیں جو روزمرہ تمہارے مشاہدہ میں آتی ہیں اور تم انہیں اچھی طرح جانتے ہو۔

آگے اللہ نے بعض نعمتوں کا نام لے کر بھی ذکر کیا ہے۔ فرمایا **أَمْدَكُمْ** کے ساتھ **بِأَنْعَامٍ وَبَيْنَ أَيْدِيكُمْ** اُس نے تمہاری مدد کی موشیوں اور بیٹوں سے اور پھر **بِأَنْعَامٍ وَبَيْنَ أَيْدِيكُمْ**

زندگی کے لوازمات میں داخل ہیں۔ سورۃ زمر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ الْآفَاقِ مَاءً ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ (آیت ۶۱) اللہ تعالیٰ نے تمہاری خدمت کیلئے موشیوں کے اٹھ جوڑے پیدا کیے۔ یہ وہی اٹھ جوڑے ہیں جو انسان کے ساتھ مانوس ہیں اور انسان کے پالتو جانور ہیں اور جن کے متعلق اللہ نے سورۃ المائدہ کی ابتداء میں فرمایا أَحَدَتْ لَكُمْ بِهِم مِّنَ الْآفَاقِ سِتًّا (آیت ۲۱) لوگو! تمہارے لیے چھ پائے موشی حلال کیے گئے ہیں۔ ان کی تفصیل سورۃ الانعام میں موجود ہے کہ ان سے مراد اونٹ، گائے، بھینس اور بکری کے نر و مادہ ہیں۔ لوگ ان کا دودھ، گھی، بال اور کھال استعمال کرتے ہیں۔ ان سے سواری اور بار برداری کا کام لیتے ہیں اور شریعت کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق انہیں ذبح کر کے ان کا گوشت بھی کھاتے ہیں۔ یہ جانور انسان کے خادم ہیں۔ انسانی خدمت اللہ نے ان کی فطرت میں رکھ دی ہے اور اونٹ جیسا طاقتور جانور حسیب بگڑ جاتا ہے تو ہلاک کیے بغیر نہیں چھوڑتا مگر عام طور پر اس کی فطرت یہ ہے کہ ایک تین سال کا بچہ سو اونٹ کی قطار کی ہمارا بچہ کمر بھر چکا ہے لے جاسکتا ہے۔ اونٹ اس قدر فرمانبردار ہے۔ اسی لیے اس پر سواری کے وقت اللہ نے یوں کہنے کا حکم دیا ہے۔ سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ (الزمر ص ۱۳) پاک ہے وہ ذات جس نے ان کو ہمارے بس میں کر دیا، وگرنہ ان کو قابو کرنا ہمارے لیے ممکن نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان ان جانوروں کے ایک بال کا بھی شکر یہ ادا نہیں کر سکتا۔ ایک بال بنانے کے لیے بھی اللہ کی قدرت کا پورا کارخانہ حرکت میں آتا ہے، ورنہ کون ہے جو ایک بال بھی بنا کر دکھائے یہ تو اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے کہ اس کا معمولی سا شکر یہ ادا کر دیا جائے تو وہ خوش ہو جاتا ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ انسان پانی کا گھونٹ پی کر جب اللہ شکر کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی راضی ہو جاتا ہے کہ اس کے بندے نے اس کا شکر یہ ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قدر قدر دان ہے۔

قوم عاد کو بھی اللہ نے اونٹوں کی نعمت عطا فرمائی۔ مین کے صحراؤں میں ان کے

اونٹ دوڑتے تھے جہاں دوسری کوئی سواری میسر نہ تھی۔ اونٹ کو معینہ الصحر یعنی صحراؤں کی کشتی بھی کہا گیا ہے۔ جب تک جدید ذرائع نقل و حمل نہیں تھے اونٹ کو بڑی اہمیت حاصل تھی، ہمارے اہل بھی بالاکوٹ سے گلگت تک ایک اونٹ بارہ من بوجھ اٹھا کر بیس دن میں پہنچا دیتا تھا۔ اب تو ہوائی جہازیں لوگ راولپنڈی سے گلگت صرف سوا گھنٹے میں پہنچ جاتے ہیں بارہ داری کے بڑے بڑے ٹرک ہیں مگر پرانے زمانے میں اونٹ ایک بہت بڑی نعمت شمار ہوتا تھا۔

اللہ نے یہاں پر انہی کے طور پر بیٹوں کا ذکر بھی کیا ہے بیٹے اور بیٹیاں بھی اللہ کی نعمت ہیں مگر بیٹوں کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ یہ انسان کے لیے زیادہ مفید ہوتے ہیں۔ مشقت کے سائے کام بیٹے انجام دیتے ہیں، مال و جان کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور انسان کی نسل بھی انہی سے چلتی ہے۔ بیٹیاں تو فطری طور پر پردہ نشین ہیں، ان سے بھاری کام نہیں لیے جاسکتے۔ ویسے بھی انسان فطرتاً بیٹوں کو بیٹوں پر ترجیح دیتے ہیں بچی کی پیدائش پر خوشی نہیں کی جاتی جب کہ بچے کے لیے بڑی خوشی منائی جاتی ہے حالانکہ بیٹا اور بیٹی دونوں اللہ کی عطا ہے اور بقائے نسل کا کام دونوں کے ذریعے سے ہی ممکن ہے۔ اللہ نے سورۃ بنی اسرائیل میں جہاں مشرکوں کی مذمت بیان کی ہے

وَلَوْلَا قَوْلُ اللَّهِ لَفَعَلْنَا دَاوُودَ إِسْرَافًا فَصَدَّقَهُ اللَّهُ فِي مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ

اَلْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّا نَاۤءُ رٰٓءِیۡتَ ہٗمۡ ؕ اَللّٰہُ تَعَالٰی نے تمہیں تو بیٹے عطا فرمائے ہیں۔ تم اپنے لیے بیٹے چاہتے ہو مگر اللہ کے لیے تم فرشتوں کو اس کی بیٹیاں بخو کر دیتے ہو، کتنی نا انصافی کی بات ہے جس جس کو تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے اُسے اللہ کے لیے دے رکھتے ہو۔

۱۱ اگلی آیت میں اللہ نے باغات اور چشموں کا ذکر کیا ہے کہ اُس نے تمہیں دو پہنچائی وَجَدْتُمْ وَعَمِيْرَاتٍ باغات اور چشموں کے ساتھ۔ اللہ نے چشموں اور نہروں کے ذریعے آبپاشی کا نظام قائم کیا جس سے تمہارے باغات اور کھیتیاں پیدا ہوئیں اور جن سے تمہاری خوراک کے لیے پھل اور آماج پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اللہ

کے خصوصی العامت میں جن کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔

فَمَا بَالُ الْحَفَّاءِ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ هُوَ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ
 نے اپنی قوم کو متنبہ فرمایا کہ میں تم پر پڑے دن کے عذاب کا خوف کھاتا ہوں۔ آپ
 نے انہیں بتلادیا کہ تمہارے افعال و کور دار اس نوعیت کے ہیں کہ تم پر اللہ کی گرفت
 آسکتی ہے، لہذا اس کی سرکشی سے باز آ جاؤ۔ اس کی حدانیت کو تسلیم کر لو بغور و تدبیر
 اور اسراف کو چھوڑ دو، اور کمزوروں پر ظلم کرنا ترک کر دو، ورنہ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں
 تم پھٹے نہ جاؤ۔ پڑے دن کا عذاب اس دنیا میں بھی آسکتا ہے اور آخرت
 میں بھی بحقیقت میں حساب کتاب کا دن ہی یوم عظیم ہے جس دن ان لوگوں کے
 اعمال کا فیصلہ ہوگا لیکن جس دن کسی قوم پر اس دنیا میں بھی عذاب آیا، اُن کے
 لیے وہ بھی بڑا دن تھا۔ یہ دن قوم نوح، قوم فرعون اور قوم عاد و ثمود پر بھی آیا جب
 انہیں صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا گیا۔ تو ہود علیہ السلام نے قوم کو خبردار کیا کہ کہیں تم پڑے
 دن کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ، وقت ہے کہ اب بھی سنبھل جاؤ۔ اللہ سے
 ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

قوم ہود علیہ السلام
 کا جواب

هُودٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَسَّ اس وَعَظَ وَنَصِيحَتِ كَسَّ جَوَابِ مِيقَاتٍ قَوْمِ نِي كَمَا قَالُوا
 سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوْعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ كَسَّ لَكِ
 کہ ہمارے لیے برابر ہے تو ہمیں نصیحت کرے یا نہ ہو نصیحت کرنے والوں
 میں سے مطلب یہ کہ اے ہود! تو جو مرضی کہتا ہے، تمہارے وعظ و نصیحت کا ہم
 پر کچھ اثر نہیں ہوتا، ہم تمہاری بات ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ سو قرآن
 میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ قوم نے کہا قَالُوا لِيُهودَ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ
 (آیت - ۵۳) تو ہمارے پاس کوئی واضح چیز لے کر نہیں آیا، لہذا ہمیں تمہاری باتوں
 پر یقین نہیں آتا بلکہ ہم تو تمہارے متعلق یہ سمجھتے ہیں اِنْ لَقَوْلُ إِلَّا اَعْتَدَكَ
 بَعْضَ الْهَيْئَاتِ سَوَاءٌ (آیت - ۵۴) کہ تم پر ہمارے مجبوروں کی مار
 پڑ گئی ہے۔ تمہارا دماغ چل گیا ہے (نعوذ باللہ) تم ایسی ہی کئی باتیں کرتے

ہو۔ مگر افسوس کہ قوم کا یہ کردار محض مغرور اور جہالت کی بنا پر تھا

وعظ لطمو
عش انبیاء

وعظ کا معنی نصیحت کرنا ہے اور یہ چیز انبیاء علیہم السلام کے مشن میں داخل ہوتی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب الخیر الکثیر میں اس کام کو قہر المدارك الظلمانية بانوار المعارف القدسانیة سے تعبیر فرماتے ہیں یعنی لطیف چیزوں کے ذریعے انسانی اذہان کو اس طور متاثر کرنا کہ وہ صحیح چیز کو تسلیم کر کے ظلم و ستم اور فتنہ و فساد سے باز آجائیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ السلام سے یہ کہلوایا ہے۔ قُلْ اِنَّمَا اَعْظَمُكُمْ لِبِوَاْحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰی وَ قُرْاٰی ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا قَدْ وَاَقَفَ مَا يَصْحَابِكُمْ مِّنْ حِسَّةٍ (سبا - ۴۶) لوگو! میں تمہیں نصیحت کرنا ہوں کہ تم جمع میں ہو یا دو دو یا تین تین کی ٹولیوں میں یا کیلے ہو۔ کھڑے ہو کہ یا بیٹھ کر سوچو تو تم اسی نتیجے پر پہنچو گے کہ تمہارا ساتھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیوانہ نہیں ہے۔ تم حضورؐ کا مغرور و متکبر بھی کرو گے تو تمہیں احساس ہو جائے گا کہ میں تمہاری شیر خواہی کی بات کرتا ہوں، لہذا میرا اتباع کرو اور ہمیشہ کئی ذلت سے بچ جاؤ۔

قوم ہوڈکا
صروح انکار

الغرض! حضرت ہمد علیہ السلام کے تمام تر وعظ کے جواب میں قوم کہنے لگی۔ اِنَّا هٰذَا الْاَخْلَاقِ الْاَوَّلِيْنَ يٰۤاَبُوْ دِيْحَانِ يٰۤاَبُوْ دِيْحَانِ يٰۤاَبُوْ دِيْحَانِ يٰۤاَبُوْ دِيْحَانِ یہ تو پہلے لوگوں کی عادت ہے جو تم پیش کر رہے ہو۔ خلق یا اخلاق عادت کو کہتے ہیں خواہ اچھی عادت ہو یا بری ہو۔ کہنے لگے کہ پہلے بھی لوگ اسی طرح ہی ڈرا کر تے تھے جس طرح تم ہمیں کسی غالبانہ عذاب سے ڈرا رہے ہو، مگر ہم نے تو ایسی کسی سزا کو آتے نہیں دیکھا، لہذا ہمیں تمہاری ان باتوں پر یقین نہیں آتا۔

اِنَّ هٰذَا كَاِشْرٰهٍ اِسْرٰهٍ اِسْرٰهٍ اِسْرٰهٍ اس طرف بھی ہو سکتا ہے کہ جو کچھ آج ہم کہ رہے ہیں۔ یہی کچھ ہمارے پرانے آباؤ اجداد بھی کیا کرتے تھے، مگر تم ہمیں ان کے راستے سے ہٹانا چاہتے ہو۔ دوسری جگہ یہ ہے کہ تم ہمیں آباؤ اجداد، ان کے مجددان، ان کے طور طریقوں اور ان کے رسم و رواج سے ہٹانا چاہتے ہو، لہذا ہم تمہاری بات ماننے کے لیے تیار نہیں بلکہ اپنے آباؤ اجداد کے پرانے طریقے ہی چلتے رہیں گے جتنور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ترسکین

مکہ کے درمیان بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا سورۃ بقرہ میں موجود ہے کہ جب مشرکین سے کہا جانا کہ اس چیز کی اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمائی ہے تو وہ کہتے کہ تم تو اس چیز کا اتباع کر گئے جس پر ہم نے اپنے اباؤ اجداد کو پایا اور لوگوں کا اباؤ اجداد کو بھی اور غیر ہریت یافتہ ہی کیوں نہ ہوں، وہ اپنی دگر

پہلے رہیں گے۔ ہمد علیہ السلام کی قوم نے بھی کہا کہ ہم تمہاری بات کو نہیں مانتے اور نہ تمہاری طرف سے کسی سزا کی پیش گوئی کو تسلیم کرتے ہیں **مَنْ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً** (حکم السجدہ - ۱۵) بھلا ہم سے بڑھ کر کون طاقتور ہے جو ہمیں سزائے گا۔

وَمَا خَتَّ بِمُعَذِّبِينَ اور ہمیں ہیں ہم کہ ہمیں سزا دی جائے بلکہ اللہ نے فرمایا کہ میں اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے وہ بڑی طاقت کا مالک ہے۔ وہ چاہے تو معمولی سی چیز کے ساتھ انہیں ہلاک کر دے۔ **أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً** (حکم السجدہ - ۱۵)

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ ارشاد ہوتا ہے **فَكَذَّبُوهُ** قوم عاد نے اپنے رسول ہود علیہ السلام کو صرکھا جھٹلایا جس کا نتیجہ بالآخر یہی نکلا **فَاَهْلَكَهُمْ** کہ ہم نے اس پوری قوم کو ہلاک کر دیا اور ہلاک بھی ہوا جیسی غیر محسوس چیز سے کیا۔ یہ بڑے طاقتور لوگ تھے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہوئی ہوا کا مقابلہ نہ کر سکے جو سختی کا علیہ **سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَنِيَةَ أَيَّامٍ** (الحاقة - ۷) ان پر سات رات اور آٹھ دن تک مسلسل چلتی رہی۔ اس ہوا نے بڑے بڑے کٹیل جانوروں کو اٹھا اٹھا کر زمین پر پینچ دیا۔ وہ ریگستان میں اس طرح بٹھے تھے جس طرح کھجور کے بڑے بڑے تنے اکھاڑ کر پھینک دیے گئے ہوں۔ اللہ نے فرمایا **فَقَلَّ تَرْتُفٌ لَهُمْ** باقیۃ (الحاقة - ۸) انے مخاطب! تم ان میں سے کسی فرد واحد کو بھی زندہ نہیں دیکھتے۔ اللہ نے سب کو ہلاک کر دیا۔ زندہ بچ جانے والوں میں **بَخِيلَاتٌ هُودًا** وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ (ہود - ۵۸)۔ صرف ہود علیہ السلام اور ان کے ایمان دار ساتھی تھے، باقی سب ختم ہو گئے۔

مکہ
مکہ
مکہ

فرمایا، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً اُولٰٓئِكَ اَسْ وَاَقْتَدِيْنَ عَجْرَتِ كِي لَتَانِي هٖ . مَحْے
 كے مشرکین بھی اور دیگر نافرمان بھی غور کریں اور دیکھیں کہ غرور و تکبر اور نافرمانی کا انجام
 کیا ہوتا ہے۔ انہیں جان لینا چاہیے کہ اگر انہوں نے بھی کفر و شرک کا ارتکاب کیا، کفر و زور
 پر ظلم و ستم ڈھائے اور انبیاء کی بات کو جھٹلایا تو خدا تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے
 آگے انسانی تاریخ کے اعتبار سے یہ جملہ بار بار دہرایا گیا ہے وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
 مُؤْمِنِيْنَ اَكْثَرِ لَوْ كَانِ الْاِيْمَانُ لَانْتَفَعْنَا مِنْهُ لَوْلَا اَنْ نَّهِيَ سَمْعًا وَاَبْصَارًا
 لَوْ كَانِ الْاِيْمَانُ لَانْتَفَعْنَا مِنْهُ لَوْلَا اَنْ نَّهِيَ سَمْعًا وَاَبْصَارًا
 لوگ عیترت نہیں پکڑتے تھے بلکہ ان کی اکثریت ایمان سے محروم رہتی تھی اور بالآخر وہ
 بھی تباہ ہو جاتی تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں کثرت نافرمانوں کی ہی رہی ہے اور

اہل ایمان ہمیشہ قلت میں رہے ہیں۔

فَمَا وَاَلَّا اِنَّ رَبَّكَ اَلْهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ بَشِيْكَ تِيْلًا يُّرْوَدُ كَارِ عَزِيْزٍ لِيْنِي
 کمال قدرت کا مالک ہے۔ وہ جیسا چاہے کسی مجرم کو شدید ترین سزا دے دے۔ جوہ
 رحیم بھی ہے جن پر زیادتی ہوئی، اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی اور ان کی مشکلات کو دور
 کیا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ دونوں صفات کام کمر رہی ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٦﴾ اِذْ قَالَ لَهُمُ اخْوَصِمُ
 صِخْرًا اَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٣٧﴾ اِلٰى لَكُمْ رَسُوْلٌ اٰمِيْنٌ ﴿١٣٨﴾ فَالْتَقَوْا
 اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنَ ﴿١٣٩﴾ وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ
 اَجْرِي اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٠﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هُمْنَا
 اٰمِيْنٌ ﴿١٤١﴾ فِيْ جَنَّتٍ وَّعِيُوْنَ ﴿١٤٢﴾ وَزُرُوْعٍ وَّخَلِي
 طَلْعَهَا هٰضِيْمٌ ﴿١٤٣﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا
 فَرِيْحِيْنَ ﴿١٤٤﴾ فَالْتَقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنَ ﴿١٤٥﴾ وَلَا تُطِيعُوْا اَمْرَ
 الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤٦﴾ الَّذِيْنَ يَفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا
 يُصْلِحُوْنَ ﴿١٤٧﴾

ترجمہ:۔۔۔ جھٹلایا قوم ثمود نے اللہ کے رسولوں کو ﴿۱۳۶﴾

جب کہا ان سے ان کے بھائی صالح علیہ السلام نے کیا تم

ڈرتے نہیں؟ ﴿۱۳۷﴾ بیشک میں تمہارے لیے رسول ہوں

امانت دار ﴿۱۳۸﴾ پس اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ﴿۱۳۹﴾

اور میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی بدلہ۔ میرا بدلہ نہیں

ہے مگر رب العالمین کے ذمے ﴿۱۴۰﴾ کیا تم چھوڑ دیے جاؤ گے

یہاں امن میں؟ ﴿۱۴۱﴾ باغوں میں اور چشموں میں ﴿۱۴۲﴾ اور

کھینٹوں میں اور کھجوروں میں جن کے خوشے نہایت ہی ملائم

ہیں ﴿۱۴۳﴾ اور تراشتے ہو تم پہاڑوں میں گھروں کو بڑی آسودگی اور

مشکلت سے (۴۹) پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو (۵۰)
اور نہ اطاعت کرو مسزوں کی بات کی (۵۱) جو فساد کرتے ہیں
زمین میں اور اصلاح نہیں کرتے (۵۲)

قوم ثمود

تسلی کے مضمون میں قوم عاد کا ذکر گذشتہ دروس میں ہو چکا ہے۔ اب
آج کے درس میں قوم ثمود کا تذکرہ ہے جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی۔ یہ لوگ
عاداتاً بھی کہلاتے ہیں۔ جزیرہ نما عرب کے شمال میں یہ لوگ ڈادی بنوک سے لے کر ڈادی
قرنی تک آباد تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے
کہ اس علاقے میں اس قوم کی سترہ سو بڑی بڑی بستیاں تھیں۔ ترکوں کے زمانے
میں بنوک تک ریل بھی جاتی تھی اور دہاں پر ریلوے اسٹیشن بھی تھا جس کی عمارت
آج بھی موجود ہے۔ اس جگہ کا نام اب بھی مدائن صالح ہے۔ قوم عاد کی طرح قوم ثمود
بھی بڑی تمدن قوم تھی۔ ان کی بستیوں کے کھنڈرات اب بھی نظر آتے ہیں۔ قوم ثمود
کے لوگ زیادہ تر باجر پیشہ تھے، کھیتی باڑی بھی کرتے تھے۔ اور بڑے آسودہ حال تھے
یہ لوگ کمال دہسے کے ننگ تراش تھے۔ پہاڑوں کو کھود کر نہایت پر آسائش اور نقش و نگار
والے مکانات بناتے تھے۔ ان کی صنایعی کے نمونے جنوبی ہندوستان میں ایجنٹا اور اڈورہ
کی تہذیبوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ قوم ثمود کی طرح یہ لوگ بھی اپنے مکان پتھروں کو
تراش تراش کر بناتے تھے۔ بحیرہ سازی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ان کے بنائے ہوئے
مجھے آج بھی عجائب خانوں کی زینت بنے ہوئے ہیں اور مکانات کے کھنڈرات
بھی نظر آتے ہیں۔

قوم عاد کے بعد قوم ثمود نے بڑی ترقی کی۔ یہ بھی سام ابن نوح کی اولاد میں سے
سامی نسل کے لوگ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق بھی اسی نسل کے ساتھ تھا۔
بہر حال قوم ثمود اپنے دور میں دنیاوی لحاظ سے نہایت ترقی یافتہ قوم تھی۔ ان کو
دنیا کی ہر قسم کی آسائش حاصل تھی۔ یہ لوگ عقل معاش کے بام عروج پر تھے، مگر
عقل معاد سے یکسر غالی تھے۔ اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتے تھے اور آخرت پر ایمان

غَيْرَةَ (الاعراف - ۷۳) عبادت صرف اللہ کی کرو کہ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے
 آپ نے قوم سے یہ بھی فرمایا کہ میں تم تک اللہ کا پیغام لے لوں گا پھر لوٹ بیجا رہا ہوں وَاَمَّا
 اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَاِذَا اسْأَلْتُمْ رَبَّ الْعَالَمِينَ میرا معاوضہ تو تم
 نہیں کہہ تاکیزکہ اِنَّ اَجْرِي بِاللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ میرا معاوضہ تو تم
 جہانوں کے پروردگار کے ذمے ہے۔ تمام انبیاء اور رسل ہی بات کہتے ہیں کہ تبلیغ حق
 کے ضمن میں اُن کا کوئی ذاتی مفاد نہیں ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے عام طور پر فیس دینا
 پڑتی ہے۔ کاہن اور ساحر بھی اپنا معاوضہ طلب کرتا ہے۔ شاعر بھی اپنی فیس طلب
 کرتے ہیں۔ ان سب کا مقصود دنیا طلبی ہوتا ہے لیکن انبیاء کی جماعت ایک ایسی
 جماعت ہے جو صراطِ مستقیم پر رہنمائی کرنے کے لیے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتی۔
 اللہ کا نبی ہمیشہ سہی کہتا ہے وَاَنَا كَمَا نَاصِحٌ اَمِيْنٌ (الاعراف ۶۸) میں تو نصیحت
 کرنے والا امانت دار ہوں۔ وَاَنْصَحُكُمْ (الاعراف ۶۲) میں تمہیں نصیحت کی بات
 بتاتا ہوں جو تمہارے فائدے میں ہے۔ اس میں تمہاری خیر خواہی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی
 لیے عرض آدمی کی بات کو سنا فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے مگر تاریخ رسالت شاہد ہے کہ
 اکثر اقوام نے اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب ہی کی۔

انعام کا
 تذکرہ

ہو علیہ السلام نے اپنی قوم کے ضمیر کو فریاد چھیڑا اور فرمایا اِنَّتُمْ كُنْتُمْ فِي
 مَا هُمْ اٰمِنِيْنَ كَيْفَ تَقُولُوْنَ کہ تم یہاں اسی طرح امن میں چھوڑ دیے جاؤ گے؟
 مطلب یہ کہ کیا تم ہمیشہ اسی طرح خوشحالی کی زندگی بسر کرتے رہو گے اور تمہیں کبھی زوال
 نہیں آئے گا۔ فرعون بھی تو یہی کہتا تھا کہ میں سب پر غالب ہوں۔ میری سلطنت کبھی زوال
 نہیں آئے گا۔ عام طور پر لوگ اور مشرکین کا یہی ذہن ہوتا ہے۔ اسی لیے تو انہیں آخرت
 کی فکری نہیں ہوتی۔ اگر وہ لحظہ بھر کے لیے خیال کریں کہ اگر آج خوشحال ہیں تو کل کو
 بدحال بھی ہو سکتے ہیں تو وہ غرور و تکبر اور ظلم و ستم سے باز آجائیں۔ مگر اس طرف تو اُن کا
 دھیان جاتا ہی نہیں۔

بہر حال ہو علیہ السلام نے کہا کیا تم اسی طرح یہاں امن میں رہو گے؟ فِيْ جَنَّةٍ
 وَعِوَجٍ قَمَاعٍ باغات اور اُن کو سیراب کرنے والے چشمے اور نہریں اسی طرح جاری

رہیں گی؟ اور کیا تم اس خام خیالی میں بھی مبتلا ہو کہ وَزِدْوَعٍ وَنَخْلٍ تَحَارَى كَهَيْتِيَاں اور کھجوریں بھی
 طرح لہلہاتی اور بار آور ہوتی رہیں گی۔ کھجوروں کے وہ درخت طَلْعَهَا هَضِيْمًا کہ جن
 کے تو شے نہایت ہی نرم ہیں۔ ہضیمہ کا معنی نرم و نازک بھی ہوتا ہے اور ٹھیک کا ہوا
 بھی بیشع الندا اس کا معنی ملائم کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کھجور کے جب نئے شجرے نے
 پھوٹتے ہیں تو وہ نہایت ہی نرم و نازک اور ملائم ہوتے ہیں۔ پھر جب پھل اچھی طرح
 آجاتا ہے تو وہ اپنے وزن کی وجہ سے معمولی سا جھک بھی جاتا ہے۔ تو اس طرح یہ دونوں
 معانی درست ہیں۔ کھجور کا خوشہ چھوٹنے سے لے کر پھل برداشت کرنے تک
 کے مختلف مراحل کے عربی زبان میں مختلف نام آتے ہیں۔ مثلاً جب کھجور کا پہلا خوشہ
 پھوٹتا ہے تو اس کو كُفْرِي کہا جاتا ہے۔ اس کا اندرونی حصہ اس وقت مفید ہوتا ہے
 جو اعر یعنی کھلاتا ہے۔ پھر جب پھل کی نمود ہوتی ہے تو اس کو خَالِك کہتے ہیں اور جب
 ذرا بڑا ہو جاتا ہے تو نُزْح کہلاتا ہے۔ پھر جب اس کے دانے بڑے ہو جاتے ہیں۔ تو
 اسے بَسْر کہتے ہیں۔ جب ان میں زردی آجاتی ہے تو وہ رَطَب بن جاتا ہے۔ اور
 آخر میں اگر کھجور خشک ہو تو قَمَر کہلاتی ہے۔ یہ حال ہو وہ علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ کیا
 تم سمجھتے ہو کہ تمہاری کہیتیاں اور کھجوریں اسی طرح بار آور ہوتی رہیں گی؟

کھجور کے درخت میں اللہ تعالیٰ نے یہ عجیب و غریب حکمت رکھی ہے کہ اس
 میں نر اور مادہ ہوتے ہیں۔ مادہ درخت کا خوشہ نکلنے والا حصہ نر ہوتا ہے جیسے وہ
 جوتے آپس میں ملے ہوئے ہوں۔ جب مذکر درخت کا پور مادہ درخت کے مذکور حصہ
 پر پڑتا ہے تو اس سے بیج نکالی ہو کر پھل اچھا آتا ہے۔ اگر نر درخت کا پور مطلوبہ
 جیکے تک پہنچ سکے تو پھل ناقص رہ جاتا ہے۔ عرب اور دیگر ممالک میں
 کھجور نہایت ہی مفید کار آمد اور دیر پا پھل ہے جو ایک وقت بطور پھل اور خوراک استعمال
 ہوتا ہے۔ قوم نمود کے پاس کھجوروں کے بکثرت بانعات تھے جس کی وجہ سے وہ
 بڑے خوشحال لوگ تھے۔

ہو وہ علیہ السلام نے قوم کو یہ بھی یاد دلایا وَتَنْحَوِّدَنَّ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا

وہ تکلف
 مکانات

قدھیں تم تراشتے ہو سپاڑوں میں پزکلف مکانات، جیسا کہ پہلے عرض کیا، قوم عادی کی طرح قوم نمود بھی فن تعمیر کی ماہر تھی۔ یہ لوگ سپاڑوں کو تراش تراش کر ان کے اندر نہایت ہی دیدہ زیب نقش و نگار والے مکانات تعمیر کرتے تھے، فرمایا یہ تمام آسائشیں دائمی نہیں ہیں۔ یہ کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہیں۔ لہذا حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرو فاقوا تقواللہ واطیعوا اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈجاؤ اور میری بات مانو، میں تمہیں سچی بات بتاتا ہوں۔ دنیا کی خوشنمائی سے نکل کر آخرت کی فیکر کرو کہ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ یہ دنیا اور اس کی تمام رونقیں جلد ہی ختم ہونے والی ہیں۔ تمہاری موت کے بعد ایک دائمی زندگی شروع ہونے والی ہے۔ جہاں تمہارے یہ باغات، محلات اور آرام و آسائش کی کوئی چیز کام نہیں آنے گی اور تم اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکو گے۔

اسراف کی
حاجت

صالح علیہ السلام نے قوم کو خبردار کیا وَلَا تَطِيعُوا اَمْرَ الْمُصْرِفِينَ اور اسراف کرنے والوں کی بات کر مت مانو۔ قوم عادی کے متعلق بھی بیان ہو چکا ہے کہ بڑے مسرف لوگ تھے۔ عالی شان مکانات، بڑے بڑے مینار اور گنبد تعمیر کرتے تھے جن سے ذرا ہائٹ مقصود ہوتی تھی۔ اور نہ کوئی دوسرا مفید کام بلکہ محض نمود و نمائش مطلوب ہوتی تھی۔ یہ سیاری اس قوم نمود میں بھی پائی جاتی تھی۔ فضول رسم و رواج اور لہو و لعب میں بے دریغ روپیہ صرف کرتے تھے۔

شراب نوشی اور جوئے بازی عام تھی۔ استقبالیوں اور دعوتوں میں یہاں بھی فضول خرچی کی جاتی ہے، کسی وزیر امیر یا صدر کی آمد ہوتی ہے تو ہیشمار چھڑیاں اور آرائشی دروازے بنائے جاتے ہیں۔ استقبالیہ نعروں کے بورڈ آؤیزاں کیے جاتے ہیں۔

علاقے بھر کو دلہن کی طرح سجایا جاتا ہے۔ رنگ بونگے قلمروں سے سڑکوں کو سجایا جاتا ہے۔ یہ سب فضول اور حرام کام ہیں۔ یہی رقم غریبوں اور محتاجوں کی بحالی پر خرچ کی جاسکتی ہے۔ جس کو کون کے لیے کھانے اور تنگوں کے لیے تین پوشی کا بندوبست ہو سکتا ہے، یا پھر بے گھر لوگوں کے لیے گرمی سردی سے بچاؤ کے لیے سایہ مہیا کیا جا سکتا ہے مگر اس فضول خرچی کو کون روکے؟ امر کی دیکھا دیکھی غریب لوگ بھی شادی

کی رسومات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، نہ امیر غریبوں کا خیال کرتے ہیں اور نہ غریب اپنی حیثیت پر نظر رکھتے ہیں۔ نام و نمود کے لیے ایک دوڑ لگی ہوئی ہے۔ اور یہی اسراف ہے جو پرانی قوموں میں بھی پایا جاتا ہے اور آج بھی موجود ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اسراف سے منع فرمایا اور کہا کہ مسرفوں کی بات کو نہ مانو۔

اور مسرف لوگ وہ ہیں الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ جبکہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں وَلَا يُصْلِحُونَ اور اصلاح نہیں کرتے ظاہر ہے کہ اصلاح معاشرہ تو نبی کے ذریعے ہوتی ہے، غریب پروری اور عدل و انصاف سے ہوتی ہے نہ کہ جو بازاری اور شراب نوشی کے ذریعے۔ تمام بڑے کام فساد کی بنیاد بنتے ہیں۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ اغلال بالشرائع یعنی قوانین خداوندی کی خلاف ورزی ہی فساد فی الارض ہے بہتر کہ کافر اور منافق قسم کے لوگ فساد فی الارض کے مرتکب ہوتے ہیں۔ صالح علیہ السلام نے بھی یہی بات کی کہ مسرفوں کی بات نہ مانو، وہ خدا کا قانون توڑ کر زمین میں فساد کا موجب بنتے ہیں۔ لہذا لوٹو اور بدعات کو فروغ دیتے ہیں۔ فَلَوْ كُنَّا فِي كُوْنُزُكُمَا اور پھرنا سمجھو تا بنا لیا ہے، حالانکہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَعَنَ اللَّهُ الْمُصَوِّرِينَ مصوروں پر اللہ کی لعنت بستی ہے۔ یہ اسراف ہی تو ہے اور یہی فساد فی الارض ہے سورۃ الاعراف میں حضرت شعیب علیہ السلام کے یہ الفاظ بھی ہیں جو انہوں نے اپنی قوم سے کہے وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (آیت - ۸۵) لوگو! زمین میں امن قائم ہو جانے کے بعد اس میں فساد نہ پھیلاؤ۔ بہر حال صالح علیہ السلام نے قوم کو اسراف اور زمین میں فساد پھیلانے سے منع کیا۔ آپ کی اس تقریر کے بعد انکی آیات میں قوم کا جواب ہے۔

لے قرطبی ص ۲۳۸ / احکام القرآن للجصاص ص ۳۴۳ (فیاض)

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمَسْحُورِينَ ﴿۱۵۳﴾ مَا أَنْتَ إِلَّا
 بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَأْتِ بآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿۱۵۴﴾
 قَالَ هَذِهِ نَاقَةٌ لَهَا شَرْبٌ وَلَكُمْ شَرْبٌ يَوْمَ
 مَعْلُومٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمْسُوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ
 يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوهَا فَاصْبَحُوا نَدِيمِينَ ﴿۱۵۷﴾
 فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً وَمَا كَانَ
 أَكْثَرَهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۵۸﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهوَ الْعَزِيزِ
 الرَّحِيمِ ﴿۱۵۹﴾

۷۵۳۱

ترجمہ :- (صالح کی بات کے جواب میں) کہا اُن لوگوں نے
 بیشک تو سحرزدہ لوگوں میں سے ہے ﴿۱۵۳﴾ اور نہیں ہے تو
 سحر انسان ہمارے جیسا۔ پس لا کوئی نشانی اگر تو سچا ہے ﴿۱۵۴﴾
 کہا (صالح نے) یہ اونٹنی ہے۔ اس کے لیے پانی پینے کی
 باری ہے۔ اور تمھارے لیے بھی پانی پینے کی باری ہے ایک
 مقررہ دن پر ﴿۱۵۵﴾ اور نہ ملحقہ لگانا اس کو بڑائی کے ساتھ۔ پس
 پکڑ لے گا تم کو بڑے دن کا عذاب ﴿۱۵۶﴾ پس انہوں نے
 کاٹ ڈالا اُس (اونٹنی) کو۔ پس ہو گئے وہ پکھتے ہوئے ﴿۱۵۷﴾
 پس پکڑا اُن کو عذاب نے بیشک اِس میں البتہ نشانی ہے۔
 اور نہیں ہیں اکثر لوگ اُن میں سے ایمان لانے والے ﴿۱۵۸﴾ اور بیشک

تیرا پروردگار زبردست ہے اور نہایت رحم کرنے والا (۱۵۹)

اللہ تعالیٰ نے صحتِ صلح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف نبی بنا کر مبعوث فرمایا
 آپ نے حق تبلیغ ادا کرتے ہوئے قوم کو خدا تعالیٰ کا پیغام سنایا۔ ان کی خامیاں بیاں کیں
 اور ان سے بچنے کی تلقین کی۔ ان کو خدا تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں اور اس فانی دنیا کی
 بے ثباتی کا ذکر کیا۔ آپ نے قوم کو ان کی خوشحالی پر تنبیہ فرمائی اور اس آفت سے منع فرمایا۔ اللہ کا
 خوف دلایا اور اپنی اطاعت کا حکم دیا۔ آپ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ میں تمہیں نصیحت
 کی بات بتلاتا ہوں جس میں خود تمہارا ہی فائدہ ہے۔

ربطیات

آپ کی قوم نے پیغام حق سن کر اس کو تسلیم کرنے کی بجائے نہایت متکبرانہ طریقے
 سے یوں جواب دیا قَالَ لَوْ اِنَّمَا اَنْتَ مِنْ الْمَسْحُورِينَ كُنْتُمْ لَكَّ تَر
 تو سحر زدہ لوگوں میں سے ہے۔ یہ الزام صرف قومِ مشرکوں نے ہی نہیں لگایا بلکہ دوسرے
 بعض انبیاء کو بھی یہی کہا گیا۔ مثلاً حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق کہا گیا کہ یہ جادوگر
 ہیں۔ قریش مکہ نے اہل ایمان کو خطاب کر کے کہا اِنَّ تَتَّبِعُونَكَ الْاَرْجِلَ
مَسْحُورًا (یعنی اسرائیل - ۷۷) تم تو سحر زدہ آدمی کا اتباع کرتے ہو۔ اس پر تو کسی نے
 جادو کر دیا ہے اور یہ شخص سبکی سبکی باتیں کرتا ہے۔ پھر جب مشرکین نے معجزہ شوقِ القمر دیکھا
 تو کہنے لگے سِحْرٌ مَّسْتَمَرٌّ (القمر - ۲) یہ تو چلتا ہوا جادو ہے پہلے بھی لوگ کرتے تھے
 اب یہ شخص بھی کرتا ہے۔ اسی طرح صلح علیہ السلام کو بھی کہا کہ تو تو مشرکین میں سے ہے
 یعنی تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے جس کی وجہ سے تمہاری عقل خواب ہو گئی ہے۔ فرعون
 کی طرح وہ بھی اپنی کارگزاری کو یہی عقل مندی سمجھتے تھے۔ فرعون نے اپنی قوم کو اس
 طرح درغلایا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام تو تمہیں گمراہ کر رہا ہے۔ وَمَا اَهْدِيكُمْ سَبِيلًا
سَبِيلَ الْاِسْلَامِ (المومن - ۲۹) مگر میں تمہیں ٹھیک راستہ بتلا رہا ہوں۔ ہمارے
 آباؤ اجداد بالکل ٹھیک تھے، ان کا طرزِ طریقہ بھی درست تھا اور ہم اسی کے پابند ہیں۔
 موسیٰ علیہ السلام اور اس کے جواری بہک گئے ہیں۔ جو عجیب و غریب باتیں کرتے ہیں جو
 ہم نے اپنے بڑوں سے کبھی نہیں سنیں۔ بہر حال کبھی انہوں نے کاہن کہا، کبھی شاعر

قومِ مشرکوں کا
جواب

کہا اور کبھی سحر زدہ کہہ دیا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سحر معصوم ہے کہ بھی کہا جاتا ہے۔ مراد ان کی یہ تھی کہ یہ شخص تو معصوم ہے مگر والا انسان ہے۔ یہ تو کھانا کھاتا ہے، انسانوں کی طرح سانس لیتا ہے۔ مجھلا ہم ایسے شخص کو رسول کیسے تسلیم کر لیں۔ اس کے علاوہ سحر کا معنی دھوکہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے یہ

أَرَبًا مَوْضِعِينَ لَا مَنِ غَيْبٍ
وَكَسَحْرٍ بِالطَّعَامِ وَبِالشَّرَابِ

ہم غیب کی طرف اپنی سواریاں تیزی کے ساتھ دوڑا رہے ہیں۔ پتہ نہیں آگے کیا ہوگا مگر ہمیں کھانے پینے سے دھوکا دیا جاتا ہے۔ ہمیں کھانے پینے کا لالچ دے کر اس طرف لگا دیا گیا ہے جس کے انجام کا کچھ علم نہیں تاہم اس مقام پر پہلا معنی ہی زیادہ تبادر رہے کہ تو سحر زدہ آدمی ہے۔

بشریت اور رسالت

قرم شہود نے حضرت صالح علیہ السلام پر یہ اعتراض بھی کیا، کہنے لگے ہاں آنتِ الْإِبَشْرِ مِثْلُنَا تو تو ہمارے جیسا ہی انسان ہے۔ تمہیں ہم پر کون سی فوقیت حاصل ہے جو تم نبوت و رسالت کا دعویٰ کر رہے ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ مادہ پرست لوگ حقیقت کو پائے بغیر محض ظاہری صورت دیکھ کر ہی اٹھا سیدھا فیصلہ کر لیتے ہیں امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب الفوز الجبیر میں فرماتے ہیں کہ اکثر کفار و مشرکین نے بشریت کو رسالت کے منافی سمجھ کر ہی رسالت و نبوت کا انکار کیا اور حقیقت کو زبانا کہتے تھے کہ یہ رسالت کا دعویٰ تو بھی ہماری طرح کھانا پیتا ہے، ہماری طرح اس کے بھی بال بچے ہیں، بازاروں سے سودا سلفت خریدتا ہے، مجھلا اس کو ہم کیسے نبی مان لیں؟ مگر حقیقت یہ ہے کہ لوازمات بشریت نبوت و رسالت کے ہرگز منافی نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے ہی رسول اور نبی منتخب کرتا ہے مگر ان کے قلب و دماغ کو کمال حاصل ہوتا ہے اور ان کی روحانیت ایسی بے مثال ہوتی ہے جو عام انسان کے لیے ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے بھی کلاما

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ مُّثَلِّمٌ لِّقَوْمِي الْكَلِمَاتِ (الکہف - ۱۱۰) آپ کچھ
 دیں کہ میں بھی تمھارے جیسا انسان ہوں، البتہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ مگر وحی کا نزول کوئی
 معمولی چیز نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص انتخاب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی
 استعداد اور صلاحیت کو خوب جانتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ منصب رسالت
 کے لائق کون انسان ہے۔ بہر حال قوم ثمود نے صلح علیہ السلام کی ظاہری شکل و صورت
 دیکھ کر آپ کی رسالت کا انکار کر دیا اور حقیقت کو نہ پاسکے۔

مولانا درم نے صورت پرستوں کا حال اسی طرح بیان کیا ہے۔

چند صورت بینی لے صورت پرست

جان لے معنی امت از صورت پرست

درگزر از صورت و معنی نگر

زانکہ مقصود از صورت باشد گہر

صورت پرست صرف ظاہری صورت کو ہی سمجھ رہا ہے اور وہ جان اور روحیات
 کی حقیقت سے بے بہرہ ہے۔ صورت سے گزرتے حقیقت کو بھی دیکھ لو کیونکہ محض
 ظاہری سید پر مقصود نہیں ہوتا بلکہ اُس کے اندر موجود مومن کی مطلوب ہوتا ہے۔ مطلب
 یہ کہ صرف ظاہری شکل و صورت دیکھ کر یہ کہہ دینا کہ یہ بھی انسان ہے اور ہم بھی انسان
 ہیں، درست نہیں ہے بلکہ نبی کے اندر پائی جانے والی حقیقت اور اُس کے کمال پر
 بھی نگاہ ہونی چاہیے۔ فرمایا، تم نے صرف ظاہری صورت پر انکار کرنے کا فیصلہ کر
 لیا ہے۔ یہ تو بے درجے کی گمراہی ہے۔

کہتے لگے، تو تو ہمارے جیسا آدمی ہے ہماری برادری اور قوم کا جانا بچانا ہے۔

ہم تجھے کیسے رسول مان لیں؟ مشرکین کہہ بھی کہتے تھے کہ ابو طالب کے یتیم بھتیجے
 کو ہم کیسے رسول مان لیں لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنَ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْ
 الْقُرْبٰیٰتِیْنَ عَظِیْمٰہِ (الزخرف - ۲۱) یہ قرآن مکے اور طائف کی بیٹیوں
 میں سے کسی صاحب حیثیت آدمی پر کیوں نہ اترتا۔ یہاں بڑے بڑے سردار ابو الحکم

عبداللہ، مسعود، حبیب جیسے بڑے بڑے عظیم حکماء اور صاحب حیثیت لوگ ہیں، اللہ نے اگر کسی کو نبی بنا دیا تو ان میں سے کسی کو بنا تا۔ یہ تو ہماری عقل و فہم سے باہر ہے، ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ صورت پرست اور نازہ پرتوں کی سوچ اسی مذہب ہوتی ہے۔

اونٹنی کا
معجزہ

پہلے تو قوم نمود نے صلح علیہ السلام کا بشریت کی بنا پر انکار کیا۔ پھر کہنے لگے
قَاتِ بِأَيِّ نَبِيٍّ أَنْتَ كُنْتِ مِنَ الصَّادِقِينَ۔ اگر تو سچا ہے تو کوئی نئی
پیش کر اور نشانی بھی ایسی ہو جو ہم خود طلب کریں۔ یہ لوگ سنگ تراش تھے پتھروں
کے ساتھ ان کو خاص تعلق تھا، لہذا انہوں نے نشانی بھی ایسی طلب کی کہ کہنے لگے
کہ اس سامنے والی چٹان سے ایک اونٹنی نکال کر دکھائیں۔ اُس وقت بہت سے
لوگ جمع تھے۔ صلح علیہ السلام نے نماز پڑھی۔ اور بارگاہ رب العزت میں دعا کی۔ چنانچہ
تمام لوگوں کے سامنے چٹان میں سے اونٹنی پیدا ہوئی۔ پھر اُس نے پچھلی جگہ یہ بہت
لمبی چوڑی اونٹنی تھی۔ ابو موسیٰ اشعری کی روایت میں آتا ہے کہ میں نے وہ مقام دیکھا ہے
جس جگہ صلح علیہ السلام کی اونٹنی بیٹھتی تھی، یہ جگہ تو بے فٹا مرتع ہے۔ اللہ نے اپنی
قدرت کاملہ سے یہ نشانی دکھلائی۔ اونٹنی ادھر ادھر گھومتی پھرتی تھی۔ دوسرے جانور
اُس کی شکل و صورت سے گھبراتے تھے۔

پانی پینے
کی باری

یہ حال جب وہ اونٹنی چٹان سے برآمد ہو گئی تو اللہ کا حکم ہوا قَالَ هَذِهِ نَاقَةٌ
صلح علیہ السلام نے کہا کہ یہ اونٹنی ہے جو تم نے طلب کی ہے لَهَا شَرِبٌ وَ لَكُمْ
شَرِبٌ يَوْمَ مَعَاكُم اس کے لیے پانی پینے کی باری ہے اور تمہارے لیے بھی
پانی پینے کی باری ہے ایک مقررہ دن پر۔ ایک دن چننے سے یہ اونٹنی پانی پیا کرنے
گی اور دوسرے دن تم اپنے جانوروں کو سیراب کیا کرو گے۔ چنانچہ دن مقرر کر لیے گئے
ایک دن اکیلی اونٹنی پانی پیتی تھی اور دوسرے دن باقی جانور۔ اس آیت سے مفسرین نے
یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر کسی چیز میں بعض لوگوں کا اشتراک ہو تو آپس میں باری مقرر کی جاسکتی
ہے مثلاً اگر کسی کا کنواں مشترک ہے تو پانی نکالنے کی باری عطا کی جاسکتی ہے کوئی جانور

ہے تو اس کی سواری یاد دہندہ وغیرہ کے لیے روزانہ، ہفتہ وار یا ماہانہ بنیاد پر باری ٹھہرائی جاسکتی ہے۔

یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک چلتا رہا۔ دریں اثنا بعض لوگوں کو خیال پیدا ہوا کہ یہ اونٹنی ہمارے لیے عذاب بن چکی ہے۔ اسے دیکھ کر ہمارے جانور طرز جاتے ہیں اور پھر یہ ایک دن اکیلی مارا پانی پی جاتی ہے۔ اس سے کسی طرح چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے۔ حضرت صالح علیہ السلام لوگوں کو خبردار کر دیا وَلَا تَمْسُوْهَا بِسَوْءٍ لَّكُمْ لَهَا عَذَابٌ شَدِيْدٌ۔ اگر اسی اونٹنی کو برائی کے ساتھ مت چھوؤ۔ اس کو بُری نیت سے ہاتھ نہ لگانا، نہ اس کو زخمی کرنا، اگر ایسا کرے گا فَيَاخْذُكُمْ عَذَابٌ يُّوْمٍ عَظِيْمٍ۔ تو تم کو بڑے دن کا عذاب پکڑے گا۔ تم خدا تعالیٰ کی گرفت میں آ جاؤ گے، اگرچہ بڑے دن سے مراد قیامت کا دن ہے جب ثواب اور عذاب کا فیصلہ ہوگا۔ مگر جس دن کسی قوم پر عذاب آیا، اس کے لیے وہ بھی بڑا دن ہوتا ہے۔ تو صالح علیہ السلام نے قوم کو خبردار کیا کہ اس اونٹنی سے تعرض کر کے کہیں خدا کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جانا۔

سورة نمل میں آتا ہے وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةٌ رَهْطٍ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ (آیت - ۶۸) شہر میں نختہ قوم کے نو آدمی تھے جن کا کام ہی فتنہ و فساد کا بازار گرم کرنا تھا اور وہ معاشرے میں اصلاح نہیں چاہتے تھے۔ ان میں سے سرکردہ آدمی قدار ابن سالف تھا۔ اس اونٹنی کو راستے سے ہٹاتے کے لیے ان پر محاشوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ شہر میں تخمیر نامی عورت تھی جس کی کٹی جوان بیٹیاں بھی تھیں۔ اس کی بہت سی بیٹریں بکریاں تھیں جنہیں اس اونٹنی کی دھبے برائی پلانے میں وقت پیش آتی تھی۔ اس عورت نے قدار ابن سالف کے معاملہ طے کیا کہ اگر وہ اونٹنی کو قتل کر دے تو وہ اپنی لڑکی کا نکاح اس کے ساتھ کر دیگی۔ قدار نے اپنے نختہ ساتھیوں سے مشورہ کیا اور پھر وہ اونٹنی کی گزرگاہ پر ایک درّے میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ جوتی اونٹنی وہاں سے گزری فَعَقَسَ وَهَكَ تَوَاسَنَ لَهَا اَصْوَابُكُمْ ذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ لَّيْلَةُ الْقَدْرِ۔ جب اونٹنی گزری تو تمام ساتھیوں نے

اونٹنی کا
قتل

بل کر اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ اذہنی کا بچہ بھی ساتھ تھا۔ ماں کو قتل ہوتے دیکھ کر اُس نے ایک خوفناک چیخ ماری اور پھر وہ اُسی چٹان میں غائب ہو گیا جہاں سے اذہنی برآمد ہوئی تھی۔

قوم پر عذاب

اذہنی کے قتل پر صالح علیہ السلام نے قوم کو سخت سزائش کی اور عذاب کی آہ کی پیش گوئی کی۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں تین دن کی مہلت دی گئی ہے، اس کے بعد قوم پر سخت عذاب آئے والا ہے۔ یہ جان کر کہ فَاَصْحَوْا ذٰلِكَ میں وہ قوم کے لوگ سخت پشیمان ہوئے کہ وہ کیا کر بیٹھے ہیں۔ یہ پیشانی نویر والی نہیں تھی۔ بلکہ غلط کام کرنے کی محض ندامت تھی اور ان کی اکثر اہلی عہد پرستور قائم تھی۔ جب تین دن گزر گئے فَاَحْذَهُمُ الْعَذَابُ تو ان کو عذاب نے ان پکڑا۔ نیچے سے زلزلہ آیا اور اوپر سے سخت قسم کی چیخ آئی۔ جس سے اس قوم کے سترہ سو شہر اور قبائلیاں میٹ ہو گئے۔ زلزلے سے ان کی عمارت تباہ ہو گئیں، کچھ ان کے نیچے دب کر مر گئے اور باقیوں کے چیخ کی وجہ سے جگر پھٹ گئے۔ اور وہ سارے کے سب بے ہلاک ہو گئے۔ صرف کم و بیش چار سو افراد بچے جو صالح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ پھر ان کو حکم ہوا کہ وہاں سے چلے جائیں۔ چنانچہ صالح علیہ السلام اہل ایمان کو لے کر اُس اُحمری ہوئی بستی سے نکل گئے۔

نصیحت کی بات

اللہ نے صالح علیہ السلام کی قوم کا واقعہ بیان کرنے کے بعد پھر نصیحت والی بات دہرائی ہے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّاَسْمَاعِ بْنِ مَرْيَمَ کے لیے تثنائی ہے خواہ وہ مکہ کے رہنے والے ہوں یا دنیا کے کسی خطے سے تعلق رکھتے ہوں۔ سب کو جان لینا چاہیے کہ خدا کے نافرمانوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ ان تباہ شدہ قوموں کی عمارت کے کھنڈرات بول بول کر دریں عبرت ہے۔ تب ہیں کہ دیکھو اللہ کے نبیوں کی نافرمانی نہ کرنا، ورنہ تمہارا حشر بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہ ہوگا۔ ان تمام تہنہات کے باوجود اللہ نے فرمایا۔ وَمَا كَانَ اَكْبَرُ مِنْهُمْ مَّوْمِنِيْنَ اکثر لوگ ایمان قبول نہیں کرتے۔ توجید کرنے والے بہت قلیل لوگ ہوتے ہیں۔

آج بھی دنیا بھر میں دیکھ لیں، کُل آبادی کا تین چوتھائی کافر و مشرک ہے جب کہ توحید کے پرستار صرف چوتھائی پانچواں حصہ ہیں۔

فَمَا بَرَّ اِنْ رَبَّكَ اَبْهَمَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ بے شک تیرا پروردگار کمال قدرت کا مالک ہے وہ جیب چاہے گرفت کر لے اور ستر لے لے، وہ انتہائی مہربان بھی ہے کہ اپنے بندوں کی نہایت ہی خطرناک حالات میں بھی حفاظت کرتا ہے اور اُن کو راہ دکھلاتا ہے، چنانچہ اللہ نے صالح علیہ السلام کو اور آپ کے ساتھیوں کو اُس عذاب زدہ بستی سے پہلے جانے کا حکم دیا اور آپ وہاں سے حضور موت کی طرف چلے گئے۔

كَذَّبَتْ قَوْمَ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ
 لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا
 اللَّهَ وَأَطِيعُوا عِزِّي ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ
 أَجِرَى إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ
 مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ
 أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوا لَنْ لَمْ
 تَنْتَهَ يَلُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ إِنِّي
 لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِي وَاهْلِي مِمَّا
 يَعْمَلُونَ ﴿١٦٩﴾ فَنجَّيْنَاهُ وَاهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿١٧٠﴾ إِلَّا عَجُوزًا
 فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَرْنَا الْأَخْرِينَ ﴿١٧٢﴾ وَامْطَرْنَا
 عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٧٣﴾ إِنْ فِي
 ذَلِكَ لَآيَةٌ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٧٤﴾ وَإِنَّ
 رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٧٥﴾

۲۸۵

ترجمہ:- مجھلایا قوم لوط نے اللہ کے رسولوں کو ﴿۱۶۰﴾
 جب کہا ان سے ان کے بھائی لوط علیہ السلام نے کہا تم
 ڈرتے نہیں ﴿۱۶۱﴾ بیشک میں تمہارے لیے رسول ہوں مانند ﴿۱۶۲﴾

ڈرو اللہ سے اور میری بات مانو (۱۶۳) اور میں نہیں مانجتا تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں ہے میرا بدلہ مگر رب الطلین کے ذمے (۱۶۴) کیا دوڑتے ہو تم مردوں پر جہاں والوں میں سے (شہوت رانی کے لیے) (۱۶۵) اور چھوڑتے ہو تم جو پیلا کیا ہے تمھارے لیے تمھارے پروردگار نے تمھاری بیویوں میں سے۔ بلکہ تم حد سے بڑھنے والے ہو (۱۶۶) کہا اُن لوگوں نے اگر نہیں باز آؤ گے تم اے لوط! دین باتوں کے کسنے سے، تو البتہ ہو جاؤ گے تم نکلے ہوئے لوگوں میں سے (۱۶۷) (کہا لوط نے) بیشک میں تمھارے عمل سے نفرت کر نیوالا ہوں (۱۶۸) اے میرے پروردگار! بچا مجھے اور میرے اہل کو ان چیزوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں (۱۶۹) پھر ہم نے نجات دی اُس کو اور اس کے گھر والوں سب کو (۱۷۰) مگر ایک بڑھیا جو بیچھے رہنے والوں میں سے تھی (۱۷۱) پھر ہم نے بلیا بیٹ کر دیا دوسروں کو (۱۷۲) اور برساتی ہم نے اُن پر بارش۔ پس بڑی تھی بارش ڈرائے ہوئے لوگوں کی (۱۷۳) بیشک اس میں البتہ نشانی ہے۔ اور نہیں ہیں اکثر لوگ ان میں سے ایمان لانے والے (۱۷۴) اور تحقیق تیرا پروردگار البتہ زبردست اور نہایت رحم کرنے والا ہے (۱۷۵)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے پیروکاروں کی تسلی کے لیے اس سے پہلے

بعض انبیاء علیہم السلام اور ان کی اقوام کا حال بیان ہو چکا ہے۔ گذشتہ آیات میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا ذکر تھا کہ کس طرح انہوں نے اللہ کے نبی کی تکذیب کی اور پھر اس جرم کی پاداش میں کس طرح عذاب الہی کے مورد بنے۔ اب آج کے درس

میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے کہ انہوں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا اور ان پر کس طرح کا عذاب نازل ہوا۔

لوط علیہ السلام
کی بعثت

ارشاد دہوتا ہے كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ قَوْمٌ لُوطٌ نَسِئَةٌ
رسولوں کو جھٹلایا۔ ایک نبی کو جھٹلایا تو گویا تمام نبیوں کو جھٹلایا کیونکہ سب کا مشن تو ایک ہی رہا ہے۔ ہر نبی اور رسول نے اولین درس یہی دیا يَقُومُوا عِبَادَةَ اللَّهِ مَا لَكُمْ
مِنْ إِلَهِ غَيْرُهُ (الاعراف ۴۰) لوگو! عبادت صرف اللہ کی کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ أَلَيْسَ لَكُمْ
کے بھائی لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا۔ سابقہ درس میں مذکور انبیاء علیہم السلام کی طرح لوط علیہ السلام کو بھی قوم کا بھائی کہا گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ تو اپنی اپنی اقوام کے افراد تھے لہذا انہیں اپنی اپنی قوم کا بھائی کہا گیا، مگر لوط علیہ السلام کا تعلق تو اُس قوم سے نہیں تھا جس کی طرف اللہ نے آپ کو مبعوث فرمایا تھا۔ البتہ آپ نے اُس قوم میں شادی کی۔ عربی محاورے میں کہا جاتا ہے ابن اخت الفلانی منہم یعنی بھانجا اسی قوم کا فرد سمجھا جاتا ہے اگرچہ اس کے باپ کا تعلق دوسرے خاندان سے ہو۔ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے انصاریہ مدینہ کو بلا کر پوچھا کہ تم میں کوئی غیر آدمی تو نہیں ہے، انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا ایک بھانجا ہے، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ تمہیں میں شمار ہوتا ہے۔ غالباً اسی لحاظ سے یہاں پر لوط علیہ السلام کو قوم کا بھائی کہا گیا ہے کہ وہ آپ کی سسرالی قوم تھی۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ اللہ نے آپ کو اُس قوم کی طرف مبعوث فرمایا، اس لیے ان کا بھائی کہا گیا ہے۔ گویا آپ ان کے ہم وطن بھائی بن گئے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بعثت کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی بابل سے ہجرت کی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آپ کی قوم کے لوگوں نے عرصہ جیات تنگ کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیدیا۔ چنانچہ اپنی بیوی ساڑھ اور بھتیجے لوط علیہ السلام کے ساتھ بابل

سے چل نکلے۔ بابل سے آپ جانن، پھر مصر اور پھر شام و فلسطین آئے۔ اس ہجرت کا واقعہ سورۃ عنکبوت میں مذکور ہے **فَاقْبَلَتْ لَهُ لُوطًا وَقَالَ اِنَّ مِمَّا جِئْتُم بِالْحٰی اِلٰی رَبِّیْ (العنکبوت)** اس وقت حضرت لوط علیہ السلام ہی ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور دوسری آپ کی بیوی تھی۔ چنانچہ یہ تینوں ہجرت کر کے جب مصر سے شام و فلسطین کی طرف روانہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا اور حکم دیا کہ مشرق اردن کے علاقے میں جا کر اللہ کا پیغام پہنچاؤ۔ اس وقت مشرق اردن میں چھ بڑے بڑے شہر سدوم، عمورہ، دوامہ اور صعودا وغیرہ تھے۔ جن کی آبادی چار لاکھ سے کم نہ تھی۔ سدوم کو مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ علاقہ بڑا سرسبز تھا، کھیتیں باڑا اور باغات نام تھے وسیع پیمانے پر تجارت بھی ہوتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے دیہات اور قصبات بھی موجود تھے، تو ان لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ بہر حال مشرق اردن پہنچ کر لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کو مخاطب کیا۔ سب سے پہلے توحید کی دعوت دی۔ کفر، شرک اور معاصی کی قباحت بیان کی اور فرمایا **اَلَا تَتَّقُوْنَ** کیا تم ڈرتے نہیں کہ ان قباحتوں کی وجہ سے ایک دن پکڑے جاؤ گے؟ آپ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا **اِنَّکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ** میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ میں تمہیں اللہ کا پیغام بلا کم و کاست پہنچا رہا ہوں۔ **فَاَتَقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْا** پس اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو میں تمہیں خدا کا پیغام لے لوٹ طریقے پر پہنچا رہا ہوں **وَمَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِمْ اَجْرًا** اور میں اس کام کے لیے تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ کیونکہ **اِنَّ اَجْرِیْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ** **الْعٰلَمِیْنَ** میرا معاوضہ تو پروردگار عالم کے ذمے ہے۔

سابقہ اقوام میں کفر اور شرک تو مشترک بیماریاں تھیں، البتہ ہر قوم میں بعض اختلافی بیماریاں بھی پائی جاتی تھیں۔ قوم عاد اور ثمود غرور و تکبر اور ظلم و ستم میں مبتلا تھیں۔ وہ بے جا طبی طریقے عمارتیں، گنبد اور مینار بناتے تھے، جن کا کوئی خاص مصرت نہ تھا بلکہ محض نمود و نمائش مطلوب ہوتی تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بھی بدترین قسم کے شرک

مختلف قوم
کی بیماریاں

میں مبتلا تھی۔ یہ لوگ چاند سورج اور ستاروں کے پرستار تھے۔ اس کے علاوہ پتھر کے بت تراش کمران کی پوجا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑے مغزور تھے اور اپنے عقائد و اعمال کے خلاف کوئی بات مننا گوارا نہیں کرتے تھے۔ فرعون اور اس کی قوم کا بھی کم و بیش یہی حال تھا۔ وہ بھی اپنے آپ کو سب سے بڑا رب کہتا تھا۔ جہاں تک لوط علیہ السلام کی قوم کا تعلق ہے تو ان میں کفر و شرک کے علاوہ ہم جنسی کی بیماری پائی جاتی تھی۔ اللہ کا فرمان ہے کہ یہی لوگ اس بد اخلاقی کے موجد تھے۔ ان سے پہلے یہ بیماری کسی قوم میں نہیں پائی جاتی تھی۔

ہم جنسی کی
بیماری

اسی خلاف وضع فطری عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لوط علیہ السلام نے قوم سے فرمایا اَتَاخُونِ الذُّكُرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ کیا جہاں بھرمیں شہوت رانی کے لیے تم مردوں کی طرف دوڑتے ہو؟ یعنی تم ہم جنسی کے فریبک ہوتے ہو۔ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اور تمھاری بیویوں میں سے تمھارے پروردگار نے جو کچھ تمھارے لیے پیدا کیا ہے اس کو چھوڑ دیتے ہو، مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے شہوت کے فرو کرنے کے لیے تمھارے لیے تمھاری بیویاں پیدا کی ہیں، تم ان سے تو التفات نہیں کرتے بلکہ اپنے ہم جنس مردوں کے ساتھ ملوث ہوتے ہو۔ یہ کتنی خلاف فطرت بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ تم حد سے بڑھتے والے نہایت ہی ظالم لوگ ہو۔ تم یہ کام انسانیت کی حد سے گزر کر انجام دے رہے ہو۔ سورۃ المعارج میں ہے۔

فَمَنْ ابْتَدَعَ وَرَبَّكَ فَالْبَاكُ فَالْعَادُونَ
رآیت۔ ۳۱) جو کوئی جائز ذرائع کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کرے گا۔ تو وہ توحید کرنے والا ہوگا۔ اللہ نے منجھوہ بیوی یا شرعی لڑکی کے ذریعے شہوت رانی کو جائز اور حلال قرار دیا ہے۔ باقی تمام ذرائع غیر فطری اور حرام ہیں۔ چنانچہ مشیت ذلی بھی مکروہ تحریمی میں آتی ہے کہ اس سے کئی قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔ جانوروں کے ساتھ التفات بھی حرام ہے۔ اپنی بیوی کا مقام مکروہ استعمال کرنا بھی حرام ہے۔ اللہ کے نبی

کافران ہے۔ مَنْ آتَىٰ امْرَأَةً فَبَدَّلَهَا كَفِرًا بِمَا نَزَّلَ عَلَيَّ
مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی جس شخص نے عورت کے مقام پر مکروہ میں شہوت رانی
کی، اُس نے گویا شریعتِ محمدیہ کا انکار کر دیا۔ یہ آتنا قبیح فعل ہے، اور پھر مردوں کے
ساتھ شہوت رانی کرنا تو بالکل ہی خلافِ فطرت ہے، اللہ نے اس کو فحش کے لفظ
سے تعبیر کیا ہے۔ زنا اور لواطت دونوں افعال کو فحش کہا گیا ہے۔ بہر حال قومِ لوط
اسی فعل کی بانی تھی

لواطت قابلِ تعزیرِ جرم ہے۔ ائمہ کرام میں قدرے اختلاف ہے کہ اس جرم
پر مد جاری ہوگی۔ یا تعزیر۔ بعض لواطت کو بھی زنا شمار کر کے حد زنا کے قائل ہیں۔
جب کہ امام ابو حنیفہ اور بعض دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص پر تعزیر عاید ہوگی جو حاکم
وقتِ جرم کی نوعیت کے اعتبار سے مقرر کرے۔ چونکہ یہ فعل خلافِ فطرت ہے
اس لیے تمام ائمہ کرام سخت ترین سزا کے قائل ہیں جو کہ سزائے موت تک ہو
سکتی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت نقل کی ہے
جس میں أَحْرَقَهُمْ سَاكًا لفظ آتا ہے یعنی فاعل اور مفعول دونوں کو آگ میں جلا دیا
جائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں هَدَّرَ عَلَيْهِ سِرْحَانًا ایسے مجرموں
کو دیوار کے نیچے کھڑا کر کے اوپر دیوار گرا دی جائے۔ خلفائے راشدینؓ کے رہنے
میں ایسے معاملات پیش آئے تو انہوں نے اپنی اپنی صوابدید کے مطابق تعزیر لگائی
کیونکہ اس جرم کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ قومِ لوط سے پہلے یہ فعل شینع کسی قوم میں نہیں پایا
جاتا تھا۔ اس کے بعد یہ عام ہو گیا حتیٰ کہ برطانوی پارلیمنٹ نے یہ قانون پاس کر
دیا ہے کہ اگر دو بائع سر دبا بھی رضامندی سے اس فعل کا ارتکاب کریں تو ان پر
کوئی جرم عاید نہیں ہوتا۔ اور اگر یہ فعل باجبر کیا جائے تو قابلِ مؤاخذہ ہوگا۔ خنزیرِ خوری
کا یہی خاصہ ہے کہ لوگ بے حیا اور بے غیرت ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ
جرم بہر حال جرم ہے خواہ وہ رضامندی سے انجام دیا جائے یا جبراً۔ خدا تعالیٰ

نے اسکو بے حیائی سے تعبیر کیا ہے۔ مگر کج دنیا کی کوئی قوم اس سے پاک نہیں۔ امریکہ، برطانیہ حتیٰ کہ اسلامی ممالک بھی اس لعنت میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ایرانی، افغانی، ہندوستانی ہر جگہ اس فعل کا ارتکاب ہوتا ہے۔ امام علیؑ رقمطراز ہیں کہ پہلی صدی کے آخر تک کسی مسلمان ملک میں کوئی قبضہ خانہ نہیں تھا، حالانکہ حضرت عمرؓ کی حکومت چھتیس لاکھ مربع میل پر محیط تھی، پھر انگریزوں کے زمانے میں اس فعل کو اتنی ترقی ہوئی کہ اب کوئی ملک بھی اس سے خالی نہیں ہے۔ خود عرب ممالک بھی اس کی لپیٹ میں آچکے ہیں۔

پھر حال جب لوط علیہ السلام نے قوم کو اس بُرے کام سے منع کیا تو
 لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يَلُوطُ كُنْتُمْ لَكَوْنٌ مِّنَ الْمَخْرُجِينَ تَمْرُكًا
 ہمارے لوگوں میں سے۔ مطلب یہ کہ ہمارے معاملات میں دخل اندازی سے باز آ جاؤ
 ورنہ تم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ سورۃ الاعراف میں اس مضمون کو اس طرح
 بیان کیا گیا ہے کہ جب لوط علیہ السلام نے انہیں منع کیا تو قوم کا جواب یہ تھا۔

اٰخِرُ جُوْهُرٍ مِّنْ قَدِيْتٍ كُفْرًا ۗ اِنَّهُمْ اَنۡسٰ
 يَنْتَظِرُوْنَ (آیت ۸۲) ان کو اپنی بستی سے نکال دو، یہ بڑے پاکباز لوگ
 بنے پھرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم تجس کام کرتے ہیں، قَالَ اِنِّيْ لَعَمَلِكُمْ
 صِنَ الْفٰلِیۡنِ لُوطُ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے فرمایا کہ میں تمہارے اس عمل سے سخت نفرت
 کرتا ہوں۔ دین اور اخلاق کے خلاف چیزوں کو تو بد فطرت انسان ہی اچھا سمجھ سکتے
 ہیں ایلم الفطرت آدمی تو کبھی بھی ایسے کاموں سے مانوس نہیں ہو سکتا۔ امام شاہ ولی اللہ
 محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ خلاف وضع فطری عمل کے دو نقصانات ہیں۔ ایک تو
 انسلاخ فطرت ہو گا یعنی لوگ فطرت سے باہر نکل جائیں گے اور یہ خدا کے غضب
 کو دعوت دینے والی بات ہے، اور دوسرا یہ کہ واجبی ارتفاعات خراب ہو جائیں
 گے۔ نکاح کا عمل انسانوں کے فائدے کے لیے واجبی ارتفاع ہے اگر کوئی شخص عورت

سے نکاح کی بجائے مردوں یا جانوروں کے ساتھ شہوت رانی کرنے لگے تو نکاح کا سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا۔ اور اس طرح بقائے نسل کا سلسلہ خراب ہو جائے گا۔ اسی لیے لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے اس عمل سے متنفر ہوں۔

دعا کرنا

اس موقع پر لوط علیہ السلام نے بارگاہِ رب العزت میں دعا بھی کی، عرض کیا رَبِّ
 بِنِحْتِي وَاهْلِي وَمَا يَفْعَلُونَ پروردگار! مجھے اور میرے گھروالوں کو ان
 کاموں سے نجات دے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہمیں اس کام اور اس کے
 نتیجے میں آنے والے عذاب سے بچائے۔ لوط علیہ السلام اللہ کے پاک نبی سے تو کسی
 برے عمل کی توقع ہو ہی نہیں سکتی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کام
 کی نحوست سے بچا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا
 اور فرمایا فَجَبَّتْهُ وَأَهْلَكَ أَجْمَعِينَ ہم نے لوط علیہ السلام اور آپ کے
 گھروالوں سب کو نجات دی یعنی اُس سزا سے بچالیا جو اس قوم پر نازل ہوئی۔ فرمایا
 إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ایک بڑھیا اس عذاب سے بچ سکی جو پیچھے رہنے
 والوں میں تھی۔ یہ لوط علیہ السلام کی بیوی کی طرف اشارہ ہے جو لوط علیہ السلام کے ہمراہ
 بستی سے نہیں گئی تھی بلکہ قوم کے ساتھ پیچھے ہی رہ گئی تھی، لہذا وہ بھی عذاب کا شکار
 ہو گئی حالانکہ وہ لوط علیہ السلام کے اہل خانہ میں سے تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کی بیوی
 تھوڑی دُور تک آپ کے ہمراہ نکلی تھی، مگر پھیر لیٹ آئی، اللہ تعالیٰ نے دو کافرہ عورتوں
 کا ذکر قرآن پاک میں کیا جو اُس کے پاک انبیاء کے گھروں میں تھیں۔ یہ حضرت نوح اور
 حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں تھیں کَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْتٍ مِنْ
 عِبَادِنَا صَالِحِينَ فَحَاثَتْهُمَا (التحریم - ۱۰) یہ دونوں عورتیں ہمارے
 دوصالح بندوں کے گھروں میں تھیں مگر انہوں نے ان کے ساتھ خیانت کی۔ یعنی ایسا
 سے خالی تھیں اور انہوں نے اپنے شوہروں کا ساتھ دینے کی بجائے کافروں کا ساتھ
 دیا۔ البتہ لوط علیہ السلام کی بیٹیاں ایماندار تھیں، انہوں نے آپ کے ساتھ بستی کر چھوڑ
 دیا اور عذابِ الہی سے بچ گئیں۔

قوم کی
تباہی

لو ط علیہ السلام اور آپ کے اہل خانہ کے بستی سے نکل جانے کا حکم سورۃ ہود میں اللہ نے ذکر کیا ہے فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ (آیت - ۸۱) اپنے گھر والوں کو رات کے کچھ حصے میں نکل جائے۔ چنانچہ جب آپ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بستی سے نکل گئے تو فرمایا لَسْمَ دَمْرًا الْأَخْرِيَّتِ ہم نے باقی قوم کو ملیا میٹ کر دیا۔ اللہ نے اس قوم کو ایسی تاریخی ہولناک سزا دی جو ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ بِئْسَ مَا كَانُ يَوْمَئِذٍ لِلَّذِينَ لَا حِسَابَ لَهُمْ اور ان کے ساتھ ساتھ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ہم نے ان پر بارش بھی برسائی اور یہ بارش پانی کی نہیں بلکہ پتھروں کی بارش تھی۔ سُورَةُ الْحَجْرِ میں ہے وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَادَةً مِّنَ السَّمَاءِ (آیت - ۷۴) ہم نے ان پر کھنگرے کے پتھر برسائے جن پر مجرموں کے نام لکھے ہوئے تھے کہ یہ فلاں چوہدری کے سر پر لگے گا۔ اور یہ فلاں و طیر سے کو ہلاک کر دیا۔ فرمایا ہم نے ان پتھروں کی بارش برسائی فَسَاءَ مَا كَرَّمُوا الْمُنْذِرِينَ إِذْ رَأَوْهُمُ ہوئے لوگوں کی یہ بہت ہی بڑی بارش تھی۔ خدا نے ساری قوم کو ہلاک کر دیا۔ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً اس واقعہ میں عبرت ہے۔ اہل مکہ اور بعد میں آنے والوں کو بھی جان لینا چاہیے کہ یہ کاری کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ مگر مقام افسوس ہے کہ اتنی واضح نشانی کے باوجود ان میں اکثر لوگ ایمان سے خالی ہیں وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُو الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ اور بیشک تیرا پروردگار زبردست ہے جو کسی نافرمان کو چھوڑتا نہیں اور نہایت مہربان ہے جو اپنے بندوں کو ہر مصیبت سے محفوظ رکھنے پر بھی قادر ہے

كَذَّبَ أَصْحَابُ لَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٤٩﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ
 شُعَيْبٌ ۙ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٥٠﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٥١﴾
 فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ﴿١٥٢﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ
 مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٥٣﴾ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا
 تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿١٥٤﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطِ أَسْبَابَ
 الْمُسْتَقِيمِ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا
 تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿١٥٦﴾ وَأَتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي خَلَقَكُمْ
 وَالْجِلَّةَ الْأُولَىٰ ﴿١٥٧﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٥٨﴾
 وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ
 الْكَاذِبِينَ ﴿١٥٩﴾ فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ
 إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٦٠﴾ قَالَ رَبِّيَ أَعْلَمُ بِمَا
 تَعْمَلُونَ ﴿١٦١﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابٌ يَوْمَ الظُّلَّةِ ﴿١٦٢﴾
 إِنَّهُ كَانَ عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٦٣﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً
 وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٦٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
 الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٥﴾

ترجمہ:- مجھ لایا ایکہ والوں نے اللہ کے رسولوں کو ﴿١٤٩﴾

جب کہا اُن کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام نے کیا تم
ڈرتے نہیں (۱۷۹) بیشک میں تمہارے لیے رسول ہوں
امانت دار (۱۸۰) ڈرو اللہ سے اور میری بات مانو (۱۷۹) اور
میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی بدلہ - میرا بدلہ نہیں
ہے مگر رب العظیم کے ذمے (۱۸۰) رہیں تم سے کہتا
ہوں، پورا کرو ماپ کو، اور نہ ہو تم گھٹانے والوں میں
سے (۱۸۱) اور قولو سیدے ترازو کے ساتھ (۱۸۲) اور نہ
گھٹاؤ لوگوں سے اُن کی چیزوں کو، اور نہ چلو زمین میں فساد
کرتے ہوئے (۱۸۳) اور ڈرو اس ذات سے جس نے
تم کو پیدا کیا ہے اور پہلی مخلوق کو (۱۸۳) انہوں نے کہا
بیشک تو اُن لوگوں میں ہے جن پر جادو کیا گیا ہے (۱۸۵)
اور نہیں ہے تو مگر انسان ہمارے جیسا۔ اور ہم خیال کہتے
ہیں تجھ کو جھوٹوں میں سے (۱۸۶) پس گرا ہم پر آسمان کا کوئی
ٹکڑا، اگر تو سچا ہے (۱۸۷) کہا (شعیب نے) میرا پروردگار خوب
جاتا ہے جو کام تم کرتے ہو (۱۸۸) پس جھٹلایا اُن لوگوں
نے اُس کو، پس پکڑا اُن کو سائبان کے دن کے غذاب
نے۔ بیشک وہ بڑے دن کا غذاب تھا (۱۸۹) بیشک البتہ
اس بات میں نشانی ہے۔ اور نہیں اُن میں اکثر لوگ ایمان
لانے والے (۱۹۰) اور بیشک تیرا پروردگار وہی عزیز اور رحیم
ہے (۱۹۱)

حضرت شعیب
علیہ السلام

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت اور عبرت کی غرض سے چند انبیاء علیہم السلام
کا تذکرہ فرمایا ہے۔ گذشتہ آیات میں لوط علیہ السلام کا ذکر ہوا، اب شعیب علیہ السلام کے

حالات بیان کیے جا رہے ہیں۔ آپ کی بعثت کے سلسلہ میں دو مقامات کا نام آتا ہے۔ یعنی مدین اور ایچہ۔ بعض کہتے ہیں کہ مدین اور ایچہ کے لوگ دو مختلف اقوام تھیں اور اللہ نے دونوں کی طرف آپ کو رسول بنا کر بھیجا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک ہی قوم تھی، مدین اُن کے قبیلے کا نام تھا اور اسی نام کی بیٹی بھی تھی۔ ایک گھنے جنگلات کو کہتے ہیں اور یہ لوگ اپنے علاقے میں واقع جنگل سے بھی استفادہ ہوتے تھے، اس لیے ان کو اصحاب الایچہ بھی کہا گیا ہے۔ بہر حال اللہ نے مدین اور ایچہ کی طرف اللہ کے رسول شعیب علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ ان کا سلسلہ نسب پانچویں یا چھٹی پشت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا ہے مشہور یہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قبطی کے قتل کے بعد آپ کئی روز کی مسافت طے کرنے کے بعد مدین پہنچے تھے جہاں آپ کی ملاقات حضرت شعیب علیہ السلام سے ہوئی۔ اور انہوں نے ایک تدبیر کے ذریعے آپ کو آٹھ پادس سال تک روک رکھا۔ اور پھر اپنا داماد بھی بنا لیا اسی لیے شاعر لوگ کہتے ہیں کیلیسی سے شعیبی دو قدم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جن کے پاس موسیٰ علیہ السلام مدین میں مقیم ہوئے تھے وہ شعیب علیہ السلام نہیں بلکہ اُن کے بھتیجے تھے، وہ بھی ایماندار اور نیک آدمی تھے۔ بائبل میں ان کا نام حوخاب بیان کیا گیا ہے۔ اُن کو تیرو بھی کہا جاتا ہے، تاہم مشہور یہی ہے کہ وہ اللہ کے نبی شعیب علیہ السلام تھے۔ اللہ نے آپ کا ذکر سورۃ اعراف، سورۃ ہود اور دیگر سورتوں میں بھی کیا ہے۔

جیسا کہ میں نے ارشاد کیا انبیاء علیہم السلام کے یہ واقعات حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام کی تسلی کے لیے بیان کیے جا رہے ہیں۔ انہیں علم ہونا چاہیے کہ مختلف اقوام نے اپنے اپنے نبیوں کے ساتھ کیسے سلوک کیا، انبیاء نے کیا کیا تکالیف برداشت کیں مگر صبر و ہمت سے کام لیا۔ لہذا آپ کے ساتھ پیش آنے والے نامساعد حالات کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ راہ حق کے مسافروں پر اس قسم کی ابتلائیں آیا ہی کہتی ہیں۔ لہذا آپ بھی ان مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں۔ اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَأُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ

نبی کا حضور

(الاحقاف - ۳۵) آپ اولوالعزم رسولوں کی طرح صبر کریں اور ناقرا نوں کو سزا دلوانے میں جلدی نہ کریں۔

شعیب علیہ السلام
کی تقریر

ارشاد ہونا ہے كَذَّبَ اصْحَابُ لَيْكَةِ الْمَوْسَلَيْنِ مَحْبِلًا يَكِيهَ وَالْوَلَدِ
 نے اللہ کے رسولوں کو۔ یہاں بھی وہی ترکیب استعمال کی گئی ہے جو اس سے پہلے
 حضرت نوح، ہود، صالح اور لوط علیہم السلام کے لیے استعمال ہو چکی ہے۔ مطلب
 یہ ہے کہ کسی ایک رسول کی تکذیب اللہ کے سارے رسولوں کی تکذیب کے مترادف
 ہے کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کسی ایک کے انکار سے
 آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ جب کہا
 شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہ کیا تم ڈرتے نہیں؟ دیگر سابقہ
 اقوام کی طرح یہ لوگ بھی کفر و شرک میں مبتلا تھے۔ غیر اللہ سے مرادیں مانگتے تھے۔
 سورۃ اعراف اور ہود میں موجود ہے کہ وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے
 معبودوں اور ان کی مذہبی رسوم کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں، ہم تو ان کو ادا کرتے رہیں
 گے۔ اللہ کے نبی نے فرمایا اِنَّ كُفْرَكُمْ سَوَالٌ اَمِيْنٌ میں تمہاری طرف
 اللہ کا بھیجا ہوا امانت دار رسول ہوں۔ میں اپنے پیورہ کار کا پیغام پہنچانے میں کوئی
 کمی بیشی نہیں کرتا۔ فَاَلْقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْا پس اللہ سے ڈر جاؤ اور میری
 بات مانو۔ کہنے لگے میری یہ بات بالکل بے لوث ہے۔ وَمَا اَسْأَلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ میں اس کام کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا اِنْ اَجَبْتُمْ
اِلَّا عَلٰى رِيبٍ الْعَالَمِيْنَ کیونکہ میرا بدلہ تو اللہ کی ذمہ داری میں ہے جو جہانوں
 کا پروردگار ہے۔ میری تبلیغ کا اجر وہی مجھے عطا کرے گا، اس معاملہ میں میرا کوئی ذاتی
 منافع نہیں ہے، میں تمہاری خیر خواہی کی بات کر رہا ہوں۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ
 میری بات مانو۔

عقیدے کی
درستگی

شعیب علیہ السلام نے سب سے پہلے قوم کو عقیدے کی اصلاح کا درس دیا اور
 یہی درس اللہ کے حکم سے نبی دیتے آئے ہیں۔ انبیوں کے بعد اللہ کے نیک بندے

بھی ہمیشہ سب کے پہلے عقیدے کی طرف توجیہ دلاتے ہیں کیونکہ نجات کا دار و مدار اسی چیز پر ہے۔ ہر وہی کتاب و سنت کے مطابق عقیدے کی اصلاح کا سبق دیکھا۔ امام شاہ ولی محدث دہلوی اور حضرت مجدد الف ثانی نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں اسی بات کا تذکرہ کیا ہے۔ شیخ عبد العاذر جیلانی فرماتے ہیں کہ اہل سنت سے مراد حضور علیہ السلام کی سنت پر چلنے والا گروہ اور جماعت سے مراد صحابہ کی جماعت ہے۔ ان کے مطابق اپنا عقیدہ بنا لو گے تو نجات حاصل ہو جائے گی۔ اور اگر انسان کا عقیدہ ہی درست نہیں تو اس کے کسی عمل کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس بات کی تصریح قرآن میں جگہ جگہ کی گئی ہے۔ مثلاً سورۃ الانبیاء میں ہے **فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعِيهِ** (آیت - ۹۴) جس نے نیک اعمال انجام دیے۔ بشرطیکہ وہ ایمان نہ ہو تو اس کی محنت کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ گویا اعمال کے لیے ایمان کا ہونا لازمی ہے۔ اسی طرح فرمایا **إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسِّرَ اللَّهُ لَهُمْ** **أَجْرَهُمْ** **غَيْرَ مَسْئُومِينَ** (الانشقاق - ۲۵) وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے، ان کے لیے بے انتہا اجر ہوگا۔ حدیث میں آتے ہیں کہ قیمت مالے دین پہاڑوں جتنے بڑے بڑے عمل بھی **هَبَاءٌ مَّنْشُورٌ** (الفرقان - ۲۳) اڑتی ہوئی خاک بن کر رہ جائیں گے، ان کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان کی تہ میں ایمان نہیں غرضیکہ عقیدے کی درستگی کے متعلق سارے نبی ہی درس تھے ہے **يَقُومُوا عِبَادُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ اللَّهِ غَيْرُهُ** (اعراف - ۳) لوگو! عبادتِ خالص اللہ کی کرو کیونکہ اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ پہلانے میں، نہ حاضر ناظر سمجھنے میں، نہ حاجت روا اور مشکل کشا تسلیم کرنے میں، غرضیکہ کسی چیز میں حرافہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ ہر نبی نے درس توحید کے بعد اپنی اپنی قوم کی اخلاقی بیماریوں کی طرف توجیہ دی۔

قوم شعیب بھی بڑی تمدن قوم تھی۔ یہ زیادہ تر تاجر پیشہ لوگ تھے۔ ان کی بستیاں بڑی شاہراہ پر واقع تھیں۔ حرمان اور ہندوستان کے تجارتی قافلے اسی شاہراہ کے

قوم شعیب
کا تجارت

ذریعے مصداق شام جاتے تھے اور افریقہ کے فاطمہ اسی راستے سے ادھر آتے تھے۔ اس قوم کی اخلاقی بیماری یہ تھی کہ یہ لوگ ماپ تول میں کمی بیشی کرتے تھے جس کی وجہ سے لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے تھے۔ شعیب علیہ السلام کے قوم سے خطاب کے بعض حصے سورۃ ہود میں بھی موجود ہیں۔ آپ نے قوم کی توجہ اس طرف دلائی کہ تجارت میں ڈنڈی مار کر لوگوں کے حقوق ضائع نہ کرو، بلکہ تمام حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کرو اور اس کے بعد بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنَّكُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آیت ۸۶) جو کچھ بچ ہے، وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم میں ایمان کی کوئی رتی موجود ہے اور جو چیز تم بے ایمانی سے حاصل کرو گے، وہ خیر و برکت سے خالی ہوگی۔ یہی بیماری اہل مدینہ میں بھی پائی جاتی تھی۔ یہود زیادہ تر تجارت پیشہ لوگ تھے اور دھیتے وقت کم تولتے تھے جس سے مذکورہ سورۃ مطفقین میں موجود ہے۔

ماپ تول میں
استقامت

بہر حال شعیب علیہ السلام نے قوم کو ان کی اخلاقی بیماری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا اَوْفُوا الْكَيْلَ لِپورا کرو ماپ کو وولات کو نوا من الم حسیبیں اور نہ ہونم گھٹانے والوں میں۔ اناج کو ماپ کر دینے کا رواج قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے نذول قرآن کے زمانے میں مد اور ضلع وغیرہ کے پیمانے ہوتے تھے۔ یہاں پنجاب میں تولیہ اور درٹو پیر کے پیمانے اب تک رائج ہے ہیں۔ انہی پیمانوں کے متعلق فرمایا کہ جب گندم، جو، کھجوریں یا دیگر اناج ماپ کر دو تو پورا پورا ماپو اور اس میں کمی نہ کرو۔ کہ اس سے لینے والے کا حق ضائع ہوگا۔ سورۃ مطفقین میں اس چیز کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ ہلاکت ہے ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے کہ جب وہ ماپ کر یا تول کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب دینا ہوتا ہے تو اس میں کمی کر دیتے ہیں۔ کیا انہیں اس بات کا خوف نہیں ہے کہ ایک دن انہوں نے رب تعالیٰ کے سامنے گھڑا ہو کر حساب دینا ہے؟ تو یہی نصیحت شعیب علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو کی کہ ماپ میں کمی نہ کرو وَزِنُوا بِالْقِسْطِ اِنَّ الْمُسْتَقِيْمِيْنَ اور جب کسی چیز کو تول کر دو تو سیدھی ترازو کے ساتھ تولو۔ اس میں کمی بیشی

نہ کرو، تجارت میں ڈنڈی مارنا حقوق العباد میں خیانت کہنا ہے۔ جس کا مواخذہ ہوگا۔ فرمایا
وَلَا تَبْخَسُوا الْمَنَاسَ اشْيَاءَهُمْ اور لوگوں سے ان کی چیزوں کو مرت گھٹاؤ، یعنی
وزن کرتے وقت تول میں کمی نہ کرو۔

تاجروں کی
فہم داری

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بازار شریف
لے گئے تو آپ نے تاجروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا لِمُعْشَرَ التَّجَارِ قَدْ
وَلَيْتُمْ أَمْدِينَ قَدْ هَلَكَتْ أُمَّمُ السَّالِفَةِ فَبَلَّكُمْ لے
تاجروں کے گروہ! آج تم دو چیزوں کے والی ہو: انہی دو چیزوں کی وجہ سے پہلے کئی
امتیں تباہ ہوئیں۔ یہ دو چیزیں ماپ اور تول ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شعیب علیہ السلام
کے علاوہ بھی کئی قومیں اس بیماری میں مبتلا رہی ہیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے خبر دار
کیا کہ آج تم ان چیزوں کے والی ہو، دیکھنا کسی کا حق ضائع نہ کرنا اور نہ تم بھی سابقہ قوموں
کی طرح تباہ ہو جاؤ گے۔

اگر تاجروں میں یہ عیب نہ ہو تو وہ پیشے کے لحاظ سے دوسرے فہم پر آتے ہیں۔
اور حدیث میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے التَّاجِرُ
الصُّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءَ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ سچا اور امانت دار تاجر قیامت والے دن، انبیاء، اصداقا اور شہدائے کی قطار میں ہوگا
اس کے برخلاف جھوٹی قسم اٹھا کر گاہک کو مٹھلن کرنے والے کے متعلق فرمایا
مَنْ قَطَعَهُ مَمْحُوقَةٌ أَيَّمَالُكَ تَوْجَاتُكَ مگر خدا تعالیٰ اس کی برکت کو مٹا دیتا ہے
ایسی کھائی حرام کی کھائی ہوگی اور پھر بقول "مال حرام بود بجانے حرام رفت" یہ کسی اچھے
ٹھکانے پر بھی نہیں لگے گی بلکہ مقدمہ، بیماری اور کم درج یا لہو و لعب میں ہی صرف ہو
گی۔ جو مال حرام راستے سے آیا، وہ اسی راستے سے چلا گیا۔ برخلاف اس کے جو مال
جائز اور حلال راستے سے آتا ہے وہ تمام اہل خانہ کے لیے باعث برکت ہوتا ہے۔

تاجروں کا ایک اور عیب تدلیس ہے۔ اگر مال میں کوئی نقص ہو تو وہ اسے
ظاہر نہیں کرتے بلکہ چھپا جاتے ہیں اور اس طرح گاہک کو عیب دار مال چلا جاتا ہے

یہ بھی بدیانتی ہی کی ایک قسم ہے، اگر کپڑے کا کوئی ٹھکان چھٹا ہوا ہے یا اس کی پیمائش کم ہے تو گاہک کو بتادینا چاہیے کہ اس میں یہ عیب ہے اور اس کی قیمت میں اس قدر فرق ہے۔ اب یہ گاہک کی مرضی ہے کہ وہ ایسے مال کو خریدنا پسند کرے یا نہ پسند کرے کم از کم تاجر نے تو اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔ اسی طرح ویسی مال کو دلائی یا دلائی کو ویسی کہہ کر فروخت کرنا بھی اسی وعدہ کی زد میں آتا ہے۔ جہاں ہاں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ چیز بہا بنتی ہے مگر مہر غیر مالک کی لگا دی جاتی ہے۔ یہ گاہک کو دھوکہ دینا ہے اور یہی چیرہ صراحت ہے بعض اوقات ناپتے میں کمی کی جاتی ہے اگر کپڑا میٹر کے حساب سے فروخت کیا ہے تو ناپتے وقت میٹر کی بجائے گز استعمال کیا ہے۔ یا کلو کی بجائے سیرے دیا ہے۔ یہ سب باتیں دھوکہ دہی میں آتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ لوگوں سے ان کی چیزیں ہمت گھٹاؤ۔

فاد فی الارض

ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَعْتَوْا فِي الْأَرْضِ مُمْسِدِينَ اور نہ چلو زمین میں فساد کرتے ہوئے۔ خدا کے دین اور شریعت کو توڑنا ہی فساد فی الارض ہے۔ سورۃ اعراف میں قوم شعیب کی ایک یہ خبر لی بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ راستوں پر ڈالنے ڈالتے تھے۔ منافروں سے ان کا مال جھین لینے اور بعض اوقات ان کو قتل بھی کر دیتے اللہ نے فرمایا وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (آیت ۸۶) ڈالنے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے راستوں پر ہمت بیٹھو۔ یہ لوگ ناکہ بندی کے غنڈہ گردی کرتے تھے قافلے لوٹتے تھے اور جو لوگ شعیب علیہ السلام کی ملاقات کے لیے آتے تھے، ان کو آپ تک پہنچنے ہی نہیں دیتے تھے، اہل مکہ بھی ایسا ہی کرتے تھے ان کی کوشش ہوتی تھی کہ باہر سے آنے والا کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے نہ پائے۔ وہ جانتے تھے کہ جو کوئی آپ کی صحبت میں پہنچ جاتا تھا وہ ایمان لے آتا تھا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کا حال حدیث میں بیان ہوا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے ملنا چاہا تو کفار مکہ نے دو دفعہ آپ کی پٹائی کی۔ اسی طرح حضرت عمرو بن عبدہؓ کا بیان ہے کہ وہ مکہ آئے تو دیکھا کہ قوم کے لوگ اس قدر مشتعل ہیں کہ آپ تک پہنچنا ہی مشکل ہے۔ کہتے

ہیں کہ میں نے بڑے لطیف بہانے کے ذریعے آپ علیہ السلام تک رسائی حاصل کی، اور ایمان مقبول کیا۔ یہ سب چیزیں فساد فی الارض میں شامل ہیں۔

تبلیغی جماعت والے اللہ کا دین لوگوں تک پہنچانے کی حتی المقدور کوشش کر رہے ہیں، مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ کچھ لوگ اُن کے راستے میں بھی رکاوٹ بن رہے ہیں۔ طرح طرح کا طعن کرتے ہیں کہ یہ بے دین لوگ ہیں۔ بستر اٹھائے پھرتے ہیں اور لوگوں کو اصل دین سے برگشتہ کرتے ہیں۔ محض الزام تراشی کے ذریعے لوگوں کو روکتے ہیں کہ کہیں ان کے دام میں نہ پھنس جانا۔ اس طرح بعض آدمی علوم کو علمائے حق کے پاس جانے سے روکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ گستاخ اور بے ادب ہیں، ان کی بات سنو گے تو لگوار ہو جاؤ گے، العیاذ باللہ، غرضیکہ اللہ کے راستے سے روکنے کی مختلف صورتیں ہیں کبھی اخبارات میں غلط ملط مضامین دیکر اللہ کے بندوں سے بظن کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کبھی کتابوں کے ذریعے الزام تراشی کر کے لوگوں کو متنفر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، غرضیکہ اللہ کے راستے سے روکنے کی روایت قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے اور مختلف زمانوں میں اس کے مختلف طریقے رہے ہیں۔ یہ فساد فی الارض کی ہی قسم ہے اس ضمن میں انگریز نے بھی بڑا حال پھیلا یا ہے، اگرچہ سیاسی طور پر وہ بات نہیں رہی، مگر دینِ حق سے روکنے کا واؤ بیچ اب بھی چل رہا ہے انگریز مشنریاں آج بھی دنیا بھر میں سرگرم عمل ہیں کبھی تعلیم کے ذریعے عیسائیت پھیلائی جا رہی ہے۔ سکول اور کالج قائم کر کے انجیل کی تعلیم دی جاتی ہے اور کبھی ہسپتالوں میں عیسائیت کا پرچار کیا جاتا ہے۔ کبھی تبلیغی اخبارات اور رسائل مغربت تقسیم کیے جاتے ہیں اور کبھی ایڈ کے نام پر لوگوں کو اپنے جال میں پھنایا جاتا ہے، غرضیکہ جس طرح کڑی شدت میں پھنس کر نکل نہیں سکتی، اسی طرح جو لوگ ان کے جال میں کسی نہ کسی طرح پھنس جاتے ہیں۔ پھر وہ دلال سے نکل نہیں سکتے فساد فی الارض کے یہ مختلف طریقے ہیں۔

اس ضمن میں مکے والوں کا واقعہ مشہور ہے، عرب کا ایک نامی گرامی شاعر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا چاہتا تھا، مگر مشرکین نہیں چاہتے تھے کہ یہ دلال تک

پہنچے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ شخص ایمان لے آیا تو اس کا بہت زیادہ اثر پڑے گا، چنانچہ اہل مکہ نے اس شاعر کو امّج سے لے کر ہوئے سوانہٹ لے کر واپس کر دیا اور حضور علیہ السلام سے نہیں ملنے دیا۔ فرمایا زمین میں فساد کرتے ہوئے مت چلو وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ

وَالْبَلَدَ الْأَوَّلِينَ اور پڑو اس ذات سے جس نے تمہیں بھی پیدا کیا، اور پہلی مخلوق کو بھی حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ ساری باتیں قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمائی۔

قوم کا جواب

شعیب علیہ السلام کی اس تقریر کے جواب میں قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمَسْحُورِينَ قوم کے لوگ کہنے لگے کہ تم تو جادو کئے ہوئے لوگوں میں سے ہو۔ یہی کہہ ہی باتیں کرتے ہو اور ہمیں ملے دین روکنا چاہتے ہو۔ انہوں نے یہ اعتراض بھی کیا وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تم تو ہم جیسے انسان ہو تمہیں ہم پر کون سی تبریٰ حاصل ہے وَأَنْ تَظُنُّكَ لِمَنِ الْكُذِبُ اور ہم تو تجھے جھوٹا خیال کرتے ہیں تمہارے دعویٰ نبوت میں کوئی صداقت نہیں ہے گویا انہوں نے بشریت کو نبوت کے سنا فی خیال کیا حالانکہ قرآن میں یہ بات بار بار بھجائی گئی ہے کہ انسانوں کی تربیت کے لیے انسان کا بنی ہونا ہی موزوں ہو سکتا ہے۔ انسان کسی غیر جنس سے تعلیم و تربیت حاصل نہیں کر سکتا، نہ کوئی فرشتہ انسان کی تربیت کر سکتا ہے اور نہ کوئی جن، بلکہ انسان کو انسان ہی اپنے قول و فعل سے منزل مقصود تک پہنچا سکتا ہے۔

قوم کہنے لگی، اگر تو سچا ہے فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِن كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ تو ہم پر آسمان کا کوئی کھڑا ہی گمراہی گمراہی ہم جان لیں گے کہ تیرے کہنے سے ہمیں سزا ملتی ہے، اگر تو سچا ہے۔ سورہ اعراف میں کفار و مشرکین کا یہ بیان بھی نقل کیا گیا ہے فَأَتَيْنَا بِمَا تَعُدُّونَ إِن كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ (آیت - ۷۰) جس چیز سے تو ہمیں ڈراتا ہے، اس کو لے آؤ یعنی ہم پر عذاب نازل کر دو۔ شعیب علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا قَالَ رَبِّيَ عَلَّمَ دِيمَا تَعْمَلُونَ میرا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ تم کہہ رہے ہو۔ وہ بہتر جانتا ہے کہ کس مجرم کو کس وقت سزا میں مبتلا کرنا ہے۔ سزا دینا میرا کام نہیں

ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی گرفتِ وقتِ مقررہ پر آجائے گی لہذا اس کا انتظار کرو۔

غرضیکہ فَكَذَّبُوهُ قوم نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا۔ آپ کی نبوت و رسالت کا مکمل طور پر انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا فَاَخَذَهُمْ عَذَابٌ يَوْمَ الظُّلَّةِ پھٹا یا اُن کو سائبان کے دن کے عذاب۔ اِنَّهُ كَانَ عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ یہ شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا۔ نظر سائبان کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق بادل کے سائے پر بھی ہوتا ہے۔ قوم شعیب کو تین قسم کا عذاب دیا گیا، پہلے سے زلزلہ آیا، اوپر سے چیخ مسلط کی گئی اور پھر اوپر سائبان کا سایہ بھی ہٹا، مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ جب اس قوم پر عذاب کا وقت آیا تو اللہ نے ان پر سخت گرجی پیدا کر دی۔ سات دن تک متواتر سخت ترین تیش نازل ہوئی۔ پھر ایک بادل اٹھا جس کے سائے میں قدرے سکون محسوس ہوا۔ سب لوگ دوڑ دوڑ کر بادل کے نیچے جمع ہو گئے۔ پھر اللہ نے اُس بادل سے ایسی آگ برسائی کہ سائے نافرمان مجسم ہو کر رہ گئے۔ اس قوم کا حال افسرانِ بائبل اور تاریخ میں بھی مذکور ہے، اللہ نے اس قوم کا حال بیان کر کے مکے والوں اور بعد والوں کو عبرت دلائی ہے کہ دیکھنا اللہ کے نبی کی نافرمانی کر کے تم بھی عذاب الہی کا نشانہ ہو جانا۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَايَةً لِّاُولِيْ اَبْصَارٍ اس واقعہ میں عقلمندوں کے لیے نشانی ہے، وہ سابقہ اقوام کا حال دیکھ کر سنبھل سکتے ہیں اور خدائے وحدہ لا شریک پر ایمان لاسکتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اِنَّ مِثْلَ اَكْثَرِ اِيْمَانِ لَانِ وَاِنَّ رَبَّكَ لَمُحِيطٌ العزیز اللعینم اور بیشک تیرا پروردگار البتہ زبردست اور نہایت مہربان ہے، وہ نافرمانوں کے حق میں جبار اور قہار ہے، جب کہ مومنوں کے لیے بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔

وقال الذين

الشعراء ۲۶

رس بعد ہم ۱۷

آیت ۱۹۲ تا ۲۰۹

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (۱۹۲) نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ
 الْأَمِينُ ۝ (۱۹۳) عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝
 بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۝ (۱۹۴) وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأُولَىٰ ۝ (۱۹۵)
 أَوْلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَوُا بَنِي
 إِسْرَائِيلَ ۝ (۱۹۶) وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ۝
 فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ۝ (۱۹۷) كَذَلِكَ
 سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝ (۱۹۸) لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ
 حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝ (۱۹۹) فَيَأْتِيهِمْ بَغْتَةً وَهُمْ
 لَا يَشْعُرُونَ ۝ (۲۰۰) فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنظَرُونَ ۝ (۲۰۱)
 أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۝ (۲۰۲) أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ
 ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ ۝ (۲۰۳) مَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ
 مَا كَانُوا يُسْتَعْتُونَ ۝ (۲۰۴) وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا
 لَهَا مُنذَرُونَ ۝ (۲۰۵) ذِكْرَىٰ ۝ (۲۰۶) وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ (۲۰۷)

ترجمہ۔ اور بیشک یہ (قرآن) البتہ اتارا ہوا ہے رب العالمین

کی طرف سے (۱۹۳) لے کر اترا ہے اس کو روح الامین (۱۹۳)

آپ کے قلب مبارک پر تاکہ ہو جائیں آپ ڈرانے والے

میں سے (۱۹۳) اور ہے یہ عربی زبان میں کھول کر بیان کرنے والا (۱۹۵) اور بیشک یہ البتہ پہلی کتابوں میں بھی ہے (۱۹۶) کیا ان کے لیے یہ نشانی نہیں ہے کہ جانتے ہیں اس کو بنی اسرائیل کے علاوہ (۱۹۷) اور اگر ہم اترتے اس کو کسی سبھی پر (۱۹۸) پس وہ پڑھتا ان پر تو پھر بھی نہیں تھے یہ ایمان لانے والے (۱۹۹) اسی طرح ہم نے چلایا ہے اس کو مجرموں کے دلوں میں (۲۰۰) نہیں ایمان لاتے اس کے ساتھ یہاں تک کہ دیکھ لیں وہ دردناک عذاب (۲۰۱) پس آئے گا وہ (عذاب) اچانک اور وہ بے خبر ہوں گے (۲۰۲) پس کہیں گے، کیا ہم کو حمت مل سکتی ہے؟ (۲۰۳) کب ہمارے عذاب کے ساتھ یہ جلدی کرتے ہیں (۲۰۴) آپ بتلائیں کہ اگر ہم ان کو فائدہ پہنچائیں کئی سال تک (۲۰۵) پھر آجائے ان کے پاس وہ چیز جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے (۲۰۶) تو نہیں بچائے گا ان کو جس کے ساتھ یہ فائدہ اٹھاتے ہیں (۲۰۷) اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر یہ کہ اُس کے لیے ڈرانے والے تھے (۲۰۸) نصیحت کے لیے، اور نہیں ہم ظلم کریں گے (۲۰۹)

گذشتہ پانچ رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی اقوام کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ ان واقعات کو بیان کر کے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام کو تسلی دلانا مقصود تھا کہ دیکھو سابقہ انبیاء کی اقوام نے بھی ان کو جھٹلایا، ان کو تکلیفیں پہنچائیں اور بالکل بڑے انجام سے دوچار ہوئے، لہذا اگر تمکے والے بھی آپ

ربط آیات

سے برسوں کی گتے ہیں، آپ پر ایمان نہیں لاتے تو ان کا انجام بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔

اب آج کے درس میں قرآن پاک کی حقانیت کا ذکر ہو رہا۔ سورۃ کا ابتداء بھی اسی مضمون سے ہوئی تھی تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ (آیت ۲۰) یہ کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ مِنَ الرَّحْمَنِ مُحَدَّثًا إِلَّا كَأَنَّهُمْ مَعْرَصُونَ (آیت ۵) ان لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے، یہ اس سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور اب سورۃ کے آخری حصے میں بھی یہی مضمون آ رہا ہے اور نزول قرآن کے بارے میں بعض حقائق بیان کئے گئے ہیں۔

مکی سورتوں کے مضامین

مکی سورتوں میں بالعموم چار اہم مضامین بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے پہلا مضمون توحید کا ہے، اللہ تعالیٰ نے سینکڑوں، ہزاروں عنوانات کے تحت توحید کے دلائل بیان کیے ہیں اور شرک کا رد کیا ہے۔ یہ مضمون سورۃ ہذا کے آخری حصے میں بھی آ رہا ہے۔ مکی سورتوں کا دوسرا اہم مضمون رسالت کا ہے، اکثر مشرکین رسالت کا انکار کرتے تھے۔ سابقہ امتوں اور آخری امت کے مشرکین کا نظریہ یہ تھا وَمَا مَتَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْتُوا مِنَّا إِذْ جَاءَهُمْ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا (نبی اسرائیل ۹۴) جب بھی لوگوں کے پاس اللہ کی ہدایت آئی تو انہوں نے یہ کہہ کر ایمان لانے سے انکار کر دیا کہ کیا اللہ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے، ان کے نزدیک بشریت رسالت کے منافی تھی، حالانکہ اللہ نے انہوں کی طرف انہوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ان کا دوسرا زعم یہ تھا کہ اگر کسی انسان کو ہی رسول بنا دیا ہو تو اللہ تعالیٰ کسی صاحب حیثیت آدمی کو رسول بنا تا جس کے باغات ہوتے، لو کہ جاکر اور فوج ہوتی، بھلا ایک نادار آدمی کیسے رسول ہو سکتا ہے۔ اس مضمون میں اللہ نے رسالت کے تصور کو واضح کیا ہے اور منکرین کے اعتراضات کو رد فرمایا ہے مکی سورتوں کا تیسرا اہم مضمون محاد ہے۔ وقوع قیامت کے منکرین ہمیشہ سے ہیں

اور آج بھی ایسا ایک طبقہ موجود ہے، اللہ نے مکی سورتوں میں بعثت بعد الموت اور محاسبہ اعمال کے مسئلہ کو بھی کھول کر بیان کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی ساری تعلیمات میں ایک تہائی حصہ بعثت بعد الموت پر مشتمل ہے، اللہ نے آخرت کے معاملہ کو اس قدر اہمیت دی ہے اور ان سورتوں کا چوتھا مضمون قرآن پاک کی حقانیت و صداقت ہے، دنیا میں بیشمار لوگ ایسے ہیں جو قرآن کو خدا کا کلام ماننے کے لیے تیار نہیں اور اس ضمن میں طرح طرح کے شکوک و شبہات کا اظہار کرتے ہیں، اللہ نے قرآن پاک کی حقانیت و صداقت کو مختلف دلائل سے واضح کیا ہے اور منکرین کے زعم باطل کا رد فرمایا ہے۔ آج کے درس میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے۔

انشاد ہوتا ہے وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ بیشک یہ قرآن پاک البتہ اتارا ہوا ہے رب العالمین کی طرف سے یہ کلام الہی ہے کسی مخلوق کا کلام نہیں ہے اور اس کے طریقہ نزول کے متعلق فرمایا تَنزِيلًا بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ اس کو ایک امانت دار فرشتہ جبرائیل علیہ السلام نے کرا لیا ہے۔ روح کا معنی جبرائیل فرشتہ ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام پر وحی لانے پر مامور رہا ہے اور وہ امانت دار ہے کہ اللہ کا پیغام ٹھیک ٹھیک اُس کے انبیاء اور رسل تک پہنچاتا رہا ہے۔ یہ اللہ کی عظیم المرتبت مخلوق میں سے مقرب ترین فرشتہ ہے جس نے اس قرآن پاک کو اتارا ہے عَلَّمَ قَلْبَكَ آپ کے قلب مبارک پر لیت کون مِنَ الْمُنذِرِينَ تاکہ ہو جائیں آپ ڈر سنانے والوں میں سے اگر یا نزول قرآن کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مجربین کو ان کے بُرے انجام سے گاہ کر دیا جائے اللہ نے سورۃ المدثر میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اے مدثر! قُمْ فَأَنْذِرْ (آیت ۲) آپ اٹھ کھڑے ہوں اور مخلوق خدا کو ان کے بُرے انجام سے ڈراؤں۔ ہر نبی مبشر اور منذر ہوتا ہے۔ جو نیکی والوں کو اچھے انجام کی خوشخبری اور برائی والوں کو بُرے انجام کی اطلاع دیتا ہے سورۃ الحجّت میں ہے وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مَبَشِّرِينَ وَنَذِيرِينَ (آیت ۵۶) ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشخبری دینے اور ڈرانے والے بنا کر۔

فرمایا ہم نے یہ قرآن روح الامین کی وساطت سے آپ کے قلب مبارک پر اتارا ہے

نزول قرآن

نزول وحی کی مختلف صورتیں

عام طور پر وحی کے نزول کی یہی صورت رہی ہے، اناہم بعض دور کے طریقوں سے بھی وحی کا نزول ہونا رہا ہے، ایک صحابی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا حضور! کَيْفَ يَأْتِيكَ الْمَوْحِيَّاتُ؟ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ مثلاً کبھی فرشتہ انسانی شکل میں متشکل ہو کر آتا ہے اور میں اس کی بات کو یاد کر لیتا ہوں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے **يَأْتِيَنِي مِثْلَ صَلَواتِ الْجَنِّ** میں وحی اس طرح آتی ہے جیسے گھنٹی بجتی ہے مگر اس کی آواز کو کوئی دوسرا شخص نہیں سن سکتا۔ اس کی سماعت بغیر تک ہی محدود ہوتی ہے اور اس طرح وحی قلب مبارک پر اترتی ہے، حدیث میں حضور علیہ السلام کے قلب کی تعریف میں فرشتوں نے آکر کہا آپ کو اللہ نے **قَلْبٌ وَكَيْفٌ مَضْبُوطٌ** دل عطا فرمایا ہے، اس میں سننے کے لیے دوکان اور دیکھنے کے لیے دو آنکھیں ہیں۔ بہر حال حضور نے فرمایا کہ وحی کی گھنٹی والی صورت زیادہ شدید ہوتی ہے۔ کیونکہ فرشتہ حظیرۃ القدس سے براہ راست آپ کے قلب کے ساتھ تعلق جوڑ کر وحی الہی لاتا ہے۔ آپ نے فرمایا **هُوَ اسْتَدْعَاكَ** یہ صورت مجھ پر بڑی شاق ہوتی ہے۔ صحابہ کرام بیان کرتے ہیں کہ ہمارے ہاں کی دمبہر جنوری جیسی شدید سردی میں بھی نزول وحی کے وقت حضور علیہ السلام کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے، آنحضرت علیہ السلام کا رنگ بھی متغیر ہو جاتا اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ پر غنودگی کی سی کیفیت طاری ہو رہی ہے مسلم شریعت کی ہدایت میں آتا ہے کہ ایک موقع پر جب ایسی ہی حالت طاری ہوئی اور پھر آپ کی حالت معمول پر آئی تو آپ نے فرمایا، لوگو! غنودگی جاہل کہہ کر اللہ نے مجھ پر سورۃ الکواثرہ نازل فرمائی ہے پھر آپ نے اس مختصر ترین سورۃ کی تلاوت فرمائی۔

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ وقوع تغیر میں اصلاح ہوتا ہے یعنی ایسی حالت میں اللہ کا نبی بشریت سے نکل کر ملکیت کی طرف آتا ہے اور ادھر فرشتہ ملکیت سے نیچے اترتا ہے، اس طرح گویا دونوں طرف سے اصلاح ہونا ہے تاکہ وحی الہی بغیر کے قلب پر اتر سکے۔ اس طرح وحی کے الفاظ اور ان کے مطالب پوری طرح دل پر منتقل کر دیے جاتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلب مبارک وہ عظیم قلب تھا،

جس پر پورا قرآن پاک نازل ہوا۔

انسانی جسم میں دل اور دماغ کو رئیس الاعضاء کہا جاتا ہے، یہ دونوں اعلیٰ ترین عضو ہیں مرکز اخلاق اور قدرتِ ارادی کے اعتبار سے انسان کا قلب رئیس الاعضاء ہے۔ جب کہ امور طبعیہ اور جس و حرکت کے اعتبار سے دماغ اعلیٰ عضو ہے، اخلاق اچھا ہو یا بُرا اس کا مرکز بہر حال دل ہے۔ اسی لیے انسان کی منزل کے متعلق اللہ کا فرمان ہے کہ دوزخ کی آگ سے پہلے انسان کے دل پر اثر انداز ہوگی، سورۃ المؤمنہ کے الفاظ ہیں۔ اَلَّتَّحِيَّتُ تَطَّلِعُ عَلَى الْآفِئِدَةِ (آیت۔ ۷) یہ وہ آگ ہے جو دلوں پر چڑھے گی۔ جسم پر اس کا اثر بعد میں ہوگا۔ بہر حال جس شخص نے قلب جیسے مرکز اخلاق عضو کو خراب کر دیا تو منزل کا اثر بھی سب سے پہلے اسی پر ہوگا، ہر آدمی کے سینے میں قلب ایک بے مثال نعمت ہے، اور جس دل پر قرآن نازل ہوا وہ سب سے عظیم قلب ہے، اس دل میں جو نوراں اور کمال تقاؤہ کی مخلوق کے کسی دل میں نہیں ہے۔

فرمایا اس قرآن پاک کو روح الامین لے کر اُنے بِلِسَانِ عَدِيبٍ مِّمِّيْنِ
جس کی زبان عربی ہے جو کہ بالکل واضح اور فصیح زبان ہے۔ اس سے یہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ عربی زبان میں نازل ہونے والا یہ قرآن پاک اپنے مضامین، مطالب، معانی و دلائل، مسائل، احکام اور شواہد کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کہلانے کا مستحق وہی نسخہ ہوگا جو عربی زبان میں ہر گاہ کسی دوسری زبان میں ہونے والا ترجمہ قرآن تو کہلا سکتا ہے مگر قرآن نہیں ہو سکتا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاقْرَءْ وَمَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (المنزل۔ ۲۰)
نماز میں جتنا میسر آسکے قرآن پڑھا کرے۔ اور قرآن وہی ہے جو عربی میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نماز عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں نہیں پڑھی جاسکتی۔ بعض ملحد قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم عربی کو سمجھتے نہیں لہذا اگر نماز اپنی زبان اردو، پنجابی وغیرہ میں پڑھ لیا کریں تو مطلب بھی سمجھ میں آئے گا اور نماز اچھے طریقے سے ادا ہوگی۔ یہ سخت بے دینی کی بات ہے۔ بجائے اس کے کہ نماز اور قرآن پاک کی چند سورتوں کا ترجمہ

یکھ لیا جائے، انہوں نے نماز کو اردو میں منتقل کرنے کی تجویز پیش کر دی ہے کتنے افسوس کی بات ہے کہ لوگ انگریزی، فارسی، فرانسیسی اور جرمن زبانیں سیکھنے میں تو کوئی دقت محسوس نہیں کرتے مگر قرآن پاک کی زبان عربی کی باری آتی ہے تو اس کو سیکھنے کی بجائے قرآن اور نماز کے ترجمے پر گزارہ کرنا چاہتے ہیں۔ آدھی تھوڑی سی کوشش کرے تو نماز کی حد تک تو قرآن کے الفاظ اور ترجمہ سیکھ سکتا ہے، اور پھر یورپی دلجمعی کے ساتھ نماز ادا کر سکتا ہے، فرمایا **وَإِنَّهُ لَكَفِيٌ ذِكْرِ الْأَوَّلِينَ** اور بیشک یہ قرآن البتہ پہلی کتابوں میں بھی ہے یہ مطلب یہ ہے کہ قرآن کا ذکر اور اس کی پیشین گوئیاں سابقہ صحائف یعنی کتب سابقہ میں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ تورات میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ! میں تیرے بھائی بنوں میں سے تیرے جیسا عظیم رسول پر پا کروں گا اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔ یہ وہی کلام ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی صورت میں نازل فرمایا۔ اور بھائی بنوں سے مراد دوسرے خاندان ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ خاندان سے تھے جب کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اسماعیلی خاندان سے ہے البتہ دونوں خاندان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، لہذا یہ آپس میں بھائی بند ٹھہرے۔

کلام مذہب میں دلانے کا مطلب یہ ہے کہ میں اُس کو اپنا کلام سمجھاؤں گا۔ دوسری جگہ مذکور ہے کہ قرآن پاک کے بعض احکام پہلی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً توحید، رسالت اور معادہ ہر نبی کی تعلیمات کا جزو ہے ہیں۔ بہت سے دیگر اصول بھی تمام نبیوں میں متفق علیہ ہے ہیں۔ قصاص کا مسئلہ جس طرح قرآن پاک میں ہے اسی طرح تورات میں بھی تھا کہ جان بچنے کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان وغیرہ قرآن پاک میں اس قدر علوم و معارف موجود ہیں کہ کوئی انسان ان سب پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ قرآن خدا تعالیٰ کی صفت ہے، اللہ نے اس کو اپنے علم کے ساتھ آنا ہے چونکہ خدا کی صفت اور اُس کا علم لامحدود ہے، لہذا کوئی انسان قرآن کا احاطہ نہیں کر سکتا البتہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ کوئی شخص جس قدر قرآن میں غور و فکر کرے گا۔

سابقہ کتب کی
پیشین گوئیاں

اُس کے ذہن اور اسکی معلومات میں اسی قدر وسعت پیدا ہوگی اور یہ سلسلہ ابد الابد تک ترقی کرتا چلا جائے گا۔

فرمایا أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ كَمَا أَن كَيْفَ يَتَنافَى كَافِي نَبِيْسٌ هـ۔
أَنَّ يَعْلمَهُ عَلَمُوْبِيَّ اسْتَرْكَاوِيل كُر اس قرآن پاک کو علمائے بنی اسرائیل
 جانتے ہیں کہ یہ واقعی وہی کتاب ہے جسکی پیشین گوئیاں سابقہ کتب سماویہ میں موجود
 ہیں چنانچہ منصف مزاج علمائے بنی اسرائیل اس کی گواہی دیتے تھے، ان میں حضرت
 عبداللہ بن سلام اور بعض دیگر علماء شامل ہیں جو سابقہ کتابوں کے عالم تھے اور جنہیں
 اللہ نے ایمان کی دولت بھی نصیب فرمائی۔ انہوں نے تصدیق کی یہ اللہ کی سچی
 کتاب ہے، جس کی پیشین گوئیاں سابقہ کتب میں موجود ہیں۔ فرمایا اس بات کو تو بنی اسرائیل
 کے علماء بخوبی جانتے ہیں تو کیا یہ بات مشرکین کے لیے کافی دلیل نہیں ہے کہ قرآن اللہ
 کی سچی کتاب ہے، اس کے باوجود یہ لوگ انکار کیوں کرتے ہیں؟

ارشاد ہوا ہے وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلٰی بَعْضِ الْأَعْجَمِيْنَ اور اگر ہم آہر
 اس قرآن کریم کو کسی عجمی (غیر عربی) پر فخر گاہ علیہم پھروہ ان کو پڑھ کر سنا سنا
 ماکے تو اب یہ مُؤْمِنِيْنَ تو پھر بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے، پھر ان کا بہانہ یہ
 ہوتا کہ ہم عربی ہیں اور اس عجمی کی بات کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں کہ
 کفار یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ اللہ کا رسول عربی ہے اور قرآن بھی عربی ہے کہ یہ
 اس کا خود غلط ہو سکتا ہے اگر یہ قرآن کسی غیر عربی پر اترا اور وہ ہمیں پڑھ کر سنا سنا تو ہم مان سنا
 کہ واقعی یہ خدا کا کلام ہے جو ایک غیر عربی کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ مطلب
 یہ کہ متکبرین نے ہر صورت میں انکار ہی کرنا ہوتا ہے، وہ کوئی بھی حیلہ بہانہ تلاش
 کر سکتے ہیں۔

فرمایا كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُرْجَمِيْنَ
 اسی طرح ہم نے اس کو گناہگاروں کے دلوں میں چلایا ہے۔ یہ لوگ اسی طرح کے
 حیلے بانوں سے لایو مَنُوْنَ بہ اس کلام الہی پر ایمان نہیں لاتے، حتیٰ

بکار کیلئے
 حیلے بہانے

يَوْمَ الْعَذَابِ أَلْوَيْمٌ يَمَّا يَمُكُكَ دَرَزْنَاكَ عَذَابُكَ كَرَامِي وَأَنظُرُونَ سَمِئَةً
 يَوْمَ الْعَذَابِ كَمَا يَوْمِ النَّارِ يَوْمَ يُبَسِّطُونَ الصُّلُوفَ فِي الْوُجُوهِ فَسَأَلُوكَ النَّاسَ
 وَالْمَلَائِكَةَ إِنَّا نَنبِئُكُمْ بِبَشِيرٍ مِّنْهُم قَدْ آمَنُوا بِهِمْ كَمَا نَبِئُكُمْ بِبَشِيرٍ مِّنْهُمْ
 قَدْ كَفَرُوا بِهِمْ فَسَيُكَذِّبُونَكَ بِهِمْ وَلَئِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهُ لَنَلْبِسَنَّ
 اللَّهُ لِبَاسَهُ لِيُنْفِزَهُ فِي قُلُوبِ الْكٰفِرِينَ فَيُغْلِقُ أَبْوَابَهُمْ فِي النَّارِ وَلَا يُدْخِلُهَا
 فِيهَا مَنًّا وَلَا يُخَفِّضُ فِيهَا ذُرِّيَّتَهُمْ فَاُولَٰئِكَ فِي عَذَابٍ مُّضْتَرِّينَ

ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کا رویہ اس قدر مخالفانہ ہے کہ یہ عذاب کو خود دعوت دے رہے ہیں
 مگر جب وہ دُور ہو جائے گا تو پھر ہمت مانگنے لگیں گے۔

فَمَا أَقْرَبَتْ إِذْ مَتَّعْنَاهُمْ سِينِينَ ۖ فَسَاءَ مَا كَانُوا عَمَلِينَ
 کئی سال تک فائدہ دیتے رہیں۔ یہ جس طرح آج عیش و آرام میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اس طرح
 ہم ان کو نہر بہر سال ہر سال کے اس دنیا میں فائدہ پہنچاتے رہیں کہ تم جہاں ہمنے
 ماکا نوا یوعدوہ پھر آجائے ان کے پاس وہ چیز جس کا ان سے وعدہ کیا
 جاتا ہے یعنی سال ہر سال کے عیش و آرام کے بعد اگر ان پر عذاب آجائے۔ مَا
 أَخْتَلَفْنَاهُمْ مَّا كَانُوا يَمْتَعُونَ تو یہ مال و دولت اور جاہ و اقتدار کو کچھ
 فائدہ نہیں دے گا، یعنی کوئی چیز ان کو اللہ کی گرفت سے بچانے نہیں سکے گی، دنیا کے یہ
 سارے ساز و سامان دھڑکے دھڑکے رہ جائیں گے۔ اور اس وقت یہ لوگ کھنکھائیں
 لیں گے۔

آگے اللہ نے تسلی کے سلسلے میں فرمایا وَمَا أَهْلَكَ مِنْ قَرِيْبٍ إِلَّا هَمٌّ
 مُنْذِرٌ وَمَنْ هَمٌّ فَمَنْ يَسْتَجِيبُ لَهَا كَمَا تَسْتَجِيبُ لَهَا تَسْتَجِيبُ لَهَا
 ہوتے تھے، پہلے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام یا ان کے مبلغین کو بھیج کر
 تمام کرتا ہے اور پھر کسی قوم پر گرفت کرتا ہے۔ ذِکْرُ الْبَدِیَّةِ وَنَصِيحَةِ الْبَدِیَّةِ
 جو لوگوں کو سمجھائی جاتی ہیں تاکہ وہ ایمان قبول کر لیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ بغیر خبردار کے
 اور بغیر موقع دیکھی کسی قوم پر عذاب بھیج دیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں بھی ہے وَمَا

كَتَّامِعْذِبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (آیت ۱۵) ہم کسی قوم کو اس وقت تک
 سزا میں مبتلا نہیں کرتے جب تک کہ ان کی طرف رسول مبعوث نہیں کرتے جو
 انکو خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا ہے۔ پھر جب وہ انکار پر اصرار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 گرفت آجاتی ہے۔ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ اور ہم ظالم نہیں ہیں یعنی کسی پر زیادتی نہیں
 کرتے کہ حجت تمام کیے بغیر کسی پر عذاب نازل کر دیں۔ یہ ہمارے طریقے کے خلاف ہے

وَمَا تَنْزَلَتْ بِهِ الشَّيْطَانُ ۚ وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا
 يَسْتَطِيعُونَ ۗ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعَزُولُونَ ۙ ﴿۲۱۰﴾
 فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهَا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ
 الْمَعْذِبِيْنَ ۙ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۙ ﴿۲۱۱﴾
 وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ ﴿۲۱۲﴾
 فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۙ ﴿۲۱۳﴾
 وَتَوَكَّلْ عَلٰى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ الَّذِيْ يَرِيْكَ
 حِيْنَ تَقُوْمُ ۙ وَتَقْلُبُكَ فِى السُّجُودِيْنَ ۙ اِنَّهُ هُوَ
 السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۙ ﴿۲۱۴﴾ هَلْ اُنْبِئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنْزَلُ
 الشَّيْطَانُ ۙ ﴿۲۱۵﴾ تَنْزَلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اٰثِيْمٍ ۙ ﴿۲۱۶﴾
 يُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثُرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۙ ﴿۲۱۷﴾

ترجمہ:- اور نہیں اتارا اس (قرآن) کو شیطان نے ﴿۲۱۰﴾

اور نہیں لائق اُن کے لیے اور نہ وہ (ایسا کرنے کی)

طاقت رکھتے ہیں ﴿۲۱۱﴾ بیشک وہ تو سننے سے بھی دور

رکھے گئے ہیں ﴿۲۱۲﴾ پس آپ نہ پکاریں اللہ کے ساتھ

کسی دوسرے کو معبود، پس ہو جائیں گے آپ سزا یافتہ

لوگوں میں سے ﴿۲۱۳﴾ اور آپ ڈرا دیں اپنے قریبی

رشتہ داروں کو (۲۱۴) اور پست کہہ دیں اپنا بازو اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے آپ کی پیروی کی ہے ایمان والوں میں سے (۲۱۵) پس اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہہ دیں بیشک میں بری ہوں اُن چیزوں سے جو تم کرتے ہو (۲۱۶) اور آپ بھروسہ رکھیں خدائے عزیز پر جو نہایت رحم کرنے والا ہے (۲۱۷) وہ جو دیکھتا ہے آپ کو جب آپ کھڑے ہوتے ہیں (۲۱۸) اور آپ کا پلٹنا سجدہ کرنے والوں میں (اس کو بھی دیکھتا ہے) (۲۱۹) بیشک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے (۲۲۰) (آپ کہہ دیجئے) کیا میں بتلاؤں تم کو وہ شخص جس پر اترتے ہیں شیاطین (۲۲۱) اترتے ہیں ہر جھوٹ بولنے والے گنہگار پر (۲۲۲) وہ ڈالتے ہیں سنی ہوئی بات کو۔ اور اکثر اُن میں سے جھوٹے ہوتے ہیں (۲۲۳)

رابطہ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر کیا تھا اور اس کا اجمالی تعارف کرایا تھا۔ اس عظیم کتاب کو جبرائیل امین نے پروردگار عالم کے حکم سے نازل کیا۔ یہ کلام الہی پیغمبر کے قلب مبارک پر نہایت فصیح و بلیغ عربی زبان میں اُتار گیا۔ اس کے نزول کا مقصد یہ بیان کیا گیا کہ اللہ کے نبی اس کے ذریعے لوگوں کو اُن کے آخرت کے بڑے انجام سے ڈرا دیں۔ یہ وہی کتاب ہے۔ جس کے مضامین اور پیشین گوئیاں سابقہ کتب میں بھی موجود تھیں۔ ان حقائق کے باوجود جو شخص اس قرآن کا انکار کرتا ہے وہ کافر اور گمراہ تصور ہوگا۔ قرآن کے منکرین میں سے بعض نے سحر سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب کہ بعض دوسرے نے شعر و شاعری کی ایک قسم پر محمول کرتے ہیں بعض یہ بھی کہتے تھے کہ جنات اور شیاطین اس قرآن پیغمبر کو سکھاتے ہیں

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی ترجمہ باطل کی تردید کی ہے اور واضح کیا ہے کہ شیاطین یا جنات قرآن نہیں بنا سکتے اور نہ ہی انہوں نے یہ آثار ہے۔ مشرک لوگ محض اپنی حماقت اور عناد کی بنا پر ایسا کہتے ہیں۔

شیاطین کی
دخل اندازی

ارشاد ہوتا ہے وَمَا تَنْزِيلُ الْقُرْآنِ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَرُوْحِهِ الْكَافُرَاتِ اور اس قرآن پاک کو شیطان نہیں اتارتے۔ نزول قرآن کے سلسلے میں اس رکوع کی ابتدا میں بیان ہو چکا ہے وَإِنَّا لَنَنْزِيلُ رِبِّ الْعَالَمِينَ (آیت ۱۹۲) یہ تو پورے دروگاہ عالم کا نازل کردہ ہے، لہذا اس میں شیاطین کی دخل اندازی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وَمَا يَنْتَبِغِي لَكُمْ مِنْ شَيْطَانٍ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْكُمْ مِصْرًا مِمَّا يَسْتَبِيحُونَ اور نہ وہ ایسا کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں، ان کے تو بس کی بات ہی نہیں ہے۔ قرآن کا نزول تو درکنار انھیں عَنِ السَّمْعِ لَمَعْنٍ وَلَوْ أَنَّ شَيْطَانَ كَانَ لِرَأْسٍ جَنَّةٍ مِمَّا يَنْزِيلُ الْقُرْآنِ لَآتَاكُمْ مِنْهُ قُرْآنًا مِمَّا يَسْتَبِيحُونَ اور نہ وہ شیطانی کلام کو قرآن سے جدا کر سکتے ہیں۔ ان کو تو قریب تک نہیں پھٹکنے دیا جاتا، لہذا نزول قرآن ان کے ساتھ کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ شیاطین کا کلام تو شر و فساد پر مبنی ہوگا، جس سے لوگوں کے افکار خراب ہوں اور عقیدے بگڑیں، شیاطین کا تو کام ہی برا اخلاقی، بد اعمالی، قحطی، بد کاری اور لڑائی جھگڑا پیدا کرنا ہے، اس کے برخلاف اللہ کا پاک کلام پڑھنے سے فکر صحیح اور عقیدہ درست ہوتا ہے۔ ان کے اخلاق و اعمال اچھے ہوتے ہیں اور وہ شر و فساد دور رہتے ہیں۔ گویا تلاوت قرآن پاک بہترین نتائج پیدا کرتی ہے۔ اس کے پڑھنے والوں میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے۔ یہ قرآن پاک کی اثر انگیزی تھی کہ دنیا میں صحیح خلافت قائم ہوئی جس کے ذریعے بہترین نظام حکومت قائم ہوا۔ چنانچہ اسلامی معاشرت و معاشرت، تجارت اور صنعتوں ایسے اصولوں پر قائم ہوئی جس کی مثال آج تک دنیا پیش نہیں کر سکی۔

قرآن کی
حقیقت کا
اعتزاز

خلافت راشدہ خصوصاً پہلے دو خلفائے راشدین کے قائم کردہ نظام کی پوری دنیا

معترف ہے، دنیا کے تمام مسلم اور غیر مسلم سائنسدان، مورخ اور دانش ور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس قسم کا بہترین نظام حکومت دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا۔ مہاتما گاندھی بے غیر کی جانی بچانی شخصیت گزری ہے، بڑی عبادت و ریاضت کرنے والا آدمی تھا اگرچہ وہ کٹر ہندو تھا، مگر دوسرے مذاہب کو سچا مانتا تھا۔ منصف مزاج تھا، انجیل، بتدران اور ویدوں کو بھی سچا تسلیم کرتا تھا۔ انگریزوں کے زمانے میں جب پہلی دفعہ ہندوستان میں وزارت بنی تو گاندھی نے ہندوستانی وزراء کو نصیحت کی تھی جس کے الفاظ تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اُس نے کہا تھا کہ اگر دنیا میں کامیابی چاہتے ہو تو حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ جیسا نظام قائم کرو۔ ظاہر ہے کہ ان خلفاء و کا قائم کردہ نظام معیشت معاشرے اور عدل قابل رشک تھا جسکی مثال دنیا پیش نہیں کر سکی، یہ نظام قرآن کا پیدا کردہ تھا، اُس کی تعلیمات کا اثر تھا۔ اس کے برخلاف مہلک شیاطین کا کلام تو کفر و شرک، بد اخلاقی اور فحاشی ہی پیدا کر سکتا ہے، امر سخی، روسی، برطانوی، چینی، سب شیطانی نظام بنائے حکومت ہیں، جن سے ظلم و تعدی، بد کاری، لہو و لعب اور زنا انسانی ہی نشوونما پا سکتی ہے یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ آج مادی ترقی کا ٹیڑھا مضبوط پٹا چلتا ہے۔ مگر دوسری طرف انسانیت جہنم کے گڑھے میں جا رہی ہے۔ عقل معاش ترقی پر ہے مگر عقل معاد کا جنازہ نکل چکا ہے، چند عیش پرستوں کے سوا باقی دنیا نگہرتی میں مبتلا ہے۔ کمزوروں پر ظلم و ستم ڈھایا جا رہا ہے لہذا اس کو حقیقی ترقی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اصلی ترقی وہی ہوگی جو اللہ کا قرآن پیش کرے گا۔ تو فرمایا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے جسے مقدس ترین فرشتے لے کر نازل ہوا ہے۔ اس قرآن کا نزول پوری کائنات میں پاکیزہ ترین قلب محمدی پر ہوا ہے۔ اس کو شیاطین نہیں اتار سکتے اور نہ ہی یہ ان کے لالچ ہے۔ وہ تو اس کو سننے سے بھی عاجز ہیں۔ جب قرآن پاک کا نزول ہوتا ہے تو پہرے بٹھائیے جاتے ہیں تاکہ شیاطین اس میں دخل اندازی نہ کر سکیں، لہذا مشرکین کا یہ دعویٰ لغو ہے کہ یہ قرآن پاک جنات اور شیاطین اللہ کے نبی کو سکھاتے ہیں۔ جس نے کل کے درس میں عرض کیا تھا کہ قرآن پاک کے چار اہم مضامین توحید، رستا،

معاد اور قرآن کی حقانیت و عداقت ہیں۔ ان میں سے توحید باری تعالیٰ کو سب سے زیادہ
 اہمیت حاصل ہے، اسی لیے توحید کی تعلیم کو قرآن پاک میں بار بار دہرایا گیا ہے۔ توحید
 ہی دین کا مرکز و محور ہے جس کے گرد پورے دین کی عمارت گھومتی ہے۔ اگر یہ اصول
 بھگا گیا تو اسلام کی عمارت کا کوئی حصہ درست نہیں رہے گا اور ساری عمارت ویران ہو
 جائے گی، چنانچہ یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے فَلَا تَدْعُ
مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ كَمَا دُعِيَ كُورَ اللَّهِ کے ساتھ معبود نہ پکارو۔ اگر ایسا کرو گے۔
فَتَكُونُ مِنَ الْمَعذِبِينَ پس ہو جائیں گے آپ سزا یافتہ لوگوں میں سے۔
 اللہ نے مختلف صورتوں میں شرک کی سختی کے ساتھ تردید فرمائی ہے کہیں فرمایا کہ اگر خدا
 کے ساتھ کسی کو شریک بناؤ گے تو ملعون اور ذلیل ہو کر رہ جاؤ گے، کہیں فرمایا کہ جہنم کے
 مستحق ٹھہرو گے، اور کہیں خدا کی ناراضگی کا ذکر کیا ہے، غرضیکہ توحید ایک ایسا معاملہ
 ہے جس میں کسی طرح بھی رخصت اندازی نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک سمجھنے
 کے معاملہ میں ذرا بھیر بھی رعایت نہیں رکھی گئی، اخلاق و اعمال کے بارے میں تو کسی حد
 تک رعایت دی جا سکتی ہے مگر عقیدے کی خرابی کے معاملہ میں رعایت کی قطعاً
 گنجائش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا
إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُّسْتَهْتَبُونَ (الانعام ۸۳)
 اسن ان لوگوں کو ملے گا اور ہرگز یافتہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے ایمان میں ظلم یعنی شرک
 کی ملاوٹ نہیں کی۔ اگر ایمان میں کفر، شرک یا نفاق کی ملاوٹ ہے تو وہ ناقابلِ برداشت
 ہے۔ الذرف وہی ہے جو واجب الوجود، قادر مطلق، علیم کل، مختار مطلق، نافع اور
ضار ہے، جو ہر ایک کی مراد پوری کرنے والا اور ہر دکھ درد کو دور کرنے والا ہے اس
کے علاوہ کسی کی عبادت روا نہیں۔ کوئی بھی تکلیف آئے خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو مت
پکارو کہ یہ بھی عبادت میں داخل ہے۔ اللہ کی ذات، اس کی صفات یا اس کی عبادت
میں کسی کو شریک نہ بناؤ، ورنہ تم سزا یافتہ لوگوں میں ہو جاؤ گے۔ اللہ کا واضح اعلان ہے
إِنَّ اللَّهَ لَا يَعْزُبُ عَنْكَ بِيْهٍ وَيَعْزُبُ مَا دُونَ ذَلِكَ لَمَنْ

نَيْشَاءُ (النساء - ۴۸) اللہ تعالیٰ مشرک کو معاف نہیں کر چکا، اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف فرمائے اللہ تعالیٰ نے یہ اہم ترین مسئلہ بھی بیان فرما دیا ہے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسالت کے سلسلے میں ایک اصول بیان فرمایا ہے

تبلیغ کا آغاز
گھسے

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرا دیں۔

تبلیغ کا آغاز اپنے گھر سے کرنا ایک بہت بڑا اصول ہے۔ شاہ عبدالقادر دہلوی نے لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے سارے قریش کو اکٹھا کیا۔ بخاری شریف میں

آتا ہے کہ آپ نے اپنی چھوٹی بیٹی اور چچا کو بھی خطاب کیا۔ آپ نے عمومی خطاب بھی کیا اور خصوصی بھی۔ آپ نے خبردار کیا أَنْذِرُوا وَأَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچا لو۔ اِنَّ لَكُمْ لَعَذَابًا شَدِيدًا

میں اللہ کے سامنے تمھارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ پھر فرمایا سَاوَدُ بْنُ سِنَانٍ مِّنْ أَهْلِ قُرَيْشٍ تَمَّ مَجْهَدًا مِّنْ مَّالٍ تَوَلَّىٰكُمْ سَكَنًا

سکون کا، لہذا اپنی فکر آپ کو لو۔ آپ کو صرف پرکھنے کے ہو گئے اور نہ ملایا صَبَاحًا مِثْلَهُ نِعْرَهُ عَرَبٍ نَهَيْتَ خَطْرَهُ

کے موقع پر لگایا کرتے تھے جب یہ آواز سن کر چالیس کے قریب آدمی جمع ہو گئے تو اپنے فریادوں کو گواہی دے کر کہنے لگے کہ اس پہاڑ کے پیچھے تمھارا دشمن ہے جو تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات پر یقین کر لو گے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں مَا جِئْنَا بِكَ إِلَّا كَذِبًا ہم ضرور یقین

کر لیں گے کیونکہ ہم نے کبھی آپ پر جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا یعنی آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر میں تمہیں خبردار کرنا ہوں، کہ بڑے عذاب سے پہلے اپنے آپ کو بچا لو اور قَوْلًا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلِحُوا کہ کلمہ طیبہ

پڑھ لو، فلاح پاجاؤ گے۔ اس پر قریش سخت برہم ہوئے اور سب سے پہلے ابولربیعہ نے کہا تَبَيَّنَتْ لَكَ الْهَذَا جَمَعْتَنَا تَمَارِي تَبَاهِي هُوَ، کیا اس مقصد کے لیے ہمیں جمع کیا تھا؟ غرضیکہ کسی نے آپ کی بات نہ مانی اور منتشر ہو گئے۔

اصلاح کا آغاز اپنے قریب ترین رشتہ داروں سے کرنے کا اصول بالکل طبعی ہے اس

مرکزیت کی
ضرورت

اصول کے ذریعے جب اپنے گھروالوں اور پھر عزیز واقربا کی اصلاح ہو جائیگی تو اصلاحِ عالم کے لیے ایک بنیاد فراہم ہو جائیگی جسے مرکز بنا کر تبلیغ و اصلاح کا دائرہ وسیع کیا جاسکے گا۔ حضور علیہ السلام نے بھی خطبہ عرب کو ایک مرکز کی حیثیت دے کر دینِ حق کو آگے پھیلانے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ آپ نے نصیحت فرمائی کہ اس سرزمین میں اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین باقی نہیں رہے گا۔ آپ کی آخری وصیت یہی تھی **اَخْرَجُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ مِنْ جَنَّةِ بَيْتِ الْعَرَبِ** یعنی یہود و نصاریٰ کو سرزمین عرب سے نکال باہر کرو، جب یہاں کا ماحول درست ہو جائے گا تو پھر باہر سے آنے والا بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

جیبِ ایران کے ساتھ قادسیہ کے مقام پر شدید جنگ ہو رہی تھی تو حضرت عمرؓ نے نفسِ نفیس وہاں جا کر جنگ میں شریک ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس سے پہلے آپ دو دفعہ شام کا سفر کر چکے تھے، مگر حضرت علیؓ نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ خود ایران تشریف نہ لے جائیں بلکہ یہاں مرکزی اسلام میں بیٹھ کر ایک قطب (چچی کا مرکزی کیل) کی طرح ملک کی سچی کوچلائیں اگر آپ نے مرکز کو چھوڑ دیا تو کوئی دشمن سازش کر کے فتنہ و فساد برپا کر دے لہذا بہتر ہے کہ آپ مرکز کی مضبوطی کا خیال رکھیں بھرت

عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور مرکز میں بیٹھ کر ایران کی جنگ لڑی۔ آپ وہیں سے ہر آٹا بھیجتے رہے۔ قادسیہ کی یہ مشہور جنگ تین دن اور تین رات تک مسلسل جاری رہی ،

اصلاح کیلئے
نمونے کی ضرورت

بالآخر اللہ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی اور ایرانی مجوسیت چہرے کیلئے ختم ہو گئی۔ جب کسی ملک کا ماحول اصلاح یافتہ بن جائے تو وہ ملک بیرون ملک دعوت کے لیے بھی مرکزی اصلاح بن سکتا ہے۔ اور اگر اپنے ہی ملک میں گندگی ہوگی تو دوروں کو اصلاح کی دعوت کیسے دی جاسکے گی۔ یہاں کے ایک طالب علم نے سوئڈن کے حالات بیان کئے۔ وہ وہاں پر ڈیڑھ سال تک ٹریننگ حاصل کر چکا تھا، اس نے پوچھا کہ تم نے وہاں کے لوگوں کو کبھی کبھی اسلام کی دعوت دی تو وہ کہنے لگا، ہاں! اپنے دوستوں میں تبلیغ کا آغاز کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ تم تو غلام ملک کے باشندے ہو، کیا اسلام پیش کر کے ہمیں بھی غلام بنا مانا جاتے ہو؟ ایک اور دوست جو مصر اور مشرق وسطیٰ کا

دورہ کر چکا تھا۔ کہنے لگا کہ اُن ممالک میں چور رہتے ہیں۔ اسلام قبول کر کے کیا ہم بھی چور بن جائیں؟ اب آپ خود ہی دیکھ لیں کہ خود ہمارے ملک میں کتنے چور ہیں۔ ان کو دیکھ کر کون مسلمان ہوگا۔؟ جہاں تک غلامی کا تعلق ہے کچھ مسلمان روس کے غلام ہیں، اور کچھ امریکہ کے پہلے ہم برطانیہ کی غلامی میں تھے۔ اب امریکہ کی جھولی میں ہیں۔ یہ ہماری سیاست آزداد ہے، نہ معیشت اور نہ معاشرت، ہماری ٹیکنالوجی وہاں سے آتی ہے، اُن کے مشیر ہمیں مشورہ دیتے ہیں تو پلان بنتے تھے۔ بحیثیت غلام ہماری کوئی وقعت نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے بڑا زور دیا کہ اپنے مقام پر پہنچو گے تو دنیا میں عزت پاؤ گے ورنہ ذلیل و خوار ہی ہوتے رہو گے۔ مطلب یہ ہے کہ اصلاحِ عالم کے لیے پہلے خود نمونہ بنو گے تو دعوت آگے بڑھے گی ورنہ کوئی شخص تمہاری بات سنا بھی گوارا نہیں کرے گا۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی وجہ سے قریش کو سعادت بخشی۔ یہ لوگ ایمان لا کر آپ کے دستِ مبارک سے بازو بنے۔ پھر اُن کے ساتھ انصار کی جماعت بن گئی۔ اس کے بعد ہاجرین اور انصار مل کر ایک مرکزی جماعت بن گئے اور دعوت نے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ یہی لوگ اہلِ حل و عقد تھے اور انہی کی رائے سے دنیا بھر کے معاملات طے ہونے لگے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی

آگے ارشاد ہوتا ہے، اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ آپ اپنے بازو اپنے متبعین کے لیے پست کر دیں اُن لوگوں میں سے جو ایمان لائے ہیں۔ نبی کی حیثیت سے تو آپ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ وَرَحِيمٌ (التوبہ - ۱۲۸) فرمایا بحیثیت حاکم اور امیر جماعت بھی آپ اہل ایمان کے ساتھ نرمی اختیار کریں۔ درستی اور سخی کی بجائے انہام و تغیر کو اصول بنائیں۔ البتہ جب کوئی اللہ کی حدود کو توڑے تو پھر وہ سخی کا مستحق ہے وگرنہ حضور علیہ السلام سے زیادہ نرم مزاج دنیا میں کوئی نہ تھا، حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص حدودِ اللہ کو توڑتا تو آپ کو ایسا عضو آتا کہ کوئی بھی آپ کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ آپ مظلوم کو اس کا حق دلانے بغیر چین سے نہیں بیٹھتے تھے، لیکن عام حالات میں

جو بھی آپ کے قریب آتا آپ سے محبت کرنے لگتا۔ تو فرمایا کہ آپ اپنی اپنا بازو ان کے لیے جنہوں نے آپ کا اتباع کیا ہو منوں میں سے۔ فَإِنْ عَصَوْكَ فَخَرِّمْهُمْ وہ آپ کی نافرمانی کریں فَقُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ کہ میں تمہارے ان اعمال سے بیزار ہوں۔ میں ان کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ فَرَمَا وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ہر حالت میں خدا کے عزیز و رحیم پر بھروسہ رکھیں۔ وہ خدا کے ذوالجلال الَّذِي يَلِيكَ حِينَ تَقُومُ اور کھینچتا ہے آپ کو جب آپ عبادت کے لیے رات کو تہا کھڑا ہوتے ہیں۔ اور وہ آپ کو اُس وقت بھی نگاہ میں رکھتا ہے وَتَقَلُّبِكَ فِي السُّجُودِ جب آپ پڑتے ہیں سجدہ کرتے والوں میں یعنی جس وقت باجماعت عبادت الہی میں مصروف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ہر کیفیت سے واقف ہوتا ہے إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ بے شک وہ خوب سنتے اور خوب جاننے والا ہے۔

نزولِ شیاطین

اس نرس کی ابتدائی آیت میں بتلایا جا چکا ہے کہ اس قرآن پاک کو نازل کرنے والے شیاطین ہرگز نہیں، نہ ہی وہ ایسا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اب اسی بات کو دوسرے انداز میں بیان کیا جا رہا ہے کہ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ وہ کیا ہیں آپ کو نازل ہونے والے شیاطین کس پر اترتے ہیں؟ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ وہ تو ہر جھوٹے اور گنہگار شخص پر اترتے ہیں۔ شیاطین کسی سنی سنائی بات کے ساتھ سو جھوٹ بولا کر کاہن اور جو جی کے کان میں ڈال دیتے ہیں جو قیس لے کر آگے لوگوں کو خبریں بتاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بات بھی سچی ہوگی تو سب مشہوری ہوگی اور جہاں کا ٹرلہ بچھے چل پڑا۔ فَرَمَا يَلْقَوْنَ السَّمْعَ وہ سنی سنائی بات ڈال دیتے ہیں وَإِكْثُرُ هُمْ كَذِبُونَ اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ شیاطین کی حیثیت تو یہ ہے، برخلاف اس کے اللہ کا نبی تو پاک ہوتا ہے۔ اس کا احسانِ بترین ہوتا ہے، اس کا دل پاکیزہ ہوتا ہے اور وہ بہترین صلاحیت کا

حامل ہوتا ہے جس پر اللہ کی طرف سے مقرب ترین فرشتہ قرآن لے کر نازل ہوتا ہے۔ جبلا
 شیاطین کی کیا مجال کہ وہ ان دم مار سکیں۔ ان کا داؤ تو جھوٹے اور گنہگار شخص پر چلتا ہے

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿۲۲۳﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ
 وَادٍ يَّهِيئُونَ ﴿۲۲۴﴾ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿۲۲۵﴾
 إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا
 وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ
 ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿۲۲۶﴾

۲۲۵

ترجمہ:- اور شاعر لوگ، پیروی کرتے ہیں ان کی گمراہ لوگ ﴿۲۲۳﴾
 کیا نہیں دیکھا تم نے کہ وہ (شاعر) ہر وادی میں سرگرداں
 پھرتے رہتے ہیں ﴿۲۲۴﴾ اور بیشک وہ کہتے ہیں جو کرتے
 نہیں ﴿۲۲۵﴾ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے
 اعمال کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا، اور انہوں نے بدلہ
 لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا، اور وہ عقرب جان
 لیں گے جنہوں نے ظلم کیا کہ کس کروٹ پر وہ پلٹتے ہیں ﴿۲۲۶﴾

رابطہ آیات

اس سورۃ مبارکہ میں زیادہ تر تسلی کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔ مختلف انبیاء
 علیہم السلام اور ان کی قوموں کا حال بیان کر کے قوموں کی تباہی کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ
 حضور علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے دل برداشتہ نہ ہوں اور جان لیں کہ اہل حق
 کو ہمیشہ ایسی ہی تکالیف برداشت کرنا پڑی ہیں، تاہم انجام ہمیشہ انہیں کا اچھا ہوتا
 رہا ہے اور نافرمان ناکام و نامراد ہی رہے ہیں۔ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ میں بھی
 چار بنیادی مسائل بیان ہوئے ہیں یعنی توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی حقانیت

صدافت۔ گذشتہ درس میں صدافت قرآن کا بیان تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بے مثال کلام ہے اور اور الیہ کلام نازل کہ نہ ناشیاطین کی قدرت میں نہیں ہے۔ اس کو اُتارتے والاربع العالمین لانے والاروح الامین اور جس ہستی کے قلب مبارک پر نازل ہوا ہے وہ پوری مخلوق میں لطیف پاکیزہ اور اعلیٰ قدروں کی حامل ہے۔

شعر و شاعری
کی نفسی

مشرک لوگ حضور علیہ السلام کے متعلق طرح طرح کی باتیں کرتے تھے کبھی کاہن کہتے، کبھی جادوگر اور کبھی شاعر۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم سے شاعری کی نفسی کی ہے۔ شعر و شاعری کے رموز سے واقف لوگ خود بھی اقرار کرتے تھے کہ قرآن پاک کو شعر و شاعری پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے بھائی انیسؓ جو خود ہدایت پڑے شاعر تھے، انہوں نے اپنے بھائی کے پاس یہ رپورٹ پیش کی جو کہ حدیث میں موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کا پیش کردہ کلام سنا ہے، یہ کاہنوں والا کلام نہیں کیونکہ بحیثیت کاہن میں خود بھی اُن کے کلام سے واقف ہوں۔ پھر کہتے ہیں ولقد وضعتہ علی اقرار الشعراء میں نے اسے شاعروں کے اوزان پر بھی پرکھا ہے مگر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ کسی شاعر کا کلام بھی نہیں ہے، بلکہ یہ تو خدا تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہے جو اُس کے علم کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ شیطاں کا کلام بھی نہیں ہے کیونکہ اُن کا کلام تو شر و فساد پر مبنی ہوتا ہے جب کہ یہ کلام نہایت ہی اعلیٰ و ارفع کلام ہے جو رشد و ہدایت سے بھر پور اور اس میں سلاقت کا پیغام ہے۔

شعر و شاعری
کی حقیقت

شاعری ایک فن ہے جو قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ شاعری ہر زبان کا ہر نوع سخن رہا ہے خصوصاً عربی زبان میں تو یہ بام عروج پر تھی جب قرآن کا نزول ہوا تھا عربی کے سینکڑوں اور ہزاروں بڑے بڑے شعراء کلمتوں سے ہی جن کا ذکر تاریخ میں موجود ہے فارسی زبان میں شاعری کو عروجِ نزولِ قرآن کے کافی عرصہ بعد حاصل ہوا۔ فارسی زبان میں بڑے بڑے شعراء پیدا ہوئے ہیں۔ اسی طرح انگریزی زبان کے بھی بڑے پائے کے شعراء گزرے ہیں شعر و شاعری کا شعفت ہر زمانے میں رہا ہے اور آج بھی ہے شاعر

چلنے والے بھی باہم گمراہ لوگ ہوتے ہیں جو سچ اور جھوٹ میں امتیاز کرنے سے عاری ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کی بنیاد ہی جھوٹ اور وہم پر ہو اس کا اتباع گمراہی کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟ مگر فی الواقع کوئی شاعر جس قدر جھوٹا اور بے سہرا خیال باندھتا ہے وہ اسی قدر زیادہ دلہا ہے۔ بزرگان دین کا قول بھی ہے چو اکذب اوسنت، احسن اوست یعنی جس قدر کوئی جھوٹی بات ہوگی، اسی قدر وہ اچھی محسوس ہوگی۔ جس شعر میں ہوائی گھوڑے زیادہ دوڑائے گئے ہوں، وہ زیادہ اچھا لگتا ہے۔ یا جس قدر خلافت و افتخار اور اخلاق سے گری ہوئی بات ہوگی، اسی قدر وہ اچھے سے پیرے لگے جائیں گے،

جاہلیت کے زمانے کا امر القیس بڑا مشہور و معروف شاعر گذر رہا ہے اس کا باپ یعنی اسد کا بادشاہ تھا۔ یہ شہزادگی کے زمانے میں شعر و شاعری اور عشق بازی کی طرف راغب ہو گیا۔ شراب نوشی بھی کرتا تھا، اس لیے اس کا لقب ہی ملک الضلیل مشہور ہو گیا۔ یعنی گمراہ بادشاہ۔ دیگر عام شعروں کی طرح اس کے کلام میں بھی فحش اور اخلاق سے گری ہوئی باتیں پائی جاتی ہیں۔ اس وجہ سے اس کا مذکور لقب مشہور ہو گیا۔

اشعار میں
یادہ گزنی

شاعر متنبی چوتھی صدی میں مسلمانوں کے دور کا مشہور شاعر ہوا ہے۔ اس نے ابتداء میں نبوت کا دعویٰ بھی کیا مگر جب سخت پٹائی ہوئی تو نائب ہو گیا۔ شعراء کے اکثر دیوانوں کی طرح متنبی کے کلام میں بھی فحش اور اخلاقی لحاظ سے کمزور باتیں پائی جاتی ہیں ظاہر ہے کہ ایسی باتوں کو پسند کرنے والے لوگ بھی اخلاقی لحاظ سے ویسے ہی ہوں گے۔ اسی لیے قرابا کہ شعراء کی اکثریت گمراہ ہے اور ان کے متبعین بھی ویسے ہی ہیں۔ بھلا ایسے کلام کا قرآن پاک کے ساتھ کیا تقابل ہو سکتا ہے؟ قرآن پاک کے قاری تو کمال درجے کے باعمل لوگ ہوتے ہیں جب کہ شعراء کے قول و فعل میں غایت درجے کا تضاد پایا جاتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا كَلَّمْنَا الشَّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي
لَهُ (سورۃ ۶۹) ہم نے اپنے نبی علیہ السلام کو قرین شعرا نہیں سکھایا

اور نہ ہی یہ اس کے لائق ہے، گویا شعر و شاعری منصب نبوت کے منافی چیز ہے۔ نبوت کی بنیاد حق و صداقت پر ہے جب کہ شاعری کی بنیاد تخیلات پر ہے۔ یہاں جتنا جھوٹا تخیل باندھا جائے گا، اتنی ہی شاعری کامیاب سمجھی جائے گی۔

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ شعر و شاعری کی ایک مثال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک شاعر نے اپنے محبوب کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔

اے زکب میجا تیری رفتار پہ قربان
سو بار میری لاشیں ٹھوکرے سے جلا دی

تخیل کے اعتبار سے یہ بڑا اونچے درجے کا شعر سمجھا جاتا ہے مگر بے جھوٹ کا پلندہ۔
پہلے خود کو مردہ تصور کیا، پھر اپنے محبوب کو اپنی لاش پر سے گزرا کر گیا کہ وہ کہیں سہراہ
پڑتی تھی اور اچانک محبوب کے پاؤں کی ٹھوکرے لگی تو لاش زندہ ہو گئی۔ کیسی فضول اور خلاف واقعہ
بات ہے۔ اسی طرح ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

لَوْ ضَمَّرَ الْحَبَّ صَدْرَهَا

لَعَرَّ يُجْمَلُ الْحَبَّ قَتَابِ

اگر محبوب اُسے اپنی چھاتی سے لگا لے تو کوئی شخص مرے کو قبر کی طوط نہ لے جائے
یعنی محبوب کے مس سے مردہ زندہ ہو جائے گا اور اُسے دفن کرنے کی نوبت نہیں آئے
گی، عام طور پر ایسے ہی بے سرو پا تخیلات باندھے جلتے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی سفر میں جا
رہے تھے۔ راستے میں کوئی شاعر نے یہ شعر کہا تو اُملا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا
خُذُوا الشَّيْطَانَ اس شیطان کو بچھڑو۔ یہ کیا کہتا جا رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا لَنْ يَمْتَلِي الرَّجُلُ جَوْفَةً قِيمًا
حَتَّىٰ لَوْ لَمْ يَنْشُدْ شَعْرًا اِذَا كُوِيَ اِنْ شَخْصَ اِنِّهٖ يَمْتَلِي كُوِيًا
بھرنے تو وہ اس شعر کوئی سے بہتر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑا خالی کے اشعار ایسے
ہی ہوتے ہیں۔ شاعروں کے پیچھے چلنے والے بھی بے نماز، شراب کے رسیا اور بدکردار
لوگ ہوتے ہیں جو بلا وجہ واہ واہ کہتے رہتے ہیں۔ نہ انہیں فرائض کا خیال ہے، نہ کوئی
اخلاق ہے اور نہ اعمال ہی قابل قبول ہیں۔ میں نے خود ایک جلسے میں دیکھا، کہ
پچھلی طرف ایک شخص پیشاب بھی کر رہا ہے اور شاعر کو دیکھ کر بھی دے رہا ہے۔ بڑا خلاف

اس لئے جن لوگوں نے قرآن پاک کو لائحہ عمل بنایا ہے ان کے اخلاق، اعمال اور کردار اعلیٰ درجے کے ہوتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں عام شعراء کے تجزیہ میں تین نقائص کا ذکر کیا ہے۔ اول یہ کہ شاعروں کے پیچھے چلنے والے اکثر گمراہ لوگ ہوتے ہیں جبکہ قرآن پاک پر عمل کرنے والے اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ شاعر لوگ تخیلات کے سمندر میں ہوائی گھوڑے دوڑاتے پھرتے ہیں جب کہ قرآن کے پیڑھ کار حقیقت کے متبع ہوتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ شاعروں کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے جب کہ عامل بالقرآن لوگ حقیقت کے سرسوار خرافات نہیں کرتے۔ اس طرح گمراہان آیات کا تعلق سورۃ کی ابتدائی آیت تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ سے بھی ہو گیا۔ وہاں فرمایا تھا کہ یہ کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں اور یہاں پھر اِنَّ كَلَامَ كُفْرٍ لَّيْسَ بِدِينٍ لَّيْسَ بِدِينٍ کہ دی گئی ہے۔

صلیٰ اللہ علیہ وسلم

عمومی شعراء کے تذکرہ کے بعد اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ مستثنیات کا تذکرہ فرمایا ہے اور واضح کیا کہ مذکورہ قباحتوں کے مصداق سو فیصدی شعراء نہیں ہیں بلکہ ان میں کچھ اچھے لوگ بھی ہیں اور ان کا ذکر اس طرح فرمایا ہے اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِمَّا رَوَوْا وَهُمْ لَمْ يَحْزَنُوْا جنہوں نے ایمان قبول کر لیا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیے وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا اور انہوں نے کثرت سے اللہ کا ذکر کیا وَانْتَصَرُوْا مَنْ بَعْدَ مَا ظَلَمُوْا اور بدلہ لیا مَنْ ظَلَمَ مِنْ قَبْلِهِ کے بعد ظاہر ہے کہ ایسے شاعروں کا کلام مبنی بر حقیقت ہو گا۔ ایسے لوگ نہ تو یہ حقیقت خیالی گھوڑے دوڑائیں گے نہ ان کے قول و فعل میں تضاد ہو گا، لہذا ان کے پیچھے چلنے والے گمراہ بھی نہیں ہوں گے ان صفات کے حامل بعض شعراء حضور علیہ السلام کے صحابہ میں بھی موجود تھے۔ تین خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور علی مرتضیٰؓ خود شعر کہتے تھے اور ظاہر ہے کہ وہ پوری امت میں سے آکار صحابہ اور عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ اسی طرح حسان بن ثابتؓ چوٹی کے شعراء میں سے تھے حضور علیہ السلام نے خود ان کو کفار کی مذمت میں شعر کہنے کی دعوت دی تھی۔ آپ نے فرمایا اِنَّكُمْ لَمِنْ اُمَّةٍ جَاهِلِيَّةٍ

الْحَمْدُ مَعَكَ اے حسان! ان کی ہجو بیان کرو، جبرائیل امین تمھاری ناپہ میں ہیں
چنانچہ آپ مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر کفار کی مذمت بیان کیا کرتے تھے۔

کعب بن زہیر بھی بڑے شاعر تھے۔ بعد میں مسلمان ہو گئے۔ شماس بن ضرارؓ
شاعر تھے۔ عبداللہ بن رواحہؓ کا شمار اونچے درجے کے شعراء میں ہوتا تھا۔ لہذا بھی شاعر تھے
مگر اسلام لانے کے بعد انہوں نے شعر گوئی ترک کر دی تھی۔ انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی جس میں
نوسے سالہ جاہلیت کا اور ساٹھ سالہ اسلام کا دور گزارا کرتے تھے، اب مجھے شعر و شاعری
سے کوئی رغبت نہیں، مجھے قرآن کافی ہے، وہی پڑھتا رہتا ہوں، اسی طرح ابوسفیانؓ
بھی شاعر تھے۔ ابتدائی زمانہ میں اسلام کی سخت ترین مخالفت کی، مگر جب ایمان لے
آئے تو آپ اور پورے خاندان نے اسلام کی خدمت کو اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ آپ شعروں کے
ذریعے کفار کی مذمت بیان کیا کرتے تھے۔ بہر حال اس قسم کے شعراء بہت قلیل
تعداد میں تھے جنہوں نے خدمتِ اسلام کو اپنے شعروں کا موضوع سخن بنایا۔ اللہ نے
ان کو عمومی شاعروں سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔

خطابؓ سے باہر بھی بڑے بڑے شعراء ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے اشعار کے
ذریعے اسلام اور مسلمانوں کی گمراہیوں اور خدشات انجام دی ہیں۔ صاحبِ مثنوی مولانا رومؒ
کا شمار اسی زمرے میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے شعروں کے ذریعے علم تھاخذ بیان کیے
ہیں اور بہت سے حقائق نہایت عمدہ پیرائے میں واضح کیے ہیں۔ اسی طرح شیخ سعدیؒ
اپنے اشعار کے ذریعے نصیحت کی باتیں بیان کرتے ہیں تو کمال کرتے ہیں۔ ان کی
کتابیں دینی مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہیں، آپ غزلیات کے بہت بڑے امام تھے، عالم
بزرگ اور درویش آدمی تھے، طبیعت میں ظرافت بھی تھی مگر کجکثیت، مجموعی آپ کا
کلام بہت عمدہ ہے یہاں پر ہر صغیر میں بڑا کٹر اقبال مرحوم کو قومی شاعر تسلیم کیا جاتا ہے
انہوں نے تہذیبِ اسلامیہ کا بڑا دفاع کیا ہے۔ آپ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے، انگریزوں سے سسر
کا خطاب بھی پایا مگر ذہنی طور پر ان کے خلاف تھے۔ انہوں نے اپنے کلام میں انگریزی
تہذیبی تمدن کی بڑی مذمت کی ہے اور مسلمانوں کو بیدار کرنے کی سعی کی ہے مولانا طاہر علیؒ

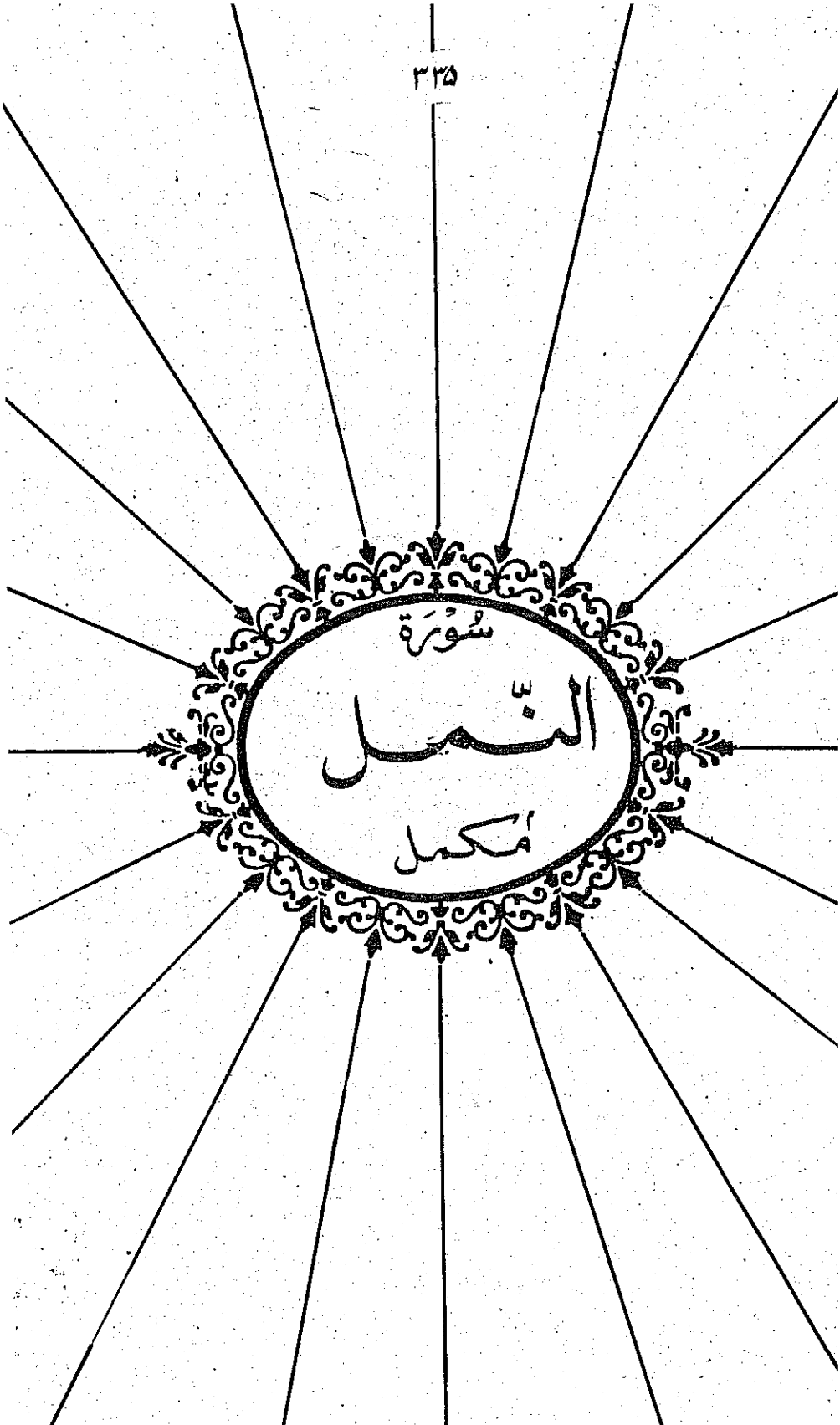
کاشکار بھی اعلیٰ پایہ کے شاعروں میں ہوتا ہے۔ وہ بھی انگریزوں اور قادیانیوں کے سخت مخالفت تھے۔ دین و ملت کے دفاع اور انگریزوں اور مزایوں کی مخالفت میں آپ کے اشعار کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

بہر حال فرمایا کہ عام قوم کے شاعروں میں کچھ استثنا بھی ہیں۔ عام لوگ تو عشق و محبت کے افنانے ہی گھڑتے رہتے ہیں جن سے قوم و ملت کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا بلکہ ایسے اشعار سے بے راہ روی ہی فروغ پاتی ہے۔ البتہ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ اور کثرت سے ذکرِ الہی کرنے والے شعرا و جنوں نے مظلوم ہونے کے بعد ظالموں سے بدلہ لیا، وہ پسندیدہ شعرا ہیں اور انہوں نے قوم و ملت کی گراں قدر خدمت بھی کی ہے اور مسلمانوں کو اپنا اصل مقام یاد کرانے کے دوبارہ حاصل کرنے کی رغبت دلائی ہے۔

فرمایا وَسَيَعْلَمُ الْآيَاتُ مَن ظَلَمُوا أَطْلَمُوا كَرْنَهُ وَاللَّعْنَةُ عَلَىٰ مَن ظَلَمُوا
اے منقلب! یقیناً وہ سب جانتے گئے کہ وہ کس کروٹ پر پلٹتے ہیں ان کی شعر و شاعری اور دیگر افعال و کردار کا پتہ چل جائے گا کہ انہوں نے دنیا میں کیا کیا کارنامے انجام دیے۔

انجام آگے آ رہا ہے، پھر تپہ چل جائے گا کہ ان کا اونٹ کس کروٹ پر بیٹھتا ہے۔

سورۃ کا آغاز صداقتِ قرآن سے ہوا تھا، اب آخر میں سجاد کا ذکر بھی ہو گیا۔



سُورَةُ

التَّكْوِينِ

مَكْمَل

وقال الذین ۱۹

النمل ۲۰

درس اول ۱

آیت ۱ تا ۶

سُورَةُ النَّامِلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثٌ قَلْبَتِسْعُونَ آيَةً وَسَبْعٌ مِائَتٌ رُكُوعَاتٍ
سورة نمل مکی ہے اس کی ترائے آیات اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

طَسَّ قَتَّ تَلَّكَ اَيْتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُّبِينٍ ①
هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ② الَّذِينَ يُقِيمُونَ
الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ③
إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّاتٌ لَهُمْ أَعْمَالُهُمْ
فَهُمْ يَكْفُرُونَ ④ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ
وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْآخِسُونَ ⑤ وَإِنَّكَ
لَتَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ⑥

تجہ طس قفت یہ آیتیں ہیں قرآن پاک کی اور کھول کر بیان کرنے
والی کتاب کی ① جو ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان
والوں کے لیے ② اور جو قائم رکھتے ہیں نماز کو اور
دیتے ہیں زکوٰۃ، اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ③ بیشک
وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ہم نے فرین
کر دیے ہیں اُن کی نظروں میں اُن کے اعمال۔ پس وہ سرگرداں
پھرتے ہیں ④ یہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے، اور

وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہوں گے (۵) اور بیشک آپ کو سکھایا جاتا ہے قرآن حکیم اور عیلم پروردگار کی جانب سے (۶)

نام اور
سورۃ

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ النمل ہے، عربی زبان میں نمل چیونٹی کو کہتے ہیں۔ اس سورۃ کے دو سر رکوع ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے وادی نمل سے گزرنے اور دلائل پر دلائل توحید کے طور پر ایک واقعہ پیش آنے کا ذکر کیا ہے۔ اسی نسبت سے اس سورۃ کو سورۃ النمل کا نام دیا گیا ہے۔
یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ گذشتہ سورۃ الشعراء اور اس سورۃ کا زمانہ نزول قریب قریب ہی ہے، دونوں سورتیں مکی دور کے وسط یا آخری حصہ میں نازل ہوئیں۔
سورۃ ہذا کی نزول سے آیتیں ہیں، اور یہ سات رکوع، ۱۱۴۹ الفاظ اور ۶۷۷۷ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

اس سورۃ میں بھی دیگر مکی سورتوں کی طرح چار اہم اور بنیادی مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ پہلے نمبر پر قرآن کریم کی حقانیت و صداقت کا مضمون ہے، اللہ کی یہ کتاب علم کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ اس میں توحید کا مضمون بھی آئے گا۔ محمدؐ گذشتہ سورۃ کی نسبت کچھ زیادہ دلائل توحید کے ساتھ ساتھ شرک اور مشرکین کا رد بھی آئے گا۔ رسالت کے ضمن میں منکرین کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہوگا۔ اور پھر چوتھا اہم مضمون وقوع قیامت بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوگا۔

ان چار بنیادی مضامین کے علاوہ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ نے بعض انبیاء علیہم السلام کا ذکر بھی کیا ہے۔ پچھلی سورۃ میں انبیاء کا تذکرہ قسلی کے مضمون کے طور پر ہوا تھا کہ اللہ نے کس طرح سابقہ نافرمان اقوام کو ہلاک کیا اور اپنے انبیاء علیہم السلام کو کامیاب بنایا۔ اب اس سورۃ میں بعض انبیاء کا تذکرہ اللہ کی قدرتِ کاملہ کے نمونے کے طور پر کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام اور ایک چیونٹی کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ صلح علیہ السلام کی اذیت کا ذکر ہے، وہ بھی اللہ کی قدرت کا نمونہ تھی، بلکہ سب کا ذکر ہے

جو حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لائی، اس کے علاوہ بھی اللہ کی وحدانیت کے حقیقی اور نقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر ہر عقلمند آدمی توحید خداوندی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بعض ذیلی مضامین اور مسائل بھی اسی سورۃ مبارکہ میں آگئے ہیں۔ یہ سورۃ مبارکہ بھی حروف مقطعات طلس سے شروع ہوئی ہے۔ ان

حروف
مقطعات

حروف کے بارے میں زیادہ بہتر بات وہی ہے جو تفسیر جلالین والے بیان کرتے ہیں **اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا رَدَّهُ بِذَلِكَ** یعنی ان حروف سے اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہے ہمارا اُس پر ایمان ہے، یہی طریقہ زیادہ صحیح ہے۔ البتہ بعض مفسرین نے تقریب فہم کے لیے اور معترضین کے اعتراضات کے ازالے کے لیے ان حروف کے کچھ معانی بھی ذکر کیے ہیں۔ اسی سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت علیؓ اور بعض دوسرے اکابرین کے اقوال موجود ہیں۔ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ بیان کرتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے کشفی طور پر یہ بات سمجھائی ہے کہ حروف مقطعات حقیقت میں سورۃ کا اجمالی عنوان ہوتا ہے۔ جس طرح علی ڈگریوں کی ہے، ایم لے اپنی ایچ ڈی وغیرہ حروف میں وسیع معانی پائے جاتے ہیں، اسی طرح قرآن پاک میں مذکورہ حروف مقطعات بھی اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتے ہیں۔ شاہ صاحب اپنی کتاب شرح حزب البحر میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح مفتی، قاضی، عالم، فقیہ وغیرہ محض انفرادی الفاظ نہیں بلکہ ان کے نیچے وسیع مفہوم ہوتا ہے جس کو عام طور پر سمجھا جاتا ہے، اسی طرح حروف مقطعات سورۃ کا اجمالی مضمون ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ طلس میں منازل الانبیاء یعنی انبیائے کرام کے منازل و مراتب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اس کائنات میں اللہ کا پیغام ہدایت کس طرح پہنچاتے رہے اور ان کے ساتھ کیا کیا واقعات پیش آتے رہے۔

بعض فرماتے ہیں طلس میں ط سے مربوطیات الاخبار یعنی پاکیزہ خبریں اس سے مراد سخی یعنی خدا تعالیٰ کی عزت اور بلندی ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر پاکیزہ خبریں اور اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ درجہ مقام کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس سورۃ مبارکہ کو پڑھ لو بعض فرماتے ہیں کہ طلس سے مراد طرق السعادت ہے

یعنی اگر سعادت اور نیک نختی کے راستے معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس سورۃ کی تلاوت کرو۔
 بہر حال یقینی طور پر نوکر کی بھی معنی متعین نہیں کیا جاسکتا، محض انسانی ازمان کو قرآن کریم سے
 قریب تر کرنے کے لیے مفسرین نے بعض معانی بیان کیے ہیں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصّٰوِبِ
 ارشاد ہوتا ہے تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْآنِ وَكِتٰبٍ مُّبٰیِّنٍ یہ آیتیں ہیں قرآن پاک
 اور کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی قرآن کی تبیین کبھی خود قرآن کی زبان سے ہوتی
 ہے اور کبھی اللہ کے نبی کی زبان سے۔ اگر کسی مسئلہ میں قرآن کریم کے ایک مقام پر اجمال
 ہے تو دوسرے مقام پر تفصیل ہوگی۔ اس طرح گویا قرآن اپنی تفصیل آپ بیان کرتا ہے
 اور اگر کسی معاملہ میں ایسا نہ ہو تو پھر نبی کے واسطے وضاحت کر دی جاتی ہے۔ سورۃ النحل
 میں موجود ہے وَاقْرٰتْنَا اٰیٰتِکَ الذِّکْرِ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ
 بِاٰیٰتِنَا (آیت ۴۴) ہم نے یہ نصیحت نامہ (قرآن) آپ کی طرف اتارا ہے
 تاکہ اے پیغمبر! آپ لوگوں کے سامنے اس کی وضاحت کر دیں جو کچھ ان کی طرف
 اتارا گیا ہے۔ گویا اللہ نے تبیین کا کام اپنے نبی کے ذمے لگایا ہے۔
 اور ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس فرض منصبی کو بطریق احسن انجام
 دیا۔ امام شافعی، شاہ ولی اللہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی نے یہی نتیجہ نکالا ہے
 حضرت مولانا گنگوہی اس کا لب لباب تو یہ بیان کرتے ہیں "پس صحیح حدیث شرح
 ہے قرآن کی" یہ صحیح حدیث کی بات ہے جو صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہو وگرنہ یہاں
 پر غلط موضوع اور ضعیف حدیث سے حجت قائم نہیں کی جاسکتی۔

اگر قرآن پاک کی تبیین ان دو طریقوں سے نہ ہو سکے تو پھر صورت یہ ہے کہ متعلقہ
 مسئلہ اجتہاد کے ذریعے حل کیا جائے۔ اور یہ طریقہ بھی خود قرآن نے پیش کیا ہے۔ یعنی
 اگر کسی مسئلہ میں قرآن و سنت خاموش ہوں اور صحابہ کرام کے اجماع میں بھی حل نہ پایا جاتا
 ہو تو پھر معاملہ مجتہدین کے سامنے پیش کیا جائے گا جو اس کا حل غور و فکر کے بعد
 پیش کر دیں گے۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے اسی اصول کو بیان کیا ہے لَعَلَّہُمْ
 الذِّیْنَ یَسْتَبْطِئُوْنَ مِنْہُمْ (آیت ۸۳) تو پھر اسے اہل علم کے سامنے

پیش کر دو جو تحقیق کر کے مسائل کو حل کرنے کے اہل ہیں۔ اسی لیے اصول فقہ والے شرع کی چار دلیلیں بیان کرتے ہیں، اولاً کتاب اللہ، ثانیاً سنت رسول اللہ، ثالثاً اجماع صحابہؓ اور رابعاً قیاس مجتہدین۔ صرف دو وظاہری چوتھی دلیل "قیاس" کے قائل نہیں، باقی تمام محدثین اور فقہاء ان چار دلائل شرع کو تسلیم کرتے ہیں۔

فرمایا یہ آیتیں ہیں قرآن اور کتابِ بین کی ہدٰی وَجِئْتَنِي بِاللَّوْمِ مِّنْ جَوَاهِرِتِ اَوْخُو شَجْرِي ہے ایمان والوں کے لیے قرآن پاک مجسم ہدایت ہے، از زندگی کے جس موڑ پر بھی ضرورت پڑے یہ ہدایت فراہم کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ اس راستے پر چلو گے تو فلاح نصیب ہوگی۔ یہاں پر ہدایت اور خوشخبری کو اکٹھا بیان کیا گیا ہے جبکہ دوسری جگہ مینات اور ہدایت کا اکٹھا ذکر ہے اِنَّ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنْ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى (البقرہ ۱۵۹) ایک جو لوگ چھپاتے ہیں مینات اور ہدایت کو بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گول کیلئے واضح کر دیا ہے ان کیلئے لعنت کی وعید نائی گئی ہے۔ مینات اور ہدایت میں فرق یہ ہے کہ مینہ بالکل واضح چیز کو کہتے ہیں جسے ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے، اور ہدایت وہ ہے جو اسناد سے سیکھی پڑتی ہے۔ خود رو مفسر یا فخر فرقے اسی سے پیدا ہوئے ہیں کہ انہوں نے بغیر اسناد سے سیکھے از خود سمجھنے کی کوشش کی۔ امام بخاری نے کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالذِّعْلَمِ یعنی علم سیکھنے سے آتا ہے، خود بخود نہیں آجاتا، اس کے لیے وقت، محنت اور مال کی ضرورت ہوتی ہے۔ سلف نے تو تحصیلِ علم کے لیے بڑی بڑی محنتیں کی ہیں اور اپنی عمر کا حصہ صرف کیا ہے تب جا کر علم کی دولت حاصل ہوئی ہے۔ امام ابو یوسفؒ کا مقولہ ہے الْعِلْمُ لَا يُعْطِيْكَ بَعْضَهُ حَتّٰى تُعْطِيَهُ كَالْكَنْزِ حَتّٰى تَمَّ اِنْبَاءُ سَائِرِ سَائِرِ الْعَالَمِ اس کے لیے وقف نہ کرو، علم تمہیں اپنا کچھ حصہ بھی نہیں دے گا۔

علم کا مقصود عمل ہے۔ محض اسلامیات کو یاد کر لیا مگر ڈاڑھی صاف، اور ویسا ہی نماز تو اس ڈھگری کا کیا فائدہ۔ اگر علم کے مطابق اعمال کا جائزہ نہیں لیا تو یہ علم محض پر وقصیری کے لیے ہے اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ کہنے کو تو سب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کرو، غریب پڑی کرو۔ دوسروں کو مشورہ دیتے ہو مگر دولت مند ہونے

آن بطور
ہدایت اور
نارت

علم اور عمل

کے باوجود خود ایسا کیوں نہیں کرتے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سادہ لباس پہنتے تھے۔ تم کیوں تکلف کرتے ہو؟ آنحضرت علیہ السلام معمولی مکان میں رہتے تھے۔ سادہ غذا استعمال کرتے تھے، مگر تم نے پر آسائش مکان اور پُر تکلف خوراک کا کیوں انتظام کر رکھا ہے؟ شادی اور غمی کی رسومات میں حضور علیہ السلام کی سیرت پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ دوسروں کو روزہ رکھنے کی تلقین کرتے ہیں مگر خود چھوڑ دیتے ہو؟ آخر یہ قول و فعل کا تضاد کیوں ہے؟ جیت تک علم کے ساتھ عمل نہیں ہوگا، تمہارا علم تمہیں کچھ نفع نہیں دے سکتا۔ ہمیشہ اپنا حجاب یہ کیا کرو کہ گناہ میں ایمان والوں کی فحش اور عمل کا جذبہ موجود ہے؟ اگر نہیں ہے تو اپنا انجام خود سوچ لو۔

نماز اور
زکوٰۃ

قرآنی آیتیں پاک ہریت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے اور ایمان والے وہ ہیں الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ جو کہ نماز کو قائم رکھتے ہیں۔ نماز اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی اجتماعی عبادت ہے۔ نماز کی ادائیگی سے تعلق باللہ درست ہوتا ہے جو شخص پانچ وقت خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے، سابقہ گناہوں کی تلافی کرتا ہے، آئندہ کے لیے نیکی کا عہد کرتا ہے تو اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہے گا، اگر ایسا نہیں ہے تو نہ صرف تعلق باللہ خراب ہوگا بلکہ دنیا میں مخلوق کے ساتھ بھی تعلقات بگڑ جائیں گے۔ لہذا ایمان والے لوگ وہ ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں۔ نماز کے لیے طہارت کی ضرورت ہے۔ طہارت فحش کی بھی ہوگی جسم، لباس اور مکان کی طہارت بھی ہوگی۔ نماز کی کوئی چیزیں خود بخود حاصل ہو جائیں گی۔ پابندی وقت کا زریں اصول بھی نماز کا ثمر ہے، قرآن کریم، نبی کی ذات، خانہ کعبہ اور زمانہ بڑے بڑے شعائر اللہ ہیں جن کی تعظیم ضروری ہے، لہذا نماز کا احترام اور اہتمام ہونا چاہیے۔ قرآنی ایمان والوں کی دوسری صفت یہ ہے وَيُقِيمُونَ الزَّكَاةَ کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں سچی زندگی میں زکوٰۃ فرض ہو چکی تھی مگر اس کا نصاب مقرر نہیں ہوا تھا جو کہ ۲۰ھ میں مدنی زندگی میں ہوا۔ بایں ہمہ زکوٰۃ کا حکم قرآن کی ابتدائی سورتوں میں بھی ملتا ہے جیسے سورۃ المنزل میں ہے وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (البقرہ: ۱۱۰)

نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ گویا سچی زندگی میں بھی کچھ نہ کچھ زکوٰۃ ادا کی جاتی تھی۔

فرمایا اہل ایمان کی تیسری صفت یہ ہے فَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافُونَ آخرت پر ایمان

کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ توجیہ اور آخرت کا عقیدہ ہمیشہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ جہاں يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ آتے ہیں وہاں وَالْيَوْمِ الْآخِرِ بھی آتے ہیں۔ اگر کوئی شخص آخرت پر یقین نہیں رکھتا، بعث بعد الموت کو برحق نہیں جانتا، محاسبہ اعمال پر ایمان نہیں ہے تو اس کے سارے اعمال بیکار محض ہیں۔ ان کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

فرمایا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ ہم نے ان کے اعمال ان کے لیے مزین کر دیے ہیں۔

ان کے بُرے اعمال بھی ان کو اچھے کر کے دکھائے جاتے ہیں۔ اس مقام پر اللہ نے تزئین اعمال کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، اس لحاظ سے کہ تمام قوی اور خواہشات اللہ تعالیٰ ہی انسان میں پیدا کرتا ہے اور دوسری طرف یہی کام شیطان کے ساتھ منسوب کیا ہے

وَذَيَّنَّا لَهُمُ الشَّيْطَانَ ماکا أَلْوَابًا يَعْمَلُونَ (الانعام - ۴۳) اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے مزین کر کے دکھایا۔ ان کے دلوں میں سوزناز

کی کہ تم جو کچھ دیکھو، فریب، شرک، بدعت، کفر، رسوم باطل ادا کر رہے ہو۔ بالکل ٹھیک کر رہے ہو۔ اسی میں تمہاری عزت، واموس کا راز پنہاں ہے۔ تو فرمایا کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ہم نے ان کے اعمال کو مزین کر کے دکھایا ہے

جس کا نتیجہ یہ ہے فَهُمْ يَعْمَلُونَ کہ وہ سرگرداں پھیر رہے ہیں۔ انہیں راستہ دکھائی نہیں دیتا اور وہ عمیق گمراہی میں بھٹک رہے ہیں۔

یہ لوگوں کے متعلق فرمایا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ کہ

ان کے لیے بہت بُرا عذاب ہوگا۔ فَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ الْآخِسُونَ

اور وہ آخرت میں انتہائی نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کا آخرت پر ایمان ہی نہیں ہے وہ آخرت کی تیاری کیا کریں گے اور پھر وہاں کامیاب کیسے ہوں گے؟ ان کے لیے تو وہاں سراسر نقصان ہی نقصان ہوگا۔

منکرین بعد
کے لیے عذاب

آگے پھر نزولِ قرآن کے متعلق فرمایا **وَإِنَّكَ لَتَلْقَىٰ الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ** اور بیشک آپ کو فدائے حکیم اور علیم کی طرف سے قرآن کریم کا تحفہ دیا جا رہا ہے۔ یہ قرآن ایسے پُر حکمت خداوند قدوس کی جانب سے ہے جس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے اور وہ ہر چیز کو جانتا بھی ہے۔ قرآن پاک کی اہمیت کو اجاگر کرنا مقصود ہے کہ یہ قرآن کوئی معمولی چیز نہیں ہے یا کسی معمولی ذات کی طرف سے نازل نہیں ہو رہی ہے بلکہ اس کو نازل کرنے والا حکیم اور علیم باری تعالیٰ ہے اور یہ ایسی کتاب ہے جن میں ہدایت اور خوشخبری ہے مگر اُن لوگوں کے لیے جو اس پر ایمان لائے ہیں، دوسرے لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنستُ نَارًا سَاتِيكُمْ
 مِنْهَا بِخَبْرٍ أَوْ إِتِيكُمْ بِشَهَابٍ قَبَسَ لَكُمْ
 تَصْطَلُونَ ﴿٧﴾ فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ
 فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨﴾
 يُوسَىٰ إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٩﴾ وَأَلْقَ عَصَاكَ
 فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ
 يُعِيبْ يُوسَىٰ لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ
 الْمُرْسَلُونَ ﴿١٠﴾ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حَسًا بَعْدَ
 سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١﴾ وَادْخُلْ يَدَكَ فِي
 جَبِّكَ تَخْرُجْ بَيْضًا مِنْ غَيْرِ سُوءٍ فِي تِسْعِ
 آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا
 فَسِيقِينَ ﴿١٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مَبْصُرَةً قَالُوا
 هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿١٣﴾ وَجحدوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا
 أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
 الْمُفْسِدِينَ ﴿١٤﴾

ترجمہ:- جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے

تحقیق میں نے محسوس کی ہے آگ۔ عنقریب میں لاتا ہوں تمہارے پاس آگ سے خبر یا لاتا ہوں میں تمہارے پاس شعلہ نلگا کمر تاکہ تم سینک سکو ⑤ پس جب آئے اُس (آگ) کے پاس (موسیٰ علیہ السلام) تو آواز دی گئی کہ برکت دی گئی ہے اس پر جو آگ میں ہے، اور جو اس کے اردگرد ہے۔ اور پاک ہے اللہ تعالیٰ جو تمام جانوں کا پروردگار ہے ⑧ اے موسیٰ علیہ السلام! بیشک میں وہ اللہ ہوں عزیز اور حکیم ⑨ اور ڈال دو اپنی لالچی کو۔ جب دیکھا اُس کو کہ وہ حرکت کر رہی ہے گویا کہ وہ سانپ ہے تو پشت پھیری (موسیٰ علیہ السلام نے) اور مڑ کر نہ دیکھا۔ (اللہ نے فرمایا) اے موسیٰ علیہ السلام! خوف نہ کھاؤ بیشک نہیں خوف کھاتے میرے پاس رسول ⑩ لیکن جس نے زیادتی کی، پھر تبدیل کیا اس کو نیکی سے بعد برائی کے۔ پس بیشک میں بخشش کرنے والا اور مہربان ہوں ⑪ اور داخل کرو اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں، نکلے گا وہ سفید بغیر کسی برائی کے۔ یہ نو نشانوں میں فرعون اور اس کی قوم کی طرف بیشک وہ نافرمانوں کی قوم ہے ⑫ پس جب آئیں اُن کے پاس جاری نشانیاں بصیرت پیدا کرنے والی، تو کہا انہوں نے کہ سحر ہے کھلا ⑬ اور انکار کیا انہوں نے اس کا، حالانکہ یقین کیا اس کے بارے میں اُن کی جانوں نے (مگر انکار کیا) ظلم اور تکبر کی بنا پر۔ پس دیکھو کیا ہوا انجام فساد کرنے والوں کا ⑭

سورۃ ہذا کی ابتدائی آیات میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر تھا کہ

رابط آیات

یہ خدائے حکیم و عظیم کی طرف سے پیغمبر پر نازل کیا گیا ہے اور یہ اہل ایمان کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے۔ پھر ایمان والوں کی بعض صفات بھی بیان کیں کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں۔ پھر منکرینِ آخرت کی سزا کا ذکر بھی ہوا کہ اس دنیا میں ان کے اعمال کو مزین کر کے دکھایا جاتا ہے اور یہ لوگ آخرت میں سخت نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ اس کے بعد آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ایک گوشے کو بے نقاب کیا ہے۔ اس واقعہ میں پیغمبرِ آخر الزمان کے لیے تسلی بھی ہے اور اللہ کی قدرت کا نمونہ بھی، دوسری طرف اللہ نے ناقرانوں کا حال بھی بیان فرمایا ہے جنہوں نے ظلم اور تکبر کی بنا پر اللہ کی طرف سے آمدہ ہدایت کو ٹھکرا کر گمراہی کو قبول کیا، اللہ نے اشارتاً ان کا انجام بھی بیان فرمایا ہے۔

بین سے
عصر کا سفر

ارشاد ہوتا ہے، اُس وقت کو دھیان میں لاؤ اذْ قَالِ مُوسٰی لِاٰهْلِهٖ
جب کہ کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے۔ یہ واقعہ مدین سے مصر واپس آتے ہوئے دورانِ سفر پیش آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعونوں کے حالات قرآن پاک میں مختلف انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ کبھی آپ کا واقعہ ابتدائی زندگی سے شروع ہوتا ہے اور کبھی درمیان سے۔ گذشتہ سورۃ الشعراء میں بھی آپ کا ذکر اُس وقت سے شروع ہوا تھا جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے پاس تبلیغِ حق کے لیے بھیجنے کا فیصلہ کیا اب اس مقام پر واقعہ حضور اچھے سے شروع کیا گیا ہے ایک قبطنی کے قتل کے بعد موسیٰ علیہ السلام مدین چلے گئے۔ وہاں دس سال تک حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر رہے پھر اپنے اپنی والدہ اور بھائی سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو شعیب علیہ السلام نے اجازت دے دی اور آپ کی بیوی اچھے بھریاں اور خادم بھی ہمراہ کر دیے، سردی کا موسم تھا۔ رات کے وقت آگ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مگر چھاق نے اپنا کام نہ کیا۔ اپنے دور سے آگ سلگتی ہوئی دیکھی تو وہاں جانے کا ارادہ کیا۔ اس موقع پر آپ نے اپنے گھر والوں سے یا شاید کوئی کچھ بھی ہوا، آپ نے ان

سے فرمایا اِنَّتِ نَاذِرًا مِّنْ دُوْرٍ اَکْثَرِ مِمَّنْ هُوَ۔ لہذا تم لوگ ہمیں ٹھہرو۔
 سَاۡتِیۡتُمْ کُمْ مِّنْہَا بِنَجۡبِیۡنٍ مِّنْ دُوْرٍ اَکْثَرِ مِمَّنْ هُوَ۔ ظاہر ہے
 کہ راستہ صحیح طور پر معلوم نہیں تھا۔ آپ نے سوچا کہ جہاں آگ جل رہی ہے وہاں کچھ لوگ ہوں
 گئے جن سے راستہ بھی معلوم کیا جاسکے گا اس لیے آپ نے فرمایا کہ میں کوئی خیر لانا ہوں اَفۡی
 اٰتِیۡتُکُمۡ بِشَہَابٍ قَبۡسِیۡنٍ یَّاۡکُکَ کَرۡوِیۡ شَعۡلَہٗ سَدَاکَ تَحۡمَاسَہٗ پَسۡ لَآ تَاۡہُوۡنَ لَعَلَّکُمۡ
 تَصۡنَطُوۡنَ اَکۡتَمۡ لَہٗ سِیۡکَ سَکُو۔ ظاہر ہے کہ شدید سردرات میں گرمی کی ضرورت
 بھی محسوس ہو رہی تھی۔ چونکہ چھناق نے آگ نہیں پکڑی تھی اس لیے آپ نے وہاں سے
 کوئی شعلہ لاکر آگ جلانے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ آگ سیکنے کی ضرورت ہر سرد علاقے میں پڑتی
 ہے۔ طور کا علاقہ بھی سرد علاقہ ہے جہاں آگ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ویسے بھی عربی
 کا مقولہ ہے اَلنَّارُ قَاۡکَہۡتۃُ الشِّتَاۡءِ فَمَنۡ اٰدَاۡ اَکَلَ الفَوَاکِہِ
 شَاتِیۡتًا فَلِیۡصُطۡلِحِیۡ اَکۡ مَوۡسِمَ سَرۡمَہَا کَاۡبِہِلَ بَہٗ اَجُوۡ کَوۡیۡ یَہۡبِلُ کَہَا نَاۡجَاۡہِ اَسَہٗ جَاہِیۡ
 کہ آگ سینک لے۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھروالوں سے کہا کہ تم ہمیں ٹھہرا۔
 میں کوئی راستے کی خبر لانا ہوں یا آگ جلانے کے لیے کوئی شعلہ ہی سلگالانا ہوں۔

بارکرت
 آگ

فَلَمَّا جَاۡءَہَا پَسۡ جَبۡ مَوۡسٰی عَلَیہِ السَّلَامُ اَسۡ اَکۡ کَہٗ پَسۡ اَسَہٗ نَوۡدِیۡ
 اِنَّ الْبُوۡرِکَ مَسۡ فِی النَّارِ تَرَاۡپَ کُوۡ اَوۡنَ دِیۡ کَیۡ کَہٗ بَرِکَتِ دِیۡ کَیۡ ہِہٗ اَسۡ
 کو جو اس آگ کے اندر ہے۔ وَمَسۡ حَوۡلَہَا اور جو اس کے ارد گرد ہے۔ ہَسۡ
 موصولہ ہوتا ہے اور معنی یہ بنتا ہے کہ "آگ کے اندر کون ہے؟" تاہم مفسرین کہہ رہے ہیں اس
 جملے کی تشریح مختلف طریقوں سے بیان کی ہے۔ بعض مفسرین اس مسۡ کو ذرا تصویر
 کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جملے کا معنی یہ ہے کہ "آگ اور اس کے ارد گرد میں برکت
 دی گئی ہے" یعنی آگ اور اس کا ماحول بابرکت ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ آگ کے اندر
 فرشتے تھے جن سے آگ ظاہر ہو رہی تھی اور جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ بابرکت تھے۔
 اور بعض اس کا معنی ایوں کرتے ہیں کہ "برکت دی گئی ہے اس شخص کو جو آگ کی تلاش میں

ایا ہے ؟ اس سے خود موسیٰ علیہ السلام کی ذات مراد ہے۔ اور وہ خطہ بھی بابرکت ہے۔ جہاں یہ آگ نظر آرہی تھی سورۃ طہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے موسیٰ! میں تیرا پروردگار ہوں اپنے جوتے اتار دو اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (آیت - ۱۲) کیونکہ آپ طُوًی کی مقدس وادی میں پہنچ چکے ہیں۔ یہ جوتے اتارنے کا حکم ایسا ہی ہے جیسے مسجد حبیبی پاکیزہ جگہ پر جوتے اتارنے کا حکم ہے بعض اس کو حجابِ ناری یا نوری کہتے ہیں۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے حِجَابُهُ النَّارُ اَوْ النَّوُّرُ خدا تعالیٰ کا حجاب نار ہے یا نور ہے اگر اللہ تعالیٰ اس حجاب کو مٹانے تو کائنات کی ساری چیزیں جل جائیں۔ اللہ کی نگاہ تو ہر چیز پر پڑ رہی ہے۔ اگر یہ حجاب دور ہو جائے تو کوئی چیز بھی سلامت نہ رہے۔

عقیدہ معلول
کی تفسیر

بہر حال مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ مَكَتٌ فِي النَّارِ سے مراد خود موسیٰ علیہ السلام یا فرشتے یا وہ خطہ ہے جس کو اللہ نے بابرکت کہا ہے۔ اسی لیے آگے یہ بھی فرمایا ہے وَسَبَّحْنَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے جو تمام کائنات کا مرتب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تشریح بھی بیان کی گئی کہ کہیں کوئی شخص یہ نہ سمجھ لیتے کہ خدا تعالیٰ خود اس آگ میں حلول کر گیا تھا خدا تعالیٰ تو زمان و مکان اور جہت سے منزہ ہے، لہذا اس کے حلول کہ جانے کا عقیدہ قطعاً باطل ہے۔ یہ عقیدہ ہنود میں بھی پایا جاتا ہے۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ بعض چیزوں میں خدا حلول کر جاتا ہے جیسا یونان نے بھی یہ باطل عقیدہ بنا رکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ظہور مسیح علیہ السلام کے روپ میں ہوا یعنی ناسوت کے اندر لاہوت داخل ہو گیا۔ یہ شرک کا نہ عقیدہ ہے، اور اسی سے بچنے کے لیے مفسرین کلام نے مَكَتٌ سے فرشتے یا موسیٰ علیہ السلام کی ذات مراد لیا ہے۔ خواجہ علی ہجویری نے اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں ذکر کیا ہے کہ صوفیاء کے بارہ فرقے ہیں۔ ان میں سے دس فرقے اہل حق میں سے اور دو گمراہ ہیں۔ یہ وہی گمراہ فرقے ہیں جو حلولی عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کسی مرغی، ولی یا بزرگ کی شکل میں حلول کر سکتا ہے

بعض وحدت الوجود والوں کا عقیدہ بھی ایسا ہی ہے۔ یہیں بھی کئی طبقے ہیں۔ بعض اہل حق ہیں اور بعض گمراہ اور زندیق ہیں۔ بہر حال حلوی عقیدہ باطل ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو نظر آنے والی آگ تو آواز سننے کا ایک ذریعہ تھی، نہ کہ خود خدا تعالیٰ اُس میں حلول کر گیا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام سے خطاب

اس ابتدائی آواز کے بعد دوسری آواز سنائی دی۔ اللہ نے فرمایا يَمُوسَىٰ اِنَّهُ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اے موسیٰ! میں اللہ ہوں عزیز اور حکیم۔ بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آواز بے کیف تھی۔ اس کی کوئی جہت نہیں تھی بلکہ ہر ذرے ذرے سے آواز سنائی دے رہی تھی۔ پھر اللہ نے حکم دیا وَالْقِيَ عَصَاكَ اور اپنی لاٹھی کو نیچے پھینک دیں۔ تعمیل حکم میں موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی پھینکی تو فَلَمَّا رَاَهَا نَهَمْنَ كَانَهَا جَانٌ پھر جب آپ نے اُس کی طرف دیکھا تو گویا کہ وہ سانپ تھا۔ جو دوڑ رہا تھا۔ جان پٹنے اور لمبے سانپ کہہ سکتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ کا روپ دھار چکی تھی یہ دیکھ کر وَلَمَّا مَدَّ يَدًا لِيَسْطَرِبَ سَوْدًا موسیٰ علیہ السلام شپٹ پھیر کر بھاگے وَاَنَّهُمْ يَعْجَبُ اور آپ نے پیچھے پلٹ کر بھی نہ دیکھا، اتنے خوفزدہ ہوئے۔ اللہ نے آپ کی تشریح کو دیکھتے ہوئے فرمایا يَمُوسَىٰ لَا تَخَفْ اِنِّي سَوْدًا موسیٰ علیہ السلام! خوف نہ کھائیں۔ کیونکہ اِنَّكَ لَا يَخَافُ كَذٰلِكَ الْمُسْلِمُوْنَ میرے پاک رسول خوف نہیں کھاتے اللہ کے رسول مقام قرب میں ہوتے ہیں اور ان پر اُنس ہوتا ہے وحشت نہیں ہوتی، وہ ڈرتے نہیں اِنَّ الْمُسْلِمُوْنَ لَكُنُوزًا حَسَنًا بعد سوچو پھر اُس نے اُس کو اچھائی میں بدل لیا ہو برائی کے بعد فَاِنِّي عَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تو میں اس کو معاف کرنے والا اور مہربان ہوں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے ایک لغزش ہو گئی کہ انہوں نے ایک قبیلے کو قتل کر دیا۔ پھر انہوں نے اللہ سے معافی کی درخواست کی تو اللہ نے معاف بھی کر دیا۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نہایت درصالت سے سرفراز فرمایا۔

انبیاء پر خوف کا ورد

انبیاء علیہم السلام پر وردِ خوف کے متعلق مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ کھانا پینا، ہنسا رونا، زنگی موت، خوف اور راحت وغیرہ انسان کے امور طبعیہ

میں داخل ہیں اور ان کا ورود انبیاء پر بھی ہوتا ہے بعض اوقات کسی دشمن کا خوف ہوتا ہے کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے تو ایسے مواقع پر خوفزدہ ہونا محال کے منافی نہیں ہے بلکہ عین فطرت ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ خوف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خالق کی جانب سے اور دوسرا مخلوق کی طرف سے۔ اگر خوف اللہ کی جانب سے ہو تو نبی کو بھی ڈرنا چاہیے۔ لاشعری کا سائب بن جانا منجانب اللہ تھا لہذا موسیٰ علیہ السلام کی خوفزدگی بالکل درست تھی، انہیں ڈرنا ہی چاہیے تھا خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق آتا ہے کہ جب بادل چھا جاتے تو آپ خوفزدہ ہو جاتے۔ اس خوفزدگی میں کبھی اندر آتے اور کبھی باہر جاتے۔ جب تک بارش نہیں ہو جاتی تھی۔ آپ چین سے نہیں بیٹھتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ کی آمد خدا تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے اور میں خوف کھاتا ہوں کہ کہیں یہ ویسے ہی بادل نہ ہوں جیسے قوم عاد پر آئے تھے اور ان کو ہلاک کر دیا تھا۔ برخلاف اس کے ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں پھینکے جانے کا وقت آیا تو آپ بالکل خوفزدہ نہیں ہوئے۔ کیونکہ یہ خوف مخلوق کی طرف سے تھا۔ بہر حال اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ خوف نہ کھاؤ کیونکہ میرے ہاں اللہ کے رسول خوف نہیں کھاتے۔

موسیٰ علیہ السلام
کے معجزات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر پہلا معجزہ یہ ظاہر ہوا کہ انہوں نے اپنی لاشعری پھینکی تو وہ دور آتا ہوا سائب بن گئی۔ پھر اللہ نے دوسرا معجزہ اس طرح ظاہر کیا کہ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا وَ اَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ فَاِنِّي اُخْرِجُ مِنْهَا ذُرِّيَّةً مِّنْ سِيفٍ اور اسی معجزہ کو اپنی بغل میں دباؤ مِنْ سِيفٍ یہ سفید ہو کر نکلتے گا۔ اور اسی سفید بھی نہیں ہوگا جو کسی بیماری یا پھلہری وغیرہ سے سفید ہو گیا ہو بلکہ صحت عَلَيْهِمْ سَوْفَةٌ اس میں کسی قسم کی برائی یا خرابی نہیں ہوگی، بلکہ وہ تو معجزانہ طور پر سورج کی طرح چمکتا ہوگا۔

فرمایا فِي تَسْبِيحِ آيَاتِ الْكِتَابِ وَ قَوْلِهِ يٰ اَنْتَ نَذِيرٌ میں سے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف دی گئیں۔ اس کے علاوہ سات مزید نشانیاں بھی اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائیں جن کا ذکر سورۃ الاحزاب

میں موجود ہے۔ فرمایا یہ نشانیاں لے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ کیونکہ انہم
 كَانُوا قَوْمًا فَسِقِينَ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں، احد سے گزرنے والے، یعنی
 فرما کر واری سے باہر نکلنے والے ہیں۔

اس مقام پر اپنے ساتھ اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی سمیعت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ مفصل
 واقعات سورۃ النحر، طہ اور اعراف وغیرہ میں گنہ ریکے ہیں۔ یہاں پر اختصار کے ساتھ
 یہی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ عصا اور بی بیضا کے معجزات
 لے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ اور انہیں حق کی دعوت دو۔

فرعون کا
 انکار

ارشاد ہوتا ہے فَلَمَّا جَاءَهُمْ آيَاتُنَا مَبْصُورَةً حَسِبَ فِرْعَوْنُ اُوْر
 اس کی قوم کے پاس ہماری بصیرت افزا نشانیاں آئیں۔ بصارت آنکھ کی روشنی کہ
 کہتے ہیں جب کہ بصیرت دل کی روشنی سے عبارت ہے۔ اسی لیے قرآنی آیات
 کو بصائر سے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ دلوں میں روشنی پیدا کرتی ہیں، جب یہ نشانیاں فرعون اور
 اُس کی قوم کے پاس آئیں قَالَوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو
 ہے پچھلی سورۃ میں بھی گنہ ریکے ہے کہ فرعونوں نے معجزات کو جادو کہا اور چھ جادو کا مقابلہ
 جادو سے کرنا کی کوشش کی مگر حق کے مقابلے میں ناکام ہوئے مگر اپنی ضد اور ہٹ دھرمی
 کرتے چھوڑا۔

ان نشانیوں کو جادو کہہ کر وَجَّهْ وَاِيَّهَا اِنْ كَانِ اِنْكَارَ كَرِهًا اُوْر اَنْ كَا يَه اِنْكَارَ
 زیادتی اور تکبر کی وجہ سے تھا۔ کہنے لگے یہ شخص ہماری سلطنت
 چھیننا چاہتا ہے مگر ہم ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ اس کو قید کر دیں گے یا جان سے
 مار ڈالیں گے۔ یہ اُن کا ظلم اور تکبر بول رہا ہے، در بیان میں اللہ نے فرمایا کہ اُن کی اندرونی
 حالت یہ تھی وَاسْتَقْبَلَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَاَعْلَاقًا اُنْجِي جَانُوْر ن نے معجزات کی حقیقت
 کا یقین کر لیا تھا۔ وہ دل و جان سے تسلیم کر رہے تھے کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ کوئی غیر معمولی
 چیز ہے مگر ظلم و زیادتی اور غرور و تکبر کی بنا پر معجزات کا انکار کر رہے تھے۔ اللہ نے
 فرمایا۔ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ بھلا دیکھو تو!

فساد کرنے والوں کا کینا انجام ہوا۔ رسولی علیہ السلام نے سال ہا سال تک فرعون اور اس کی قوم کو وعظ کیا، ان کو ان کے بڑے انجام سے ڈرایا مگر وہ لوگ کفر و شرک اور ظلم و تکبر میں مبتلا رہے۔ اللہ کے نبیوں کی بات نہ مانی۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب اللہ نے ساری قوم کو اپنے غضب کا نشانہ بنایا اور ان کو پانی میں غرق کیا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ ذرا دیکھو تو سہی کہ فسادیوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَ الْخَمْدُ لِلَّهِ
 الَّذِي فَضَّلْنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ①۵
 وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا
 مَنطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِنَّ هَذَا
 لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ①۶ وَحِشْرَ لَسُلَيْمَانَ جُنُودَهُ
 مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ①۷

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق دیا ہم نے داؤد اور سلیمان علیہما السلام
 کو علم، اور کہا ان دونوں نے سب تعریف اللہ کے
 لیے ہے جس نے ہمیں فضیلت بخشی ہے اپنے بہت
 سے ایماندار بندوں پر ①۵ اور وارث ہوئے سلیمان علیہ السلام
 داؤد علیہ السلام کے اور انہوں نے کہا، اے لوگو! سگھلائی
 گئی ہے ہمیں پرندوں کی گفتگو اور دی گئی ہے ہم کو
 (ضرورت کی) ہر چیز۔ بیشک البتہ یہ فضیلت ہے بہت
 کھلی ①۶ اور اکھٹے کئے گئے سلیمان علیہ السلام کے لیے
 ان کے لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں میں سے۔ پس
 ان کو تقسیم کیا جاتا تھا ①۷

سورۃ کی ابتدا قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت سے ہوئی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام
 کی نبوت و رسالت اور ان کو فرعون کی قوم کی طرف بھیجے کا ذکر ہوا۔ جب

موسیٰ علیہ السلام بعض نشانیاں لے کر پہنچے تو قوم فرعون نے اُسے جاؤ کہ کبر انکار کر دیا حالانکہ اُن کے دلوں میں یقین تھا کہ یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں بلکہ ایسی خارق عادتِ نشانی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے نبی کے ہاتھ پر ہی ظاہر ہو سکتی ہے۔ بہر حال انہوں نے ظلم و تعدی اور غرور و تکبر کی بنا پر معجزات کا انکار کیا تو اللہ نے فرمایا کہ تم نے ایسے فسادوں کا انجام بھی تو دیکھ لیا کہ وہ کس طرح غرقاب ہوئے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یہ دونوں باپ بیٹا اللہ کے جلیل القدر پیغمبر تھے جن کا ذکر اللہ نے مختلف سورتوں میں کیا ہے۔ تاہم اس مقام میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت زیادہ ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام صاحب کتاب رسول تھے اور سلیمان علیہ السلام بھی صاحب صحیفہ رسول اور نبی تھے۔ اللہ نے باپ بیٹا دونوں کو خلافت کے ساتھ ساتھ نبوت بھی عطا فرمائی تھی۔ گذشتہ آیات میں فرعون کی حکومت کا ذکر بھی ہو چکا ہے مگر وہ اس قدر نافرمان لوگ تھے کہ اللہ نے اُس قوم کو فاسق قرار دیا ہے۔ اُن کے برخلاف داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام بھی دنیا میں خلیفہ تھے، اللہ نے انہیں حکومت عطا کی تھی مگر وہ اللہ کے نہایت مطیع اور سکر گزار بندے تھے۔ یہ سابقہ آیات کے ساتھ ربط بھی ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا اکٹھا ذکر کر کے فرمایا ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو علم عطا فرمایا۔ اس علم سے مراد دنیا کا کسی علم نہیں ہے جو سکولوں، کالجوں یا یونیورسٹیوں کے ذریعے سے حاصل کیا جاتا ہے یا جو علم انسان کو سمجھ بصر جیسے حواس سے حاصل ہوتا ہے یا انان اپنی عقل سے غور و فکر کر کے کسی نتیجے پر پہنچتا ہے، بلکہ اس علم سے مراد وہ قطعی اور یقینی علم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو وحی کے ذریعے سکھاتا ہے۔ اس علم میں نہ تو کوئی اشتباہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں کسی غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص اس کو سمجھ ہی نہ

انبیاء کا قطعی علم

سکے یا اس کا اپنا داغ ٹیڑھا ہو اور اُسے کوئی چیز ٹیڑھی نظر آئے، وگرنہ یہ الیا علم ہے، جس کے متعلق سورۃ بقرہ کی ابتدا میں اللہ نے فرمایا ذَلِكِ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ (آیت ۲) اس میں تو کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ بہر حال وحی الہی کا علم قطعی اور یقینی ہوتا ہے جب کہ اول الذکر کسی غلطی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو احکام شریعت، اصول سیاست اور حکمرانی کا وہ قطعی علم عطا فرمایا جو ان کے لیے اپنے فرائض سے عمدہ پلہ ہونے کے لیے ضروری تھا۔ سورۃ ص میں اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے يَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ (آیت ۲۶) اے داؤد (علیہ السلام) ہم نے تمہیں زمین میں خلافت عطا کی ہے، لہذا تم عدل و انصاف کے مطابق مخلوق کی خدمت کرو۔ آپ کے بیٹے سلیمان علیہ السلام آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے تو دونوں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ ہم نے انہیں وہ علم عطا فرمایا جس کی انہیں ضرورت تھی۔

علم کی ضرورت
اور اہمیت

علم ایک ایسی ضروری چیز ہے جسکے بغیر انسانیت ہی نہیں کہہ سکتی علم کی روشنی ہی انسان کو منزل مقصود پر پہنچاتی ہے علم کی کمی انسان کی تفریق کا سبب بنتی ہے۔ انگریزوں نے برصغیر میں اپنے اقتدار کے دوران اسلامی علوم کو ختم کرنے یا انہیں اپنے ڈھب پر ڈھال لینے کی بڑی کوشش کی، مگر اللہ کے نیک بندوں نے اسلامی علوم کے جھنڈے کو ہمیشہ سر بلند رکھا اور اس پر حروف نہیں آتے دیا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر اس یقینی علم کی جڑا کھاڑ دی گئی اور اسکی جگہ ظنی علم کو راجح کر دیا گیا تو پھر حقیقی علم کا ہمیشہ کے لیے جنازہ نکل جائے گا۔ چنانچہ بانیانِ دارالعلوم دیوبند نے اس خطرے کو بھانپتے ہوئے دارالعلوم کی بنیاد رکھی جہاں سے اب تک چالیس ہزار سے زیادہ علماء پیدا ہو چکے ہیں اور دنیا بھر میں اسلام کے پورے کی آبیاری کر رہے ہیں۔ یہ دارالعلوم تو ایک بنیادِ نئی، پھر اس سے آگے ہزاروں چشے جاری ہوئے، ہزاروں دیگر مدارس قائم ہوئے اور علم کی روشنی مسلم لہر کی لہنہائی کا فریضہ انجام دیتی رہی۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور انشاء اللہ تاقیم قیامت جاری رہے گا۔ حکومت تو اپنے وسائل مادی تعلیم پر صرف کر رہی ہے مگر اللہ کے نیک بندے حقیقی علم کی نشر و اشاعت کے لیے محروم و سائل

کے ساتھ ہی بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

پھر حالِ علمِ ترقی کا زینہ ہے۔ خاص طور پر دین کا اتنا علم نہایت ضروری ہے۔

جس کے ذریعے انسان اپنے فرائض سے باخبر ہو سکے اور اللہ اور اُس کے بندوں کے حقوق ادا کر سکے۔ یہی علم ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے

اُس کی عبادت کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں امتیاز پیدا ہوتا ہے۔

توحید اور شرک کی سمجھ آتی ہے۔ انسان ایمان، اخلاص اور نفاق کو پہچانتا ہے، جہاں تک

ٹیکنیکل علوم و فنون کا تعلق ہے، وہ تو کافر، مشرک اور مٹھی حاصل کر لیتے ہیں۔ آج

امریکہ، جاپان، جرمنی، روس اور چین سب جانتے ہیں کہ ٹیکنیکل علم کوئی علم نہیں بلکہ یہ تو

صنعت و حرفت ہے، جب کہ حقیقی علم وہی ہے جو وحی الہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے

اور اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کے ذریعے مخلوق تک پہنچاتا ہے، تو اللہ نے فرمایا کہ ہم نے

داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو حسبِ ضرورت حقیقی علم عطا فرمایا۔

اس یقینی علم کے حصول پر وَقَالَ يَا بَنِي آدَمُ خُذُوا زِينَتَكُمْ مِمَّا فِي آيَاتِنَا لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِّحْ تَبْحِيْثًا

اُس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں یا اُس ذاتِ باری تعالیٰ ہ لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں

بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ یہاں پر تمام ایمانداروں پر فضیلت پانے کا ذکر

نہیں بلکہ بہت سے اہل ایمان پر برتری حاصل کرینے کا ذکر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ

اہل ایمان پر برتری حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ

نے اپنے ان دو انبیاء سے بھی زیادہ بعض دوسرے انبیاء اور رسل کو برتری عطا فرمائی ہے

جیسے موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام وغیرہم، اللہ نے

ان حضرات کو اپنے حساب سے بڑا شرف عطا کیا ہے۔ لہذا ایمان پر بہت سے مومنوں پر

فضیلت کا ذکر ہے اور اس تناظر میں غیر مومنوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَقَدْ سَلَّمْنَا دَاوُدَ اٰیٰتِنَا عَلٰی السَّلَامِ

اور سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ مولانا شیخ الحداد اس جملے کا ترجمہ کرتے ہیں "فانتم مقام ہوا سلیمان

باب بیست و ششم
طرف شکریت

انبیاء کی
رشتہ کا
مسئلہ

داؤد علیہ السلام کا گویا اس مقام پر وراثت سے مراد مالی وراثت نہیں بلکہ نیابت ہے شیخ
حضرات ایک تو اس آیت سے نبی کی وراثت کی دلیل پکڑتے ہیں -
حالانکہ یہاں پر وراثت سے مراد محض خلافت ہے دوسری آیت جس
سے وراثت انبیاء کی دلیل پکڑی جاتی ہے وہ سورۃ مریم میں ہے کہ زکریا علیہ السلام نے
اللَّهِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَبِيرِ کی بارگاہ میں یہ درخواست پیش کی فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ
قَلْبًا يَفْقَهُ كَلِمَاتِي وَيَذْكُرْ لِلَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِي الْعَقُوبِ (آیت ۵-۶) اے پروردگار!
مجھے ایسا ولی عطا فرما جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث بنے۔ یہاں بھی کوئی بیٹا اپنے باپ
کے مال کا وارث تو ہو سکتا ہے مگر ساری آلِ یعقوب کا وارث ایک شخص کیسے ہو گا؟
قریبیہ ہی ہے کہ یہاں پر علی وراثت مراد ہے نہ کہ مالی۔ زکریا علیہ السلام نے یہی دعا کی
تھی کہ اے اللہ! مجھے ایسا بیٹا عطا فرما جو میرا اور پوری آلِ یعقوب کا علی وارث ہو
اور جو ہمارے مشن کو آگے بڑھا سکے۔

حضور علیہ السلام کے دس صحابہ جن میں خلفائے راشدین، حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے چچا عباس اور اہل بیت شامل ہیں روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام
نے فرمایا نَحْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورِثُ مَا تَرَكَتُمْ صَدَقَةٌ
ہم نبیوں کا گروہ کسی کو وارث نہیں بنایا کرتے بلکہ جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ محتاجوں
کے لیے صدقہ ہوتا ہے، خود حضور علیہ السلام کے قبضہ میں جو تبرک کی کچھ اراضی تھی،
جس سے آپ اپنی ضروریات پوری فرماتے تھے۔ اس زمین کی تزلیت حضرت عباسؓ
اور حضرت علیؓ کے پاس تھی۔ ان دونوں حضرات میں کچھ اختلاف رائے یہاں ہوا، تو وہ
حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور ان پر دوسرا کار صحابہ بھی برآمد تھے۔

حضرت عمرؓ نے ان دونوں حضرات سے قسم دلا کر پوچھا کہ بتلاؤ حضور علیہ السلام
کا یہ فرمان موجود ہے کہ ہم انبیاء کا گروہ کسی کو وارث نہیں بنائے بلکہ جو کچھ چھوڑ جاتے
ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے، تو دونوں بزرگوں نے اس حدیث کی تصدیق کی۔ چنانچہ شیخ

حضرات کی طرف سے حضرت فاطمہؑ کے حق میں نبی علیہ السلام کی وراثت کا دعویٰ مبنی بر حقیقت نہیں۔ یہ درست ہے کہ جب تک حضرت فاطمہؑ کو اس حدیث کا علم نہیں تھا، انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے اپنے باپ کی وراثت کا مطالبہ کیا مگر جب آپ نے حضرت فاطمہؑ کو مذکورہ حدیث سنائی تو کہنے لگیں **فَأَنْتَ أَعْلَمُ بِمَا سَمِعْتِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** تو پھر آپ اس چیز کو زیادہ جانتے ہیں۔ جو آپ نے رسول خدا سے سنی ہوئی ہے اس کے بعد آپ خاموش ہو گئیں اور پھر کبھی وراثت کا مطالبہ نہیں کیا۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی صحیح حدیث میں موجود ہے **إِنَّمَا الْأَنْبِيَاءُ كَمَا يُؤَدُّونَ أَوْ دَنَاهُمْ وَلَا دِينَارَ أَيْحَى اللَّهُ** کے نبی درہم یادینار وراثت میں نہیں چھوڑا کرتے بلکہ **وَدَّ أَنْتُمْ أَعْلَمَاءُ** وہ تو اپنی وراثت میں صرف علم چھوڑ کر جاتے ہیں نبیوں کی وراثت علم دین ہوتا ہے، جس نے دین کا علم حاصل کر لیا۔ اُس نے نبی کی وراثت کو پایا۔

انبیاء کی وراثت کے ضمن میں ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ پیغمبر خود تو اپنے غیر نبی کی وراثت حاصل کرتا ہے مگر اپنے بیٹے کو مالی وراثت نہیں دیتا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے والد حضرت عبدالمطلب کی وراثت ملی۔ طبقات ابن سعد میں موجود ہے کہ آپ کو پانچ اونٹ، بچہ لڑوں کا ایک ریوڑ اور ام امین لونڈی وراثت میں ملی۔ ام امین حبشیہ تھیں مگر بڑی صاحبِ فضیلت خاتون تھیں۔ انہوں نے حضور علیہ السلام کو گود میں اٹھایا تھا، لہذا آپ ان کی بڑی قدر کرتے تھے، حضور علیہ السلام نے بڑے ہو کر ان کو آزاد کر دیا تھا اور پھر ان کا نکاح حضور علیہ السلام کے متبنی زید کے ساتھ ہوا جن سے اسامہؓ پیدا ہوئے حضور علیہ السلام کو باپ بیٹے دونوں سے بڑی محبت تھی۔

چونکہ داؤد علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اس لیے آپ کی مالی وراثت تو سلیمان علیہ السلام کو نہیں پہنچی بلکہ آپ کی علمی اور نیابتی وراثت آپ کو پہنچی، قرینہ بھی موجود ہے کہ اگر اس وراثت سے جائیداد کی وراثت مراد ہوتی تو پھر یہ صرف سلیمان علیہ السلام کو ہی کیوں پہنچتی، جب کہ داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے جن میں سے سلیمان علیہ السلام سب

داؤد علیہ السلام
کی حبشیہ

سے چھوٹے تھے۔ سارے بلیط حکومت کے خواہشمند تھے مگر اللہ نے یہ نیا بت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائی، اگر مالی وراثت مراد ہوتی تو سارے بیٹوں کو محروم کر کے صرف ایک کو سب کچھ دے دینا کہاں کا انصاف تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے علاوہ کوئی دوسرا بیٹا آپ کی خلافت کا بار اٹھانے کے قابل نہیں تھا۔ اس وقت سلیمان علیہ السلام کی عمر بارہ یا تیرہ سال کی تھی۔ داؤد علیہ السلام نے نیا بت کے مسئلہ کو اس طرح حل فرمایا کہ اللہ کے ایک فرشتے نے ایک بند لافزا لاکر حضرت داؤد علیہ السلام کو دیا اور کہا کہ آپ مجلس عام میں یہ اعلان کریں کہ آپ کے بیٹوں میں سے جو بیٹا اس لفظ میں بند سوالوں کے صحیح صحیح جواب دیکھا۔ وہی میری جانشینی کا حقدار ہو گا۔ چنانچہ عائدین سلطنت کی موجودگی میں سارے بیٹوں سے فرمایا کہ یہ امتحان کا لفظ ہے جو شخص ان سوالات کے جوابات دے دیکھا، وہی میرا جانشین ہو گا۔ لفظ میں موجود سوالات اور ان کے صحیح جوابات یہ تھے۔

صحیح جوابات

موت
انسان کے ہاتھ سے نکل جائیوالی چیز
جسم بلیط روح
جسم نفیر روح
ارض و سما جو قیامت تک قائم رہیں گی
یل و نہار۔ ایک جاتی اور دوسری آتی ہے
موت اور حیات
بردباری بوقت غصہ
غصے کی حالت میں تیزی کا استعمال

سوالات

- ۱۔ سب سے قریب چیز کون سی ہے؟
- ۲۔ سب سے بعید چیز کون سی ہے؟
- ۳۔ سب سے نالوس چیز کون سی ہے؟
- ۴۔ سب سے دشتناک چیز کون سی ہے؟
- ۵۔ دو قائم چیزیں کون سی ہیں؟
- ۶۔ دو مختلف چیزیں کون سی ہیں؟
- ۷۔ آپس میں دو دشمن چیزیں کون سی ہیں؟
- ۸۔ بہترین انجام والی چیز کون سی ہے؟
- ۹۔ بدترین انجام والی چیز کون سی ہے؟

داؤد علیہ السلام نے جب بیٹوں کے سامنے یہ سوالات پیش کئے تو ان میں سے کوئی بھی ان کے جوابات نہ دے سکا، سب عاجز آ گئے۔ سلیمان علیہ السلام اجمعی کم سن تھے

اور انہیں خلافت کی خواہش بھی نہیں تھی مگر اللہ نے انہیں بچپن ہی میں فہم و فطرت سے نوازا تھا۔ انہوں نے باپ سے عرض کیا اگر اجازت ہو تو ان سوالات کے جوابات میں عرض کروں۔ اجازت ملنے پر سلیمان علیہ السلام نے سوالات کے صحیح صحیح جوابات ملنے پہلے پچانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان کر دیا جسے تمام عمائدین سلطنت نے سراہا۔

داؤد علیہ السلام
کی وفات

جس دن داؤد علیہ السلام کی جانشینی کا فیصلہ ہوا۔ اس سے اگلے روز آپ کی وفات ہو گئی۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ آپ بڑے باغیرت آدمی تھے، جب بھی گھر سے باہر جاتے باہر سے آلا لگا کر جاتے تاکہ کوئی اجنبی آدمی گھر میں داخل نہ ہو سکے اس روز بھی آپ حسب معمول دروازے کو آلا لگا کر باہر چلے گئے۔ اس دوران آپ کی اہلیہ نے کسی اجنبی آدمی کو صحن میں کھڑے دیکھا۔ بڑی حیران اور خوفزدہ ہوئیں کہ یہ شخص اندر کیسے آگیا حالانکہ باہر تو آلا لگا ہوا ہے۔ اتنے میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی آگئے۔ آلا لگا کھول کر داخل ہوئے تو اجنبی شخص کو صحن میں پایا۔ پوچھا تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے ہو تو اس نے کہا کہ میں وہ ہوں جو بادشاہوں سے نہیں ڈرتا اور جس کے لیے کوئی حجاب نہیں ہے۔ داؤد علیہ السلام نے کہا پھر بخدا تم ملک الموت ہو، مر جا یا مگر اللہ میں تمہیں اللہ کے حکم سے خوش آمدید کہتا ہوں۔ پھر آپ کبل اور ٹھہ کر لیٹ گئے آپ کی روح نفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

سلیمان علیہ السلام
فیصلِ حسین

فرمایا سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ اور فرمایا، اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے وَأَوْتَيْنَا مِسْبَحًا نَشْتَعِبُ اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے جو ہمارے حسبِ حال ہے۔ اس سے اس زمانے اور موجودہ زمانے کے تمام آلات اور سامان مراد نہیں ہیں بلکہ نظامِ حکومت کو چلانے کے لیے جس چیز کی ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ نے عطا کر دی اور اس کے ساتھ ساتھ ہر بندوں کی بولی بھی سکھلا دی۔ فرمایا إِنَّ هَذَا لَهَوُ الْفَضْلِ الْمُبِينِ یہ کھلی فضیلت

والی بات ہے جو اللہ نے ہمیں عطا کی ہے۔

وَحَشِدَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودَهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ اور
اکٹھے کئے گئے سلیمان علیہ السلام کے لیے جنوں، انسانوں اور پرندوں کے لشکر
فَقَسَمَ لِيُوعَزُّوْنَ پس ان کو تقسیم کیا جاتا تھا یا روکا جاتا تھا۔ یعنی ہر ہر جنس کی مخلوق
الگ الگ ٹولہوں میں کھڑی ہو جاتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو بے مثال حکومت عطا فرمائی تھی جس کی درخوا
ستوں نے خود کی تھی وَهَبَ لَكَ مَلِكًا لَا يَكْتُمُ سِرًّا لَكَ حَدِيثًا
بَعْدِي (ص ۳۵) اے اللہ! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جس کی مثال نہ مجھ
سے پہلے ہو اور نہ بعد میں پیدا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جنات، انسانوں،
اور پرندوں کے علاوہ ہوا کو بھی سحر کر دیا۔ فَلَسْتُ لِمَنْ الرِّيحَ عَدُوًّا
شَهْرًا وَرَوَّاحَهَا شَهْرًا (ص ۱۲) ہم نے ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے
تابع کر دیا جس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی ہوتی تھی اور شام کی منزل بھی ایک ماہ کی
آپ کا تخت اور ساز و سامان ہوا اڑائے پھرتی تھی۔ موجود زمانے کی محفوظ ترین سواریاں
بھی کسی حادثے کے امکان سے خالی نہیں مگر سلیمان علیہ السلام کے ہاں کسی ضربی کا کوئی
امکان نہیں ہوتا تھا۔ وہ جہاں چاہتے ہوا کے دوش پر چلے جاتے۔ پرندوں کی اپنی اپنی
بولی ہوتی ہے جسے انسان نہیں سمجھ سکتے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان
کرتی ہے مگر تم اُسے سمجھ نہیں سکتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ بھی اللہ کا خاص فضل
تھا کہ آپ پرندوں کی بولیاں بھی سمجھتے تھے۔ اور پھر حق بھی آپ کے تابع تھے، اور
آپ کے ہر حکم کی بجا آوری کرتے تھے۔

حَتَّىٰ إِذَا اتَّوَا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا
النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٌ
وَجُنُودُهُ ۗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۗ ۱۸ ۙ فَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ
قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي
أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا
تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۗ ۱۹

ترجمہ :- یہاں تک کہ جب سلیمان علیہ السلام چیونٹیوں کی وادی
میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا، اے چیونٹیو! داخل ہو جاؤ
اپنے گھروں میں کہ کہیں پامال نہ کر دے تمہیں سلیمان علیہ السلام
اور اُس کا لشکر، اور اُن کو خبر بھی نہ ہو ۱۸ پس مسکرا کر
ہنس پڑے (سلیمان علیہ السلام) اس چیونٹی کی بات سے اور کہا
اے میرے پروردگار! مجھے توفیق بخش کہ میں شکر ادا کروں
تیری نعمت کا جو تو نے مجھ پر انعام کی ہے اور میرے
والدین پر بھی۔ اور یہ کہ میں ایسا نیک کام کروں جس کو تو
پسند کرتا ہے اور داخل کر مجھے اپنی رحمت کے ساتھ اپنے
نیک بندوں میں ۱۹

گذشتہ آیات میں حضرات داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر ہوا کہ انہوں نے
اللہ تعالیٰ کا اس بات پر شکر ادا کیا کہ اُس نے انہیں بہت سے نیک اور ایماندار بندوں

پرفیصلت بخشی ہے۔ پھر سلیمان علیہ السلام کی جانشینی کا ذکر ہوا۔ پھر انہوں نے لوگوں کے سامنے اللہ کی عطا کردہ نعمت کا اس طرح تذکرہ کیا کہ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی گفتگو سکھائی گئی ہے اور ہمیں ضرورت کی ہر چیز عطا کی گئی ہے جو کہ بڑی کھلی فضیلت ہے سلیمان علیہ السلام کے لیے اُن کے لشکر اکٹھے کیے جاتے تھے جن سے وہ مختلف مواقع پر کام لیتے تھے۔ یہ لشکر انوں، جنوں اور پرندوں پر مشتمل تھے جنہیں حسب ضرورت تقسیم بھی کیا جاتا تھا۔

منطق الطیر

گذشتہ آیات میں ایک لفظ منطق الطیر آیا تھا جو خاص طور پر توجیہ طلب ہے۔ پرندوں یا دیگر جانوروں کی گفتگو عام آدمی نہیں سمجھ سکتا، مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی کہ وہ پرندوں کی بولی سمجھ جاتے تھے۔ پرندوں کے علاوہ حشرات الارض یعنی کیڑوں مکوڑوں کی بولی بھی اللہ نے سکھادی تھی۔ جانوروں کی بولیوں پر قدیم زمانے سے تحقیق و تالیف کا کام ہو رہا ہے۔ چنانچہ بعض حکماء نے جانوروں کی بولیوں پر کتابیں لکھی ہیں۔ علم ادب کی سب سے پرانی کتاب کلیلہ و منہ آج بھی موجود ہے دراصل یہ کتاب تبتی زبان کی تصنیف ہے۔ وہاں سے یہ کتاب سنسکرت زبان میں منتقل ہوئی۔ پھر ایران کے کسری نے ہمزویہ نامی ایک عالم فاضل کو ڈراما و دولت دے کر ہندوستان بھیجا تاکہ وہ کسی طرح یہ کتاب حاصل کر سکے۔ کہتے ہیں کہ کسری نے سونے کے بیس چھڑا کر دیے تھے اور کچھ آدمی بھی ساتھ بھیجے تھے، بہر حال وہ شخص کسی سال تک ہندوستان میں مقیم رہا اور بالآخر کلیلہ و منہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس نے کتاب کو نقل کیا اور پھر واپس جا کر اسے فارسی زبان میں منتقل کیا کہتے ہیں کہ جب وہ شخص واپس ایران پہنچا تو کسری نے اُس کا پتہ تپاک خیر مقدم کیا، اُس کے اس علمی کارنامے کے صلہ میں اُسے تخت پر بٹھایا اور اُس کے سر پر تاج رکھا۔

پھر منشی عبداللہ ابن مقفع نے بنی امیہ یا بنی عباس کے دور میں اس کتاب کا عربی ترجمہ کیا۔ آج کل یہ کتاب عربی ادب کے کورس میں شامل ہے اور باقاعدہ پڑھائی جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کتاب کے تراجم انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، روسی اور دیگر زبانوں

میں ہونے، لکنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کتاب میں جانوروں کی زبان سے علم و حکمت اور نصیحت کی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ باتیں بندروں، گیدڑوں، کچھوئوں، ایشیروں اور ہاتھیوں وغیرہ سے منسوب کی گئی ہیں۔ بکلیلہ اور دمنہ بعض گیدڑوں کے نام ہیں۔

دوسری صدی ہجری میں امام جاحظ نے علم الحيوان کے نام سے کتاب لکھی۔ سات جلدوں پر مشتمل اس ضخیم کتاب میں حیوانات سے متعلق بہت سی مفید معلومات ملتی ہیں۔ مصنف ابو حنیفہ کا ہم عصر تھا، اور معتزلہ فکر رکھتا تھا۔ اسی طرح چھٹی یا ساتویں صدی ہجری میں امام میر نے حیات الحيوان کے نام پر کتاب لکھی جس میں جانوروں سے متعلق بہت سی معلومات جمع کر دی گئی ہیں۔

اس میں جانوروں سے متعلق حرمت و حرمت کے احکام اور کسی جانور کے خواب میں نظر آنے کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ امام قزوينی نے عجائب المخلوقات کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ اس میں بھی جانوروں سے متعلق مفید معلومات ہیں۔ حضرت شیخ عطار چھٹی یا ساتویں صدی ہجری کے بزرگ گوتے ہیں جو نازیبوں کے ہاتھوں شہید ہوئے، ان کی مشہور کتاب منطلق الطیر فارسی زبان میں ہے۔ انہوں نے پرندوں کی زبانی تصوف کی بڑی گہری باتیں ذکر کی ہیں۔ اس کے بعد بھی حیوانات کے علم نے بڑی ترقی کی ہے۔ خاص طور پر موجودہ زمانے میں علم الحيوانات (ZOOLOGY) میں بڑے تجربہ ہوتے ہیں اور دیگر علوم کی طرح یہ علم بھی انتہائی بلندیوں تک پہنچا ہے۔

اللہ نے اس مقام پر چیرٹیسوں کا ذکر کیا ہے۔ چیرٹیاں چھوٹی بھی ہوتی ہیں اور بڑی بھی، چھوٹی چیرٹیاں (ڈرہ) تو بعض خصوصیات کی بنا پر ضرب المثل بن چکی ہے۔ ان چیرٹیسوں کے بارے میں جدید دور کے سائنس دانوں نے بڑی تحقیق RESEARCH

کی ہے۔ چنانچہ جدید دور کے مصری مخترع علامہ طنطاوی نے جو اہل القرآن میں ان کا کافی ذکر کیا ہے۔ آپ جدید دور کے عالم تھے، ۱۹۴۰ء کے قریب وفات پائی ہے۔ انہوں نے نظام العالم والا نام کے نام سے کتاب لکھی ہے جس میں عالم اور امتوں کے نظام میں چیرٹیسوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ بھی کافی معلومات افزا کتاب ہے۔

سیمانی لشکر
کا دوزی نعل
سے گھڑ

سیمان علیہ السلام مع لشکر جا رہے تھے حتیٰ اِذَا اتَّوَا عَلٰی وَادِ التَّمَلِّ یہاں تک کہ جب وہ وادی نعل میں پہنچے قَالَتْ نَمَلَةٌ تَرَايَا جِيوِي نِي نِي كَمَا يَأِيهَا التَّمَلُّ اَدْخَلُوا مَسِيكُمْ اے جیوئی نئی نئی! اپنے گھروں (بلوں) میں داخل ہو جاؤ۔ لَا يَحْطِطُكُمْ سَلِيْمًا وَجَنُودَهُ كَيْسِ سِيْمَانِ عَلِيهِ السَّلَامِ اور اُس کا لشکر تمہیں روزِ نہ ڈالے۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ اِیسی حالت میں کہ انہیں خبر بھی نہ ہو کہ انہوں نے کتنی جیوئیوں کو پاہال کر دیا ہے۔

بعض جدید دور کے نام نہاد مفکرین نعل کو جیوئی نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں کہ نعل ایک قبیلہ تھا جہاں سے سیمان علیہ السلام کا گزیر ہوا تھا۔ دراصل یہ لوگ معجزات کے منکر ہیں۔ چونکہ اللہ نے جیوئی کی آواز معجزانہ طور پر سیمان علیہ السلام کو سنوادی تھی، اس لیے اپنے لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس سے جیوئیوں کا کوئی قبیلہ تو مراد ہو سکتا ہے مگر انسانوں کا قبیلہ ہرگز مراد نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح سیمان علیہ السلام کو بے مثال حکومت عطا فرمائی تھی، جنات اور پرندے ماتحت کر دیے تھے، ہواؤں کو تسخیر کر دیا تھا، اسی طرح یہ جیوئی کا معجزہ بھی ظاہر کر دیا کہ اُس نے اپنی ہم قوم جیوئیوں کو اُن کی تباہی سے خبردار کیا تو سیمان علیہ السلام فوراً اُس کی بات کو سمجھ گئے۔ پہلے صحت بیان ہو چکا ہے کہ اللہ نے آپ کو منطق الطیر یعنی پرندوں کی بولیاں بھی سکھادی تھیں۔ تو ایسی حالت میں آپ کا جیوئی کی بات کو سُن لینا اور سمجھ لینا کون سی عجیب بات جاتی ہے مفسرین بیان کرتے ہیں کہ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ کے جملے سے ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ باوجود اس کے کہ ہوا اور جانور حضرت سیمان علیہ السلام کے تابع تھے مگر آپ غیب کا علم نہیں جانتے تھے۔ غیب، خاصہ خداوندی ہے۔ اور وہ اس میں جتنا علم چاہتا ہے کسی کو عطا کر دیتا ہے۔ کلی غیب اور علم محیط کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور قرآن پاک میں غیر اللہ کے غیب دان ہونے کی واضح طور پر نفی کی گئی ہے۔ یہ تو ناچیز جیوئی بھی جانتی تھی کہ صاحب صحیفہ اور صاحب شریعت رسول ہونے کے باوجود سیمان علیہ السلام غیب دان نہیں ہیں۔ اسی لیے تو اُس نے

دوسری چیونٹیوں کو خبردار کیا کہ اپنی بولوں میں گھس جاؤ، کہیں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں کچل نہ ڈالے مفسرین کرام پر بھی فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا لشکر بڑا مذہب تھا، لہذا ان کی طرف سے قصداً کھنڈ اور مخلوق کو روند ڈالنے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ آپ کا لشکر کوئی ایسا لشکر نہیں تھا جو وحشیانہ طور پر ہر سمنے آنے والی چیز کو تباہ کر دیتا، لہذا ثابت ہوتا ہے کہ اگر چیونٹیوں کو کوئی نقصان پہنچا تو ایسا سلیمان علیہ السلام کی بے خبری کی وجہ سے ہوا یعنی انہیں پتہ ہی نہ چلتا کہ وہ جس وادی سے گزر رہے ہیں۔ وہاں ہزاروں لاکھوں چیونٹیوں کو لقمہ اجل بنا رہے ہیں۔

عربی زبان میں نملہ کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں جنسوں پر پولا جاتا ہے یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں کو خبردار کیا تھا، وہ مذکر تھی یا مؤنث؟ مشہور محدث اور فقیہ حضرت قائد (۶۲ھ - ۱۸۲ھ) جو تابعین میں سے ہیں، ایک مجلس میں فرمانے لگے جو جی چاہے پوچھ لو۔ اس مجلس میں امام ابو حنیفہؒ بھی موجود تھے۔ جو اُس وقت ابھی نیکے تھے۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ حضرت قائدؒ سے یہ سوال کرو کہ جس چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں کو سلیمان علیہ السلام کے لشکر سے خبردار کیا تھا وہ نہ تھی یا مادہ۔ جب یہ سوال پوچھا گیا تو حضرت قائدؒ لاجواب ہو گئے۔ اس پر خود امام ابو حنیفہؒ نے بتلایا کہ وہ چیونٹی مادہ تھی۔ اگرچہ بقرہ کی طرح لفظ نملہ بھی مذکر اور مؤنث دونوں اجناس کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر یہاں نملہ سے قبل قَالَتْ کی ضمیر مؤنث ہے، لہذا وہ چیونٹی مؤنث تھی۔ یہ واقعہ امام لاریؒ نے تفسیر کبیر میں امام صاحب کی کسنی میں سوچے بوجھ کے سلسلہ میں لکھا ہے۔

جب سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی یہ بات سنی قَبَسَتْهُ ضَاحِكًا
مِنْ قَوْلِهَا تُوِاْپ اُس چیونٹی کی بات سے مسکرا کر ہنس پڑے۔ دل میں خیال
کیا کہ یہ چیونٹی کتنی بھولی بھالی ہے۔ جو سمجھ رہی ہے کہ میں اس کی بات کو نہ سن رہا
ہوں اور نہ سمجھ رہا ہوں، حالانکہ اللہ نے مجھے اپنے بہت سے نیک اور ایماندار بندوں
پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور مجھے جانوروں کی بولیاں بھی سکھلا دی ہیں۔ تبسم کا معنی
مسکراہٹ ہے۔

پہنچتی ہے جب کہ ہنسنے میں دانت بھی ظاہر ہو جاتے ہیں، البتہ قہقہہ زور سے ہنسنے کو کہتے ہیں جو کہ پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کبھی قہقہہ مار کر نہیں ہنسنے، آپ کا معمول تیسم یا زیادہ سے زیادہ ضحک ہوا تھا۔ قہقہہ غفلت کی علامت ہے، اسی لیے اگر کوئی شخص نماز کے دوران قہقہہ لگا کر ہنسنے تو اس کا جنو بھی ٹوٹ جائے گا اور نماز بھی فاسد ہو جائیگی۔

چیونٹیوں کا
نظام معاشر

چیونٹی ٹیری ذہین مخلوق ہے۔ اللہ نے ایک درجے تک اس کو بڑا شعور عطا کیا ہے۔ علم ایجابات کے ماہرین نے بڑے بڑے تجربات کر کے اس مخلوق کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کی ہیں۔ مثلاً انسانوں کی طرح چیونٹیوں کے بھی خاندان، قبیلے اور گوتیں ہوتی ہیں۔ ان کا اپنا نظام حکومت ہوتا ہے، باقاعدہ فوج اور پولیس ہوتی ہے جو نظام سلطنت کے نظم و نسق کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔ چیونٹیاں فطری طور پر خوراک کا ذخیرہ جمع رکھتی ہیں تاکہ بوقت ضرورت کام آسکے۔ فریڈ ریڈی "دائرۃ المعارف" میں لکھتے ہیں کہ چیونٹیوں کی مختلف سلطنتوں کے درمیان جنگ و جدل کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ جب کبھی ایسا موقع آتا ہے تو ابتدا میں چیونٹیوں کی قبیل تعداد اکڑ دشمن کی قوت کا اندازہ لگاتی ہے اور پھر حسب ضرورت پورا لشکر بیک وقت حملہ آور ہو جاتا ہے۔ چیونٹی اپنے دشمن کو چمپٹ کر لیا کاشتی ہے کہ چاہے جان چلی جائے۔ دشمن کو چھوڑتی نہیں۔ اس کے جسم کے پچھلے حصے میں تیزاب کی ٹینکی ہوتی ہے جو بارش کے موسم میں خوب بھرجاتی ہے۔ جنگ کے وقت چیونٹی ہی تیزاب دشمن پر پھینک کر اسے نقصان پہنچاتی ہے۔ طنطاوی نے "نظام العالم" میں لکھا ہے کہ چیونٹیوں کے باقاعدہ قبرستان ہوتے ہیں جہاں یہ اپنے مردے دفن کرتی ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اگر کہیں کوئی چیونٹی مری پڑی ہو تو زندہ چیونٹی اس کو اٹھا کر لے جاتی ہے اور قبرستان میں لے جا کر دفن کر دیتی ہے۔ جس طرح بعض حکومتوں کے موسم سرما اور گرما کے لیے مختلف ہیڈ کوارٹر ہوتے ہیں۔ اسی طرح چیونٹیوں کے بھی مختلف موسموں کے لیے مختلف علاقے متعین ہوتے ہیں اور سرما یا گرما میں مقررہ علاقوں میں اقامت پذیر ہوتی

ہیں جس طرح انسانوں کے لیے دودھ دینے والے جانور ہوتے ہیں اسی طرح چیرینوں کے بھی خاص قسم کے جانور ہوتے ہیں۔ ان کے لیے خوراک مہیا کی جاتی ہے اور پھر ان کے جسم سے نکلنے والی رطوبت کو بطور دودھ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بھی تجربات میں آیا ہے کہ اگر کوئی چیرینی عطی سے اپنے دشمن کے علاقہ میں چلی جائے اور اس کو چوٹی اس بات کا علم ہوتا ہے وہ اپنی ٹانگیں اوپر کر کے پیچھے کے بل لیٹ جاتی ہے۔ پھر جب اس علاقے والی چیرینوں کو اجنبی چیرینی کے در آنے کی اطلاع ملتی ہے تو اسی پر بس ویغہ اس چیرینی کو اٹھا کر اپنے علاقے سے باہر پھینک آتی ہے۔ اللہ نے ان کو حیرت انگیز ذہانت عطا فرمائی ہے۔

سیلمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی بولیاں سکھائی تھیں، جو آواز آپ تک پہنچ جاتی تھی آپ اس کو سمجھ لیتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ہر جانور یا پرندے کی نزدیک دور ساری آوازیں سننے کا ذمہ نہیں لیا تھا۔ یہ جو آپ نے چیرینی کی آواز کو سن لیا، یہ اللہ کی خاص حکمت تھی کہ اُس نے اُس چیرینی کی آواز آپ کو سنا دی اور یہ معجزہ تھا۔ اسی لیے تو کسی نے کہا ہے

لَوْ كُنْتُ اُنْتِ كَلَامَ الْحُكْمِيِّ
عَلِمْتُ عِلْمَ سَلِيمَانَ كَلَامَ النَّمَلِيِّ

اگر مجھے بھی حکم یعنی بے زبان جانوروں کی آواز سننے کا علم دے دیا جائے تو میں بھی سیلمان علیہ السلام کی طرح چیرینی کی بات کو سن لوں۔ شیخ سعدی نے حکمت ان میں ذکر کیا ہے کہ ایک ہاشمی بان دریا نے نیل کے کنارے اس طرح گنگنا رہا تھا

زیر پابت گر برانی حالِ مور

ہم چوں حالِ تست زیر پائے پیل

اے انسان! اگر تو جان لے کہ تیرے پاؤں کے نیچے چیرینی کا کیا حال ہوتا ہے تو یہ الیا ہی ہے جیسے تو خورد ہا مٹی کے پاؤں کے نیچے آجائے۔

امام ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ سیلمان علیہ السلام

کے زمانے میں قحط پڑ گیا، بارش رک گئی، لوگ بلال اٹھے، چنانچہ سلیمان علیہ السلام عام لوگ کے ہمراہ شہر سے باہر بارش کی دعا کے لیے نکلے۔ راستے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک چوڑی ٹیپنے پاؤں آسمان کی طرف کر کے دعا کر رہی ہے اللّٰهُمَّ اِنَّا خَلَقْنَا مِنْ خَلْقِكَ وَلَا نَعْتِي لَنَا عَجَبٌ بِسُقْيِكَ وَاِلَّا تَسْقِنَا كَهَلِكُنَا لے اللہ! ہم بھی تیری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہیں۔ ہم تیری میرابی سے مستغنی نہیں ہیں بلکہ اس کے محتاج ہیں۔ اگر تو میری پانی نہیں پلانے گا تو ہم ہلاک ہو جائیں گی۔ سلیمان علیہ السلام نے چوڑی کی زبان سے یہ دعا سنی تو تمام لوگوں کو واپس ہونے کے لیے کہا۔ فرمایا اللہ نے اس چوڑی کی دعا قبول کر لی ہے۔ اب ضرور بارش ہوگی، لہذا واپس چلو۔ اللہ تعالیٰ اس چوڑی کی بدولت تمہیں بھی سیراب کر دے گا۔ داؤدی عمل کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ یہ شام کے علاقے میں واقع ہے۔ جب کہ دوسرے اسے طائف شہر سے دس بارہ کلومیٹر کے فاصلے پر بتلاتے ہیں۔ وہاں ایک کھلا میدان ہے جس میں ایک معمولی سا مکان بھی ہے، اطائف کے تاریخی مقامات میں داؤدی نمل کا یہ میدان بھی ہے، لوگ سیر کے لیے جاتے ہیں، راحق صاحب درس غیر تحریر ہوئی نے بھی اس کی زیارت کی ہے)

سلیمان
علیہ السلام
کی دعا

سلیمان علیہ السلام اس چوڑی کی بات سن کر منس پڑے اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا اس طرح شکر ادا کیا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ عَرْضَ كَيْفَا لِيْ سِرِّيْ پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تیرے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثال حکومت عطا فرمائی حتیٰ کہ جانوروں اور پرندوں اور جنات کو آپ کے تابع کر دیا، آپ کے لیے ہوا مسخر کر دی اور جانوروں کی بولیاں بھی سکھلا دیں۔ باپ پر بھی بڑے انعامات کیے کہ انہیں اپنا صاحب کتاب رسول بنایا۔ آپ کی والدہ بھی نہایت ہی پاکیزہ، نیک سیرت، عابدہ اور زاہرہ خاتون تھیں۔ ان کی فضیلت کے لیے تو یہی چیز کافی ہے کہ اللہ نے ان کو داؤد علیہ السلام کے نکاح میں دیا۔ آپ فرعون اور بلقان کا حال بھی پڑھ چکے ہیں کہ وہ کس قدر مغرور اور ناشکر گزار تھے۔ جب کہ

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام بے مثال حکومت کے باوجود کس طرح رب العزت کا شکر ادا کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا بھی کی کہ پروردگار !
 مجھے تو فیق معاف فرما وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ کہ میں ایسا نیک عمل انجام
 دوں جسے تو پسند کر اور تیری بارگاہ میں مقبول ہو۔

اور جو آخری بات حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی اُس میں ہمارے لیے درس عبرت
 ہے عرض کیا، پروردگار ! وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ
 اور داخل کر مجھے اپنی رحمت کے ساتھ اپنے نیک بندوں میں۔ اس کا ایک پہلو تو
 یہ ہے کہ انسان کو اچھی سوسائٹی نصیب ہو جائے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
 بھی کہا تھَا دَيْتَ هَبْ لِي حُكْمًا وَالْحَقُّنِي بِالصَّالِحِينَ (اشعر کو ۸۲)
 پروردگار مجھے حکم عطا فرما اور مجھے نیکو کاروں میں ملا دے۔ سورۃ یوسف میں حضرت
 یوسف علیہ السلام کی بھی یہی دعا منقول ہے تَوَقَّعْنِي مُسْلِمًا وَالْحَقُّنِي
 بِالصَّالِحِينَ (آیت - ۱۰۱) یا اللہ! مجھے اسلام کی حالت میں وفات دینا، اور
 مجھے نیکو کاروں کے ساتھ ملا دینا، یہاں پر بِرَحْمَتِكَ کا لفظ ظاہر کر رہا ہے، کہ
 اللہ کے جلیل القدر نبی ہونے کے باوجود کس قدر مستواً صریح اور منکسر المزاج واقع ہوئے ہیں
 اپنے کسی عمل پر اعماد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ ہے۔ جب اللہ کا پاک
 نبی اللہ کی رحمت کا طلب گار ہے تو ہم گنہگار کس شمار میں ہیں، ہمیں تو رحمت خداوندی کی
 بہت زیادہ ضرورت ہے، ہمارے لیے اس میں درس عبرت ہے۔ ہمیں بھی یہی دعا
 کرنی چاہیے کہ اے اللہ! اپنی مہربانی سے ہمارے عقیدوں کو پاک کر دے، ہمارے
 اعمال درست ہوں اور ہمیں اچھی سوسائٹی نصیب ہو۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدًى ^{٢٠}
 أَمْ كَانِ مِنَ الْغَائِبِينَ ^{٢١} لَا عَذْبَةَ فَاكِهَةٍ شَدِيدًا
 وَلَا أذْبَحْنَةً وَلَا بَاقِيَاتٍ مِنَ السُّبْحِ ^{٢٢} فَكَفَّتْ
 بِهَا وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ^{٢٣} إِنِّي وَجَدْتُ
 امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا
 عَرْشٌ عَظِيمٌ ^{٢٤} وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ
 لِلشَّمْسِ مِنَ دُونِ اللَّهِ وَزَيْنُ امْرِئِ الشَّيْطَانِ أَعْمَالُهمُ
 فَصَدَّهمُ عَنِ السَّبِيلِ فَهَمْ لَا يَهْتَدُونَ ^{٢٥} إِلَّا
 يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ^{٢٦} اللَّهُ لَا
 إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ^{٢٧} قَالَ سَنُنظِّرُ
 أَصْدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ^{٢٨} إِذْ هَبَّ بِكَيْتِي
 هَذَا فَالِقَهُ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّى عَنْهُمْ فَانظُرْ مَاذَا
 يَرْجِعُونَ ^{٢٩} قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِلَى إِلِيَّ أَلْتُمِ
 كِتَابَ كَرِيمٍ ^{٣٠} إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ

الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝۳۰ اَلَا تَعْلَمُوْا عَلٰی وَاَتُوْنِ

مُسْلِمِيْنَ ۝۳۱

ترجمہ:- اور خبر لی (سیمان علیہ السلام نے) پرندوں کی - پس کہا کیا ہے کہ میں نہیں دیکھتا ہڈی کو - کیا وہ غائب ہے ہے (۳۰) میں اس کو سخت سزا دوں گا یا میں اُس کو ذبح کر دوں گا یا وہ لائے میرے پاس کوئی کھلی سند (۳۱) پس ٹھہرا تھوڑی دیر اور کہا (دہ ہرنے) میں نے معلوم کی ہے وہ بات جو آپ کو معلوم نہیں - اور لایا ہوں میں آپ کے پاس ملکِ سبا سے ایک یقینی خبر (۳۲) میں نے پایا ہے ایک عورت کو اُن کی ملک - اور دی گئی ہے وہ ہر چیز سے - اور اس کا بہت بڑا تخت ہے (۳۳) پایا میں نے اُس کو اور اُس کی قوم کو کہ وہ سجدہ کرتے ہیں سورج کے سامنے اللہ کے سوا، اور نرین کر دیا ہے اُن کے لیے شیطان نے اُن کے اعمال کو پس روکا ہے اُن کو سیدھے راستے سے - پس وہ نہیں راہ پاتے (۳۴) کیوں نہیں سجدہ کرتے وہ اللہ کے سامنے جو نکاتا ہے پوشیدہ چیز کو آسمان اور زمین میں - اور جانتا ہے جس کو تم چھپاتے ہو اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو (۳۵) وہ اللہ ہے - نہیں ہے کوئی معبود اُس کے سوا - وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے (۳۶) کہا (سیمان علیہ السلام نے) ہم دیکھیں گے کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹ بولتا ہے (۳۷) لے جاؤ میرا یہ خط اور ڈال دو اس کو اُن کی طرف - پھر پلٹ کر ہٹ جاؤ اُن

سے اور دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں (۲۸) کہا (دکھانے) لے درباریو! بیشک ڈالا گیا ہے میرے پاس ایک خط عترت والا (۲۹) یہ سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے ہے اور اس میں لکھا ہوا ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم (۳۰) کہ نہ آؤ میرے مقابلے میں۔ اور آؤ میرے پاس فرمانبرداری کرتے ہوئے (۳۱)

ربط آیات

گذشتہ درس میں ایک چیزٹی کا حال بیان ہوا۔ سلیمان علیہ السلام چبوتی کی بات سن کر مسکرائے اور پھر ان انعامات کا شکر یہ ادا کیا جو اللہ نے آپ پر اور آپ کے والدین پر کر رکھے تھے۔ آپ نے اللہ سے اس کے پسندیدہ نیک اعمال کرنے کی توفیق بھی طلب کی اور ایک خصوصی دعایہ کی کہ پروردگار! مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل رکھ۔ جانوروں اور پرندوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ لوگ ہیستہ الانعام یعنی اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری سے، دودھ، بال اور کھالیں حاصل کرتے ہیں۔ بعض جانوروں سے باربرداری کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ بعض وحشی جانوروں کو باقاعدہ سدھا کر ان سے بھی خدمت لی جاتی ہے۔ رچھ کو تربیت دے کر اُس سے کام لیا جاتا ہے۔ پرندوں میں باز اور شکرے وغیرہ سے شکار کیا جاتا ہے۔ گدھے اور خچر وغیرہ خالص باربرداری کے کام آتے ہیں۔ قدیم زمانے میں کبوتر سے پیغام رسانی کا کام لیا جاتا تھا۔ کتوں کو سدھا کر ان سے شکار کیا جاتا ہے اور وہ چوکیداری کا کام بھی کرتے ہیں۔ غرضیکہ انسان جانوروں اور پرندوں سے قدیم زمانے سے خدمت لیتے آئے ہیں۔

چہڑ کی
غیر حاضری

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے یہ خاص انعام عطا فرمایا تھا کہ ہوا پرندے، اور جنات آپ کے تابع کر دیے تھے جن سے وہ حسب ضرورت کام لیتے تھے۔ تو اسی سلسلے میں آج کے درس میں ایک پرندے چہڑ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ سلیمان علیہ السلام ضرورت کے مطابق پرندوں اور جنات کی حاضری بھی لیتے تھے اور پھر

بعض کام بھی اُن کے سپرد کرتے تھے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَتَقَفَّدَ الطَّيْرَ
اور سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کی حاضری لی۔ تَفَقَّدَ كَامَعْنَى دَكَّحَ بجال کرنا، حاضری لینا، یا
باز پرس کرنا ہوتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام بھی اپنے ساتھیوں کی تَتَفَقَّدُ
دیکھ بجال کیا کرتے تھے، پوچھ گچھ ہوتی تھی کہ کہیں لوگ غافل نہ ہو جائیں بلکہ ہر وقت
مستعد رہیں۔ اسی طریقے سے سلیمان علیہ السلام نے ایک موقع پر تمام پرندوں کو جمع کیا۔
اور اُن کی حاضری لی۔ غالباً اُس وقت آپ ہڈ تاملی پرندے سے کوئی کام لینا چاہتے
تھے مگر وہ نظر نہ آیا۔ فَقَالَ مَا لِي لَا أَرَى الْهَدَّ هُدَّ تو آپ نے کہا، کیا بات
ہے کہ مجھے ہڈ نظر نہیں آ رہا ہے اس پرندے کے متعلق مشہور ہے کہ اللہ نے اُس کو
ایسی صلاحیت عطا فرمائی ہے کہ اسے زیر زمین پانی نظر آجاتا ہے اور یہ اُس کی نشاندہی کر
دیتا ہے، اس موقع پر بھی سلیمان علیہ السلام مع لشکر کہیں جا رہے تھے، پانی کا ذخیرہ ختم ہو
چکا تھا اور پانی کی تلاش کے لیے ہڈ کی خدمات کی ضرورت تھی کہ وہ کسی جگہ زیر زمین
پانی کی نشاندہی کرے تو جنت کے ذریعے فوراً نکلوا لیا جائے، مگر ہڈ نظر نہیں آ رہا تھا،
کامل مبروٹے نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ ہڈ کو
زمین کے میلوں نیچے تو پانی نظر آجاتا ہے مگر زمین کے اوپر اُس کے لیے لگایا گیا اُسے
کیوں نہیں نظر آتا؟ انہوں نے جواب دیا۔ إِذَا جَاءَ الْقَدْرُ عَشِيَّ النَّبْصِ معجب
اس کی تقدیر آجاتی ہے تو پھر اُس کی آنکھ اندھی ہو جاتی ہے اُسے قریب پڑا جال بھی
نظر نہیں آتا۔

بہر حال سلیمان علیہ السلام نے ہڈ کو نہ پا کر کہا کہ کیا بات ہے کہ مجھے ہڈ نظر
نہیں آ رہا ہے أَفَرَكَانَ مِنَ الْعَابِئِينَ کیا وہ غائب یعنی غیر حاضر ہے؟
کہنے لگے، اگر ایسی بات ہے لَا عَذِيبَتَهُ عَذَابًا شَدِيدًا تو میں اُسے سخت
سزا دوں گا، أَوْلَا ذُبْحَتَهُ یا میں اُسے ذبح ہی کر ڈالوں گا۔ أَوْلَا تَيْبِي بَسْطَانِ
تیبین یا اگر وہ سزا سے بچنا چاہتا ہے تو کوئی کھلی دلیل پیش کرے یعنی اپنی غلطی
کا کوئی معقول عذر پیش کرے۔

ہر ہر ایک مشہور جانور ہے جسے عربی، اردو اور پنجابی وغیرہ میں ہر ہر ہی کہا جاتا ہے۔ اس کی لمبی چونچ ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ زمین کو کھد کرتا رہتا ہے اور وہاں سے کیڑے بگڑے نکال نکال کر کھاتا ہے۔ مٹی لے رنگ کے اس پرندے کو اللہ نے پرواز کی بڑی قوت عطا کی ہے یہ بڑی لمبی حتیٰ کہ سینہ بگڑوں میں تک کی اڑان کر سکتا ہے مصر اور فلسطین وغیرہ کے علاقے میں سردی کے موسم میں عموماً پایا جاتا ہے بعض پرندے دور دور سے اڑ کر یہاں بھی آجاتے ہیں۔ روس اور چین کے علاقے سے بعض چڑیاں سخت سردی سے بچنے کے لیے ادھر آجاتی ہیں اور لوگ ان کا شکار کر لیتے ہیں۔ اللہ نے انہیں ایسی قوت پرواز بخشی ہے کہ اس میں رکاوٹ پڑنے کا بھی کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ ٹھک گئے تو ذرا سستایا اور پھر چل پڑے برخلاف اس کے موجودہ دور کے تیز رفتار ہوائی جہاز اور راکٹ وغیرہ کی اڑان بھی خطرے سے خالی نہیں ہوتی اور آئے دن ان کے حادثے ہوتے رہتے ہیں۔ ابھی ابھی امریکہ کی جلیغیر نامی خلائی شٹل پرواز کے فوراً بعد حادثہ کا شکار ہو گئی جس میں دو محوڑوں سمیت سات ماہی صنایع ہو گئیں اور اس خلائی شٹل پر خرچ آنے والی کڑوں ڈاکر کی رقم ضائع ہو گئی۔

امام دیرینے نے حیات الحیوان میں لکھا ہے کہ ہر ہر حلال جانور نہیں ہے۔ البوداؤ شرف میں اس کا گوشت کھانے کی ممانعت آئی ہے وجہ یہ ہے کہ یہ پرندہ دانہ دنگا یا سبزی وغیرہ تو کھاتا نہیں محض کیڑے مکوڑے کھاتا ہے، لہذا اس کے گوشت سے بدبو آتی ہے اور ظاہر ہے کہ بدبو دار چیز کا کھانا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر روٹی، سالن یا چاول وغیرہ بدبو دینے لگیں تو ان کا استعمال جائز نہیں رہتا۔

مکہ مکہ کے متعلق نمبر

بہر حال سلیمان علیہ السلام نے ہر ہر کی غیر حاضری کا ٹیس لیا فَمَكَتَ عَيْنَ بَعِيدٍ پس زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ہر ہر آگیا فَمَقَالَ اور کہا أَحَطَّتْ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ میں نے ایک ایسی بات کا احاطہ کیا ہے جس کا آپ نے نہیں کیا یعنی اے سلیمان علیہ السلام میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جس سے آپ نے خبر نہیں لی وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنُكَيْتٍ اور میں آپ کے پاس ملک سبائے ایک یعنی خبر لایا ہوں، چونی کی طرح ہر ہر کا عقیدہ

بھی یہی تھا کہ سلیمان علیہ السلام بے مثال سلطنت کے مالک ہونے کے باوجود علم محیط نہیں رکھتے تھے کہ انہیں ہر چیز کا علم ہوتا۔ بلکہ وہ تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ملک سبائیں کون حکمران ہے اور وہاں کے لوگوں کا عقیدہ کیا ہے۔ مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کو تدریج و وسیع فرمایا تھا پہلے فلسطین اور شام آپ کے ماتحت تھے۔ پھر مصر بھی زیر نگین آگیا اور آخر میں سبائ بھی آپ کی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ بہر حال ہر ہمتی سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ میں ملک سبائ سے یہ خبر لایا ہوں اِنِّیْ

وَجَدْتُ امْرَاةً تَمْلِكُهُمْ فِي دَوْلَةٍ بِرَأْسِ عَوْرَتِهَا بِأَيِّ جَبَلٍ
 اہل سبائ پر حکمرانی کرتی ہے وَأَوْتَيْتُ مِنْ كُلِّ نَشْئٍ اور اُسے ہر
 قسم کا ساز و سامان دیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ ضرورت کی ہر چیز اُن کے پاس ہے
 وہ کسی چیز کی کمی محسوس نہیں کرتے۔ ہر چیز سے یہ مراد نہیں ہے کہ قیامت تک ایجاد
 ہونے والی ہر چیز اُن کے پاس موجود تھی بلکہ اس زمانے کی ضروریات کے مطابق ان
 کے پاس فوج، خزانہ، غلہ اور تمام ضروریات زندگی مہیا تھیں، اس کی مثال وہی ہے۔
 جو سورۃ نحل میں ہے۔ اللہ نے شہد کی مکھی کو حکم دیا کہ پہاڑوں، درختوں اور اونچے جگہوں
 میں گھبرناؤ ثُمَّ كُلِّي مِنْ كُلِّ الشَّمْسِ رَأَيْتَ (۶۹) پھر ہر جگہ میں
 سے کھاؤ۔ یہاں بھی ہر جگہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ دنیا بھر کے پھلوں میں سے
 لازماً ہر ایک کو کھاؤ، بلکہ جو جو پھل تمھارے مناسب حال ہے اُس کو کھاؤ، چھوڑ
 کارس چھوڑو اور پھر شہد پیدا کرو۔ بہرہ لے یہ بھی خبر دی وَكَلَّمَا عَدْرًا عَظِيمًا
 کہ ملکہ سبائ کے پاس بہت بڑا تخت ہے جس پر بیٹھ کر وہ امور سلطنت انجام دیتی
 ہے۔ اس تخت کا مفصل حال آگے آ رہا ہے۔ تاہم مفسرین کہہ فرماتے ہیں
 کہ یہ عظیم تخت اسی ہاتھ لہبا، پچاس لہجہ چوڑا، اور چالیس لہجہ اونچا تھا جو کہ نہایت
 قیمتی زردیخا لہبہارت کے ساتھ مرتع تھا۔

بہرہ لے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید انکشاف کیا۔ وَجَدْتُهَا
 وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ کہ میں نے

سورج پرست
 قوم

اس مکہ اور اس کی قوم کو سورج کے سامنے سجدہ کرتے پایا ہے۔ اللہ کہ چھوڑ کر گویا کہ
 قوم سبا سورج پرست مشرک تھی، حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی تمام چیزیں سبجرا، حجر، چرند
 پرند سب اللہ ہی کی تسبیح بیان کرتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَرَأَتْ
مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ (یعنی اسرائیل ۴۴) کائنات کی ہر چیز اسی کی تقدیس
 بیان کرتی ہے۔ فطرت صحیحہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانا جائے
 سورج پرست مصر میں بھی تھے اور ایران میں بھی۔ سورج کی پوجا کرنے والے برصغیر میں
 بھی پائے جاتے ہیں۔ کراچی کے مجوسی اب بھی طلوع شمس کے وقت مندر کے کنارے
 پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور طلوع کے وقت سورج کو سجدہ اور سلام کرتے ہیں۔ اسی لیے
 ہماری شریعت میں سورج کے طلوع و غروب اور عین استرا کے وقت سجدہ کرنے سے منع
 کر دیا گیا ہے۔ بہر حال بہرہ نہ تباہ کیا کہ جس قوم کا وہ ذکر کر رہا ہے وہ سورج پرست ہے۔
 مکہ سب کے متعلق مفسرین اور مؤرخین نے طرح طرح کی باتیں بیان کی ہیں۔ اس کا
 اصل نام بلقیس تھا جو سبا پر حکومت کرتی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس کا باپ کسی سردار کی
 بیٹی سے شادی کرنے کے لیے تیار نہیں تھا بلکہ انہیں نے ایک جلیہ (جن عورت)
 سے شادی کی جس سے بلقیس پیدا ہوئی، اللہ نے جنات کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ وہ
 انسانی شکل میں متشکل ہو سکتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ بلقیس کے باپ نے کسی ایسی ہی جن عورت
 سے شادی کر لی ہو۔ پھر بلقیس کی نسبت ایک ایسے شخص سے ہوئی جس کو وہ پسند نہیں
 کرتی تھی، لہذا اُس نے اس شخص کو راستے سے ہٹا دیا اور خود حکمران بن گئی۔ یہ سب تفسیری
 اور آرائشی روایات ہیں جن کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا وَاللَّهُ اعْلَمُ۔ ایسے
 ہی دیگر حالات و واقعات سے قطع نظر بلقیس ایک ذہین و فطین عورت تھی۔
 اس کے پاس بڑی فوج تھی، پارلیمنٹ اور مصاحب تھے جن سے وہ امور سلطنت
 میں مشورے کرتی رہتی تھی۔

بہرہ نے ایک تو قوم سبا کی سورج پرستی کی خبر دی اور دوسری بات یہ بیان
 کی وَرَأَتْ كَهْمُ الشَّيْطَانِ أَعْمَالَهُمْ اُس مشرک قوم کے اعمال کٹیٹان

نے اُن کے لیے مزین کر رکھا ہے۔ وہ جو کچھ کرتے تھے شیطان اس کی تصدیق کرتا ہے کہ تم بہت اچھا کام کر رہے ہو لہذا وہ سورج پرستی سے آئیب ہو کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچاننے کی بجائے سورج پرستی کو ہی حقیقت سمجھ رہے ہیں فَصَدَّ عَنْهُمُ عَنِ السَّبِيلِ اور اس طرح شیطان نے اُن کو سیدھے راستے سے روک رکھا ہے ہر ہر نے کہا فَصَدَّ عَنْهُمْ لَا يَهْتَدُونَ وہ ہدایت نہیں پاتے، غلط راستے پر چل کر صحیح راستے سے محروم ہو چکے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ شیطان علیہ السلام اس مشرک قوم کے خلاف کاروائی کریں۔

بعض پروردگار قسم کے دہریے اس سلسلے میں مضمون کو پرندے کے کا بیان تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر ہر نامی کوئی آدمی تھا جس نے یہ ساری خیرات کر لیمان علیہ السلام کو دی تھی، حالانکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر جنات، پرندے اور کوا سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیے تھے اور آپ اُن سے کام بھی لیتے تھے لہذا پرندے کی زبانی اس قسم کی گفتگو بالکل قرین قیاس ہے اور انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے ہر ہر نے قوم سب کے مشرک کا ذکر کرنے کے بعد پھر خود ہی توحید کے بعض دلائل

بھی پیش کیے۔ کہنے لگا الَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قوم سب کے لوگ کیوں نہیں سجدہ کرتے صرف اللہ تعالیٰ کو جو آسمان و زمین کی پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو آسمانوں میں پوشیدہ پانی نازل کر کے اُس سے طرح طرح کی سبزیاں اگاتا ہے۔ زمین کے نیچے سے پانی، تیل، لوہا، سببہ، سونا، چاندی اور دیگر معدنیات نکالتا ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ اور ہر اُس چیز کو جانتا ہے، جس کو تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ وہ قادرِ مطلق اور علیمِ کل ہے۔ ایسے خداوندِ قدوس کو چھوڑ کر قوم سب سورج کی پوجا کیوں کرتی ہے؟ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے کیوں سجدہ ریز نہیں ہو جاتی؟ ہر ہر نے مزید کہا اللہ کی ذات وہ ہے اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہر قسم کی عبادت

ہر ہر کی
توحید پرستی

کے لائق صرف اور صرف وہی ذات ہے رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ اور عرشِ عظیم
کا مالک بھی وہی ہے، پھر دوسروں کے سامنے کیوں سجدہ کرتے ہیں فَقَالَ أَحَطَّتْ
سے لے کر یہاں تک سارا بیان ہر ہر کا ہے۔ اُس نے ایک طرف تو ہم سب کے شرک
کی نشاندہی کی تو دوسری طرف دلائل توحید بھی بیان کر دیے۔ جب اللہ کی ادنیٰ مخلوق پرند
بھی توحید خداوندی کو تسلیم کرتے ہیں تو انسان جو اشرف المخلوقات ہے اُس کا تو بطریق
اولیٰ فرض ہے کہ وہ توحید خداوندی کو تسلیم کرے اور ہر قسم کے کفر اور شرک سے باز آجائے
ہر ہر کا یہ سارا بیان سننے کے بعد قَالَ سَلِيمَانُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا سَمِعَ نَظْرًا

خط بنام
ملکہ سیا

أَصْدَقَتْ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَذَّابِينَ ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ تو اپنی بات
میں سچا ہے یا تو نے جھوٹ بولا ہے۔ اس سے پیشتر سلیمان علیہ السلام ہر ہر کو سخت
سزا دینے یا فوج کر ڈالنے کا اعلان کر چکے تھے تا وقتیکہ وہ کوئی معقول عذر پیش نہ
کرے۔ اب جبکہ اس نے عذر پیش کر دیا تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم ابھی تمہاری
اس خبر کی تصدیق کیے لیتے ہیں۔ اور اس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ ہر ہر سے کہنے لگے۔

إِذْ هَبَّ بِكَيْفِي هَذَا مِيرِي حِطِّي لِي جَاؤُفَا لِقَائِهِ إِلَيْهِمْ اور اسے
تو ہم سب کے لوگوں کے سامنے ڈال دو، میرا یہ خط ان تک پہنچاؤ تَمَّ تَوَلَّى عَنْهُمْ
پھر اُن سے پیچھے پلٹ آؤ فَا نَظَرُوا مَا ذَا بَيْنَ جَعُونًا اور دیکھو کہ وہ اس خط کا
کیا جواب دیتے ہیں۔ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ ہر ہر فوراً خط لے کر ملکہ سب کے محل پر
پہنچا اُس وقت گھر کے دروازے تو بند تھے البتہ ایک روشندان کھلا تھا جس کے
راستے وہ ملکہ کی خواجگاہ میں داخل ہو گیا، خط اُس کے سینے کے قریب رکھ دیا اور پھر
اسی روشندان کے راستے باہر نکل آیا۔

جب ملکہ نیند سے بیدار ہوئی تو اُس نے اپنے قریب خط پڑ پایا۔ اس نے اپنے
تمام درباریوں کو اپنے دربار میں طلب کیا اور اُن سے اس طرح گویا ہوئی۔ قَالَتْ
يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَلَيْسَ الْكِتَابُ كَرِيمًا كُنْتُ لَأَمِيرَةٍ
درباریو! میرے پاس ایک عزت والا خط ڈالا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ خوبصورت سرسبز
لے اس آیت پر قرآن کریم کا اٹھواں سجدہ تلاوت ہے (فیاض)

لفافے میں عمدہ طریقے سے لکھا ہوا شاہی خط تھا جس سے ملکر نے اندازہ لگایا کہ یہ کسی معزز شخصیت کی طرف سے آیا ہے، چنانچہ اس نے اسے باعزت خط قرار دیا اور بنایا اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ کی طرف سے موصول ہوا ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں، کہ اصل مضمون کے علاوہ اس خط میں سلیمان علیہ السلام نے اپنا تعارف بھی لکھا تھا، اور اس کی ابتدا اس طرح تھی مِنْ عَبْدِ اللَّهِ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ السَّلَامِ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ یہ خط اللہ کے بندے سلیمان ابن داؤد علیہما السلام کی طرف سے ہے اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ اس قسم کے تبلیغی خطوط حضور علیہ السلام کی سیرت میں بھی ملتے ہیں جو آپ نے اطراف کے بادشاہوں اور دیگر اعلیٰ شخصیتوں کو تحریر فرمائے۔ آپ نے بھی ہر خط کا آغاز مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ سے کیا اور آگے اَلْحَقُّ هَذَا قَلِيلٌ عَظِيمٌ الرَّؤْمِ وَغَيْرِهِ لِكَمَا عَنِىَ اللَّهُ كے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے روم کے عظیم ہرقل کی طرف۔ اور پھر اسل مضمون شروع کرنے سے پہلے السَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ کے الفاظ بھی تحریر کروائے۔ بہر حال سلیمان علیہ السلام نے ایسا ہی خط بلقیس کے نام بھیجا۔

خط کا مضمون

ملکہ سبا نے خط بھیجنے والے کا تعارف کرنے کے بعد اس کا مضمون پڑھنا شروع کیا قَوْلُهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کہ اس خط میں لکھا ہے "شروع اللہ کے نام سے جو نہایت بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے"۔ گویا مضمون کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے پاک نام کے ساتھ کی اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اس مقام پر بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ قرآن پاک کی ایک آیت کے طور پر آتی ہے۔ البتہ قرآن پاک کے ہر نسخہ میں ہر سورۃ کی ابتدا میں بھی پوری بسم اللہ تحریر ہے۔ فقہانے کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ہر سورۃ کی ابتدا والی بسم اللہ قرآن پاک کا حصہ ہے یا نہیں امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر آنے والی بسم اللہ کے علاوہ صرف ایک دفعہ قرآن کی آیت ہے اور ہر سورۃ کی ابتدا میں لکھی جانے والی قرآن کا حصہ نہیں ہے البتہ دیگر حضرات اس مقام پر بھی اور ہر سورۃ کی ابتدا والی بسم اللہ کو بھی قرآن کا

حصہ تصور کرتے ہیں۔ بہر حال خط کا مضمون یہ تھا أَلَا تَقُولُوا عَلَىٰ قَوْمٍ سَبًّا
 کے لوگو! میرے سامنے سرکشی اختیار نہ کرو، میرے مقابلے میں نہ آنا وَأَتَّخِذَ
مُسْلِمِينَ بلکہ اطاعت گزار بن کر میرے پاس چلے آؤ، مطلب یہ تھا کہ کفر
 و شرک کو چھوڑ کر صحیح دین اختیار کر لو۔ اب اگلی آیت میں اس خط پر رد عمل کا
 کا ذکر آ رہا ہے۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا أَفْتُونِ فِيْ أَمْرِيْ مَا كُنْتُ
 قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُوْنَ ۖ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ أَوْلُوْا
 قُوَّةٍ وَأَوْلُوْا بِأَسْسِ شَدِيْدَةٍ ۖ وَالْأَمْرُ إِلَيْكَ فَانظُرِيْ
 مَاذَا تَأْمُرِيْنَ ۖ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوْكَ إِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً
 أَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۖ وَكَذٰلِكَ
 يَفْعَلُوْنَ ۖ ﴿۳۴﴾ وَإِنِّي مُرْسَلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنظُرُهُمْ
 بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۖ ﴿۳۵﴾

ترجمہ ۱- (مکہ سب نے) کہا، اے درباریو! مجھے رائے دو
 میرے معاملے میں۔ میں نہیں ہوں قطعی فیصلہ کرنے والی
 کسی معاملے کا۔ یہاں تک کہ تم حاضر ہو ۖ ﴿۳۲﴾ انہوں نے کہا،
 ہم لوگ طاقت والے ہیں اور سخت لڑائی لڑنے والے ہیں۔
 پس تم دیکھو کہ تم کیا حکم دیتی ہو ۖ ﴿۳۳﴾ اس نے کہا جب
 بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اُس کو خراب کر
 دیتے ہیں اور بنا دیتے ہیں وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل
 اور وہ اسی طرح کرتے رہتے ہیں ۖ ﴿۳۴﴾ اور بیشک میں بھیجنے
 والی ہوں اُن کی طرف کچھ ہدیہ۔ پھر دیکھتی ہوں کہ فرستادہ
 لوگ کیا جواب لے کر آتے ہیں ۖ ﴿۳۵﴾

پہر نے سلیمان علیہ السلام کو خبر دی کہ مکہ کے لوگ اور خود مکہ سورج پرست

ہیں۔ کفر و شرک میں مبتلا ہیں اور ان کے بڑے اعمال کو شیطان اُن کو مزین کر کے دکھاتا ہے
لہذا وہ ہدایت کا راستہ اختیار کرنے سے قاصر ہیں۔ نیز یہ کہ وہ لوگ خدا نے وحدۃ لا شریک
کے سامنے سجدہ کرنا نہیں ہوتے جو ظاہر و باطن ہر چیز کو جانتا ہے اور مخفی چیزوں کو آسمان
زمین سے نکالتا ہے، وہی موجود برحق ہے، وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ یہ خبر سن کر سلیمان
علیہ السلام نے اس کی تصدیق کرنے کا فیصلہ کیا اور اسی ہر ہر سے فرمایا کہ میرا یہ خط لے
جا کر ملکہ کے سامنے ڈال دو، پھر دیکھیں گے کہ وہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ ہر ہر
نے وہ خط ملکہ سب کو اُس کے خاص کمرے میں پہنچایا خط کا مضمون گذشتہ درس میں گذر
چکا ہے کہ اس کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا گیا تھا اور قوم سب سے کہا گیا تھا کہ
تُم میرے مقابلے میں نہ آنا بلکہ اطاعت گزار بن کر میرے پاس چلے آؤ۔

ملکہ سبکی
مشورہ طلبی

جب ملکہ نے یہ خط پڑھا تو اس سے اس معاملہ میں اپنے درباریوں سے مشورہ
لینا ضروری سمجھا۔ چنانچہ تمام عمارتین کو دربار میں جمع کر کے کہنے لگی قَالَتْ يَا أَيُّهَا
الْمَلُوكُ أَقْتُونِي فِي أَمْرِي لے سر بر آوردہ لوگو! میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ
دو۔ اس مضمون کا خط آیا ہے اب تم بناؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے کیونکہ مَا كُنْتُمْ
قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِ میں اس معاملہ میں ذاتی طور پر کوئی فیصلہ کرنے
کے حق میں نہیں ہوں جب تک کہ تم حاضر ہو کر مجھے مشورہ نہ دو۔ ملکہ صاحب اختیار تھی
اور جیسا کہ آگے آ رہا ہے عمارتین حکومت اس کے ہر حکم کی تعمیل پر کمر بستہ تھے۔ مگر
ملکہ درباریوں کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا
کہ ملکہ کا نظام حکومت اس تبادلی نہیں بلکہ شورا ئی تھا جو کہ ایک نیک فال ہے۔
پرانے زمانے میں ملوکیت یا ڈکٹیٹر شپ عام تھی۔ بادشاہ مسلمان ہو یا غیر مسلم
اُس کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کی حیثیت رکھتا تھا جس کے خلاف نہ کوئی
داد ہوتی نہ فریاد۔ بادشاہ کوئی بھی ملکی فیصلہ کرنے کے لیے کسی وزیر، مشیر، دانشور،
عالم، فقید یا مائس دان کے مشورہ کا پابند نہیں ہوتا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ برسرِ اقتدار
طبقہ غریب رعایا پر ظلم و ستم کا بازار گرم رکھتا اور انہیں اپنی آزادی کیلئے سوچنے کا

ڈکٹیٹر شپ
اور مغربی
جمہوریت

موقع بھی نہ دینا۔ آج بھی دنیا میں اس قسم کے نظام موجود ہیں جو حکومت کی پالیسی کے خلاف ایک لفظ تک سننا برداشت نہیں کرتے۔ ایسے لوگ ہوس ملک گیری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اگر کسی کے مد مقابل آنے کا شبہ بھی پڑ جائے تو اس کو تیس تیس کر کے رکھ دیتے ہیں۔ روس، چین اور دیگر کمیونسٹ ممالک میں اسی قسم کی ڈکٹیٹر شپ رائج ہے کبھی روس اور چین مسلمانوں کے گڑھے ہوا کرتے تھے، مگر بے دین حاکموں نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی، وہاں کی مسیحی برادری گئیں، کتابیں ضائع کر دیں اور دینی مدرسے ویران کر دیے۔ اب ان ممالک میں آزادی کی لہر چھا چکی ہے تو حکمران طبقہ کے بھی ہوش ٹھکانے آنے لگے ہیں۔ ان کو بھی آزادی کی صبح طلوع ہوتی نظر آرہی ہے ورنہ انہوں نے چینی ثقافتی انقلاب کے دس سال بڑی کمی سپر سی میں گزارے، ملوکیت کے زمانے میں امریکہ میں بھی یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔ سیاہ فام مسلمانوں پر ظلم و ستم کے سپاڑ توڑے جاتے رہے ہیں، ملوکیت کی تاریخ ہی یہ رہی ہے کہ اپنے مقابلے میں نہ باپ بیٹے کو برداشت کرتا ہے اور نہ بیٹا باپ کو، بھائی بھائی کا جانی دشمن بن جاتا ہے اور ہوس اقتدار کے سوا ان کے نزدیک ہر چیز راجح ہوتی ہے۔

آج کل دنیا میں جمہوریت (DEMOCRACY) کا بڑا چرچا ہے مگر یہ بھی اسلامی نظام حکومت سے مطابقت نہیں رکھتی۔ لبرپ کی ایجاد کردہ اس لعنت میں آدمیوں کو گنا تو جاتا ہے مگر تو لانا نہیں جاتا۔ یعنی ہر عالم، جاہل، ہنرمند اور مزدور ایک ہی پلیٹے میں ڈال دیے جاتے ہیں اور پھر فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں۔ اس نظام میں اہل اور نااہل میں کوئی امتیاز نہیں رکھا جاتا، اور یہی اس نظام کی سب سے بڑی خرابی ہے۔ یہ کثرت رائے کا نتیجہ تھا کہ برطانوی پارلیمنٹ نے دو باغ مردوں کے آپس میں لواطت کے فعل کو جرائم کی فہرست سے خارج کر دیا۔ کسی زمانے میں امریکہ والوں نے کثرت رائے سے یہ قانون منظور کیا تھا کہ شراب کی کثید، فروخت اور خرید کوئی جرم نہیں۔ مغربی جمہوریت کی اسی خرابی کے متعلق علامہ اقبال نے کہا تھا

بٹرس از طرف زہد جہوری غلام بختہ کارے شو

کہ از مغیر دو صد خر فیک انسان نمی آید

ایسی جمہوریت سے دور بھاگو اور کسی اچھے اور پختہ کار آدمی کے تابع رہیں جاو کہ پونیک
دوسو گدھے بل کہ بھی ایک انسانی دماغ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اسلامی شوریٰ
نظام

ان دونوں ذمہ داروں کے برخلاف اسلامی نظام حکومت شوریٰ بھی ہے
اور اس میں جمہوری قدریں بھی پائی جاتی ہیں، مسلمانوں کا خلیفہ یا حاکم مستبد نہیں ہوتا، نہ
وہ اپنی من مانی کرتا ہے بلکہ ہر انتظامی معاملہ میں اپنی شوریٰ کے سامنے جوابدہ ہوتا،
اسلام میں اربابِ حل و عقد سے مشاورت اس قدر ضروری ہے کہ اللہ نے اپنے نبی
کو بھی اس کا پابند بنا دیا ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ
فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (آل عمران - ۱۵۹) ای معاملہ جس کے متعلق وحی نہ آئی ہو،
اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لیا کریں۔ پھر جب باہمی مشاورت سے کسی نتیجے پر پہنچ جائیں
تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے وہ کام کر گزریں۔ فقہائے کرام اس مسئلہ میں بحث کرتے
ہیں کہ اسلامی نظام حکومت میں مشورہ لینا واجب ہے یا محض مستحب جس سے علماء دین
کی دلجوئی مطلوب ہو۔ مفسر قرآن امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ اس آیت کے تحت حاکم کے
لیے مشورہ لینا واجب ہے۔ ظاہر ہے کہ خود پیغمبر اسلام کے لیے ضروری ہے، تو
دوسرے لوگ کس شمار میں ہیں البتہ کسی ایسے معاملہ میں مشورہ کی ضرورت نہیں ہے جس
کو اللہ نے اپنی کتاب میں یا پیغمبر نے اپنی زبان سے حل فرمادیا ہو مثلاً شراب اور جوئے
چوری اور کھیتی، جھوٹ اور غیبت، زنا اور لواطت وغیرہ معاملات کے جواز یا عدم جواز
کے لیے کسی شوریٰ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان کا فیصلہ تو خود اللہ تعالیٰ نے کر دیا
ہے، لہذا ایسے معاملات میں اگر ساری دنیا بھی مل کر کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرنا
چاہے تو نہیں کر سکتی، یہاں مشاورت نہیں چل سکتی۔ اسی طرح کوئی چاہے کہ اس بات
پر رائے شماری کرائی جائے کہ نماز پڑھنی چاہیے یا نہیں، روزہ ضروری ہے یا نہیں۔ حج
ماتقل ہو سکتا ہے یا نہیں یا زکوٰۃ کی ادائیگی لازمی ہونی چاہیے یا نہیں۔ یہ طے شدہ

معاملات ہیں اور ان پر کوئی سونے بازی نہیں ہو سکتی مشاورت ایسے معاملات میں ہوگی جہاں ہی الہی
 خاوش ہوگی یا بغیر کافران موجود نہیں ہوگا۔ یہی اسلامی نظام حکومت کی اصل روح ہے۔
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے کہ آپس میں مشورہ کر لیا کرو کہ اس میں نقصان
 نہیں ہونا بلکہ فائدہ ہی ہوتا ہے جب بہت سے لوگ مل کر اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے
 ہیں تو صحیح بات کھل کر سامنے آجاتی ہے حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ جس نے
 مشورہ کیا۔ وہ کبھی پشیمان نہیں ہوگا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود خلفائے راشدین
 اور اصحاب حل و عقد سے مشورہ طلب کیا کرتے تھے۔ اور فیصلہ شدہ معاملات
 پر عمل پیرا ہونے کا حکم ہے اور ان مشورے کی ضرورت نہیں مشورہ کرنا ہے تو موقع محل کی
 نزاکت کے مطابق صلح و جنگ کے معاملات میں مشورہ کرو۔ دوسری اقوام سے تعلقات
 کے قیام کے لیے آپس میں مشورہ کرو۔ اللہ نے قرآن میں اہل ایمان کی یہ تعریف فرمائی
 ہے وَ اَمَّا هُمْ شُوْعَبٌ بَيْنَهُمْ (الشوریٰ - ۳۸) ان کے معاملات
 آپس میں مشاورت سے طے پاتے ہیں۔

در بارہوں
 کا مشورہ

بہر حال ملکہ سب نے جب اپنے عمائدین سے مشورہ طلب کیا فَاَلْوَا نَحْنُ
اَوْ لَوْ قُوَّةٌ تو وہ کہنے لگے کہ ہم بڑے طاقتور ہیں۔ ہمارے پاس فوج اور پولیس
 ہے جو ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس ہے۔ رسد و کمک کی بھی کوئی کمی نہیں۔ ہمارے
 پاس ماہرین ضرب و حرب موجود ہیں۔ لہذا اَوْ لَوْ اَبَاسٍ شدید مذہم سخت
 جنگجو لوگ ہیں۔ لڑائی میں پشت پھیر کر بھاگنے والے نہیں ہیں۔ ہم آپ کے ایک اشارے
 پر جنگ میں کودتے ہیں اسکے باوجود وَاَلَمْ نُرِيكَ فَطْرَتِي مَا اَدَا تَاْمِيْنٍ معاملہ تمھارے ہاتھ
 میں ہے یعنی جنگ کا فیصلہ کرنا تمھارے اختیار میں ہے ہم تو تعیل حکم کے لیے بالکل
 تیار ہیں اور اگر آپ جنگ کی بجائے صلح صفائی کا فیصلہ کریں تو ہم پھر بھی حاضر
 ہیں۔ بہر حال ان لوگوں نے اپنی حیثیت کے مطابق رائے دی مگر فیصلہ ملکہ پر
 ہی چھوڑ دیا۔

ملکہ کے خیالات اس کی دانشمندی کو ظاہر کرتے تھے کہنے لگی قَالَتْ اِنَّ

ملکہ کی
 دانشمندی

الْمُلُوكِ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا جب فاتح بادشاہ کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو خراب کر دیتے ہیں۔ وَجَعَلُوا أَعْزَةَ أَهْلِهَا أَذَلَّةً اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل و خوار کر دیتے ہیں وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ اور عام طور پر وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ ملکہ سیانے یہ تجربے کی بات کی تھی جس کی ساری دنیا شاہد ہے۔ ہزاروں سال سے جنگ و جدل کا نتیجہ یہی نکلتا آ رہا ہے کہ مغتوج قوم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جاتی ہے لوگ اپنے مد مقابل کو کبھی برداشت نہیں کرتے کسی پر ذرا بھی شہ پر چلے تو اسے تھن تھن کر کے رکھ دیتے ہیں۔ فرعون کے واقعات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا تھا۔ فرود کا بھی یہی شیوہ تھا۔ مابعد زمانے میں چینگز اور ہلاکو کے مظالم کسے یاد نہیں۔ پھر انگریز کی باری آئی تو اس نے بھی ظلم و ستم ڈھانے میں کمی نہیں کی۔ چونکہ انگریزوں نے برصغیر میں مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی، اس لیے مسلمانوں کو وہ ہمیشہ دبا کر رکھتے تھے، چنانچہ انگریز کے ابتدائی دور میں بے شمار مسلمان مارے گئے، اور بہت سوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ دہلی میں گنگا ایڈورڈ روڈ پر اگلی مسجد تھی۔ جہاں شاہ عبدالقادر نے بارہ سال تک اعتکاف بیٹھ کر پہلا باجماورہ ترجمہ قرآن مکھا تھا۔ انگریزوں نے یہ مسجد بھی گرا دی تھی، جس کا آج نام و نشان تک باقی نہیں بخرغیہ ملکہ سیانے اپنے تجربے کی بنا پر ان خیالات کا اظہار کیا کہ اگر سلیمان علیہ السلام حملہ آور ہو گئے تو پھر ہمارے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے، لہذا اس خط کا جواب کسی بہتر طریقے سے دینا چاہیے نہ کہ فوراً اعلان جنگ کر دیا جائے۔

ملکہ کی طرف سے مخالفت

چنانچہ ملکہ سیانے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمانے کے لیے یہ فیصلہ کیا وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ میں ان کی طرف کچھ تحائف بھیجنے والی ہوں۔ فَلَنْظُرَ كَيْمَ يَجْعَعُ الْمُرْسَلُونَ پس دیکھتی ہوں کہ میرے بھیجے ہوئے لوگ کیا جواب لاتے ہیں، ملکہ سیانہ کا مقصد یہ تھا کہ اگر سلیمان علیہ السلام ملوک قسم کا مستبد آدمی ہے تو وہ تحفے تحائف لے کر خوش ہو جائے گا اور حملہ آور نہیں ہوگا اور

اگر وہ کوئی اچھا آدمی ہے تو پھر اس کے ساتھ اچھے طریقے سے نبٹا جائے گا۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ مکہ نے تحفے میں پانچ سو نوڈیاں، پانچ سو غلام اور سونے کی پانچ سو اینٹیں سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں بطور تحفہ ارسال کیں۔ یہودی روایات میں چھ ہزار نوڈیوں اور نو بصورت غلاموں کا ذکر آتا ہے۔ یہ سارا مال بحری راستے سے کشتیوں میں لا کر سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا گیا۔

دریں اثنا اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بذریعہ وحی خبر دے دی کہ ملکہ سبا ان کے لیے اس قسم کے تحائف بھیج رہی ہے۔ آپ نے اپنے دربار کے جنات کو حکم دیا کہ نو میل کی مسافت تک ایسی سڑک بنا دی جائے جس کا فرش سونے کی اینٹوں کا ہو۔ پھر سڑک کے کنارے ایسے جانور کھڑے کر دیے گئے جن کا بول و بلاز سونے کی اینٹوں پر پڑتا تھا۔ سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار کی بھی از سر نو تزئین کی۔ وہاں پر مختلف عمائدین حکومت کے لیے سونے کی بنی ہوئی کرسیاں اور صوفے سیدٹ لگائے۔ غرضیکہ انہوں نے حیرت انگیز طریقے سے شاہی دربار کو سجا دیا۔

مفسرین بیان کرتے ہیں۔ کہ جب ملکہ سبا کا قافلہ مذکورہ تحائف لے کر قریب پہنچا تو وہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ہم تو سونے کی صورت پانچ سو اینٹیں لائے ہیں جبکہ یہاں تو نو میل لمبی سڑک ہی سونے کی اینٹوں سے بنائی گئی ہے۔ انہوں نے اپنے تحائف کو سلیمان علیہ السلام کے مقابلے میں بالکل حقیر سمجھا۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے سونے کی پانچ سو اینٹیں وہیں پھینک دیں کہ اتنا تمہاری ساتھ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں کیسے پیش کریں گے؟ پھر جب وہ شاہی دربار میں پہنچے تو وہاں کی تزئین و آرائش اور دربار کے استقامات دیکھ کر کہہ سکتے ہیں آگے کہ ہم تو تحائف کے ذریعے سلیمان علیہ السلام کو مرعوب کرنا چاہتے تھے مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ بہر حال جب شاہی قافلہ سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچا تو آپ نے ان کا باوقار طریقے سے باعزت استقبال کیا، ان کو بہترین جگہوں پر بٹھایا اور ان کی خاطر مدارت کی۔ اب اگلی آیات میں واقعہ کا اگلا حصہ آ رہا ہے۔

فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ إِيَّاهُ
 أَتَمُنُّونَ عَلَيَّ إِذْ يَمُنُّونَ عَلَيَّ إِلاَّ أَن تَكُونَ
 إِتَيْنَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّا أَتَمُنُّونَ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدْيَتِكُمْ
 تَفْرَحُونَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَّا قَبْلَ
 لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا إِذْ لَّهُ وَهْمٌ صَاحِرُونَ ﴿۳۷﴾
 قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ
 أَن يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتُ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا
 آتِيْتُكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ
 لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ
 أَنَا آتِيْتُكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا
 رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي
 ءَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ
 لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴿۴۰﴾

ترجمہ :- پھر جب آیا (ملکہ سبا کا قاصد) سلیمان علیہ السلام کے پاس تو آپ نے کہا، کیا تم میری مدد کرتے ہو مال کے ساتھ پس جو اللہ نے مجھے دیا ہے وہ بہتر ہے اُس سے جو تمہیں دیا ہے۔ بلکہ تم لوگ اپنے مخالف کے ساتھ خوش ہو۔ ﴿۳۶﴾ واپس جاؤ اُن کی طرف

پھر ہم لائیں گے ان کے مقابلے میں ایسا لشکر کہ اُن میں اُس کے مقابلے کی طاقت نہیں ہو گی۔ اور ہم نکالیں گے اُن کو اُس سے بے عزت کر کے اور وہ خوار ہوں گے (۳۷) کہا (سلیمان علیہ السلام نے) اِنے دربار والے! تم میں سے کون ہے جو لائے میرے پاس اُس کا تخت قبل اس کے کہ وہ آئیں میرے پاس اطاعت گزار بن کر (۳۸) کہا ایک سرکش جن نے کہ میں لانا ہوں اُس کو آپ کے پاس قبل اس کے کہ آپ کھڑے ہوں۔ اپنے مقام سے اور میں اس پر قوی اور امانتدار ہوں (۳۹) کہا اُس شخص نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں لا دیتا ہوں آپ کو یہ (تخت) قبل اس کے کہ پیٹے آپ کی نگاہ آپ کی طرف (پھر ایسا ہی ہوا) جب دیکھا (سلیمان علیہ السلام نے) رکھا ہوا وہ (تخت) اپنے پاس تو کہا کہ یہ میرے پروردگار کے فضل سے ہے۔ وہ مجھ کو جانچنا چاہتا ہے کہ میں شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔ اور جو شخص شکر کرتا ہے، وہ اپنی ذات کے لیے کرتا ہے، اور جو ناشکری کرتا ہے، پس بیشک میرا پروردگار غنی اور عزت والا ہے (۴۰)

مگر سب نے اپنے درباریوں سے سلیمان علیہ السلام کی طرف سے جو خط کا ذکر کیا اور اُن سے مشورہ طلب کیا کہ ہمیں اس خط کا کس طریقے سے جواب دینا چاہیے۔ درباریوں نے کہا کہ ہمارے پاس جدید اسکھ سے لیس بہترین فوج ہے۔ رسد و ملک کی بھی کمی نہیں یعنی ہم خط بھیجنے والوں سے شکر لینے کے لیے پوری طرح تیار ہیں۔ مگر فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ جو تو چاہے گی ہم تعمیل کریں گے۔ اس کے بعد مگر نے یہ رائے ظاہر

رابطہ آیات

کی کہ تاریخ عالم بتاتی ہے کہ جب بھی کوئی بادشاہ کسی در سے نکلے پرحلہ آور ہوتا ہے تو اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا ہے اور اس کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر کے رکھ دینا ہے لہذا جنگ کوئی اچھی چیز نہیں، اس سے حتی الامکان بچنا چاہیے، ملکہ نے پھر خود ہی یہ راہ نکالی کہ میں ان کی طرف تحائف بھیج کر معلوم کرتی ہوں کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں، اور کیا چاہتے ہیں۔

قافلہ سیبا کی
۴۸ اور
وہابی

جیسا کہ میں نے کل عرض کیا تھا ملکہ نے بہت سے گمراہ قیمت تحائف دے کر ایک قافلہ سلیمان علیہ السلام کی طرف روانہ کیا تھا لطف میں زر و جواہرات کے علاوہ بہت سے لوڈ بھی غلام بھی تھے جنہیں بحری راستے سے روانہ کیا گیا۔ فلما جا جاؤ سلیمان جب یہ قافلہ سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا تو اس سے پہلے آپ ان پر عیب و بدبہ قائم کرنے کے لیے بہت سے انتظام کر چکے تھے جنہیں دیکھ کر اہل قافلہ کو اپنے تحائف پر سخت ندامت ہوئی، تاہم وہ سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچ گئے۔ ان کے تحائف دیکھ کر آپ نے فرمایا قَالَ اَتَمَدُّوْنِي بِمَالٍ کیا تم لوگ اس مال و دولت کے ذریعے میری مدد کرنا چاہتے ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مجھے ان چیزوں کی قطعاً حاجت نہیں کیونکہ فَمَا آتَيْنِي اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَيْتُمْ اللہ تعالیٰ نے مجھے تم سے بہتر عطا کر رکھا ہے، تم نے راستے میں دیکھا کہ جس ٹرک پر سے تم گزر کر آئے ہو وہ سونے کی اینٹوں کی بنی ہوئی ہے جس پر میرے مویشی بول و برباز کرتے ہیں۔ بھلا مجھے تمہاری ان پانچ سو سنہری اینٹوں کی کیا ضرورت ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ تمہیں تو اللہ نے صرف دنیا کا مال دیا ہے، لیکن مجھے اس مال کے علاوہ علم، دین، شریعت اور نبوت بھی عطا فرمائی ہے، لہذا مجھے جو کچھ عطا کیا گیا ہے وہ تم سے بدرجہا بہتر ہے جہاں تک فوج، لشکر اور سلمان ضرب و حرب کا تعلق ہے تو میرے پاس نہ صرف انانوں کی کثیر تعداد میں فوج ہے بلکہ جنات اور پرندوں کے لشکر بھی ہیں۔ اللہ نے تمام جانور بھی میرے تابع کر دیے ہیں۔ لہذا نہ تو تم مال میں مجھ سے زیادہ ہو اور نہ میدان جنگ میں میرا مقابلہ کر سکتے ہو۔ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدْيِكُمْ تَقْسَحُوْنَ بلکہ تم لوگ اپنے تحائف کے ساتھ خوش ہو۔

فرمایا رَجِعْ إِلَيْهِمْ وَالْأَسْرَاءُ وَالْوَالِدُونَ كَمَا كُنْتُمْ عَلَيْهِمْ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے فَلَمَّا تَدَبَّرْتَهُمْ فَجَنُودًا لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا تَوْبَعًا مِّمَّكَ وَالْوَالِدُونَ كَمَا كُنْتُمْ عَلَيْهِمْ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ ہم ان پر حملہ آور ہوں گے وَكُنْخِرْ جَنَّتَهُمْ مِّنْهَا آذَلَّةً اور انہیں ان کے ملک سے نکال دیں گے بے عزت کر کے وَهَمَّ صَغِيرُونَ اور وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے۔ ان کی سلطنت بھی چھین جائیگی اور ان کو قیدی بھی بنا لیا جائیگا۔

جب سب کا یہ قافلہ دہلی کی آئینہ پر نیام لے کر اپنے ملک واپس پہنچا تو ملکہ کو سارے حالات سے آگاہ کیا کہ سلیمان علیہ السلام کو تحائف کی ضرورت نہیں ہے، اللہ نے انہیں بہت کچھ دیا ہے، وہ تو صرف اطاعت چاہتے ہیں۔ ملکہ وانشمہ تھی فریاد کی تہ تک پہنچ گئی اور جنگ وجدل کی بجائے اطاعت گزاری اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ملکہ نے روانگی کی تاریخ مقرر کی اور بیع اپنے درباریوں کے شام و فلسطین کے سفر پر روانہ ہو گئیں تاکہ سلیمان علیہ السلام کے پاس خود حاضر ہو کر اپنی اطاعت گزاری کا یقین دلا سکیں۔

تخت بلقیس کا حصول

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو نظام ہری اور باطنی قوی سے نوازا تھا۔ سیدہ وحی بھی جاری تھا۔ جو بہنی ملکہ کا قافلہ سب سے روانہ ہوا، اللہ نے سلیمان علیہ السلام کو اطلاع سے دی جس طرح آپ نے پہلے قافلے والوں پر اپنی برتری کا اظہار کیا تھا، اسی طرح خود ملکہ کے سامنے بھی اس کا اظہار ضروری سمجھا اور اس کا طریقہ یہ اختیار کیا قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُؤُفْرَايَا، اے میرے دربار والو! آيُّكُمْ يَأْتِيَنِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ تم میں سے کون ہے جو ملکہ بلقیس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ لوگ مطیع ہو کر میرے پاس پہنچیں؟ مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ جان لیں کہ سلیمان علیہ السلام صرف بادشاہ ہی نہیں بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے فوق العادت قوت بھی رکھتے ہیں۔ مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ تخت بلقیس کو اس کے

اطاعت گزار ہو کر آنے سے پہلے لانا ضروری تھا کیونکہ اس کے ایمان لے آنے کے بعد اس کے کسی مال پر تصرف گزارا نہیں تھا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے صَنَعَ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ جس شخص نے کلمہ پڑھ لیا، اور مسلمان ہو گیا تو اب اس کا مال و جان میری طرف سے محفوظ ہو گیا۔ برتقابل کی حیثیت حربی کا فرکی ہو تو اس کے مال و جان میں تصرف روا ہے اسی لیے دورانِ جنگ حاصل ہونے والی کسی ایسی چیز کو مالِ غنیمت کہتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے جائز ہوتی ہے۔ ایسا مال یا تو مجاہدین میں تقسیم ہو جاتا ہے یا پھر بیت المال میں جمع ہو جاتا ہے۔ البتہ جب کوئی شخص، قوم یا قبیلہ اطاعت گزار بن جاتا ہے تو پھر اس کی مرضی کے بغیر اس کے مال و جان میں تصرف روا نہیں ہوتا۔

سرکش جن
کی پیشکش

بہر حال حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اہل سب کے فرمانبردار بننے سے پہلے پہلے بقیس کا تخت کون لائے گا؟ آپ کے دربار میں انسان اور جنات سب موجود تھے۔ چنانچہ قَالَ عَفْرَيْتُ مِّنَ الْجِنِّ ایک سرکش جن کہنے لگا أَنَا أَيْتُكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقْوَمَ مِنْ مَّقَامِكَ میں وہ تخت لے آؤں گا قبل اس کے آپ اپنے مقام سے اٹھ کھڑے ہوں۔ یہ مطلب یہ تھا کہ میں دربارِ نبویؐ سے پہلے پہلے تختِ بقیس کو حاضر کر دوں گا۔ اور ساتھ یہ بھی کہا وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ آہن میں اس کام کے لیے طاقت بھی رکھتا ہوں اور امانتدار بھی ہوں۔ یعنی وہ تخت بعینہ اصلی حالت میں پیش کر دوں گا، راستے میں اسکی چیز میں تصرف نہیں کروں گا۔ یہاں پر جن کے لیے سرکش کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جن انسانوں کی نسبت زیادہ لطیف اور زیادہ طاقتور ہے، اس لحاظ سے اُسے سرکش کہا گیا ہے مگر اس وقت سارے جن سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے اور آپ کے سامنے سرکشی کرنے یا حکم عدولی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اللہ نے سلیمان علیہ السلام کو اختیار دے رکھا تھا کہ اگر جنوں میں سے کوئی بھی آپسے سر تابی کرے تو آپ جو چاہیں اُسے سزا دے سکتے ہیں۔ چنانچہ جن آپ کے مکمل مطیع تھے آپ کے حکم سے بڑی بڑی عمارات

تعمیر کرتے تھے، سمندر سے بڑی بڑی چیزیں نکالتے تھے اور حسب ضرورت دھاتوں کو ڈھالنے کا کام بھی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض دیگر امور بھی انجام دیتے تھے۔ جو عام طور پر انسانوں کی طاقت سے باہر ہوتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں تو بحاری کاموں کے لیے بڑی بڑی مشینری ایجاد ہو چکی ہے مگر سلیمان علیہ السلام پر سارا کام جنوں سے لیتے تھے۔ ان کی اس طاقت اور زور آوری کی وجہ سے ہی اُس جن کو مکش جن کہا گیا ہے، اکر اُس نے دوبارہ بزور است ہونے سے قبل تخت بلقیس لے آنے کی پیش کش کی۔

جن کی اس پیش کش کے بعد قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ کہا اُس شخص نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ اَنَا اَتَيْتَكَ بِهِ قَبْلَ اَنْ يُّرَوِّدَكَ اَيْتِكَ طَرَفًا مِّنْ اَنْ تَحْت لے آتا ہوں قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف پلٹے یعنی میں آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت کو حاضر کر دیتا ہوں۔

عالم کتاب
انسان کی
پیش کش

یہ شخص کون تھا؟ اس کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم صحیح بات یہی ہے کہ وہ انسان ہی تھا۔ اُس کا نام اصف ابن برخیا تھا، اور وہ سلیمان علیہ السلام کا وزیر تھا۔ یہ شخص آسمانی کتابوں کا عالم تھا۔ نہایت نیک اور صاحب کرامت آدمی تھا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ شخص صدیقین میں سے تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ آنکھ جھپکنے میں تخت کا حاضر کر دینا صوفیائے کرام کی اصطلاح کے مطابق تصرف تھا جس کا متعلق عملیات سے ہوتا ہے بعض لوگ ایسے ایسے عمل کرتے ہیں جن کی وجہ سے بعض اوقات ناممکن بھی ممکن ہو جاتا ہے۔ عملیات کے ذریعے بیماری کو بھی سلب کیا جا سکتا ہے بعض تعویذ کرتے ہیں اور بعض کلام پڑھ کر بھونک مارتے ہیں جس کا فوراً اثر ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ سانپ کے کاٹنے کا دم کرتے ہیں جس سے زہر کا اثر فوراً زائل ہو جاتا ہے یہ مسہریم کی طرز کی چیز ہے جس میں عامل اپنی نگاہ کو کسی خاص چیز پر مرکوز کر کے اپنی ساری طاقت لگا دیتا ہے جس سے اُس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ معمولی بے ہوش ہو جاتا ہے، پھر وہ باتیں کرنے لگتا ہے اور بعض چیزوں کی نشاندہی بھی کرتا ہے تو بعض کہتے ہیں کہ یہ کوئی اس قسم کی بات تھی اہم زیادہ تر مفسرین اسے اصف بن برخیا کی طرف منسوب

اسمِ عظیم
کی برکت

کرتے ہیں چونکہ آدمی تھا، کتب سماویہ کا علم رکھتا تھا اور اس کے پاس اسمِ عظیم کا علم تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم نے پاک میں ایسے نام بھی ہیں کہ اِذَا دُعِيَ بِهِ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِهِ اَعْطِيَ جب کوئی شخص کسی ایسے نام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا ہے اور جب وہ کوئی چیز طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔ تو بعض کہتے ہیں کہ اُس عالم کتاب شخص نے اسمِ عظیم کے ذریعے دعا کی تو اللہ نے بقیس کا تخت فوراً حاضر کر دیا۔ اسمِ عظیم کو کسی خاص اسم کے ساتھ متعین نہیں کیا گیا بلکہ اجمالی طور پر ہی بتلایا گیا ہے کہ یہ فلاں کلمات میں پایا جاتا ہے۔ یہ الیٰہی مہم رکھا گیا ہے جیسے لیلۃ القدر اور جمعہ کے دن قبولیت دعا کا وقت مہم رکھا گیا ہے تاکہ تلاش بیان خود اس کی تلاش کریں۔ چنانچہ بعض اے یٰ اَسْحٰی یٰ اَقْبُوْهُ میں بتلانے ہیں اور بعض یٰ اَذِ الْجَلَدِ وَ اِلٰہِ الْکَلِمٰتِ میں بعض اسے سورۃ آل عمران کی ابتدائی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ پر محمول کرتے ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اُس شخص نے بارگاہِ ربوبت میں اس طرح دعا کی یٰ اِلٰہَہَا وَ اِلٰہِ کُلِّ شَیْءٍ اِلٰہًا وَّاحِدًا لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اِغْتِنِیْ بَعْدَ شَہْکَ اے ہمارے اور ہر چیز کے ایک مجموعہ تیرے سوا کوئی موجود نہیں۔ مجھے بقیس کا تخت لادے۔

اسمِ عظیم کے پڑھنے کے لیے بعض شرطیں بھی ہیں مثلاً یہ کہ عقیدہ صحیح اور رزق حلال ہو اور ان پوری دلجمعی کے ساتھ اللہ کے سامنے عاجزی اور نیاز مندی کا اظہار کرتے ہوئے پڑھے تو اس کے اثرات ضرور ظاہر ہوں گے۔ تو بعض نے تخت بقیس کی آمد کو اسمِ عظیم کی برکت قرار دیا ہے: ناہم صحیح ترین بات یہی ہے کہ یہ شخص مومن اور صاحبِ برکت آدمی تھا جس کی دعائے تخت فوراً حاضر کر دیا گیا۔

معجزہ اور
کرامت

اس بات پر سب متفق ہیں کہ اگر نبی کے ہاتھ پر کوئی خرق عادت بات ظاہر ہو تو وہ معجزہ کہلاتی ہے اور اگر کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے کرامت کہا جاتا ہے نیز جو ایسی چیز نبی کی موجودگی میں اسی کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ نبی کے اتباع اور اس کی

برکت سے ہوگی۔ معجزہ اور کرامت انان کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ جسے وہ انان کے ہاتھ پر ظاہر کر دیتا ہے۔ عام طور پر معجزہ یا کرامت غیر اختیاری چیز ہوتی ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کسی وقت کسی کو کوئی معجزہ یا کرامت عطا کر کے حسب ضرورت ظاہر کرنے کا اختیار دے تو ایسا بھی ممکن ہے۔ اسکی مثال موسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں جنہیں اللہ نے عطا فرمایا اور حسب ضرورت فرعون کے سامنے ظاہر کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ بہر حال معجزہ یا کرامت اللہ کا فعل ہوتا ہے نہ کہ کسی بندے کا۔ قرآن میں تصریح موجود ہے وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (الرعدہ - ۲۸) کسی رسول کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی نشانی پیش کر سکے مگر اللہ کے حکم سے تمام معجزات اور کرامت اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے ظاہر ہوتے ہیں کوئی نبی یا ولی جب چاہے اپنے اختیار سے ایسا نہیں کر سکتا۔

بہر حال یہ شخص صاحب کرامت تھا اور سلیمان علیہ السلام کی موجودگی میں اس کی حیثیت معجزے کی تھی۔ آپ خود بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی دعا کر سکتے تھے مگر اہل سیاق کو یہ یاد رکھنا ہوتا تھا کہ اگر سلیمان علیہ السلام کا ایک متبع ایسا کر سکتا ہے تو آپ کی حیثیت تو بہر حال اس سے اعلیٰ وارفع ہے۔

صاحب تفسیر منظر ہی اور بعض ذور کا صاحب فرماتے ہیں کہ علمہ صفت
الکتاب سے جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ مگر صحیح بات وہی ہے جو میں نے عرض کر دی کہ یہ کام آصف ابن برخیا کے ذریعے ہوا جو سلیمان علیہ السلام کا وزیر، کامل الایمان، متقی، پرہیزگار اور صاحب کرامت شخص تھا۔

صاحب تفسیر کبیر امام رازی نے عقلی بات کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سورج زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا سیارہ ہے جو کہ ایک سیکند میں ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل کی فاصلے طے کرتا ہے۔ جب اللہ نے اتنا بڑا اور اتنا تیز رفتار نظام قائم کر رکھا ہے تو اس کے مقابلے میں زمین اور شام کا فاصلہ ہی کتنا ہے کہ اس پر حیرانگی کا اظہار کیا جائے کہ

تخت بلقیس آٹھ چھپکنے میں کیسے پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو یہ ایک نہایت ہی معمولی سا کام ہے جو ہو گیا۔ دہاں پر ظاہری اسباب تو نہیں تھے۔ زمین کو شق کیا گیا یا وہ تخت ہوا کے دوش پر لایا گیا، جیسے بھی ہوا یہ کرامت تھی اور فی الواقعہ ایسا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ
کی شکر گزاری

فَلَمَّا رَأَاهُ مُسْتَقْبِلًا عِنْدَهُ جَبَّ سَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَعْتًا تَحْتَ بَلْقِيسَ كَمَا كَانَ
سائے موجود پایا۔ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي كُنْتُمْ لَكُمْ يَوْمَ يَوْمِ رَجُلٍ كَرِيمٍ
فضل سے ہے کہ اللہ نے میرے ایک ساتھی کے لحاظ پر یہ کام ظاہر کر دیا۔ اصل بات
یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اس مافوق العادت کرنے اپنا کمال ظاہر کیا ہے، نہ آصف
کا اور نہ کسی فرج کا، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے کہ اس کی مہربانی سے ہوا
پھر خود ہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ مہربانی ایسے کی ہے لَيْبُ لَوْ لِي عَرَأَشْتُكُمْ
آہ آکفرؤ تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں اس کا شکر یہ ادا کرتا ہوں یا نا شکر گزاری کرتا ہوں
حقیقت یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام قدم قدم پر اللہ کا شکر یہ ادا کرتے تھے۔ اللہ
نے حضرت داؤد علیہ السلام سے بھی فرمایا تَعَبُوا لِي عَمَلُوا لِي دَائِدَ شُكْرًا
وَقَلِيلٍ حَمِيمٍ عَبَادِي الشُّكْرُ (سبا - ۱۳) اے داؤد علیہ السلام کے گھر والو
اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو مگر میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے بہت
مقتورے ہیں۔ بہر حال انبیاء کا یہ خاندان اللہ کا ہمیشہ شکر ادا کرتا تھا۔

سلیمان علیہ السلام نے یہ بھی کہا وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ
جو کوئی شکر ادا کرتا ہے تو اس کا فائدہ خود اس کی ذات کو ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو تو اس
کی ضرورت نہیں ہے۔ شکر یہ ادا کیا جائے تو اللہ راضی ہوتا ہے۔ اس کا اعلان ہے
لَمِنْ شُكْرِكُمْ لَا زَيْدٌ لَكُمْ وَلَيْسَ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ
ابراہیم - ۷) اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو میں مزید انعامات سے نواز دوں گا
اور اگر تم ناشکری کرو گے تو پھر میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔ ناشکری کے نتیجے میں
اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور آفتیں اور مصیبتیں آتی ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ کا ہر نعمت پر
شکر ادا کرنا چاہیے۔

فرمایا جو شکر یہ ادا کرتا ہے اس کا فائدہ اسی کو ہوتا ہے وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَجَبٍ
 عَنِّي كَبِيرٌ اور جس نے ناشکری کی تو میرے پروردگار تو اس شکر یہ اور تعریف سے
 مستغنی ہے۔ اسے کسی کی تعریف کی حاجت نہیں۔ وہ ہر حالت میں تعریفوں والا ہے
 اور بڑا ہی عزت والا ہے۔ اس طرح گویا سلیمان علیہ السلام نے خود اللہ تعالیٰ کی نعمت
 کا شکر یہ ادا کیا، اس کی تعریف کی اور پھر شکر یہ کا فلسفہ بھی بیان کر دیا۔

قَالَ نَكُرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرَ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ
 مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا
 عَرْشُكَ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۖ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ
 قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ
 مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿۴۳﴾
 قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ
 لُجَّةً ۖ وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِهَا ۖ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُمَرَّدٌ
 مِنْ قَوَارِيرَ ۖ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ
 مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ :- کہا (سلیمان علیہ السلام نے) تبدیل کرو اس (بلقیس) کے لیے اُس کا تخت، تاکہ ہم دیکھیں کہ یہ سمجھتی ہے یا اُن لوگوں میں سے ہے جو نہیں سمجھتے ﴿۴۱﴾ پس جب وہ پہنچی (سلیمان علیہ السلام کے پاس) تو اس سے کہا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ وہ کہنے لگی، گویا کہ یہ وہی ہے۔ اور ہمیں علم دیا گیا تھا اس سے پہلے اور تھے ہم فرمانبردار کرنے والے ﴿۴۲﴾ اور روکا تھا اُس کو اُس چیز نے کہ وہ عبادت کرتی تھی اللہ کے سوا۔ یہ اس لیے کہ وہ کفر کرنے

والے لوگوں میں سے تھی (۴۲) کہا گیا اُس (عورت) سے کہ
 داخل ہو جاؤ محل میں۔ جب اُس نے دیکھا اُس کو ترکمان
 کیا اس کو پانی کی موج، اور اُس نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا
 اوپر اٹھا لیا۔ تو کہا (سیمان علیہ السلام نے) کہ یہ ایک محل
 ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ وہ کہنے لگی، اے
 میرے پروردگار! بیشک میں نے ظلم کیا ہے اپنی جان
 پر، اور میں اسلام لائی ہوں سیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ کے
 لیے جو تمام جانوں کا پروردگار ہے (۴۳)

رابط آیات

گذشتہ آیات میں سیمان علیہ السلام کے شرف اور آپ کی غیر معمولی قوت کا ذکر
 تھا جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی تھی۔ حضرت سیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے
 کہا کہ میرے پاس ملکہ سبا کا تخت کون لائے گا۔ ایک سرکش جن نے کہا کہ میں آپ
 کی مجلس برخواست ہونے سے قبل تخت کو لاسکتا ہوں۔ مگر سیمان علیہ السلام اس
 سے بھی جلدی کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ ایک عالم کتاب شخص نے کہا کہ میں وہ تخت
 آنکھ جھپکنے سے پہلے لاسکتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ملکہ کا تخت مکہ سبا سے
 فوراً یروشلم پہنچ گیا۔ سیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے وہ
 ہمارا امتحان لینا چاہتا ہے کہ ہم اُس کا شکر ادا کرتے ہیں یا ناشکر گزاری کے مرتکب
 ہوتے ہیں شکر ادا کرنے سے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ اس میں خوشگوار کا ہفاؤہ ہوتا ہے۔ اُس کے نفس کی بستری
 اور فضیلت ثابت ہوتی ہے، اُس کو درجہ ملتا ہے اور وہ مزید نعمت کا مستحق بن جاتا
 ہے۔ گویا سیمان علیہ السلام اللہ کے نہایت ہی شکر گزار بندے تھے۔ صاحب صحیفہ نبوی
 اور رسول تھے اور اللہ نے آپ کو بے مثال حکومت عطا فرمائی تھی۔

جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان کیا جا چکا ہے کہ ملکہ سبا سیمان علیہ السلام سے ملاقات کے
 لیے بنفس نفیس مکہ سبا سے روانہ ہو گئی۔ اس کے ساتھ اُس کے عمائدین سلطنت

ملکہ سبا کا
 پہلا امتحان

اس کے علاوہ ملکہ نے یہ اعتراف بھی کیا وَأُوْتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا اس بات کا علم تو ہمیں پہلے ہی ہو چکا ہے۔ ہم نے آپ کے کمال کے متعلق اپنے وفد کے ذریعے سے پہلے ہی سن رکھا ہے کہ اللہ نے آپ کو بے مثال برتری عطا فرمائی ہے۔ یہ اسی بات کا کرشمہ ہے کہ ہمارا تخت ہمارے ہونچنے سے پہلے یہاں موجود ہے حالانکہ ہم اسے محل میں مقفل کر کے روانہ ہوئے تھے مطلب یہ کہ ہمیں آپ کے کمالات کا علم دے دیا گیا تھا۔ وَكُنَّا مُسْلِمِينَ اور ہم تو پہلے ہی تسلیم کر چکے تھے، ہم آپ کی صداقت کو تسلیم کر چکے ہیں کہ آپ عام دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں بلکہ آپ کے فضائل و کمالات بجا تبارک ہیں۔ اسی لیے ہم نے جنگ و جدل کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے تسلیم و رضا کا سہل اختیار کیا ہے۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ملکہ مطلقاً سنی ہی سمجھو اور عورت تھی اور وہ حقیقت کو پہلے ہی پا چکی تھی تو پھر اس نے وہیں پر اس کا اظہار کیوں نہ کیا اور اس نے سَلَامٌ عَلَيْهَا کے پاس آکر اسلام کیوں قبول کیا؟ اللہ نے آگے اس کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے وَصَدَّقَهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ اس کو روک دیا تھا ایمان لانے سے ان چیزوں نے جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتی تھی، إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَفَرٍ بیشک وہ کافر قوم کی ایک فرد تھی۔ مطلب یہ ہے کہ اس کافر قوم کے کفر پر اور شکر کی رسم و رواج اور طور طریقوں نے ملکہ کو ایمان لانے سے روک رکھا تھا۔ اکثر لوگ اپنی جاہلانہ رسم و رواج میں پھنس کر ہی ہدایت سے محروم ہوتے ہیں۔ اس زمانے کا حال بھی مختلف نہیں۔ پوری کی پوری قومیں محض رسم و رواج کی پابند ہو کر رہ گئی ہیں۔ کوئی اکاد کا بھیدار آدمی ہو بھی تو وہ بھی انہی کے طور طریقوں پر چلنے پر مجبور ہوتا ہے۔ آج بھی لوگ کسی حقیقت کو سوچنے سمجھنے کی بجائے ٹیکر کے فقیرانہ کہ ہدایت سے محروم ہیں۔ عام قوموں، فرقوں اور جماعتوں کا بھی یہی حال ہے۔

بعض آدمیوں کے بارے میں حیرت ہوتی ہے کہ بڑے بڑے دانشور، بیسٹری اور باریک بین ہونے کے باوجود کفر و شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ ملکی اور خاندانی رسم و رواج ان کے مزاج میں رچ بس چکا ہوتا ہے۔ جس سے چھٹکارا ممکن نہیں

ہوتا۔ ہندوؤں میں گاندھی کوئی بیوقوف آدمی تو نہیں تھا، نہرو بین الاقوامی حیثیت کا حامل تھا ہمارے ہاں نظر اللہ قادیانی بڑا قابل آدمی تھا، مگر یہ سب لوگ باپ دادا کے رسم و رواج پر ہی اٹھے ہے۔ ہدایت کی بات پر غور ہی نہیں کیا۔

حضرت مولانا شیخ الحداد وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ کا ترجمہ یہ کرتے ہیں "سیلمان علیہ السلام نے روک دیا اس عورت کو اس چیز سے جس کی وہ عبادت کرتی تھی اللہ کے سوا" گویا آپ نے یقین پر واضح کر دیا کہ اب کفر و شرک کی بات نہیں چلے گی اور نہ سورج کی پرستش ہوگی جو ایسا کہے گا کہ سزا پائے گا۔ اہم پہلے معنی زیادہ متبادریں کہ "ملکہ کو غیر اللہ کی پوجا کی نیرالی چیزوں نے ایمان لانے سے روک رکھا تھا" ملکہ پہلے امتحان میں تو پاس ہو گئی کہ اس نے اپنے تخت کو بھی پہچان لیا۔ اور پھر اعتراف حقیقت کر کے ایمان لے آئی۔ اب سیلمان علیہ السلام نے اسے دوسرا امتحان میں ڈالا۔

ملکہ کا دوسرا امتحان

قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ اس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ۔ فَلَمَّا رَأَتْهُ جب اُس نے اندر داخل ہو کر دیکھا حَسِبَتْهُ لُجَّةً تو اس کو پانی کی موج گمان کیا محل کا فرش اس طرح گنگایا گیا تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ ایک پانی کا تالاب ہے جس میں مچھلیاں اچھل کر در رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ پانی میں سے گزرتے وقت انسان اپنے کپڑے سمیٹ لیتا ہے تاکہ بھگتے نہ پائیں۔ چنانچہ ملکہ نے بھی ایسا ہی کیا وَكَشَفَتْ عَنْ سَائِقِيهَا اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اُڈ پر اٹھالیا۔ اس امتحان میں وہ تامل ہو چکی تھی۔ دراصل اُسے پانی میں سے نہیں گزرنے کا تھا بلکہ شیشے کے سینے ہوئے فرش پر سے گزرنے کا تھا جس کے نیچے بہتا ہوا پانی صاف نظر آ رہا تھا۔ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُمَدَّدٌ مِنْ قَوَارِيرِ سَيْلَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

نے ملکہ سے کہا کہ تمہیں غلطی لگی ہے کہ یہ ایسا محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ یعنی محل کا فرش ہی شیشے کا بنا ہوا ہے جس کے اوپر سے گزرنے سے اندھنیاں پر پنڈلیاں کھولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملکہ کو پانی پر سے گزرنے کا مقصد یہ تھا کہ سیلمان علیہ السلام ملکہ کی پنڈلیاں دیکھتا چاہتے تھے کیونکہ انہوں نے سُن رکھا تھا کہ اُس کی پنڈلیوں پر بال بہت زیادہ ہیں۔ ملکہ کو جہنم کی بیٹی بھی کہا گیا ہے۔ بہر حال یہ سب تفسیری

روایات میں جن کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

جب ملکہ اس دوسرے امتحان میں ناکام ہو گئی تو اُسے اپنی کم ہانگی کا احساس ہوا تو قائلت کہنے لگی رَبِّ اِنَّ ظَلَمْتُ نَفْسِي پروردگار! بیشک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے کہ میں اب تک کفر و شرک میں مبتلا رہی ہوں۔ اور کفر و شرک کی حقیقت یہ ہے کہ یہ محض ایک دھوکہ ہے۔ جن طرح ملکہ کو پانی کا دھوکہ ہوا اسی طرح کافروں اور مشرکوں کو دھوکہ ہوتا ہے وہ ایسی چیزوں کو معبود بنا لیتے ہیں، اُن کی غائت درجہ کی تعظیم کرتے ہیں، اُن کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے ہیں جن میں کوئی صلاحیت نہیں ہوتی، اور اس طرح وہ خدا تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک بنانا یا اس کے اختیار میں شریک بنانا سب دھوکہ ہے۔ بعض نادان سمجھتے ہیں کہ یہ معبود سہار گئی کو پار لگا دیں گے، کوئی مریض کی شفا یابی کے لیے غیر اللہ کی پوجا کرتا ہے۔ کوئی جنوں اور انانوں سے مدد مانگتا ہے۔ کوئی قبروں پر ماتھا رکھتا ہے کوئی اولیاء اللہ کے نام کی دوائی دیتا ہے، کوئی اصنام و اشجار کو حاجت ردا اور مشکل کشا سمجھتا ہے، کوئی پانی، ہوا اور سورج کی پوجا کرتا ہے، کوئی سناٹوں کو با اختیار سمجھتا ہے، غرضیکہ شرک کے ہزاروں راستے ہیں جو کہ سرسمر دھوکہ ہے۔ ملکہ سب نے یہی الیاسی دھوکہ کھیا یا دھوکہ خوراً سمجھ لیا اور اپنے آپ پر ظلم کرنے کا اعتراف کر لیا۔ اور پھر واضح ظہر پر اقرار کیا۔ وَاسْتَلَمْتُ مَعَ سَيِّئَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ اب میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ پروردگار عالم پر ایمان لایچی ہوں۔ اپنی سابقہ غلطی کا اقرار کرتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ اللہ رب العالمین کے سوا کوئی قادر مطلق ہے اور نہ نافع اور حار۔ اُس کے سوا کوئی خالق نہیں کسی مریض کو کوئی شفا نہیں دے سکتا اور نہ کسی کی کوئی بگٹی بنا سکتا ہے۔ تمام اختیارات اللہ رب العزت کے پاس ہیں اور میں نے اُسی کے سامنے سر نیاز خم کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ یہاں تک ہی بیان فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی باتیں تفسیری اور تاریخی روایات میں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ملکہ کا نکاح سلیمان علیہ السلام سے ہو گیا تھا۔ بعض اس کا انکار کرتے ہیں۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کو اپنے وطن واپس

ملکہ کا اسلام
لے آنا

لوٹا دیا تھا اور ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ وہاں جا کر نکاح کر لینا مگر اس نے غدر پیش کیا کہ میری برابر ہی
 کا تو کوئی شخص نہیں ہے میں نکاح کس سے کروں۔ سلیمان علیہ السلام نے اُسے سمجھایا کہ اسلام میں
 ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔ تم جہاں چاہو نکاح کر سکتی ہو۔ چنانچہ ملکہ کا نکاح مین کے شہزادے
 سے ہو جس کا ذکر قرآن پاک میں بھی موجود ہے، پھر سلیمان علیہ السلام نے اپنی طرف سے
 جنات کو مامور کر دیا کہ ان کی خدمت کریں اور ضروریات کی اشیاء ہم پہنچائیں۔ یہ سب
 تفسیری اور غیر یقینی روایات ہیں۔ کچھ بات وہی ہے جو اللہ نے قرآن میں بیان کر دی ہے
 کہ اللہ نے سلیمان علیہ السلام کو بے مثال حکومت عطا فرمائی تھی اور یہ کہ ملکہ سیانے اپنی غلطی
 کا اعتراف کیا اور آخر میں کفر شرک سے بیزار ہو کر ایمان لے آئی۔

وَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا
 اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَيْنِ يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٥﴾ قَالَ لِقَوْمِهِ
 تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۗ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ
 اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا أَطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ
 مَعَكَ قَالَ طَيْرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّفْتِنُونَ ﴿٤٧﴾
 وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي
 الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿٤٨﴾ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ
 لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ
 أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٤٩﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا
 وَهُمْ لَا يُشْعُرُونَ ﴿٥٠﴾ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
 مَكْرِهِمْ ۗ أَنَا دَمَّرْتَهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥١﴾ فَتِلْكَ
 بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةٌ بِمَا ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً
 لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾ وَاجْبِنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنَّا
 وَكَانُوا

يَتَّقُونَ ﴿٥٣﴾

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا قوم ثمود کی
 طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو کہ ان لوگوں سے
 کوہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی۔ پھر وہ ہو گئے آپس میں دو

فرقے اور جھگڑنے لگے (۴۵) کہا (صالح علیہ السلام نے) اے میری قوم کے لوگو! کیوں جلدی کرتے ہو تم برائی کے ساتھ بھلائی سے پہلے۔ کیوں نہیں تم بخشش طلب کرتے اللہ سے تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۴۶) وہ کہنے لگے کہ ہم منحوس سمجھتے ہیں سمجھ کر اور جو تیرے ساتھ ہیں۔ کہا (صالح علیہ السلام نے) تمہارا شگون اللہ کے پاس ہے۔ بلکہ تم فتنے میں ڈالے جاتے ہو (۴۷) اور تمہیں لو شخص جو فساد کرتے تھے زمین میں اور نہیں اصلاح کرتے تھے (۴۸) کہا انہوں نے قسم کھاؤ اللہ کے نام کی کہ ہم رات کے وقت صالح علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں کو حملہ کر کے ہلاک کر دیں گے۔ پھر کہیں گے ہم اُن کے وعویدار سے کہ ہم نہیں حاضر ہوئے اُن کے اہل کے ہلاک ہونے کے وقت، اور ہم سچے ہیں (۴۹) اور تدبیر کی انہوں نے تدبیر کرنا۔ اور ہم نے بھی تدبیر کی ایک تدبیر۔ اور وہ نہیں سمجھتے (۵۰) پس دیکھو کیا ہوا انجام اُن کی تدبیر کا۔ بیشک ہم نے اُن کو ہلاک کر ڈالا اور اُن کی قوم سب کو (۵۱) پس یہ اُن کے گمراہ ہوئے گھر ہیں، اس وجہ سے کہ انہوں نے ظلم کیا۔ تحقیق اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں (۵۲) اور بجایا ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے، اور وہ بچتے تھے (۵۳)

گزشتہ رکوع میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام اور اُن پر کیے جانے والے
الغامت کا ذکر کیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم، طاقت اور بے مثال سلطنت عطا فرمائی

سیمان علیہ السلام ان انعامات پر اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ شکر ادا کرتے تھے۔ اب آج کے درس میں اللہ نے قوم ثمود کا حال بیان کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اہل عرب اور دوسری نافرمان اقوام ان واقعات سے عبرت حاصل کریں۔

سیمان علیہ السلام اور قوم ثمود کے واقعات میں کسی قدر مماثلت بھی پائی جاتی ہے، جس کی وجہ سے دونوں اقوام کے حالات میں باہم ربط ہے۔ مثلاً سیمان علیہ السلام کے زمانے کی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اللہ نے ان کے لیے جنات، پرندوں اور ہوا کو مخرم کر دیا تھا اور آپ جیسے چاہتے ان سے کام لیتے تھے۔ ادھر صالح علیہ السلام کے واقعات میں حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ قوم کی فرمائش پر اللہ نے چٹان میں سے ایک بہت بڑی اونٹنی نکالی۔ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر بھی ہوا تھا، وہاں بھی حیرت انگیز نشانیاں ظاہر ہوئیں۔

صلی علیہ السلام
کی بعثت

انبیاء علیہم السلام کے تذکرے کے سلسلے میں پہلے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو علم عطا کیا جس سے مراد نبوت، رسالت اور وحی الہی ہے کہ صرف ہی یقینی علم ہے یہ دونوں باپ بیٹا اللہ کے نبی، خلیفہ اور حاکم وقت تھے۔ اب حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلَيْكَ ثَمُودَ اِذَا هُمْ صٰلِحًا الذّٰی تَحْقِیْقُ ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ آپ بھی عظیم المرتبت صاحب شریعت رسول اور نبی تھے۔ آپ کا ذکر اس سے پہلے بھی مسورتوں میں آچکا ہے اور آئندہ بھی آخری پارے تک آپ کا ذکر خیر آئے گا۔ قوم ثمود وادی حجر میں حجر اور توبک کے درمیان آباد تھی۔ حجر سے لے کر وادی قریٰ تک اس قوم کے سترہ سو قصبات اور لیتیاں آباد تھیں جن میں حجر بڑا متمدن اور مرکز شہر تھا۔ یہ عام طور پر تاجر پیشہ لوگ تھے۔ صنعت و حرفت بھی کرتے تھے، اور ان کے باغات بھی تھے جہاں یکھیتی باڑی کرتے تھے۔ صالح ابن عبید علیہ السلام بھی اسی قوم کے فرد تھے اس لیے آپ کو قوم کا بھائی کہا گیا ہے۔

بہر حال جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر قوم کی طرف بھیجا تو آپ نے سب سے

پہلے قوم کو یہی پیغام پہنچایا اَنْتِ اعْبُدُوا اللّٰهَ لوگو! عبادت صرف اللہ کی کرو! اسی کو وحدہ لا شریک مالم اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اُن لوگوں نے اپنی مختلف عبادت کے لیے مختلف مجبود بنا رکھے تھے۔ پھر حبیب صالح علیہ السلام نے اُن کو پیغام حق سنایا فَاِذَا هُمْ قَرِيْقِيْنَ يَخْتَصِمُوْنَ تیرو دو گروہ بن کر آپس میں جھگڑنے لگے۔ ظاہر ہے کہ ایک گروہ ایمانداروں کا بن گیا جو صالح علیہ السلام پر ایمان لے آئے اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لیا، اور دوسرے گروہ کافروں اور منافقوں کا تھا۔ جنہوں نے صالح علیہ السلام کی بات کو قبول نہ کیا۔ یہ لوگ بڑے سرکش، مجرم اور گنہگار تھے، لہذا ان دونوں کا آپس میں الجھاؤ ایک قدرتی امر تھا۔ البتة اهل الایمان کمزور اور تعذر میں بھی کم تھے۔ جب کہ نافران لوگ بڑے طاقتور، مغرور اور لہری میں بھی بہت زیادہ تھے۔ اس چیز کا اشارہ سورہ عرفان میں بھی ہے قَالَ الْمَلَا الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِيْنَ اسْتَضَعُّوْا لِمَنْ اَمْنٌ مِنْهُمْ (آیت - ۷۵) مغرور اور سرکش لوگوں نے اہل ایمان کو کمزور لوگوں سے کہا کہ کیا تم صالح علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کرتے ہو؟ انہوں نے مثبت میں جواب دیا تو انہوں نے کہا کہ ہم تو نہیں مانتے بلکہ ہم تو انکار کرتے ہیں جب صالح علیہ السلام اُن کو آنے والے عذاب سے ڈراتے تو وہ آگے سے دھکیاں دینے لگتے اور کہتے يُصْلِحْ اَنْتَ لِمَا لَعَدْنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (الاعراف - ۷۷) اے صالح علیہ السلام، اگر تو سچا ہے تو ہم پر وہ عذاب لے آجس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے۔ اس کے جواب میں قَالَ يَقُوْمُ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ صالح علیہ السلام نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! جبلائی سے پہلے برائی کے لیے کیوں جلدی کرتے ہو۔ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش طلب کرنے کی بجائے اپنے اذیت عذاب کا مطالبہ کر رہے ہو۔ یہ کس قدر حماقت کی بات ہے كُوْلًا تَسْتَفْتِرُوْنَ اللّٰهَ تم اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کیوں نہیں مانگتے لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُوْنَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اگر اللہ کی طرف رجوع کرو گے، برائیوں سے باز آ جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرما کر تمہاری سابقہ گناہیاں معاف کر دیکر تم کو اللہ تعالیٰ کا مطالبہ کر رہے

صالح علیہ السلام
کی نصیحت

ہو۔ کتنی عجیب اور نقصان دہ بات ہے۔ اس قسم کی الٹ دماغی صورت قوم ثمود کا ہی حصہ نہیں تھا بلکہ دیگر نافرمانوں نے بھی ایسا ہی مطالبہ کیا۔ چنانچہ شعیب علیہ السلام کی قوم نے بھی آپسے ہی مطالبہ کیا فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (الشعرہ ۱۸۷) اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے، اور یہی بات حضور علیہ السلام کے زمانے کے مشرکوں نے بھی کی تھی۔ اَوْسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمَتْ عَلَيْنَا كِسْفًا رَبِّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ (۹۲) کہ ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے اس قسم کی باتیں وہ اپنے غرور و تکبر کی بنا پر کہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور ہم اسی طرح عیش و عشرت کرتے رہیں گے۔ مگر جب کسی قوم پر عذاب آیا تو پھر ان کی جڑ بنیاد ہی اکھاڑ کر رکھ دی گئی۔

اللہ کے ہر نبی نے اپنی اپنی قوم کو محبت اور پیار کے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانے۔ اللہ نے یہاں پر صالح علیہ السلام کی قوم کا ذکر کیا ہے کہ جب آپ نے نصیحت آموز باتیں کیں قَالُوا طَيِّبْنَا بِكَ وَكَمْ مَعَكَ تَبَوُّهُ كَفُّوا لِي صٰلِحٍ (علیہ السلام) ہم تجھے اور تیرے ایماندار ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔ تمھارے منحوس قدم پڑے ہیں۔ تو ہمارے ہاں قحط پڑ گیا ہے۔ بارش رُک گئی ہے اور ہم پر طرح طرح کی مصیبتیں وارد ہو رہی ہیں۔ گھر گھر میں لڑائی شروع ہو گئی ہے، باپ بیٹے سے اور بھائی بھائی سے کچھ رُک رہے۔ اسی طرح خاندان اور بیوی کے درمیان مخاصمت پیدا ہو چکی ہے، یہ سارے فتنے تمھاری نحوست کی وجہ سے برپا ہو رہے ہیں۔ جب سے تم نے ہمیں وعظ کرنا شروع کیا ہے ہمارا خانہ خراب ہو گیا۔ اس کے جواب میں قَالَ صٰلِحٌ عَلٰیہِ السَّلَامُ لَنْ يَكُوْنُ كَمَنْ عِنْدَ اللّٰهِ تَمَّارًا شٰكُوْنَ يَا بَرِّیْ قَمْتٌ تُوَالُّكَ كَمَا يُوَالُّكَ الْاَشْقٰی (۱۰۷) اس میں کسی مخلوق کا کوئی اختیار نہیں۔ یہ تکلیفیں میرے اور میرے ساتھیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ تمھاری بد اعمالیوں، کفر، شرک اور معاصی کی وجہ سے آ رہی ہیں۔

طیروے شگون کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ طیر کے مادہ سے ہے۔ پہلے زمانے میں لوگ پرندوں کو اڑا کر شگون لیا کرتے تھے۔ مثلاً پرندے کو اڑایا۔ اگر وہ اڑا کر دائیں طرف

گیا تو نیک شوں لینے کہ مطلوبہ کام بن جائیگا۔ اور اگر پرندہ بائیں طرف چلا جائے تو شوں بد سمجھتے کہ ہمارا یہ کام یا یہ تکمیل کو نہیں پہنچے گا، لہذا اس کو ترک کر دیتے۔ حدیث میں آتا ہے۔
الطَّيْرَةُ مِنَ الشِّرْكِ یعنی شوں لینا شرک کی ایک قسم ہے۔ یہ بیماری آج بھی پائی جاتی ہے۔ کہیں تو بیٹھا دیکھ لیا تو اسے ویرانی پر محمول کر دیا۔ گھر سے نکلے وقت اگر کالی بلی نے راستہ کاٹ دیا تو برا شوں سمجھ لیا کہ اب کام نہیں ہوگا، واپس چلے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما نے جب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اسلام لائے تو انہوں نے عرض کیا مَنْ تَطَلَّعَ رُؤْيَا یعنی جاہلیت کے زمانے میں ہم پرندوں کو اڑا کر شوں لیا کرتے تھے، یہ کیسا ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ محض وہم ہے اور اسے کسی کام میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے بلکہ اپنا کام جاری رکھو اور شوں کی بنا پر کسی کام کو ترک نہ کرو، جو شخص شوں کو ٹوٹا سمجھتا ہے وہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔

توصاح علیہ السلام نے قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم ہماری موجودگی کو برا شوں قرار دیتے ہو۔ حالانکہ تمہارا شوں تو اللہ کے پاس ہے۔ وہ تمہاری شرارتوں کی وجہ سے قحط سالی اور دوسری مصیبتیں لاتا ہے۔ یہ سب تمہارے شرک کی نحوست ہے جسے تم ہماری طرف منسوب کر رہے ہو۔ فرمایا حقیقت یہ ہے بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّفْتِنُونَ کہ تم لوگ فتنے میں ڈالے گئے ہو۔ اللہ نے تمہیں آزمائش میں ڈال رکھا ہے مگر تم نہ کام ہو رہے ہو۔

شوں کے نو
 غنڈے

اِشَاد ہوتا ہے وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةً رَهْطًا شہر حجر میں غنڈہ قہم کے نو آدمی تھے۔ دراصل رَهْطًا تین سے لے کر نو تک کے گروہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ بد قماش قہم کے نو اشخاص تھے يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ جو زمین میں فساد کرتے تھے، ان کا کام بھی مار دھاڑ، لوٹ مار، قتل و غارت اور غنڈہ گردی تھی، دراصل یہ نو خاندان تھے جن میں سے ہر قبیلے کا ایک ایک نمائندہ مل کر یہ گروہ بن گیا تھا اور انہوں نے غنڈہ گردی کا بازار گرم رکھا تھا۔ آج کی اصطلاح میں انہیں بستہ "رب" کے بد معاش کہا جاسکتا ہے۔ یہ لوگ صرف معاشرتی طور پر بد معاش

گھر پر شیخون مارنے کا پروگرام بنایا تاکہ آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو بیک وقت ختم کر دیا جائے۔

تذییر خلدی

اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے بھی ایک تدبیر کی وَمَكَرْنَا مَكْرًا اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی اور ہماری تدبیر ایسی تھی وَهَمُّوْا لَيْسَعُوْدًا جس کا وہ شعور نہیں رکھتے تھے یعنی ہماری منصوبہ بندی کی وہ گمراہ تک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے چنانچہ جب یہ لوگ رات کے وقت حملہ کرنے کے لیے نکلے تو اللہ نے انہیں راستے میں ہی ہلاک کر دیا اور یہ صالح علیہ السلام تک پہنچنے ہی نہ پائے۔ ان لوگوں کی ہلاکت کے متعلق تین قسم کی تفسیری روایات ملتی ہیں ایک یہ کہ ان پر آسمان سے پتھر برسائے گئے، دوسری یہ کہ ان پر آپ سے ایسی چیخ مسلط کی گئی جس سے ان کے جگر پھٹ گئے۔ اور ہلاک ہو گئے، تیسری روایت یہ ہے کہ ان کو زمین میں دھنسا کر ہلاک کیا گیا۔ یہ تو آدمی تو اس طرح مارے گئے اور باقی نافرمانوں کے متعلق سورۃ ہود میں ہے کہ اللہ نے اُن سے فرمایا تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعَدُوْعٰی مَكْدُوْبٍ (آیت - ۶۵) اپنے گھروں میں تین دن تک ناگوار اٹھا لو۔ یہ ایسا وعدہ ہے جو بھجھوٹا نہیں ہوگا۔ چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا کہ تین دن کے بعد ساری قوم ہلاک ہو گئی۔ ایک سخت کڑک اور زلزلے نے انہیں آنکھوں دیکھتے اس طرح الٹا کر رکھ دیا گویا وہ کبھی وہاں آباد ہی نہ تھے۔

فرمایا فَالْظُّرُّ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ پھر دیکھو، ان کی تدبیر کا کیا انجام ہوا۔ اِنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو مٹا دیا۔ کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑا۔ ان کی بتیاں نثانِ عبرت بن گئی تھیں قَتَلَكْ بِيُوْدِهِمْ خَاوِيَةً مِّمَّا ظَلَمُوْا پس یہ ہیں ان کے گھرے پڑے گھر ان کے ظلم کی وجہ سے۔ یہ لوگ بڑے صنّاع اور صنعتکار تھے۔ پہاڑوں کو کھود کھود کر عالیشان نقش و نگار والے مکان بناتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ آج ان کے محلات کے کھنڈرات ہی باقی رہ گئے ہیں جو لوگ وادیِ تبوک سے

سے گزرتے ہیں، یہ کھنڈرات آج بھی اُن کو دعوتِ فکری دیتے ہیں کہ دیکھ لو ظلم و ستم کھٹنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ بیشک اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو علم اور سمجھ رکھتے ہیں۔ نصیحت کی یہی بات اللہ تعالیٰ مشرکین مکہ اور دیگر نافرمان اور مغرور لوگوں کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ اللہ کے نبی کی مخالفت اور اس کو ہلاک کرنے کی کوشش کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہلاکت کا منصوبہ بنا کر والوں کو پہلے ہی ہلاک کر دیا اور اس قوم کے کھنڈرات پوری۔ ان نیت کیلئے درسِ عبرت بنے ہوئے ہیں۔

فرمایا وَاٰجِبِيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور ہم نے اہل ایمان کو اس عذاب سے بچالیا۔ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والے بھی ہزاروں آدمی تھے جو اللہ کی گرفت سے محفوظ رہے۔ ایک تو وہ ایمان لانے کی وجہ سے بچ گئے اور ان کی دوسری صفت یہ تھی وَكَانُوا يُتَّقُوْنَ کہ وہ کفر، شرک اور معاصی سے بچتے تھے۔ حدودِ شرع کی حفاظت کا نام ہی تقویٰ ہے۔ انہوں نے ایمان لانے کے بعد تقویٰ کو اختیار کیا اور اس طرح عذابِ الہی سے بچ گئے۔ جب کہ باقی ساری قوم ہلاک کر دی گئی۔

وَلَوْ طَا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ
 تُبْصِرُونَ ﴿۵۳﴾ أَيْبِكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ
 النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۵۴﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ
 قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ
 إِنَّهُمْ أَنْأَسُ يَتَطَهَّرُونَ ﴿۵۵﴾ فَأَجْبَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ
 قَدَّرْنَا مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۵۶﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا
 فَسَاءً مَطَرًا الْمُنذِرِينَ ﴿۵۷﴾

۲۰۳

ترجمہ:- اور لوط علیہ السلام (کو بھی ہم نے رسول بنا کر بھیجا)
 جب کہا انہوں نے اپنی قوم سے - کیا تم بے حیائی کا کام
 کرتے ہو اور تم دیکھتے ہو ﴿۵۳﴾ کیا تم دوڑتے ہو مردوں
 پر شہوت رانی کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر، بلکہ تم جاہل لوگ
 ہو ﴿۵۴﴾ پس نہیں تھا جواب ان کی قوم کا مگر یہ کہ وہ
 کہتے تھے کہ نکال دو لوط علیہ السلام کے گھرانے کو اپنی بستی
 سے، بیشک یہ لوگ ستھرے بنتے ہیں ﴿۵۵﴾ پس ہم نے
 نجات دی اُس (لوطؑ) کو اور اس کے گھر والوں کو مگر
 اُس کی بیوی - ہم نے مقدر کر دیا تھا کہ وہ پیچھے رہنے
 والوں میں ہوگی ﴿۵۶﴾ اور برساتی ہم نے اُن پر بارش - پس
 برسی ہوئی بارش اُن لوگوں کی جو ڈرانے ہوئے ہیں ﴿۵۷﴾

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کا ذکر کیا کہ ان کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ اللہ نے ان کے ہاتھ پر اونیٹھی کی حیرت انگیز نشانی ظاہر فرمائی مگر قوم نے اس کا انکار کیا اور صالح علیہ السلام کو ختم کر دینے کا منصوبہ بنایا۔ اللہ نے ان کی تذبذب کو ناکام بنایا، وہ صالح علیہ السلام کو قتل نہ کر سکے البتہ خود ہی اللہ کے عذاب کا شکار ہو کر ہلاک ہوئے۔ اللہ نے یہ واقعہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مشرکین کی نصیحت اور عبرت کے لیے بیان کیا۔ اب اسی طرح لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات کا ذکر ہو رہا ہے وہ لوگ بھی ان کے وعظ و نصیحت کو برداشت نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں اپنے راستے میں ایک رکاوٹ سمجھتے تھے۔ انہوں نے بھی لوط علیہ السلام کو ختم کرنے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت ترین عذاب کا شکار ہوئے۔

یہ لوگ بحرِ میت کے اطراف میں شرقِ اردن کے علاقے میں آباد تھے۔ ان کی زرعی زمینیں اور باغات تھے جو کہ بڑا زرخیز علاقہ تھا۔ تجارت بھی خوب کرتے تھے اور بڑے خوشحال لوگ تھے۔ اس قوم کے چھ بڑے بڑے شہر اور بہت سے قصبے اور دیہات تھے۔ مفسرین کہتے ہیں ان کی کل آبادی چار سے گیارہ لاکھ تک بتاتے ہیں۔ بڑی بڑی بستیاں سدوم، عامورہ، صمودہ اور دوما وغیرہ تھیں جن میں سدوم کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

حضرت لوط علیہ السلام اس قوم کے فرد نہیں تھے بلکہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام علیہ السلام کے بھتیجے تھے جو سام ابن نوح کی اولاد میں سے تھے۔ بابل میں آباد تھے۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے ہجرت کی تو آپ کی بیوی سارہ اور لوط علیہ السلام نے بھی آپ کے ساتھ ہجرت کی۔ اللہ تعالیٰ نے دورانِ سفر ہی لوط علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی اور اپنا پیغام مانانے کے لیے اہل سدوم کی طرف مبعوث فرمایا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام تو مصر سے ہوتے ہوئے شام و فلسطین کے علاقے میں چلے گئے اور لوط علیہ السلام نے شرقِ اردن پہنچ کر تبلیغِ حق کا آغاز کر دیا۔

اس قوم میں بھی دیگر قوموں کی طرح کفر اور شرک پایا جاتا تھا، مگر ان میں ایک قبیح ترین بیماری ہم جنسی کی بھی پائی جاتی تھی۔ یہی قوم اس فعل کی موجد ہے، سب سے

پہلے شیطان نے اسی قوم کو اس فعل پر آمادہ کیا۔

سورۃ العنکبوت میں ہے اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ زَمًا سَبَقَكُمْ

بِهَذَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (آیت - ۲۸) تم ایسی بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو جو تم سے پہلے جہان بھر میں کسی نے نہیں کی۔ یہ لوگ اس فعل شنیع میں اس حد تک بڑھ

چکے تھے کہ اللہ نے لوط علیہ السلام کی زبان سے کہلوا یا آیتِ کرم لَتَاْتُوْنَ الرَّجَالَ وَتَقَطَّعُوْنَ السَّبِيْلَ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمْ الْمُنٰكِرِ (العنکبوت ۱۶)

کیا تم شہوت رانی کے لیے مردوں سے التفات کرتے ہو، مسافروں کا راستہ کاٹتے ہو۔

اور اپنی مجلسوں میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو، ہم جنسی کے علاوہ اس قوم میں دیگر اخلاقی

برائیاں بھی پائی جاتی تھیں۔ مسافروں کو لوٹ لیتے تھے۔ راستے میں بیٹھ جاتے، جہاں داؤ

چلا کسی کو لوٹ لیا۔ مقامی طور پر تجارت میں ڈنڈی مارتے تھے اور اگر کوئی اجرامال لیکر باہر سے

آجاتا تو اس کا مال ہتھیانے کی کوشش کرتے۔ ان کا عام طور پر بطریقہ کار یہ تھا کہ کوئی

چیز گھر میں دکھانے کے بہانے سے لے گئے اور پھر مضمحل کر گئے۔ اگر کسی نے مزاحمت

کی تو اس کا باقی سامان بھی لوٹ لیا۔ مجلس میں بیٹھ کر بیہودہ باتیں کرنا اور بے حجابانہ

گورنار مانا ان کا عام معمول تھا۔

لوط علیہ السلام
کا وعظ

لوط علیہ السلام نے درس توحید کے بعد قوم کو لواطت کی غزالی سے آگاہ کیا اور اس

فعلِ شنیع سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ ارشاد ہوتا ہے وَ لَوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ

اور لوط علیہ السلام کو بھی ہم نے ان کی قوم کی طرف زور دیا کہ بھیجا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا

ہے آپ اس قوم کے فرد نہیں تھے، بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی بابل سے

ہجرت کر کے آئے تھے چونکہ آپ اس قوم کی طرف مبعوث ہوئے لہذا اس قوم کو آپ

ہی کی قوم کہا گیا ہے۔ تو لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا اِنَّا تَمُوْنَ

الْفَاحِشَةَ كَمَا تَمُوْنَ اَبَاؤُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (سورۃ العنکبوت ۱۶) تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو۔ اعلیٰ بازی جیسے قبیح فعل کے مرتکب

ہوتے ہو وَاَنْتُمْ تَبْصُرُوْنَ اور تم دیکھتے بھی ہو تَبْصُرُوْنَ کے دو مطلب

ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ تم اس کام کو برا سمجھتے ہوئے بھی اس کا ارتکاب کر رہے ہو

اور دوسرا یہ ہے کہ تم بے حجابانہ طور پر ایک دوسرے کو آمنے سامنے دیکھتے ہوئے بھی اس
 برائی کو کیے جا رہے ہو اور ذرا شرم نہیں کھاتے۔ فرمایا آیت کَمَلَّتَا نَوْنِ الرَّجَالِ
 شَهْوَةً مِّنْ دُونَ النِّسَاءِ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر شہوت رانی کے لیے مردوں
 کی طرف دوڑتے ہو؟ یہ تو بڑا ہی گندا کام ہے۔ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ
 تم تو بڑے ہی نادان اور بے سمجھ لوگ ہو۔ اللہ نے شہوت رانی کے لیے دوسری جنس
 بنائی ہے مگر تم یہ کام اپنے ہم جنس مردوں سے کرتے ہو۔ سورۃ الشعراء میں گمز چکا ہے
 کہ آپ نے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا اَلْحَبِّ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِينَ
 (آیت - ۱۶۸) میں تمہارے اس فعل سے نفرت کرتا ہوں۔ قرآن پاک میں زنا اور لواط
 دونوں جرائم کو فحش کہا گیا ہے بلکہ لواطت زنا سے بھی زیادہ قبیح فعل ہے۔ یہ خلاف وضع فطری
 ہے۔ مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ اتنا بڑا فعل ہے کہ اس کو تو سوائے بندوں کے کوئی دوسرا
 جانور بھی پسند نہیں کرتا۔ بند کو اسی فعل کی وجہ سے ذلیل جانور کہا گیا ہے۔

لواطت کی
 قباحتیں

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ لواطت کرنے لگیں یا جانوروں کیساتھ
 یہ فعل شروع کر دیں تو ارتقاات صالحہ بالکل تباہ ہو کر رہ جائیں گے۔ مثلاً نکاح کو باضوری
 ہے کہ اس کے ذریعے اللہ نے بقائے نسل کا سلسلہ قائم کیا ہے، اگر انعام بازی شروع
 کر دی جائے تو بقائے نسل کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور نکاح کی وجہ سے لوگوں پر جو ذمہ
 عاید ہوتی ہیں۔ وہ بھی برباد ہو جائیں گی، لہذا یہ فعل فطرت کے بالکل خلاف ہے۔ اس
 فعل سے اخلاق بگڑ جاتا ہے اور دین بھی خراب ہوتا ہے نسل میں خرابی آتی ہے، ارتقاات
 ختم ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے اور پھر اس کی گرفت
 آتی ہے۔ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو تیس سال تک وعظ کیا۔ آپ نے اس کام میں شب و روز
 ایک کر دیا، مگر ان لوگوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ دوسری جگہ موجود ہے کہ آپ کی بیٹیوں کے
 سوا کوئی بھی آپ پر ایمان نہ لایا حتیٰ کہ بیوی بھی کافرہ ہی رہی۔

قوم کا جواب

لوط علیہ السلام کی قوم آپ کا وعظ سن کر تنگ آگئی۔ وَمَا كَانَ
 جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ

إِنَّهُمْ أَنَا سَيِّئَاتِهِمْ يَتَطَهَّرُونَ آخر ان کا جواب یہ تھا کہ لوط علیہ السلام کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ بڑے پاکباز لوگ بنے پھرتے ہیں جو ہمیں گناہ کہتے ہیں۔ کہنے لگے ان کا ان گندی بستیوں میں کیا کام، ان کو نکال باہر کرو کہ یہ کسی اچھی جگہ پر چلے جائیں، مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا، صالح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی قوم میں اپنے اپنے نبیوں کو ختم کرنا یا نکالنا چاہتی تھیں مگر اللہ نے ان کو ذلیل و خوار کر کے اس دنیا سے ہی نکال دیا۔ سورۃ قمر اور دوسری سورتوں میں یہ بھی موجود ہے کہ اگر بستی میں کوئی جہان آجاتا تو اس کے ساتھ بد فعلی کا ارتکاب کر ڈالتے، یہ ایسی خبیث قوم تھی۔ آخر کار خدا تعالیٰ کا غضب جوش میں آیا تو اللہ نے فرشتوں کو انسانی شکل میں بھیج کر قوم پر عذاب نازل کیا جس کی تفصیلات دوسری سورتوں میں موجود ہیں۔

لوط علیہ السلام کے اہل خانہ کی نجات

فرمایا پھر جب اُس قوم پر عذاب آیا فَاغْبِیْتَهُ وَاَهْلَهُ اِلَّا امْرَاَتَهُ تو ہم نے لوط علیہ السلام اور آپ کے گھر والوں کو بچالیا۔ ماسوائے آپ کی بیوی فَذَرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِیْنَ ہم نے اس کے متعلق ٹھہرا رکھا تھا کہ وہ بیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی۔ جب قوم پر عذاب کا وقت قریب آیا تو لوط علیہ السلام کو حکم ہوا فَاسْرِبْ بِاهْلِكَ بِقِطْعِ مِنَ اللَّیْلِ وَلَا یَلْمِفَتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتُكَ (ہود۔ ۸۱) کہ اپنے اہل کو رات کے پچھلے حصہ میں بستی سے نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی بھی بیچھے مٹ کر نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی کہ اُس پر مصیبت آنے والی ہے وہ آکر رہے گی۔ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ آپ کے گھر والے آگے آگے تھے اور آپ ان کے پیچھے چل رہے تھے۔ ایماندار اہل خانہ میں آپ کی بچیاں ہی تھیں کیونکہ بیوی تو ایمان نہیں لائی تھی اور وہ ساتھ نہیں نکلی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ گھر سے نکلنے وقت بیوی بھی ساتھ تھی مگر جھوٹری دور آکر پھر واپس چلی گئی اور باقی قوم کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہو گئی۔

لوط علیہ السلام اور آپ کی بیوی کا رشتہ قیامت والے دن بھی کچھ کام نہیں آئے گا کیونکہ بیوی ایمان ہی نہیں لائی۔ وہ فریاد کرے گی مگر کوئی شنوائی نہیں ہوگی۔ نوح علیہ السلام کی بیوی کی طرح لوط علیہ السلام کی بیوی بھی نافرمان تھی۔ اللہ نے دونوں کے متعلق فرمایا

كَانَتْ تَحْتَ عَبْدٍ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحِينَ فَمَا نَتْمَهَا فَلَمْ يُعْنَبَا
عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا الْمَدِينَةَ مَعَ الدَّٰخِلِينَ
(التحصیلہ - ۱۰) یہ ہمارے نیک بندوں کے حرم میں تھیں مگر دونوں نافرمان تھیں اور ہمارے
دونوں بندے اللہ کے ہاں کسی کام نہ آسکے اور وہ دونوں عورتیں باقی جہنمیوں
کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو گئیں۔ اللہ نے یہ واقعہ عبرت کیلئے بیان فرمایا ہے۔ دوسری طرف
فرعون جیسے منکر اور سب سے بد شخص کی بیوی ہوسنہ تھی، اُس نے بڑی تکلیفوں کے ساتھ شہادت
پائی تو اللہ نے اُس کے لیے جنت میں اعلیٰ ترین مقام بنایا ہے، اسی طرح اللہ نے حضرت
مریمؑ کی مثال بیان فرمائی ہے کہ اُن کو اللہ نے کیسی پاکیزگی عطا فرمائی۔ بہر حال فرمایا کہ ہم نے
لوط علیہ السلام کے گھر والوں کو بچا لیا سوائے اُن کی بیوی کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔

قوم لوط پر
عذاب

فَرَايَا وَآهَ مَطْرَنَا عَلَيْهِمْ مَطْرًا أَوْرَهُمْ نَالُوا بِرِيشِ بَرَسَائِي قَوْمِ كِتَابِي
کا وقت آچکا تھا۔ اللہ نے ان پر بارش کے ذریعے پانی نازل نہیں کیا بلکہ اُن پر چھتر برسائے
گئے۔ اور چھتر بھی ایسے مُسَوِّمَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُؤْمِنِينَ (الذُرِّيَّة - ۳۴) جن
پر مجرموں کے نام کندہ تھے کہ یہ چھتر فلاں سردار کے سر پر پڑے گا۔ اور یہ فلاں کا کام تمام کر گیا۔
اللہ نے چھتروں پر نام لکھ کر متعلقہ نافرمانوں کو بارے۔ ایک تو یہ سزا تھی اور دوسری یہ کہ
جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافًا حَتَّىٰ (هود - ۸۲) ہم نے اُس خط ارضی کا پچھلا حصہ اوپر اور اوپر
والا حصہ نیچے کر دیا یعنی زمین کو بالکل الٹ دیا کیونکہ وہ لوگ کام ہی الٹے کرتے تھے کہ
عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے تھے۔ سورۃ الحجر میں ایک تیسری سزا کا
بھی ذکر ہے۔ فَآخَذْنَا هُمُومًا مَشْرِقِينَ (آیت - ۷۳) دن چڑھے
اُن کو ایک زبردست چیخ نے پکڑ لیا اور اس طرح وہ پوری قوم تباہ ہو گئی۔

مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ فعل لوط کے لیے اللہ نے کوئی حد مقرر نہیں کی، بلکہ
اس کے مرتکب کو تعزیری سزا دی جائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ سخت ترین سزا کے قائل
ہیں مثلاً کسی دیوار کے نیچے کھڑا کر کے اوپر دیوار گمادی جائے، یا کسی بندی سے نیچے گرا دیا
جائے۔ وغیرہ عجزت ناک سزا ملتی چاہیے۔ تاہم جرم کی نوعیت کے اعتبار سے قید و بند
کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ہم نے ان پر بارش برسائی۔ یا یٰٰسٰئیل کی روایت

کے مطابق اس بارش میں آگ، گندھک اور پتھر تھے۔ یہ قہر خداوندی کی بارش تھی فسَاءَ
 مَطَرٍ الْمُنْتَذِرِينَ پس ڈرائے ہوئے لوگوں کے لیے یہ بہت بُری بارش تھی کہ
 اس میں رحمت کی بجائے عذاب الہی تھا جس سے ساری قوم ہلاک ہو گئی۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ
 اللَّهُ خَيْرٌ مِمَّا يَشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾ آمَنَ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
 وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ
 بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنبِتُوا شَجَرَهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ مَعَ
 الَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ ﴿۶۰﴾ آمَنَ جَعَلَ الْأَرْضَ
 قَرَارًا وَجَعَلَ خَلْفَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ
 بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ كَثُرُوا
 لَا يَعْلَمُونَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) سب تعریفیں
 اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور سلام ہے اللہ کے ان بندوں
 پر جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ
 جن کو وہ شریک بناتے ہیں ﴿۵۹﴾ کون ہے جس نے پیدا
 کیا ہے آسمانوں اور زمین کو، اور اتارا ہے تمھارے لیے آسمان
 کی طرف سے پانی۔ پس اگائے ہیں ہم نے اس کے
 ساتھ باغات با رونق۔ یہ تمھارا کام نہیں تھا کہ تم ان (باغات)
 کے درختوں کو اگاتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی الٰہ ہے ؟
 بلکہ یہ لوگ انحراف کرتے ہیں ﴿۶۰﴾ بھلا کون ہے جس نے
 بنایا ہے زمین کو قرارگاہ، اور بنائی ہیں اس (زمین) کے درمیان

نہیں ، اور رکھے ہیں اُس میں بوجھل سپاڑ اور بنایا ہے اس نے دو دریاؤں کے درمیان پردہ (رکارڈ) کیا کوئی اللہ ہے اللہ کے ساتھ ؟ بلکہ اکثر لوگ ان میں سے سمجھ نہیں رکھتے ﴿۶۱﴾

ربط آیات

کا ذکر کیا۔ پھر درمیان میں حضرت سلیمان اور سادلوں کا حال بیان کیا۔ اس کے بعد قوم ثمود کی تباہی کا تذکرہ ہوا اور پھر قوم لوط کی ہلاکت کا بیان ہوا۔ یہ تمام قومیں کفر، شرک اور نافرمانی کی بدولت تباہ و برباد ہوئیں۔ اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کے بعض عقلی دلائل پیش کیے ہیں اور ساتھ ساتھ شرک کا رد کیا ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب بھی کوئی اہم بات کہنا مطلوب ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائیاں کی جاتی ہے اور پھر اس کے مکرم بندوں پر سلام بھیجا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد اصل بات شروع کی جاتی ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں، کہ ان آیات میں بھی چیز کھلائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مقام پر توجیہ جیسا اہم مضمون بیان کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ ارشاد ہونا ہے قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ اِے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں پچھلی آیات میں نافرمانوں کی تباہی کا حال بیان کر کے اللہ کا شکر ادا کرنے کی نصیحت کی گئی ہے کہ اچھا ہوا یہ لوگ اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ ورنہ دنیا میں مزید فتنہ و فساد کا موجب بنتے۔ اس قسم کی مثال بعض دوسرے مقامات پر بھی ملتی ہے۔ مثلاً سورۃ الانعام میں ہے فَقَطِّعْ دَائِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (آیت - ۴۵) ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ گویا ظالموں اور نافرمانوں کی سب کئی پر اللہ کی تعریف کرنی چاہیے۔

اللہ کی حمد و ثنا

بنیاد پر درود و سلام

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کی تعریف بیان کریں اور دوسری یہ کہ ہر اہم کام کی ابتداء سے پہلے وَسَلِّمْ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی اور سلام ہے

اللہ کے منتخب بندوں پر۔ اصطفاقی کا معنی پسند کرنا بھی ہوتا ہے۔ گویا اللہ کے پسندیدہ بندوں پر سلامتی ہو۔ اللہ کے پسندیدہ یا منتخب شدہ بندے اس کے انبیائے کرام ہیں اور پھر ان کے بعد ان کے صحابہ کرام، اولیاء اللہ اور نیک اور صالح بندے ہیں۔ ان پر بھی سلام ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اپنی سلامتی میں رکھے، انسان کے لیے خدا تعالیٰ کے احسانات میں سے سب سے بڑا احسان دولت ایمان ہے جو کہ انبیاء کے توسل سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر یہ دولت اللہ کے نیک بندے اگلی نسلوں تک پہنچاتے ہیں۔ ایمان کے بعد احکام شریعیہ کا علم بھی خدا کے انہی بندوں کی معرفت حاصل ہوتا ہے جن پر عمل کر کے انسان کا مہیابی سے بھنکار ہو سکتا ہے، لہذا ان پر سلام کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ ان کے ساتھ انسان کا تعلق قائم رہے۔ نبی پر درود پڑھنے سے نبی کو کس قدر فائدہ ہوتا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، تاہم درود بھیجنے والے کو ضرور فائدہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرنا ہے۔ انبیائے کرام ہمارے درود و سلام کی وجہ سے درجات عالیہ تک نہیں پہنچتے بلکہ اللہ تعالیٰ خود انہیں ان کی صلاحیت اور استعداد اور اپنی مہربانی سے درجہ کمال تک پہنچاتا ہے۔ لہذا ہمارا فرض ہے کہ ہم ان پر درود و سلام بھیجیں اور ان کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھیں۔ بہر حال اللہ نے یہی تعلیم دی ہے کہ ہر اچھے کام کے آغاز سے پہلے اللہ کی حمد و ثناء بیان کرنی چاہیے اور اس کے بعد اللہ کے منتخب اور برگزیدہ بندوں پر درود و سلام پیش کرنا چاہیے اور اس کے بعد اصل بات کرنی چاہیے۔

حمد و سلام کے بعد اب تمہید کے طور پر فرمایا اللہ و خلائق اَمَّا شَرُّكُمْ فَاِنَّكُمْ مَجْلَیٰہِ تُوْبِلَاؤُکُمْ اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ جن کو یہ لوگ اس کے ساتھ شریک بنتے ہیں آگے بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے عقلی دلائل اسے ہیں اور یہاں بھی انسان کے ضمیر کو جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ اپنی عقل کو بروئے کار لا کر مٹاؤ کہ ایک طرف اللہ وحدہ لا شریک ہے جو منبع ہدایت ہے، تمام ظاہری اور باطنی الغامات عطا کرنا ہے تمام تغیرات د

اللہ تعالیٰ
بیرشتر کا

تقلبات اُس کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہ ہر لحاظ سے با اختیار ہے۔ اس کے برخلاف انسانوں، جنوں یا فرشتوں میں سے اُس کے شریک ہیں جو مخلوق ہیں، شجر اور حجر ہیں جو بے جان چیزیں ہیں اور جنہیں کچھ اختیار حاصل نہیں اور نہ وہ نفع و نقصان کے مالک ہیں۔ جب ان دونوں کا تقابل کیا جائے گا تو ہر صاحب عقل اور ہر مذہب و ملت کا پیروکار یہی جواب دے گا کہ اللہ ہی بہتر ہے، وہ خالق ہے، ہر لحاظ سے مختار ہے وہ کمالات کا منبع ہے، وہ مانگنے والا نہیں بلکہ دینے والا ہے، تو ظاہر ہے کہ وہی بہتر ہے۔ جیسا وہ کیسے بہتر ہو سکتے ہیں جو مخلوق ہیں اور لوگ اُن کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں؟ آگے اللہ تعالیٰ نے بعض دلائل توحید بیان کیے ہیں جن میں غور و فکر کر کے انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچان سکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے أَمَّا خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق کا ظہور ہے کہ آسمان وزمین اور ہر چیز کا خالق وہی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغین لکھتے ہیں کہ توحید خداوندی کے دو درجے ایسے ہیں جن میں سارے کافر و مشرک بھی مستحق ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ واجب الوجود ہے یعنی اُس کی ہستی خود بخود ہے کسی کی عطا کردہ نہیں۔ اس بات کے مشرک بھی قائل ہیں کہ صرف خدا کا وجود ذاتی ہے۔ باقی ساری مخلوق کا وجود خدا تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔

توحید کا دوسرا درجہ خالقیت کا ہے۔ کسی نے یا پاپ نے مشرک ہندو، بخوسی، شنو، ویت نامی، چینی، رومی سے پوچھ لیں، سب کہیں گے کہ پیدا کرنے والی ذات فقط خدا ہے، باقی سب مخلوق ہے۔ آگے چل کر توحید کا تیسرا درجہ تہذیب کا آتا ہے۔ یہاں اگر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک صحیح مومن کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر چیز کی تدبیر بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ مگر بخوشی اس کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور مشرک کبھی شجر و حجر کی طرف، کبھی جنات اور فرشتوں کی طرف اور کبھی اولیاء اللہ کی طرف یہیں سے شرک کی ابتدا ہوتی ہے اور پھر توحید پر عبادت کا ہے۔ ایک سچا مومن عبادت بھی صرف اللہ کی کرتا ہے، اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے، اسی سے جنت روائی

دلائل توحید
لا تخلیق
ارض سما

اور مشکل کثاٹی چاہتا ہے، مگر مشرک غیر اللہ کے سلسلے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ اس کے نام کی منتیں مانتے ہیں اور اُس سے اپنی حاجت براری کرتے ہیں۔

الغرض صفتِ تخلیق کے ضمن میں دہریوں کی قلیل تعداد کے علاوہ ہر مذہب اور ہر مکتبہ فخر کے لوگ صرف اللہ ہی کو خالق تسلیم کرتے ہیں قرآن پاک نے تو صاف کہہ دیا ہے اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر - ۶۲) ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ باقی سب مخلوق ہے عرش سے لے کر فرش تک اور ملائکہ سے لے کر حیوان تک ہر چیز مخلوق ہے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ تَبْلَاؤُ اَرْضٍ و سما کا خالق کون ہے؟

پھر اللہ نے دوسری دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا اِحْجَاہِ تَبْلَاؤُ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً تمہارے لیے آسمان کی طرف سے پانی کس نے نازل کیا یعنی بارش کون برساتا ہے۔ سماء کے لفظ میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ نزولِ بارش کا سبب محض بادل نہیں، بلکہ اُدپ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ بارش کے لیے خطے اور مقدار کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس میں کسی مخلوق کی خواہش کا دخل نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا فرما ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ بارش برساتا بھی مخلوق کے بس کی بات نہیں۔ پھر خود ہی فرمایا کہ بارش کے نتیجے میں -

وَاَنْبَتْنَا بِهٖ حَدَاقًا اور ہم نے اس پانی کے ذریعے باغات باغات اگلنے ہیں۔ حدائقہ اس باغ کو کہتے ہیں جس کے ارد گرد دیوار یا جھاڑیوں کی بارٹ ہو، وگرنہ عام باغ کوستان کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہر چیز کی تخلیق، بارش کا نزول اور باغات کی پیداوار ہمارا ہی کام ہے۔ ساتھ ہی وضاحت فرمادی مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تَسْبِقُوْا شَيْءًا تمہارے بس کی بات نہیں ہے کہ باغات کے درختوں کو آگاسکو یا پھل چھول لاسکو۔ یہ سب ہماری ہی قدرت کے کرشمے ہیں۔

فرمایا جب ان میں سے کوئی بھی چیز کسی کے اختیار میں نہیں ہے تو پھر یہ تَبْلَاؤُ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تَسْبِقُوْا شَيْءًا اللہ کیا خدا تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے جس نے ان میں سے کوئی کام بھی کیا ہو۔ زمین و آسمان یا ان کی کسی چیز کو پیدا کیا ہو۔ آسمانی کھروں کو بنایا ہو

البارش کا
نزول

بارش برساتی ہو یا درخت اگاٹے ہوں۔ اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر خدا کے ساتھ شریک کیوں بناتے ہو؟ کبھی خدا تعالیٰ کی صفت میں دوسروں کو شریک کرتے ہو اور کبھی عبادت میں، آخر یہ کیوں؟ فرمایا حقیقت یہ ہے بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعِدُونَ یہ ایسے لوگ ہیں جو اتنے واضح دلائل کے باوجود حقیقت کے اعتراف سے انحراف کرتے ہیں یعنی حق بات کو دیکھ کر منہ دوسری طرف پھیر لیتے ہیں يَعِدُونَ کا معنی انحراف بھی ہے اور دوسروں کو برابر کرتا بھی۔ گویا یہ لوگ بڑے ظالم اور بے انصاف ہیں۔ جو اتنی واضح دلیلوں کے باوجود خدا کے ساتھ دوسروں کو برابر ٹھہراتے ہیں۔ ان تمام دلائل پر اگر انسان اپنی عقل کے ساتھ غور کرے تو اس کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب ان میں سے کوئی چیز بھی غیر اللہ کے اختیار میں نہیں ہے تو پھر ان کو خدا تعالیٰ کا شریک کیوں بنایا جائے۔

(۳) زمین بطور قرار نگاہ

فرمایا زمین کی تخلیق کے بعد أَمَّا جَعَلْنَا الْأَرْضَ قَرَارًا اس کو قرار گاہ یعنی ٹھہرنے کی جگہ کس نے بنایا؟ آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَكَمْ هُمْ فِي الْأَرْضِ مُشْكِرُونَ وَمَتَاعِ الْآلِ حِينِ (البقرہ - ۳۶) تمہارے لیے زمین ٹھہرنے کی جگہ اور ایک وقت یعنی قیامت تک فائدہ اٹھانے کا مہر سامان ہے۔ جب قیامت برپا ہوگی تو یہ پورا نظام تبدیل کر دیا جائے گا، اس کے بعد دوسرا نظام قائم ہوگا۔ اللہ نے زمین کی ساخت ہی ایسی بنائی ہے کہ انسان اس پر سہولت کے ساتھ سارے کام انجام دے سکتا ہے۔ زمین نہ تو اتنی سخت ہے کہ اکھاڑی نہ جا سکے اور نہ ہی اتنی نرم ہے کہ انسان اس میں دفن ہو جائے۔ اس زمین میں لوگ کا شکرگاری کرتے ہیں، کنویں کھودتے ہیں، اس پر مکانات تعمیر کرتے ہیں اور دیگر کاروبار انجام دیتے ہیں۔

سورة المرحطت میں اللہ نے فرمایا ہے أَلَمْ يَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا اُخْبَاءً وَأَمْوَآتًا (آیت ۳۶) کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا جو ہر زندہ اور مردہ کو اپنی تحویل میں لیے رکھتی ہے، جب تک انسان زندہ رہتا ہے زمین کے اوپر رہ کر سارے

کام کسب ہے اور جیب مر جاتا ہے تو یہی زمین اس کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ سورۃ طہ
 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا
 نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ** (آیت ۵۵) ہم نے اسی زمین سے تمہیں پیدا کیا، اسی میں (مرنے کے بعد)
 تمہیں واپس لوٹائیں گے اور (قیامت کو) اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔ غرضیکہ انسان
 کا ماضی، حال اور مستقبل اسی زمین کے ساتھ وابستہ ہے۔

لفظ قرار میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کا مستقبل صرف ہی زمین
 ہے نہ کہ دوسرے سیارے چاند، مریخ، مشتری وغیرہ موجودہ زمانے میں مائنس نے اس
 قدر ترقی کی ہے کہ لوگ چاند تک پہنچ گئے ہیں، وہ بھی انسان کے لیے مستقر کی حیثیت
 نہیں رکھتا۔ وہاں پر نہ پانی ہے، نہ خوراک اور نہ ہوا۔ ایسی حالت میں انسان وہاں پر
 زندہ نہیں رہ سکتا۔ جو لوگ عارضی طور پر وہاں پہنچتے ہیں وہ ضرورت کی ہر چیز یہاں سے
 لے کر گئے ہیں۔ ایک تجربینے کے مطابق چاند پر ایک پونڈ خوراک پر کم از کم تیس ہزار پونڈ
 خرچ آتے ہیں اور وہاں پر پہنچنے کا لباس چار لاکھ میں تیار ہوتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ان
 حالات میں چاند پر رہائش رکھنے کے لیے کوئی بھی تیار نہ ہوگا۔ اسی لیے اللہ نے
 فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ بنایا ہے، نہ کہ کسی دوسرے سیارے کو۔

تو کار زمین را نحو ساختی

کہ با آسمان نیز پر دستی

آسمان پر کھنڈیں ڈالنے کی بجائے اگر زمین کے حالات کو ہی درست کر دیا جائے تو یہ
 انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ اس وقت زمین فتنہ و فساد کا گڑھ بنی ہوئی ہے
 اس میں باہمی عنقریب اور جہالت کا دور دورہ ہے۔ دیگر سیاروں کو مٹھ کرنے کی
 بجائے اگر یہی وسائل اس زمین کی بہتری پر صرف کیے جائیں تو اس سے انسانوں کی
 حالت سنور سکتی ہے، یہاں پر ظلم کی روشنی پھیلانی جاسکتی ہے، جہالت اور عنقریب کو
 دور کیا جاسکتا اور اس طرح انسانیت کی بہتر طور پر خدمت کی جاسکتی ہے۔

اللہ نے توحید کی پوجھی دلیل یہ بیان فرمائی کہ بتلاؤ تو وہ کون ہے وَجَعَلَ

خَلَقَهَا أَنْفُجًا حَسَنًا لَمْ يَكُنْ فِيهَا مِنْ نَسْرٍ جَلَادِي هِيَ - اللہ نے ایسا انتظام فرمادیا ہے
 کہ پہاڑوں پر بارش ہوتی ہے تو وہ دریاؤں اور ندی نالوں کی صورت میں میدانِ علاقوں
 کو سیراب کرتی ہے۔ پہاڑوں پر چھنے والی برف پگھلتی ہے تو دریاؤں میں سالہا سال
 پانی آتا رہتا ہے جس سے زمین سیراب ہوتی ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے -
 وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيًا اور زمین پر بوجھل پہاڑ رکھے دیے ہیں تاکہ زمین
 ٹوٹنے نہ پائے۔ پھر ان پہاڑوں سے پانی کے علاوہ درخت، جڑی بوٹیاں، پتھر
 اور معدنیات حاصل ہوتی ہیں جو لوگوں کے لیے نہایت کارآمد چیزیں ہیں۔ زمین پر
 پہاڑ بھی اُسی نے ٹکائے ہیں۔ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا، اور
 دو دریاؤں یا سمندروں کے درمیان آرٹیفیڈ کر دی ہے جس کی وجہ سے میٹھا اور کھٹوا
 پانی آپس میں خلط ملط نہیں ہوتے، یہ تمام چیزیں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہیں
 اور اُس کی قدرتِ کاملہ کا شاہکار ہیں۔ تَوَجَّهْنَا لِلدَّاعِيِ اللّٰهِ مَعَ اللّٰهِ كَمَا اللّٰهُ كَرَّمَ
 سَاحَتَهُ كَوْنِي دُوَسْرَ اللّٰهِ هِيَ جَوَانِ مِمْسَ كَوْنِي كَامِ كَرَّمَ - فرمایا اللہ کے علاوہ موجود
 تو کوئی نہیں بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ بلکہ اکثر لوگ بے علم اور بے سمجھ
 ہیں جو ان تمام دلائل و شواہد کے باوجود شرک کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ ان دلائل پر ہی
 غور کر لیتے تو بات ان کی سمجھ آجاتی اور یہ اللہ کی تدبیر اور اس کی عبادت میں دوسرے
 کو شریک نہ کرتے، مگر ان لوگوں میں غور و مشرک کی صلاحیت ہی نہیں، یہ بے سمجھ
 لوگ ہیں

اَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَّرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَ
 يَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ
 تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ اَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
 وَمَنْ يُرْسِلِ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۖ
 إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا اللَّهُ وَالَّذِينَ هُمْ
 يُغْفِرُ لَهُمْ ۚ وَمَنْ يَشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَانَ
 كَمَا نَبَذَ اللَّهُ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
 مَا يُرْتَدُّ إِلَيْهِمْ ۚ وَمَنْ يَرْزُقْكُمْ مِنْ
 السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ قَدِ هَانُوا
 بِرُءُوسِهِمْ ۚ إِنَّكُمْ لَكُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٣﴾

ترجمہ :- بھلا کون ہے جو مجبور و بیکس کی دعا کو قبول کرتا ہے
 جب وہ اس کو پکارتا ہے ، اور دور کرتا ہے تکلیف کو ،
 اور بنا ہے تم کو نائب زمین میں ۔ کیا کوئی اللہ ہے اللہ کے
 ساتھ ۔ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو ﴿۶۲﴾ بھلا کون
 ہے جو راہنمائی کرتا ہے تمہاری خشکی اور تری کی تاریکیوں
 میں ۔ اور کون ہے جو چلاتا ہے ہواؤں کو جو خوشخبری لانے
 والی ہوتی ہیں اُس کے بارِ رحمت سے پہلے ۔ کیا کوئی اللہ
 ہے اللہ کے ساتھ ؟ بلند ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اُن
 چیزوں سے جن کو یہ اُس کا شریک بناتے ہیں ﴿۶۳﴾ بھلا کون

ہے جو ابتداء کرنا ہے پیدائش کی، پھر وہ اس کا اعادہ کریگا اور کون ہے جو تم کو روزی پہنچاتا ہے آسمان اور زمین سے۔ کیا کوئی اللہ ہے اللہ کے ساتھ؟ آپ کہہ دیجئے کہ لاؤ دلیل اپنی اگر تم سچے ہو (۶۴)

ربط آیات اللہ تعالیٰ کے نشانات قدرت کے طور پر پہلے داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے واقعات بیان ہوئے، پھر قوم صالح اور قوم لوط کی نافرمانیوں کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ نے اپنی توحید اور قدرت نامہ کا ذکر کیا اور توحید کے دلائل بیان کیے۔ پچھلے واقعات سے لوگوں کی عبرت اور بصیرت مطلوب ہے تاکہ لوگ کفر، شرک اور معاصی سے باز آجائیں اور خدا تعالیٰ کے غضب سے بچ سکیں کہ اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت میں پہنچ جائیں۔ اب اس رکوع میں اللہ کی توحید کے عقلی دلائل بیان کیے جا رہے ہیں جن میں غور کرنے سے وحدانیت سمجھ میں آسکتی ہے اور انسان کفر و شرک سے بچ سکتا ہے۔

گذشتہ درس میں ارض و سما کی تخلیق، بارش کا نزول، باغات اور درختوں کی پیدائش کو دلائل توحید قدرت کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ پھر زمین کو قرار گاہ بنانے، ان میں نہریں چلانے اور بوجھل پہاڑ کھڑا کرنے اور دوپانیوں کے درمیان آٹنا دینے کا تذکرہ تھا۔ پھر اللہ نے استفہامیہ انداز میں فرمایا، کیا کوئی خدا کے ساتھ اور معبود بھی ہے جو یہ سارے کام کرتا ہو؟ ظاہر ہے کہ یقیناً خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس کے باوجود لوگ بے سمجھ ہیں اور واضح دلائل سے انحراف کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھنے کی بجائے کفر اور شرک کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

مجبور و بیکس
کی دعا

اب آج کی آیات میں اللہ نے مزید دلائل توحید بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے
 اَمَّنْ يُّجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ كَوْنُ هُوَ مَجْبُورٌ وَبَيْكْسُ كِي دُعَا كُو
 قبول کرتا ہے جب کہ وہ اُس کو پکارتا ہے۔ وَيَكْتِثُ الشُّوْءَ اور اُس کی تکلیف
 کو دور کرتا ہے۔ لوگوں پر مصائب و تکالیف آتی رہتی ہیں جن کی وجہ وہ بے بس ہو

جاتے ہیں اور جب تمام ہی اسباب منقطع ہو جاتے ہیں تو پھر اللہ کے سامنے ہی فریاد کرتے ہیں کہ مولاکریم ہم نے تمام ظاہری اسباب استعمال کر لیے، اپنا پورا زور لگا لیا، اب معاملہ تیرے ہی سپرد ہے، تو ہی ہماری تکلیف کو رفع کر سکتا ہے۔ دوسری جگہ ہے کہ ایسے مشکل وقت میں تمام خود ساختہ مجبوروں کو بھول کر صرف خدا نے وحدہ لا شریک کی طرف رجوع کرتے ہو۔ مگر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ایسے آڑے وقت میں مجبور و بیکس کی آواز کو نہ سنتے، اُس وقت صرف خدا نے وحدہ لا شریک کا دروازہ ہی رہ جاتا ہے جس پر دستک دی جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مصلحت ہوتی ہے تو وہ تکلیف کو رفع کر دیتا ہے وگرنہ انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔

جیتے تاک انسان کا بس چلتا ہے وہ اسباب ظاہرہ کو آزما تا رہتا ہے مریض کے سرٹرنے قابل ترین ڈاکٹر کھڑے رہتے ہیں۔ پھر جب شفا کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو کہتے ہیں کہ ڈاکٹروں کو چھوڑو کسی دم جھاڑا کرنے والے کو بلاؤ۔ پھر بھی ناکامی ہوئی ہے تو خالص اللہ جل شانہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اُس وقت اقرار کرتے ہیں۔ کہ مولاکریم تیرے بغیر اس تکلیف کو دور کرنے والا کوئی نہیں مضطر میں عاتق تکلیفؒ آدمی کے علاوہ گنہگار بھی شامل ہے۔ جب وہ گنہگاروں میں ڈرب جاتا ہے اور رملی کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تو پھر اقرار کرتے ہیں کہ مَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ (الاعراف: ۱۳۵) اللہ کے سوا گناہوں کو مٹا کر نوالا بھی کوئی نہیں۔ پھر اگر انسان اُس ماکہ الملک کے سامنے عاجزی و انکاری کا اظہار کرنا ہے، گڑ گڑا کر معافی کا طلبگار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف بھی کر دیتا ہے۔ اسی طرح کوئی دیگر حادثہ پیش آجاتا ہے طوفان آجاتا ہے۔ قحط برپا ہو جاتا ہے یا کوئی دوسری تکلیف آجاتی ہے، اور تمام ظاہری اسباب منقطع ہو جاتے ہیں تو پھر ایسی شکل سے اللہ کے سوا نکلنے والا کوئی نہیں ہوتا، یہاں پر یہی بات سمجھائی گئی ہے۔ مفسرین کرام ایک بزرگ داؤدیمانیؑ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ کسی بیمار کی بیمار پسی کے لیے تشریف لے گئے تو مریض نے شفا یابی کی دعا کی درخواست کی۔ اپنے فریاد عجبائی، تم خود دعا کرو کیونکہ مضطر کی دعا جلدی قبول ہوتی ہے۔ اسی طرح ام طاہرہؑ

جو تابعین میں سے ہیں، ایک بزرگ ابوصالح کی بیمار پرسی کے لیے گئے۔ انہوں نے بھی فرمایا کہ مجبور و بکس آدمی کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے لہذا تم خود بھی اپنے لیے صحت کی دعا کرو۔

امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں حافظ ابن عساکر کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے یہ بزرگ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کے محدث اور عظیم مؤرخ ہیں جن کی تاریخ کی کتاب اسٹی جلدوں پر محیط ہے جن میں سے کچھ جلدیں طبع بھی ہوئی ہیں۔ تو انہوں نے کسی شخص کا واقعہ لکھا ہے متعلقہ شخص کا اپنا بیان ہے کہ میں خچر پر بار برداری کا کام کرتا تھا اور مسافروں کا سامان وغیرہ دمشق سے زبڈانی تک کرانے پر لے جاتا تھا۔ ایک دفعہ کسی مسافر نے مجھ سے بار برداری کا معاملہ طے کیا۔ میں نے سامان خچر پر لاوا اور معروف راستے پر چل دیا مسافر کہنے لگا کہ یہ راستہ دور ہے تم اس راستے سے چلو جو نزدیک ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو اس راستے سے واقف نہیں ہوں مگر مسافر نے اصرار کیا کہ وہ خود اس راستے سے واقف ہے لہذا انہیں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ چنانچہ وہ نئے راستے سے چلے گئے حتیٰ کہ ایسی خوفناک دادی میں پہنچ گئے جہاں ہر طرف لٹانی جسم کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں، مسافر نے اس مقام پر رکنے کے لیے کہا۔ جب خچر کو روک دیا تو مسافر کی شکل میں آنے والا ڈاکو کھل کر سامنے آگیا۔ اس نے لنگوٹا کس لیا، اور چھڑا لے کر مجھے قتل کرنے کے لیے بڑھا، میں سمجھ گیا کہ یہ شخص جان بوجھ کر مجھے اس راستے پر لایا ہے تاکہ مجھے قتل کر کے میرے خچر اور سامان پر قبضہ کر لے، میں نے بھاگنا چاہا مگر اس نے تعاقب کیا۔ وہ تھا بھی مجھ سے طاقتور، لہذا میں اس کے سامنے بیٹس تھا۔ میں نے اس کی عزت کی کہ میرا مال لے لو مگر مجھے قتل نہ کرو مگر وہ اپنے ارادے سے باز آنے والا نہیں تھا۔ بالآخر میں نے کہا کہ موت سے پہلے مجھے دو رکعت نماز ہی پڑھ لینے دو۔ وہ مان گیا اور میں نے نماز شروع کر دی۔ اس وقت پریشانی کا یہ عالم تھا کہ قرآن پاک کا کوئی حصہ زبان پر نہیں آ رہا تھا۔ بڑی کوشش کے بعد صرف یہی ایک آیت میری زبان سے ادا ہوئی **اِنَّ يٰحْيِيْبُ الْمَعْصُطِرَ اِذَا دَعَاہُ وَكَيْشِفُ السُّوءَ**۔ اچانک میں نے دیکھا کہ سامنے سے ایک تیز گھڑی

امام ابن کثیر کا
عجیب واقعہ

ہماری طرف آرہے جس کے ہاتھ میں تیزہ تھا۔ وہ قریب پہنچا اور اپنا تیزہ اُس ڈاکو کے سینے میں پھونست کر کے اُس کو ہلاک کر دیا۔ یہ کام کرنے کے بعد گھڑ سوار فوراً واپس ہوا۔ میں اس کے پیچھے بھاگا اور دریافت کیا کہ تم کون ہو جس نے مجھے اس مشکل وقت میں بچایا ہے، تو وہ کہنے لگا کہ میں اسی ہستی کا بھیجا ہوں جو مجبور و بیکس آدمی کی فریاد سننا ہے اور جسے تو نے پکارا تھا۔

حضور علیہ السلام
کے ناصحانہ
فرمودات

سنا احمد کی روایت میں آتا ہے کہ بنی حنیمہ کا ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا لِمَاتَدْعُ یعنی آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اَدْعُوْا لِحَدِّ اللّٰهِ وَحَدِّہٖ کہ میں تو اللہ وحدہ لا شریک کی توحید کو ماننے کی دعوت دیتا ہوں۔ اور وہ وہی ذات ہے الَّذِیْ اِنْ مَسَّکَ ضَرْبًا فَکَسَفْتَ عَنْکَ کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو وہ تمہاری تکلیف کو دور کر دے وَاِنْ اَصْلَلَتْ بِاَرْضٍ قَفْسٍ فَذَعَوْتَهُ اگر تم کسی بیابان میں اپنی سواری کھو بیٹھو، پھر تم اُسے پکارو تو وہ تمہاری سواری واپس کر دے۔ وَاِنْ اَصْبَابَکَ سَبَتْ فَذَعَوْتَهُ اور اگر تم قحط میں مبتلا ہو کر اُسے پکارو تو زمین سے تباہات پورے اور فصلیں پیدا کر دے۔ لہذا میری دعوت یہ ہے کہ قادر مطلق اللہ کی طرف رجوع کرو اور اُس پر ایمان لاؤ۔

بنی حنیمہ کا شخص کہنے لگا حضور! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا لَا تَسْبَنَّ اَحَدًا کبھی کو گالی نہ دینا اور دوسری بات یہ کہ لَا تَرْهَدَنَّ فِی الْمَعْرُوفِ نیکی کے کام میں پس و پیش نہ کرنا، اگر اور کچھ نہ ہو تو اپنے مسلمان بھائی سے ملنے وقت ہنس مکھ چہرے سے مل لیا کرو۔ ڈول کے ساتھ پانی نکالنا ہے تو اس میں سے محوڑا سا پانی اپنے بھائی کو بھی دے دو۔ مطلب یہ کہ نیکی خواہ معمولی سی ہو اس کے کرنے میں پہنچتی ہرٹ محسوس نہ کرو۔ آنحضرت علیہ السلام نے یہ نصیحت بھی فرمائی کہ تہ بند باندھو تو نصف پنڈلی تک باندھو۔ اگر نیچے کن مطلوب ہو تو ٹخنے سے بہر حال اوپر رکھو کیونکہ تہ بند یا جامہ ٹخنے سے نیچے لٹکانا تکبر کی علامت ہے

ایک مستونہ
دعا

اور یاد رکھو اِنَّ اللّٰهَ لَا يُمِیْتُبُ الْمَخِیْلَةَ اللّٰهُ تَعَالٰی تَجَزَّوْهُ کہ ہرگز پسند نہیں کرتا۔
یہ بیان ہو چکا ہے کہ مجبور و بیکس کی دعا کہ اللّٰهُ سُنَا اور اُس کی شکل حل کرتا ہے
اس ضمن میں حضور علیہ السلام نے یہ دعا بھی سکھائی ہے اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْا
فَلَا تَغْلِبْنِیْ اِلَّا نَفْسِیْ طَرْفَةً عَیْنٍ وَاَصْلِحْ لِحُ شَانِیْ
مُکَلِّئْ لَیْ پروردگار! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔ مجھے میرے نفس کی طرف
آنکھ چپکنے کے برابر بھی نہ سونپ اور میرے تمام حالات کو درست فرمائے۔ تو ہی
مکلیف کو دور کرنے والا اور میرے نفس کو شفا بخشنے والا ہے۔ ایک ایمان دار آدمی کا
حیلہ بھی اللّٰہ کی رحمت ہے اور اس کا وسیلہ بھی اللّٰہ کی رحمت ہے۔ وسیلہ کے متعلق
امام سیوطی کے دو اشعار بھی ملاحظہ کریں۔

مَا لِحُ سِوَى فَقْرِیْ اِلَیْكَ وَسِیْلَةٌ
فِی الْاِفْتِقَارِ یَدِیْ اِلَیْكَ اَرْفَعُ
مَا لِحُ سِوَى قَرْمَحٍ لِیَا بَیْكَ حِیْلَةٌ
فَلِیْنِ رُوْدَتْ فَاحَتْ یَا بَ اَفْضَعُ

میرے لیے میری محتاجی کے سوا اور کوئی وسیلہ نہیں ہے، لہذا میں اس افتقار
(محتاجی) کے ساتھ ہی تیرے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہوں میرے لیے تیرا
دروازہ کھٹکھٹانے کے سوا کچھ نہیں۔ اگر تو نے اس کو رد کر دیا تو پھر میں کس کا دروازہ
کھٹکھٹاؤں گا؟

بہر حال فسر مایا کہ بھلا تبلاؤ کہ مجبور و بیکس آدمی کی دعا کو کون سننا اور
قبول کرتا ہے جب وہ پکارتا ہے، اور اُس کی تکلیف کو کون دور کرتا ہے۔ ظاہر
ہے کہ وہ اللّٰہ وحدہ لا شریک ہی ہے جبے کس کی دست گیری کرتا ہے۔ پھر
فرمایا، وہ کون ہے وَ یَجْعَلُکُمْ خُلَفَاءَ اَلْاَرْضِ لِیُؤْتِیْسَ زَمِیْنٍ مِّنْ ہٰیہِ
کا جانشین بناتا ہے۔ ایک نسل کے بعد دوسری نسل اُس کی جگہ لے لیتی ہے اور یہ سلسلہ
قیامت تک جاری ہے گا۔ اگر پہلے لوگ دنیا کے منظر سے غائب نہ ہوں تو آہ نسلوں

کو ان کی نیابت کیسے حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عجیب نظام قائم کر کے ایک کو دوسرے کا نائب بنایا ہے۔ جب یہ تمام الغامات کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو پھر عَلَّمَ اللہ کیا اس کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔ مگر انیس قَدْ لَدَمَّا تَذَكَّرْتُمْ تم بہت کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو۔ یہ بات بار بار متاثرہ بھی کہ چلے ہو کہ مجبور رہے کس کی فریاد رسی صرف اللہ ہی کرتا ہے، اس کی پریشانی کو وہی دور کرتا ہے اسی نے تمہیں زمین میں نائب بنایا ہے۔ سورۃ یونس میں نیابت کا مقصد بھی بیان کیا ہے لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (آیت - ۱۰۲) تاکہ ہم دیکھیں کہ تم اس نیابت کا سختی کس طرح ادا کرتے ہو اور دنیا میں رہ کر کیسے اعمال انجام دیتے ہو؟

بعض لغات
التیسیر

اگلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض الغامات یاد دلا کر اپنی وحدانیت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ان الغامات کا عطا کرنے والا اللہ کے سوا کون ہے؟ جب کوئی نہیں تو پھر معبود بھی اس کے سوا کوئی نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتٍ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ كُونَ ہے جو خشکی اور تری کی تاریکیوں میں تمہاری راہنمائی کرتا ہے۔ بعض اوقات سمندروں میں جہاز ٹھنک جلتے ہیں، راستہ معلوم نہیں ہوتا یا جب کوئی قافلہ گھنے جنگلات یا بلاق و دوق صحرا میں گھڑ کر رہا ہوتا ہے تو راستہ بھول جاتا ہے۔ بھلا ایسی مشکلات میں راہنمائی کرنے والی کون سی ذات ہے جو راستہ دکھلا کر منزل مقصود تک پہنچا دے۔ ہر مشکل وقت میں اللہ ہی راہنمائی کرتا ہے اور وہی مشکلات کو دور کرتا ہے۔

فرمایا وَمَنْ يُرْسِلِ الرِّيحَ بِشْرًا أَيْ يَدْعِي رَحْمَتَهُ

کون ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے؟ جب ایک خاص سمت سے ٹھنڈی ہوا چلے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اب بارانِ رحمت ہوگی اور انسان، حیوان، پھر نیا پند اکیرے مگھڑے حتیٰ کہ نباتات بھی اس سے مستفید ہوں گے۔ جانداروں کو پینے کے لیے پانی میسر آنے کا اور باغات اور کھیتیاں سیراب ہو کر پھل پھول لائیں

گی، فصلیں پیدا ہوں گی، اور قحط سالی دور ہو جائے گی۔ مقصد یہ کہ خوشخبری لانے والی ہوئیں
بھی اللہ تعالیٰ چلاتا ہے۔ پھر یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر بارش رحمت ہی کا سبب ہو
بعض اوقات یہی بارش غیر مفید بھی ہو سکتی ہے، اسی بارش سے سیلاب آتے ہیں سمندر
میں طوفان اٹھتے ہیں اور اچھے بھلے لوگوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔

فَرِیَاۤءَ ۤاَللّٰہِ مَعَ ۤاَللّٰہِ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہے؟ ہرگز
نہیں تَعٰلٰی ۤاَللّٰہُ عَمَّا یُشْرَکُوْنَ اللہ تعالیٰ کی ذات تو بلند و برتر ہے
اُن چیزوں سے جن کو یہ خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا تے ہیں۔ کمال قدرت کا مالک
صرف خدا ہے جب کہ باقی سب عاجز مخلوق ہیں۔ کسی کے اختیار میں کچھ نہیں، مگر
اس کے باوجود لوگ دوسروں کو شریک بنا تے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ شرک سے بلند ہے۔

تخلیق انسانی
اور اس کا
اعادہ

پھر فرمایا اَمَّا یَبْدُوْا ۤاَلْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُوْہٖۤا کون ہے جو تخلیق
میں پہل کرے اور پھر اُس کا اعادہ کرے۔ ہم ہر روز شاہدہ کرتے ہیں کہ حضرت
آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد اُن کی نسل در نسل ہر روز لاکھوں بچے پیدا ہوتے ہیں، اور
قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ پھر جب قیامت برپا ہوگی، تو ہر چیز فنا ہو جائیگی۔
پھر اللہ تعالیٰ اُن کو دوبارہ زندگی بخشے گا اور وہ محاسبہ اعمال کے لیے اللہ کے حضور
پیش ہوں گے۔ سورۃ الطارق میں ہے اِنَّہٗ عَلٰی رَجْعِہٖ لَفٰدِرٌ
(آیت - ۸) جس نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے وہ اُس کے لوٹانے پر بھی قدرت
رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے پیدائش کا ایسا سلسلہ قائم کر رکھا ہے جس میں کبھی خلل واقع نہیں
ہوتا۔ انسان سے انسان ہی پیدا ہوتا اور ہر قسم کے حیوان، چمڑہ پرند اور کیڑے مکوڑوں
سے ویسی ہی مخلوق پیدا ہوتی ہے۔ کبھی ایک جنس سے دوسری جنس پیدا نہیں ہوتی۔
دہریوں کا نظریہ بھی باطل ہے جو کہتے ہیں کہ تمام مخلوق اندھے مادے کی تخلیق ہے، اور
تمام اشیاء اتفاق سے ہی نمود بخود پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ہر
جنس یعنی انسان، حیوان اور نباتات کو الگ الگ مادے سے پیدا فرمایا ہے، اس میں
اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اُس کی قدرت کا فرما ہے۔ نہ اس میں اندھے مادے

کا کوئی تعلق ہے اور نہ یہ اتفاق کی بات ہے۔ تخلیق اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں، لہذا اسی کی توحید کو تسلیم کر لینا چاہیے۔

آگے اللہ نے ایک اور دلیل بیان فرمائی ہے وَمَنْ يَكْفُرْ بِكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ مِمَّنْ هُمْ أَكْثَرُ أُنْفُسًا فَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ یعنی روزی کے اسباب کون دیکھتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا حکم آتا ہے تو فضا میں بادل گھبراتے ہیں۔ پھر اللہ کی مشیت میں جہاں اور جتنی بارش مقصود ہوتی ہے وہاں برسا دی جاتی ہے اس سے سبزہ اگتا ہے پھل اور اناج پیدا ہوتا ہے جو لٹا لٹا اور حیوانوں کی روزی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس کے علاوہ روزی کے جتنے بھی ذرائع ہیں سب اللہ تعالیٰ ہی دیا فرماتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ کون ہے جو تمہیں زمین اور آسمان سے روزی پہنچاتا ہے؟ عَمَّا يَشْعَبُ اللَّهُ كَيْفَ يَشَاءُ لِمَا يَشَاءُ اللَّهُ يَخْتَارُ۔ کیا خدا کے سوا کوئی اور بھی روزی رسال ہے۔ عقل نے پیغمبر! آپ کہہ دیں ہاتھ تو آج بڑھانے کو کہ ان کو تم صدیقین اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ بھی ہے تو پھر کوئی دلیل پیش کرو۔ مگر دلیل کہاں سے آئے گی مخلوق تو ساری کی ساری عاجز ہے، وہ تو کسی کام کی قدرت نہیں رکھتے۔ لاکھ ٹکڑوں بارود لائیں صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ہی ملیں گے۔ اللہ کی قدرت کا علم ہی سمجھ میں آئے گی۔ لہذا اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرنا بہت بڑا ظلم ہے۔ اس سے بچنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھنا چاہیے۔

روزی
رسالی

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ
 إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾ بَلْ أَدْرَكَ
 عَلَيْهِمْ فِي الْآخِرَةِ تَعَذُّبٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٦٦﴾
 هُمْ مِمَّنْ هُمْ مِنْهَا عَمُونَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ:- آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) نہیں جانتا جو بھی ہے
 آسمانوں میں اور زمین میں غیب سوائے اللہ کے۔ اور ان کو
 خبر نہیں کہ کب وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے ﴿۶۵﴾ بلکہ مگر
 گیا ہے ان کا علم آخرت کے بارے میں۔ بلکہ وہ شک میں
 ہیں اس (آخرت) کی طرف سے۔ بلکہ یہ لوگ اس (آخرت)
 سے اندھے ہیں ﴿۶۶﴾

گذشتہ آیات میں اللہ نے مسئلہ توحید سمجھانے اور شرک کی تردید میں کئی عقلی
 دلائل بیان فرمائے ہیں۔ ان دلائل میں ارض و سما کی تخلیق، بارش کا نزول باغات اور
 اشجار کی پیداوار، زمین کا قارگاہ پھسارنا اور اس میں نہریں جاری کرنا، زمین میں پھیلنے والے
 گارٹھ دینا، دوپانیوں کے درمیان آرٹ قائم کر دینا تاکہ آپس میں خلط ملط نہ ہونے پائیں۔
 وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد دلائل توحید ہی کے ضمن میں فرمایا کہ مجبور و بکس
 کی فریاد رسی کرنے والا اللہ کے سوا کون ہے؟ اسی نے تم کو پہلے لوگوں کا نائب بنایا
 خشکی اور تری میں وہی راہ دکھاتا ہے، باران رحمت سے پہلے وہی خوشخبری لانے والی
 ہواؤں کو چلاتا ہے، بھلا اُس کے سوا کوئی اور اللہ ہے؟ وہی مخلوق کو ابتداء میں پیدا

کرنے والا اور دوبارہ لوٹانے والا ہے۔ اسی نے زمین و آسمان سے روزی کے اسباب
 مہیا فرمائے۔ غرضیکہ ان تمام امور کو انجام دینے والا صرف اللہ ہے تو پھر معبود برحق بھی
 وہی ہے اگر اُس کے علاوہ بھی کوئی معبود ہے تو اس کے لیے دلیل پیش کرو۔ دلائل
 تو سارے کے سارے اللہ کی وحدانیت کو ثابت کرتے ہیں، لہذا اُس کے شریک ٹھہرانے
 کا کوئی پوز نہیں ہے اسی لیے تو اللہ نے ان دلائل سے قبل فرمادیا **اللَّهُ خَيْرٌ ح**
أَمْ يَشْرِكُونَ (آیت - ۵۹) کیا خدا تعالیٰ کی ذات بہتر ہے یا وہ جن کو یہ شریک
 بناتے ہیں؟

علم محیط خاصہ
 خداوندی ہے

مجلد ان خصوصیات کے جو معبود برحق میں پائی جاتی ہیں ایک یہ بھی ہے جو اللہ نے
 اس آیت میں بیان فرمائی ہے کہ تمام چیزوں کا کلی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ الوہیت
 کی ایک خصوصیت خالق ہونا ہے۔ اللہ بھی وہی ہو گا جو ہر چیز کا خالق ہے۔ سورۃ یونس
 میں فرمایا **قُلْ هَلْ مِنْ شَرِكِكُمْ مَنِ يَبْدُؤُ الْخَلْقَ ثُمَّ
 يُعِيدُهُ قُلِ اللَّهُ يَبْدُؤُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ** (آیت - ۳۴) اے
 پیغمبر! آپ ان سے پوچھیں کیا تمھارے شرکیوں میں سے کوئی ایسا ہے جس نے سب
 سے پہلے پیدا کیا اور پھر وہ اُس کا اعادہ کرے گا۔ فرمایا آپ یہ بھی کہہ دیں کہ اللہ ہی
 اولاً پیدا کرنے والا ہے اور وہی اس کو لوٹے گا۔ اس طرح سورۃ فاطر میں فرمایا۔
 اللہ کے انعامات کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کیے **هَلْ مِنْ خَلْقِ
 غَيْرِ اللَّهِ** (آیت - ۳) کیا اللہ کے علاوہ بھی کوئی خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین
 سے روزی پہنچاتا ہے؟ بصفتِ خلق کے علاوہ قادرِ مطلق ہونا بھی الوہیت کی صفت
 ہے۔ ہر چیز پر قدرت رکھنا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے **إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
 قَدِيرٌ** (البقرہ - ۲۰) ہر چیز پر صرف اللہ ہی قدرت رکھتا ہے۔ پھر علمِ کل
 ہونا یعنی ذرے ذرے کا علم ہونا بھی اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ **وَاللَّهُ بِكُلِّ
 شَيْءٍ عَلِيمٌ** (البقرہ ۲۸۲) ہر چیز کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے
وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا (النساء - ۱۲۶) اللہ تعالیٰ ہی ہر

چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ قدرت کے لحاظ سے احاطہ ہوا یا علم کے لحاظ سے یہ بہر حال اللہ تعالیٰ کی قدر مخصوص ہے۔ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ غیر مرنی ہے یعنی وہ دکھائی نہیں دیتا۔ یہ بھی اس کی صفات میں سے ہے۔ نافع اور ضار ہونا مختار کل ہونا، علم کل ہونا، خالق ہونا، یہ سب الوہیت کی صفات مختصہ ہیں۔ اسی طرح علم محیط بھی الوہیت کی صفات میں سے ہے جس ذات میں یہ صفات نہ پائی جائیں وہ کیسے اللہ ہو سکتا ہے؟

حافظ ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری میں حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ کے یہ نیک بندے جس کشتی پر سوار تھے اس کے کنارے پر ایک چٹیا آکر بیٹھ گئی۔ اس نے مندر میں چونچ مار کر ایک آدھ قطرہ پانی کا لیا تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اعمسلی صاع علیّی وعلّمک فی جنبّ علم اللہ الاکم مثل ہذا العصفور یعنی اے موسیٰ علیہ السلام! میرے اور تیرے علم کی مثال اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے اس چٹیا نے مندر سے پانی حاصل کر لیا ہے۔ بات دراصل یہ تھی کہ ایک شخص موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ کیا تھے زمین پر آپ سے زیادہ علم والا بھی کوئی ہے؟ تو آپ نے فرمایا، نہیں۔ میں اسی میں آپ کی آزمائش آگئی، کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کو اللہ کی طرف کیوں نہیں لوٹایا اور خود ہی سب سے بڑے عالم بن لیٹھے۔ انہیں چاہیے تھا کہ کہنے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ فی الواقع اس وقت اللہ کے دین اور شریعت کو سب سے زیادہ جاننے والے موسیٰ علیہ السلام ہی تھے لیکن پھر بھی ان کی گرفت ہو گئی اذ لستم یورثہ العلم المح اللہ کہ انہوں نے علم کی بات کو اللہ کی طرف کیوں نہ لوٹایا۔ بہر حال اسی سلسلے میں آپ کو لمبا چوڑا سفر اٹھانا پڑا اور پھر خضر علیہ السلام نے اپنے اور ان کے علم کی مثال بھی بیان کی کہ کل مخلوق کے مقابلے میں اللہ کے علم کی نسبت قطرے اور لاکھوں مربع میل پر محیط مندر جتنی بھی نہیں۔ خدا تعالیٰ کا علم ازل سے لے کر اب تک ذرے ذرے پر محیط ہے اور یہ الوہیت کی صفتِ حاصہ جو کسی دوسری شئی میں نہیں پائی جاتی۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پوری بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہوتے ہیں۔ ان کو وحی کے ذریعے علم حاصل ہوتا ہے۔ انبیاء کے عقل و حواس اور اعضا و جوارح بھی بڑے کامل درجے کے ہوتے ہیں۔ اللہ ان کو مصمم بنا ہے۔ وہ ابتداء سے ہی اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں اور ان سے گناہ نہیں سرزد ہونے دیا جاتا۔ اگر کوئی معمولی سی لغزش ہو جائے تو فوراً تائبہ کر دی جاتی ہے، کسی نبی کو کسی غلطی پر ٹکے نہیں دیا جاتا۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ان تمام تزکالات کے باوجود لَا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ إِلَّا مَا عَلَّمَهُمُ اللَّهُ وہ غیب کا علم نہیں رکھتے سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ ان کو دکھاتا ہے غیب کا جاننا اللہ تعالیٰ کی صفتِ محضہ ہے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے أَوْتِيَتْ عَلَّمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ مجھے اولین اور آخرین کا علم دیا گیا ہے۔ بلاشبہ آپ تمام انبیاء اور ساری مخلوق سے زیادہ علم رکھتے ہیں اس کے باوجود آپ کو عالم الغیب کتنا درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو دین اور شریعت کا علم مکمل طور پر دیتا ہے، کائنات کی بعض چیزوں کے متعلق بھی بہت کچھ علم دیتا ہے مگر ڈرے ڈرے کا علم نہیں کہ اللہ نے اس کی نفی فرمائی ہے اللہ کا فرمان ہے وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يُعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ (الانعام - ۵۹) غیب کی چابیاں خدا تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اس کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا۔ سورہ لقمان میں پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا علم صرف اللہ کے پاس ہے، اور وہ یہ ہیں کہ (۱) قیامت کب برپا ہوگی (۲) بادشہ کب اور کتنی ہوگی (۳) ماں کے پیٹ میں کیا ہے۔ (۴) انسان کل کیا کرے گا (۵) کس کی موت کہاں واقع ہوگی۔

البتہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو غیب کی بعض باتوں پر مطلع کر دیتا ہے، مگر کسی ایسے شخص پر عالم الغیب ہونے کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس میں اشتباہ واقع ہوتا ہے اور اشتباہ میں کسی کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتے۔

دیکھ لیجئے اللہ نے اپنے پیغمبر سے شعر و شاعری کی صریح الفاظ میں نفی کی ہے وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ (یس - ۶۹) ہم نے اپنے نبی

کو شعر کا علم نہیں سکھایا اور نہ وہ اس کی شایان شان ہے شعر و شاعری کا شجرہ بڑا وسیع ہے مگر نبوت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح کائنات اور بحر کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں دیا۔ بلکہ حلال و حرام، جائز و ناجائز اور اصلاح سے متعلق تمام باتیں آپ کو بتلا دی گئی ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے مَا مِنْ شَيْءٍ يُّقَرَّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا أَنْبَأْتُكُمْ بِهِ كَوْنِي أَيْسَىٰ حَيْزٍ نَبِيٍّ جَوَّهَرِيٍّ جَبَّتْ مِنْ قَرْتَبٍ كَرَّمْتِ وَأُورُزَخٍ مِنْ دُورٍ كَرَّمْتِ مَكْرَمِيٍّ نَبِيٍّ تَبَلَّأْتِ دِيَّيَ لِيَكُنْ جِهَانٌ تَمَكُّ دُنْيَاكَ عِلْمٌ كَاتِلِقُكَ بِهٖ تَوْبَةً سَارَةً نَبِيٍّ كَيْ لِيَهْضُرَ دِيَّيَ نَبِيٍّ بِشَلَا دُنْيَا دِيَّيَ فَنُونَ أَرْقَمِ رِيَاضِيٍّ حَضْرَافِيٍّ سَائِسِيٍّ جِهَانِزَانِيٍّ وَغَيْرِهِ أَكْثَرُ أَتَىٰ نَبِيٍّ جَانِسَةٍ تَوْبَةً كَوْنِي نَبُوْتِ كَيْ مَنَانِيٍّ بَاتٍ نَبِيٍّ هَبْ اَللّٰهُ كَيْ نَبِيٍّ نَبِيٍّ مَبْرُضِ عِلْمٍ مِنْ نَبَاهِ مَانِكِيٍّ هَبْ ۔

علم غیب خاصہ
خدا دہری ہے

آج کی پہلی آیت میں اللہ نے علم محیط کی صفت کو ہی بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قَدْ اٰتٰی سِغْمٰیْرًا اَبَّیْكَ لِیَا یٰكُم مِّنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبِ اِلَّا اللّٰهُ اَسْمَانِ وَرَمٰیْنِ مِیْنَ اللّٰهِ كَيْ سَوَا كَوْنِ غَیْبِ نَبِیٍّ جَانِسِ مَخْلُوْقٍ مِنْ عِلْمِ غَیْبِ كَيْ نَفْسِیٍّ مِنْ مَخْلُوْقٍ بَهْتِ سِیِّ اٰیٰتِ مِیْنَ ۔ اللہ نے حضور کی زبان سے کہلویا وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَاۤئِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبِ (ہود - ۳۱) میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے میں اور نہ میں غیب جانتا ہوں آپ کے یہ بھی فرمایا وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبِ لَاسْتَكْتَرْتُ مِنَ الْخَبْرِ وَمَا مَسَخٰنِ السُّوۡءِ (الاعراف - ۱۸۸) اگر میں غیب جانتا ہوتا تو فائدے کی بہت سی چیزیں اکٹھی کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ اگر اللہ کے نبی کو غیب کا علم ہوتا تو آپ اپنے نثر بہترین حفاظ اور قاریوں کو منافقین کے ساتھ نہ بھیجتے جنہیں بڑے معجزہ کے مقام پر دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور علیہ السلام نے حج کا اطرار مابندھا یعنی اس وقت آپ نے عمرہ کی نیت نہیں کی اور ساتھ قرابانی کے جانور بھی لیے۔ صحابہ کرام نے بھی آپ کے

اتباع میں حج کا احترام باندھا، مکہ معظمہ پہنچ کر خیال آیا کہ مشرکین حج کے میدانوں میں
عمرہ ادا کرنے کو گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں حالانکہ ایسی بات نہیں ہے تو آپ نے مشرکین کے
خلاف کرنے کے لیے صحابہ کو حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے وہ حج کے
احرام کو عمرہ میں بدل دیں اور عمرہ کر کے حلال ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا اگر میرے دل میں پہلے
وہ بات آجاتی جو بعد میں آئی ہے۔ تو میں قربانی کے جانور دینے سے نہ لاتا۔
اور جو طواف سعی کی ہے اس کو عمرہ میں تبدیل کر دیتا۔ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں

لَوَاطِفِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أُمَّيٍّ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَعَمْرُؤِ الْغَيْبِ
الْهَدْيِ وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً. یہ واقعہ بھی حضور علیہ السلام سے علم غیب کی نفی
کر آپ نے غرضیکہ تین سو سے زیادہ نصوص ملتی ہیں جن میں علم غیب مطلق کی نفی لگی گئی ہے
علم غیب کا اطلاق صرف خدا تعالیٰ کی ذات پر ہوتا ہے۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال و جواب کریں گے۔ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تو نے
لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنا لے؟ تو عیسیٰ علیہ السلام عرض
کریں گے کہ پروردگار تو پاک ہے، کھلا میرے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ایسی
بات کروں جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا۔ اگر میں نے ایسی کوئی بات کی ہے تو تو اُسے
جانتا ہے، تو میرے دل کی بات کو جانتا ہے مگر میں تیرے جی کی بات کو نہیں جانتا
إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ (المائدة - ۱۱۶) تمام غیبیوں کا جاننے والا صرف
تو ہی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ انبیاء کے لیے علم غیب کا ثبوت قرآن میں موجود ہے
وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي
مَنْ رُؤْسَهُ مَنْ يَشَاءُ (آل عمران - ۱۷۹) اللہ تعالیٰ تمہیں غیب سے
مطلع نہیں کرتا مگر اپنے منتخب نبیوں میں جس کو چاہے مطلع کرتا ہے
اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس نبی کو چاہے غیب کی بات
پر مطلع کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اطلاع علی الغیب کے بعد وہ غیب تو نہ رہا غیب
کی تو تصریح ہی یہ ہے کہ اس کا علم بغیر کسی واسطے یا اطلاع کے ہو۔ نبی کو اللہ

غیب کیا ہے؟

نے وحی کے ذریعے کوئی بات بتلا دی تو وہ غیب نہ رہا۔ اسی طرح کشف کے ذریعے اولیاء
کو کوئی بات سمجھا دی یا عقلی طور پر کوئی چیز فہم میں ڈال دی تو اس کو غیب نہیں کہہ سکتے۔ ہاں
اس کو اضافی طور پر غیب کہہ سکتے ہیں جیسے خدا تعالیٰ عَلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
(الحشش - ۲۲) ہے یعنی وہ غیب اور حاضر چیز کو جاننے والا ہے مگر یہ غیب مخلوق
کی نسبت سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں۔ اس کا اپنا فرمان ہے
وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي
السَّمَاوَاتِ (یونس - ۶۱) تیرے پروردگار سے تو زمین و آسمان کی ذرہ برابر چیز بھی
پوشیدہ نہیں ہے۔ بہر حال علم غیب وہ ہوگا جو بغیر کسی کے بتلانے یا جو اس ظاہرہ و
باطنہ کو استعمال کرنے کے حاصل ہوگا۔ اور اس کا اطلاق صرف اللہ کی ذات
پر ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو کوئی بات بتلا دیتا ہے تو پھر غیب نہیں
رہتا۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ کوئی شخص کسی جگہ ایک وقوعہ شاہدہ کر کے آئے ہے
تو وہ اگر دوسرے شخص کو بتلا دیتا ہے اب دوسرے شخص نے وہ خود تو نہیں دیکھا۔
اور نہ ہی بغیر بتلانے کے علم ہوا ہے۔ لہذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ دوسرے شخص کو علم
غیب ہے بلکہ وہ تو اطلاع کرنے سے ہوا ہے اور اطلاع علی الغیب غیب نہیں ہوتا
بہر حال ذرے ذرے کا علم تو فقط خدا تعالیٰ کو ہے۔ مخلوق کو تو اتنا بھی علم
نہیں وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ عین وقوع قیامت
کا علم اللہ نے اپنے ساتھ مختص رکھا ہے۔ قرآن میں تصریح موجود ہے۔ لَا
يَحِيطُهَا لَوْ قَتَلَهُمُ الْإِنْسَانُ (الاعراف - ۱۸۴) اُس نے اپنے سوا اس کا وقت
کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ بَلِ ادْرِكْ عِلْمَهُمْ فِي الْآخِرَةِ بَلْكَ آخِرَتِ كے
معالف میں اُن کا علم گر گیا ہے۔ ادْرِكْ کا معنی سمجھنا، پانا یا اکٹھا ہونا ہوتا
ہے۔ جیسے فرمایا۔ حَتَّىٰ إِذَا دَارَ كُفْرًا فِيهَا جَمِيعًا (اعراف - ۳۸) جب
سارے مجرم جہنم میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ تاہم اس مقام پر حبلے کا معنی بعض مفسرین
فرماتے ہیں "اُن کا علم گر گیا ہے یا ساقط ہو گیا" یعنی کافروں اور مشرکوں کے خیالات

وقوع قیامت
کا وقت

مختلف ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ قیامت آئیگی اور کوئی کہتا ہے کہ بالکل نہیں آئے گی
 گویا اس معاملہ میں اُن کا علم ساقط ہو گیا ہے اور وہ یقینی طور پر کچھ نہیں جانتے۔
 امام زحشریؒ ذلک کا معنی کامل ہونا کرتے ہیں۔ اس طرح جملے کا معنی یہ بنا
 ہے کہ آخرت کے بارے میں اُن کا علم کامل ہو چکا ہے۔ وہ اس طرح کہ وہ تمام
 اسباب اُن کے پاس آچکے ہیں جن کے ساتھ قیامت کا علم ہو سکتا ہے مگر پھر
 بھی یہ لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے انکار کر رہے ہیں۔ وہ ہر چیز کو اپنے سلسلے میں
 ہوتے دیکھتے ہیں۔ انسان اور جانور پیدا ہوتے ہیں۔ ہر موسم میں نباتات اُگتے پھرتے
 دیکھتے ہیں۔ پھر ہر فصل کے موقع پر ان کا اعادہ ہوتے بھی دیکھتے ہیں۔ یہ اس بات
 کے ثبوت ہیں کہ وقوعِ قیامت بعینہ نہیں ہے اگر کسی چیز کی تخلیق پہلی دفعہ ممکن ہے تو
 پھر دوبارہ بھی ممکن ہے۔ اس میں تردد کی کوئی بات ہے۔ سورۃ یونس میں ہے
 اِنَّہٗ یَبْدُوْا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ (آیت ۴) وہی پیدائش کی ابتدا کرتا ہے
 اور وہی دوبارہ لوٹے گا۔ فرمایا اس کے بعد جو درجائے لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ بَلْ
 هُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْہَا بَلْکَ وہ تو شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ سورۃ النبا
 میں وضاحت موجود ہے عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ عَنِ النَّبِیِّ الْعَظِیْمِ
 (آیت ۲۱۱) یہ کس چیز کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ بہت بڑی خبر یعنی قیامت
 کے بارے میں الَّذِیْ هُمْ فِیْہِ مُخْتَلِفُوْنَ (آیت ۳) جس کے
 متعلق وہ اختلاف کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ آئے گی اور کوئی انکار کرتا ہے یہ لوگ
 قیامت کے وقوع کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

فرمایا۔ بَلْ هُمْ مِّنْہَا عَمُوْنَ (آیت ۳) بلکہ یہ لوگ آخرت کے بارے
 میں اندھے ہیں۔ عمون کا معنی ظاہری آنکھوں کا اندھا پن نہیں بلکہ ان لوگوں کے دل
 اندھے ہیں جن میں صحیح بات نہیں سمائی۔ سورۃ الحج میں ہے فَاِنَّہَا لَا تَعْمٰی
 الْاَبْصَارُ وَ لٰکِنْ تَعْمٰی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الْمَشْدُوْرِ
 (آیت ۴۶) ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ سینوں میں رکھے ہوئے دل اندھے ہیں

دل کے
 اندھے

قوم نوح کے متعلق بھی فرمایا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنًا (اعراف - ۶۴) وہ ساری کی ساری قوم ہی اندھی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے۔

نَسْرَ الْعَمٰی عَمٰی الْقَلْبِ بدترین اندھا پن دل کا اندھا پن ہے۔ ظاہری آنکھوں سے محروم بعض لوگ تو بڑے اچھے اچھے کام بھی کر جاتے ہیں بعض لوگوں کے علمی کاموں سے نازخ بھری پڑی ہے۔ ان لوگوں نے علم کی بڑی خدمت کی ہے۔ یہ تو ظاہری نقص ہے کہ انسان آنکھوں سے محروم ہے مگر اصل اندھا تو وہ ہے جس کا دل اندھا ہے یعنی اس میں کفر، شرک اور بد عقیدگی بھری ہوئی ہے۔ ایمان کا تصویر موجود نہیں ہے اور وہ ہدایت کی بات کو سمجھنے سے عاری ہیں۔ بہر حال منکرین قیامت کے متعلق فرمایا کہ اِنَّ کُلَّ نَفْسٍ لَّعِنٰتٍ مِّنْکُمْ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا سٰجِدٰتٍ (سجده - ۷۲) ان کے باوجود یہ لوگ شک و تردید میں پڑے ہوئے ہیں، گویا ان کے دل اندھے ہیں جیسی وحیرے قیامت کا انکار کر رہے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاؤُنَا أَيسَا
 لَمُخْرَجُونَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وَعِدْنَا هَذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ
 إِنْ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيرُوا فِي
 الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۶۹﴾
 وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِمَّا
 يَمْكُرُونَ ﴿۷۰﴾ وَلَيَقُولُنَّ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ
 صَادِقِينَ ﴿۷۱﴾ قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ رَدِفَ لَكُمْ
 بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۷۲﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ
 عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۷۳﴾ وَإِنَّ
 رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۷۴﴾
 وَمَا مِنْ غَآيِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ
 مُبِينٍ ﴿۷۵﴾

ترجمہ ۱۔ اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار
 کیا، کیا جب ہم ہو جائیں گے مٹی اور ہمارے آباؤ اجداد بھی تو
 کیا ہم نکلے جائیں گے (زمین سے)؟ ﴿۶۷﴾ البتہ وعدہ کیا گیا
 ہے اس چیز کا ہم سے اور ہمارے آباؤ اجداد سے اس سے پہلے
 نہیں ہے یہ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی ﴿۶۸﴾ (اے پیغمبر!) آپ

کہ دیکھو چلو زمین میں۔ پس دیکھو کیا ہوا انجام محسوسوں کا (۶۹) (لے پیغمبر!) اور نہ غم کھائیں آپ ان پر۔ اور نہ ہوں آپ تنگی میں اُس چیز سے جو یہ پوشیدہ تدبیریں کرتے ہیں (۷۰) اور کہتے ہیں کہ کب ہو گا یہ وعدہ (قیامت کا) اگر تم سچے ہو (۷۱) آپ کہہ دیجئے کچھ بعید نہیں کہ قریب ہوں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جن کے لیے تم جلدی مچاتے ہو (۷۲) اور بیشک تیرا پروردگار البتہ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر مگر اکثر ان میں سے شک ادا نہیں کرتے (۷۳) اور بیشک تیرا پروردگار جاننا ہے جو چھپاتے ہیں ان کے سینے اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں (۷۴) اور نہیں ہے کوئی چیز غائب آسمانوں اور زمین میں مگر وہ ایک کھلی کتاب میں درج ہے (۷۵)

رابط آیات

گذشتہ رکوع میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے عقلی دلائل بیان فرمائے اور شرک کا رد کیا۔ پھر نافرمان لوگوں کے متعلق فرمایا کہ آپس کے اختلافات کی وجہ سے آخرت کے بارے میں ان کا علم ساقط ہو گیا ہے وہ کوئی صحیح بات نہیں کر سکتے بلکہ شک میں پڑے ہوئے ہیں، اور ان کے دل اندھے ہیں۔ اب آج کے درس میں قیامت کا ذکر ہے۔ مکی سورتوں کے اہم ترین مضامین میں توحید، رسالت، قرآن کی حقانیت کے علاوہ وقوع قیامت بھی ایک اہم مضمون ہے۔ کافر لوگ جہاں باقی بنیادی عقائد کا انکار کرتے تھے وہاں وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال کے بھی منکر تھے۔ بعض تو کلیتاً انکار کرتے تھے اور بعض شک و تردید میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ اس اہم مسئلہ کو اپنی عقل کی سوٹی پر پرکھنا چاہتے تھے مگر یہ بات ان کی ناقص سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ ان آیات میں اسی بات کا تذکرہ ہے۔

بعث بعد الموت کا انکار

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے

کفر کا شیوہ اختیار کیا یعنی توحید و رسالت اور وحی الہی کے منکرین نے یہ بھی کہا
 ﴿وَإِذَا كُنَّا تُرَابًا وَّأَبَآؤُنَا﴾ کیا جب ہم اور ہمارے آباؤ اجداد مٹی ہو جائیں گے
 یعنی ٹٹوں مٹی کے نیچے دفن ہو کر مٹی کے ساتھ مل کر مٹی ہو جائیں گے۔ سورۃ الحجرتہ میں
 ہے ﴿وَإِذَا اصْلَلْنَا فِي الْأَرْضِ﴾ (آیت - ۱۰) جب ہم مٹی میں گم ہو جائیں
 گے یعنی ہمارے جسمانی اجزاء مٹی میں رمل مل جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ پیدا کیے جائیں
 گے۔ یہاں بھی فرمایا کہ جب ہم اور ہمارے آباؤ اجداد مٹی میں مل جائیں گے،

﴿إِنَّا لَمُخْرَجُونَ﴾ تو کیا ہم اس زمین سے دوبارہ برآمد کیے جائیں گے۔ ظاہر ہے
 کہ معاد کا مسئلہ تو اسلام کے اہم ترین مسائل میں سے ہے معاد کا خوف ہی انسان کو
 احکام الہی کی پابندی پر مجبور کرتا ہے مگر جب یہ مسئلہ کفار مکہ کے سامنے بیان کیا جاتا
 تو وہ اس پر حیرت کا اظہار کرتے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص مرنے کے سینکڑوں
 ہزاروں سال بعد دوبارہ زندہ کیا جائے حالانکہ اس وقت تک تو اس کے جسم کا ذرہ
 ذرہ خاک میں مل کر خاک ہو چکا ہوگا۔ سورۃ سبأ میں اس مضمون کو اس طرح بیان
 کیا ہے کہ کافر لوگ آپس میں اس قسم کی گفتگو کرتے تھے کہ کیا ہم تمہیں اُس شخص کے
 متعلق بتائیں جو کہتا ہے ﴿إِذَا مَرُّوا كُنُوزَهُمْ﴾ (آیت - ۱۰) جب تمہارے اجمام ذرہ ذرہ ہو جائیں تو تمہیں دوبارہ
 پیدا کیا جائیگا۔ پھر خود ہی کہنے لگے ﴿لَقَدْ وَعَدْنَا هَذَا نَحْنُ وَاٰبَاؤُنَا مِن قَبْلُ﴾
 اس بات کا وعدہ ہم سے اور ہمارے آباؤ اجداد کے ساتھ اس سے پہلے بھی کیا گیا
 کہ مرنے کے بعد سب کو دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ مطلب یہ کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام اور
 شراعیع الیہ والے لوگ بھی یہی کہتے رہے ہیں مگر ہماری عقل میں یہ بات نہیں آتی، لہذا
 ہم اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔

معاذ سے انکار کا تذکرہ قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں مختلف انداز سے
 آیا ہے مثلاً سورۃ النزلت میں ہے ﴿وَإِذَا كُنَّا عِظَامًا﴾ (آیت - ۱۰)
 کیا جب ہماری ہڈیاں پھیر پھری ہو جائیں گی اور ان میں مادہ حیات باقی نہیں رہے گا۔

تو پھر بھی ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اس کے جواب میں سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! آپ ان سے کہیں کہ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا (آیت ۵۰) تم پھر پھر پھر کی بات کرتے ہو اگر سچتر اور لوہے جیسی سخت مخلوق تھی بن جاؤ تو اللہ تعالیٰ پھر بھی تمہیں زندہ کرے گا اور تم سے حساب کتاب لے گا۔

بہر حال کافر لوگ کہتے تھے کہ بعثت بعد الموت کی کچھ حقیقت نہیں اس هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں، جو ہم آبَاؤُا اٰبَادٍ سے سنتے آئے ہیں مگر آج تک کسی کو دوبارہ زندہ ہونے نہیں دیکھا۔ اساطیر اسطورہ کی جمع ہے جو یونانی زبان کا لفظ ہے اور اس کا انگریزی تلفظ سٹوری STORY ہے وہ عمارت کے مسئلہ کو پرانے زمانے کی سٹوریوں سے تعبیر کرتے تھے۔ اس باطل خیال کا جواب اللہ نے مختلف طریقوں سے دیا ہے۔ عام طور پر یہ مسئلہ نباتات کی روئیدگی کی مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف سے بارش نازل کرتا ہے جس سے زمین سیراب ہوتی ہے تو اس میں روئیدگی کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور پھل اس میں طرح طرح کے پودے، درخت، جڑی بوٹیاں اور اجناس پیدا ہوتی ہیں۔ یہ چیزیں اپنے عروج پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ ان کے ذرات منتشر ہو کر مٹی میں مل جاتے ہیں، مگر جب پھر موسم کے مطابق بارش ہوتی ہے، تو وہی چیزیں دوبارہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ جن کا تم روزمرہ مشاہدہ بھی کرتے ہو۔ مگر انسانوں کے دوبارہ پیدا ہوجانے پر یقین نہیں کر لے۔ سورۃ القیامت میں فرمایا کہ جَنّٰتٍ وَّ اٰنۡجَارٍ نے انسان کو قطرہ آب سے اور پھر گوشت کے لوتھڑے سے مکمل انسان بنایا، پھر تکرار و تہمت کے جوڑے بنائے اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَدِرٍ عَلٰی اَنْ يَّخۡرِجَ مِنَ الْمَوۡتِ (آیت ۴۰) کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ قیامت کے دن مردوں کو دوبارہ زندہ کرے؟ بَلٰی قَا وَهُوَ الْخَلۡقُ الْعَلِیۡمُ (آیت ۸۱) کیوں نہیں وہ بڑا پیدا کرنے والا اور علم والا ہے۔ فرمایا

يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ (یس - ۷۹) انہیں دوبارہ بھی دی
زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی دفعہ پیدا کیا۔ جب پہلی پیدائش کو مانتے ہو تو پھر
دوبارہ تخلیق کو کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ یہ تو بڑی بے عقلی کی بات ہے۔ جب
آغاز سے واقف ہو تو انجام بھی دیکھ لو گے۔

فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے سَيُرَوُّوا فِي الْأَرْضِ فَاَنْظُرُوا
زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کیف کان عاقبة الْمُجْرِمِينَ کج مجرموں
کا انجام کیا ہوا۔ وہ مجرم جو طرح طرح کے جرائم کا ارتکاب کرتے تھے، حق کو مٹانا
چاہتے تھے، باطل کی سرپرستی کرتے تھے، کفر و شرک کے شعائر کو زندہ رکھنا
چاہتے تھے، ایمان اور توحید والوں کے دشمن تھے، اللہ کے نبیوں کی مخالفت
کرتے تھے اور عام لوگوں پر مظالم ڈھاتے تھے، ان کے انجام کی کہانیاں آمار قدیمہ
کے کھنڈرات میں پڑھ لو۔ ان کی اُجڑی ہوئی بستیاں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ
یہاں کبھی ظالم و سرکش لوگ آباد تھے جن کا نام و نشان ناک مٹ گیا۔ دنیا میں کوئی
قوم جس قدر زیادہ سرکش تھی اُس کو سزا بھی اُسی قدر زیادہ ملی۔ سورۃ ابراہیم میں فرمایا
وَسَكَّنْتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ
وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمْ الْأَمْثَالَ
(آیت - ۴۵) تم ان لوگوں کی رہائش گاہوں میں اقامت پذیر ہو جنہوں نے اپنی جانوں
پر ظلم کیے اور یہ بات تمہارے سامنے واضح ہو چکی ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا
دیکھ لو ہم نے انہیں صفحہ ہستی سے ناپید کر کے ان کی جگہ تمہیں آباد کیا۔ تمہیں عبرت حاصل کرنی
چاہیے کہ اگر تم نے بھی اپنی لوگوں کا دظیم اختیار کیا تو پھر تمہارا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔

پھر اللہ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا۔ وَلَا
تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ سَمَّاءُ آف ان لوگوں پر غم نہ کھائیں۔ ان کی حالت کو دیکھ کر افسردہ
نہ ہوں وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ اور نہ ہی آپ
ان کی خفیہ تدبیروں سے تنگی محسوس کریں۔ ان کے مکر و فریب سے دل برداشتہ نہ ہوں۔

مجربین کا
انجام

حضور علیہ السلام
کیونسی

اللہ تعالیٰ ان سے خود ہی نمٹ لے گا اور ان کو سزا دے گا۔ یہ اپنی سازشوں میں نہ پہلے کبھی کامیاب ہوئے ہیں اور نہ اب ہوں گے۔ اور جہاں تک آپ کی ذات کا تعلق ہے یہ آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ - ۶۷) اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ اور آپ کے مشن کو کامیاب بنائے گا۔ اور اس کو دنیا میں پھیلائے گا۔ پچھلی سورۃ الشجرہ میں بھی گنہگار چکا ہے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسًا أَلَّا يَكُونُوا مَوْمِنِينَ (آیت ۲۰) آپ اتنے رنجیدہ خاطر نہ ہوں کہ اپنا گلا ہی گھونٹ دیں اس وجہ سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ آپ اپنا فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہیں۔ ان کی حرکتوں کی باز پرس خود اللہ تعالیٰ ان سے کریگا۔

قیامت کا
اشارہ

فرمایا، ان لوگوں کا حال تو یہ ہے وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدِ اِنَّ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بناؤ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ محض دیکھیاں دیتے ہو، اگر قیامت کا یقین ہے تو پھر اسے برپا کیوں نہیں کر دیتے وہ لوگ نمبر، غرور اور تعصب کی بنا پر ایسی بات کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا قُلْ لے پیغمبر! آپ اس کا جواب یہ دیں عَلَيَّ اَنْ يَّكُوْنَ رَدْفًا لَّكُمْ بَعْضُ الَّذِيْنَ تَسْتَعْجِلُوْنَ شاید کچھ بعید نہیں کہ قیامت تمہاری پشت کے پیچھے پہنچ چکی ہو بعض وہ چیزیں جن کے متعلق تم جلدی کرتے ہو یہ مقصد یہ کہ تم قیامت کو مذاق سمجھتے ہو مگر عین ممکن ہے کہ یہ تمہارے بالکل قریب پہنچ چکی ہو اور تم پر اچانک وارد ہو جائے۔ کفار و مشرکین عموماً دو چیزوں کے متعلق جلدی مچاتے تھے یعنی تیار نہ کیوں برپا نہیں کر دیتے یا ہم پر عذاب کیوں نہیں نازل کر دیتے؟ مکے والے بھی کہتے تھے اَلْمَوْءِمِّنُ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطُرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوْ اَنْتِنَا بِعَذَابِ الْيَوْمِ (الانفال ۳۲) لے اللہ! اگر اللہ کے نبی کے فرمودات برحق ہیں تو پھر ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا یا کوئی دوسرا دردناک عذاب بھیج دے۔ چنانچہ پیغمبر کو مکے سے نکلے ابھی ڈیڑھ سال

ہی گزرتا تھا کہ اللہ نے مشرکوں پر بڑے میدان میں عذاب بھیج دیا اور اللہ کا وعدہ پورا ہو گیا۔ ہلاکت و بربادی بھی قیامت ہی کا حصہ ہے جو کہ اپنے وقت پر آئے گی مگر اس کا نمونہ دنیا میں بھی آسکتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ جو مر گیا اس کی قیامت تو برپا ہوگی۔ اُس کا حساب کتاب تو قبر میں ہی شروع ہو گیا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ جن چیزوں کے آنے میں تم جلدی کرتے ہو، ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے بالکل قریب پہنچ چکی ہوں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو اور پھر وہ اپنا کام تم پر وارد ہو جائیں۔ یہاں پر رَدْف کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ رَدْف اُس شخص کو کہتے ہیں جو سواری پر پیچھے بیٹھتا ہے۔ اس میں کہنا یہ ہے کہ قیامت تم سے اتنی قریب ہے جتنا سواری پر پیچھے بیٹھنے والا آگے بیٹھنے والے کے قریب ہوتا ہے فرمایا یہ لوگ تو اپنی نادانی کی وجہ سے قیامت کے جلدی آنے کی خواہش رکھتے

ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

تیرا پروردگار تو لوگوں پر بڑا فضل کرتا ہے۔ وہ ہمت دینا رہتا ہے اور جلدی گرفت نہیں کرتا۔ اس جملت کو غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ وَلَٰكِنْ

اَكْثَرُهُمْ لَا يَشْكُرُونَ مگر ان میں سے لوگوں کی اکثریت خدا تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتی، بلکہ غرور و تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جملت دینے کا یہ مطلب نہیں

ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو گرفت میں نہیں لے گا بلکہ حقیقت یہ ہے۔ اِنَّ

بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ (البسورج - ۱۱۲) تیرے پروردگار کی پکڑ پری سخت

ہے۔ جب وہ گرفت کرتا ہے تو پھر عذاب دینے بغیر چھوڑتا نہیں مگر افسوس

کا مقام ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے ناجائز فائدہ اٹھاتے

ہیں۔ فرمایا فَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا

يُعْلِنُونَ تیرا پروردگار خوب جانتا ہے۔ اس چیز کو جو ان کے سینے چھپاتے

ہیں اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں۔ آپ اپنا کام متعدی سے کرتے جائیں اور ان کی طرف

سے زیادہ غم نہ کھائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اخلاق، عقیدے اور مخفی تدابیر کو جانتا ہے

وہ خود ان سے نپٹ لے گا۔

لوح محفوظ

اگے ارشاد ہوتا ہے وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ارض و سما کی کوئی غائب چیز نہیں ہے مگر وہ ایک کھلی کتاب میں درج ہے۔ ہر چیز کا ریکارڈ اللہ کے پاس لوح محفوظ میں درج ہے اور کوئی ظاہر یا پوشیدہ چیز اس سے باہر نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ظاہر اور باطن تو مخلوق کے اعتبار سے ہے مگر نہ خالق کے نزدیک تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (یونس - ۶۱) تیرے پروردگار سے تو کوئی ذرہ برابر چیز بھی مخفی نہیں ہے خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں مگر وہ ایک کھلی کتاب یعنی لوح محفوظ میں درج ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ہر وقت شاہد ہے وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (البورج - ۹) اُس کی نظروں سے کوئی چیز اوجھل نہیں وہ ہر چیز پر نگران ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے علم تفصیلی کا نمونہ ہے کہ ابتداء سے لے کر انتہا تک ہر چیز ایک کھلی کتاب میں درج ہے۔ اس کے علاوہ اللہ نے ہر چیز کے ریکارڈ کے لیے فرشتوں کو بھی مقرر کر رکھا ہے۔ انسان کی نگرانی کرنے والے کراما کا تہمیں اُس کے اعمال کا ذرہ ذرہ درج کر رہے ہیں۔ خود انسان کی روح اور جسم میں بھی اعمال کا اندراج ہوتا ہے، جب وقت آئے گا تو سب ظاہر ہو جائیں گے۔ یہ آپ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ زیادہ منفک رہیں، ان کی مخفی تدبیروں سے خوف نہ کھائیں اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن سے واقف ہے، وہ خود ہی ان کی تدابیر کو ناکام بنا لے گا۔

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقْضَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي
 هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۷۶﴾ وَإِنَّهُ لَهْدَىٰ وَرَحْمَةٌ
 لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۷۷﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ
 وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّكَ عَلَى
 الْحَقِّ الْمُبِينِ ﴿۷۹﴾ إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ السَّمَوَاتِي وَلَا تَسْمَعُ
 الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿۸۰﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَدَى
 الْعَمَىٰ عَنِ ضَلَالَتِهِمْ إِنْ تَسْمَعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ
 بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۸۱﴾ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ
 أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ
 كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ :- بیشک یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل پر اکثر
 وہ باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں ﴿۷۶﴾ اور بیشک یہ
 (قرآن) البتہ ہدایت اور رحمت ہے ایمان والوں کے
 لیے ﴿۷۷﴾ بیشک تیرا پروردگار فیصلہ کرے گا ان کے درمیان
 اپنے حکم سے ۔ اور وہ غالب اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۷۸﴾
 پس آپ بھروسہ رکھیں اللہ پر ۔ بیشک آپ کھلے حق پر
 ہیں ﴿۷۹﴾ تحقیق آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو

اور نہیں سنا سکتے بہروں کو پکار جب کہ وہ پشت پھیر کر جا رہے ہوں (۸۰) اور نہیں آپ راہ دکھلا سکتے انصاف کو اُن کی گمراہی سے۔ آپ تو سنا تے ہیں اُس کو جو یقین لاتا ہے ہماری آیتوں پر، اور وہ فرمانبرداری کرنے والے ہیں (۸۱) اور جب واقع ہو جائیگی بات اِن پر تو نکالیں گے ہم اِن کے لیے جانور زمین سے کہ وہ کلام کرے گا اِن سے، اس لیے کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے (۸۲)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں قیامت کا ذکر تھا اور منکرین معاد کا رد کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور اُس کی قدرت نامہ کا ذکر تھا۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ تمام باتیں اُس کے علم میں ہیں اور وہ مجرمین کو ضرور سزا دیگا۔ نیز فرمایا کہ ارض و سما کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے غائب نہیں ہے بلکہ اللہ کے علم میں محفوظ ہے۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت و صداقت اور پیغمبر کی نبوت و رسالت کا تذکرہ کیا ہے۔

قرآن کریم
کی حق گوئی

پہلے قرآن پاک کی حقانیت و صداقت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ اِن
هَذَا الْقُرْآنُ يَقُصُّ عَلَيْكَ نَبِيَّ إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ
يَحْتَلِفُونَ بِشَكِّهِ قُرْآنِ كَرِيمِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كِي بَسْتِ سِي وَه بَاتِيں بِيَان كَر تَاهِي جِن
مِيں وَه اِخْتِلَاف كَر تِي هِيں۔ يِه اللّٰهُ كِي وَه بَر حَق كِتَاب هِيں۔ جَو دَحِي اللّٰهُ كِي ذَرِيعِي
بَازِل هِيں اَو رِي بَنِي إِسْرَائِيل كِي طَرَف سِي سَابِقَةً كُتِب سَمَويِه مِيں كَيْسِي كُنِي تَغْيِير وَتَبَدُل
كَأ پَر وَه چَاك كَر تِي هِيں۔ اِن لَو كُوں نِي تَوْرَات اَو رِ دِيگر صَحَافَت مِيں عَقِيْدِيں اَو رِ
عَصْمَت اِنْبِيَاء سِي مَتَلَق بَسْت سِي غَلَط بَاتِيں شَامِل كَر دِي تَحْقِيں۔ مَثَلًا تَحْلِيْقِ آدَم كِي
مَتَلَق يِه لِكْه دِيَا كِه اللّٰهُ تَعَالَى آدَم عَلِيهِ السَّلَام كُو پِيَا كَر نِي كِي بَعْد بَحْثِيَا (الْعِيَاذُ بِاللّٰهِ)
بَر حَق كَفَر يِه كَلْم هِيں۔ تَوْرَات كِي پَهْلِي بَاب مِيں يِه بِي لِكْه دِيَا كِه اللّٰهُ تَعَالَى نِي

ارض و سما کو چھ دن میں پیدا کیا اور پھر ساتویں دن آرام کیا گو یا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کو بناتے بناتے تھک گیا تھا (العیاذ باللہ) مگر قرآن نے اس مسئلہ کو واضح طور پر بیان کر دیا کہ ہم نے ارض و سما اور ان کے درمیان چیزوں کو چھ دن کے وقفے میں پیدا کیا وَمَا مَسَّنَا مِنْ لَلَّخْوَابِ (ق۔ ۳۸) مگر ہمیں کوئی تھکاوٹ لاحق نہیں ہوئی۔ اسی طرح مسیح علیہ السلام کی انبیت اور الوہیت کا جو عجز و تنہا نے گھڑ رکھا ہے، قرآن نے اُس کی جگہ جگہ تردید کی ہے مثلاً اللہ نے فرمایا اِنَّ هُوَ الْاَعْبَدُ الْعَمَلُ عَلَيْهِ (الزخرف ۵۹) یعنی مسیح علیہ السلام تو ہمارے بندے تھے جن پر ہم نے انعامات کیے، وہ خود الہ نہیں تھے۔ خود عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یحییٰ میں اعلان کر دیا۔ قَالَ اِنَّكَ عَبْدُ اللّٰهِ (مریم۔ ۳۰) میں تو اللہ کا بندہ ہوں، (الہ نہیں) اُس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور نبی بنایا ہے۔ بغرض یہ قرآن پاک بنی اسرائیل کی غلط باتوں کی واضح طور پر نشاندہی کرتا ہے۔ وَاِنَّ لَكُمْ لَعِجْدًا وَّ رَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اور بیشک یہ قرآن البتہ مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ اس کے ذریعے انسان کے عقیدے، احکام اور ہر چیز میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اور پھر جب انسان اس ہدایت پر عمل پیرا ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بن جاتا ہے۔

فرمایا بنی اسرائیل جن باتوں میں اختلاف اور جھگڑا کرتے ہیں اِنَّ رَبَّكَ يَقْتَضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمَةٍ يَّبِيْنَكَ آپ کا پروردگار اپنے حکم سے اُن باتوں میں فیصلہ کرے گا۔ بنی اسرائیل کے متنازعہ امور میں اللہ تعالیٰ نے علمی فیصلہ تو انبیاء بھیج کر اور قرآن نازل کر کے کر دیا ہے اور حق و باطل کو واضح کر دیا ہے، البتہ ان کے درمیان عملی فیصلہ ہونا باقی ہے۔ یہ فیصلہ قیامت کے دن قطعی طور پر ہو جائے گا۔

جِبِ اللّٰهِ تَعَالٰی اِنَّ كَرِ اِنَّ كَرِ کے معنائوں اور اعمال کے مطابق پورا پورا بدلہ دے گا۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ وہ کمال قدرت کا مالک ہے۔ کافروں کی ساری سازشیں اور اہل کتاب کا تعصب عند اُس کے علم میں ہے۔

تسلی کا
مصنوع

دوسری طرف اللہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا
فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ آپ اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھیں إِنَّكَ عَلَى
الْحَقِّ الْمُبِينِ بیشک آپ کھٹے حق پر ہیں۔ لہذا آپ اپنا کام جاری رکھیں
اور ان نافرمانوں کی طرف سے دل برداشتہ نہ ہوں کہ یہ لوگ ایمان قبول کیوں نہیں
کرتے۔ حقیقت یہ ہے إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَىٰ كَمَا تَسْمَعُ الْحَيَاتِ کہ
میں نہیں سنا سکتے۔ وَلَا تَسْمَعُ الصَّخْرَةَ إِذَا وَلَّوْا مَدْبِرِينَ اور نہ ہی آپ کسی بہرے کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جب کہ وہ پشت پھیر کر جا رہے ہوں۔
اس مقام پر کافروں کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور بہروں سے مراد
بھی وہ کفار و مشرکین ہیں جو حق بات کو سننے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوتے، تو جس
طرح مرنے اور بہرے آدمی کو کوئی بات نہیں سنانی جا سکتی، اسی طرح ان کفار و مشرکین
پر بھی توحید اور ایمان کی بات اثر انداز نہیں ہوتی۔ ان مکذبین کے دل مردہ ہو چکے
ہیں اور ان کے دل کے کان بہرہ ہیں، لہذا ان پر کوئی نصیحت کارگر نہیں ہو سکتی۔
اگرچہ ان کے ظاہری کان موجود ہیں اور وہ آپ کی آواز سنتے بھی ہیں مگر جو نصیحت آپ
کرنے چاہتے ہیں وہ ان پر کارگر نہیں ہوتی، گویا کہ وہ سنتے ہی نہیں۔ لہذا اللہ نے فرمایا کہ
آپ ان کے متعلق زیادہ فہم نہ رہیں۔

سماع موٹی ۴
(۱) حضور نبی کریم

سماع موٹی یعنی مردوں کے سننے کا مسئلہ بحث طلب ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔
ایک کا تعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ سے ہے اور دوسرے عام
فرت شدگان سے۔ اول الذکر مسئلہ متفق علیہ ہے، جب کہ ثانی الذکر اختلافی ہے۔
پہلا مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص حضور علیہ السلام کی قبر مبارکہ پر جا کر قریب سے صلوات و سلام
پڑھے تو اسے آپ سنتے ہیں یا نہیں؟ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ میں
ذکور ہے کہ جو آدمی حضور علیہ السلام کی قبر پر جا کر درود و سلام عرض کرے آپ اسے از خود
سنتے ہیں اور اس مسئلہ میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اس بارے میں صحیح حدیث بھی موجود ہے
مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِبًا
لے مشکوٰۃ ص ۸۷

(فیاض)

اَبْلَغَتْ یعنی جو شخص میری قبر کے قریب درود و سلام پڑھتا ہے میں اس کو بخش نفیس
 سُناتا ہوں اور جو شخص دوزخ سے مجھ پر درود پڑھے، وہ مجھے فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا
 ہے۔ اس روایت کے سائے راوی صحیح ہیں اور اسے امام ابن قیمؒ، امام ابن کثیرؒ اور
 ملا علی قاریؒ نے بھی صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جیسے بڑے بڑے محدث بھی
 اس کو صحیح روایت تسلیم کرتے ہیں بغیر متقدمین میں سے مولانا سید نزیر حسین دہلویؒ جو
 شاہ اسحاقؒ کے شاگرد تھے مگر اہل حدیث مسلک اختیار کر لیا تھا، اُن کے فتویٰ میں بھی
 اس حدیث سے اتفاق کیا گیا ہے، لہذا یہ مسئلہ اتفاقی ہے، ہنگامہ فوس کا مقام ہے
 کہ موجودہ زمانے کے بعض مولویوں نے اس مسئلہ کو بھی اختلافی بنا لیا ہے۔

۱۲۱ عام فوت
 شدگان

البتہ عام فوت شدگان کے سماع کا مسئلہ صحابہ کرامؓ کے زمانے سے اختلافی
 چلا آ رہا ہے اور بقول مولانا گنگوہیؒ جن مسائل میں صحابہ کا اختلاف ہے آج ہم اُن کو
 طے نہیں کر سکتے۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے، لہذا ہمیں محتاط راستہ ہی اختیار
 کرنا چاہیے۔

اس مسئلہ میں صحابہ کرامؓ میں بھی دو رائیں پائی جاتی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ
 اور بعض دوسرے صحابہ سماع موتی کے قائل نہیں ہیں جب کہ حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ
 کہتے ہیں کہ مرنے سننے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دونوں باتیں منقول ہیں
 حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت بھی موجود ہے جس کو امام ابن
 کثیرؒ نے بھی نقل کیا ہے مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَسْتَبِقُ بِقَبْرِ أَخِيهِ الا
 جو مسلمان کسی مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دُنیا میں پہچانتا تھا
 تو وہ اس کو قبر میں بھی پہچانتا ہے، اور جب آنے والا سلام کرتے تو قبر والا اس کو
 سُناتا ہے۔ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے اور اسی قسم کی روایت
 ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے۔

بر کے مقتول کفار کی لاشیں جب کنوئیں میں ڈال دی گئیں۔ تو حضور علیہ السلام
 نے اس کنوئیں پر کھڑے ہو کر اُن جہنم واصلوں کو خطاب کیا تھا کہ اے فلاں! اور

۴۶۱
 اے فلاں! اللہ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، ہم نے تو اُس کو برحق پایا، تم بلا ذکر اللہ
 نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا، اس کو تم نے بھی برحق پایا یا نہیں؟ اس پر حضرت
 عمرؓ نے عرض کیا کہ حضرت! آپ ان مردوں سے کلام کرتے ہیں، تو آپ نے
 فرمایا مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعُ مِنْهُمْ وَلَا يَكْتُمُهُمْ وَلَا يَجِدِي سَوَاتٍ
 یعنی یہ مردے تم سے زیادہ سنتے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے۔ حضرت عائشہؓ کے
 انکار سماعِ موتی سے متعلق حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ اُن کا موقف اس معاملہ میں یہ ہے
 کہ اللہ نے مقتولین بدر کو معجزے کے طور پر زندہ کیا تھا تاکہ وہ حضور علیہ السلام کی بات
 کو سن سکیں اور انہیں مزید حسرت ہو، تاہم عام مردے نہیں سنتے۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس مسئلہ میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دعویٰ کرے
 کہ میں مردوں کو اپنی بات سنا سکتا ہوں تو یہ تو نصِ قرآنی کے خلاف ہے۔ جہاں
 تک مردوں میں بنفسہ سنتے کی طاقت کا تعلق ہے تو امام بخاریؒ نے باب ہی یہ
 باندھا ہے اَلْمَيِّتُ يَسْمَعُ قَرَعِ نَعَالٍ یعنی جب مردہ کو دفن کرنے
 واپس لوٹتے ہیں تو مردہ اُن کے پاؤں کی آہٹ کو سنتا ہے۔ مولانا نانوتویؒ
 نے یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے قبرستان جا کر جو دعائیں پڑھنے
 کی تعلیم دی ہے اُس میں مردوں سے خطاب پایا جاتا ہے۔ جیسے یہ دُعَا ہے اَلسَّلَامُ
 عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ وَاِنَّا اَسْتَاوُ اللّٰهُ بِكُمْ لَدَاحِقُونَ
 يَخْفِئُ اللّٰهُ لَنَا وَكَمْ اَلسُّلْمَانُوں كِي قَوْمِ تَمِ پَسَلَاتِي هُو اور ہم بھی اِنشَاء اللہ
 تمہارے ساتھ چلنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں معاف فرمائے۔ فرماتے
 ہیں کہ اگر مردے اس دُعَا کو سنتے نہیں تو پھر ان کو خطاب کر کے سلام کرنے کا کیا فائدہ
 اُن کے لیے خالی دُعَا ہی کافی تھی، حضور علیہ السلام نے سلام کرنے کا حکم کیوں دیا؟
 اس سے معلوم ہوا کہ مردے بنفسِ نفیس سلام کو سنتے ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں
 کہ بہت ہی صحیح احادیث سے سماعِ موتی کا ذکر ملتا ہے جن سے انکار نا انصافی ہوگی۔
 البتہ قاضی شفاء اللہؒ بانی پتی مولانا اشرف علی تھانویؒ اور امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ
 عدم سماع سے سماعِ نافع مراد ہے یعنی مردے سنتے تو ہیں مگر اُس سے فائدہ نہیں

اٹھا سکتے۔ مطلق سماع مراد نہیں ہے ورنہ بہت سی صحیح احادیث کا انکار لازم آجیگا جو انصافی کی بات ہوگی۔

مولانا حسین علیؒ والی پھر اہل علم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے علم حدیث کے شاگرد اور مروی زئی والے خواجہ عثمانؒ کے سرپرست تھے۔ آپ اولیاء اللہ میں سے تھے۔ آپ نے "تخریبات حدیث" کے نام سے علم حدیث کی شرح میں کتاب بھی لکھی ہے جس میں تحریر کیا ہے کہ جو لوگ قبروں کی زیارت کے لیے جاتے ہیں، مرنے ان کے سلام و دعا کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے جمعہ کا دن اور طلوع آفتاب سے قبل کا وقت زیادہ موزوں ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" میں لکھا ہے کہ قرآن اور اسلام کا نفاذ مردوں کے حق میں برحق ہے یعنی وہ یہ دونوں چیزیں سنتے ہیں۔ غرضیکہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ مرنے سنتے ہیں۔ البتہ احناف میں بھی بعض عدم سماع کے قائل ہیں۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ سماع موتی کو تسلیم کرنے والا آدمی کافر یا مشرک نہیں ہو جاتا جیسا کہ بعض لوگ اس قسم کا فتویٰ بھی دے دیتے ہیں۔ ہاں! اگر کوئی شخص سماع کے ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھے کہ مرنے حاجت روائی اور مشکل کشائی بھی کرتے ہیں تو ایسا شخص یقیناً مشرک ہو گا جو غیر اللہ سے استعانت کا قائل ہے۔ سورۃ فاطر میں موجود ہے: **اِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دَعْوَاكُمْ** **وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ** (آیت ۱۴۲) اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ سنتے نہیں۔ اور اگر سن بھی لیں تو وہ جواب نہیں دے سکتے۔ خود حضور علیہ السلام جن کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ وہ قریب سے سنتے ہیں، ان کے بارے میں بھی فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ صلوة و سلام پیش کرنے کے بعد آپ سے بھی صرف شفاعت کی درخواست کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین پر قائم رکھے اور ہمارا خاتمہ باخیر ہو، مراد تو آپ سے بھی مانگا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ اولیاء اللہ یا دوسرے

استعانت
عن الموتی

قبول والوں سے استعانت کی درخواست کی جائے۔

بہر حال سماع موٹی کے مسئلہ میں کسی کو کافر مشرک کہنا غلط ہے۔ سماع کے حق میں اور اس کے خلاف دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں، لہذا ہر شخص اپنے اپنے عقیدہ پر چلتا ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ عدم سماع کے قائل ہیں جب کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سماع موٹی کو ترجیح دیتے ہیں مگر وہ ایک دوسرے کو کافر یا مشرک کا فتویٰ نہیں لگاتے۔ صحابہ کے مختلف فیہ مسائل کو آج ہم حل نہیں کر سکتے۔ فرمایا

وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعَمَىٰ عَنْ صَلَاتِهِمْ أَرْبَابٌ لَّهُمْ كُفْرٌ أَنْ

کی گمراہی سے راہ ہدایت پر نہیں لاسکتے۔ جن کے دل اندھے ہو چکے ہیں، انہیں صراطِ مستقیم نظر نہیں آتا، لہذا آپ لاکھ کوشش کریں وہ آپ کی بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے، لہذا آپ ان کے متعلق زیادہ فخر نہ کریں۔ ہاں

إِنْ تَسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ہ

آپ صرف ان کو اپنی بات سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں اور وہ فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔ دوسرے لوگ اس ہدایت کا راہ نہیں ٹھاکتے۔ ان کو وعظ کرنا تو ایسا ہی ہے جیسے آپ قبرستان جا کر مردوں کو وعظ کرنے لگیں۔ جس طرح مردوں کے لیے آپ کی نصیحت کارآمد نہیں کہ وہ دارالعمل سے دارالجزا کی طرف منتقل ہو چکے ہیں، اسی طرح ان مردہ دلوں پر بھی آپ کی نصیحت کا کچھ اثر نہیں ہوگا۔

آگے نصیحت ہی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ جَسَّ وَتُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ہ

پہنچے گا آخر جتنا کہہ سکا آیت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلیم کر لیا۔ آج تو لوگ انبیاء کی بات کو نہیں مانتے، قرآن پاک سن کر اُس سے اعراض کرتے ہیں مگر قربِ قیامت میں ایک جانور ان سے بات کرے گا تو اُس کو تسلیم کر لیں گے۔ دابتہ الارض قیامت کی نشانیوں میں سے ہے، بخاری، مسلم اور حدیث کی دیگر کتابوں میں قربِ قیامت

قربِ قیامت
میں دابتہ الارض

کی نشانیوں کا ذکر ہے، جن میں سورج کا مغرب سے طلوع، اوجال کا خروج، مسیح علیہ السلام کا نزول، زمین میں خشک کا واقع ہونا، آگ کا نکلنا اور دائرۃ الارض کا خروج شامل ہیں۔ صبح بات یہ ہے کہ یہ عجیب و غریب قسم کا جانور ہوگا۔ جو لوگوں سے بات چیت کرے گا۔ اور واضح طور پر بتائے گا۔ کہ فلاں سچا مومن ہے اور فلاں منافق یا کافر ہے۔

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں کہ قیامت سے پہلے مکے کا صفا پہاڑ پھٹے گا۔ جس سے مذکورہ جانور برآمد ہوگا اور وہ لوگوں سے ٹھیک ٹھیک باتیں کرے گا۔ مگر اس نشانی کو دیکھ کر کسی کا ایمان لانا معتبر نہیں ہوگا۔ ایمان کا فائدہ اُس وقت تک ہے جب تک یہ چیز ظاہر نہیں ہوتی۔ بہر حال فرمایا کہ جب بات واقع ہو جائے گی تو ہم زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا۔ یہ اس وجہ سے اَنَّ السَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے مگر اب مجبور ہو کر ایمان لانا مفید نہیں ہوگا۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يُكَذِّبُ
 بآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٨٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ وَقَالَ أَكْذَبْتُمْ
 بآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾
 وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿٨٥﴾
 أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لَيْسَكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ
 مُبْصِرًا إِن فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٨٦﴾ وَيَوْمَ
 يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفِرْعَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ
 فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ وَكُلُّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ ﴿٨٧﴾
 وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ
 صُنِعَ اللَّهُ الَّذِي لَقِّنَ كُلَّ شَيْءٍ إِنَّا خَبِيرٌ بِمَا
 تَفْعَلُونَ ﴿٨٨﴾

ترجمہ:- اور جس دن ہم اکٹھا کریں گے ہر امت میں سے
 ایک فوج ان لوگوں میں سے جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیتوں
 کو۔ پس وہ جدا جدا کیے جائیں گے ﴿۸۳﴾ یہاں تک کہ جب
 وہ آئیں گے تو فرمائے گا (اللہ تعالیٰ) کیا جھٹلایا تھا تم نے
 میری آیتوں کو اور تم نے نہیں احاطہ کیا تھا ان کے ساتھ
 علم سے۔ بلاؤ تم کیا عمل کرتے تھے ﴿۸۴﴾ اور پڑ جائے گی

بات اُن پر اس وجہ سے کہ انہوں نے ظلم کیا۔ پس وہ نہیں گفتگو کر سکیں گے (۸۵) کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ بیشک ہم نے بنایا ہے رات کو تاکہ یہ سکون پکڑیں اس میں۔ اور دن کو دیکھنے کے لیے۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں (۸۶) اور جس دن پھونکا جائے گا صور میں۔ پس گھبرا جائے گا وہ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، مگر جس کے بارے میں اللہ چاہے گا۔ اور سب آئیں گے اُس کے پاس عاجز ہو کر (۸۷) اور دیکھے گا تو پہاڑوں کو، گمان کرے گا اُن کو جے ہوئے حالانکہ وہ چلیں گے مثل بادلوں کے چلنے کے۔ یہ اللہ کی کارِ بگوشی ہے جس نے مستحکم بنایا ہے ہر چیز کو۔ بیشک وہ ضرور خبر رکھتا ہے اُن کاموں کی جو تم کرتے ہو (۸۸)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ توحید اور جزائے عمل کا ذکر کیا گیا ہے اللہ نے اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ عبادی اور ضدی لوگوں کے ایمان قبول کرنے کی توقع نہ رکھیں۔ یہ تو ان چیزوں پر اُس وقت ایمان لائیں گے۔ جب قربِ قیامت میں دابۃ الارض کا ظہور ہوگا۔ اُس وقت منکرین مجبوراً ایمان لائیں گے مگر ایسا ایمان کچھ مفید نہیں ہوگا اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جزائے عمل کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ساتھ کفر و شرک کرنے والوں کا شکوہ کیا ہے کہ وہ آیاتِ الٰہی میں غور و فکر کر کے ایمان کو قبول نہیں کرتے۔ دلائل توحید اور قیامت کی کیفیت کا بھی اجمالاً ذکر کر دیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَكَيْومَ نَخْشَرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يَكْذِبُ
بِآيَاتِنَا اور جس دن ہم اکٹھا کریں گے ہر امت میں سے ایک فوج یعنی گروہ اُن

میدانِ حشر
میں گروہ بندی

لوگوں میں سے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ فَهَسْبُكُمْ يَوْمَ نَسْفِ الْأَغْصَانِ۔ یوں سوچو کہ وہ الگ الگ کر دیے جائیں گے۔ یَوْمَ نَسْفِ الْأَغْصَانِ کے دو معنی آتے ہیں اور یہ دونوں درست ہیں۔ اس کا ایک معنی روکنا ہے اور دوسرا تقسیم کرنا۔ بڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ میدان حشر میں جب سب لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا اور وہ حساب کتاب کی منزل کی طرف چلیں گے تو وہاں اس قدر رش ہو جائے گا کہ چلنا مشکل ہو گا۔ اس لیے پیچھے آنے والوں کو روک کر آگے چلنے والوں کو گزر جانے کا موقع دیا جائے گا۔ اور دوسرا تقسیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر امت میں سے آیات الہی کو جھٹلانے والوں کے الگ الگ گروہ بنائے جائیں گے۔ مختلف قسم کے گنہگاروں کی ان کے گناہوں کے اعتبار سے جتنی بڑی کم دی جائے گی۔ اور اس طرح انہیں الگ الگ ٹولہوں میں تقسیم کر دیا جائیگا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسانی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی کئی درجے گزرتے ہیں۔ جب بچپن کے پیٹ میں ہوتا ہے تو یہ اس کی انفرادی زندگی ہوتی ہے۔ کئی حد تک بچپن کی زندگی بھی انفرادیت کا نمونہ ہی ہوتی ہے۔ پھر جب وہ جوان ہو جاتا ہے تو اجتماعی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ کوئی کام سیکھتا ہے، تعلیم حاصل کرتا ہے تو اجتماعی سوسائٹی کا نمونہ بن جاتا ہے۔ اُسے دوسروں کے ساتھ مل کر وقت گزارنا ہوتا ہے۔ پھر اُس کی شادی ہوتی ہے، بیوی بچے اور شہ داریاں قائم ہوتی ہیں، کاروبار کرتا ہے، صنعت و حرفت کا پیشہ اختیار کرتا ہے، یا ملازم ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات حکومتی امور میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہ سب کام اُس کی اجتماعی زندگی پر دلالت کرتے ہیں۔ مرنے کے بعد انسان عالم برزخ میں پھر انفرادی زندگی گزارتا ہے، لیکن قیامت کے دن جب سب لوگ دوبارہ اکٹھے جائیں گے تو وہ پھر اجتماعی زندگی ہوگی۔ یہاں اسی زندگی کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب ہم ہر امت کے مذبذبوں میں سے لوگوں کو گروہ درگروہ اکٹھا کریں گے۔ یعنی ہر نوعیت کے گناہگار کو اپنے اپنے گروہ میں تقسیم کر دیا جائے گا اور اسی طرح نیکو کاروں کو بھی الٹی نیچی کے اعتبار سے مختلف جماعتوں میں تقسیم کر دیا جائے گا تو پھر اجتماعی احکام جاری ہو جائیں گے۔

جب یہ گمراہ بندی مکمل ہو جائیگی تو ہر جماعت کو اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کیا جائیگا
حتیٰ اذا جاء قوم بیان کہ جب جھٹلانے والوں کی جماعت اللہ کی بارگاہ میں آئیگی
قَالَ اَكْذِبْتُمْ يَا لِبَدِیْ تُو اللہ تعالیٰ اُن سے سوال کرے گا، کیا تم نے میری آیتوں
کو جھٹلایا تھا؟ وَ لَمْ یُجِیْطُوْا بِهَا عِلْمًا اور تم نے اُن آیات کے علم کا
احاطہ نہیں کیا تھا۔ تم نے میری آیتوں کو دیکھے، سمجھے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش
کے بغیر اُن کو جھٹلانا شروع کر دیا۔ تم نے نہ تو میرے پیچھے ہوئے اُمیاد کی بات سنی
نہ اُن کی لائی ہوئی شراعیں میں غمخیز و فخر کیا اور نہ آسمانی کتابوں کی طرف توجہ کی۔ جھٹلاؤ
تَوَاعَاذًا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم دُنیا میں کیا کچھ کرتے ہو۔

اُس وقت اُن سے کچھ جواب نہیں بن آئیگا وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ
بِمَا ظَلَمُوْا اور اُن پر بات واقع ہو جائیگی یعنی ان کا جرم ثابت ہو جائے گا اور ان کے
ظلم کی جرئت اُن کی گرفت ہو جائے گی۔ انہوں نے زندگی بھر توحید کا انکار کیا، اللہ کے
نبیوں اور کتب سماویہ کی تکذیب کی، کفر، شرک اور محاصی میں مبتلا ہے، قیامت اور محاسبہ
اعمال کا مذاق اُڑایا۔ یہ سب ظلم تھا جس کی وجہ سے وہ پکڑے گئے فَهَمْ لَا یَبْتَغُوْنَ
لہذا آج وہ بلول بھی نہیں سکیں گے یعنی عاید شدہ نبرد جرم پر کوئی عذر پیش نہیں کر سکیں
گے۔ بعض مواقع پر تو واقعی لب کثافی بھی ممکن نہ ہوگی اور بعض مواقع ایسے بھی آئیں
گے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بلولے گا۔ وہ زبان سے بات کریں گے اور سمجھی اللہ تعالیٰ اُن
کی زبان کو بند کر کے اُن کے اعضاء و جوارح سے گواہی لیں گے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ
نے جھٹلانے والوں کا شکوہ کیا ہے کہ دیکھو! یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی واضح نشانیاں دیکھ
کسران میں ذرا بھر بھی غمخیز و فخر نہیں کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھ سکیں۔

ارشاد ہوتا ہے اَلْحَرِیْنَ وَ اَنَا جَعَلْنَا الْاِیْکُمْ لَیْسَ کُنُوْا فِیْہِ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو اس لیے بنایا ہے کہ یہ اُس میں آرام کر
سکیں۔ دن بھر کام کاج کر کے جب لوگ تھک جاتے ہیں اور ان کی قوتیں تحلیل ہوجاتی
ہیں تو رات آجاتی ہے جس کے دوران وہ آرام کر کے اپنی قوتیں بحال کرتے ہیں۔

اور اگلے دن کی مصروفیات کے لیے نازہ دم ہو جاتے ہیں۔ اللہ نے رات کی وضع ہی ایسی بنائی ہے کہ تمام انسان اور تمام دو سر جاندار رات کے وقت سکون پکڑتے ہیں۔

فرمایا وَالنَّهَارَ مُبِصِّرًا اور ہم نے دن کو دیکھنے والا بنایا۔ رات کی تاریکی کو ختم کر کے دن کی روشنی کا انتظام کیا تاکہ لوگ اس روشنی میں دیکھ کر اپنا کاروبار جاری رکھ سکیں۔ جب وہ دن بھر کام کاج کر کے تھک جاتے ہیں تو پھر رات آ جاتی ہے اور یہ نظام اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ شب و روز کا یہ تغیر و تبدل اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ اگر انسان صرف ایک اسی نشانی میں غور و فکر کرے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ اتنے بڑے نظام کو چلانے والا فقط خدا تعالیٰ ہے۔ وہ فیوں کی رسالت کو سمجھ سکتا ہے اور یہ بھی جان سکتا ہے کہ نیند موت کی ساتھی ہے جس طرح انسان ہر روز نیند سے بیدار ہوتا ہے، اسی طرح مرنے کے بعد قیامت طے دن پھر اٹھ کھڑا ہوگا۔ اور اس طرح وہ نبی بعد الموت پر بھی ایمان لاسکتا ہے۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔ اہل ایمان تو شب و روز کی ادلالت سے ہی خدا تعالیٰ کی توجیہ کو سمجھ جاتے ہیں، اُس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور کفر و شرک سے باز رہتے ہیں۔

نیند سے پھر بیدار ہو جانا بعث بعد الموت کا ایک نمونہ ہے، اسی لیے حضور علیہ السلام نے بعض دعائیں بھی سکھائی ہیں۔ انسان جب شب بائنی کے لیے بستر پر جائے تو اُسے یوں کہنا چاہیے اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمْسَتُ وَاَسْتَجِیْ اے اللہ! میں تیرے ہی نام پر مارتا ہوں اور تیرے ہی نام پر زندہ ہوتا ہوں۔ پھر جب کوئی شخص سو کر اٹھتا ہے تو کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَاَنَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاَلِیْہِ الْمُنْتَشِرُ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے موت طاری کرنے کے بعد دوبارہ زندگی بخشی، اور میں اُس کی طرف لوٹ کر

جانا ہے۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ایک قسم کی موت طاری کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا وَ اِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ لَمَّا كَانَ الْاِنْسَانُ ذَكُوْرًا اور اپنا ذکر کرنے کا موقع فراہم کیا۔ بعض آدمی نیند کی حالت میں ہی موت سے ہنکار ہو جاتے ہیں۔ جن کو دوبارہ لَمَحْنَةً اور ذکر الہی کرنے کی حثیت ہی نہیں ملتی۔

نفخ صور

وَ اَيُّوْمَ نُنْفِخُ فِي الصُّوْرِ اور جس دن پھونکا جائے گا صور میں۔ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں کہ قیامت کے سلسلے میں نفخ صور کئی مرتبہ ہوگا۔ پہلی دفعہ صور پھونکا جائے گا تو ساری مخلوق مر جائے گی۔ پھر دوسری مرتبہ پھونکا جائے گا تو جی اٹھے گی۔ پھر تیسری دفعہ صور پھونکنے پر لوگ گھبرا جائیں گے، چوتھی دفعہ پھر ہوش ہو جائیں گے اور پانچویں دفعہ صور پھونکنے پر پھر ہوش میں آجائیں گے۔ اس طرح گویا بار بار صور پھونکا جائیگا۔ تاہم جب سور مفسرین فرماتے ہیں کہ صور صرف دو دفعہ پھونکا جائیگا۔ پہلا صور تمام چیزوں کو فنا کر دے گا۔ اسی صور پر ہر چیز پر گھبراہٹ اور بے ہوشی طاری ہو جائیگی حتیٰ کہ روحیں بھی بے ہوش ہو جائیں گی۔ اس کے بعد جب دوبارہ صور پھونکا جائیگا۔ تو لوگ محاسبہ اعمال کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان دو صوروں کے درمیان کچھ وقفہ ہوگا۔

بعض کہتے ہیں کہ جب اسرافیل علیہ السلام صور پھونکے گا تو ملائکہ مقررین کے علاوہ ہر چیز فنا ہو جائیں گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام پر نبرد موت طاری کرے گا۔ اور پھر صرف خدا تعالیٰ کی ذات باقی رہ جائے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا اعلان ہوگا لَيْسَ الْاِسْلَامُ الْاِيَوْمَ رِطْلًا لِلّٰهِ الْوَّاحِدِ الْقَهَّارِ (المؤمن - ۱۶) آج بادشاہی کس کی ہے۔ پھر خود ہی اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج حکومت صرف ایک اللہ کی ہے جو قہار بھی ہے۔

فرمایا جس دن صور پھونکا جائے گا فَنُفِخَ مِّنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمِنْ فِي الْاَرْضِ تو گھبرا اٹھیں گے وہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ اِلَّا مَنۡ شَاءَ اللّٰهُ سوائے اس کے جسے اللہ چاہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ

گھبراہٹ کا عالم

اپنی منیت کے مطابق جسے چاہے گا۔ اس گھبراہٹ سے منتہی اکر دے گا اور اس پر گھبراہٹ طاری نہیں ہوگی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، مذکورہ گھبراہٹ کے عالم میں دیکھو لو گا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عرش کا پایا پکڑ کر کھڑے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آچکے ہیں یا ان پر بیہوشی طاری ہی نہیں ہوئی کیونکہ یہ بیہوشی ان پر دنیا میں طاری ہو چکی ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے دیدار کی درخواست کی تو اللہ نے فرمایا، تو نہیں دیکھ سکتے۔ پھر جب اللہ نے اپنی تجلی طور پر ڈالی وَخَسَّ مُوسَىٰ صَعِقًا (الاعراف - ۱۴۳) تو موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گہرے پڑے، لہذا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو بیہوشی سے مامون رکھیگا۔ بہر حال فرمایا کہ زمین و آسمان کی ہر چیز پر گھبراہٹ طاری ہوگی۔ سوائے اُس کے جسے اللہ چاہے وَكَلَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ غَضَبِهِمْ لَمَّا آمَنُوا وَكَانُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مُسْلِمِينَ اور سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلیل ہو کر آئیں گے۔

مفسرین کرام اس مقام پر یہ اشکال پیدا کرتے ہیں کہ یہاں پر سب کا ذلت کے ساتھ آنے کا ذکر ہے جب کہ اللہ کے مقربین کا باعزت طور پر اللہ کے حضور میں ہونے کا ذکر بھی آتا ہے۔ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ فِي الْجَنَّةِ النَّارِ وَفَدًا (مریم - ۸۵) اِس دن ہم خاص متقین بندوں کو وفد کی صورت میں عزت و احترام کے ساتھ لائیں گے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ذلت و قسم کی ہوتی ہے ایک ذلت تو معصیت کی وجہ سے ہوتی ہے جس میں عام لوگ مبتلا ہوں گے اور ذلیل ہو کر خدا کے سامنے پیش ہوں گے۔ اور دوسری ذلت عبودیت کی ہوتی ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقربین کا خاصہ ہے۔ تو اللہ کے نیک بندے عبودیت کی ذلت کے ساتھ پیش ہوں گے۔

نظام کائنات
کی تبدیلی

فرمایا جس دن صور پھونکا جائے گا وَتَرَى الْجِبَالَ كَحِبَابٍ مِّنْ حَبِّ السَّيِّدِ تو پہاڑوں پر نگاہ ڈالے گا تو انہیں جادہ گمان کھرے گا حالانکہ وہ یادوں کی چال چلتے ہوں گے۔ جس طرح بادل نضا میں تیرے ہوتے ہیں۔ اسی

طرح پہاڑ بھی تیرتے ہوں گے۔ اُن کی پختگی اور بوجھل پن ختم ہو جائے گا۔ اور وہ تم کو
 کی طرح اڑتے ہوں گے۔ سورۃ طہ میں آتا ہے وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ
فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا آيَاتٍ - ۱۰۵ یہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے
 متعلق سوال کرتے ہیں تو آپ اُن سے کہہ دیں کہ ہزاروں میل میں پھیلے ہوئے ان پہاڑوں
 کو میل پر میل دو گارہ ذرہ ذرہ کر کے اور گردوغبار بنا کر اڑا دیگا۔ سورۃ القارعہ میں فرمایا
وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ (آیت - ۵) اُس دن پہاڑ
 دھنی ہوئی اذن کی طرح اڑتے پھیریں گے، سورۃ الواقعة میں بھی آتا ہے کہ جب
 قیامت واقع ہوگی وَبَسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ هَبًا
مُتَّبِثًا ۝ ۶ تو پہاڑوں کو بھیر دیا جائے گا اور وہ باریک ذرات کی طرح منتشر ہو
 جائیں گے۔

صُنِعَ اللَّهُ الَّذِي أَتَقَنَ كُلَّ شَيْءٍ یہ اللہ تعالیٰ کی کارگیری

ہے جس نے ہر چیز کو اپنی اپنی جگہ پر مضبوط اور مستحکم بنایا ہے۔ جب تک کائنات کامرچہ
 نظام قائم ہے، یہ چیزیں اسی طرح قائم رہیں گی۔ پھر جب قیامت کا جھل بجے گا تو کوئی
 چیز اپنے ٹھکانے پر قائم نہیں رہے گی، بلکہ سارا نظام ہی تبدیل کر دیا جائے گا، زمین، آسمان
 چاند، سورج، ستارے، سیارے سب ختم ہو جائیں گے اور ایک نیا نظام قائم ہوگا اور نئے
 احکام نافذ ہوں گے۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ اُس دن کی تیاری کریں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدت
 کو تسلیم کریں، کفر و شرک اور معصیت سے کنارہ کش ہو جائیں۔ فرمایا یاد رکھو! إِنَّهُ
حَبِيرٌ ۝ ۲ بِمَا تَفْعَلُونَ اللہ تعالیٰ باخبر ہے اُن کاموں سے جو تم کرتے
 ہو۔ وہ تمہاری نیکی اور بدی، طہارت اور نجاست، عقیدے کی پختگی اور بد اعتقادی،
 خوش عملی اور بد عملی ہر چیز سے واقف ہے اور پھر اسی کے مطابق جزایا سزا کا فیصلہ کرے
 گا۔ یہ اُس دن واقع ہوگا۔ جب صہور چھوٹا جائے گا۔ اور سب لوگوں کو میدانِ حشر میں
 اکٹھا کیا جائے گا۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ
 فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ
 وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ
 تَعْمَلُونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ
 الْبَلَدِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ وَأُمِرْتُ أَنْ
 أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۹۱﴾ وَإِنْ أَتَلَوْا الْقُرْآنَ
 فَمَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ
 ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ
 لِلَّهِ سِيرَتِكُمْ آيَةٌ فَتَعَرَّفُونَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ
 عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۳﴾

۷۳۸

ترجمہ:- جو شخص نیکی لے کر آیا، پس اُس کے لیے اُس سے
 بہتر بدلہ ہو گا۔ اور وہ اُس دن کی گھبراہٹ سے امن میں
 ہوں گے ﴿۸۹﴾ اور جو شخص برائی لے کر آیا، پس وہ اونڈھے
 منہ ڈلے جائیں گے۔ (دوزخ کی) آگ میں (اور اُن سے کہا
 جائے گا) کہ تم کو نہیں بدلہ دیا جاتا مگر وہ جو کچھ تم کہتے
 تھے ﴿۹۰﴾ بیشک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں
 اس شہر کے پروردگار کی جس نے اس شہر کو حرمت

ہاں مقبول ہو۔ اگر نیکی ناقبول ہے تو اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
 فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ
 لِسَعِيدِهِ (الانبیاء - ۹۴) جس شخص نے کوئی نیک عمل کیا بشرطیکہ وہ مؤمن ہو، تو اس
 کی محنت کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی نیکی مقبول ہوگی۔ بہر حال مقبول نیکی کا
 کم از کم بدلہ دس گنا ہے۔ البتہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ کے دین کی
 اقامت اور اشاعت کے لیے جہاد کرتا ہے۔ وہ اگر خدا کی راہ میں ایک درم خرچ کرے
 ہے تو اس کا بدلہ سات سو درجم یا اس سے بھی زیادہ ہوگا۔ تاہم عام نیکی کا بدلہ دس گنا
 ہے۔ اور اگر کوئی بڑی بڑی نیکی کرے تو اس کا بدلہ ایک سے زیادہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ
 کا فیصلہ ہے وَمَنْ جَاءَ بِالسَّبْتِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا (الانعام - ۱۶۰)
 یعنی جو کوئی بڑی نیکی کرے گا تو اس کا بدلہ اس بڑی نیکی کے برابر ہوگا۔

البتہ نیکی کے بدلے کی ایک خصوصیت یہ ہوگی کہ نہ تو اس میں کمی ہوگی اور نہ وہ
 ختم ہوگا۔ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم ہے گا۔ انسان کا عمل تو بہر حال ایک محدود وقت
 میں انجام پاتا ہے مگر اس کا اجر ہمیشہ ملتا ہے گا جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ صحیح حدیث میں آتا ہے
 رُكِعْنَا الْفَجْرَ خَيْرًا مِنْ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا قَبْلَ اِزْمَانِ فُجْرِ دُوسُنْتَيْنِ دُنْيَا وَفِيهَا
 سے بہتر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں تو کبھی نہ کبھی ختم ہونے والی ہیں۔ مگر
 ان دو سنتوں کا اجر ہمیشہ ملتا رہے گا۔ اسی بنا پر فرائض سے پہلے فجر کی دو سنتوں کی
 بڑی تاکید آئی ہے۔ ان کو بزور وقت ادا کرنا چاہیے۔ حضور علیہ السلام دورانِ سفر بھی ان
 سنتوں کا اہتمام کرتے تھے۔

فرمایا جو شخص نیکی یا بھلائی لے کر آیا اس کے لیے اس نیکی سے بہتر بدلہ ہوگا۔ اب بہتر بدلہ
 سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہتر بدلہ کیا ہے اور کیسے ہے؟ نیکی سے بعض مفسرین کلمہ توحید
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مراد لیتے ہیں اور بعض اسے مطلق اطاعت پر محمول کرتے ہیں لہذا
 نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، خیرات اور دیگر عبادات نیکی میں شمار ہوتی ہیں اور جو
 بدلہ ان کا ملے گا وہ جنت کی آرائشیں ہوں گی، جن میں عمدہ کھانے، فروٹ، شہد،

دودھ، شراب، طور، پینے کے لیے رشیم و کھنوب کا سحرہ لباس پہننے کے لیے
 ہیترین کو ٹھیک اور بالاخلنے، پاکیزہ بیویاں، حوریں، اور غلمان وغیرہ شامل ہیں۔
 اب سوال یہ ہے کہ ایمان اور اطاعت کی نسبت یہ چیزیں کیسے بہتر ہو سکتی ہیں
 کیونکہ ایمان اور اطاعت تو ان مادی چیزوں سے بلند ہیں۔ اس کے جواب میں
 مفسر قرآن مولانا شاہ امشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ نیکی اور اطاعت بندے
 کا فعل ہے جب کہ النعمات دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ تو بندے میں یہ نعمات
 باس اعتبار بہتر ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جب کہ بندے کے فعل کے مقابل میں
 بہر صورت بہتر ہے۔

فَرَمَا وَهَمَّ مِنْ فَرْجٍ يَوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ اَدْرِىٰ نِيْحِيْ طَلِي
 لوگ قیامت والے دن گھبراہٹ سے مامون ہوں گے۔ یعنی اُس دن انہیں کوئی
 دہشت نہیں ہوگی اور یہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوں گے، گذشتہ درس میں بھی گنہگار
 چکا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو زمین و آسمان میں رہنے والے سب گھبرا
 جائیں مگر وہ بچ جائیں گے جنہیں اللہ چاہے گا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے
 کہ عذاب یا تکلیف کی گھبراہٹ اہل ایمان پر نہیں ہوگی، البتہ قیامت کے دن کی گھبراہٹ
 بہر حال سب پر ہوگی۔ احادیث میں آتا ہے کہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس دہشت
 سے بھی محفوظ رکھیگا جیسے فرمایا لَيْسَ عَلٰی اَهْلِ لَدٰ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ
 یعنی کلمہ توحید پر ایمان رکھنے والوں پر کوئی دہشت نہیں ہوگی۔ جب وہ قبروں سے
 نکلیں گے تو انہیں کسی حد تک سکون حاصل ہوگا، اگرچہ قیامت کی دہشت علم ہوگی۔

فَرَمَا وَهَمَّ جَاءَ بِالسَّبِّ كَقَوْلِهِمْ اَدْرِىٰ نِيْحِيْ طَلِي
 جن کے نامہ لے اعمال میں برائیاں ہی برائیاں ہوں گی فَكَبَّتْ وَجُوهُهُمْ
 فِي النَّارِ اَنْ كُو اَدْرِىٰ نِيْحِيْ طَلِي كَقَوْلِهِمْ اَدْرِىٰ نِيْحِيْ طَلِي
 کہ حضرت معاذ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا، حضور! ہم اپنی زبانوں سے
 بھی بعض ایسی باتیں کر جاتے ہیں، کیا ان پر بھی ہم سے ٹوٹا نغزہ ہوگا؟ حضور علیہ السلام

نے فرمایا اهل یبکبھم قبا السار الا حصا بد السنتم صا
لوگوں کو دوزخ میں اور دھسے منہ گرانے والی آن کے منہ سے کاٹی ہوئی باتیں ہی تو ہوتی
ہیں۔ لوگ اکثر زبان دراز ہوتے ہیں اور زبان کو جاننا ناجائز چلاتے رہتے ہیں جو ان کے
لیے جہنم کا باعث بن جاتی ہیں۔

فرمایا ان لوگوں سے کہا جائیگا اهل تجزون الاما کنتم تعملون
کیا تمہیں تمہارے اعمال ہی کا بدلہ نہیں دیا جاتا، تم پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ بلکہ جو کچھ
دنیا میں کر کے آئے ہو آج اسی کا جھگٹان کرو۔ یہ تو عام مقولہ ہے جو کمرہ تاپے وہ
بھرتا ہے۔

رب کعبہ
عبادت

اس کے بعد پیغمبر علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ یہ اعلان فرمادیں اِنَّمَا اٰمُرْتُ
اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَ مَا هَا كُمْ مَجْہُودِيَّ حَكْمٌ دِيَا كِيَا هِ
کہ میں اس شہر کے پیور و کار کی عبادت کروں جس نے اس کو عزت و حرمت والا
بنایا ہے۔ اس شہر سے مراد مکہ معظمہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے محترم بنایا ہے۔ اِنَّ
اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّ هَدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ
(آل عمران - 96) یہ وہ شہر کہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالانے کے لیے سب سے
پہلا گھر تعمیر کیا گیا۔ یہ بڑا بابرکت مقام ہے اور جہاں والوں کے لیے مرکز ہدایت ہے۔
دراصل شہر کی آبادی تو بعد میں ہوئی۔ البتہ یہ محترم گھر پہلے تعمیر ہو چکا تھا۔ یہ گھر یعنی عبادت
خانہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے تعمیر کیا تھا۔ پھر حوادثِ زمانہ کی وجہ
سے اس کی عمارت گر گئی

مکہ اللہ کے نبی و ملائکہ طواف اور دعا میں کیا کرتے تھے۔ پھر
اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی تعمیر فرمائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے کوئی۔ اس
وقت بھی وہاں کوئی آبادی نہ تھی۔ آپ نے حضرت جابرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو وہاں
بٹھرایا، تو آہستہ آہستہ شہر مکہ آباد ہو گیا۔ حرم کی حدود شہر مکہ سے کئی کئی میل باہر ہیں جس
کے خاص احکام ہیں۔ ان حدود کے اندر نہ تو خود رو گھاس کاٹی جاسکتی ہے نہ درخت

کالٹے جاسکتے ہیں، نہ شکار کیا جاسکتا ہے، اور نہ لڑائی جھگڑا اور اسے کیونکہ یہ حرمت والا خطہ ہے۔

اس گھر کے مالک نے ہی قریش خاندان کو پوسے عرب میں عزت بخشی۔ قریش اپنے آپ کو خاندانی طور پر پڑا سمجھتے تھے۔ یعنی ان میں قومیت کی خرابی پیدا ہو گئی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھی یہی حکم دیا فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ سورۃ قریش - ۳ کہ تم بھی اسی گھر کے رب کی عبادت کرو۔ اور کفر، شرک اور معصیت سے بچ جاؤ۔

شہر مکہ مجاہل الہی کی بستی ہے۔ لوگ اس کی طرف کھینچے چلے آتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس امن والے شہر کی قسم کھائی ہے وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ (التین - ۳) اللہ نے اس شہر میں بڑی کشش رکھی ہے۔ فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ کہ پشہر ہمیشہ کے لیے مرکز اسلام رہ گیا، اب کسی غیر مسلم کو اس پر تسلط حاصل نہیں ہوگا جب تک اس شہر میں واقع بیت اللہ شریف موجود ہے، دنیا قائم ہے۔ قرب قیامت میں جشتہ کا پست قدر اور موٹی پتھلیوں والا شخص اس کو گرا دیکھا، اس کے بعد جلدی ہی قیامت برپا ہو جائے گی۔ اللہ نے اس خطہ میں وہ خیر و برکات رکھی ہیں جو کسی دوسرے خطے میں نہیں ہیں۔

فرمایا، مجھے اس شہر کے پیور دگار کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وَلَهُ الْكَلِمَةُ الشَّعْبِيَّةُ ہر چیز اسی پیور دگار کی ملک ہے۔ ہر چیز کا خالق، مالک اور متصرف وہی ہے۔ وَأَمْرٌ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ اور مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں اُس کے فرمانبرداروں میں ہوں جاؤں۔ اپنے آپ کو ہمہ تن اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دوں کیونکہ اسلام کا معنی ہی اطاعت اور فرمانبرداری ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ میں احکام الہی کی ظاہر و باطناً تعمیل کرنے والا بن جاؤں۔

فرمایا، اس کے علاوہ مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے وَأَنْ تَتْلُوا الْقُرْآنَ دران پاک کی تلاوت کرو یعنی لوگوں کو پڑھ کر سنائوں۔ تلاوت قرآن

شہر مکہ کی عظمت

موت قرآن کا حکم

دو مقاصد کے لیے ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ تلاوت سے اجر و ثواب حاصل کیا جائے جس شخص کا ایمان اور عقیدہ درست ہے اُسے ایک ایک حرف کی تلاوت پر دس دس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اور اس تلاوت کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس کو سمجھا جائے اس کے مطابق معنی اور ایمان بنایا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ یہ دوسرا مقصد پہلے پر فوقیت رکھتا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں کو قرآن پڑھ کر سناؤں تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو ایمان کی دعوت پہنچے۔ سورۃ الانعام میں ہے کہ یہ قرآن میری طرف اس لیے وحی کیا گیا ہے لِابْذُرْكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ (آیت - ۱۹) تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں اور ان لوگوں کو ڈرا دوں جن تک یہ پہنچے۔ میں سب کو خبردار کر دوں کہ قرآن کی دعوت قبول کر کے عذاب الہی سے بچ جاؤ، کفر، شرک، اور معصیت سے باز آ جاؤ، خدا تعالیٰ کی عبادت و ریاضت کا راستہ اختیار کر لو۔ قرآن کی تلاوت کا یہ مقصد ہے۔

ہدایت اور
تعمیری

قرآن ننانے کے بعد باقی رہا ہدایت کا سلسلہ تو یہ ہر شخص کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ ہدایت قبول کرے یا نہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے فَمَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ جو کوئی ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ اپنے ہی نفس کے لیے کرتا ہے۔ ہدایت کا فائدہ خود اسی کی ذات کو ہوگا۔ تمہارے ہدایت قبول کرنے سے اللہ تعالیٰ کو تو کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ بلکہ تمہارا ہی فائدہ ہے کہ خدا کے کامل بندے بن کر اس کے انعامات کے مستحق بن جاؤ گے۔

وَمَنْ ضَلَّ سَبِيلَهُ فَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي قَوْمًا كَافِرًا اور جو شخص گمراہ رہا۔ اُس نے ایمان اور توحید کو قبول نہ کیا۔ بلکہ کفر اور شرک میں ہی مبتلا رہا معصیت کا ارتکاب کرتا رہا۔ تو یہ اُس کی اپنی ذمہ داری ہے۔ اللہ نے فرمایا فَقُلْ لِي مَغْفِرَةٌ اِنْ كُنْتُمْ اِلٰهًا مَعِ رَبِّي میں تو دُور نمانے والوں میں سے ہوں۔ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے، اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اسے قبول کرنا یا نہ کرنا تمہاری ذمہ داری ہے اگر ہدایت کو قبول نہیں کرو گے تو تمہاری گمراہی تم پر پڑے گی اور اس کا نقصان خود ہی کو ہوگا۔

سورۃ کی ابتدا بھی قرآنِ کریم کی مخانیبت سے ہوئی تھی اور اس کے آخر میں
 بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اور اب آخری آیت میں فرمایا وَقُلِ الْحَمْدُ
 لِلّٰهِ اَبْ كَمَ دِیْجِبْ كَرَبْ تَعْرِیْفِیْنَ الشُّرْ كَیْ لَیْے ہِیْنَ جِسْ نَے مِجْھَے بُنُوْت عِطَا فَرْمَاۤیْ
 شَرِیْعَتِ اُوْر اِحْكَامِ دِیْنِ عِطَا فَرْمَاۤیْ اَتْمَامِ ظَاہِرِیْ اُوْر بَاظِنِیْ اَعْمَالِ تَے سَے نُوْر اِ۔
 جِسْ نَے قُرْآنِ جِیْیِ عَظِیْمِ كِتَابِ عِطَا كِیْ اَسْبِ تَعْرِیْفِیْنَ اُمِّیْ كَے لَیْے ہِیْنَ سَبِّحْ كِیْ
 اٰیْتِہْ وَہْ عَنُقْرِیْبِ تَبِیْسِ اِپْنِیْ نِشَانِیَاں دِكْھَا دِیْجَا۔ فَتَعْرِیْفُوْا نَہَا كِیْ پَھَرْتُمْ اُنْ كُو
 پَہْچَاں مِجْھِیْ لُوْگَے۔ نَبِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ كِیْ بَعِثْتِ اُوْر شَرِیْقِ النُّقُرِ كِیْ نِشَانِیَاں تُو قَمْ نَے دِكْھِیْ لَیْسِ
 اَبْ عَنُقْرِیْبِ مَسِیْحِ عَلَیْہِ السَّلَامِ كَا نَزْوَلِ اُوْر دِجَالِ كَا تَرْوِیْجِ مِجْھِیْ دِكْھِیْ لُوْگَے۔ لَہٰذَا اَبْ
 مِجْھِیْ وَقْتِ ہِے اِیْمَانِ لَے آؤ۔ اُوْر اَكْمَرِ اِپْنِیْ صُدْرِ پَر اِٹْے رَہُوْگَے وَہَا رُبُّكَ اِنْعَاقِلِ
 عَمَّا تَعْمَلُوْنَ تُو اللّٰہُ تَعَالٰی تِمھَا رِیْ كَا رَكْمَ دِیْگِیْ سَے غَافِلِ تَہِیْسِ ہِے تَمَّحَا رِہِ عَمَلِ اِسْ
 كِیْ نِگَاہِ مِیْسِ ہِے اُوْر اِسِیْ كَے مَطَابِقِ تَہِیْسِ یَدِ لَہِ دِیْجَا۔

سُورَةٌ

الْقَصَصِ

مَكِّيٍّ

سُورَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَعِشْرُونَ آيَةً تَنْسَحُ بِهَا كُفْرًا

سُورَةُ الْقَصَصِ مَكِّيٌّ هِيَ اس كى اٹھاسی آیات اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا

طسّم ① تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ② نَتْلُو
عَلَيْكَ مِنْ نَبَأِ مُوسَى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ
يُؤْمِنُونَ ③ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ
أَهْلَهَا شِيْعًا يَسْتَضِعُّ طَائِفَةً مِنْهُمْ يَتَّبِعُ
أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ
الْمُفْسِدِينَ ④ وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ
اسْتَضَعُّوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ
الْوَارِثِينَ ⑤ وَنَمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِي فِرْعَوْنَ
وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ⑥

ترجمہ:- طسّم ① یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے

والی کتاب کی ② ہم پڑھ کر ساتے ہیں آپ کو حال

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا حق کے ساتھ اُن لوگوں کے لیے

جو ایمان لاتے ہیں ③ بیشک فرعون چڑھ گیا تھا زمین میں

اور اُس نے کہہ دیا تھا۔ زمین کے رہنے والوں کو مختلف

گردہوں میں۔ کمزور رکھتا تھا ایک گردہ کو اُن میں سے۔ ذبح کرتا تھا اُن کے بیٹوں کو، اور زندہ پہنے دیتا تھا اُن کی عورتوں کو۔ بیشک تھا وہ فادیلوں میں سے (۴) اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں اُن لوگوں پر جن کو کمزور خیال کیا جاتا ہے زمین میں، اور بنا دیں ہم اُن کو پیشوا، اور بنا دیں ہم اُن کو وارث (۵) اور سچتہ کر دیں ہم اُن کو زمین میں، اور دکھائیں ہم فرعون اور ہامان کو اور اُن کے لشکروں کو اُن (کمزوروں کے ہاتھوں) سے وہ چیز جس سے وہ ڈرتے ہیں (۶)

نام اور کُلف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ القصص ہے۔ قصص قصہ کی جمع ہے جس کا معنی واقعہ یا کہانی ہوتا ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام قارون اور بعض دیگر اقوام کے واقعات مذکور ہیں۔ اس لیے اس کا نام سورۃ القصص ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تفصیلی واقعات کی نسبت سے اس سورۃ کا دوسرا نام سورۃ موسیٰ بھی بیان کیا جاتا ہے تاہم زیادہ مشہور نام سورۃ القصص ہی ہے۔

گذشتہ سورۃ الشعراء اور سورۃ النمل کی طرح یہ سورۃ بھی مکی زندگی کے آخری حصے میں نازل ہوئی۔ اس کی بعض آیات دورانِ ہجرت ححفہ کے مقام پر نازل ہوئیں جن میں آپ کو تسلی دی گئی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ ہجرت سے پہلے مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی۔

اس سورۃ مبارکہ کی اٹھاسی آیات اور نو سو کوع ہیں اور یہ ۱۴۵۴ کلمات اور ۴۰۱۱ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات مختلف سورتوں میں مختلف پہلوؤں سے بیان کیے گئے ہیں۔ سورۃ کہف میں حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے سفر کا واقعہ بیان ہوا تھا۔ پھر سورۃ طہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی برگزیدگی کا خاص طور پر

ذکر فرمایا ہے کہ میں نے تم کو پسند کر لیا ہے اور رسالت کے لیے منتخب کر لیا ہے۔
 آگے سورۃ الشعراء میں موسیٰ علیہ السلام کا تبلیغی پہلو نمایاں ہے کہ انہوں نے اللہ کا
 پیغام کس طرح فرعون اور قوم فرعون کو پہنچایا۔ اور اب اس سورۃ مبارکہ میں زیادہ تر
 پیدائش سے لے کر بچپن کے حالات اور آپ کی تربیت کا ذکر ہے۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی بنیادی عقائد کا ذکر ہے توحید
 کے عقلی نقلی اور مشاہداتی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ رسالت کا ذکر بھی آگیا ہے اور
 خاص طور پر معاد کا تذکرہ ہے، مکی زندگی کا آخری زمانہ مسلمانوں کے لیے بڑے
 مصائب و آلام کا زمانہ تھا، ہجرت کا حکم نازل ہونے والا تھا، مسلمان قریش مکہ
 کے مظالم کا شکار رہتے ہوئے تھے تو ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور
 فرعون کا واقعہ بیان کر کے اہل ایمان کو تسلی دی ہے کہ آپ دِل برداشتہ نہ ہو۔ یہ
 تکالیف صرف آپ ہی کو نہیں پہنچیں بلکہ آپ سے پہلے دیگر انبیاء علیہم السلام اور ان کے
 پیروکار بھی اسی قسم کے مصائب کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ مفسرین کو لازم فرماتے ہیں
 کہ اس سورۃ میں حضور علیہ السلام کی کامیابی اور روشن مستقبل کا اشارہ بھی پایا جاتا ہے
 جس طرح اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے متکبر، مغرور اور ڈکٹیٹر دشمن کو ذلیل و خوار کیا
 اسی طرح آپ کے دشمن بھی ناکام ہوں گے اور کامیابی آپ ہی کے حصے میں آئیگی۔

اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا بھی حروف مقطعات طس لٹ سے ہوئی
 ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ حروف اس سورۃ کا نام ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ ان

میں سے ہر حرف کا اشارہ خدا تعالیٰ کے کسی اسم پاک کی طرف ہے، جیسے ط سے طیب
 سے سیح اور م سے مجید۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ط سے مراد طہارت

ہے جس میں ظاہری اور باطنی ہر قسم کی طہارت آتی ہے۔ باطنی طور پر نفس اور قلب کی طہارت
 ہے کہ انسان کا عقیدہ، عمل اور اخلاق پاک ہو اور ظاہری طہارت میں جسم، لباس اور خوراک

کی طہارت مطلوب ہے۔ طہارت اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول ہے
 اسی لیے الطَّهْرُ وَ الشُّطْرُ الْاَيْمَانِ کہا گیا ہے یعنی طہارت نصف ایمان ہے

بعض مفسرین کرم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ اسرار الہی ہیں جن کا خلق بندوں کو مکلف بنانے سے ہے، پھر فرماتے ہیں کہ م کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی منت اور اس کے احسان کی طرف ہے۔ منت عربی زبان میں احسان ہی کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر بالعموم اور اہل ایمان پر بالخصوص یہ شمار احسانات فرمائے ہیں۔ امام شاہ علیہ ولی اللہ دہلوی کشفی طور پر بتلاتے ہیں کہ ان حروف کا اشارہ انبیاء علیہم السلام کی حرکت فوقانی کی طرف ہے گویا انبیاء علیہم السلام کے عالم بالا کی طرف ان کے مراتب و منازل اور اس تخلیط والے جہاں میں پاک ہدایت کے تعین کا بیان ہے۔ البتہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ ان حروف کے متعلق بہتر طریقہ یہ ہے **اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُكْرَمِهِ بِذَلِكَ** یعنی ان حروف سے حقیقی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور جو بھی اس کی مراد ہے، ہمارا اُس پر ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کہتے ہیں کہ وہ برحق ہے ارشاد ہونے سے **تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ** یہ کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ آیات کی توجیہ و تشریح کبھی تو خود اللہ کے کلام میں ہوتی ہے کسی ایک جگہ اجمال ہے تو دوسری جگہ تفصیل مل جاتی ہے، اور کبھی ان کی وضاحت نبی کی زبان سے ہوتی ہے، اور اگر کوئی معاملہ پھر بھی واضح نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے معاملہ کی وضاحت امت کے اہل علم کے ذریعے کر دیتا ہے امت میں سے قرآن کو سب سے زیادہ جانتے والے صحابہ کرام ہیں۔ ان کی وضاحت قابل قبول ہوتی ہے۔ ان کے بعد تابعین عظام ہیں اور پھر آئمہ مجتہدین ہیں جو استنباط کے ذریعے مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔ بہر حال فرمایا کہ یہ کھول کر بیان کر نیوالی کتاب کی آیت ہیں جن کے ذریعے حق واضح ہو جاتا ہے اور کوئی چیز حل طلب نہیں رہتی۔

توضیح البیان

افرعون کے مظالم

آگے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی حق پرستی اور فرعون کے مظالم کی داستان بیان کی ہے تاکہ حضور نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ جان لیں کہ دنیا میں حق و باطل کا ہمیشہ سے ٹکراؤ رہا ہے اور ہمیشہ اللہ کا کلمہ ہی بلند ہوا ہے، جاہر و ظالم لوگ ہمیشہ تباہ و برباد ہوئے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے **نَتَلُوَا عَلَيْكَ مِنَ نَجْمٍ** لہ روح البیان ص ۲۸۵ الفوز الکبیر ص ۱۳۷ جلالین ص ۵ (فیاض)

مُوسَىٰ وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ ۖ هُمْ آتَمُّ الْعُقُومِ ۚ فَذَرِكُوا ۚ
 بتلاتے ہیں۔ اور ان واقعات سے عبرت وہ لوگ حاصل کریں گے۔ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ
 جو اللہ، اس کے رسولوں، اس کی کتابوں، اس کے ملائکہ اور معاد پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ
 جان لیں گے تمام تر مصائب و آلام کے باوجود آخری فتح اہمیت کی ہوگی۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ بِشَكْرِ فِرْعَوْنَ ۖ فَطَهَّرْنَا لَهَا
 میں یعنی وہ غرور و تکبر کی وجہ سے اللہ کی زمین پر خود خدا بن بیٹھا تھا وَجَعَلْنَا
 أَهْلَهَا شِيَعًا ۖ اور اُس نے اہل زمین یعنی اپنی رعایا کو دو گروہوں میں تقسیم
 کر دیا تھا۔ اُس نے اپنی قبیلے قوم کو تو ہر طرح کی مراعات دے رکھی تھیں مگر اسرائیلی
 قوم کے متعلق فرمایا اَلَيْسَتْ ضَعْفًا طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ كَمَا اس گروہ کو کمزور بنا
 رکھا تھا اُن پر ظلم و ستم ڈھانا تھا۔ اُن سے بھکاری لیا جاتی اور نہایت ہی اہانت امیز سلوک
 کیا جاتا۔ اُس کے ظلم و ستم کا ایک نمونہ یہ تھا اِنَّ رَبَّكَ ذُو الْعَرْشِ عَالِمُ السَّمٰوٰتِ
 کے بچوں کو ذبح کر ڈالتا تھا۔ وَكَيْفَ تَتَّقِي ۙ ذَسَاءَ ۙ هُمْ اور اُن کی بچیوں کو زندہ
 ہونے دیتا تھا تاکہ انہیں لوزیاں بنا کر اُن سے خدمت لی جاسکے۔

مفسرین کو اہم بچوں کے قتل کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ فرعون نے خواب میں دیکھا
 تھا کہ ایک آگ شام و فلسطین کی طرف سے آئی ہے جو مصر لوہوں کے گھروں کو جلا
 رہی ہے۔ اس نے کانہوں اور ساحروں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے
 بتایا کہ تمہارے ملک کے زوال کا باعث وہ بچہ ہوگا جس کا تعلق شام و فلسطین سے ہوگا
 ظاہر ہے کہ شام و فلسطین سے تعلق اسرائیلیوں کا تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے
 زمانے میں مصر میں وارد ہوئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اُس وقت وہ گنتی کے
 افراد تھے مگر اب اُن کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ اپنی سلطنت کو زوال
 سے بچانے کے لیے فرعون نے یہ تدبیر اختیار کی کہ اسرائیلی گھرمیں پیدا ہونے والے
 ہرنچکے کو اُس کے والدین کے سامنے ذبح کروا ڈالتا۔ مفسرین بیان کرتے ہیں۔
 کہ اس طرح فرعون نے کم و بیش نوے ہزار نوزائیدہ بچے قتل کروائے جو کہ پوری
 لہ طبری ج ۲، و درمنثور ج ۱۱ و روح المعانی ج ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱

ان نیت کے لیے بہت بڑا ظلم تھا۔ فرمایا اِنَّ كَانَ مِنَ الْمَقْسِدِیْنَ
یے شک وہ فرعون فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ فساد کا معنی خرابی ہوتا ہے اور
مطابق یہ ہے کہ فرعون ظلم و ستم کرنے میں ذرا شرم محسوس نہیں کرتا تھا اور وہ
گنہگار طبقے کو ظلم کا تختہ مشق بنا لے رکھتا تھا۔

طبقاتی
کشاکش

اس آیت کریمہ میں اللہ نے دو طبقات کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک
مرعیت یافتہ اور دوسرے بے کس و مظلوم تھا۔ یہ طبقاتی کشاکش آج بھی دنیا میں پائی
جاتی ہے۔ ایک طبقے کو اُس کے حق سے زیادہ دنیا اور دوسرے کو اُس کے حق
سے بھی محروم کر دینا فرعون کی پالیسی کا حصہ ہے جب انگریز پٹنہ پر قابض ہو گیا تو
اُس نے بھی لوگوں کو دو طبقات میں تقسیم کر دیا تھا۔ وہ اپنے وفاداروں کو عزت و احترام
سے رکھتا تھا۔ ان کو بڑے بڑے خطابات، عہدے اور انعام و اکرام دے جاتے
جبکہ وفاداری میں مشکوک لوگوں کو ان کے حق سے محروم کر کے انہیں گنہگار کر دینا
تاکہ وہ کسی وقت بھی ان کی سلطنت کے لیے خطرے کا باعث نہ بن سکیں۔ کسانوں اور
مزدوروں کو غریب سے غریب تر کر دیا۔ جب کہ آسودہ حال مگر حکومت کے وفاداروں
کو مزید جاگیریں دے کر کمزور طبقے پر حاوی کر دیا۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی یہ پالیسی
پائی جاتی ہے، اُس کا نتیجہ تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

گنہگار
پر احسان

فرعون کی پالیسی تھی کہ اسرائیلیوں کو کمزور سے کمزور بنا دیا جائے مگر اللہ تعالیٰ
کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَیْسَ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ
اسْتَضَعُوا بِاِحْفَادِیْ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ ہم احسان کریں ان لوگوں پر جن کو
زمین میں کمزور خیال کیا جاتا تھا۔ اللہ کی منشا یہ تھی کہ وہ اسرائیلیوں کو دولت کی زندگی سے
نکال کر عزت کی گری پیٹھ لے۔ فرمایا ہمارا پروگرام یہ بھی تھا وَجَعَلْکُمْ
اٰیۃً وَّجَعَلْکُمْ الْوَارِثِیْنَ کہ ہم ان کمزوروں کو غلامی سے نکال کر مزار
بنا دیں اور پھر انہیں زمین میں وارث بنا دیں یعنی سلطنت بھی انہی کو عطا کر دیں چنانچہ
تاریخ گواہ ہے کہ اللہ نے اسرائیلیوں کو پہلے شام و فلسطین کا وارث بنایا اور پھر

مصر کی سلطنت بھی عطا کی۔ اللہ نے ان کمزوروں کو بلندی تو عطا کی مگر بڑی آزمائشوں کے بعد۔ سورۃ الاعراف اور سورۃ یونس میں اللہ نے ان آزمائشوں کا ذکر فرمایا ہے۔ سورۃ الاعراف میں موجود ہے کہ فرعون کے ظلم و جور سے تنگ آئے ہوئے امرا ایلیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی کہ آپ کی دین سے واپسی سے قبل بھی ہم ظلم و ستم کا شکار ہوتے رہے ہیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی ہماری تکالیف میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ آپ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تمھارا پروردگار عنقریب تمھارے دشمن کو ہلاک کر کے زمین کی خلافت تمھارے سپرد کرے گا، لہذا فی الحال تم اللہ کی استغنت چاہو اور صبر سے کام لو۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ قَدْ یُوْرِثُہَا مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہِ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ (الاعراف - ۱۲۸) زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا لے گا، اور بہتر انتخاب متفقیوں کا ہی ہوگا۔

اللہ نے فرمایا، ہمارا امتداد یہ تھا وَتَمَکِّنْ لَّہُمْ فِی الْاَرْضِ کہ ہم ان کمزوروں کو ہی زمین میں سچتہ کر دیں۔ مغزروں کو پٹنا کتر ایمان والوں کے قدم جا دیں اور انہیں شام و فلسطین اور مصر کی سلطنت عطا کر دیں۔ اللہ نے عام ایام تاروں سے بھی یہی وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں زمین میں خلافت عطا کرے گا۔ جیسے پہلے لوگوں کو عطا کی۔ وَ لَیَمَکِّنَنَّ لَّہُمْ دِیْنَہُمْ الَّذِیْ اَرَضٰی لَہُمْ (زور - ۵۵) اور جس دین کو ان کے لیے پس فرمایا ہے اُس دین کو ان کے لیے مستحکم کر دیگا۔ وہی کامیاب ہوں گے۔

کسی مشن کو استحکام اُس وقت حاصل ہوتا ہے جب قوم کا ہر فرد ہر شرا اور ہرستی کا ایک ایک باشندہ اُس مشن سے واقف ہو۔ اگر کسی مشن کا بعض کو پتہ ہو اور بعض کو علم ہی نہ ہو تو اس میں استحکام اور سچتگی کیسے آئے گی؟ اسلام بھی دنیا میں اسی لیے سچتہ نہیں ہے کہ صرف دو فیصدی لوگ اس سے واقف ہیں، باقیوں کو اسلام کے متعلق علم ہی نہیں۔ جب تک اسلام کا پیغام سو فیصدی لوگوں

کے لیے
ہر فرد
کی ضرورت

تک نہیں پہنچتا، اس کے خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور اس کام کے لیے وسیع پیمانے پر تشہیر کی ضرورت ہے۔ آج دنیا میں دیکھ لیں عربی، افغانی، اور کھیل تماشے کی تشہیر ہو رہی ہے۔ ریڈیو، ٹیلیوژن، اخبارات و رسائل سب اسی کام میں لگے ہوئے ہیں جن کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ دنیا کے گوشے گوشے میں اپنی چیزوں کو استحکام حاصل ہو رہا ہے، فلموں اور ڈراموں کی تشہیر ہو رہی ہے۔ تو بچے بچے کی زبان پر وہی ڈائلاگ ہیں۔ ہمارے ذرائع ابلاغ کھاد اور بیج کی بھی بڑی تشہیر کر رہے ہیں، لہذا زمینداروں کی غالب اکثریت اسی طرف متوجہ ہو چکی ہے اسی طرح اگر دین اسلام کا استحکام منظور ہے تو اس کی نشر و اشاعت کے لیے پورے ذرائع ابلاغ کو کام میں لانا ہوگا۔ تاکہ یہ پیغام ایک ایک فرد تک بار بار پہنچے اور وہ اس کی طرف متوجہ ہو سکے، جب برائی کی تشہیر سے بُرائی پھیل سکتی ہے تو پھر سچائی کی تشہیر سے سچائی کیوں عام نہیں ہو سکتی۔ کارپردازان ملک و ملت کو اس طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔

اللہ نے فرمایا کہ ہم کمزوروں کے قدم زمین میں مستحکم کرنا چاہتے ہیں۔ وَ
 نُرِي فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ وَ جُنُودَهُمْ مَّا كَانُوا
 يَحْذَرُونَ اور ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ فرعون، ہامان اور ان کے لشکروں کو
 وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے، ظاہر ہے کہ فرعونوں کو اپنی سلطنت
 کے زوال کا خطرہ تھا اور اسی سے بچنے کے لیے انہوں نے نوے ہزار نوزائیدہ
 بچے قتل کر دیے، مگر اللہ نے فرمایا کہ جس چیز سے وہ ڈرتے تھے ہم وہی کچھ
 کر کے دکھائیں گے یعنی ان کی سلطنت کو زوال آکر رہ گیا، اور آلے کا بھی
 اس قوم کے ایک فرد کے ذریعے جس کو انہوں نے غلام بنا رکھا تھا اور ان پر
 طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے۔ اللہ نے اسی قوم کے ایک فرد کی شوہر فرعون
 کے گھر میں پرورش کرائی اور پھر اسی کے ذریعے فرعون کی سلطنت کو ختم کیا۔ یہاں
 پر فرعون کے ساتھ ہامان کا بھی ذکر ہے جو کہ اس کا وزیر تھا۔ ہامان کا ذکر پہلی
 دفعہ آ رہا ہے، البتہ اگلی سورتوں میں بھی آئے گا۔ اس کے علاوہ قارون

فرعون اور
 ہامان کی
 سرزنش

کا ذکر بھی آئے گا۔ جو سرمایہ داروں کا پیشوا تھا۔ بہر حال اللہ نے ان تمام طاغوتی طاقتوں کے منجانبے میں دینِ حق کی کامیابی کی پیشین گوئی فرمادی۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ فَإِذَا خَفَتْ عَلَيْهِ
 فَلَقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكَ
 وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۷﴾ فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ
 لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا
 كَانُوا خَاطِبِينَ ﴿۸﴾ وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتْ عَيْنِي لِي
 وَلَكَ لَا تَقْمِي لَهُ عَاسِي إِنْ يَنْفَعُنَا أَوْ نَخْذَهُ وَلَدًا
 وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۹﴾ وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَرِغَاطًا
 إِنْ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَنْ رَبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا
 لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ:- اور وحی بھیجی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی
 طرف کہ اس (بچے) کو دودھ پلاتی رہو۔ پھر جب تم خوف
 کھاؤ اس پر تو ڈال دو اس کو دریا میں، اور نہ خوف کھاؤ
 اور نہ غلگین ہو۔ بیشک ہم لوٹا دیں گے
 اس کو تمہاری طرف، اور بنانے والے ہیں ہم اس کو رسولوں
 میں سے ﴿۷﴾ پس اٹھایا اُس (بچے) کو فرعون کے گھر
 والوں نے تاکہ ہو جائے وہ اُن کے لیے دشمن اور غم کا
 باعث۔ بیشک فرعون، ہامان اور اُن دونوں کے لشکرِ ظالم

تھے (۷) اور کہا فرعون کی بیوی نے کہ یہ تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے جیسے لیے اور تیرے لیے۔ اسکو مت قتل کرو، شاید کہ یہ ہمیں فائدہ سے یا ہم سے بیٹا بنالیں، اور وہ کچھ خبر نہیں رکھتے تھے (۹) اور ہو گیا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل خالی (بے قرار) قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دیتی اُس کو اگر ہم نہ باندھتے اُس کے دل کو، تاکہ ہو وہ ایمان والوں میں سے (۱۰)

رابط آیات

اس سورۃ مبارکہ کی ابتدائی آیات میں قرآن پاک کی حقانیت و صداقت کے ذکر کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ کی طرف اجمالی طور پر اشارہ کیا گیا۔ امام احمد نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت معدی کہ رب نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے عرض کیا کہ مجھے سورۃ طلسم سنناؤ تو انہوں نے فرمایا کہ تم یہ سورۃ اُس شخص سے سُنو جس نے اُسے براہ راست حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے سُن کر یاد کیا ہو۔ اس سلسلے میں انہوں نے حضرت خباب بن ارتؓ کا پتہ بتایا۔ جب وہاں پہنچے تو انہوں نے یہ ماری سورۃ سنا دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کل ستر سورتیں حضور علیہ السلام کے دہن مبارک سے سُن کر سیکھی تھیں مگر اس سورۃ سے متعلق انہوں نے معذوری کا اظہار کر دیا۔ دراصل اس سورۃ میں پہلے ایمان کے لیے تسلی کا مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ظلم و ستم میں چلے ہوئے بنی اسرائیل کو کس طرح نجات دی اور فرعون اور اس کے حواریوں کو غرق کیا۔

سورۃ کی ابتدائی آیات میں فرعون کی پالیسی کا اجمالاً ذکر تھا کہ وہ بڑا مغرور اور سرکش تھا۔ اس نے عوام کو مختلف طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا۔ بعض کی عزت افزائی کرتا تھا، اور بعض کو ذلیل و خوار کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ کمزوروں اور بے کسوں کو قہرِ نہالت سے نکال کر اُن کو پیشوائی عطا کی جائے، اور فرعون اور اُس کے حواری ہامان وغیرہ کو وہی چیز دکھائے جس سے وہ ڈرتے تھے۔ وہ اسی چیز سے خوف کھاتے تھے کہ ان کی سلطنت ضائع نہ ہو جائے مگر اللہ نے اُن کی جڑ بنیاد ہی سے اکھاڑ کر رکھ دی۔

موسیٰ علیہ السلام
کی ابتدائی
زندگی

موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے مختلف حصوں کا ذکر مختلف سورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ الشعراء میں زیادہ تر نبوت کے بعد کے حالات تھے جب کہ اس سورۃ میں روئے سخن قبل از نبوت حالات کی طرف زیادہ ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

فَلَوْحٍ مَّكَّنَّا إِلَىٰ أُمَّمُوسَىٰ أَنْ أَرْتَضِيَهُ وَأُورِثِيهِ مِثْرَ الْمُرْسَلِينَ أُوْرِثِيهِ مِثْرَ الْمُرْسَلِينَ اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف کہ اس بچے کو دو روپے پلائی رہیں۔ فَاِذَا اخْتَفَتْ عَلَيْهِ فَالْقَيْءِ فِي الْبَيْتِ پھر جب تجھے کوئی خطرہ ہو فرعون کی طرف سے تو اس بچے کو دریا میں ڈال دین وَلَا تَخَافُ وَلَا تَحْزَنِي اور نہ خوف کھانا اور نہ غم کرنا اِنَّا رَاٰوَهُ الْبَيْتِ ہم اسے تیری طرف لوٹا دیں گے۔ وَجَاءَ عَمُوهُ مِثْرَ الْمُرْسَلِينَ اور ہم اس کو رسولوں میں سے بنانے والے ہیں۔ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ فرعون بنی اسرائیل کے ہر نوزائیدہ بچے کو محض اس لیے قتل کروا دیتا تھا مبادا کہ یہی بچہ میری سلطنت کے زوال کا باعث نہ بن جائے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو آپ کی والدہ کو فکر ہوئی کہ اگر فرعون کے گھاس تلوں کو بچے کی پیدائش کا علم ہو گیا تو وہ اسے قتل کر دیں گے، لہذا وہ بچے کو بچانے کے لیے تدبیریں سوچنے لگی۔ اسی پریشانی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو وحی کے ذریعے یہ تدبیر بتائی کہ اس بچے کو فوری طور پر اپنے آپ سے جدا کرنا بلکہ اپنے پاس رکھ کر اس کی پرورش کرنی رہو اور جب بچے کی جان پر زیادہ خطرہ محسوس کرو تو کوئی دوسری تدبیر کرنے کی بجائے اسے صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دینا، اس کی زندگی کے محافظ ہم خود ہیں۔ تم اس کے متعلق فکر نہ نہ ہونا، ہم خود بچے کو تمہیں واپس لوٹا دیں گے اور یہ تمھاری ہی تحویل میں پرورش پائیگا۔ پھر ایک وقت آئے گا کہ ہم اس کے سر پر نبوت و رسالت کا تاج بھی رکھیں گے۔

اس آیت کریمہ میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی بھیجنے کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک عورت تھیں اور عورت ہنڈیہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمُ الرِّسَالَاتِ (۱) ہم نے آپ

ام موسیٰ کی
طرف وحی
پر اشکال

سے پہلے جتنے بھی نبی اور رسول بھیجے ہیں وہ سب مرد تھے اور ہم نے ان کی طرف وحی نازل کی۔ اب سوال یہ ہے کہ ام مویٰ کی طرف کس حیثیت سے وحی بھیجی گئی۔

تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نبی یا رسول نہیں تھیں۔ البتہ بعض عورتوں کو اللہ نے صد لقیقت کے درجے پر فائز کیا ہے، ان میں حضرت مریمؑ، حضرت خدیجہؓ، حضرت فاطمہؓ، فرعون کی بیوی آسیہؓ اور بعض دیگر نیک خواتین شامل ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بھی زیادہ سے زیادہ انہی خواتین میں شامل کیا جاسکتا ہے، تاہم وہ نبیہ نہیں تھیں۔ ان کے نام میں اختلاف ہے بعض نے میانہ، بعض نے یازہ اور بعض نے یوحناہ لکھا ہے، اس ضمن میں مفسرین کو کم فرماتے ہیں کہ دراصل وحی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وحی نبوت و رسالت ہے اور یہ انبیاء اور رسل کے ساتھ مخصوص ہے کسی غیر نبی پر یہ وحی نہیں آتی۔ البتہ وحی کی دوسری قسم الہامی وحی ہے جو نبیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ اس وحی کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً ایک صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کی طبیعت اور مزاج میں کوئی بات ڈال دے جیسے شہد کی مکھیوں کے متعلق فرمایا وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی السَّحَابِ (النحل - ۶۸) تیرے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کی طرف وحی بھیجی یعنی ان کی طبیعت اور مزاج میں یہ بات ڈال دی کہ وہ پھلوں اور پھولوں کا رس چوس کر اس سے شہد تیار کریں۔

وحی الہام کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی چیز کسی کو خواب میں بتلائے، ہو سکتا ہے کہ ام موسیٰ کو مذکورہ بات خواب کے ذریعے بتادی دی گئی ہو یا ان کے مزاج میں یہ بات ڈال دی گئی ہو۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو انسانی شکل میں بھیج کر بھی کوئی بات سمجھا دیتا ہے۔ صحیح حدیث میں تین آدمیوں کی آزمائش کا ذکر آتا ہے۔ ان میں سے ایک برص والا، دوسرا اندھا اور تیسرا گنجا تھا۔ اللہ نے ان کی آزمائش اتنی شکل میں فرشتے کے ذریعے کر لی، مگر ان میں سے صرف

ایک کامیاب ہو سکا۔ جب کہ دنیا کام ہو گئے۔ مسلم شریعت میں یہ روایت بھی آتی ہے کہ کوئی شخص سفر پر جا رہا تھا۔ اللہ نے ایک فرشتے کو انسانی شکل میں بھیجا جس نے اس شخص سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ کہا ایک شخص کی ملاقات کے لیے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا، کیا اس شخص نے تم پر کوئی احسان کیا، یا تمہارا اس کے ساتھ کوئی مفاد و البتہ ہے، اس شخص نے بتایا کہ نہ تو اس شخص نے مجھ پر کوئی احسان کیا ہے اور نہ ہی مجھے اس سے کوئی دنیاوی غرض ہے۔ میں تو اسے نیک آدمی سمجھ کر محض تمہارے کی رضا کی خاطر اس کی ملاقات کے لیے جا رہا ہوں۔ اس پر فرشتے نے کہا کہ میں بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں۔ وہ خداوند کریم جس کی محبت اور رضا کے لیے تم نے یہ سفر اختیار کیا ہے، تو میں تم کو خوشخبری سناتا ہوں کہ جس طرح تم اللہ کے اس نیک بندے سے محبت کرتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرنا ہے۔ بہر حال مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اس بات پر متفق ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی یا تو طبیعت کے ذریعے تھی، یا اللہ نے انسانی شکل میں کوئی فرشتہ بھیج کر بات سمجھادی یا پھر خواب کے ذریعے مطلع کر دیا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام
کی دریا بزرگی

وحی تھی تھی کہ بچے کو دودھ پلائی رہا اور اگر کوئی زیادہ خطرہ محسوس کرو تو اسے دریا میں بہا دیا، غم نہ کرنا، ہم بچے کو دوبارہ تیری طرف لوٹا دیں گے اور اسے رسول بنا لیں گے۔ تفسیر تھی روایات میں آتا ہے کہ آپ کی والدہ نے تین ماہ تک موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھرمیں رکھ کر دودھ پلایا۔ جب فرعون کے گھاسٹوں کی گھر گھر تلاشی کا خطرہ بڑھ گیا تو آپ نے وحی کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو دریا برد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بائبل کی روایت کے مطابق آپ نے سر کنڈے کی ٹوکری بنائی اور اس میں دال لگا کر اس کے سوراخ بند کر دیے تاکہ اس میں پانی داخل نہ ہو سکے، بعض روایات میں صندوق کا ذکر ملتا ہے کہ انہوں نے بچے کو صندوق میں بند کر کے دریا کی لہروں کے سپرد کر دیا۔

یہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے نخل کے سامنے پہنچا۔ بائبل کی روایت یہ ہے

کہ فرعون کی بیٹی اپنی سہیلیوں سمیت وہاں موجود تھی جنہوں نے بتتے ہوئے صندوق
 کو نکلوایا۔ یاہم قرآن کے الفاظ بتاتے ہیں کہ بچے کو فرعون کی بیوی کی وساطت سے
 اٹھایا گیا۔ یہاں پر الفاظ یہ ہیں فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ پس اٹھایا اس بتتے ہوئے
 صندوق کو فرعون کے گھر والوں نے لِيَكُونُوا لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا تاکہ ہو
 جائے یہ بچہ ان کے لیے دشمن اور غم کا باعث۔ ان الفاظ سے بھی کچھ اشکال پیدا
 ہونا ہے کہ یہ بچہ انہوں نے دشمن سمجھ کر تو نہیں اٹھایا، بلکہ جیسا کہ آگے آرہا ہے، ان
 کا خیال یہ تھا کہ شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یاہم اُسے بیٹا بنا لیں۔ دراصل لِيَكُونُوا
 کا لام لام علت نہیں بلکہ لام معاقبت ہے اور مطلب یہ ہے نتیجے کے طور پر یہ
 بچہ فرعون کا دشمن اور اس کے لیے باعث غم بنا۔ اس کی مثال عربی محاورے میں بھی ملتی
 ہے جیسے کہتے ہیں لِدَوِّ اللَّمَّوَاتِ وَابْتِئَانِ اللَّخْرَابِ یعنی بچے جنوموت کے
 لیے اور عمارت تعمیر کرو برادری کے لیے حقیقت یہ ہے نہ تو لوگ بچے مرنے
 کے لیے جنتے ہیں اور نہ ہی عمارتیں منہدم ہونے کے لیے بنتے ہیں۔ البتہ حِلْمٌ کا مطلب
 یہ ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوگا اُسے ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور جو بھی عمارت تعمیر
 ہوگی وہ بہر حال ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ تو یہاں بھی مطلب یہ ہے کہ انہوں نے بتتے
 ہوئے بچے کو اٹھا تو لیا مگر بالآخر وہ ان کا دشمن ثابت ہوا اور ان کے لیے غم کا باعث بنا۔
 ایسی ہی مثال قرآن پاک میں بھی ملتی ہے۔ سورۃ الاعراف میں الَّذِينَ كَفَرُوا
 ہے وَأَقْبَدَ ذُرِّيَّتَهُمْ كَتِبْنَا مِنَ الْجِنَّةِ وَاللَّيْسِ (آیت ۱۷۹)
 ہم نے بت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم کے لیے پیدا کیا۔ یہاں بھی یہ ظاہر ہی معلوم ہوا
 نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جنوں اور انسانوں کی کثیر تعداد جہنم میں جائے گی۔ فرمایا
إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجَسُودَ هَمَانَ كَانُوا خَطِيئِينَ
 بیشک فرعون، اس کا ذریعہ ہامان اور ان دونوں کے لشکر خطا کار تھے، ان کی
 پابسی ہی غلط تھی۔ اور بچے کو اٹھا لینے میں بھی انہوں نے غلطی کی۔ وہ اس
 سے مرغاد والبتہ کے بیٹھے تھے مگر اللہ نے اسی کو ان کی تباہی کا ذریعہ بنا دیا۔

ہو گیا۔ یہ انسانی مزاج اور ماں کی ماعت کا تقاضا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے بچے کو دریا کی لہروں کے سپرد کیا مگر دل بے قرار ہو گیا کہ نہ معلوم بچے کے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے۔ اگرچہ اللہ کی طرف سے الہام ہو چکا تھا کہ خوف اور غم نہ کھاؤ، ہم بچے کو تمھاری طرف لوٹا دیں گے۔ مگر دل بے قرار کو قرار کہاں آتا۔ اُن کی حالت یہ ہو چکی تھی

إِنْ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ قَرِيبًا نَحْنُ نَكْرِهُ
فَرَأَى الْقَوْلَ أَنْ وَبَطَّنَا عَلَيْهَا كَلْبًا
فَرَأَى الْقَوْلَ أَنْ وَبَطَّنَا عَلَيْهَا كَلْبًا
فَرَأَى الْقَوْلَ أَنْ وَبَطَّنَا عَلَيْهَا كَلْبًا

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی تھی کہ اُس نے ام موسیٰ کے دل کو قرار بخشا، ورنہ سارا معاملہ ہی اُٹ پٹ ہو جاتا۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید کے بغیر کوئی بھی انسان بذاتہ کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لیے اہل ایمان ہمیشہ یہی دعا لگتے ہیں يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔ صَرَّفَ قَلْبِي إِلَى طَاعَتِكَ میرے دل کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے، بہر حال فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل کو مضبوط کیا۔ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ تاکہ وہ ایمان والوں میں سے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے راز کو فاش نہ کیا اور اس طرح موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے گھر میں ہوئی اور وہ تیس سال تک وہاں رہے۔ اس کے بعد اگلے واقعات آ رہے ہیں۔

۱۰۰ تمذی ۵۰۰ ۲۰ صصین ص ۴۳ (فیاض)

وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ
 لَا يَشْعُرُونَ ۝۱۱ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ السَّرَافِعَ مِنْ قَبْلُ
 فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ
 وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ۝۱۲ فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا
 وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ
 لَا يَعْلَمُونَ ۝۱۳

۱۱-۱۳

ترجمہ:- اور کہا اُس (موسیٰ علیہ السلام کی والدہ) نے آپ کی بہن سے
 کہ اس کا سرخ لگاؤ۔ پس وہ دیکھتی رہی آپ کو دور سے، اور
 اُن کو خبر نہیں تھی ۱۱ اور ہم نے ممنوع قرار سے دیا اس
 (موسیٰ علیہ السلام) پر دودھ پلانے والیوں کو اس سے پہلے۔ پس
 (آپ کی بہن) بولی، کیا میں بتلاؤں تم کو ایسے گھر والے جو اس کی
 کفالت کریں تمہارے لیے، اور وہ اُس کے لیے خیر خواہ ہونگے ۱۲
 پس ہم نے لوٹا دیا اُس کو اُس کی والدہ کے پاس تاکہ ٹھنڈی ہے
 اُس کی آنکھ اور وہ ٹھنڈی نہ ہو۔ اور تاکہ وہ جان لے کہ بیشک
 اللہ کا وعدہ برحق ہے لیکن اکثر لوگ اُن میں سے نہیں جانتے ۱۳

رابط آیت

موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد جب آپ کی والدہ نے خطرہ محسوس کیا کہ فرعون
 کے آدمی اس کو پکڑ کر ذبح کر ڈالیں گے تو الہامی ہدایات کے مطابق اُس نے بچے
 کو صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دیا۔ یہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے قریب

سے گزرا تو فرعون کے گھروالوں نے اُسے نکلوا لیا۔ محل میں لاکر جب صندوق کھولا گیا تو اُس سے خوبصورت بچہ برآمد ہوا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ نام بھی اسی مناسبت سے کہ آپ پانی سے برآمد ہوئے صو کا معنی پانی اور سوا لکڑی کہہ سکتے ہیں اگر یا لکڑی کے صندوق سے برآمد شدہ۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اگرچہ الہامی احکام کے تحت آپ کو دریا میں بسا دینے کی تدبیر کی تھی مگر فطری طور پر وہ بچے کی جدائی سے بے قرار ہو چکی تھی اور وہ اس کی خیریت معلوم کرنے کے لیے بے چین تھی۔ فَقَالَتْ لِأَخْتِهِ قُصِّبِہ پس کہا اُس نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن یعنی اپنی بیٹی سے کہ بچے کا سراغ لگاؤ۔ قُصِّبِہ کا معنی ہونا ہے پیچھے پیچھے یعنی نقش قدم پر جانا۔ اس کی مثال سورۃ الکہف میں ملتی ہے جب موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون اپنے ہوت سے آگے نکل گئے اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ فَارْتَدَّ اَعْلٰی اَثَارِهِمَا قَصَصًا (آیت - ۶۴) تو وہ اپنے قدموں کے نشانات پر واپس آگئے۔

موسیٰ علیہ السلام
کے لیے
سراغ پائی

یہ موسیٰ علیہ السلام کی بڑی بہن مریم تھی۔ واقعات سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ اس وقت اچھی خاصی سوچ بوجھ رکھتی تھی اور فرعون کے محل میں پہلے سے آنا جانا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے والد بھی فرعون کے قریبی کارندوں میں شامل تھے۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ان کی بڑی بہن سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے پیچھے جاؤ اور سراغ لگاؤ کہ یہ صندوق کہاں پہنچا ہے اور پھر کیا معاملہ پیشیں آتا ہے۔ قُصِّبِہ عَنْ جَنْبِ موسیٰ علیہ السلام کی بہن آپ کی طرف دوسرے دیکھتی رہی۔ اجنبی بن کر تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ اس لڑکی کا اس صندوق کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔

جنب کا معنی ایلو بھی ہونا ہے اور دوری بھی۔ جنابت بھی اسی مادے سے ہے کہ انسان طہارت سے دور ہو جاتا ہے۔ جس سے فرشتوں کو نفرت ہوتی ہے۔ جنب کے یہ معانی عربی ادب میں بھی ملتے ہیں، جلیے کسی نے کہا ہے۔

لے مظهری صیغاً و روح المعانی ص ۵ (فیاض)

ه اَتَيْتُ حُرَيْثًا زَائِرًا عَنْ جَنَابَةِ
وَكَانَ حُرَيْثًا عَنِّي عَطَائِي جَاهِدًا

میں حریت کے پاس دُور سے پہنچا مگر وہ اتنا ڈل ثابت ہوا کہ اس نے مجھے کچھ
عطیہ نہ دیا

ه فَلَا تَحْزَمَنِي نَائِدًا عَنْ جَنَابَةِ
فَالِيٍّ أَمْرًا وَسَطَ الْقِيَابِ عَرِيْبًا

مجھے دُوری کی وجہ سے محروم نہ رکھنا کیونکہ میں ان جیموں کے درمیان ایک اجنبی
آدمی ہوں۔

بہر حال فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن آپ کو دُور سے دیکھتی رہی وَهَمْ لَا
يَسْتَعْوَدُونَ مَكْرَ فِرْعَوْنَ اُوْر اُس کے کارندوں کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے
اور یہ کہ اس لڑکی کا اس صندوق والے بچے کے ساتھ واقعی کوئی تعلق ہے۔
جب بچے کو صندوق سے نکالا گیا تو فرعون کا ذہن فوراً اس طرف گیا کہ
ہو سکتا ہے یہ وہی بچہ ہو جس کی مجھے تلاش ہے لہذا اسے قتل کر دینا چاہیے مگر
اُس کی بیوی نے کہا کہ اُسے قتل نہ کرو۔ یہ بڑا پیارا بچہ ہے، ہو سکتا ہے یہ ہمیں کوئی
فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں۔ اُدھر اللہ کی بھی تدریر تھی، اس نے موسیٰ علیہ السلام
کو یہ احسان جنلایا۔ وَالْقِيَتِ عَلَيكَ حَبَّةٌ مِّنِّي (طہ - ۳۹) میں نے
اپنی طرف سے تجھ پر محبت ڈال دی، جو بھی شکل و صورت دیکھتا گرویدہ ہو جاتا،
اگرچہ فرعون کی جس اُسے قتل پر آمادہ کر رہی تھی مگر بچے کی خولہ صورتی دیکھ کر اور
بیوی کی سفارش سے اُس کا دل بھی نرم ہو گیا اور اُس نے نہ صرف قتل کا ارادہ ترک
کر دیا بلکہ بچے کی پرورش کا ذمہ بھی اٹھالیا۔

موسیٰ علیہ السلام
کی رضا

اب بچے کی رضا کا مسئلہ درپیش تھا کہ اس کو دودھ کون پلائے۔

شاہی حکم پر بہت سی دودھ پلانے والی عورتوں کو آزما گیا، مگر اللہ کا حکم تھا۔

وَحَرَّ مِنْ عَلَيْهِ الْمَرَضِعُ مِنْ قَبْلِ هُمْ نَسِيْبًا

پر دودھ پلانے والیوں کو ممنوع قرار دیا تھا، لہذا بچہ کسی بھی دانی کا دودھ پینے کے لیے تیار نہ ہوا۔ اس حکم سے شرعی حرام مراد نہیں ہے بلکہ موسیٰ علیہ السلام پر کسی غیر عورت کی رضاعت تکوینی طور پر حرام کر دی گئی۔ حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور تدبیر کا کار فرما تھی۔

اب شہر بصرہ میں مشہور ہو گیا کہ فرعون ایک بچے کی پرورش کرنا چاہتا ہے مگر وہ بچہ کسی عورت کا دودھ پینے کے لیے تیار نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن جو اس موقع کی تلاش میں تھی فقالت هَلْ اَدُّتْكُمْ عَلَىٰ اَهْلِ بَيْتِ يَكْتُمُونَ لَكُمْ كَفَالَتٌ لَّهَا، کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کے متعلق نہ بتاؤں جو اس بچے کی کفالت کے لیے کفالت کریں وَهَمْ لَهُ ناصِحُونَ اور وہ لوگ اس کے لیے خیر خواہ بھی ہوں گے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس موقع پر فرعون کے وزیر ہامان کو لنگ گزرا کہ اس لڑکی کو پتہ ہو گا کہ یہ بچہ کس کا ہے، اسی لیے تو وہ اس کے ساتھ خیر خواہی جتلا رہی ہے مگر لڑکی بڑی سمجھدار تھی، فوراً بولی کہ کہہ سے مراد بچے کی خیر خواہی نہیں، بلکہ خود فرعون کی خیر خواہی ہے جو اس کی اچھے طریقے سے پرورش کرنا چاہتا ہے وہ لوگ فرعون کے حق میں بڑے خیر خواہ ہیں۔ اس پر ہامان نے اپنی بات پر زور نہ دیا، حالانکہ اس سے بچے کی خیر خواہی ہی مطلوب تھی۔

فرعون نے اس لڑکی کی بات کو تسلیم کر لیا اور حکم دیا کہ جس عورت کا پتہ دیتی ہو اسے حاضر کرو، موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو فوراً بلا لیا گیا۔ جب اس نے بچے کو اپنی چھاتی سے لگایا تو اس نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گھر والوں نے اس کو غنیمت جانا اور اس لڑکی کی کارگزاری پر خوش ہوئے کہ اس نے ایک پاکیزہ گھر کی نشاندہی کی ہے جس کا دودھ بچہ پینے لگا ہے۔ غرضیکہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی خدمات بطورِ دانی ایک پوزیٹیو یہ کی اجرت پر حاصل کر لی گئیں انہوں نے کہا کہ میرے دو بچے بھی ہیں جن کی دیکھ بھال کرنا ہوتی ہے، لہذا میں تمہارے بچے کو حمل میں رکھ دو دودھ نہیں پلا سکتی بلکہ اسے اپنے گھس لے جا کر پرورش لے کشف ص ۳۹۶ و کبیر ص ۲۳۱ و مدارک ص ۲۲۸ (فیاض)

کروں گی۔ فرعون نے یہ شرط بھی منظور کر لی اور کہا کہ بچے کو سنے جاؤ مگر کبھی کبھی یہاں لاکر ملو جایا کرو۔ ہم تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔ اور مقررہ اجرت کے علاوہ انعام و اکرام بھی دیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام
کی ماں کے
پاس مراجعت

اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ کی طرف لوٹا دیا۔
اللہ نے اسی بات کا ذکر کیا فَدَدْنَا لَهَا الْإِثْمَ ہم نے اس کو اسی والدہ کے پاس لوٹا دیا كَتَقَرَّرَ عَيْدَهُمَا وَلَا تَحْزَنَنَّ تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو، اور وہ غمگین بھی نہ ہو۔ فرمایا اللہ تعالیٰ یہ بھی چاہتا تھا وَلِتَعْلَمَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ تاکہ وہ جان لے کہ بیشک اللہ کا وعدہ

برحق ہے۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے وعدہ کیا تھا کہ فکر نہ کرو، اسے پانی میں بہاؤ، ہم اسے تمہارے پاس لوٹا دیں گے، سو اللہ نے وہ وعدہ پورا کر دیا اور اس شان کے ساتھ لوٹایا کہ وہ اپنے ہی بچے کو دودھ پلا کر فرعون سے اجرت بھی وصول کرے گی، حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص اپنی تیار کردہ کسی چیز میں خیر کی توقع رکھتا ہے، اس کی مثال موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی ہے جس طرح وہ اپنے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت وصول کرتی تھی، اسی طرح یہ شخص اپنی مصنوعات کی قیمت تو وصول کر چکا ہے مگر ساتھ ساتھ ثواب بھی حاصل ہوتا ہے گا، حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تیر تیار کرنے کی وجہ سے تین آدمی بخشے جائیں گے۔ ایک آدمی اس تیر کو تیار کرنے والا ہے۔ جس نے اس نیت سے تیر بنایا کہ اس سے دشمن خدا ہلاک ہوں تو اسے تیر کی قیمت کے علاوہ اللہ کی طرف سے ثواب بھی حاصل ہوگا۔ دوسرے خوش قسمت شخص وہ ہے جو تیر انداز کو اس نیت کے ساتھ تیر بچھڑاتا ہے، کہ اس سے دشمن ہلاک ہوا تو وہ بھی بخشا گیا۔ اور تیسرا شخص خود تیر انداز ہے جو اللہ کی رضا کی خاطر دشمن کی صفوں میں تیر بھینکتا ہے وہ بھی بخشا جائے گا۔

تذکرہ خدائے

فرمایا اللہ تعالیٰ تو اپنی تدبیر کے ذریعے اپنا وعدہ پورا کر دیتا ہے وَلَكِنَّ
أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے کہ تدبیر خدائے کس

طرح کام کرتی ہے۔ تمام تقلبات اور تصرفات اللہ کے قبضے میں ہیں، لہذا وہ ہر کام کو گزرنے پر قادر ہے، ایسے میں دشمن کی تدبیر کیسے کامیاب ہو سکتی ہے؟ اُس کا لہذا اعلان ہے **وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ** (انفال - ۲۰) لوگ بھی تدبیریں کرتے ہیں اور اللہ بھی تدبیر کرتا ہے، مگر اللہ ہی بہتر تدبیر کنندہ ہے۔ دوسری جگہ فرمایا **وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ** (یوسف - ۲۱) وہ اپنے معاملے اور حکم میں غالب ہے، وہ جو چاہے کرے، اُس کے راستے میں کوئی رکاوٹ حاصل نہیں ہو سکتی۔ مگر اکثر لوگ بے علم ہیں۔ جو ان چیزوں کو نہیں سمجھتے۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا
وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ
عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ
يَقْتَتِلَانِ ۖ هَٰذَا مِنْ شِيعَتِهِ ۖ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَاسْتَغَاثَهُ
الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَوَكَرَهُ مُوسَىٰ
فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۖ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّهُ عَدُوٌّ
مُّضِلٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي
فَغَفَرَ لَهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا
أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ:- اور جب پہنچے (موسیٰ علیہ السلام) اپنی قوت پر اور
سنبھل گئے، تو وہی ہم نے اُن کو حکمت اور سمجھ - اور اسی
طرح ہم بدلہ دیا کرتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿۱۴﴾ اور وہ
داخل ہوئے شہر میں غفلت کے وقت وہاں کے رہنے
والوں سے۔ پس پایا اُس میں دو شخصوں کو کہ آپس میں جھگڑ
ہے تھے۔ ایک موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے تھا
اور ایک آپ کے دشمنوں میں سے۔ پس مدد چاہی اُس نے
جو اُن کے ساتھیوں میں سے تھا اُس کے خلاف جو اُن کے دشمنوں

میں سے تھا۔ پس تم کو رسید کیا اُس کو موسیٰ علیہ السلام نے پھر اس کا کام تمام کر دیا، اور پھر کہنے لگے کہ یہ تو شیطان کا کام ہے۔ بیشک وہ دشمن ہے بہکانے والا کھلا ⑮

کہا (موسیٰ نے) اے میرے پروردگار! بیشک میں نے زیادتی کی ہے اپنی جان پر، پس بخش دے مجھے، پس اللہ نے اُسے بخش دیا۔ بیشک وہ بخش کرنے والا اور نہایت مہربان ہے ⑯

کہا (موسیٰ نے) اے پروردگار! اس وجہ سے کہ تو نے مجھ پر انعام فرمایا ہے پس ہرگز نہ بنوں گا میں پشت پناہ مجرموں کا ⑰

بط آیت

اس سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی قبل از نبوت زندگی کے حالات بیان فرمائے ہیں اور آپ پر کیے گئے بعض انعامات کا ذکر کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہی نامساعد حالات میں ہوئی جب کہ فرعون اسرائیلیوں کے نوزائیدہ بچوں کو قتل کروا دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی فرمائی کہ فرعون کے دشمن موسیٰ علیہ السلام کی اسی کے گھر میں شاہانہ طریقے پر پرورش فرمائی۔ پہلے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی برآمدگی کے بعد آپ کی رضاعت کا واقعہ بیان کیا ہے کہ کس طرح موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے آپ کا پیچھا کیا اور پھر رضاعت کے لیے اپنی ماں کا پتہ بتایا۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف اپنی والدہ کے پاس واپس لوٹا دیا گیا بلکہ اُسے دودھ پلانے کی اجرت اور دیگر انعام و اکرام بھی ملنے لگا۔ اُس پر اللہ نے فرمایا ہے وَحَرَمْنَا عَلَيْكَ الْمَرَاضِعَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ لَعَلَّكَ حَمِيْلٌ مِّنْهُنَّ وَمَا كَانَ لِكَافِرٍ مِّنْهُنَّ اَنْ يَّعْتَمِدَ بِكُمُ الْاَيْمَانَ اِنْ كُنْتُمْ اِنْسَانًا عٰقِلِيْنَ

کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کسی غیر عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ گذشتہ درس میں عرض کیا تھا کہ یہاں پر حرام سے مراد شرعی حرام نہیں بلکہ محض ممنوع مراد ہے۔ اور اسی مثالیں قرآن میں دوسری جگہوں پر بھی موجود ہیں۔ جیسے سورۃ الانبیاء میں فرمایا ہے

وَحَلَّ عَلَيَّ قَرِيْبَةٌ اَهْلَكْنَهَا اَنْهُمْ لَا يَرِجِعُوْنَ (آیت ۹۵)
 جس بستی کو ہم ہلاک کر دیں ہم نے اس کو ممنوع کر دیا ہے کہ وہ پلٹ کر نہیں آئیں گے
 امام قشیری نے لکھا ہے کہ ایک سوئے ہوئے درویش کو دیکھ کر دوسرے بزرگ
 نے کہا۔

عَجَبًا لِلْمُحِبِّ كَيْفَ يَتَأَمَّرُ
 كُلُّ نَوْمٍ عَلَى الْمُحِبِّ حَكْمٌ

تعب کی بات ہے کہ ایک درویش سو رہا ہے کیونکہ ایسے لوگوں پر تو ہر
 قسم کی نیند ممنوع ہے۔ اللہ والے تو ظاہر باطن میں ہر وقت بیدار رہتے ہیں، ان پر
 تو کسی وقت بھی نیند طاری نہیں ہوتی، سحرئی نے بھی اسی قسم کی بات کی ہے۔

مَتَى يَرِجِعُ نَوْمِي وَقَسَارِي
 وَإِنَّ عَلَى الْعَاشِقِ هَذَا حَرَامَانِ

اے میرے دوست! میری نیند اور میرا قرار کب واپس لوٹ کر آئیگا کیونکہ عاشق (محب)
 لوگوں پر تو یہ دونوں چیزیں حرام (ممنوع) ہوتی ہیں۔ یہاں بھی حرام سے مراد
 شرعی حرام نہیں بلکہ ممنوع مراد ہے۔

بچپن سے
 جوانی تک

بہر حال موسیٰ علیہ السلام کی رضاعت کا زمانہ گزر گیا۔ جب آپ اپنی والدہ کی
 پرورش سے فارغ ہوئے تو شاہی محل میں شہزادوں کی طرح رہنے لگے۔ وقت گزرتا
 گیا حتیٰ کہ وَكَمَا بَلَغَ اَشَدَّهُ وَاسْتَوَىٰ جب آپ قوت یعنی جوانی
 کو پہنچ گئے اور اچھی طرح سنبھل گئے۔ یہ آپ کا عالم شباب تھا جو عموماً تین
 سے تینتالیس سال کی عمر کا زمانہ ہوتا ہے۔ اہل جنت کے متعلق بھی آتا ہے کہ وہ
 ہمیشہ عمر کے اسی زمانہ میں رہیں گے اور کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے۔ بہر حال جب
 موسیٰ علیہ السلام اس عمر کو پہنچے تو اللہ نے فرمایا اَتَيْتَهُ حَكْمًا وَعِلْمًا
 تو ہم نے ان کو حکمت یعنی دانائی اور علم یعنی سمجھ عطا کی۔ موسیٰ علیہ السلام پر جوانی کا
 عالم تھا، قد کاٹھ بھی لمبا اور چست و چالاک چھریا بدن تھا یعنی موٹاپے کا بھاری

نہیں تھا۔ حضور علیہ السلام نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میری ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی تو انہیں مین میں آباد قبیلہ اذو شمرہ کے نوجوانوں کی طرح دراز قرار پھرتے جسم کا حامل پایا۔

بہر حال فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام عالم شباب کو پہنچے تو ہم نے انہیں زانی اور سمجھ عطا فرمائی۔ تیس سال کی عمر میں اللہ نے یہ دو چیزیں ہی عطا کیں جب کہ نبوت چالیس سال کی عمر میں ملی جب آپ مدین سے واپس مصر کی طرف آ رہے تھے۔ اس قسم کے انعام کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ملتا ہے۔ اللہ نے فرمایا

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ (الانبیاء - ۵۱) ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے سے ہی یعنی اوائل عمر سے ہی کمال درجے کی سمجھ عطا فرمائی۔ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کو خوب پہچانتے تھے اور آپ کو توحید خداوندی پر پورا پورا اعتماد تھا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ نے حکمت اور سمجھ عطا فرمائی و کذلک نَجَّيْنَا آلَ مُحَمَّدٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ نَجَّى كَرْنَهُ وَالْوَلَدِ كَمَا أَسَى طَرِحَ بَدَلَهُ دِيَا كَرْتَهُ هِي .

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں بستے ہوئے وہاں کے ہر جن و قبیح کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور آپ کی حکمت و سمجھ کا تقاضا یہ تھا کہ آپ ہر بری چیز کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ظلم و ستم کے خلاف نہ صرف آواز بلند کرتے تھے بلکہ اُسے بزور روکنے کی کوشش بھی کرتے تھے۔ اسی دوران میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا وَ دَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَى حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا کہ موسیٰ علیہ السلام ایسے وقت میں شہر میں داخل ہوئے جب وہاں کے باشندے غفلت کی حالت میں تھے یعنی جب لوگ کاروبار سے فارغ ہو کر عام طور پر آرام کرتے ہیں۔ یہ وقت دوپہر کا بھی ہو سکتا ہے، رات کا بھی یا علی الصبح کا بھی جب لوگ ابھی نیند سے بیدار نہیں ہوئے۔ تو ایسے وقت میں آپ شہر میں داخل ہوئے۔ یہ کون سا شہر تھا؟ کہتے ہیں کہ اس شہر کا نام منوف یا منفت تھا جو فرعون کے دار الحکومت سے دس بارہ میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ فرعون کا خصوصی علاقہ تھا جسے جن کا نام دیا گیا ہے

یہاں پرتھویوں کے علاوہ اسرائیلیوں کی بستیاں بھی تھیں اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بھی یہیں رہتی تھیں، لہذا آپ گاہے بگاہے وہاں بھی چلے جاتے تھے۔ اس علاقے میں فرعونوں نے اسرائیلیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رکھے تھے۔ تمام مشقت کے کام اُن سے لیتے تھے اور ان کی حیثیت غلاموں سے بھی بدتر تھی۔ موسیٰ علیہ السلام یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور حتی الامکان مظلوموں کی مدد بھی کرتے۔

تَوَجِبَ اَبُ اس شہر میں داخل ہوئے فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ
يَقْتُلَانِ تَوَاسِيَةً وہاں دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے دیکھا گئے یہاں اِذَا
مِنْ شَيْعَةٍ اِن مِّنْ سَبِيٍّ اَبْنِي خاندان سے تھا۔ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ اور دوسرا
شخص دشمن گروہ یعنی قبیلہ خاندان سے تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص فرعون کا کارندہ تھا
یعنی اس کے باورچی خانے کا نگران تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام وہاں سے گزرے

فَاسْتَعَاثَهُ الَّذِي مِنْ شَيْعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ
عَدُوِّهِ تو مدد طلب کی موسیٰ علیہ السلام سے اُس شخص نے جو اُن کی پارٹی سے تھا
اُس کے خلاف جو اُن کی دشمن جماعت سے تھا۔ استغاثہ کا معنی فریاد کرنا یا مدد
طلب کرنا ہوتا ہے۔ اسرائیلی مظلوم تھا تو اُس نے موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی
موسیٰ علیہ السلام نے بھی دیکھا کہ قبیلہ واقعی اسرائیلی پر زیادتی کر رہا تھا۔ لہذا آپ نے اُسے
بڑھ کر مظلوم کو ظالم نے سچے سے چھڑانا چاہا مگر مؤخر الذکر اس کے لیے تیار نہ تھا۔
موسیٰ علیہ السلام سے رہ نہ گیا فَوَكَرَهُ مُوسَىٰ تَوَاسِيَةً اس کو ایک گھونٹہ رسید کیا۔

اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ قبیلہ کو جان سے ہارنا نہیں تھا مگر اِس کو وہ ضرب ایسی
کاری لگا فَقَضَىٰ عَلَيْهِ کہ قبیلہ کا کام تمام ہو گیا یعنی وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔

شیطانی
عمل

چونکہ یہ حادثہ موسیٰ علیہ السلام کی نیت اور ارادے کے باکل خلافتِ پیش
آگیا تھا، لہذا آپ نے فرمایا قَالَ هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ کہ یہ شیطان
کے کام سے ہے۔ اس کو شیطانی عمل اس لیے کہا کہ شیطان ایسے کام پر بڑا خوش

ہوتا ہے جس کے ذریعے فتنہ و فساد برپا ہونے کی امید ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نماز کی حالت میں اگر کسی شخص کو کوئی زخم آجائے ٹیکسیر پھوٹ جائے یا عورت کو حیض آنے لگے تو یہ شیطانی فعل ہوتا ہے کہ اس سے شیطان بڑا خوش ہوتا ہے کہ کسی کی نماز میں خلل واقع ہوا۔ موسیٰ اور یوشع علیہ السلام کے سفر کے واقعہ میں بھی آتا ہے کہ جب وہ دونوں اپنی منزل سے آگے نکل گئے اور پھر موسیٰ علیہ السلام نے ناشتہ طلب کیا تو یوشع علیہ السلام کہنے لگے کہ میں پھلی والا واقعہ تو بھول ہی گیا وَمَا اَنْسِيْتَهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اِنْ اَذْكُرْهُ رَا لِكُفْرٍ ۛ اور مجھے اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا۔ چونکہ یہاں بھی اللہ کے نیک بندوں کو سفر کی زبردستی برداشت کرنا پڑی۔ جس سے شیطان خوش ہوا، لہذا اُسے بھی شیطانی عمل کہا گیا ہے بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے قبلی کے قتل کو شیطان کی طرف منسوب کیا۔ اور فرمایا اِنَّهُ عَدُوٌّ مُّبْتَلٍ لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ لَعَلَّ الْاِنْسَانَ يَرْجِعُ لَدُنْهُ اور کھلے طور پر بہکانے والا ہے۔ انسان کو اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اگرچہ قبلی کا قتل قتلِ عمد نہیں بلکہ قتلِ خطا تھا مگر موسیٰ علیہ السلام اس پر بھی سخت پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ "بیان القرآن" میں لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام چونکہ اللہ کے مقرب بندے ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو ان کی خصوصی قربت مطلوب ہوتی ہے، لہذا وہ ان کی معمولی لغزشوں پر بھی سخت گرفت کر لیتا ہے۔ دیکھ لیں حضرت یونس علیہ السلام سے ذرا سی لغزش ہوئی تھی تو اللہ نے انہیں کس قدر تباہ میں ڈالا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس غیر ارادی قتل پر اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ لَکَ، پروردگار! میں نے اپنی جان نپٹ لیا ہے۔ مجھ سے یہ لغزش واقع ہو گئی ہے۔ فَاعْفُرْ لِیْ لہذا مجھے معاف کر دے، اگرچہ یہ گناہ نہیں تھا مگر ایک جان تو چلی گئی تھی۔ لہذا آپ نے سخت ندامت کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی فَغَفَرَ لَکَ، تو اللہ نے آپ کو معاف کر دیا۔ جو لوگ اس عمل کو گناہ کہتے

لغزش کی معافی

ہیں، وہ درست نہیں ہیں کیونکہ گناہ تو نیت اور ارادے کے ساتھ ہوتا ہے۔ ارادے کے بغیر تو خطا ہو سکتی ہے یا بیان ہو سکتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے بھی ایک خطا ہوئی تھی کہ وہ اللہ کے حکم کے برخلاف شجر ممنوعہ کا پھل کھا لیٹھے مگر فتنسی وکَمْ نَجِدْ لَهُ عَذْمًا (طلہ-۱۱۵) اللہ نے فرمایا کہ وہ بھول گئے اور ہم نے اُن میں عزم و استقلال نہ پایا۔

بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی کی کیونکہ وہ بڑی شخصیت تھے اور ایسے لوگوں کی ابتداء سے ہی بہترین تربیت مقصود ہوتی ہے انبیاء نبوت سے پہلے بھی ایمان والے اور ولی کامل کے درجے میں ہوتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے قطب باطنی کے درجے میں ہوتے ہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے اس فعل کی معافی بھی عطا دی۔ اس قسم کی معافی کا علم دیگر نیک لوگوں کی طرح بذریعہ الہام یا بذریعہ خواب ہو سکتا ہے۔ یا پھر نبوت ملنے کے بعد بذریعہ وحی بھی ہو سکتا ہے۔ تو اللہ نے معاف کر دیا اِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ بے شک وہ بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

مجرموں کی
پشت پناہی

اس قتلِ خطا پر اللہ تعالیٰ سے معافی ملنے پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار کا عجیب طریقے سے شکریہ ادا کیا۔ پہلے اپنے آپ پر ہونے والے انعامات الیہ کا ذکر کیا قال رَبِّ بِمَا اَنْعَمْتَ عَلَيَّ کہانے میرے پروردگار! جس طرح تو نے مجھ پر انعام کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتنے ہی انعامات کیے تھے۔ پہلے دشمن کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچایا۔ پھر اپنی طرف سے لوگوں کے دلوں میں محبت ڈال دی، جو دیکھتا گرویدہ ہو جاتا۔ اور اسی وجہ سے آپ کی جان بچ گئی۔ آپ کو حکمت اور سمجھ عطا فرمائی، نبوت سے سرفراز فرمایا، عظیم المرتبت کتاب دی، اپنے کلام سے شرف فرمایا، پھر خلافت بھی عطا فرمائی۔ سورۃ الصفات میں ہے وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ (آیت-۱۱۴)

ہم نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں پر احسان فرمایا۔ اُن کو ظالم قوم سے نجات دی، اُن کی مدد کر کے انہیں غالب بنایا، کتاب دی اور صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرمائی۔ ان انعامات کا تذکرہ کرنے کے بعد اُن کا شکر یہ اس طرح ادا کیا فَاسْنُ اَکُوْنَ ظَہِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ کہ میں کبھی مجرموں کا پشت پناہ نہیں بنوں گا یعنی اُسندہ کبھی کسی مجرم کی حمایت نہیں کروں گا۔

یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے حمایت تو اسرائیلی آدمی کی کی تھی، جو قبلی کے ظلم کا نشانہ بن رہا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ مجرم تو نہیں تھا بلکہ مظلوم تھا مگر یہاں پر وہ مجرموں کی اعانت سے دست کش ہو رہے ہیں کیفہرین کلام فرماتے ہیں، کہ ان مجرموں سے مراد اسرائیلی نہیں بلکہ قبلی ہیں جو اسرائیلیوں پر طرح طرح کے مظالم ٹھاتے تھے۔ جو آدمی آپس میں جھگڑے ہے تبھی ان میں بھی قبلی ہی مجرم تھا جو اسرائیلی پر زیادتی کر رہا تھا۔ ممکن ہے کہ اسرائیلی کا بھی کوئی قصور رہا، اگر ایسا ہے تو اس کو بھی مجرمین کی فہرست میں داخل کر سکتے ہیں، تاہم فرعونؑ تو سارے کے سارے مجرم تھے جنہوں نے اسرائیلیوں کو غلام بنا رکھا تھا۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ پروردگار! تو نے مجھ پر اس قدر انعامات کیے ہیں تو میں ان کا شکر یہ اسی طریقے سے ادا کر سکتا ہوں کہ اُسندہ کسی مجرم کی پشت پناہی نہیں کروں گا۔

اس آیت سے یہ قانون نکلتا ہے کہ اہل ایمان اور نیکی والے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ کبھی کسی مجرم کی پشت پناہی نہ کریں، ایسا کرنے سے پورے معاشرے کا نظام درہم برہم ہو جاتا جو اللہ تعالیٰ کی اراصلی کا سبب بنتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے لَعْنُ اللّٰهِ مَنَ اَوْیٰ مُحْرِمًا اُس پر اللہ کی لعنت ہو جو کسی مجرم کو پناہ دیتا ہے۔ مجرم کو تو سزا ملنی چاہیے۔ جو شخص اس کی سزا میں حامل ہونا چاہتا ہے وہ ملعون ہے۔ چنانچہ سلف صالحین نے کبھی کسی مجرم کا ساتھ نہیں دیا۔ اُسندہ کلام اور اولیاء اللہ ظالم کمزوروں کو نصیحت تو کرتے ہے مگر اُن کی ہاں میں ہاں ملتا کہ ظلم میں حصے دار نہیں بنے۔ امام ابوحنیفہؒ نے سورے کھانا منظور کیے، جیل گئے، زنجی

ہوئے مگر سرکاری ملازمت محض اس لیے قبول نہیں کی کہ حکمران صحیح نہیں تھے۔ آپ نے وقت کے کاغذ پرنسپل کو نصیحت کی کہ ظلم نہ کرو، ورنہ مانوڑ ہو گے تو اُس نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ اسی طرح امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے بھی کسی ظالم حکمران کی پشت پناہی نہیں کی۔ انہیں بڑی بڑی ٹیکلیٹیں دی گئیں مگر انہوں نے کبھی ناحق کا ساتھ نہیں دیا۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے کہ انبیاء کے مشن میں دفع الظالمین من بین الناس بھی شامل ہے یعنی اُن کا فرض ہے کہ لوگوں سے ظلم کو ہٹائیں۔ جب اُن کے مشن میں یہ چیز داخل ہے تو پھر وہ ظالم کی پشت پناہی کیسے کر سکتے ہیں؟ آج ہماری سوسائٹی میں ظالم کی پشت پناہی رائج ہے جس کی وجہ سے ہم طرح طرح کے مصائب کا شکار ہیں، معاشرہ میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہے، کسی کی عزت، مال اور جان محفوظ نہیں۔ گھر گھر میں ڈاکے پڑے ہیں۔ شاہراؤں پر لوٹ مار مچی ہوئی ہے قتل و غارت عام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان غنڈوں اور چوروں کے پشت پناہ بڑے بڑے جاگیردار ہیں۔ انہوں نے کرانے کے قاتل پال رکھے ہیں جو واردت کرنے کے بعد اُن کی پناہ میں آکر گرفت سے بچ جاتے ہیں۔ پولیس کی طرف سے مجرموں کی پشت پناہی بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ پورے معاشرے میں بے سکوئی کی کیفیت ہے۔ جیت تک معاشرے سے مجرم کی پشت پناہی ختم نہیں ہوگی لوگ آرام کی نیند نہیں سو سکیں گے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ایسے لوگوں پر آہنی ہاتھ ڈالے اور مجرموں سے پہلے ان کے حمایتیوں کو کیفر کردار تک پہنچائے۔

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۱ (فیاض)

فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي
 اسْتَضَرَّهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُ ۖ قَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّكَ
 لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي
 هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا قَالَ يَمُوسَى أَرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا
 قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۖ إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا
 فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمَصْلِحِينَ ﴿۱۹﴾
 وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ ۚ قَالَ يَمُوسَى إِنَّ
 الْمَلَائِكَةَ يَتَمَرُّونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِلَيَّ لِكَ مِنْ
 النَّاصِحِينَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۖ وَقَالَ
 رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ:- پھر صبح کی موسیٰ علیہ السلام نے اسی شہر میں، وہ ڈرتے
 ہوئے انتظار کر رہے تھے کہ اچانک وہی شخص جس نے
 گذشتہ روز آپ سے مدد طلب کی تھی، پھر مدد کے لیے
 پکار رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص سے کہا کہ
 بیشک تم کھٹے کجرو آدمی ہو ﴿۱۸﴾ پھر جب ارادہ کیا موسیٰ
 علیہ السلام نے کہ ہاتھ ڈالیں اس شخص پر جو ان دونوں کا
 دشمن تھا، تو اس شخص نے کہا کہ اے موسیٰ! کیا تو ارادہ کرتا

ہے کہ مجھے قتل کر ڈالے جیسا کہ تو نے ایک جان کو کل قتل کیا تھا تو نہیں چاہتا مگر یہ کہ تو زبردست ہو زمین میں ، اور تو نہیں چاہتا کہ تو اصلاح کرنے والوں میں ہو (۱۹) (اس دوران میں) آیا شخص شہر کے دو سکر کنارے سے دوڑتا ہوا، اور کہنے لگا، اے موسیٰ! بیشک فرعون کے سر پر آوردہ لوگ مشورہ کر رہے ہیں تیرے باپ کے لیے تاکہ تجھ کو قتل کر ڈالیں۔ پس آپ محل جائیں یہاں سے۔ بیشک میں آپ کے لیے البتہ خیر خواہی کہنے والا ہوں (۲۰) پھر نکلے (موسیٰ) وہاں سے خوف کھاتے ہوئے اور انہوں نے (اللہ کی بارگاہ میں) عرض کیا، اے میرے پروردگار! بچالے مجھے ظالم قوم سے (۲۱)

جب موسیٰ علیہ السلام عالم شباب کو پہنچے تو اللہ نے انہیں حکمت اور سمجھ عطا فرمائی۔ آپ بڑی باتوں پر تنقید اور مظلوموں کی مدد کرتے تھے۔ اس دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ آپ دار الحکومت سے بارہ میل کے فاصلہ پر واقع شہر منصف میں ایسے وقت میں داخل ہوئے جب لوگ آرام کر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک قبیل اور اسرائیلی آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ حسب معمول قبیل آدمی اسرائیلی پر زیادتی کر رہا تھا۔ لہذا اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام سے مدد کی درخواست کی۔ آپ نے اسے چھڑانے کی کوشش کی مگر قبیل ایسا کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس پر آپ نے قبیل کو ایک گھونٹہ سید کیا جسے وہ برداشت نہ کر سکا اور ہلاک ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو بڑا افسوس ہوا کہ ان کی ایک معمولی سی بلا ارادہ لغزش سے ایک جان چلی گئی۔ آپ نے اس کو تابی پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور کہا کہ تو نے مجھ پر بڑے انعامات کیے ہیں اور دیگر سمولتیں جیسا کہ ہیں۔ لہذا میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کسی مجرم کی حمایت نہیں کروں گا۔

لہذا میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کسی مجرم کی حمایت نہیں کروں گا۔

قتل کا پہلا واقعہ تو دب گیا۔ بائبل کی روایت کے مطابق لاش کو ریت میں دبا دیا

گیا اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ حضرت
 موسیٰ علیہ السلام نے اسی شہر میں رات گزار کر صبح کی یعنی اکلادین اسپینچا مقتول بہر کاری
 کا زندہ تھا، دن بھر اس کی تلاش ہوتی رہی کہ وہ کہاں چلا گیا۔ اسرائیلی آدمی کو بھی فکر
 تھی کہ اگر قتل کا راز افشا ہو گیا تو مصیبت آجائیگی۔ اُدھر موسیٰ علیہ السلام کی حالت بھی
 یہ تھی خَائِفًا وہ بھی خوفزدہ تھے کہ کوئی مصیبت نہ آجائے يَتَرَقَّبُ آپ
 منتظر تھے کہ دیکھیں کل والے واقعہ کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ آپ اسی شش و پنج میں تھے
فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ کہ اچانک وہی شخص
 جس کی گذشتہ روز آپ نے مدد کی تھی پھر مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ آج وہ کسی دوسرے شخص
 سے اُلجھ رہا تھا۔ اسرائیلی عام طور پر بڑے منظم و مقہور تھے مگر موسیٰ علیہ السلام نے محسوس
 کیا کہ اس اسرائیلی کے مزاج میں بھی کچھ خلل تھا جو ہر ایک سے الگ تھا پھر اتنا اس کی مدد
 میں ابھی کل ہی ایک آدمی قتل ہو چکا تھا اور یہ آج پھر ویسا ہی کام کر رہا تھا اس پر موسیٰ علیہ السلام
 کو اس اسرائیلی پر غصہ آ گیا کہ اس کا تو کام ہی لڑنا جھگڑنا قَالَ لَهُ مُوسَىٰ موسیٰ علیہ السلام
 نے اس شخص سے کہا اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ تم تو کھیلے کجرو ہو جو ہر ایک سے جھگڑتے ہو
 گویا آپ نے اسی اسرائیلی کو سخت ڈانٹ پلائی کہ تم خواہ مخواہ لوگوں سے لڑائی جھگڑا کرتے ہو
 اسرائیلی کو سخت سست کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام آج پھر اسکی مدد کرنا چاہتے تھے چنانچہ
 اس مقصد کے لیے قَلَمًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لِّهِمَا
 جب آپ نے ارادہ کیا کہ اس شخص پر ہاتھ ڈالیں جو دونوں یعنی آپ کا اور اسرائیلی کا دشمن
 تھا۔ گویا آج آپ پھر قبیلے کو ظلم سے ہٹانا چاہتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اگرچہ
 فرعون کے محل میں پردوش پائی تھی مگر تھے تو آپ اسرائیلی خاندان سے اور اسی لیے
 اپنی والدہ سے ملنے کے لیے گاہے باگاہے ان کے پاس بھی آتے تھے، لہذا فطر
 طور پر ان کی ہمدردیاں مظلوم اسرائیلیوں کے ساتھ تھیں چنانچہ انہوں نے اسرائیلی آدمی
 کو قبیلے کے ظلم سے بچانا چاہا۔

اُدھر اسرائیلی سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے مجھے ڈانٹ پلائی ہے اور اب یہ میری

طرف بڑھ رہے ہیں تاکہ روزِ رزور کی لڑائی کا مجھے بھی کچھ سزہ چکھائیں۔ وہ شخص آپ کی قوت کا اندازہ تو کر ہی چکا تھا کہ کل ایک ہی ٹکے سے قبطنی ہلاک ہو گیا، لہذا اُسے جان کی فکر پڑ گئی اور قال کہنے لگا۔ لِمْوَسَىٰ أَنْ تَرِيدَ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ لِمِمْسِي لِمِمْسِي لے موی اکیا تو مجھے بھی ویسے ہی قتل کرنا چاہتا ہے جیسے کل اکیا شخص کو جان سے مار ڈالا۔ إِنْ تَرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ اور تو زمین میں اصلاح کنندہ نہیں بننا چاہتا۔ اب رزافاش ہو چکا تھا وہ قبطنی سمجھ گیا کہ جس قتل کا سراغ نہیں مل رہا ہے وہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوا ہے۔ اب موسیٰ علیہ السلام کو مزید پریشانی لاحق ہوئی کہ یہ شخص جا کر سرکاری کارندوں کو بنا دے گا۔ کہ کل والا قتل میں نے کیا تھا۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ عربی کافر کا خون تو جائز ہے، اور اس لحاظ سے وہ قبطنی بھی مباح الدم تھا۔ اگرچہ یہ قتل خطا کے طور پر ہوا تھا، تاہم اگر یہ قتل عمد بھی ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کو کچھ گناہ نہیں تھا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے لہذا انہوں نے اس خطا کو گناہ سے تعبیر کیا۔ چنانچہ سورۃ الشعراء میں موجود ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ قوم فرعون کے پاس جا کر تبلیغ کرو تو آپ نے ایک غمزدہ پیش کیا تھا وَأَكْفُرْ عَلَىٰ ذَنْبٍ فَاحَا فِي أَنْ تَقْتُلُونَ (آیت - ۱۴) قبطنیوں کا مجھ پر ایک گناہ بھی ہے کہ میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا۔ اب اگر میں ان کے پاس تبلیغ کے لیے جاؤں گا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل ہی نہ کر دیں۔ کیونکہ وہ تیرہ سال یہی سمجھیں گے کہ میں نے ان کا آدمی عمداً قتل کیا تھا حالانکہ میرا ارادہ قتل کرنے کا نہیں تھا بلکہ مظلوم کو ظالم کے ہنچے سے چھڑانا مقصود تھا۔

فرعون کے پاس بخبری

بہر حال قبطنی جان گیا کہ کل والا قتل موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ہوا ہے۔ وہ فوراً فرعون کے دربار میں پہنچا اور اُسے حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ فرعون پہلے ہی موسیٰ علیہ السلام کی بعض باتوں سے ناراض تھا۔ کیونکہ آپ ہرگز بے کام پر تنقید کرتے تھے لے بیان القرآن ص ۱۵۷ (فیاض)

اور ظلم کے خلاف آواز اٹھاتے تھے۔ اب فرعون کو یقین ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام ہمارا دشمن ہے۔ کہیں یہ وہی نہ ہو جس کی پیشین گوئی نوحیوں نے کی تھی کہ وہ ہماری سلطنت کو تہس نہس کر دے گا۔ چنانچہ تمام امراء و وزراء اور مشیران حکومت کو اس معاملہ پر غور کرنے کے لیے طلب کیا گیا۔ سارے عمائدین جمع ہوئے اور بالآخر یہی طے پایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو فوراً گرفتار کر لیا جائے کیونکہ یہ شخص ہماری سلطنت کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

فرعون کے حواریوں کا یہ اجلاس ابھی جاری تھا اور ادھر ورجاء رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعَىٰ شَرْكِي دوسری طرف سے ایک آدمی دوڑتا ہوا موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ قَالَ لِمُوسَىٰ اِنَّ الْمَلَا يَاتِمْرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ اور کہنے لگا، اے موسیٰ علیہ السلام! فرعون کے درباری تیرے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر دیں۔ لہذا میں تجھے یہی نصیحت کرتا ہوں فَاحْجُجْ اِنَّكَ مِنَ النَّاصِحِيْنَ آپ یہاں سے نکل جائیں بیشک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں۔

یہ شخص کون تھا جس نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعونی منصوبے سے آگاہ کیا؟ مفسرین کو اہم فرماتے ہیں کہ یہ شخص ذہبی مرد مومن تھا جس کے نام پر قرآن پاک کی سورۃ مومن ہے۔ سورۃ مومن میں آتا ہے۔ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّمَّنْ هُنَّ اِلٰ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهُ (آیت - ۲۸) یہ شخص فرعون کے خاندان کا فرد تھا، موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا مگر اس وقت تک ایمان کو چھپا رہتا تھا یہ شخص ابتدا سے ہی موسیٰ علیہ السلام کا خیر خواہ تھا، جب موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ کا آغاز کیا تھا تو اس وقت بھی اس مومن شخص نے قبطیوں کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ زیادتی کرنے سے منع کیا تھا۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ (آیت - ۲۸) کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے؟ جب مرد مومن نے آکر یہ اطلاع دی فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ

تو موسیٰ علیہ السلام وہاں سے نکل کھڑے ہوئے خوف کھاتے ہوئے راہ دیکھتے تھے کہ اب کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ آپ کو تشویش تھی کہ میں بھاگ جانے میں کامیاب ہو جاؤں گا یا فرعون کی کارندے میرا تعاقب کر کے پکڑ لیں گے، لہذا وہ مڑ مڑ کر پیچھے بھی دیکھتے جاتے تھے کہ کہیں کوئی خطرہ تو نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے بارگاہ رب العزت میں دعا بھی کی قَالَ رَبِّ بَحِّثْ لِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ کہنے لگے اے میرے پروردگار! مجھے ظالم قوم سے نجات دے دے، مجھے ان کے رحم و کرم پر نہ چھوڑنا۔ چنانچہ عام اہل ایمان کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ بھی اس طرح دعا کیا کریں رَبِّ اجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۵ وَيَحْتَسِبْ بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (یونس ۸۵/۸۶) اے ہمارے پروردگار! ہمیں ظالم قوم کی آزمائش میں نہ ڈالنا، اور اپنی رحمت سے کافروں کی قوم سے نجات دینا۔ آج دنیا کی ظالم قومیں مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ توڑ رہی ہیں، لہذا دعا کرنی چاہیے کہ اللہ ان کے سچے استیاد سے محفوظ رکھے۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دعا کر کے اس شہر سے نکل پڑے۔ آگے جس منزل پر پہنچے اس کا حال آگے بیان ہو رہا ہے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهْ تَلَقَّاءَ مَدِينَ قَالَ عَسَى رَبِّيْ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ
 سَوَاءَ السَّبِيْلِ ﴿٢٢﴾ وَلَمَّا وُرِدَ مَاءٌ مَدِيْنٍ وَجَدَ عَلَيْهِ
 اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْتَقُوْنَ هُ وَّوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَآتَيْنِ
 تَدُوْدِيْنَ هُ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتَّى يُصَدِرَ
 الرِّعَاءُ اَكْتَرْنَا شَيْخًا كَبِيْرًا ﴿٢٣﴾ فَسَقَى لِهَمَا ثُمَّ تَوَلَّى اِلَى
 الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿٢٤﴾
 فَجَاءَتْهُ اِحْدَاهُمَا تَمْشِيْ اَعْلَى اسْتِحْيَاءٍ زَقَالَتْ اِنَّ اِلَيَّ
 يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرًا مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَئِمَّا جَاءَهُ
 وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ لَا قَالَ لَا تَخَفْ تَنْجُوْتَ مِنْ
 الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ﴿٢٥﴾

ترجمہ۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام نے توجہ کی مدین کی طرف تو انہوں
 نے کہا، امید ہے کہ میرا پڑدگار میری راہنمائی فرمائے گا میرے
 راستے کی ﴿۲۲﴾ اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو پائی
 انہوں نے وہاں ایک جماعت لوگوں کی جو پانی پلاتے تھے۔
 اور پایا ان کے درے دو عمودوں کو جو (اپنے جانوروں کو)
 روک رہی تھیں۔ کہا موسیٰ علیہ السلام نے کیا حال ہے تمہارا، تو انہوں
 نے کہا کہ ہم نہیں پلاتیں پانی یہاں تک کہ یہ چرواہے لوٹ

جائیں۔ اور ہمارا باپ عمر رسیدہ بوڑھا آدمی ہے (۶۳) پس پانی پلایا اُن دونوں کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے۔ پھر پٹے بنائے کی طرف اور کہا، اے میرے پروردگار! بیشک میں، تو جو بھی نازل فرمائے میری طرف بہتری سے، محتاج ہوں (۶۴) پس ان دو عورتوں میں سے ایک حیا کے ساتھ چلتی ہوئی موسیٰ کے پاس آئی۔ کہنے لگی، بیشک میرا باپ آپ کو بلاتا ہے تاکہ آپ کو بدلہ دے اُس کا کہ آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا۔ پھر جب آئے موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس اور بیان کیا اُن پر حال، تو انہوں نے کہا کہ خوف مرت کھاؤ، تو بچ گیا ہے ظالموں کی قوم سے (۶۵)

ربط آیات

جب موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبطی آدمی قتل ہو گیا اور قتل کا الزام بھی آپ پر لگا تو فرعون کے درباریوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس شخص کو سزائے موت دینی چاہیے۔ چنانچہ آپ کی گرفتاری کا حکم دے دیا گیا۔ اسی اثنا میں موسیٰ علیہ السلام کے ایک خیر خواہ نے آپ کو اطلاع دے دی کہ فرعون نے آپ کی گرفتاری اور قتل کا حکم دیدیا ہے لہذا آپ بلاناخیر یہاں سے نکل جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام فوراً وہاں سے چل دیے، آپ کو پریشانی بھی لاحق تھی کہ پتہ نہیں اب کیا صورت حال پیش آئے گی اور اسی ضمن میں آپ پیچھے مڑ کر بھی دیکھتے تھے۔ اندر میں حالات آپ نے یہ دعا بھی کی، پروردگار! رَجِّئِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ مجھے ظالم قوم سے بچالے۔ اللہ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور آپ کو ایک ایسے راستے پر ڈال دیا جو مدین کی طرف جاتا تھا اور جہاں آپ کو امان حاصل ہو سکتی تھی۔ اُس زمانے میں فرعون کی عملداری سے باہر قریب ترین علاقہ مدین کا ہی تھا، لہذا آپ اسی طرف چل دیے۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَمَّا تَوَجَّهَ تَلَقَّاهُ مَدْيَنُ مَجْبُوبًا موسیٰ علیہ السلام نے مدین کا سفر

کی طرف توجہ یعنی رُح تو پاس و اُمید کی اس کش مکش کے درمیان قَالَ آپ کی زبان سے یہ نکلا عَلَى رَجَبٍ أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ اُمید ہے کہ میل پروردگار سید سے راستے کی طرف میری راہنمائی فرمائے گا۔ آپ منزل کے راستے سے واقف نہیں تھے، ویسے بھی پریشانی لاحق تھی تو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ سے درست راستے کی دعا بھی کی۔ اُس شہر سے مدین آٹھ دس دن کی مسافت پر تھا۔ آپ بے سرو سامانی کی حالت میں چل دیے، نہ کوئی توشہ نہ دیگر زاد سفر، آپ اللہ کے بھروسے پشٹن تھا چلتے رہے۔ راستے میں شکم پر دوسری کے لیے درختوں اور جھاڑیوں کے پتوں اور گھاس پھونس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ آپ اسی حالت میں دس دن کے سفر کے بعد مدین پہنچ گئے۔

دورانِ سفر کے تفصیلی حالات کا ذکر قرآن پاک نے نہیں کیا۔ البتہ وہاں پر پہنچ جانے کے بعد کے حالات کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا وَلَقَدْ مَكَّاهِدِينَ جب آپ مدین کے پانی یعنی کنوئیں پر پہنچے۔ وَجَدَ عَلَيْهَا قَوْمًا الناس يَسْقُونَ تُوَ اِنِّي وَاِنِّي پُرُوغُوْنَ لِي اِيك جَمَاعَت كُو اِيَا جُو اِيَا زُو رُو ل كُو اِيَا نِي۔ پلائے تھے۔

مفسرین کہتے فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام مصر سے چل کر خلیج عقبہ کے کنارے مدین پہنچے یہاں پر آنے کا خیال اللہ نے آپ کے دل میں اس لیے ڈالا کہ آپ کو اس مقام کے ساتھ کچھ مناسبت بھی تھی۔ مدین کی بستی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کے نام پر موسوم تھی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام بھی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، لہذا ادھر آنے میں آپ کے لیے اللہ نے ایک خاص شش پیدا کر دی تھی۔ اب مدین کی بستی تو وہاں موجود نہیں البتہ اُس کے کھنڈرات پاٹے جاتے ہیں جنہیں دیکھنے کے لیے سیاح اب بھی جاتے ہیں وہاں کے مقامی لوگ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے تاریخی مقامات کی نشاندہی کرتے ہیں اور اس سلسلے میں دو کنوئیں بھی دکھاتے ہیں جو اب ویران ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک کنوئیں سے موسیٰ علیہ السلام نے پانی نکال کر شعیب علیہ السلام کی بھاریوں کو پلا یا تھا۔ اس زمانے کے لوگ پانی کی ضروریات اسی کنوئیں سے پوری کرتے تھے۔

شعب علیہ السلام
کی کجیوں
کی سیرابی

بہر حال موسیٰ علیہ السلام دس دن کے سفر کے بعد تھکے ماندے مدین کے کنوئیں پر پہنچے۔ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ وَوَجَدَهُمْ دُونََهُمْ أَصْرَاتٍ مِّنْ تَدْوَانِ ان لوگوں کے علاوہ اپنے دو عورتوں کو دیکھا جو اپنے جانوروں کو پانی پر جلنے سے روک رہی تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام تو شروع سے ہی گھڑیوں کے حافی اور ظالموں کے دشمن تھے، یہ ماجرا دیکھ کر وہ رہ نہ سکے اور ان دو عورتوں کی طرف متوجہ ہوئے قَالَ مَا خَطْبُكُمْ کہنے لگے تم دونوں کا کیا حال ہے یعنی کیا وجہ ہے کہ تم اپنی کجیوں کو پانی کی طرف جانے سے روک رہی ہو۔ جب کہ انہیں بھی پانی کی اشد ضرورت ہے۔ انہوں نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا قَالَتَا لَا نَسْتَقِي حَتَّىٰ يَصْدِرَ الرَّيْحَانُ دونوں نے کہا کہ ہم اپنے جانوروں کو اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو سیراب کرنے کے چلے نہ جائیں۔ ہم اپنے جانوروں کو اس لیے روک رہی ہیں کہ یہ چرواہے فارغ ہو کر چلے جائیں تو بچا کھیا پانی ہم بھی اپنی کجیوں کو پلا لیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وَأَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيرٌ اور ہمارا باپ بوڑھا اور عمر رسیدہ آدمی ہے، وہ اس قابل نہیں کہ مشقت کا کام کر سکے لہذا ہمارے مجبوری جانوروں کی دیکھ بھال ہمیں کرنا پڑتی ہے۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام کا دل بھر آیا۔ اگرچہ وہ خود طویل سفر کر کے تھکے ہارے پہنچے تھے مگر انہوں نے لڑکیوں کی مدد کرنا ضروری سمجھا فَسَقَىٰ لَهَا کچھ پانی اپنے ان کے جانوروں کو پانی نکال کر پلایا۔ چونکہ آپ کو عنقریب نبوت ملنے والی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ آپ کو مختلف آزمائشوں میں ڈال رہا تھا۔ سورۃ ط میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا (طہ، ۱۰۱) ہم نے تمہیں مختلف طریقوں سے آزمایا۔ مصر سے مدین تک کا طویل سفر بھی آپ کی آزمائش تھی۔ اس سے پہلے میدانش کے وقت بھی آپ کی آزمائش ہوئی تھی۔ اس کے بعد بھی آپ کو بار بار آزمائش میں ڈالا گیا اور آپ ہر بار سرخرو ہوئے۔ آپ کی اس غریب الوطنی کے باوجود آپ کے دل میں شفقت کا جذبہ بیدار ہوا اور اپنے ان عورتوں کے جانوروں کو پانی پلایا

انبیاء کے جذبات ایسے ہی پاکیزہ ہوتے ہیں، وہ خود مجبور کے پیاسے رہ کر بھی دوسروں کو کھلاتے پلاتے ہیں، اُن کی نیت اور عزائم نیک ہوتے ہیں، لہذا وہ غریب الوطنی میں بھی مستحقین کی مدد کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی کام کیا۔ حضرت عمرؓ نے منگول ہے کہ اُس علاقے کے چرواہے جب اپنے جانوروں کو پانی پلا لیتے تھے تو کونوئیں پر بھاری پتھر رکھ جاتے تھے تاکہ کوئی دوسرا شخص پانی نہ نکال سکے، وہ پتھر دس آدمی بھی مل کر مشکل ہٹاتے تھے، مگر موسیٰ علیہ السلام نے تن تنہا اُس پتھر کو سر کا پانی کا ایک ڈول نکالا اور بکریوں کو پلایا۔

اس آیت کہ میرے لئے بکریوں کی مجبوری کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ مخصوص حالات کی بنا پر بکریوں کی دیکھ بھال کر رہی تھیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ مشقت کے تمام کام مردوں کی ذمہ داری ہے نہ کہ عورتوں کی۔ کھیتی باڑی، تجارتی سفر، کان کنی حیوانات کی پرورش وغیرہ مردوں کے ذمے ہیں۔ اللہ نے مردوں اور عورتوں کے لیے مختلف دائرہ لئے کا متعین فرمائے ہیں۔ باہر کا کام مردوں کے ذمے ہے۔ جب کہ گھر کی چار دیواری کے اندر بچوں کی دیکھ بھال اور مورخانہ داری عورتوں پر عاید ہوتے ہیں۔ آج مغربی تہذیب کے شیعانی محض پریگنڈ کے زور پر مردوزن کو شانہ بشانہ کھٹرا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دونوں اصناف کے حقوق و فرائض مختلف ہیں اور ان کا اختلاط معاشرے میں بے راہ روی کا باعث بن رہا ہے اس حد تک زبردست ہے کہ یکجہتیت انسان ہونے اور مملکت ہونے کے مردوزن برابر ہیں، مگر صنف کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے ایک صنف نازک ہے اور دوسری مشاق۔ برابری کا تصور خلافتِ فطرت ہے۔ ہر صنف کے الگ الگ حقوق اور جواز فرائض ہیں۔ جو لوگ عورتوں کو معاشرے کے ہر میدان میں کھینچ لانا چاہتے ہیں، وہ حقوق و فرائض سے تجاوز کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اسمبلیوں کی کنیت کارخانوں اور دفاتروں کی ملازمت، پولیس اور فوج میں بھرتی، کھیلوں کے میدان میں آمد، صنف نازک کے لیے ہرگز روا نہیں۔ البتہ جہاں عورت کی حیاداری کو ملحوظ خاطر لئے ابن کثیر ص ۳۸۳ ج ۳ (فیاض)

مردوزن کے لئے دائرہ لئے کا

رکھتے ہوئے اس کے لیے کام کرنا ممکن ہو، وہاں وہ اپنا فریضہ ادا کر سکتی ہے۔ مثلاً اگر وہ
کے سکول و کالج میں تعلیم دے سکتی ہے ایسے اداروں میں جہاں مردوں اور عورتوں کا اختلاط
نہ ہو، وہاں جا سکتی ہے۔ البتہ جہاں مرد و زن مل کر کام کریں گے وہاں لازماً خرابی پیدا
ہوگی۔ لہذا اس معاملہ میں امریکہ، روس اور یورپ کی اندھی تقلید کی بجائے اسلامی لفظ نظر
کے مطابق عربی اور فارسی سے بچ کر بہتر طریقہ کار اختیار کرنا ہوگا۔

موسیٰ علیہ السلام
کا آرام کرنا

جب موسیٰ علیہ السلام ہمدردانہ جذبے کے تحت دو عورتوں کی بچریوں کو پانی پلا چکے
تَمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ پھر آپ سائے کی طرف پلٹے۔ قریب ہی کوئی درخت
تھا، اُس کے نیچے بیٹھ گئے۔ اس سے لڑکیوں نے اندازہ لگایا کہ یہ کوئی مسافر آدمی ہے
جس کی یہاں کوئی جان پہچان نہیں۔ لہذا تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے سائے میں بیٹھ
گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسافروں کا گھبراہٹو ہونا نہیں، وہ ذرا سنانے کے لیے سائے
کا ہی رُخ کرتے ہیں کسی ایسے ہی مسافر نے کہا تھا۔

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے

ہائے کیا شے غریب الوطنی ہوتی ہے

دنیا کے مسافر کی طرح آخرت کا مسافر بھی غریب الوطن ہونا ہے جو قبر میں

تہا پڑا رہتا ہے کسی شاعر نے اس سے یہ تصور باندھا ہے۔

دن کو نور برسا ہے مری تربت پر

اور رات کو چادرِ جناب تنی ہوتی ہے

بہر حال موسیٰ علیہ السلام چھاؤں میں آکر بیٹھ گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

سے منقول ہے کہ جب وہ شام و فلسطین گئے تو وہاں سے مدین دودن کی مسافت

پر تھا۔ کہتے ہیں کہ وہاں جانے کے لیے میں نے سواری کو تیز چلایا۔ جب وہاں پہنچا

تو میں نے وہاں کے اُن تاریخی مقامات کے متعلق دریافت کیا۔ چنانچہ مجھے وہ کہواں

دکھایا گیا جہاں سے موسیٰ علیہ السلام نے پانی نکالا تھا اور وہ درخت بھی جس کے نیچے

آپ نے آرام فرمایا تھا۔ کہتے ہیں کہ میرے اونٹ نے اُس درخت کے کچھ پتے

بھی کھانے، مگر وہ اس کے مزاج کے مطابق نہیں تھے لہذا چھینک دیے۔ کہتے ہیں کہ میں نے وہاں موسیٰ علیہ السلام کے لیے دعا کی اور واپس آ گیا۔ اس واقعہ کو امام طبرسی اور امام ابن کثیر نے بھی نقل کیا ہے۔

سایے میں بیٹھ کر موسیٰ علیہ السلام نے اپنی حالت پر غور کیا اور پھر یہ دعا بھی کی۔ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرِ فَقِیْرٍ كَسْتُمْ لَکُمْ اے میرے پروردگار! تو میری بہتری کے لیے جو کچھ بھی اتارے میں اُس کا محتاج ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل کی بھینک مانگی۔ ذرا غور فرمائیں کہ آپ اللہ کے مقرب بندے ہیں مگر اس کے سامنے عاجز بنا کا اظہار کر رہے ہیں اور اس سے بہتری کے طلبگار ہیں۔ آپ نے مشکل کٹائی اور حاجت روائی کا دعویٰ نہیں بلکہ اپنی بے بسی کا اظہار کیا ہے۔ اللہ کی ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ خواہ وہ فرشتے ہوں، جنات ہوں، انسان ہوں، پیغمبر ہوں یا ولی ہوں، اس کی رحمت کے بغیر کسی کو جانے پناہ نہیں اللہ کا فرمان ہے یٰۤاٰہِکُمَا النَّاسُ اَنْتُمْ اَلْفُقَرٰۤاۤءُ اِلَیَّ اللّٰہِ وَاللّٰہُ تَهْوٰ الْعِغْیٰۃَ الْحَمِیْدِ (دقائق - ۱۵) لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور وہ غنی اور تعریفیوں والا ہے۔ ہر جاندار کھانے، پینے، چلنے پھرنے، صحت، آرام حتیٰ کہ سانس لینے تک کے لیے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اس میں نیک و بد کی کوئی تمیز نہیں کَسْتُمْ لَکُمْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرحمن - ۲۹) آسمان و زمین کی ساری مخلوق اسی کے در کی سوالی ہے۔ باشعور مخلوق زبانِ قائل سے مانگا رہی ہے جب کہ بے شعور اشیا زبانِ حال سے اپنی حاجت طلب کرتی ہیں۔ مانگتے والے سب ہیں مگر دینے والا صرف خدا تعالیٰ ہے۔ یہ تو انسانوں کی بندگتی ہے جو مخلوق میں سے بعض کو حاجت روا اور مشکل کٹا بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ خدا کے سوا کسی کے کچھ اختیار میں نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی لیے کہا تھا کہ تو جو بھی مجھ پر مہربانی کرے، میں اس کے لیے محتاج ہوں۔

شرم و حیا
کی پکیج

موسیٰ علیہ السلام کو سائے میں بیٹھے ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی فَجَاءَتْهُ
اِحْدَاهُمَا تَمْشِيْ اَلْاُخْرٰى اَسْتَحْيَا کہ اُن دو لڑکیوں میں سے
ایک شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی۔ اس ایک لفظ
کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے شرم و حیا کے مسئلہ کی پوری حقیقت
بیان کر دی ہے۔ حیا تو مردوں کے لیے بھی ضروری ہے مگر یہ چیز اللہ نے عورت
کی فطرت میں ڈال دی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لَا اِيْمَانَ
لِعَنْزٍ لَا حَيَاةَ لَهَا، جس میں جان نہیں اُس میں ایمان بھی نہیں۔ بہر حال وہ
لڑکی شرم و حیا کا پیکر بن کر سا پرزہ، تھکی نظروں کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے
پاس آئی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام سے بات کرتے وقت اُس نے
اپنے منہ پر آستین کا پلور کھ لیا تھا۔

شرم و حیا تو عورت کا زیور ہے مگر آج دنیا میں دیکھ لیں کہ اس کو کس طرح
پامال کیا جا رہا ہے۔ اخبارات اور رسائل میں عورتوں کی نیم عبریاں تصویریں کس قدر
بے حیائی کا ثبوت ہے۔ مغربیت اور الحاد نے لوگوں کو کس بے راہ روی پر ڈال
دیا ہے۔ اخبارات اور ٹی وی کے ذریعے نئے نئے ڈیزائنوں کی تلاش اور میک اپ
کے نئے نئے طریقے لوگوں کو کس طرف لے جا رہے ہیں۔ تمام ذرائع ابلاغ عبرانی
اور فحاشی کی تشہیر میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔
ریڈیو، ٹی وی اور سٹیج پر نسوانی گانوں کی بھرمار ہے۔ ہم اسے ترقی کا زینہ سمجھ
رہے ہیں حالانکہ اس پر خدا کی لعنت برس رہی ہے۔ معاشرے میں بے راہ روی
پیدا ہوتی ہے، اخلاق بگڑتے ہیں اور نسلیں خراب ہوتی ہیں۔ پہلے یہ فحاشی صرف
سینما گھروں میں حاصل ہوتی تھی۔ اب ٹی وی اور وی سی آر کے ذریعے ہر گھر
اس کا اڈا بن چکا ہے۔ ہم مغرب والوں کی کتنی بھی نقالی کر لیں۔ ان کا مقام حاصل
نہیں کر سکتے، ہم اُن سے یہ تباہ کن عبرانی اور فحاشی ہی لے سکتے ہیں ورنہ جس
ٹیکنالوجی کی ہمیں ضرورت ہے، وہ ہرگز دینے پر تیار نہیں۔ امداد کے نام پر

تیار مال دیں گے۔ اپنے آدمی بطور مشیر بھیجیں گے، مگر مطلوبہ ٹیکنالوجی دینے کے لیے تیار نہیں کہہیں یہ بھی ہمارے ہم پلہ نہ بن جائیں امریکہ کے ساتھ طویل ترین دوستی کے باوجود وہ آپ کو ایٹمی ٹیکنالوجی دینے کے لیے تیار نہیں۔ فرانس نے کس قدر آمادگی ظاہر کی تھی مگر اُس کو بھی روک دیا گیا ہے۔ تمام بڑی طاقتیں مسلمانوں کی ازلی دشمن ہیں اور وہ انہیں کبھی پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتے۔ بلکہ ہمیشہ اپنا دست نجر بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں نے جب بھی کوئی چیز حاصل کی اللہ کے بھروسے پر اپنی ذلالت سے غیر افروم کے بھروسے پر کبھی کچھ نہیں ملے گا۔ یہ تو انسانیت کے دشمن ہیں۔ ان کی تہذیب تمدن کو اختیار کرنا اور پھر اُس پر فخر کرنا تو لعنت ہے۔ ہمارا تمدن تو قرآن پاک اور اسوۂ حسنہ کی تعلیمات میں مضمر ہے۔ حضرت فاطمہؑ نے اپنی وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ مجھے رات کے وقت دفن کرنا تاکہ میری میت پر بھی کسی غیر مرد کی نگاہ نہ پڑے۔ مگر آج ہم جس طرف جا رہے ہیں وہ تباہ کن ہے۔

بہر حال ان میں سے ایک لڑکی شرم و حیا کا پجیرن کوہ آئی۔ قالت اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا اِنَّ اَبَّیَّ یَدْعُوکَ لِیَ شَکْ مِیْرَابَیْ تَحْتِیْ بَلَا تَاہِبْ۔ لِیَجْزِیْکَ اَجْرًا مَّا سَقِیْتَ لَنَا کہ وہ آپ کو بلا کر لے آئے اور چیز کا جو آپ کے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ جب لڑکیاں بچہ یوں کو پانی پلا کر واپس اپنے گھر گئیں تو ان کے باپ نے پوچھا کہ آج تم اتنی جلدی کیسے آگئیں؟ انہوں نے بتایا کہ وہاں کنوئیں پر ایک مسافر آگیا تھا جس نے ہمدردی کے طور پر ہماری بچہ یوں کو پانی نکال کر پلایا، اور اب وہ وہاں سائے میں آرام کر رہا ہے۔ باپ نے کہا کہ تم نے اُسے بلا لیا ہوتا تاکہ ہم اس کو کھانا کھلاتے۔ وہ مسافر تپتہ نہیں کب سے بھوکا پیاسا ہے، اور کیسا ہے؟ بہر حال اس لڑکی نے اپنے باپ کی طرف سے دعوت دی کہ میرا باپ تجھے بلاتا ہے، کیونکہ اُس کا اپنی طرف سے دعوت پسندیدہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اور اب کا تقاضا بھی یہی تھا کہ بڑوں کو مقدم رکھا جائے

لہذا اُس نے یہی کہا کہ میرا باپ تجھے بلاتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام لڑکی کے کہنے پر چل دیے فَاَمَّا جَاءَهُ پھر جب وہ اُس کے باپ کے پاس پہنچے وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَصَ اور اس کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا کہ اس طرح میرے ہاتھوں سے قتل ہو گیا ہے۔ اور فرعونی حکومت مجھے گرفتار کرنا چاہتی ہے، لہذا میں ادھر بھاگ آیا ہوں۔ آپ کی سرگزشت سن کر اُس بزرگ نے کہا قَالَ لَا تَخَفْ خُوفَ نَهْكَ وَتَجَوَّزْ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ تم ظالم قوم کی دست برد سے بچ نکلے ہو۔ اس علاقے میں فرعون کی عکدری نہیں ہے، نہ اُس کے کاہنوں سے یہاں آتے ہیں، لہذا تم پر یہ فکر ہو جاؤ اللہ تمہیں اُن کے ظلم سے بچالیا ہے۔

مفسرین کو اس بیان کرتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو کھانا پیش کیا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر کھانا کھانے سے انکار کر دیا کہ میں اُس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں جو نیکی کے کام پر بدلہ نہیں لیا کرتے۔ تو اُس بزرگ نے کہا کہ ہمارا عاقل بھی یہ ہے کہ ہم مسافروں کو ضرور کھانا کھلاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی کے بہت سے واقعات زبانِ زبر عام ہیں جو حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے مَنْ لَمْ يَكْرِمْ ضَيْفَنَا فَلَيْسَ مِنَّا جو شخص مہمان کی عزت نہیں کرتا وہ ہمارے گروہ میں سے نہیں ہے۔ واقف کار کی عزت تو کی ہی جاتی ہے، ناواقف

کی مہمان نوازی بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی جانے پہچانے مہمان کی۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ آپ کے صحابہ کو رام آپ کے حکم کے مطابق يَحْفَظُونَ الْعَرَبِيَّ مسافر کی حفاظت کرتے تھے اور اُس کو بھوکا پیاسا نہیں چھوڑتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھر میں بلانے والے بزرگ کون ہیں؟ اس کے متعلق

اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے جلیل القدر نبی شعیب علیہ السلام ہیں اور بعض دوسرے اصحاب کہتے ہیں کہ آپ شعیب علیہ السلام نہیں کیونکہ ان کے زمانے اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں چار سو سال کی مسافت ہے

اور فرماتے ہیں کہ آپ شعیب علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ تاہم زیادہ مشہور یہی ہے کہ آپ شعیب علیہ السلام ہی اللہ نے آپ کا نام قرآن میں نہیں بتلایا۔ بائبل میں رادیر یا راداجیر کا ذکر آتا ہے۔ کہیں تھیرون نام ذکر کیا گیا ہے اور کہیں حریاب بھی آتا ہے۔ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ آپ اللہ کے نیک سیر انسان تھے۔

قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ
 الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى
 ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَنِي حِجَابٌ فَإِنْ
 أَتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَسْؤِقَ
 عَلَيْكَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾ قَالَ
 ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا
 عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٢٨﴾

۱۸۷۶

ترجمہ:- کہا اُن دونوں عورتوں میں سے ایک نے، اے میرے
 باپ! آپ اس شخص کو ملازم رکھ لیں، بیشک ملازمت کے
 لیے بہتر آدمی وہ ہے جو طاقتور اور ایماندار ہو ﴿۲۶﴾ کہ
 (شعیب علیہ السلام) نے بیشک میں چاہتا ہوں کہ نکاح کر دوں
 تیرے ساتھ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا، اس
 شرط پر کہ تم میری ملازمت کرو آٹھ سال تک۔ پس اگر تم
 پورے کر دو دس سال تو یہ تمہاری طرف سے ہو گا۔ میں نہیں
 چاہتا کہ میں مشقت ڈالوں تجھ پر عنقریب تم پاؤ گے مجھے
 اگر اللہ نے چاہا، نیکی والوں میں سے ﴿۲۷﴾ کہا (موسیٰ نے)
 یہ (معاہدہ) میرے اور آپ کے درمیان طے پایا۔ دونوں مدتوں
 میں سے جو کسی مدت میں پوری کروں، مجھ پر کوئی تعدی نہیں

ہوگی۔ اور جو کچھ ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر نجات دہان ہے (۲۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی میں سے رسالت اور اس کے بعد کے واقعات تو سورۃ الشعرا میں بیان ہوئے ہیں، البتہ ابتدائی زندگی کے بیشتر واقعات یہاں اس سورۃ میں مذکور ہیں۔ ان واقعات کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ نلیں ان سے نصیحت حاصل کریں۔ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، ان کی پرورش، پھر آپ کے ہاتھوں ایک قبیلے کا قتل، فرعونوں کا موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا مشورہ، پھر ایک ہون آدمی کا موسیٰ علیہ السلام کو مطلع کرنا اور آپ کا مصر سے نکل کر مدین جانا، وہاں دو عورتوں کی بچہ لڑکیوں کو پانی پلانا اور پھر لڑکیوں کے باپ کا آپ کو اپنے گھر طلب کرنا، یہ سب واقعات بیان ہو چکے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے حالات سن کر لڑکیوں کے باپ (شعیب علیہ السلام) نے آپ کو نکلی دی کہ فکر نہ کرو۔ اب تم فرعون کی محلہ لری سے نکل آئے ہو، اللہ تعالیٰ ان ظالموں سے تمہاری حفاظت کرے گا۔

پہلے آیات

شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھر بلایا اور ان سے تساری داستان سنی اور ملی دی۔ اس کے بعد باصرہ آپ کو کھانا کھلایا گیا۔ پھر ان خواتین میں سے ایک نے اپنے باپ سے اس طرح بات کی قَالَتِ اِحَدُھُمْ اِنْ اِنِّیْ مِیْنُکَ اِحَدٌ کہتے تھی اِیَابِتِ اسْتَا حِجْرَہُ اے اباجی! اس شخص کو اپنا نوکر رکھ لیں۔ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں، بینائی بھی جاتی رہی ہے۔ کام کاج نہیں کر سکتے لہذا بچہ لڑکیوں کی دیکھ بھال کے لیے اس شخص کو اپنے ہاں اجیر رکھ لیں۔ بوڑھا اچھا ہوگا۔

لازمیت کے لیے سفارت

اس عورت کا نام یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔ تاہم تفاسیر میں اس کا نام صفورا بیان کیا گیا ہے جب کہ چھوٹی بہن کا نام شرفا تھا۔ تو صفورا نے سفارش کی کہ یہ شخص غریب الوطن ہے، اس کے ساتھ بہت سے حادثات پیش آئے ہیں جن کی وجہ سے خوفزدہ ہے تو آپ اس کو بچہ لڑکیوں پر گو کہ رکھ لیں۔ اس کی مصروفیت کا سامان پیدا ہو جائیگا اور وہیں سہولت حاصل ہو جائے گی۔

آگے اُس خاتون نے ایک بڑا عمدہ جملہ کہا اِنْ خَیْبِ مِنْ اِسْتَا حِجْرَتِ

شرفا طراز

الْقَوِيَّ الْأَمِينِ جُانے باپ! آپ جو بھی نوکر رکھیں اُسے طاقتور اور امانت دار ہونا چاہیے
 ملازمت کے لیے ایسا ہی آدمی بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت
 شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی سے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہے کہ یہ شخص ان صفات
 کا حامل ہے تو لڑکی نے بتایا کہ جب اس شخص نے بڑا ذرا بچہ کنوئیں کے منہ سے ہٹایا
 تو میں سمجھ گئی کہ بھوکا پیاسا ہونے کے باوجود یہ شخص دس آدمیوں پر بھاری ہے اور امانت دار
 اس طرح ثابت ہوا کہ جب میں اسے کنوئیں سے بلا کر گھس لاری تھی تو اس کے آگے آگے چل
 رہی تھی۔ اتفاقاً ہوا کی تیزی سے میرے جسم کا کپڑا ذرا لڑا تو اس نے کہا کہ تم میرے پیچھے
 پیچھے چلو اور جہاں راستہ تبدیل کرنا ہو مجھے آواز دے دینا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملازمت
 کی شرائط میں یہ چیز ضروری ہے کہ امیدوار کی قوت یعنی صلاحیت کا جائزہ لیا جائے اور
 دوسرے یہ کہ وہ دیا نندار بھی ہو۔

صحیح بطور
 بنیادی حق

کام کاج کرنے کے لیے صحت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر ملازم کی صحت
 اچھی نہیں ہوگی تو وہ اپنے فرائض بطریق احسن انجام نہیں دے سکے گا۔ آج کل تو اہم متحدہ
 (U. N. O) والے انسانوں کے بنیادی حقوق کی بحالی کے دعویدار بنے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ
 یہ حقوق تو ڈیڑھ ہزار سال پہلے اللہ کے قرآن اور نبی کے فرمان نے واضح کر دیے تھے
 ابن آدم کے بنیادی حقوق خوراک، پانی، لباس اور مکان ہیں۔ اس کے علاوہ فرائض کی
 ادائیگی کی حد تک تعلیم بھی فرض عین ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے طَلَبُ الْعِلْمِ
 فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ ہر مرد و زن مسلمان پر علم کا حصول
 فرض ہے۔ اسی طرح انسان کی صحت بھی ان حقوق میں شامل ہے کہ اس کے بغیر
 نہ عبادت ہو سکتی ہے اور نہ روزگار کے سلسلے میں امور ضروریہ انجام دیے جاسکتے ہیں
 امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مزدور یا کسان کو کام پر لگاؤ تو
 درمیان میں وقفہ بھی دو تاکہ وہ آرام کر سکے۔ مسلسل بارہ بارہ گھنٹے مزدور سے کام لینا
 زیادتی ہے۔ اُسے مزید سوسائٹی میں جانے کا موقع ملنا چاہیے۔ تعلیم حاصل کرنے کا
 وقت ملنا چاہیے، عبادت کے لیے وقفہ چاہیے، یہ سب چیزیں اس کے بنیادی

حقوق میں شامل ہیں اگر وہ آخرت کی محکمہ نہیں کرے گا تو ہمیشہ کے لیے گھائے میں پڑ جائے گا۔ پرانے زمانے میں روم اور ایران والے اپنے غلاموں اور نوکروں سے گھوڑے بلی کی طرح کام لیتے تھے اور انہیں تھراک بھی متولی فرما رہے کرتے تھے۔ یہ تو ظلم کی بات ہے، لہذا ہر زمیندار، دکاندار، کارخانے دار کا فرض ہے کہ وہ مزدوروں سے کام لیتا ہے تو ان کے حقوق کا بھی خیال کرے۔

مزدور کی دوسری ضعف یہ ہے کہ وہ امانتدار ہو۔ اگر اُس میں یہ صفت پائی جاتی ہے تو وہ اپنے کام میں کوتاہی نہیں کرے گا، وقت کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ مالک کے مال میں کسی قسم کی حیانت نہیں کرے گا۔ اس کے برخلاف، بدیانت ملازم کام ہوگا، مالک کی چوری کرے گا، وقت ضائع کرے گا۔ اور جیلے بنانے سے کام سے جی چرائے گا۔ یہ بدشرطیں ضروری ہیں۔ جن کی عدم موجودگی میں دنیا میں فتنے پیدا ہو رہے ہیں۔ مالک شکی ہے کہ مزدور کام نہیں کرتے اور مزدور مالان ہیں کہ مالک معاوضہ پورا نہیں دیتا۔ آج ہر کارخانے، ہر دفتر اور دکان پر مالک اور نوکر کے درمیان کش مکش جاری ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ فریقین نقصان اٹھا رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ملک کی مجموعی پیداوار بھی متاثر ہو رہی ہے۔ بہر حال صلاحیت اور دیانت مزدور کی ضروری شرائط ہیں۔

دوسری طرف مالک پر بعض ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ان کا ذکر بھی شعیب علیہ السلام کے بیان میں آ گیا ہے۔ کہ میں تم پر شفقت نہیں ڈالوں گا اور یہ کہ تو مجھے نیکی والوں میں پلٹے گا۔ اور تیسری ذمہ داری خود حضور علیہ السلام نے واضح کر دی کہ "مزدور کی ضروری اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو" حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی ہے کہ جب کسی مزدور سے شفقت کا کام لو تو اُس میں خود بھی اس کا ہاتھ بٹاؤ، اُس کو ایسا کام نہ دو جو اس کی قوت اور صلاحیت سے زیادہ ہو۔ حضرت عبد اللہ بن عمر بن عاصؓ جب کسی شخص کو کام پر لگاتے تو گھروالوں کو تاکید کرتے کہ مزدور کی ضروری بروقت اور پوری پوری ادا کرنا، غرضیکہ مالک بھی نیکی والا ہونا چاہیے۔ جو غریبوں کا استحصال نہ کرے بلکہ اُن کے جائز حقوق ادا کرے۔ اسی لیے شعیب علیہ السلام

نے موسیٰ علیہ السلام کو بتلادیا کہ میں تجھ پر ناجائز مشقت نہیں ڈالوں گا۔ اور تم مجھے نیچا والوں میں پاؤ گے۔

تین صاحب
فرست
ہنٹیاں

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں آتا ہے کہ تین ہنٹیاں بڑی ہی محراب فرست ہوئی ہیں۔ ایک شعیب علیہ السلام کی بیٹی صفورا ہے جس نے اپنی ذہانت سے جان لیا کہ موسیٰ علیہ السلام طاقتور اور امانتدار ہیں۔ دوسری ہستی حضرت یوسف علیہ السلام کا شریک ہے جس نے گھر والوں کو کہا کہ اس غلام کو اچھے طریقے سے رکھنا عسکلی آتے **يَنْفَعَكَ اَوْ تَخْذُهُ وَاَدْ رُيُوسُفَ - ۲۱** شاید کہ یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں اور پھر یوسف علیہ السلام اس پر پورے اثر سے انہوں نے اپنی صلاحیت کی بنا پر مالک کا سارا کاروبار سنبھال لیا۔ فوطیغا کا تمام تجارتی کاروبار یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے تمام نظم و نسق اس ذہانت سے چلایا کہ آمدنی میں تین گنا اضافہ ہو گیا۔ فرماتے ہیں کہ تیسری صاحب فرست ہستی حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کر کے بہت بڑی فرست کا ثبوت دیا۔ بعد میں اس انتخاب نے ثابت کر دیا کہ آپ امت کے حق میں بہترین آدمی تھے۔

شعیب علیہ السلام
کے حالات

صاحب تفسیر منظر ہی اور بعض دیگر مفسرین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام عمر جو بچے تھے اور اکثر گریہ کرتے رہتے تھے حتیٰ کہ آنکھوں کی بینائی بھی جاتی رہی۔ اللہ نے فرمایا شعیب! روتے کیوں ہو؟ کیا جنت کا شوق ہے یا جہنم کا خوف ہے؟ تو آپ نے عرض کیا، پروردگار! **لَقَدْ آتَيْتُكَ تِيسِرِي مَلَقَاتِكَ شَوْقًا مِّنْ رَّبِّي وَرَبِّكَ هَبْنِي لِقَاءِ رَبِّي** یعنی تیرے ملاقات کے شوق میں رونا رہتا ہوں۔ اس پر اللہ نے وحی نازل فرما کر آپ کی حوصلہ افزائی فرمائی **هَبْنِي لِقَاءِ رَبِّي** یا شعیب! یعنی اے شعیب! تمہیں میری ملاقات مبارک ہو، وہ یقیناً تمہیں نصیب ہوگی، اسی واسطے میں نے تیری خدمت کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو بھیج دیا ہے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ میں نے اپنے کلیم کو تیری خدمت پر مامور کر دیا ہے۔ بعض کہتے ہیں

کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح اللہ نے شعیب علیہ السلام کی مینائی بھی لوٹادی تھی۔
 مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ
 عالم اسباب میں ضروری اور جائز اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں۔ بوقت ضرورت
 سنی علیہ السلام کا لازمت اختیار کرنا بالکل درست تھا۔ البتہ بعض ہمتیوں کے ترک
 اسباب کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اور وہ اسی صورت میں ہے جب کہ برداشت کا مادہ باہر قائم
 موجود ہو۔ مثلاً پرانے زمانے کے جو ایٹم علم اسباب کو اختیار نہیں کرتے تھے تاکہ ان کے
 حصولِ علم میں کمی نہ آجائے۔ ایسی حالت میں وہ درست سوال بھی دراز نہیں کرتے تھے
 بلکہ اللہ کے بھروسے پر اشتغالِ علم میں مہم تن مصروف رہتے تھے۔ مثال کے طور پر
 امام بخاری، عبدالرزق ابن ہمام اور ابن جریر طبری کا نام پیش کیا جاسکتا ہے جنہوں نے
 حصولِ علم کے لیے طویل سفر کیے مگر کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائے۔ آج تو دینی مدارس
 میں طالب علموں کے لیے خاطر خواہ انتظامات ہو گئے ہیں اور انہیں لباس، خوراک،
 رہائش اور دوسری ضروریات زندگی دستیاب ہیں مگر سلف صالحین تو کسی سگری
 آدمی کی سرپرستی بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ امام ابن جریرؒ گھصے سے نکلے تو والد نے
 چھوٹے چھوٹے دو صدقہ کچے تیار کر کے ساتھ لے دیے۔ چنانچہ آپ نے دو سو روز
 تک اپنی کچوں پر گزارہ کیا اور کسی سے کھانے کا سوال نہ کیا۔ امام جاحظ کے متعلق آتا
 ہے کہ وہ زیادہ وقت تحصیلِ علم میں صرف کرتے تھے اور کچھ وقت نکال کر اہل علم
 کے علاقے میں مچھلی فروخت کرتے تھے، اور اس طرح اپنے ضروری اخراجات
 پورے کرتے تھے۔ بہر حال ظاہری اسباب کا اختیار کرنا جائز ہے، اور اگر ایسا
 کرنا حصولِ علم یا جہاد میں شرکت کے منافی ہو تو اسباب کا ترک کرنا بھی روا ہے
 بشرطیکہ برداشت کا مادہ موجود ہو۔ اور اس سلسلے میں ضروری یا ملازمت کرنا
 بھی بالکل جائز ہے۔

حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے سفر کے واقعے سے یہ بات بھی ثابت
 ہوتی ہے کہ مسافر کی حالت میں بوقت ضرورت کھانا طلب کرنا بھی جائز ہے

اللہ کے یہ برگزیدہ بندے جب اُس بستی میں پہنچے تو انہیں بھوک لگ رہی تھی ۔ انہوں نے بستی والوں سے کہا نا طلب کیا مگر انہوں نے مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔ اس کے باوجود حضرت علیہ السلام نے اس بستی میں ایک گرتی ہوئی دیوار کو سیدھا کر دیا اور اس پر اجرت بھی نہیں لی تھی یہ طلب یہ کہ بوقت ضرورت کھانا طلب کرنا جائز ہے ۔

نکاح کی
پیش کش

جب شعیب علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے حالات سے واقف ہوئے اور ان کی لڑکی نے سفارش بھی کی قَالَ رَافِعٌ اُرِيْدُ اَنْ اُنِكَحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيْ هَتَيْنِ تو کہنے لگے میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان بیٹیوں میں سے ایک کے ساتھ تمھارا نکاح کر دوں مگر شرط یہ ہے کہ عَلَى اَنْ تَاْجِرَنِيْ لِمَنْى حَجَّجَ تم آٹھ سال تک ہماری ملازمت کرو یعنی بکریوں کی دیکھ بھال کرو۔ یہ مدت تو نکاح کے لیے ضروری ہے ۔ فَاِنْ اَتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ اور اگر آپ آٹھ کی بجائے دس سال پورے کر دیں تو یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اَسْقَىٰ عَيْنِكَ میں اپنی طرف سے تم پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا ۔ اور پانچویں بات یہ کہ سَخَّجْتُ اَنْ سَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ تو مجھے نیکوں میں سے پائے گا۔ میں تمھارے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کروں گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے مصالحتِ خداوندی کے تحت ملازمت کے دس سال پورے کیے ۔

شاہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی اس قسم کے حالات پیش آئے۔ آپ کو مکہ مکرمہ سے تنگ کر کے نکالا گیا مگر اللہ نے پورے آٹھ سال کے بعد آپ تک تسلط مکہ پر جمادیا۔ ایک سال کی مشرکین کو رعایت دی گئی کہ اس سال وہ حج کر لیں اور آئندہ سال انہیں بیت اللہ شریف میں داخلے کی اجازت نہیں ہوگی۔ پھر آپ نے دسویں سال حجۃ الوداع ادا کیا جس میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہؓ آپ کے ہمراہ تھے اور اس طرح دس سال کے عرصہ میں اسلام کو

لے موضع القرآن ص ۵۹ (فیاض)

مکمل غلیبہ اور مشرکین کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔

فقہ حنفی
بطور حق بہر

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا دس سال تک بچریاں چرایا اُن کی طرف سے نکاح کے لیے حق نہر تصور ہو گا یا نہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر وہ بچریاں موسیٰ علیہ السلام کی ہونے والی بیوی کی تھیں تو پھر تو دس سال کی مزدوری حق نہر میں شمار ہو سکتی ہے کیونکہ حق نہر بیوی کا حق ہوتا ہے۔ اور اگر بچریاں اس کے والد کی تھیں تو یہ حق نہر نہیں بن سکتا۔ اس سلسلہ میں فقہائے احناف کا مسلک یہ ہے کہ بیوی کے والد کی مزدوری حق نہر نہیں بن سکتا کیونکہ حق نہر نکاح کا لازمی جزو ہے اگرچہ یہ وقت نکاح اس کا تقرر ضروری نہیں مگر ہے لازم جو بعد میں بھی بطور نہر منجلی (خاندان کی عورتوں کے عام نہر کی مقدار کے برابر) ادا کرنا ہو گا۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان بھی ہے۔ سورۃ النساء میں اللہ نے محرماتِ نکاح کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ان محرمات کے علاوہ تم باقی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو آت
تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ (آیت - ۲۴) بشرطیکہ تم نکاح کے لیے اپنا مال خرچ کر دو یعنی حق نہر ادا کرو۔ اسی لیے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حق نہر میں چونکہ مال کا ذکر ہے اس لیے حق نہر کی مقدار کم از کم درس درجہم تو ہونی چاہیے کہ جس مقدار کی چوری پر قطع یر کی سزا دی جا سکتی ہے اس کے برخلاف دیگر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ مہر وہ حق نہر درست ہے جس پر فریقین راضی ہو جائیں خواہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی ہو۔ تاہم امام ابوحنیفہ کی رائے زیادہ قرین قیاس ہے۔

البتہ امام بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ وہ بچریاں اُس لڑکی کی تھیں جس سے نکاح ہونا تھا، لہذا حق نہر میں مزدوری درست ہے لیکن عام طور پر ایسا خیال نہیں کیا جاتا بلکہ یہی سمجھا جاتا ہے کہ بچریاں اُس کے والد کی ملکیت تھیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی دس سال کی اجرت کا حساب لگا کر اگر وہ اس کی اجرت اپنی بیٹی کو ادا کر دیں، تو حق نہر ادا ہو جائے گا، ورنہ باپ کی بچریاں چرانا بیٹی کا حق نہر نہیں بنتا۔ البتہ متعلقہ عورت کی ذاتی مزدوری کہ نہر میں شمار ہو گا۔ فقہائے کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ

ایسی صورت میں مرد کے ذمے کوئی معیوب کام مثلاً کپڑے دھونا، کھانا پکانا، گھر میں
 جھاڑو وغیرہ دینا نہیں لگانا چاہیے۔ کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔ البتہ گھر سے
 باہر والے کام مثلاً کھیتی باڑی، کڑنا، ریلوے چرانا، تجارت کرنا وغیرہ امور سونپے جاسکتے
 ہیں۔ بعض سرین کہہ رہے ہیں کہ ممکن ہے شعیب علیہ السلام کی شریعت
 میں حق خدمت بطور حق مہر شمار ہوتا ہو، لہذا دس سال کی مزدوری حق مہر میں
 شمار ہو گئی۔

بعض فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ کسی معینہ وقت کے لیے مزدوری کرنے کو
 حق مہر شمار کیا جاسکتا ہے جب کہ بعض دوسرے اصحاب کا خیال ہے کہ حق خدمت
 بطور حق مہر شمار نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ حق مہر کے لیے مال کا ہونا ضروری ہے جو
 بروقت نکاح یا بعد میں بیوی کو ادا کیا جائے اور مزدوری چونکہ نقد مال نہیں ہے جو
 قابل انتقال ہو لہذا اسے حق مہر کے طور پر نہیں تسلیم کیا جاسکتا۔ امام ابوحنیفہ فرماتے
 ہیں کہ کسی نکاح کی شرائط میں سے اگر کوئی شرط غیر مناسب ہو جیسے ورثہ سہ کی
 شادی، تو ایسی صورت میں ایسی شرط تو باطل ہوگی مگر نکاح ہو جائے گا، گویا
 باطل شرط سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔

تکمیل معاہدہ

جب شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کے نکاح کے لیے اپنی طرف سے
 شرائط پیش کر دیں کہ تم میری آٹھ یا دس سال تک ملازمت کرو، میں تم پر کوئی
 مشقت نہیں ڈالوں گا، اور تم مجھے انشاء اللہ صاحبین میں سے پاؤ گے، تو مولیٰ علیہ السلام
 نے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ يَوْمَ تَجْعَلُونَ
 درمیان معاہدہ پکا ہو گیا آتَمَّا الرَّجُلَيْنِ قَضَيْتُمْ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ
 میں آٹھ یا دس سال کی جو بھی مدت پوری کروں مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہونی چاہیے
 یہ معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں وَاللَّهِ عَلَيَّ مَا تَقُولُ وَكَيْفَ هُمْ حَوْر
 بات کرتے ہیں۔ اس پر اللہ سبحان وبارئ نے ہم اس کی ذات پر بھروسہ کر کے یہ معاملہ
 طے کرے ہیں، وہی ہمارا حامی و ناصر ہوگا۔

فَلَمَّا قَضَى مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ النَّاسَ مِنْ
 جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ
 نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِنَ النَّارِ
 لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٢٩﴾ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ
 الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبْرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ
 يَمُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٠﴾ وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ
 فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدَبِّرًا وَلَمْ يَعْبَثْ
 يُمُوسَى أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ مِنَ الْأَمِينِينَ ﴿٣١﴾
 أَسَلُّكَ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ
 سُوءٍ وَاضْمَمَ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذَكَرَ
 بُرْهَانٍ مِنْ رَبِّكَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ ۗ إِنَّهُمْ كَانُوا
 قَوْمًا فِاسِقِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ
 نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿٣٣﴾ وَأَخِي هَارُونُ هُوَ
 أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي
 إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿٣٤﴾ قَالَ سَنُنَادُّكَ بِأَخِيكَ
 وَنَجْعَلُ لَكَمَّا سُلْطَنَا فَلَا يَصِلُونَ

إِلَيْكُمْ بِأَيْتَانِ أَنْتُمْ وَمَنْ اتَّبَعَكُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٢٥﴾ مصافحہ ۱۱

ترجمہ:- پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے پوری کی مدت اور
 لے کر چلے اپنے اہل کو تو انہوں نے دیکھا طور کے کنارے
 پر آگ کو۔ اور کہا اپنے گھر والوں سے کہ تم ٹھہر جاؤ، میں
 نے آگ دیکھی ہے، شاید میں لاؤں تمہارے پاس وہاں سے
 کوئی خبر یا کوئی انگارہ سلگا کر تاکہ تم آگ سینک سکو ﴿۲۹﴾
 پس جب پہنچے وہاں موسیٰ علیہ السلام تو آواز دی گئی وادی
 کی دائیں طرف مبارک خطے میں اُس درخت سے کہ موسیٰ بیشک
 میں اللہ ہوں تمام جہانوں کا پروردگار ﴿۳۰﴾ اور یہ کہ تم ڈال دو
 اپنے ہاتھ سے اپنی لاشی، اور جب دیکھا اُس کو تو وہ حرکت
 کر رہی تھی، گویا کہ وہ سانپ ہے۔ پشت پھیری (موسیٰ علیہ السلام
 نے) اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ (فرمایا اللہ نے) اے موسیٰ!
 آگے آؤ اور خوف نہ کھاؤ، بیشک تم امن والوں میں سے
 ہو ﴿۳۱﴾ ڈالو اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں، نکلے گا وہ سفید
 ہو کہ بغیر کسی تکلیف کے۔ اور ملاؤ اپنی طرف اپنے بازو
 کو خوف سے۔ پس یہ دو سنیں ہیں تمہارے پروردگار کی
 طرف سے فرعون اور اُس کے سرداروں کے سامنے۔ بیشک
 وہ نافرمان لوگ ہیں ﴿۳۲﴾ عرض کیا (موسیٰ علیہ السلام نے) اے
 میرے پروردگار! بیشک میں نے قتل کیا ہے اُن میں سے
 ایک جان کو، اور میں خوف کھاتا ہوں کہ کہیں وہ مجھے قتل
 نہ کر ڈالیں ﴿۳۳﴾ اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زبان میں زبیا

فیصح ہے۔ پس اُس کو بھیج دے میرے ساتھ بطور معاون جو میری تصدیق کرے۔ میں خوف کھاتا ہوں کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں گے (۳۳) فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) ہم مضبوط کر دیں گے تیرے بازو کو تیرے بھائی کے ساتھ، اور بناؤں گے ہم تم دونوں کے لیے غلبہ۔ پس نہ پہنچیں گے (دشمن) تم دونوں کی طرف۔ (تم جاؤ) ہماری نشانیاں لے کر۔ تم اور تمہارے پیروکار غالب رہیں گے (۳۵)

رابط آیات

یہ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا ذکر ہو رہا ہے۔ جب آپ شعیب علیہ السلام کے گھر پہنچے تو آپ کو اطمینان حاصل ہوا کہ فرعونیوں کے مظالم سے بچ گئے ہیں۔ شعیب علیہ السلام کی ڈوٹیلیوں میں سے ایک نے اپنے باپ کو مشورہ دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو لوکر رکھ لیا جائے، یہ شخص بڑا طاقتور اور امانت دار ہے۔ شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو پیشکش کی میں دو میں سے ایک بیٹی کا نکاح تمہارے ساتھ کروں گا بشرطیکہ تم کم از کم آٹھ سال میرے پاس نوکری کرو۔ اور اگر تم دس سال پورے کرو تو پورے تمہاری منشا پر منحصر ہوگا، اور میری طرف سے کوئی اصل نہیں ہوگا۔ البتہ میں تمہارے ساتھ انشاء اللہ اچھا سلوک کروں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پیشکش قبول کر لی اور آپ وہیں رہنے لگے۔ بیکریاں چراتے اور دوسرا ضروری کام انجام دیتے۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام کو وہاں رہتے ہوئے آٹھ اور پھر دس سال بھی گزر گئے اور اُن کی ملازمت کی اضافی مدت بھی پوری ہو گئی۔ شعیب علیہ السلام نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح بھی کر دیا۔

اسی بات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے فَكَمْ سَأَلَ قَضِيَّ مَوْسَىٰ الْأَجَلْ جب موسیٰ علیہ السلام مقررہ مدت پوری کر چکے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دو مدتوں میں سے لمبی مدت دس سال پوری کی تھی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خسر سے ذکر کیا کہ وہ اپنی والدہ اور بھائی کو ملنے

موسیٰ علیہ السلام کی سرجمت الی المصرا

کے بڑے خواہشمند ہیں، اگر اجازت ہو تو وہ اس مقصد کے لیے مصر کا سفر اختیار کریں، خسر نے نہ صرف آپ کو اجازت دے دی بلکہ آپ کی بیوی کو بھی ہمراہ جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ واقعات کے تسلسل میں ارشاد ہوتا ہے کہ جب مدت پوری ہوگئی قَسَارَ بَاہِرِلہ تو موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر والوں کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ مفسرین کو ظاہر فرماتے ہیں کہ شعیب علیہ السلام نے چلتے وقت کچھ بھیڑ بکریاں اور کچھ دوسرا مال بھی بیٹی کو ساتھ دے دیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک خادم اور بعض بچوں کا ذکر بھی آتا ہے۔

میں بیوی کی
بیچارہ ہمتیں

اس واقعہ سے یہ مسئلہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو اپنے ساتھ کسی در دراز جگہ حتیٰ کہ غیر ملک میں بھی لے جانا چاہے تو وہ لے جاسکتا ہے۔ لڑکی کے والدین کو اس میں رکاوٹ ڈالنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ ہماری شریعت کا بھی یہی قانون ہے۔ بعض لوگ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور بیٹی کو خاوند کے ہمراہ بھیجنے پر طلاق لینے کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ نکاح کے وقت اس قسم کی شرط لگانا کہ ہم بیٹی کو کسی دوسرے شہر یا ملک میں نہیں جانے دیں گے۔ درست نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ نکاح کی شرائط میں سے صرف جائزہ شرائط کو پورا کرنا ضروری ہے جو شریعت کے مطابق ہوں۔ کسی خلافِ شرع شرط کی پابندی لازمی نہیں۔ مثال کے طور پر شرعی شرائط میں بیوی کو آرام و سکون سے رکھنا، اس کا مال و نفقہ کا بند و بست کرنا، مطلوب ہو تو حریب خرچ دینا، اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا وغیرہ شامل ہیں جن کی تکمیل ضروری ہے۔ اور اگر کوئی شخص یہ شرط لگائے کہ سفر کے دوران بیوی اپنے خاوند کے ہمراہ نہیں جائے گی۔ تو یہ ناجائز ہے۔ اسی طرح بعض لوگ یہ شرط بھی عائد کرتے ہیں کہ حالات کا کیسا بھی تقاضا ہو خاوند دوسری شادی نہیں کرے گا وغیرہ وغیرہ۔ ایسی شرائط باطل ہیں اور شریعت انہیں تسلیم نہیں کرتی۔ نہ ان کی تکمیل ضروری ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل و عیال، خادم اور بھیڑ بکریوں کے ہمراہ اپنے سفر پر
لے تفسیر جمل ص ۲۲۶ (فیاض)

کے ساتھ مس کریں اور اُسے فیض حاصل ہو۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اُس پاک خطے میں پہنچے تو وہاں سے آزاد آئی اَنْ لِيُصَوِّحِيَ اِيْحٰ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ اے موسیٰ! میں تمام جانوں کا پروردگار اللہ ہوں۔

دو معجزات

موسیٰ علیہ السلام اُس مقام پر گئے تو کوئی خبر معلوم کرنے یا آگ لینے کے لیے تھے مگر وہاں کچھ اور ہی معاملہ پیش آئی۔ سورۃ طہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ابتدائی تعارف کرنے کے بعد فرمایا وَاِنَّا اَحْتَنُّ تِلْكَ فَاَسْتَمِعْ لِمَا يُوقِحُ (آیت ۱۳) میں نے تجھے رسالت کے لیے منتخب کر لیا ہے، پس سنو جو کچھ اپنی طرف وحی کی جاتی ہے۔ اور اب تمہیں میرا پیغام لے کہ فرعون کے پاس جانا ہوگا۔ اور اس سے دو باتیں کہنی ہوں گی۔ ایک یہ کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور دوسری یہ کہ یہی اسرائیل کو آزاد کر کے ہمارے ساتھ بھیج دے جیسا کہ سورۃ الشعراء میں موجود ہے اس مقام پر فرمایا وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ کہ موسیٰ علیہ السلام! اپنی لاشی زمین پر ڈال دو۔ یہ معجزے کا اظہار ہو رہا ہے پہلے اپنی رُبوبیت کا تعارف کر لیا۔ پھر معجزے کا اظہار کیا۔ حسب الحکم موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاشی پھینک دی فَلَمَّا رَاَهَا تَهْتَزُّ بِحَبْرٍ اُس کو دیکھا تو وہ حرکت کر رہی تھی كَانَتْ حَاكِيَةً اور وہ مانپ ہے۔ یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام گھبرائے وَلَمْ يَذْكُرْ يَعْقِبُ پلٹ پلٹ پھر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ مگر اللہ نے فرمایا لِيُصَوِّحِيَ اِيْحٰ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ اے موسیٰ! آگے آؤ اور ڈرو نہیں۔ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ بے شک تم امن والوں میں سے ہو، تمہیں کوئی خطرہ نہیں

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ لاشی حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین سے روانگی کے وقت دی تھی کہ راستے میں تمہارے کام آئیگی اس سے بکریوں کو ہانک لیا کرنا اور درختوں سے پتے جھاڑ کر ان کی خوراک کا بندوبست کر لیا کرنا۔ بعض کہتے ہیں کہ شعیب علیہ السلام کی یہ لاشی اصل میں آدم علیہ السلام کی تھی جو آپ تک منزل بمنزل انبیاء کی وساطت سے پہنچی اور پھر آپ نے وہ

موسیٰ علیہ السلام کو دیدی۔ یہ تفسیری روایات ہیں آنا ہے، کوئی یقینی بات نہیں ہے۔
 بہر حال ایک معجزہ تو یہ ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی لامٹھی نے سانپ کا روپ دھار
 لیا، اور اللہ نے دوسرے حکم یہ دیا أَسْلَكَ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ اپنا ہاتھ اپنے
 گریبان میں ڈالو تَخْرُجُ بَيْضًا مِّنْ غَيْرِ سَوْءٍ یہ نکلے گا بالکل سفید بغیر کسی
 تکلیف یا بیماری کے مطلب یہ کہ سفیدی کسی بیماری از قہم پھلہری کی وجہ سے نہیں ہو
 گی بلکہ تمہارا ہاتھ معجزانہ طور پر سورج کی طرح چمکدار اور نورانی ہو جائے گا۔

فرعون کے
 پاس جانے
 کا حکم

موسیٰ علیہ السلام کے دل میں ابھی تک خوف تھا۔ لامٹھی کا سانپ بن جانا اُن
 کے لیے بڑا ہی عجیب معاملہ تھا۔ نیز وہ فرعون کے پاس جانے سے بھی خوفزدہ تھے
 اسی طرح ہاتھ کی سفیدی بھی اُن کے لیے خوف کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔ ان حالات
 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاضْمِرْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ
 جب آپ ان چیزوں کا خوف محسوس کریں تو اپنے بازو اپنے جسم کے ساتھ
 ملا لیں اور انہیں گھلانا چھوڑیں، آپ کے خوفزدگی فوراً دور ہو کر دل میں تقویت پیدا
 ہو جائے گی۔ فرمایا فَذُنُوكَ بُرِّهَانٌ مِّنْ رَبِّكَ اِلٰی فِرْعَوْنَ
وَمَلَأْنَاهُ فرعون اور اس کے سرداروں کو طرف اپنے رب کی یہ دو نشانیاں
 (عصا اور بیضا) لے کر فرعون کے پاس جاؤ۔ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَتَقِينِ
 بے شک وہ ناقران لوگ ہیں۔ سورۃ طہ میں ہے إِذْ هَبَّ الٰهِ فِرْعَوْنَ
إِنَّهُ طَافِي (آیت - ۲۴) فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ بڑا سرکش ہو چکا ہے۔ ویسے
 تو ساری قوم ہی متکبر تھی مگر فرعون سب سے بڑھا ہوا تھا۔ کتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کون
 اللہ کی بات کرتا ہے، میرے سوا اور کون اللہ ہے میری سلطنت میں نہیں چلتی ہیں
 ٹویم بنے ہوئے ہیں۔ فصلیں بافراط ہیں، ہر چیز کی فراوانی ہے جس کو چاہوں زندہ
 رکھوں اور جس کو چاہوں ختم کر دوں، سب کچھ میرے اختیار میں ہے۔ میرے سوا یہ
 کس خدا سے ہمیں ڈراتے ہیں؟

فرعون کی طرف جانے کا حکم پا کر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں اس

موسیٰ علیہ السلام
 کا عذر

موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبی بنا کر ان کے ہمراہ بھیجا۔
 اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تسلی بھی دی وَجَعَلْ
 لَكُمْ سُلْطٰنًا نَاہِمُكُمْ دُونَكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ اور دیکھ مخالفین تم دونوں
 ایک نہیں پہنچ سکیں گے۔ خدا تعالیٰ ایسا انتظام فرمائے گا کہ فرعونی تمہیں نقصان
 نہیں پہنچائیں گے۔ یہ اللہ کی خاص مہربانی اور اس کا فضل تھا کہ حکمرانوں سمیت
 ساری مستبد قوم کے سامنے یہ دو آدمی دھڑلے کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال
 کر بات کرتے تھے مگر کسی کو ان کے خلاف ہاتھ بڑھانے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ
 موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر فرعون اور اس کے حواریوں کے اومان خطا ہو جاتے تھے۔
 اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو آپ کے ارگرد
 کافروں، یہودیوں اور منافقوں کا گھیرا ہوا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے دل میں خیال
 آیا کہ حضور علیہ السلام اکیلے ہیں میں کیوں نہ ان کی حفاظت کے لیے پہرہ دوں۔ چنانچہ
 آپ ہتھیار پہن کر آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اُدھر سورۃ المائدہ
 میں اللہ کا پیغام آگیا يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنزِلَ اِلَيْكَ مِنَ
 رَبِّكَ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (آیت - ۶۷) اے اللہ کے
 رسول! آپ اپنا تبلیغی مشن جاری رکھیں، اللہ تعالیٰ دشمنوں سے آپ کی حفاظت
 کرے گا۔ نزول آیت کے بعد حضور علیہ السلام گھر سے باہر تشریف لائے اور حضرت
 سعدؓ سے فرمایا کہ تم پہرہ بنا دو، اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کا خود ذمہ اٹھالیا ہے
 چنانچہ آپ واپس اپنے گھر چلے گئے۔ یاد ہے کہ ایسا معاملہ صرف انبار کے ساتھ
 مخصوص ہے، مسلمان مبلغین اس ذمہ میں نہیں آتے۔

فرعون سے
حفاظت
کی ضمانت

اللہ کے حکم کے مطابق حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام چالیس سال سے
 زیادہ عرصہ فرعونوں کے درمیان رہ کر حق تبلیغ ادا کرتے رہے مگر اللہ نے ان کی

جانوں کی حفاظت فرمائی۔ درمیان میں بڑی بڑی تکالیف بھی آئیں حتیٰ کہ ایک موقع پر اسرائیلیوں نے شکایت پیش کی کہ اے موسیٰ! تمہاری مدین سے واپسی کے بعد بھی ہماری تکلیفوں میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوا ہے، ہم پہلے بھی فرعون کے ظلم کا شکار تھے اور اب بھی ہم پھیلنے والے ہیں۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو تسلی دیتے ہوئے کہا **إِسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ** (الاعراف - ۱۲۸) اللہ سے بڑھ کر کوئی اور صبر کرو۔ بیشک ساری زمین کا مالک اللہ ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے، اور بہتر انجام مستحقوں کا ہی ہوگا۔ تم گھبراؤ نہیں۔ یہی شکایت حضرت ارسٹو نے حضور علیہ السلام سے بھی کی تھی۔ یعنی کیا، کفار بڑی تکلیفیں پہنچاتے ہیں آپ نے فرمایا صبر کرو، تم ابھی سے گھبرا گئے ہو، پہلی امتوں کے لوگوں کے سروں پر آئے رکھو کہ ان کو دو ٹوک کر کے کمر دیا گیا اور انہوں نے برداشت کیا مگر تم کافروں کی بددعا کی سے ابھی سے گھبرا گئے ہو۔ **بِأَخْرِجَ اللَّهُ تَعَالَى تَمَحُّبِينَ** ہی غالب بنائے گا۔ مگر ارسٹو نے از قسَم مال کا ضیاع، افرادی قوت میں کمی، اور فضلوں کا نقصان وغیرہ ضرور سہیٹی مگر کامیابی اسی کو حاصل ہوتی ہے جو آخر دم تک صراطِ مستقیم پر قائم رہتا ہے۔

بہر حال اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا **يَا أَيُّهَا هَارُونَ** اور نشانیاں لے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس جاؤ **أَنْتُمْ وَأَخِي** **اتَّبِعْكُمْ مَا الْغَلْبُونَ** تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی غالب آؤ گے پھر جیسا کہ آگے ذکر آ رہا ہے، کامیابی اہل ایمان کے حصے میں ہی آئی، اور فرعون اور اس کے سارے جواری بجز قلمزم میں مغرور کر دیے گئے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَى بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا
 إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرٍ وَمَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا
 الْأُولِينَ ۝۳۶ وَقَالَ مُوسَى رَبِّي أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدَى
 مِنْ عِنْدِهِ وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا
 يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝۳۷ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَمَةُ
 لَكُمْ مِّنْ إِلَهِ غَيْرِي فَاقْوَ دُلِّي يَهَامُنُ عَلَى الطِّينِ
 فَاجْعَلْ لِّي صِرْحًا لَّعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَى إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي
 لَأُظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝۳۸ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ
 فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُم إِلَيْنَا لَا
 يُرْجَعُونَ ۝۳۹ فَآخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ
 فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۝۴۰ وَجَعَلْنَاهُمْ
 آيَةً يُدْعَوْنَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ ۝۴۱
 وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ
 مِّنَ الْمَقْبُوحِينَ ۝۴۲

ترجمہ:- پس جب آئے ان کے پاس موسیٰ علیہ السلام ہماری نشانی
 لے کر تو کہا انہوں نے کہ نہیں ہے یہ مگر جادو گھڑا ہوا۔ اور

نہیں سنا ہم نے ایسا اپنے پہلے آباؤ اجداد سے (۳۶) اور کہا
 موسیٰ علیہ السلام نے میل پروردگار خوب جانتا ہے اُس کو جو ہدایت
 لے کر آیا ہے اُس کی طرف سے ، اور وہ کہ جس کے لیے
 اچھا گھر ہے آخرت میں ۔ بیشک نہیں فلاح پا سکتے ظالم
 لوگ (۳۷) اور کہا فرعون نے اے درباریو! میں نہیں جانتا تمہارے
 لیے کوئی الہ اپنے سوا۔ پس۔ آگ جلاؤ میرے لیے اے ہمان!
 سٹی کے پیڑوں پر (یعنی اینٹوں کے بھٹے میں تیار کر دو)
 اور بنا دو میرے لیے ایک محل تاکہ میں جھانک کر دیکھوں
 موسیٰ (علیہ السلام) کے الہ کو ، اور میں گمان کرتا ہوں اس کے
 بارے میں کہ وہ جھوٹا ہے (۳۸) اور تکبر کیا فرعون اور اس کے
 لشکر نے زمین میں ناحق اور گمان کیا انہوں نے کہ وہ ہماری
 طرف نہیں لوٹائے جائیں گے (۳۹) پھر پکڑا ہم نے اُس کو
 اور اس کے لشکر کو اور پھینک دیا اُن کو سمندر میں ۔ پس
 دیکھو کیا ہوا انجام ظالموں کا (۴۰) اور بنایا ہم نے اُن کو ایسے
 پیشوا ، کہ وہ بلا تے ہیں دوزخ کی طرف اور قیامت کے دن
 اُن کی مدد نہیں کی جائے گی (۴۱) اور ہم نے پیچھے لگائی ہے
 اُن کے اس دنیا میں لعنت اور قیامت والے دن وہ برائی
 والوں میں سے ہوں گے (۴۲)

رابطہ آیات

موسیٰ علیہ السلام مع اپنی اہلیہ اور ساز و سامان مدین سے مصر جا رہے تھے کہ راستے
 میں کوہ طور کی مقدس وادی سے گزر ہوا۔ اُس مقام پر اللہ نے اُن سے کلام کیا اور نوبت
 رسالت عطا فرمائی اور ساتھ دو عظیم معجزات عرصاً اور پدیرضا بھی عنایت کیے موسیٰ علیہ السلام
 کو تبلیغ حق کا حکم ہوا۔ انہوں نے اس راستے میں حامل مشکلات کا ذکر کیا تو اللہ نے

یقین دلا گیا کہ فکر نہ کرو، بالآخر تم ہی غالب رہو گے۔ اللہ نے آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا اور فریضہ نبوت میں آپ کا مدد و معاون بنایا۔ موسیٰ علیہ السلام حکم خداوندی کے مطابق مصر پہنچے اور آگے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو منتظر پایا۔ پھر وہ دونوں فرعون کے دربار میں پہنچے تاکہ اللہ کا پیغام پہنچا سکیں۔

موسیٰ علیہ السلام
فرعونی دربار میں

فرعون کے دربار میں جانے سے متعلق اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات پر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں کا ذکر کیا ہے جیسے سورۃ طہ اور سورۃ الشعراء میں ہے اور بعض مقامات مثلاً یہاں اکیلے موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ جب موسیٰ علیہ السلام ہماری واضح نشانیاں لے کر فرعون کے دربار میں پہنچے۔ یہ نشانیاں وہی دو عظیم معجزات عصا اور یہ میصا تھیں۔ معجزہ کہتے ہی ایسی چیز کو جس سے عام مخلوق عاجز آجائے اور اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ خود نبوت اور نبی کا کلام اور پیغام بھی ایک واضح چیز ہوتی ہے۔ تو بیانات میں معجزات اور نبی کی طرف سے پیغام دونوں چیزیں شامل ہیں۔ تو جب یہ چیزیں لے کر موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں پہنچے معجزات پیش کیے اور اللہ کا پیغام سنایا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا نَجْمٌ مِّنْ سَمَوَاتٍ کہنے لگے یہ تو محض گھنٹرا ہوا جادو ہے۔ فرعون کے درباریوں نے بھی اس کی ہل میں ہل ملائی اور اس طرح انہوں نے معجزات کو جادو سے تعبیر کر کے انکار کر دیا۔ یہاں پر قَالُوا جَمْعٌ كَصَيْفَةٍ سَوِيًّا یہ لایا گیا ہے کہ فرعون اور اس کے درباریوں نے سب نے ان نشانوں کا انکار کر دیا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، وحی الہی کی باتیں سنا رہا ہے اور ہماری طرف سے جو بات کہنے کی ہے مگر وہ سَمِعْنَا بِهَذَا قَوْمِ الْأَقْلَامِ ہم نے ایسی باتیں اپنے آباؤ اجداد سے پہلے تو کبھی نہیں سنی۔ یہ کہتا ہے کہ ساری کائنات کا ایک ہی خدا ہے۔ وہی سب کو پیدا کرنے والا، تقاضے والا اور فنا کرنے والا ہے، اور پھر قیامت والے دن وہی دوبارہ زندہ کر کے حساب کتاب لے گا اور جزائے عمل کا فیصلہ کرے گا۔

عام رواج تھا اور اینٹیں پکانے کے لیے بچھے بھی موجود ہوں گے۔ تو یہ چونکہ اہم کام تھا۔ اس لیے وزیر سے کہنے لگا کہ پہلے اینٹیں تیار کرو اور فَاجْعَلْ لِّي صَرْحًا پھر میرے لیے ایک اونچا محل یعنی مینار تعمیر کرو اور كَحَيْثُ اَطَّلَعُ اِلَى اللّٰهِ مُوسَى تاکہ میں اُس کے اوپر سے جھانک کر موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو دیکھ سکوں کہ وہ کیا ہے۔ وَاِنِّي لَا ظَنُّنَا مِنَ الْكٰذِبِيْنَ اور میں گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔ مفسرین کو اس بارے میں اختلاف تھا کہ فرعون کے مذکورہ حکم کے مطابق کوئی محل یا مینار تیار بھی ہوا تھا یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ فرعون نے یہ حکم دفع الوقتی کے لیے اذراہ تمسخر دیا تھا تاکہ درباری موسیٰ علیہ السلام کی بات سے متاثر نہ ہو جائیں مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ کسی صحیح روایت میں اس محل کی تیاری کا ذکر نہیں ملتا، صرف تفسیری روایتوں میں آتا ہے کہ ہامان نے پچاس ہزار کاریگر اور ضرور محل کی تیاری کے کام پر لگائے اور مینار کی شکل کا محل تیار ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ فرعون اس مینار نما محل کے اوپر چڑھا مگر وہ آسمان تک کہاں پہنچ سکتا تھا، اُسے کچھ نظر نہ آیا تو شرمسار بھی ہوا۔ اور تعصب و عناد کی بنا پر خدا تعالیٰ کا انکار بھی کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ فرعون کو اس کے اوپر چڑھنے کا موقع ہی نہیں ملا جب محل تیار ہو گیا تو اللہ نے فرشتے کو بھیج کر اس کو گرا دیا۔ اس کے تین ٹکڑے ہوئے۔ ایک فرعون کے ٹکڑے پر گرا جس سے بڑی تباہی پھیلی، دوسرا حصہ پانی میں گرا اور تیسرا حصہ لیے ہی منتشر ہو گیا۔ اور فرعون اپنی اس سچم میں بھی ناکام رہا۔

فرعونوں کا
تکبر

فرعون کے انکار، تعصب، ضد اور انکار کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے وَاسْتَكْبَرُ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ فرعون اور اس کے لشکر نے زمین میں ناحق تکبر اور غمور کیا۔ اقتدار کے نشے میں توجید کا انکار کیا اور خود الوہیت کا دعویٰ کرنا، نبی کی بات کو ٹھکرایا، سُورَةُ النُّجُومِ میں موجود ہے وَاجْتَدُوا بِهَا وَاسْتَفْتَنَّا اَنْفُسَهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا (آیت ۱۱۲) کہ فرعون نے ظلم و زیادتی کی وجہ سے احکام الہی اور معجزات کا انکار کرتے تھے حالانکہ اُن کے دل اسکی

تصدیق کرتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں۔ جب فرعون نے انکار کر دیا، تو النَّاسِ عَلٰی دِیْنِ مَلُوْکِهِمْ کے مطابق اُس کے حواریوں اور دیگر عیالیا نے بھی انکار کر دیا۔ جیسا حاکم ہوتا ہے ایسے ہی اُس کے کارندے اور عام لوگ ہوتے ہیں، وہی وضع قطع اور وہی رسم و رواج سب اپناتے ہیں۔ لہذا اہل ایمان کے سوا ساری قوم نے انکار کر دیا محض تکبر کی وجہ سے۔ اور دوسری بات انہوں نے یہ کی۔

فَظَنُّوْا اَنَّهُمْ رَاٰیْنَا لَا یُنۡجِعُوْنَ کمنے لگے کہ ہم گمان کرتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔ گویا انہوں نے سعاد اور حیرانہ عمل کا بھی انکار کر دیا۔ کمنے لگے موسیٰ علیہ السلام ہمیں خواہ مخواہ آنے والے اُن دیکھے دن کے خوف میں مبتلا کر رہا ہے، کہتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اللہ کے حضور پیشی ہوگی، محاسبہ اعمال ہوگا اور جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا، ہمیں تو ان باتوں پر یقین نہیں آتا، ہم نہیں خیال کرتے کہ مرنے کے بعد پھر خدا تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے فرمایا فَخَذْنَاهُ وَجَنَّتْ دَہِہم نے پکڑ لیا فرعون اور اس کے لشکر کو، اُن کی گرفت کا وقت آگیا فَتَبَدَّلْنَاهُمْ فِی الْیَمِّ اور اُن سب کو سمندر میں پھینک دیا۔ یہاں تفصیل نہیں ہے دوسری پھرتوں میں موجود ہے کہ میلے کے دن موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر نکال گئے۔ سمندر کے کنارے پہنچے تو اللہ نے اُن کے لیے بارہ راستے بنا دیے جن سے وہ گزر گئے تعاقب میں فرعون اور اس کا لشکر بھی انہی راستوں سے سمندر میں داخل ہوا۔ مگر اللہ نے طرفین کے پانیوں کو ملا دیا، اور اس طرح وہ سب کے سب بحرِ قزقم میں غرق ہو گئے۔ تو فرمایا ہم نے اُن پر گرفت کی اور اُن کو پانی میں ڈل دیا۔ فَانظُرْ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِیۡنِ پس دیکھ لو ظالموں کا کیا انجام ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے غرور کو کس طرح خاک میں ملا دیا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا اَیۡۡمَانَ الظَّالِمِیۡنَ لَیۡسَ لَہُمۡ سَعٰدَۃٌ وَّ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ

اُن کو ایسا پیشوا (لیڈر) بنایا جو آگ کی طرف دعوت دیتے ہیں یعنی لوگوں کو گمراہ کر کے دوزخ کا ایندھن بناتے ہیں۔ پیشوا ہدایت کے بھی ہوتے ہیں اور گمراہی کے بھی۔ اللہ نے فرعونوں کو گمراہی کفر اور دعوت الی النار کا لیڈر بنایا۔ دوسرے مقام پر عام شرکین کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ مشرک عورتوں سے نکاح بھی نہ کرو۔

كَيْزِكَ اُولَٰئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى الْاَسْوَءِ السَّانِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلَى الْاِحْسَانِ
 وَآلِهٖ مَغْفِرَةٌ يَا ذُنُوبِهِم (البقرہ - ۲۲۱) کیونکہ وہ تمہیں دوزخ کی طرف بلا تے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت اور اپنی مغفرت کی طرف دعوت دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی دعوت کو قبول کرو اور دوزخ کے عذاب سے بچ جاؤ۔

شیخ ابن عربی فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس دنیا میں کیے جانے والے کام آگے چل کر اُن کے لیے جزائے عمل میں تبدیل ہو جائیں گے۔ بعض لوگوں کے اعمال انہیں سانپ، پھولوں اور درندوں کی شکل میں کاٹیں گے اور بعض چیزیں آگ کی شکل میں تبدیل ہو کر گہگہاڑوں پر مسلط ہوں گی۔ اسی طرح اعمالِ حسنہ، باغات، پھولوں، پھولوں اور حورو و قصور میں تبدیل ہو جائیں گے۔ ترمذی شریف میں آتا ہے کہ جب کوئی بندہ مومن اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتا ہے اور زبان سے ایک دفعہ سبحان اللہ کہتا ہے جس میں اس کی محبت، عقیدت، اعظیم اور اخلاص شامل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جنت میں ایک درخت لگا دیتا ہے غرضیکہ کفر و شرک والے لوگ بظاہر تو کفریہ اور شرکیہ رسوم کی دعوت دیتے ہیں مگر درحقیقت وہ لوگوں کو دوزخ کی طرف بلا تے ہیں۔

قیامت والے دن مالوکی

فرمایا کہ دنیا کے اندر تو ہم ان لوگوں کو دوزخ کی طرف دعوت کا امام بنائیں گے وَاَيُّوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَنْصُرُوْنَ اور قیامت والے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائیگی۔ نہ ان کا لشکر کام آئے گا اور نہ مال و دولت، تابع اور متبوع سب جنم رسید ہوں گے، نہ کوئی سفارش کام آئیگی اور نہ کوئی قدریہ قبول کیا جائے گا۔ فرمایا اس دنیا میں یہ حال بھی ہوگا وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا

لَعْنَةُ اس دُنْيَا میں ہم نے اُن کے پیچھے لعنت لگا دی ہے۔ شرائعِ الہیہ کے تمام پیروکار اور نیک لوگ ہمیشہ ہی کہتے ہیں لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى الظّٰلِمِیْنَ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔ فرعونوں، کافروں اور مشرکوں پر لوگ لعنت بھیجتے ہیں۔ فرعون نے توحید کا انکار کیا، معاد کی تکذیب کی، رسولوں کی بات نہ مانی تو ہمیشہ کے لیے مع اپنے متبعین کے لعنتی بٹھا۔ اُن کے لیے یہی تحفہ ہے وَیَوْمَ الْقِیَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ یہ لوگ قیامت والے دن برائی اور قباحت والوں میں سے ہوں گے۔ ان کی تکلیں تبدیل اور حال بُرا ہوگا، اگر یا کہ ہر قسم کی قباحت میں مبتلا ہوں گے۔ اللہ نے دنیا اور آخرت کی دونوں سزاؤں کا ذکر کر دیا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا
 الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بِصَايِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً
 لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ
 إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ
 الشَّاهِدِينَ ﴿۴۴﴾ وَلَكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ
 الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًّا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوا
 عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ
 بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ
 لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَهُمْ مِنْ نَّذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ
 لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق وہی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب بعد
 اس کے کہ ہم نے ہلاک کیا پہلی قوموں کو - یہ بصیرت کی چیزیں
 ہیں لوگوں کے لیے اور ہدایت اور رحمت ہے ، تاکہ لوگ
 نصیحت حاصل کریں ﴿۴۳﴾ اور نہیں تھے آپ مغربی جانب
 جب کہ ہم نے فیصلہ کیا تھا موسیٰ علیہ السلام کی طرف معاف
 کا ، اور نہیں تھے آپ دیکھنے والوں میں ﴿۴۴﴾ لیکن ہم نے اٹھایا
 کئی قوموں کو پس دراز ہو گئی اُن پر زندگی - اور نہیں تھے آپ

ٹھہرنے والے مہین والوں کے درمیان کہ پڑھتے آپ اُن پر ہماری آئیں، لیکن ہم ہیں جیسے والے رسولوں کو (۴۵) اور نہیں تھے آپ طور کے کنارے پر جب کہ ہم نے آواز دی تھی۔ لیکن یہ مہربانی ہے تیرے رب کی طرف سے تاکہ ڈرائے تو اُن لوگوں کو کہ نہیں آیا اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے، تاکہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں (۴۶)

رابطہ آیات

گذشتہ رکوعات میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے بچپن سے لے کر کچھ حالات بیان کیے ہیں اور اُن پر آنے والی مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ ایک قطبی کے قتل کے بعد آپ مدین نشرین لے گئے۔ دس سال کے بعد واپس آئے تھے کہ راستہ میں کوہ طور پر اللہ نے آپ کو نبوت و رسالت مسفرز فرمایا اور عصا اور ید برصیٰ جی عظیم نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے حواریوں کے پاس تبلیغ کے لیے بھیجا۔ وہ سب مغرور لوگ تھے، نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے جس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ اللہ نے اُن سب سرکشوں کو بحر قلزم کا جہنم میں غرق کر دیا۔ فرمایا یہ لوگ کفر، شرک اور ظلم و زیادتی کے پیشوا تھے، دیکھو ان کا کیسا عبرت ناک انجام ہوا۔ دنیا میں اُن کے پیچھے لعنت لگا دی گئی۔ اور آخرت میں تو عذاب کے طور پر اُن کی شکلیں ہی تبدیل ہو جائیں گی اور پھر یہ ہمیشہ کے لیے جہنم کا کندہ ناتراش بن جائیں گے۔

تورات کا نزول

موسیٰ علیہ السلام کی بعثت دو اقوام کی طرف تھی۔ ایک تو فرعون کی قطبی قوم تھی اور دوسری آپ کی اپنی قوم بنی اسرائیل تھی۔ اس مقام پر اللہ نے اپنی عظیم انسان کتاب تورات کے نزول کا ذکر کیا ہے جو آپ کی قوم بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے عطا کی گئی۔ بنی اسرائیل جب بحر قلزم کو عبور کر کے صحرائے سینا پہنچے تو وہ فرعون کی غلامی سے آزاد ہو چکے تھے موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ پہلے تو ہم غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور فرعونی قانون کے اسیر تھے، اب ہم آزاد ہیں لہذا ہمارے لیے کوئی قانون ہونا چاہیے جس

پہم اپنی روزمرہ زندگی میں عمل کرے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تو حکم ہوا کہ چالیس دن تک کوہ طور پر اعتکاف بیٹھو تو تمہیں کتاب تورات عطا کی جائے گی۔ تورات کا معنی ہی قانون یعنی لا (LAW) ہوتا ہے۔

اسی کتاب کے متعلق ارشاد دہر تا ہے وَكَفَدْنَا مِثْقَالَ حَبِّ الْكَلْبِ اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا فرمائی جس کا ذکر قرآن پاک کی بہت سی سورتوں میں آتا ہے۔ آسمانی کتب میں سب سے زیادہ فوقیت اللہ کی آخری کتاب قرآن کریم کو حاصل ہے۔ دوسرے نمبر پر تورات، تیسرے پر انجیل اور چوتھے پر زبور ہے۔ اس کے بعد چھوٹے چھوٹے صحیفے بھی ہیں جو اللہ نے مختلف انبیاء علیہم السلام پر مختلف زمانوں میں نازل فرمائے۔ اس وقت دنیا میں جو مجموعہ بائبل موجود ہے، اس میں کل آنتالیس کتابیں جمع کر دی گئی ہیں، اور اس کے ابتدائی پانچ بڑے ابواب تورات پر مشتمل ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی مِمَّا بَعْدَ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ لَعَلَّاس کے کہ ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک کیا۔ قرون، قرون کی جمع ہے جس کا معنی جماعت، قوم، گمراہ، سنگت یا ایک دور کے لوگ ہوتے ہیں۔ پہلی اقوام میں سے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط اور مدین والوں کو اللہ نے ہلاک کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا بھی ذکر ہوا ہے۔ تو فرمایا کہ ہم نے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی۔ کتاب تورات کی حیثیت کو اللہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے كَمَا بَدَّلْنَا سِمْسِ اس میں لوگوں کے لیے بصیرت کی چیزیں ہیں، سورة الاعراف میں قرآن پاک کے متعلق بھی یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ بصارت ظاہری آنکھ سے دیکھنے کو کہتے ہیں، جب کہ بصیرت سے مراد دل کی روشنی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کے دلوں میں جو روشنی، نور، فہم اور فراست پیدا کر دیتا ہے۔ وہی بصیرت کہلاتی ہے۔ اور جس فرد یا قوم میں یہ چیز نہ پائی جاتی ہو، وہ ظاہری آنکھیں رکھنے کے وجود اندھی ہے۔ اسی لیے اللہ نے پوری قوم نوح کو دراصل اہل ایمان کے (الْمُؤْمِنِينَ)

تورات
مخصوصیت
بصیرت

كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ (الاعراف ۶۴) انھی قوم کہا ہے۔ انہوں نے دل کی آنکھوں سے اللہ کے جلیل القدر نبی نوح علیہ السلام کو نہ پہچانا، اس لیے ناکام ہوئے۔ اللہ نے سورۃ الحج میں مزید وضاحت فرمائی ہے۔ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبَ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (آیت - ۴۶) ایسے لوگوں کی ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ اُن کے سینوں میں پڑے ہوئے دل بنیائی سے محروم ہوتے ہیں۔ تو فرمایا تو رات میں بصیرت کی باتیں جنہیں دل کی آنکھوں کے ساتھ دیکھ کر ان پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

(۲)
ہدایت

فرمایا تو رات کی دوسری خصوصیت وَهَدَىٰ بَهْرِيَّتٍ ہے۔ جب انسان میں فہم و فراست پیدا ہو جائے، عقل و شعور آجائے، حق و باطل کی پہچان ہونے لگے تو پھر اس کو ہدایت میسر آتی ہے جس کے مطابق وہ عمل کرتا ہے۔ قرآن پاک بھی اہل ایمان کے لیے بصیرت اور ہدایت ہے، منافق آدمی فہم و فراست سے محروم رہتا ہے، لہذا وہ دین کی سمجھ سے بھی غاری ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے سے بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے۔ اسے دین میں فہم و فراست نصیحت اور سمجھ عطا کرتا ہے۔ مگر منافق اس سے محروم رہتے ہیں۔ کفار و مشرکین کے دلوں پر بھی کفر و شرک کے اندھیرے چھائے رہتے ہیں، اچتی لوگ بھی ہدایت کی روشنی سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں پر بھی حجاب پڑے ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے انہیں ہدایت میسر نہیں آتی۔ ہدایت تو جب ملے گی جب عقیدہ، عمل اور اخلاق درست ہو گا۔

(۳)
رحمت

تورات کی تیسری خصوصیت فرمایا وَرَحْمَةً خَدَاتَالِي کی رحمت ہے جب انسان کے دل میں صحیح سمجھ اور فہم پیدا ہو جائے اور وہ صحیح راستے پر گامزن ہو جائے، اپنا عقیدہ، اخلاق اور عمل درست کر لے تو وہ خداتعالیٰ کی رحمت کا مستحق بن جاتا ہے، اُس کو اللہ تعالیٰ کی قربت اور اس کی مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے، اور اُس کی مہربانیاں اور نوازشیں شامل حال ہو جاتی ہیں۔ فرمایا تو رات میں تین چیزیں یعنی بصیرت، ہدایت اور رحمت ہیں، اور ان کا مقصد یہ ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

قرآن پاک اور تورات کے محاسن اگلی آیات میں بھی آسے ہیں۔ تاہم درمیان میں اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت و نبوت کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت سی قدریں مشترک ہیں۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو عظیم کمونوں کا سامنا تھا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے جانی دشمن بھی موجود تھے جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر کٹری آزمائشیں آئیں اسی طرح حضور علیہ السلام پر بھی آئیں۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک عظیم کتاب عطا فرمائی تو حضور سرور کائنات کو بھی عظیم المرتبت کتاب دی دونوں امتوں کے حالات بھی تھوڑے بہت ملتے جلتے ہیں۔ تو یہاں پر اللہ نے حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی حقانیت کو بیان فرمایا ہے اور وہ اس طرح کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے جو واقعات بیان کیے ہیں اور آپ نے انہیں آگے امت کو سنایا ہے، یہ بالکل سو فیصد صحیح ہیں جن میں غلطی کا کوئی امکان نہیں۔ آپ نے نہ تاریخ پر بھی ہے اور نہ ہی اور ذریعے سے ایک یگانہ واقعات کا علم ہوا ہے، تو ان کو بلا کم و کاست امت کے سامنے بیان کر دینا ہی آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سارے واقعات آپ کو بذریعہ وحی بتلائیے۔

ملکہ حاضر و
اور عظیم

اگلی آیات اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کی صداقت اور وحی الہی کی حقانیت کے طور پر بیان فرمائی ہیں۔ ان آیات سے انحضرت علیہ السلام کے حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہونے کی صراحتاً نفی ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْعُرْبِ إِذْ قَضَيْنَا إِلَيْكَ مَوْسَى الْأَمْرَ آپ اس وقت مغربی جانب تو نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے معاملے کا فیصلہ کیا۔ اس مغربی جانب سے صحرا لے سینا کا وہ پہاڑ مراد ہے۔ جہاں سلسلہ کوہ طور بھی ہے اور جہاں پر موسیٰ علیہ السلام کو احکام شریعت عطا ہوئے تھے۔ یہ علاقہ حجاز سے مغربی جانب ہے، اسی لیے فرمایا کہ آپ اس وقت مغربی جانب تو نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے معاملے کا فیصلہ کیا تھا۔ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشُّعْبِ الَّذِينَ اور آپ وہاں موسیٰ علیہ السلام کے حالات کو دیکھنے والوں میں بھی شامل

نہیں تھے۔ جو یہ واقعات دیکھ کر بیان کیے ہوں۔ گویا آپ کے حاضر ناظر ہونے کی صراحت کے ساتھ نفی کی گئی ہے، آگے سورہ کے آخر میں بھی آرہے ہیں کہ ہم نے اپنی رحمت سے یہ کتاب آپ کی طرف نازل فرمائی ہے جس میں یہ سارے واقعات آئے ہیں وگرنہ آپ کو ان کا کیا علم تھا۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج لوگوں نے بلادِ حبرہ حاضر و ناظر اور علمِ غیب کا عقیدہ گھٹ لیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں صفات اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مختصہ ہیں اور ان میں کوئی دوسری ہستی شریک نہیں۔ صفتِ خلق، تدبیر، اختیار یہ سب صفاتِ مختصہ ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ اپنی کتاب "فیضِ حیات اللہ" میں فرماتے ہیں کہ اللہ کی صفاتِ مختصہ کی بیسیوں سے نفی کرنا واجب ہے مثلاً قدرت علی الخلق ہے علمِ غیب ہے۔ نہ تو کسی کو پیدا کرنے کی قدرت ہے اور نہ ہی کوئی خیرب جانتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے مطلع کر دیتا ہے تو نبی کو علم ہو جاتا ہے۔ خیرب تو وہ ہے جو بغیر کسی واسطہ کے خود بخود ہوا اور یہ خاصہ خداوندی ہے۔ انبیاء و صلحا یا اولیاء سے علمِ غیب کی نفی ان کی قطعاً توہین نہیں ہے۔

بہر حال فرمایا کہ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو مغربی جانب نبوت عطا فرمائی تو آپ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ وَلَئِكَ اَنْشَاْنَا قُرُوْنَا قَطْعًا وَاَلَيْسَ عَلَيْهِمُ الْعَمَلُ مگر ہم نے بہت سی قوموں کو پیدا کیا، پھر ان پر زندگی دراز ہوگئی۔ وہ سرکشی، ظلم و زیادتی کے ترکیب ہوئے تو اللہ نے ان کو تباہ و برباد کر دیا جیسا کہ گذشتہ آیات میں فرعون اور اس کی قوم کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا۔ وَمَا كُنْتُمْ تَأْوِيْنَ اَهْلَ مَدْيَنَ اَنْتُمْ اَصْحَابُ الْاَرْضِ اَمَّا مَدْيَنُ فَجَاءَنَا بِرِسَالٍ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اور آپ کو نبوت عطا فرمائی تو ان پر وحی نازل کر کے سابقہ واقعات سے آگاہ کرتے ہیں، آئندہ حالات سے مطلع کرتے ہیں اور پھر انہیں ایک لائحہ عمل عطا کر کے تبلیغ کا حکم دیتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ایک یہودی نے تخلیق کے بارے میں سوال کیا، آپ نے قدرے سکوت کے بعد سوال کا جواب دیا اور یہودی چلا گیا حضور علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا کہ جب یہودی نے مجھ سے منہ زکرہ سوال کیا تو مجھے جواب معلوم نہیں تھا۔ اللہ نے قرآن جبرائیل کو نازل فرمایا کہ سوال کا جواب بھیج دیا جو یہودی کے علم کیمطابق بھی درست تھا لہذا وہ مطمئن ہو کر چلا گیا۔ اس سے بھی آپ کے عالم الغیب ہونے کی نفی ہوتی ہے۔

اگے فرمایا وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ اِذْ نَادَيْنَا اور آپ کے کذ سے پر بھی نہیں تھے جب ہم نے آواز دی تھی کہ اے موسیٰ! آپ واری تھی جس میں ہیں، اپنے جوتے اتار دیں، میں نے تجھے نبوت و رسالت کے لیے منتخب کیا ہے اب تم میرا پیغام فرعون اور اس کے سرداروں کو جا کر پہنچاؤ۔ فرمایا وَلٰكِنْ رَّحْمَةٌ مِّنْ رَبِّكَ يَوْمَ تَبْرَأُ پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے جو تمہیں ان حالات سے مطلع کر رہا ہے، وگرنہ تم تو وہاں حاضر و ناظر نہیں تھے۔

فرمایا، یہ رحمت ہے تیرے پروردگار کی طرف سے لِيُنذِرَ قَوْمًا مَّا اٰتٰهُمْ مِنْ نَّذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ تاکہ آپ ڈرائیں اُن لوگوں کو جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پوری دنیا میں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا بلکہ اس سے اہل عرب مراد ہیں کہ ان کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد طویل عرصہ تک کوئی نبی نہیں آیا اور پھر اللہ نے آخر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ عرب بھی ابتدا میں صحیح دین ابراہیمی پر تھے مگر حضور علیہ السلام سے تقریباً پانچ سو سال پہلے قصی ابن کلاب کے زمانے میں یہاں شرک کی ابتداء ہوئی۔ لوگوں کی غالب اکثریت مشرک ہو گئی اور اس دوران حضور علیہ السلام سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔

میں پر قَوْمًا کا لفظ خاص طور پر توجہ طلب ہے۔ آپ کی پہلی حیثیت تو قومی نبی کی ہے کہ آپ سرزمین عرب میں عربوں میں مبعوث ہوئے اور تبلیغ کی ابتداء بھی یہیں سے ہوئی۔ مگر اللہ نے آپ کی زبان سے یہ بھی کہہ لایا يَا أَيُّهَا النَّاسُ

قومی اور
بین الاقوامی نبی

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (الاعراف - ۱۵۸) اے لوگو! میں تم
 سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لَسْتُ نَذِرُ اُمَّ الْقُرَیْ وَمَنْتَ
 حَوَّلَهَا (انعام - ۹۳) تاکہ مکے اور اردگرد والوں کو ڈراؤں۔ وَمَنْتَ اَبْلَغُ
 (انعام - ۱۹) اور اُن کو بھی جہاں تک یہ قرآن پہنچے۔ مطلب یہ کہ دنیا کے کونے کونے
 تک خدا کا یہ پیغام پہنچے گا اور میں ان سب کے لیے ڈرانے والا یعنی نبی اور رسول
 ہوں۔ تو گویا اس لحاظ سے آپ بین الاقوامی نبی بھی ہیں۔ قریش اور عربوں کی سعادت
 بھی آپ کے ساتھ و البتہ ہے۔ جب کہ تمام اقوام عالم کی سعادت کی والہی بھی آپ
 ہی کے ساتھ ہے۔ خدا کا فرمان ہے کہ آپ عربوں کے معلم ہیں اور میرا یہ پیغام ان
 کے ذریعے اقوام عالم تک پہنچے گا۔ چنانچہ قرآنی مشن کو پوری دنیا میں پھیلانے کا ذریعہ
 حضور علیہ السلام کے صحابہ کو مقرر ہی ہے۔ فرمایا میں نے آپ کو اقوام عالم کو ڈرانے
 پر مامور کیا ہے لَعَلَّكُمْ تَتَذَكَّرُوْنَ تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کر لیں۔
 اس میں انہی کی بہتری ہے کہ خدا کی گرفت سے بچ جائیں گے۔

وَلَوْلَا اَنْ تُصِيبَهُمْ مُّصِيبَةٌۭۤ اِمَّا بِمَا قَدَّمْتْ اَيْدِيَهُمْ
 فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ
 وَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ
 عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَا اُوْتِيَ مِثْلَ مَا اُوْتِيَ مُوْسٰی اَوْ لَمْ
 يَكْفُرُوْا بِمَا اُوْتِيَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ قَالُوْا سِحْرَانِ
 تَظَاهَرَا وَقَالُوْا اِنَّا بِكُلِّ كٰفِرٍۭۢ نَّكِرٍۭۢ لَّغٰوۭۢنٌ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ
 مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰی مِنْهَا اَتَّبِعُهُۥ اِنْ كُنْتُمْ
 صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِیْبُوْا لَكَ فَاَعْلَمْ اَنَّ مَا
 يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَاۤءَهُمْ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ اَتَّبَعَ هَوٰیهُۥۤ بِغَيْرِ
 هُدٰی مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ :- اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ پہنچتی اُن کو کبھی مصیبت
 اُن کے ہاتھوں کی کمانی کی وجہ سے تو وہ کہتے کہ اے
 ہمارے پروردگار! کیوں نہیں بھیجا تو نے ہماری طرف رسول، پس
 ہم پیروی کرتے تیری آیتوں کی، اور ہوتے ہم ایمان والوں
 میں سے ﴿۴۷﴾ پھر جب آیا اُن کے پاس ہماری طرف سے حق
 تو کہا انہوں نے کہ کیوں نہیں دی گئی (اس نبی کو) مثل اُس کے جو
 موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی۔ کیا نہیں کفر کیا انہوں نے اُس چیز کے

ساتھ جو دی گئی موسیٰ علیہ السلام کو اس سے پہلے۔ انہوں نے کہا کہ دو جادوگر آپس میں موافق ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم سب کا انکار کرنے والے ہیں (۴۸) (لے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، پس لاؤ کوئی کتاب اللہ کی طرف سے جو زیادہ راہ بتلانے والی ہو ان دونوں (کتابوں) سے کہ میں بھی اُس کی پیروی کروں، اگر تم سچے ہو (۴۹) پس اگر یہ نہ جواب دے سکیں آپ کی بات کا، آپس یقین جانیں کہ بیشک یہ لوگ پیروی کرتے ہیں اپنی خواہشات کی بغیر اللہ کی ہدایت کے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا بے انصاف قوم کو (۵۰)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان کرنے کے بعد حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ربط آیات کی نبوت و رسالت کا ذکر ہوا۔ اللہ نے واضح طور پر فرمایا کہ ارے نبی علیہ السلام! جب موسیٰ علیہ السلام کو نبوت و رسالت عطا ہو رہی تھی تو آپ تو وہاں موجود نہیں تھے۔ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی تھی تو آپ نے تو وہ آواز نہیں سنی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سارے واقعات ہم نے اپنی خاص مہربانی سے بذریعہ وحی آپ کو بتلائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی نبی اور رسول بنایا ہے اور آپ کو ایک عظیم المرتبت کتاب بھی عطا فرمائی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ آپ اس کتاب کے ذریعے اُن لوگوں کو خبردار کر دیں اور ڈرا دیں جن کے پاس پہلے کوئی مندر نہیں آیا۔ یہ اشارہ خاص طور پر مشرکینِ عرب کی طرف ہے جن میں تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک نہ کوئی نبی آیا اور نہ کوئی کتاب نازل ہوئی۔ اس سرزمین پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام نبوت سے سرفراز ہوئے اور پھر حضور خاتم النبیین تک درمیان میں کوئی نبی نہیں آیا۔

غدرگناہ

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اور عرب کے مشرکین کا خاص طور پر شکوہ کیا ہے۔

اور اس ضمن میں نزولِ قرآن کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَوْ لَا اَنَّ

نُصِبْنَاهُمْ مِّصِيبَةً ۚ لِمَا قَدَّمْتِ اَيْدِيَهُمْ اور اگر ایسا نہ ہوتا

اور ان لوگوں کو ان کے اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے کبھی مصیبت نہ پہنچتی۔

فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعُ الْاٰيٰتَ

تو یہ لوگ کہہ اٹھتے، اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ

ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے وَنَكُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور ہم بھی ایمان

لانے والوں میں ہوتے۔ ابتدا میں بیان ہو چکا ہے کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار برس تک

اہل عرب میں کوئی نبی آیا اور نہ کتاب، تو اللہ نے اس عذر کو رفع کرنے کے لیے

فرمایا ہے کہ اگر تم نبی آخر الزماں کو بھی عربوں میں مبعوث نہ کرتے اور پھر ان پر کوئی

مصیبت آجاتی تو فوراً کہہ دیتے کہ ہمارے پاس تو کوئی رسول ہی نہیں آیا جو ہمیں صراطِ مستقیم

کی تعلیم دیتا اور ہم عذابِ الہی سے بچ جاتے۔ اب اللہ نے گویا اپنا آخری نبی

اور آخری کتاب نازل کرنے کے مشن کو عرب کا منہ بند کر دیا ہے۔ سورۃ المائدہ میں اس

قسم کا خطاب اہل کتاب کے بھی کیا گیا ہے کہ کل قیامت وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ اِلٰهًا مَّا

جَاءُوْا نَا مِنْ اِلٰهٍ سِوٰى ذٰلِكَ فَلَا تَذٰنِبُ اِلَيْهِ (آیت ۱۹) کہ ہمارے پاس کوئی بڑی بڑی

بیتیں والا اور ڈرنا تو الٰہ نہیں آیا فقد جاءکم فیہ ذنوبکم وذنوبکم (آیت ۱۹) دیکھ لو تمہارے پاس

بشیر اور نذیر آچکا ہے، آپ تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہیں رہا۔ عَنْ عِنْدِكَ اللّٰهُ تَعَالٰی

نے ہر ملک اور قوم میں اپنے انبیاء مبعوث فرما کر لوگوں کو حق و باطل سے آگاہ کر دیا

ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ اعتراض کرتے کہ ہمیں سزا کیسی دی جائے گی ہے جب

کہ ہمیں بتلانے والا کوئی رسول تو آیا ہی نہیں۔ دوسری جگہ یہ بھی آتا ہے کہ ہم تو اپنے

آباؤ اجداد کے طریقے پر ہی چلتے رہے، ہمیں کوئی سمجھانے والا ہی نہیں آیا۔ اللہ نے

فرمایا کہ ہم نے اپنا آخری رسول اور کتاب بھیج کر یہ تمام اعتراضات رفع کر دیے ہیں۔

پہلے تو وہ رسول کے نہ آنے کا عذر پیش کرتے تھے فَلَمَّا جَاءُوْهُمْ

الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا ہے۔ یعنی

بیتراذگناہ

اللہ کا آخری نبی بھی مبعوث ہو گیا اور اللہ نے اپنی آخری کتاب بھی نازل فرمادی۔

قَالُوا لَوْلَا آؤْتِيَ مِثْلَ مَا آؤْتِيَ مُوسَىٰ تُوَكِّنَ لَكُمْ هِيَ جِبْرِيْلُ
 نہیں دی گئی جیسی موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی۔ یہ دوسرا اعتراض کر دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو
 تو عصا اور یہ بریضا جیسے عظیم معجزات عطا کیے گئے تھے، ویسے معجزات نبی آخر الزمان
 کو کیوں نہیں دیے گئے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو تو پوری تورات تختیوں پر لکھی لکھائی
 بیاب وقت دی گئی تھی، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک حضورؐ ٹھوڑا کلمے کے
 کیوں نازل ہو رہا ہے؟ مطلب یہ کہ جب اللہ کی طرف سے حق آگیا تو انہوں نے
 پھر بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا انکار ہی کیا۔

اللہ نے فرمایا کہ مشرکین عرب اب تو موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور ان کی کتاب
 کا حوالہ دیتے ہیں اور ویسی ہی چیز کو تسلیم کرنے کا وعدہ کرتے ہیں، مگر ذرا ان سے یہ
 پوچھو کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ أَفَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا
آؤْتِيَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ کیا وہ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی چیز کا انکار نہیں کر
 چکے؟ جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا قَالُوا سِحْرَانِ
تَظَاهَرَا تو کہنے لگے کہ یہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے موافق بن کر لگے ہیں
إِنْ دُونَكَ كَاثِنٌ ایک کاٹن ہے۔ ہم ان کو نبی ماننے کے لیے تیار نہیں وَقَالُوا إِنَّا
بِكُلِّ كَافِرُونَ ہم سب کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ نے کوئی نبی نہیں بھیجا، یہ
 جھوٹ بولتے ہیں۔

شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ مشرکین مکہ نے پہلے تو موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا
 تذکرہ کیا کہ اگر ایسے ہی معجزات حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے تو ہم تسلیم کر لیتے
 پھر جب یہودیوں سے تبادلہ خیال کیا تو پتہ چلا کہ تورات کی باتیں تو ہمارے خلاف
 پڑتی ہیں۔ مثلاً تورات میں بت پرستی کو کفر اور بعثت بعد الموت کو برحق قرار دیا گیا
 ہے نیز یہ کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح حرام ہے۔ تورات میں نبی آخر الزمان کی بعض
 نشانیاں بھی ملتی ہیں جو آپ پر صادق آتی ہیں۔ تو پھر کہنے لگے ہم دونوں کا انکار
 کرتے ہیں، نہ تورات کو مانتے ہیں اور نہ قرآن کریم کو تسلیم کرتے ہیں کیونکہ یہ دونوں

کتابیں پہلے سے خلاف جاتی ہیں۔ جب کتابوں کا انکار کیا تو رسولوں کا بھی انکار کر دیا، اور موسیٰ اور حضور علیہما السلام دونوں کو جا دوگر کہہ دیا۔ واضح ہے کہ قرآن اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ تورات کی بہت سی باتیں اب بھی قرآن سے مطابقت رکھتی ہیں اگرچہ اہل کتاب نے اس کتاب میں بہت سی تحریفات کر دی ہیں۔

بتر کتاب لانے
کا چیلنج

آخر میں اللہ نے فرمایا کہ اگر یہ کفار و مشرکین تورات و قرآن اور موسیٰ اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں، تو پھر اے پیغمبر! آپ ان کو چیلنج دے دیں قُلْ اَپ كُودِيں قَاتُوا اِي كِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ظَالِمًا اِكر تَمِيں تورات و قرآن منظور نہیں ہیں تو پھر اللہ کے ہاں سے کوئی اور کتاب آئے ہو اهدى مِنْهُم مَّا جِئوا ن دُولوں مابلقه كتب سے زياده هدايت مهنزه هو۔ اگر لاسكتے هوتو لاؤ ایسی کتاب آئی ہے تاکہ میں بھی اسی کتاب کی پیروی کر لوں۔ فرمایا اس چیلنج کو قبول کر و ان کنتم صديقين اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ یہ تو مشرکین سے خطاب تھا، اللہ نے یہودیوں سے بھی بار بار کہا ہے کہ تم اپنی تورات کے احکام پر قائم نہیں رہے بلکہ انہیں بگاڑ دیا ہے۔ تورات اور قرآن کے بہت سے احکام اب بھی ملتے جلتے ہیں مگر تم انکار کر رہے ہو قَاتُوا بِا التّورٰتِه فَاتّٰوہَا اِن كُنْتُمْ صٰدِقِيْن (آل عمران - ۹۳) اگر سچے ہوتو لاؤ تورات اور پڑھ کر دیکھو کہ اس کے احکامات کیا ہیں اور تم نے کونسا دین بنا رکھا ہے۔

پہلے دور میں تورات ہی عظیم المرتبت کتاب تھی جس میں احکام، حدود، تعزیرات اور اخلاقیات ہر قسم کی تعلیم موجود تھی۔ پھر آخری دور میں اللہ نے قرآن کریم کو بطور آخری کتاب نازل فرما کر سابقہ کتب سماویہ کے تمام مضامین اور اس کے علاوہ بھی ہزاروں قسم کے علوم و معارف اس کتاب میں سمویے ہیں۔ بہر حال تورات اور قرآن نزول اللہ کی عظیم کتابیں ہیں۔ اللہ نے مشرکین و کفار کو چیلنج کیا ہے کہ اس سے زیادہ راہ دکھانے والی کوئی کتاب ہے اور ہم اس کو تسلیم کر لیں گے۔

اللہ نے فرمایا فَاِن كُنْتُمْ تَحِبُّوْنَ اللّٰك اكر تہ لوگ آپ کی

اہانت
اتباع

بات کا جواب نہ دے سکیں یعنی چیلنج قبول نہ کریں۔ فَاعْلَمُ أَنَّمَا يُنْعَمُونَ
أَهُوَ آتَاهُمْ لَعَلَّآ يُقْنِنُوا کہ یہ لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔
 اللہ اور اس کے رسولوں کے احکام کو مسترد کر کے خواہشات نفسانی کے پیچھے لگے
 ہوئے ہیں۔ خواہشات کی پیروی دراصل شیطان کا اتباع ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا
 ارشاد ہے وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ (البقرہ-۱۷۸) شیطان کے
 نقش قدم پرست ملو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے جو کوئی شیطان کے
 نقش قدم پر چلے گا۔ وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا اور حظيرة القدس کا ممبر بن
 سکتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ
يَغْيِرْ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے
 بغیر خواہشات کا اتباع کرتا ہے۔ سورة الفرقان میں ہے أَرَأَيْتَ مَنِ
اتَّخَذَ الْهَوَاهُ (آیت-۴۳) کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے، جس
 نے اپنی خواہشات کو ہی معبود بنا لیا ہے۔ وہ اسی طرح خواہشات کی پیروی کر رہا ہے
 جس طرح معبود پر حق کی اطاعت کرنی چاہیے۔ بغرض کہ خواہشات نفسانی بدترین معبود ہے
 جس کی اطاعت کی جائے۔ اور یہی گمراہی کا سبب ہے۔ خواہشات میں انفرادی،
 اجتماعی، قومی، الملکی ہر قسم کی خواہشات شامل ہیں۔

فرمایا إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ بے شک اللہ تعالیٰ
 بے انصاف لوگوں کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا اور وہ ہمیشہ اس سے محروم رہتے ہیں
 صراطِ مستقیم انہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جن میں حقیقت کو پانے کی طلب
 ہوتی ہے۔ جو لوگ کھنڈ، شرک اور بدعت پر اڑے رہتے ہیں۔
 وہ ہدایت یافتہ نہیں بن سکتے۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن پاک کا فیصلہ یہ ہے۔
تَوَلَّاهُمْ مَّا تَوَلَّوْا وَنُصِّلَ لَهُ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا
 (النساء-۱۱۵) کہ یہ لوگ جن طرف جانا چاہتے ہیں، جس گمراہی کی دلدل میں پھینسا جا رہا
 ہے، ہم اُدھر ہی کی توفیق دے دیتے ہیں۔ ان کا بالآخر ٹھکانا جہنم ہوگا، جو کہ ہر
 ہی بُری جگہ سے بغرضیکہ ظلم کی موجودگی میں ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔

ظالموں
 کی محرومی

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۱﴾ الَّذِينَ
 اتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۲﴾
 وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ
 رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿۵۳﴾ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ
 أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ
 السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۵۴﴾ وَإِذَا سَمِعُوا
 اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ
 أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿۵۵﴾
 إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي
 مَنْ يَشَاءُ ۗ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے بلا دیا ہے ان لوگوں کیلئے
 (نصیحت کی) بات کو تاکہ یہ نصیحت حاصل کریں ﴿۵۱﴾ وہ لوگ
 جن کو ہم نے کتاب دی ہے اس سے پہلے وہ اس پر ایمان
 لاتے ہیں ﴿۵۲﴾ اور جب پڑھ کر سنایا جاتا ہے ان کو تو
 کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس پر۔ بیشک یہ حق ہے ہمارے
 پروردگار کی طرف سے۔ تحقیق تمہے ہم اس سے پہلے فرمانبردار
 کرنے والے ﴿۵۳﴾ یہی لوگ ہیں جو دیے جائیں گے بدلہ دوہرا

اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا۔ اور ہٹاتے ہیں وہ بھلائی کے ساتھ بڑائی کو۔ اور جو کچھ ہم نے اُن کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ﴿۵۷﴾ اور جب سنتے ہیں وہ کسی بیہودہ بات کو تو اُس سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ سلام ہو تم پر۔ ہم نہیں الجھتے جہالت والوں کے ساتھ ﴿۵۸﴾ (اے پیغمبر!) بیشک آپ نہیں راہِ راست پر لاسکتے جس کو آپ چاہیں، مگر اللہ تعالیٰ راہِ راست پر لاتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور وہ بہتر جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو ﴿۵۹﴾

رابطہ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا شکوہ بیان کیا تھا کہ وہ ایمان کی بات قبول کرنے کی بجائے ہدایت کی بات کو ماننے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر موسیٰ علیہ السلام جیسے معجزات کیوں نہیں لایا اور کبھی کہتے ہیں کہ آپ پر پورا قرآن بجا رہی کیوں نہیں نازل ہوا۔ اللہ نے جواباً فرمایا کہ ضدی اور عنادی لوگ، ہمیشہ محروم ہی رہتے ہیں۔ اب تو یہ موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ مگر جب خود کلیم اللہ معجزات اور تورات لے کر آئے تھے تو کیا اُس وقت انہوں نے تسلیم کیا تھا؟ نہیں بلکہ ان بدبختوں نے اس وقت بھی اُن کو جھٹلا دیا تھا۔ آپ کے معجزات کو جادو سے تعبیر کیا اور آپ کو جادوگر کہا گیا۔ ان کو تو انکار کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ چاہیے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہدایت اُس شخص کو نصیب ہوتی ہے جو اس کی طلب کرتا ہے اور جو خواہش کی پیروی کرتا ہے وہ محروم رہتا ہے۔ جب تک ظالم اپنے ظلم سے باز نہ آجائیں، وہ ہدایت کو نہیں پاسکتے۔

ہدایت کی تسلسل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانی ہدایت کے تسلسل کو اس طرح واضح کیا ہے۔
 وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ أَوَّالَةً لِّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ
 ان لوگوں کے لیے۔ نزولِ قرآن کے زمانے کے لوگوں کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ

جس طرح پہلے لوگوں کے پاس اُن کے ہادی ہدایت کا سامان لے کر آئے ہے یہ ہیں۔ اسی طرح آخری امت کے لوگوں کے پاس بھی ہمارا آخری نبی کتاب ہدایت لے کر آئی ہے۔ نبی آخر الزمان سابقہ تمام انبیاء اور کتب سماویہ کی تصدیق کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے سابقہ اور موجودہ ہدایت کی باتوں کو آپس میں جوڑ دیا ہے بمفسرین کا ہم فرماتے ہیں کہ وَصَلْنَا مَا اَطْلَقَ قُرْآنِیْ آیَاتٍ پْرَبْحٰی کِیَا جَا سَکَاتٰہِ یَعْنٰی خَمَّ قُرْآنِ پَاکِ کِی آیَاتِ کُو یَکے بَعْدِ دِیْگَرے نازل فرما کر اُن کو آپس میں مربوط کر دیا ہے۔ اللہ نے تورات کی طرح قرآن کو یکجا رگی نازل نہیں کیا بلکہ ۲۳ سال کے عرصہ میں حضورِ اخصوڑا کر کے نازل فرمایا ہے، اور اس کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مَکْثٍ وَّوَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِیْلًا (نبی السریل - ۱۶) ہم نے قرآن کو حضورِ اخصوڑا کر کے نازل کیا تاکہ تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سناؤ۔ اور ہم نے اسکو آہستہ آہستہ آراء سورۃ اٹھل میں یہ حکمت بھی بیان فرمائی ہے وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْکُمْ وَّلَعَلَّکُمْ تَعْفٰکُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْکُمْ وَّلَعَلَّکُمْ تَعْفٰکُمْ (آیت - ۱۰۴) اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ لوگوں پر واضح کر دیں جو کچھ ان کی طرف اُترتا ہے اور تاکہ وہ غمخوار نہ بنیں کہ میں نے اس کتاب کو جو آپ پر نازل کیا گیا ہے۔ تاکہ لوگ اس کے احکام اچھی طرح سیکھ سکیں، ان پر عمل کر سکیں اور اگر کسی حکم میں کوئی اشکال ہو تو اس کی وضاحت کر دی جائے، اللہ نے فرمایا ہے وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِفَصْلِیْنٰہُ تَفْصِیْلًا (نبی السریل - ۱۲) ہم نے ہر چیز کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے غرضیکہ فرمایا کہ ہم قرآن کی آیتوں کو یکے بعد دیگرے نازل کر کے جوڑتے چلے گئے ہیں تاکہ لوگ ان کو ضبط کریں، ان میں غمخوار نہ بنیں لَعَلَّکُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ تاکہ وہ ان سے نصیحت حاصل کر سکیں۔

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن اہل کتاب کی تعریف بیان فرمائی کہ جو پہلی

کتبوں پر ایمان رکھتے تھے، پھر جب قرآن نازل ہوا تو اس کو بھی قبول کیا۔
 ارشاد ہوتا ہے **الَّذِينَ اتَّخَذْتُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ** وہ لوگ
 جن کو ہم نے کتاب دی تھی اس (قرآن) سے پہلے۔ قرآن سے پہلے مشہور کتب
 سماویہ تورات اور انجیل تھیں جن کے ماننے والے یہودی اور نصاریٰ کہلاتے ہیں۔
هُم بِهِ يُؤْمِنُونَ وہ اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی
 اکثریت تو اپنی ضد اور عناد پر یہی اڑی رہی اور اللہ نے ان کے متعلق فرمایا۔ **وَآتَتْ
 أَكْثَرُكُمْ فِتْنَةً** (المائدہ - ۵۹) کہ ان کی اکثریت تو ناقرانوں کی تھی، تاہم
 ان میں بعض نبی آخر الزمان اور قرآن پاک پر ایمان بھی لائے۔ مدینہ کے بہت کم یہودی
 تھے جو مشرفؒ کے ساتھ اسلام ہوئے، عبد اللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھیوں نے ایمان قبول
 کیا، وہ بڑے عالم فاضل تھے، آپ کے دو بھتیجوں میں سے ایک ایمان لایا، جو
 صاحب علم تھا۔ تمیم ذری کا ذکر ملتا ہے۔ وہ پہلے علیؑ تھے، پھر مسلمان ہوئے۔
 بیرون عرب حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے حضرت عثمانؓ اور حضرت جعفرؓ کی دعوت
 پر ایمان قبول کیا۔ جب یہ لوگ مکے سے ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے، نجاشی کے علاوہ
 کچھ اور لوگوں کو بھی ہریت نصیب ہوئی، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
 حاضر ہو کر ایمان قبول کیا، اگرچہ نجاشی خود حضور علیہ السلام کی زیارت سے مشرفؓ نہ ہو سکا۔ حبشہ
 کے جن نصرانیوں نے ایمان قبول کیا، تاریخی روایات میں ان کی تعداد بیس کے
 لگ بھگ بنائی جاتی ہے۔ تاہم سورۃ المائدہ میں ان کی رقیق القلبی کی تعریف بیان
 کی گئی ہے **وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ قِبَلِ رَبِّهِمْ لَأَيُّهَا
 قَفِيفٌ مِمَّنِ الدَّمِيعِ مِمَّا عَرَفُوا** (آیت ۸۲) جب
 انہوں نے اس چیز کو سنا جو رسول کی طرف نازل کی گئی ہے تو آپ نے دیکھا کہ ان کی
 آنکھوں سے آنسو بہ نکلتے اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا اور ان کے دلوں
 میں ایمان راسخ ہو گیا۔ جب ابو جہل وغیرہ کو حبشہ کے ان لوگوں کی آمد کی خبر ہوئی
 تو کہنے لگے کہ یہ کتنے بیوقوف لوگ ہیں جو ابھی تحقیق کرنے کے لیے آئے ہیں۔

کہ یہاں واقعی کوئی نبی آیا بھی ہے یا نہیں، مگر ایمان قبول کر کے جا رہے ہیں۔ سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ اُن لوگوں نے یہی جواب دیا تھا جو آگے اسی درس میں آ رہا ہے یعنی ہم جاہلوں سے الجھتے نہیں۔ تمہارے کام تمہارے لیے ہیں اور ہمارے کام ہمارے لیے ہیں۔ تم جہالت پر قائم رہو۔ ہم تو ایمان لائے ہیں۔

فرمایا: وَإِذْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ اور جب پڑھ کر سنایا جاتا ہے اُن کو جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ فَالْوَعَا أُمَّتِي وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ کیونکہ یہ ہمارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ہم تو اس سے پہلے ہی فرمانبردار تھے یعنی ہمارا اس کتاب پر بھی ایمان ہے اور جس نبی پر یہ کلام اترا ہے، ہم اس کی رسالت کی بھی گواہی دیتے ہیں۔ اللہ نے ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا۔ أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا کہ اُن کو دہرا اجر دیا جائے گا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا۔ پہلے وہ سابقہ دین پر ایمان رکھتے تھے، مگر جب اللہ کا آخری نبی آگیا تو اس کو تسلیم کیا اور اُس پر نازل ہونے والی کتاب کو مانا جس کی وجہ سے انہیں طرح طرح کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، مگر انہوں نے صبر و استقامت کا دامن نہ چھوڑا اور اللہ کے سچے دین پر چبے ہے، یہ لوگ دوسرے اجر کے مستحق ٹھہرے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جس شخص کے پاس کوئی مکتبی، اُس نے اُس کی تعلیم و تربیت کا اچھا انتظام کیا۔ پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا حالانکہ وہ بحیثیت کوٹھی بھی اس سے استفادہ کر سکتا تھا تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ دوسرا اجر عطا فرمائے گا۔ دوسرا وہ شخص بھی دوسرے اجر کا مستحق ہے جو کسی کا غلام ہے، آقا کی خدمت بھی کرتا ہے اور خدا کی عبادت بھی اچھے طریقے سے کرتا ہے، اس میں کمی نہیں آنے دیتا۔ فرمایا تیسرا شخص وہ ہے کہ پہلے نبی اور پہلی کتاب پر ایمان رکھنا تھا جب اللہ کا آخری نبی آیا، اور اس کی آخری کتاب آئی، تو وہ اُن پر بھی ایمان لایا۔ یہ بھی دوسرے اجر کا مستحق ہے۔

دوسرے
کے مستحقین

شیخ ابن عربی بات اس طرح سمجھاتے ہیں کہ اہل کتاب کو دوسرا اجر اس وجہ سے
 ملے گا کہ پہلے وہ اپنے نبی اور اپنی کتاب پر ایمان رکھتے تھے، پھر جب حضور خاتم النبیین
 علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو وہ آپ پر اور قرآن پر بھی ایمان لائے۔ چونکہ
 حضور علیہ السلام تمام البقا انبیاء کے مصدق ہیں۔ لہذا آپ کے ضمن میں بھی اپنے نبی
 پر ایمان لانا ثابت ہوا۔ آخری امت کے لوگوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ تمام
 نبیوں پر ایمان لائیں کیونکہ ایک نبی کا انکار بھی کفر کے مترادف ہے۔ بہر حال اہل کتاب
 کلنے نبی پر دوسرے ایمان لانا ثابت ہوا۔ لہذا انہیں دوسرے اجر کی بشارت
 دی گئی ہے۔

برائی کے
 بدلے بھلائی

ان لوگوں کی ایک اور صفت یہ بیان کی گئی ہے وَيَذَرُونَ بِالْحَسَنَةِ
السَّيِّئَةَ اور ہٹاتے ہیں سچی کے ساتھ برائی کو۔ مطلب یہ کہ ایسے لوگ برائی کا جواب
 برائی سے دینے کی بجائے بھلائی سے دیتے ہیں۔ کسی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش
 آنا بلاشبہ دوسرے کو متاثر کرتا ہے اور اس کے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے۔ پھر یہی چیز
 ایمان مت بدل کرنے کی بنیاد بھی بنتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ
 بن جبلؓ سے فرمایا تھا اتبع السيئة الحسنة اگر کوئی برائی کا کام ہو جائے
 تو اسکے بعد فوراً نیکی کرو۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں آتا ہے کہ برائی کے بعد
 نیکی کرو گے تو برائی مٹ جائیگی۔ سورۃ ہود میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی موجود ہے
إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (آیت - ۱۱۴) بیشک نیکیاں برائیوں
 کو مٹا دیتی ہیں۔ تو یہاں بھی اللہ نے برائی کے بدلے نیکی اختیار کرنے کی تعریف فرمائی ہے
 فرمایا جو لوگ دوسرے اجر کے مستحق بنتے ہیں ان کی ایک صفت یہ بھی ہے
وَمِمَّا زَكَّاهُمْ يَنْفِقُونَ اور جو کچھ ہم نے ان کو حلال روزی دی ہے
 اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ حکم صرف اہل کتاب کے لیے ہی مخصوص نہیں بلکہ
 تمام اہل ایمان کے لیے الفاق فی سبیل اللہ جزو ایمان ہے۔ اس ضمن میں سب
 سے پہلے فرائض کو پورا کیا جائیگا، پھر واجبات اور مستحبات وغیرہ۔ ان اخراجات
 ملے مظہری ۱۶۵ (فیاض)

الفاق فی
 سبیل اللہ

میں زکوٰۃ کو اولیں حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہ اللہ نے ہر صاحبِ نصاب پر فرض قرار دی ہے۔ اس کے بعد صدقہ فطر ہے، قربانی ہے۔ جن لوگوں کے حقوق تم پر حقوق واجبہ کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے حقوق ادا کرو، حج اور عمرہ کے لیے خرچ کرو۔ مسافروں، غریبوں، مساکین اور ناداروں کی خیر رکھو۔ خرچ کی یہ تمام ہدایت قرآن پاک اور احادیث نبوی میں مذکور ہیں۔ پھر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کن امور پر خرچہ ضروری اور کون سی جگہ حرام ہے۔ ظاہر ہے کہ سولوب، کھیل کود، اسراف و تبذیر، رسم و رواج اور شو بازی کے لیے خرچ کرنا کچھ مفید نہیں ہو سکتا بلکہ الٹا وبال ہو گا۔ گویا ناجائز مقامات پر خرچ کرنے سے دین اور دنیا دونوں برباد ہوئے۔ بہر حال جس خرچ کی تعریف بیان کی گئی ہے وہ جائز اور امورِ ضروریہ کے اخراجات ہیں۔

لغوئیات
سے اجتناب

دوہرے اجر والوں کی اللہ نے یہ صفت بھی بیان فرمائی ہے وَإِذَا سَأَلَ سَعًا
اللَّهُوَ أَعَرَضْنَا عَنْهُ جب وہ کسی بیہودہ بات کو سنتے ہیں تو کنارہ کشی اختیار
کرتے ہیں وَقَالُوا لَنْ نَعْمَالَكَ وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ اور یوں
کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں
ہم تمہاری لغویات میں حصہ نہیں لیتے، تم اپنا کام کرتے رہو، ہم اپنا نیچے کا کام انجام
دیتے رہیں گے۔ یہ لوگ یوں کہہ کر فضولیات سے بچ نکلتے ہیں سَلِّمْ عَلَيْنَا
تم پر سلامتی ہو لَا تَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ہم جاہلوں کی تلاش میں نہیں بہتے یعنی
تم ہم ان کو منہ لگاتے ہیں اور نہ ان سے اچھتے ہیں۔ سلام دو قریم کا ہوتا ہے، ایک
ملاقات کا کہ دو ذمہ آپس میں ملنے وقت السلام علیکم کہتے ہیں اور دوسرا
سلام تشرکت کہلانا ہے جس سے علیحدگی مل رہی ہوتی ہے کہ ہمارا آپس میں بوجہ نہیں
ہو سکتا، نیک اور بد اکٹھے نہیں چل سکتے، لہذا ہم تم سے علیحدگی اختیار کرتے
ہیں۔ جب تم کسی کی بات کو سننے، سمجھنے اور ماننے کے لیے تیار نہیں تو پھر
ہمارا اور تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو تسلی دی ہے جُزِئَ لَكُمْ

مذہب
پرست
خدا

کی شدید خواہش تھی کہ ساری مخلوق ہدایت حاصل کرے خدا کے غضب سے بچ جائے مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ بات آپ کے دائرہ کار میں نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ جِسْمِ اَبِى جَاهِلٍ اَسْمٰى رَاہِ رَاسِطٍ پرنہیں لاسکتے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ وَبِاللّٰهِ رَاہِ رَاسِطٍ پر لانا ہے جس کو چاہتا ہے۔ یہ اختیار اُس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے وَهُوَ اَعْلَمُ بِاللّٰهِ هَتَدِيْنِ اور وہی بہتر جانتا ہے ہدایت پانے والوں کی۔ اُسے علم ہے کہ ہدایت حاصل کر لیجی استعداد کون رکھتا ہے اور کون اس سے محروم ہے صحیح احادیث میں حضور علیہ السلام کے چچا ابوطالب کا واقعہ مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام کی شدید ترین خواہش کے باوجود اس نے ایمان قبول نہ کیا۔ ابوطالب کے آخری لمحات میں حضور علیہ السلام کے سر ہانے موجود تھے۔ آپ نے آخری کوشش کی اور کہا یا عَمَّ قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ لَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنِّىْ مِمَّنْ جَعَلَ لَالِا لَ اللّٰهِ کہہ دے میں قیامت کے دن تیرے حق میں گواہی دوں گا۔ مگر اس نے یہ دعوت قبول نہ کی بلکہ انکار کر دیا اور کہا کہ میں اپنے آباؤ اجداد کے دین پر ہی مرنے چاہتا ہوں۔ حضور علیہ السلام کو بڑا صدمہ ہوا کیونکہ ابوطالب نے زندگی بھر آپ کا ساتھ دیا تھا۔ آٹھ سال کی عمر میں آپ کو کفالت میں لیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دس سال بھی آپ نبوت کے اظہار میں آپ کا ساتھ بھی دیتا رہے حتیٰ کہ شعب ابی طالب میں آپ کے خاندان کے ہمراہ تین سال تک نظر بند بھی رہا مگر خاتمہ کفر اور شرک پر ہی ہوا، ایمان قبول نہیں کیا۔

مشرک
لیے د

جب ابوطالب نے ایمان لانے سے صاف انکار کر دیا تو حضور علیہ السلام نے مایوسی کے عالم میں فرمایا کہ میں تیرے لیے اس کے سوا کیا کر سکتا ہوں۔

لَا سَتَعْفِيَنَّ لَكَ كَمْ تِيرَةً لِيَعْبُدَكَ كَيْفَ تَشَاءُ رُوکْ نَدِيَا جَانِي۔ اس کے جواب میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا اَنْ يَّسْتَعْفُوا وَلِلّٰهِ يَسْتَرْكَبُ لِيُنزِلَ اِذَا ضَرَّتْ

كَانُوا أَوْلَىٰ قُرْبَىٰ مِمَّا بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ
 أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (التوبہ - ۱۱۳) نہ تو یہ نبی کی شان ہے اور نہ کسی دوسرے
 مومین کی کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں اگرچہ وہ ان کے قرا تبار
 ہی کیوں نہ ہوں، لہذا اس کے کہ ان پر واضح ہو گیا کہ یہ لوگ جہنم والے ہیں بطلب
 یہ کہ اگر کسی کا باپ، بیٹا، بھائی، بیوی، چچا، بھتیجا کوئی بھی ہو اگر اس کا خاتمہ کفر
 شرک پر ہوا ہے تو اس کے لیے بخشش کی دعا کرنا حرام ہے۔ ہاں! اس کی زندگی
 میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہر اہمیت نصیب فرمادے
 اور اگر وہ نہیں مانتا تو پھر نبی کی دعا بھی مقبول نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب راہ راست
 پر لانا پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہے۔ تو پھر کوئی ولی، بزرگ یا پیر کیا کر سکتا ہے؟
 آج تو لوگ کہتے ہیں کہ پیر کا دامن پکڑ لیا تو بیڑا پار ہو جائے گا، مگر نہ عقیدہ درست
 ہے، نہ اخلاق اور نہ اعمال تو بیڑا کیسے پار ہوگا؟ سرشاران برحق کا کام سیدھا راستہ
 بتانا ہے، لوگوں کی تربیت کرنا ہے۔ حق و باطل سے روشناس کرنا ہے، مگر
 منزل مقصود تک پہنچانا اللہ کا کام ہے۔

وَقَالُوا إِن نَّبِيعِ الْهُدَى مَعَكَ نَتَخَطَّفُ مِنْ أَرْضِنَا
 أَوَلَمْ نَمُكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَى إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ
 كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۹﴾
 وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا، فَتَلَّكَ
 مَسْكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا وَكُنَّا
 نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿۶۰﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى
 حَتَّى يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا
 وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَى إِلَّا وَأَهْلِهَا ظَالِمُونَ ﴿۶۱﴾ وَمَا
 أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتِهَا
 وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۲﴾

۶۰-۶۱

توجہ :- اور کہا (اُن کفار و مشرکین نے) اگر ہم تابداری کریں
 پریت کی آپ کے ساتھ تو آپکے لیے جائیں گے ہم اپنی
 سرزمین سے (فرمایا) کیا ہم نے نہیں جگہ دی ان کو حرم
 میں بحالت امن - کھینچ کر لائے جاتے ہیں اس کی طرف پھیل
 ہر قسم کے - یہ روزی ہے ہماری طرف سے ، لیکن اکثر ان
 میں سے سمجھ نہیں سکتے ﴿۵۹﴾ اور بہت سی ہلاک کیں ہم نے
 بتیاں کر، وہ اترا گئی تمہیں اپنی معیشت میں - پس یہ اُن کے

ٹھکانے ہیں کہ نہیں رہائش اختیار کی گئی اُن کے بعد مگر بہت کم، اور ہم ہی وارث ہیں (۵۸) اور نہیں تیرا پروردگار ہلاک کرنے والا بستیوں کو یہاں تک کہ بھیج دے اُن کی مرکزی بستیوں میں رسول جو پڑھتے ہیں اِن پر ہماری آئین اور ہم نہیں ہلاک کرتے بستیوں کو مگر اس حال میں کہ اُن کے رہنے والے ظالم ہوتے ہیں (۵۹) اور جو چیز دی گئی ہے تم کو یہ سامان ہے۔ دنیا کی زندگی کا اور اُس کی زینت ہے۔ اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ (۶۰)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کا شکوہ بیان کیا تھا کہ وہ ہدایت کی عدم قبولیت کے لیے طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے کام لیتے ہیں۔ اور ساتھ اہل ایمان کو تسلی بھی دی کہ اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کے لیے اللہ کے ہاں دوسرا اجر ہے۔ اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے محروم رہنے والوں کے ایک حیلے بہانے کا ذکر کیا اور اُس کا جواب بھی دیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَقَالُوا لَآ اَن نَّخْبِذَ اِلٰى مَعَدَا اَوْ رُوٰى كَتْمًا اور وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں نُتَخَطَفُ مِنْ اَرْضِنَا تو ہم اچکے لیے جائیں گے اپنی سرزمین سے۔ یعنی اگر ہم نے ایمان قبول کر لیا تو ہمیں مخالفین سے اپنی جانوں اور مال کا خطرہ ہے، وہ ہمیں مار ڈالیں گے۔ یہ قبول حق سے انکار کا محض ایک بہانہ تھا، اور اگر ایسی کوئی بات نہ تھی۔ بعض مشرکین نے خود حضور علیہ السلام سے بھی عرض کیا کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ برحق ہیں مگر ہم ایمان لا کر سارے عرب کو اپنا دشمن نہیں بنا لینا چاہتے۔ اطراف کے سارے قبائل ہم پر چڑھائی کر دیں گے۔

اللہ نے جواباً فرمایا اَوَلَمْ نَجْعَلْ لَكُمْ دَارًا کہ تم نے انہیں حرم

آیات

ہم

کے اندر امن کی حالت میں جگہ نہیں دی؟ سورۃ القریش میں بھی ہے لَا تَلِيْفَ قُرَيْشٍ
 الْفِيْهِمْ رِحْلَتُهُ السَّائِرِ وَالصَّيْفِ اللّٰهُنَّ قَرِيْشٌ كُوْلُوْكُمْ كَيْفَ تَشَاءُوْنَ
 مَا لَوْسُ كَرِيْمًا تَحْتًا، وہ موسم گرما اور سرما میں سفر کرتے تھے مگر انہیں کوئی کچھ نہیں کہتا
 تھا۔ فرمایا اللہ نے ان کے لیے راستے ہی مامون نہیں کر دے بلکہ اَطْعَمَهُمْ
 مِّنْ جَوْجٍ وَّ اَمْنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ بَلْكَ انہیں ٹھوک کی حالت میں کھانا بھی
 کھلاتا ہے اور خوف سے مامون بھی رکھتا ہے۔

نزولِ قرآن کے زمانے میں سرزمینِ عرب میں امن و امان کی حالت اس قدر
 محفوظ تھی، کہ آٹھ ماہ تک لوٹ مار کا بازار گھرم رہتا کوئی شاہراہ محفوظ
 نہیں تھی ہر طرف ڈاکوؤں کی عملداری ہوتی اور ہنسی کوئی قافلے تھے پٹھ جاتا لوٹ لیا
 ہے، مقابلہ ہونا، قتل و غارت ہوتی اور اس طرح سال کا دو تہائی حصہ غیر محفوظ رہتا۔
 صرف چار حرمت والے یعنی اللہ تھے جن میں لوٹ مار اور لڑائی جھگڑا بند ہوتا تھا اور عام طور پر
 تجارتی قافلے اپنی مہینوں میں سفر کرتے تھے۔ اس کی تصدیق حضور علیہ السلام کی حدیث
 سے بھی ہوتی ہے کہ میں نے اطراف میں رہنے والے قبیلہ عبد القیس کے کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ
 کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں آپ ناک پہنچے ہیں طبری مشکلات کا
 سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے راستے میں قبیلہ مضر ہے جس کے کافر حرمت والے
 مہینوں کے علاوہ ہمارے راستے میں ہمیشہ مزاحم ہوتے ہیں۔ لہذا آپ ہمیں کوئی
 جامع مانع تعلیم ارشاد فرمادیں تاکہ ہم اس پر عمل کرتے رہیں اور بار بار آپ کی خدمت
 میں نہ آنا پڑے۔

اس تمام تر اذیت و تفریق کے باوجود مکہ کی سرزمین ایک ایسا خطہ تھا جو سارا سال
 مامون رہتا تھا۔ بیت اللہ شریف کی حرمت کی وجہ سے لوگ سارے حرم شریف
 کا احترام کرتے تھے اور یہاں کسی قسم کا جنگ و جدل یا لوٹ مار نہیں ہوتی تھی۔ بیت
 شریف ہی کے حوالے سے پورا عرب اس کے متولیانِ قریش کا بھی احترام کرتے
 تھے۔ ان کو پیر زادے مانتے، ان کی عزت کرتے اور سالہا سال یہ جہاں جانا چاہیں
 انہیں کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی تھی حتیٰ کہ ان کے تجارتی قافلے بھی بحفاظت منزل

مقصود تک پہنچ جاتے تھے۔

اس پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو جواب دیا ہے کہ تم کہتے ہو کہ اگر ایمان لے آئے تو عرب قبائل میں کھا جائیں گے، بھلا یہ تو بناؤ کہ اب تمہاری حفاظت کون کرنا ہے جب کہ پورے عرب میں لوٹ مار کا بازار گرم ہونا ہے؟ فرمایا کیا ہم نے تمہیں امن والے عزم شریف میں جگہ نہیں دی۔ جس خدا تعالیٰ نے اس وقت تمہاری حفاظت کا انتظام کر رکھا ہے کیا وہ ایمان لانے کے بعد تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دے گا؟ اللہ نے فرمایا تمہیں یاد نہیں کیفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ (الفیل ۱) اللہ نے ایتھیوں والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جو لوگ بیت اللہ کی حرمت کے پورے ہوئے تھے انہیں چھوڑے پھوڑے پرنندوں کے ذریعے تباہ کر دیا اور نہ صرف بیت اللہ کی حفاظت فرمائی بلکہ تمہارے اوپر بھی کوئی ایسے ہیج نہیں آنے دی۔ تو اب تم کیسے کہتے ہو کہ محض ایمان لانے کی وجہ سے مارے جاؤ گے۔

فرمایا یہ وہ عزم پاک ہے جیجی اَلَيْسَ نَحْمَلُ كُلَّ شَيْءٍ رِزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا كَمَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ قَوْمٍ بِرِجَالٍ مُّسَبِّحِينَ ﴿۱۰۰﴾
 کا علاقہ بالکل بے آب و گیاہ خشک پہاڑ ہے جہاں نہ کوئی درخت ہے نہ سبزہ۔ بس چھلاتی دھوپ اور سڑنے ہوئے پہاڑ۔ اس طرح کے علاقے میں ہر قسم کے پھلوں کی فراوانی محض تائید خداوندی سے ممکن ہے۔ یہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا ثمرہ ہے۔ جو انہوں نے حضرت بلجبرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو اس مقام پر آباد کرتے ہوئے کی تھی وَادْرُقَهُمْ مِنَ الشَّجَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿۱۰۱﴾ (ابراہیم ۲۷) پروردگار! انہیں پھلوں سے روزی دے تاکہ تیرا شکر ادا کریں۔ آپ نے یہ بھی دعا کی اے پروردگار! اِسْ كُمْ كَرَامًا وَالْاِبْنَانِ لِي - وَادْرُقْ اَهْلَهُ مِنَ الشَّجَرَاتِ مَنْ اَمِنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ (البقرہ ۱۲۷) یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں کا رزق عطا فرما۔ جو ان میں سے ایمان لے آئیں۔ اللہ نے فرمایا کہ البتہ کافروں کو بھی کچھ فائدہ پہنچاؤں گا۔ ثُمَّ اضْطُرُّهُمُ الْاٰلِ

حرم میں
شکر آوری

عَذَابِ النَّارِ (البقرہ - ۱۲۶) اور پھر گھسیٹ کر جہنم میں بھی داخل کر دوں گا۔ بہر حال اللہ نے قریش مکہ کو یاد دلایا کہ اُس نے پہلے ہی نہ صرف امن سے رکھا ہے بلکہ تمہاری روزی کا بندوبست بھی کمال درجے کا کر دیا ہے اب ایمان کی عدم قبولیت کا تمہارا کوئی حیلہ بنا نہ قابل قبول نہیں ہے۔ فرمایا وَلَٰكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ وہ اپنی لاعلمی اور بے سمجھی کی وجہ سے ہی باتے تلاش کرتے ہیں۔ فرمایا اگر تم کفر و مشرک کو چھوڑ کر ایمان اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرو گے تو اللہ پہلے سے کہیں بڑھ کر تمہاری حفاظت کرے گا۔ کیونکہ اس کا فیصلہ ہے وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (الاعراف - ۱۲۸) اچھا انجام متقیوں کے لیے ہی مخصوص ہے۔

خوشحال
اقوام کی
ہلاکت

اگلی آیت میں اللہ نے ناشکر گزاروں کو سزا دینے کا قانون بیان فرمایا ہے۔
وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِ أَبْطَرَتْ مَعِيشَتَيْهَا اور کتنی ہی
بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا جو اپنی معیشت میں اترا گئی تھیں۔ بطر کا معنی اکھڑا اور تکر
ہونا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کی وجہ سے
غرور و تکبر میں مبتلا ہو چکے تھے۔ وہ آسودہ زندگی کا شکر یہ ادا کرنے کی بجائے اپنی
گنہگارن پر اترا نے لگے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا
اللہ نے مکہ والوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ دیکھو! ہم نے بہت سی قوموں کو ہلاک کیا
فَتِلْكَ مَسَلِكُهُمْ لَمْ تَسْكُنْ مِنْهُمْ بَعْدَهُمُ الْأَقْلِيَّةُ
یہ ان ہلاک شدگان کی رہائش گاہیں ہیں جن میں ان کے بعد بہت کم ہی رہائش اختیار کی
گئی ہے۔ سابقہ اقوام کے اکثر مہلات کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ قوم نمود
کے کھنڈرات آج تک موجود ہیں مگر وہاں کوئی رہائش نہیں ہے جب متنبی شاعر مضر
گیا تو اُس نے اہرام مصر کے بعض نمونے دیکھ کر کہا تھا۔

أَيُّنَ الَّذِي الْهَرَمَانَ مِنْ بُنْيَانِهِ
مَا قَوْمَهُ مَا يَوْمَهُ مَا الْمَصْرَعِ

کہاں گئے وہ لوگ جنہوں نے یہ اہرام بنائے تھے۔ اُن کی قوم کہ گھر گئی اور ان کے وہ تاریخی ایام کیا ہوئے جب وہ دن ماتے پھرتے تھے یہ لوگ کسی کو نگاہ میں نہیں لاتے تھے۔ مگر دیکھو! اللہ نے انہیں کس طرح ہلاک کیا۔ کسی کو زلزلہ کے ذریعے تباہ کیا گیا کسی پر طوفان بھیجا گیا اور کسی پر چیخ مسلط کی گئی۔ فرمایا وہ مغرور لوگ تو صفحہ ہستی سے مٹ

گئے وَكَانَ خُنُوفًا رِيبًا اب ہم ہی ان کے وارث ہیں کہ نام اللہ کا اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہلاکت اقوام کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمَمٍ رَسُولًا تَسْأَلُوا عَلَيْهِمْ أَنبَاءَ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ أَوَّلَ آيَاتِنَا اور تیرا پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ اُن کی مرکزی بستیوں میں رسول نہ بھیج دے جو اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب قوم لوط کو اللہ نے تباہ کیا تو اُن کی مرکزی بستی مدینہ میں لوط علیہ السلام کو بھیجا۔ آپ نے سال ہا سال تک حق تبلیغ ادا کیا۔ مگر قوم نہ مانی، آخر تباہ ہوئی۔ اسی طرح مدین، وادی قری اور تبوک وغیرہ کی بستیوں میں اللہ نے صالح علیہ السلام کو بھیجا۔ لوگوں کو خبردار کیا۔ یمن کے متمدن علاقے میں ہود علیہ السلام کو بھیجا۔

بہر حال اللہ نے ہر قوم کی مرکزی بستیوں میں اپنے پیغمبر یا اُن کے نائبین بھیج کر حجت تمام کی اور پھر جب وہ راہِ راست پر نہ گئے تو عذاب الہی نے اُن کو چھڑ لیا۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے وَمَا كُنَّا مَعَذِبِينَ حَتَّىٰ يَبْعَثَ رَسُولًا (آیت ۱۵) ہم کسی کو عذاب نہیں دیتے جب تک وہاں رسول نہ بھیج لیں اور اچھی طرح سے

بات سمجھا نہ دیں۔ اللہ نے بدروالوں کے متعلق بھی فرمادیا لِيَهْلِكَ مِمَّا هَلَكَ عَنْ آيَاتِنَا وَيُحْيِي مِمَّا مَاتَ حَتَّىٰ عَنْ مَسْئَلَتِهِ (الانفال - ۲۲) بات پوسے طریقے سے واضح ہو چکی ہے۔ اب جس کو ہلاک ہونا ہے وہ کھلی دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ کھلی دلیل کے ساتھ زندہ ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بلا وجہ ہلاک نہیں کرتا، بلکہ ہلاک ہونے والی قوم خود اپنی کرتوتوں کا خمیازہ بھگتتی ہے۔ فرمایا وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِي

ہلاکت کے
تمام حجت

الْقُرَىٰ إِلَّا وَآهْلِهَا ظَلِمُونَ ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا سگریہ کہ
 اُس کے باشندے ظالم لوگ تھے۔ سورۃ ہود میں ہے وَمَا كَانَ رَبُّكَ
 لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلِهَا مَظْلُومُونَ (آیت ۱۱۷) تیرا
 پروردگار کسی بستی کو ظلم کے ساتھ ہلاک نہیں کرتا جب کہ اُس کے باشندے اصلاح
 پذیر ہوں۔ صرف ظالموں کو ہی ہلاک کیا جاتا ہے۔

جن پرانی قوموں کی ہلاکت کا ذکر قرآن پاک یا تاریخ میں مذکور ہے۔ وہ ظالم
 لوگ تھے قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط، قوم نوح، قوم ابراہیم، بابل، عراقی سب
 نابھجار تھے۔ جن کو خدا نے ہلاک کیا۔ قریش مکہ نے بھی اپنے نبی کے ساتھ نہایت
 ظالمانہ سلوک کیا حتیٰ کہ انہیں ہجرت پر مجبور کر دیا۔ یہ سب مجرم اور سخت گنہگار لوگ
 تھے جو ہلاک ہوئے۔ اللہ نے ہلاکتِ اقوم کی یہ حکمت بھی بیان کر دی ہے۔

دنیاوی منافع
 کی حیثیت

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ جس دنیا کجاظلم ایمان کو قبول نہیں کرتے اُس کی حیثیت
 تریہ ہے وَمَا أُوتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
 وَزِينَتُهَا تھیں جو چیزیں بھی دی گئی ہیں، وہ دنیا میں فائدہ اٹھانے کا سامان
 اور اس کی زینت ہے۔ اس مادی حیات کی ہر چیز غرضی ہے جس سے چند روز
 تک ہی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور بالآخر اس کو ختم ہونا ہے۔ صاحب تفسیر کشاف
 لے حضرت عبداللہ بن عباس کا قول نقل کیا ہے الْمُؤْمِنُ يَتَنَزَّلُ مِنَ الْمَنَافِقِ
 يَتَنَزَّلُ وَالْكَافِرُ يَتَمَتَّعُ مومن آدمی دنیا میں صرف توشہ اختیار کرتا
 ہے، منافق زینت میں مشغول ہو جاتا ہے اور کافر خوب فائدہ اٹھاتا ہے
 ظاہر ہے کہ اصل کردار تومومن کا ہی ہے جو اس دنیا کو عارضی سمجھ کر صرف زادہ راہ
 پر ہی قناعت کرتا ہے اور دنیا کو جمع کرتے کی کوشش نہیں کرتا۔ منافق اس دنیا
 کی رنگینوں میں اٹھ کر رہ جاتا ہے، اور کافر تو اول و آخر دنیا کو ہی سمجھ لیتا ہے۔
 ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا وَيَا كُفْرًا كَمَا تَأْكُلُ
 الْأَنفَامُ (محمد ۱۲) پھر وہ جانوروں کی طرح کھانے لگتے ہیں۔ ان کی زندگی کا

مقصود ہی کھانا اور فائدہ اٹھانا ہوتا ہے مگر یہ چیزیں ان کی زندگی تک ہی محدود ہوتی ہیں، جب موت آجاتی ہے تو اگے اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جاتے ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی کتاب "فتوح الغیب" میں لکھتے ہیں **الْمَتَارِفُ لِقَافٌ وَالْمُؤْمِنُ وَقَافٌ** یعنی منافق بھگتے والا ہوتا ہے اور مومن کئے والا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منافق آدمی کے ہاتھ جو چیز آجائے۔ وہ حلال حرام، جائز ناجائز کی تمیز کیے بغیر اُس کو کھا لیتا ہے جب کہ مومن آدمی کھانے سے پہلے رک کر دیکھ لیتا ہے کہ خورد و نوش کی اشیاء کی کیا حیثیت ہے، جب تک تسلی نہ ہو مومن آدمی ہاتھ نہیں بڑھاتا۔ خود حضور علیہ السلام کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی چیز پیش کی جاتی تو آپ دریافت کرنے کہ یہ کیا چیز ہے اور کہاں سے آئی ہے؟ اگر ہر یہ ہونا تو قبول فرما لیتے اور تناول فرماتے اور اگر صدقہ ہوتا تو کہتے کہ یہ ہمارے لیے روانہ نہیں ہے۔ گویا مومن کی شان یہ ہے کہ وہ حلال و حرام میں امتیاز کرتا ہے۔ مومن اس بات میں غور کرے گا کہ اس کی خوراک، اس کا لباس، اُس کا مکان اور اُس کے دیگر لوازمات جائز ذرائع سے حاصل ہوئے ہیں یا ناجائز ذرائع سے مومن ہر کام کرنے سے پہلے وقوف کرتا ہے، غور و فکر کرتا ہے اور پھر عملی قدم اٹھاتا ہے۔

فرمایا دنیا کا منافع تو اسی دنیا تک محدود ہے اور ختم ہو جانے والا ہے **وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى** اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے۔ وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ دنیا کے عارضی مال و منافع کے مقابلے میں اللہ کی طرف سے آخرت کے مقامات اور انعامات دیرپا ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ دنیا کی محفلیں، یہاں کی رونقیں، کھانے، لباس، عمارات ہر چیز فانی ہے، لہذا انسان کو دنیا کی چیزوں میں دل نہیں لگانا چاہیے۔ بلکہ محض ضرورت کے مطابق ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ انسان کا آخری مقام اللہ کے پاس ہے، اس کی فکر کرنی چاہیے۔ فرمایا

مومن اور منافق کی مثال

خیر و بقا عند اللہ ہے

اَفَلَا تَعْقِلُونَ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ دنیا و آخرت کا تقابل پیش کر دیا ہے۔ اب غور و فکر کر کے ان میں سے انتخاب کرنا تمہارا کام ہے۔ دنیا کی زندگی پر مفتون ہو کر آخرت کو فراموش کر دینا بد بختی کی علامت ہے۔

أَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ كَسَنٍ مَّتَعْنَاهُ
 مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ
 الْمُحْضَرِينَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِي
 الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ
 الْقَوْلُ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا، أَغْوَيْنَهُمْ كَمَا
 أَغْوَيْنَا، تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾
 وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمُ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا
 لَهُمْ وَرَأَوْا الْعَذَابَ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾
 وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾
 فَعَبَّيْتُمْ عَلَيْهِمُ الْآنْبَاءَ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٦﴾
 فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ
 يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ
 وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ
 عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ
 وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ
 فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٧٠﴾

ترجمہ۔- بھلا وہ شخص جن کے ساتھ ہم نے وعدہ کیا ہے اچھا وعدہ، پس وہ اس سے ملنے والا ہے، تو کیا یہ اُس کی مثل ہو سکتا ہے جس کو ہم نے فائدہ پہنچایا ہے دنیا کی زندگی کے سامان کا، پھر وہ قیامت کے دن پکڑے ہوئے لوگوں میں حاضر کیا جائے گا (۶۱) اور جس دن وہ پکڑے گا اُن کو اور فرمائے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے باسے میں تم گمان کرتے تھے (۶۲) تو کہیں گے وہ لوگ جن پر ثابت ہو چکی ہوگی بات، اے ہمارے پروردگار! یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا۔ ہم نے ان کو گمراہ کیا، جس طرح خود ہم گمراہ ہوئے۔ ہم بیزاری کا اعلان کرتے ہیں تیرے سامنے کہ یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے (۶۳) اور کہا جائے گا بلاؤ اپنے شریکوں کو، پس وہ بلائیں گے، پس نہیں جواب دے سکیں گے اُن کو۔ اور دیکھیں گے عذاب کو اپنے سامنے (اور افسوس کریں گے) اکاش وہ ہدایت پانے والے ہوتے (۶۴) اور جس دن وہ پکڑے گا اُن کو اور کہے گا کہ تم نے کیا جواب دیا رسولوں کو (۶۵) پس تاریک ہو جائیں گی اُن پر خبریں اُس دن۔ پس وہ نہیں ایک دوسرے سے پوچھیں گے (۶۶) بہر حال وہ شخص جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیا، پس امید ہے کہ یہ لوگ فلاح پانے والوں میں ہوں گے (۶۷) اور تیرا پروردگار پیدا کرنا ہے جو چاہے، اور پسند کرتا ہے۔ نہیں ہے ان لوگوں کے لیے اختیار۔ پاک ہے اللہ کی ذات اور بلند ہے اُن چیزوں سے جن کو یہ لوگ اُس

کے ساتھ شریک بتلاتے ہیں (۶۸) اور تیرا پروردگار جاننا ہے جو چھپاتے ہیں ان کے سینے اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں (۶۹) اور وہی ہے اللہ، نہیں کوئی معبود اس کے سوا، اسی کے لیے ہے تعریف دنیا اور آخرت میں اسی کے ہاتھ میں ہے حکم، اور اسی کی طرف تم سب لوٹنے جاؤ گے (۷۰)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا شکوہ بیان کیا تھا اور پھر ان کے بڑے انجام کا ذکر کیا تھا۔ اللہ نے ان کی گرفت کا ذکر کیا کہ وہ ظلم و تعدی کرنے والوں کو ہی پکڑتا ہے۔ پھر اللہ نے دنیا کے ساز و سامان کی ناپائیداری کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اللہ کے ہاں جو نعمتیں ہیں وہ ہمیشہ ہنسنے والی ہیں اللہ نے انسان کو ترغیب دلائی کہ عقل سے کام لیں اور پائیدار چیزوں کو اختیار کریں اور عارضی چیزوں میں دل نہ لگائیں۔ اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور نیکی والوں کا تعاقب کفر، شرک اور برائی والوں سے کیا ہے۔ اس کے بعد رسالت کا ذکر ہے اور پھر توحید و خداوندی کی تائید اور شرک کی تردید فرمائی ہے۔

رابط آیات

ارشاد ہوتا ہے اقْمِنْ وَعَدْنَاهُ وَعَدًا حَسَنًا فَهُوَ لَا يَخِفُّ مَهْلًا وَه

نیکے بد کا
تقابل

شخص جس کے ساتھ ہم نے اچھا وعدہ کیا ہے اچھا وعدہ اور وہ اس کو پانے والا ہے كَمَنْ مَتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو ہم نے صرف دنیا کی زندگی میں فائدہ اٹھانے کا سامان دیا ہے۔ تَسْمَعُ هُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِّينَ پھر وہ قیامت والے دن (مجرموں کے ساتھ گرفتار) لوگوں میں حاضر کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ایک نیک آدمی جس کے ساتھ اللہ نے بھلائی کا وعدہ کر رکھا ہے، وہ مجرموں کے ساتھ گرفتار شخص کے برابر کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ایمان اور نیکی والے کو وعدے کے مطابق نہایت اچھا مقام عطا کرے گا، اس کو انعام و اکرام سے نوازے گا، وہ عیش و آرام کی دائمی زندگی بسر کرے گا، اُسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور وہ خدا کی رحمت کے مقام میں داخل ہوگا۔ دوسری

طرف وہ شخص ہے جو اس دنیا کے ساز و سامان پر ہی رکھ دیا گیا ہے، اس چند روزہ زندگی کی رنگینیوں میں ہی الجھ کر رہ گیا ہے اور آخرت کی دائمی زندگی کا کچھ خیال نہیں کرتا، اوہ بھلا نیک آدمی کے ہم پلہ کیسے ہو سکتا ہے جو دائمی نعمت میں ہوگا۔

مجبورانِ ہلال
کا اعلانِ تیری

ارشاد ہوتا ہے وَيَوْمَ يَبْئُرُهُمْ قَوْلُ آيَةِ شُرَكَائِهِمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ اور جس دن (ان کا پروردگار) ان کو پکار کر کہے گا۔ کہاں ہیں میرے وہ شرکاء جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے کہ یہ تمہاری مشکلات حل کر دیں گے اور تمہاری حاجت روائی کریں گے۔ تم نے ان کو خدائی میں حصہ دار بنا لیا تھا، اب بلاؤ تو ان کو اپنی حمایت میں کہ تمہاری مدد کریں۔ اب ان شرکوں سے تو کوئی جواب نہیں بن پڑے گا، البتہ ان مجبوروں کو حاضر کیا جائے گا جن کی یہ لوگ پوجا کیا کرتے تھے۔ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ کہیں گے وہ لوگ جن پر بات ثابت ہو جائے گی۔ اس سے مراد وہ مجبورانِ باطلہ ہیں جن کی مشرک لوگ پوجا کرتے تھے۔ وہ جواب دیں گے۔ رَبَّنَا اهْتَدَاءَ الَّذِينَ اَغْوَيْنَا اے ہمارے پروردگار! ایسی وہ مشرک ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا۔ ان میں شیاطین بھی شامل ہیں جو ہمیشہ انسانوں کو درغلا کر شرک کی دعوت دیتے رہے۔ وہ کہیں گے۔ اَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا اَغْوَيْنَا ہم نے ان کو اسی طرح گمراہ کیا جس طرح خود گمراہ ہوئے۔ ہم خود کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا تھے تو ان کو بھی اسی ڈگر پر چلایا۔ یہ تو دنیا میں ہو چکا۔ تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ اب ہم تیرے روبرو بیزاری کا اعلان کرتے ہیں ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ماسک انقواء ايانا يعبدون یہ مشرک لوگ ہماری پشتیں نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اپنی خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے چل کر گمراہ ہوئے۔ لہذا یہ اپنی تباہی کے خود ذمہ دار ہیں

وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ اور شرکوں سے کہا جائے گا کہ آج اپنے مجبوروں کو بلاؤ جن کو تم دنیا میں پکارا کرتے تھے۔ قَدَعَوْهُمْ پھر وہ ان کو بلائیں گے۔ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ مگر وہ کسی بات کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ اور

نہ ہی کوئی مدد کر سکیں گے۔ اُس وقت عابد اور مغرب و سب بے بس اور لاجواب ہو جائیں گے
 خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کو سب کٹائی کی ہمت نہیں ہوگی وَرَأَوْا الْعَذَابَ اور وہ
 عذاب کو اپنے سامنے دیکھیں گے۔ اس وقت وہ بالکل مایوس ہو جائیں گے، اور تمنا
 کریں گے لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُهُمْ کہ وہ ہریت یافتہ ہوتے
 دنیا میں گمراہی سے بچ کر سید راستے پر چلتے کہتے تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا
 مگر اُس وقت ان کی یہ حسرت کچھ مفید نہیں ہوگی اور انہیں عذاب الہی کا سزا چکھنا ہی ہوگا
 قیامت والے دن رسالت کے متعلق بھی سوال ہوگا کہ لوگو! تم نے ہمارے رسولوں
 کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو
 پکارے گا۔ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ اور فرمائے گا کہ تم نے
 رسولوں کو کیا جواب دیا۔ وہ میری دعوت لے کر نکھائے پاس آئے تھے، میرے پیغام
 پہنچایا تھا، بلاؤ تھا، کیا رد عمل تھا؟ اس سوال کا بھی کوئی جواب نہیں بنائے گا۔ اور
 پھر حالت یہ ہو جائے گی کہ فَقَعِمِدَّتْ عَلَيْهِمُ الْآلُتَابُ یَوْمَئِذٍ
 اُس دن ان پر تمام خیریں تاریک ہو جائیں گی ایسی دہشت طاری ہوگی کہ بات تک
 نہیں کر سکیں گے فَقِهِمُ لَا يَنْسَاءُ لَوْلَا حتیٰ کہ ایک دوسرے سے بھی
 نہیں پوچھ سکیں گے، مطلب یہ کہ آپس میں شورہ بھی نہیں کر سکیں گے کہ کوئی معقول
 جواب دے سکیں، اس طرح گویا رسالت کے سوال پر بھی لاجواب ہو جائیں گے۔
 مگر اسی کی وجوہات تو یہ بیان ہو چکیں، اب سوال یہ ہے کہ کامیابی کس طرح حاصل
 ہو؟ تو فرمایا فَمَا مَسَّ جَنَابَ بہر حال جس نے توبہ کر لی، کفر، شرک اور
 معاصی سے دنیا میں ہی بیزاری کا اظہار کر دیا۔ اور پھر زندگی بھر ان کے قریب نہ آیا۔
وَأَمَّنَ اور ایمان لے آیا، یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید، رسالت، معاد، کتب سماویہ، ملائکہ
 کو دل سے تسلیم کر لیا۔ وَعَمِلَ صَالِحًا اور پھر نیک اعمال شروع کر دیے۔
 گویا یہ تین اعمال کامیابی کا زینہ ہیں۔ جو اس نے پر چڑھ گیا فَقَسَىٰ أَنْتَ
يَكُونَنَّ مِنَ الْمُفْلِحِينَ پھر امید ہے کہ یہی لوگ فلاح پالے والوں

رسالت کے
متعلق سوال

کامیابی کا
زینہ

میں ہوں گے۔ یہ تو یہ، ایمان اور عمل کا راستہ ہے۔ جو اس راستے پر گامزن ہو گیا، وہ انشاء اللہ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں کو معاف فرمائے گا اور وہ فائز المرام ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان بے نیازی میں اپنے بندوں سے اس طرح خطاب کیا ہے کہ امید ہے کہ یہ لوگ کامیاب ہو جائیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں عاجزی اور انکساری پیدا ہو اور وہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے اُمتدہ کے لیے ایمان اور نیکی کی راہ پر چل سکیں۔

اختیار
خداوندی

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ خلق، اپنی لیلہ مخلوق کی نفی اور شرک کا رد فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَنْ يُشْرِكْ مَا يَشْكُرُ اور تیل پروردگار جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ صفتِ خلق میں اُس کا کوئی شریک نہیں کسی چیز کے پیدا کرنے سے پہلے اُسے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وَيَخْتَارُ اور وہی پسند کرتا ہے یا جس کو چاہے منتخب کرتا ہے۔ یہ دراصل مشرکین کا رد ہے جو کہتے تھے لَوْلَا نُنَزِّلُ هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقُرَيْتِ مِن عَظِيمٍ (الزخرف - ۳۱) کہ یہ قرآن مجھے اور طاقت کی دو عظیم بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل ہوا یہاں پر بڑے بڑے سردار ہیں جن کے باغات ہیں، لو کہہ چاکہ ہیں۔ مال تجارت ہے، مویشی ہیں، مگر نبوت کے لیے اب طالب کا یتیم بھیجا ہی رہ گیا تھا مگر اللہ نے فرمایا، کہ نبوت مرثت کے لیے مالی طور پر مضبوط ہونا ضروری نہیں بلکہ اس منصب کے لیے صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے کہ کون اس منصب کے اہل ہے۔ اللَّهُ يَصْطَفِي مِمَّنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ (الحج - ۷۵) اللہ تعالیٰ ہی فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول منتخب کرتا ہے، وہی اُس کی مصلحت کو مقرر جانتا ہے، مخلوق کو اس محلے میں نہ کوئی اختیار ہے اور نہ اُن کے مشورے کی ضرورت پڑتی ہے۔ تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اُس کے سوا کوئی کسی کی مشکل کشائی اور حاجت روائی نہیں کر سکتا۔ مخلوق میں سے کسی کو کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔

امام قرظی نے اپنی تفسیر میں مسند بزار کے حوالے سے حضرت جابر سے روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے۔

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى اخْتَارَ أَصْحَابِي
عَلَى الْعَالَمِينَ سِوَى النَّبِيِّينَ
وَالْمُرْسَلِينَ

بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو
تمام جہان والوں پر پسند کیا ہے سوائے
نبیوں اور رسولوں کے۔

وَاخْتَارَ مِنْ أَصْحَابِي أَرْبَعَةً
وَفِي أَصْحَابِي كُلِّهِمْ خَيْرٌ
وَاخْتَارَ أُمَّتِي عَلَى سَائِرِ
الْأُمَمِ وَاخْتَارَ مِنْ أُمَّتِي
أَرْبَعَةً قُرُونًا

اور میرے صحابہ میں سے چار کو منتخب فرمایا
ہے۔ میرے تمام صحابہ میں بہتری ہے اور
میرے امتوں کو تمام امتوں کے مقابلے
میں منتخب فرمایا ہے اور میری امتوں میں
چار قرون کو خاص طور پر منتخب فرمایا ہے

اس حدیث شریف میں صحابہ کرام کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ نبیوں اور رسولوں
کے علاوہ حضور کے صحابہ کو باقی تمام لوگوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اور پھر ان میں
سے چار صحابہ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، عثمان عقیؓ، اور علیؓ رضی اللہ
کو باقی صحابہ پر افضلیت حاصل ہے۔ یہی چاروں حضرات خلفائے راشدہ ہیں جس
طرح ان چار صحابہ کو باقی صحابہ پر فوقیت حاصل ہے اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی ساری امت کو باقی امتوں پر فضیلت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میری امت کے
چار زمانے بہترین ہیں۔ یہ چار قرن (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ (۲) صحابہ کا زمانہ (۳)
تابعین کا زمانہ، اور (۴) تبع تابعین کا زمانہ ہے۔ بہر حال یہ سارا انتخاب اللہ تعالیٰ
کا اپنا ہے کسی امت کا انتخاب، اس امت میں سے خاص افراد کا انتخاب اور پھر
خاص زمانوں کا انتخاب سب اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے۔ اس میں کسی مخلوق کا
کوئی دخل نہیں ہے۔

اب ذرا افضیوں کا باطل عقیدہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ یہ فرقہ حضرت علیؓ کے رہنے
میں پیدا ہوا۔ ان کے بھی آگے بہت سے فرقے ہیں جن میں سے اثنا عشری فرقہ
لے قرظی صفحہ ۳۰۵ ج ۱۳ (فیاض)

زیادہ مشہور ہے۔ یہ لوگ اپنے بارہ اماموں کو معصوم تسلیم کرتے ہیں۔ ایران کے شیعہ بھی اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے پراپیگنڈا کے زور پر ایرانی انقلاب کو اسلامی انقلاب سے تعبیر کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً اسلامی انقلاب نہیں، محض شیعیت کا پرچار ہے۔ اس بات کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایران کا سرکاری مذہب شیعہ ہے اور وہاں کی اقلیت سنیوں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے حتیٰ کہ اہل سنت کو اپنی علیحدہ مسجدیں بنانے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ نهران کا شہر دس بارہ لاکھ کی آبادی پر مشتمل ہے مگر وہاں سنیوں کی ایک بھی مسجد نہیں ہے یہ لوگ جمہور صحابہ کرام کے ساتھ سخت نفرت رکھتے ہیں حتیٰ کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کو مسلمان تک سمجھنے کے لیے تیار نہیں، نعوذ باللہ یہ ان حضرات کو منافق سمجھتے ہیں۔

اب ذرا ان کے امام خمینی کا عقیدہ بھی سن لیجئے جو اس نے اپنی فارسی کی معتبر کتاب "کشف الاسرار" میں بحوالہ "لمرۃ العقول" نقل کیا ہے۔ یہ کتاب شیعوں کی معتبر کتاب "کافی" کی شرح ہے۔ امام جعفر صادقؑ کے حوالے سے امام خمینی نے یہ روایت نقل کی ہے۔ اللہ نے حضور علیہ السلام سے خطاب کیا۔ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ یَنْزِلْ مُتَفَرِّدًا بِوَحْدَانِیَّتِهِ ثُمَّ خَلَقَ مُحَمَّدًا وَ عَلِیًّا وَ فَاطِمَةَ ثُمَّ مَکْتُوۃً اَلْفَ دَہِیْرٍ ثُمَّ خَلَقَ جَمِیْعَ الْاَشْیَاءِ وَ فَوَّضَ اَمُوْدَهَا اِلَیْہِم فَہُمْ یُحِلُّوْنَ مَا یَشَاءُوْنَ وَ یَحْرِمُوْنَ مَا یَشَاءُوْنَ یَا مُحَمَّدُ ہٰذِہِ الدِّیَانَةُ.....

اپنی وحدانیت کے ساتھ متفرد تھا، پھر اس نے تین بہتیوں یعنی محمدؐ، علیؑ اور فاطمہؑ کو پیدا فرمایا۔ پھر یہ ہزاروں سال تک اسی طرح ٹھہرے رہے، پھر خدا نے باقی ساری چیزوں کو پیدا کیا اور ان تین اصحاب کو گواہ بنایا اور تمام معاملات ان کو تصدیق کر دیے۔ پھر وہ جس چیز کو چاہتے حلال اور جس چیز کو چاہتے حرام قرار دے دیتے۔ اور

ساتھ یہ جملہ بھی بڑھا دیا کہ یہ تینوں وہی کچھ چاہتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے، پھر فرمایا
 اے محمد! یہی دین ہے جو اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے گیگا وہ سرکش ہوگا اور
 جو کوئی پیچھے رہنے کی کوشش کرے گا، مٹا دیا جائے گا۔ اور جو اس کو لازم پکڑے گا
 وہ حق کے ساتھ مل جائے گا۔

خدا تعالیٰ
 کی کبریائی

اس کے برخلاف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ علت و صرمت
 کا تعین اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مختصہ میں سے ہے، یہ صرف اللہ کا حق ہے، اور
 کسی ایامِ محصور کو حلالِ حرام کا اختیار حاصل نہیں۔ بہر حال شیعوں کا دین یہ ہے کہ
 انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اختیارات حضور علیہ السلام حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ
 کو سونپ دیے ہیں۔ ادھر اللہ کا فرمان یہ ہے کہ وہی پیدا کرتا ہے اور اسی کے پاس
 سارے اختیارات ہیں۔ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْتُمْ خَلْقُكَ
 پس کوئی اختیارات نہیں ہیں۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ
 اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور بلند ہے ان چیزوں سے جن کو وہ خدا کا شریک بنا
 ہیں فرمایا وَمَنْ يُّكْفِرْ بِمَا كُنَّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا
 يُعْبُدُوْنَ اور تیرا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینے چھپاتے
 ہیں اور جس چیز کو یہ ظاہر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ شرکین کے تمام باطل عقائد و اعمال سے واقف
 ہے۔ وہ ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے گیگا۔ وَهُوَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اور وہی
 اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ خالق، مالک، علیم، مختار اور قادر ہے
 ہر ایک کی مشکل کٹائی اور حاجت روائی کرنے والا وہی ہے اَللّٰهُمَّ
 فِي الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرَةِ دُنْيَا مِيں بھی اسی کے لیے تعریف ہے،
 اور آخرت میں بھی وہی تعریفوں کے لائق ہے قُلْ اَللّٰهُمَّ اور ہر قسم
 کا فیصلہ بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ہر چیز کا فیصلہ خود کرتا ہے، اُسے کسی
 مشیر کی ضرورت نہیں ہے وَ اَلَيْسَ تَنْجَعُوْنَ اور اسی کی طرف تم
 سب لوٹنے جاؤ گے، جب اول و آخر اللہ تعالیٰ ہی قادر و مختار ہے

اور محاسبہ اعمال کے لیے بھی اسی کے سامنے حاضر ہونا ہے، تو اس کے
ساتھ دوسروں کو شریک بنانے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لطیف
پہر لائے ہیں یہ بات سمجھا دی۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَى
 يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِضِيَاءٍ أَوْ لَآ
 تَسْعَوْنَ ۝۴۱ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ
 النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ
 يَأْتِيكُم بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهَا أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝۴۲
 وَمَنْ رَحِمْتَهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَسْكَوًا
 فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلِعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝۴۳
 وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ
 كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝۴۴ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا
 فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ
 عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝۴۵

ترجمہ ۱۔ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) لوگو! یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ
 بنا دے تمہارے اوپر رات کو ہمیشہ قیامت کے دن تک تو
 کون ہے اللہ کے سوا الہ جو لائے تمہارے پاس روشنی۔
 کیا تم سنتے نہیں؟ ۴۱ آپ کہہ دیجئے اے لوگو! بتلاؤ اگر
 بنا دے اللہ تمہارے اوپر دن کو ہمیشہ قیامت کے دن تک تو
 کون ہے اللہ کے سوا الہ جو لائے تمہارے پاس رات کو

جس میں تم آرام پچڑ سکو۔ کیا تم دیکھتے نہیں؟ ﴿۴۶﴾ اور یہ اُس کی رحمت میں سے ہے کہ بنایا اُس نے تمہارے لیے رات اور دن کو تاکہ تم آرام پچڑو، اور تاکہ تم تلاش کرو اُس کے فضل سے، اور تاکہ تم (اللہ کی نعمتوں کا) شکر ادا کرو ﴿۴۷﴾ اور جس دن پکارسے اُن کو (اللہ) پس فرمائے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بائے ہیں تم گمان کرتے تھے ﴿۴۸﴾ اور ہم کیسبج کر لائیں گے ہر امت سے گواہ۔ پس ہم کہیں گے لاؤ اپنی دلیل۔ پس وہ جان لیں گے کہ حق اللہ کے لیے ہے اور کھو جائیں گی ان سے وہ باتیں جن کو وہ افترا کیا کرتے تھے ﴿۴۹﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کا رد فرمایا اور ساتھ دونوں کا انجام بھی بیان کیا۔ پھر اللہ نے اپنی صفتِ خلق کا ذکر کیا اور یہ بھی فرمایا کہ وہ جو چاہے پسند کئے سارا اختیار اُسی کو ہے، مخلوق میں سے کوئی بھی باختیار ہستی نہیں ہے۔ فرمایا اللہ کی ذات بلند و برتر ہے اُن چیزوں سے جن کو یہ لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ فرمایا خدا تعالیٰ ظاہر و باطن ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ وحدہ لا شریک ہے، دنیا و آخرت میں اُسی کی تعریف ہے اور سب کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

پیش و نہار کا نظام

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں دو مغلجی لاول پیش کیے ہیں جو لیل و نہار کے نظام پر مشتمل ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ لِيْ سَغِيْرًا آپ کہہ دیجئے یعنی کفار و مشرکین کے سامنے یہ دلیل پیش کریں اَرَاَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللهُ عَلَيْكُمْ اَلْيَسْرَ مَدًا اَلْحَبْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعْلًا بَلَاؤُ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لیے یعنی قیامت کے دن تک رات ہی مسلط کر دے مَنْ اِلَهٌ غَيْرُ اللهِ يَأْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ تو اللہ کے علاوہ کون الہ ہے، جو

تمھارے پاس روشنی لے آئے، سربراہ معنی دائمی ہوا ہے جیسے عربی میں یہ مجاورہ مستقل ہے

لَعَمْرُكَ مَا أَمَرِي عَلَىٰ بَعْضَةٍ

نَهَارِي وَلَا لَيْلِي عَلَىٰ بَعْضَةٍ

اے مخاطب! تیری جان کی قسم میرا معاملہ تجھ پر تاریک نہیں ہے (یعنی میں بقائمی ہوں) تمام امور انجام دیتا ہوں (میرے شب و روز دائمی نہیں ہیں۔

رات کو دائمی بنانے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت تک تاریکی ہی ہے اور روشنی

کی کوئی کرن نہ چھوٹے۔ یا اگر سورج طلوع ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی روشنی کو ہی

سلب کر لے۔ زندگی کے تمام کاروبار اور معیشت کا انحصار دن کی روشنی پر ہی ہے

فرمایا اگر تمھارا پروردگار اس روشنی کو ہی روک لے تو اس کے سوا کون سی ذات ہے

جو تمھارے لیے ایسی روشنی جیسا کہ تم جس میں تم معمولات زندگی جاری رکھ سکو۔ اَفَلَا

تَسْمَعُونَ کیا تم سنتے نہیں؟ اس معاملے میں غور و فکر کرو کہ اللہ نے دن کی صورت

میں کتنا بڑا انعام کیا ہے۔

اس کے برخلاف فرمایا قَدْ لَے بتیرا آپ یہ بھی واضح کر دیں اَزْءِ يَتَمَّر

اِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ التَّهَارُطَ مَدًا اِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

بھلا بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لیے اقیام قیامت دن کی ہی مسلط کر دے تو

مَنْ اِلَّا غَيْرُ اللَّهِ يَا أَيُّكُمْ يَلِيْلُ تَسْكُنُونَ فِيهِ السُّر

کے سوا کون الہ ہے جو تمھارے پاس رات کر لے آئے جس میں تم سکون پکڑتے ہو۔

فرمایا اَفَلَا تَبْصُرُونَ کیا تم دیکھتے نہیں؟

یہ دونوں عظیمی دلیلیں ہیں جنہیں انسان غور و فکر کے ذریعے سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ

نے شب و روز کا توازن عجیب طریقے سے قائم رکھا ہے۔ یہ دونوں یکے بعد دیگر

وارد ہو کر انسانی زندگی کے معمولات میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ دن کے وقت لوگ اپنا کاروبار زندگی

انجام دیتے ہیں جب کہ رات کے وقت آرام اور سکون حاصل کرنے کے اگلے دن کی مصروفیت

کے لیے پھر سے آازہ دم ہوجاتے ہیں۔ یہ نظام اللہ نے تمام جانداروں کی مصلحت

کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ اگر ان میں ذرا بھی خلافت معمول تغیر و تبدل واقع ہو جائے تو زندگی کی گاڑی میں خرابی پیدا ہو جائے۔ اللہ نے فرمایا کہ اُس نے اپنی قدرتِ تامہ کے ساتھ یہ نظام قائم کیا ہے، بھلا کون ہے جو اس میں کوئی تبدیلی لاسکے؟ مفسرین کہتے فرماتے ہیں کہ ان دو آیات کے آخر میں دو مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں۔ پہلی آیت میں جہاں روشنی لانے کا حیلہ لیا گیا ہے وہاں مَسْرُوبًا آفَلَا تَسْمَعُونَ کیا تم سنتے نہیں۔ دن کے وقت چونکہ انسان کو بے شمار نعمتیں حاصل ہوتی ہیں جنہیں وہ شمار بھی نہیں کر سکتے، لہذا اس مقام پر دَسْمَعُونَ کا لفظ استعمال کیا گیا کہ تم سنتے نہیں؟ اور دوسری آیت میں رات کو لانے کا حیلہ لیا گیا ہے۔ رات کے وقت چونکہ اشتغال کم ہوتا ہے اور انعامات بھی نسبتاً کم ہوتے ہیں، اس لیے وہاں بَصَارًا کا لفظ استعمال کیا ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے یہ کیا نظام قائم کر رکھا ہے؟

شبِ روز
میں تقسیم کار

اگے اللہ نے دن اور رات کا اکٹھا ذکر فرمایا ہے وَمِنْ رَحْمَتِهِ یہ اُس اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا نتیجہ ہے جَعَلَ لَكُمْ الْيَلَّ وَالنَّهَارَ لَسْتُمْ كُنْتُمْ اَفِيءًا کہ اُس نے تمھارے لیے رات اور دن کو بنایا ہے اُس نے عجیب و غریب نظام قائم کر رکھا ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ تم رات کے وقت سکون پکڑ سکو۔ تمام انسان، روزند، چرند، پرند، مرغ، وغیرہ رات کو آرام کرتے ہیں دن بھر کی مشقت سے تھکا ہوا کر سوجھاتے ہیں۔ وَلَتَبْتَخَّرْنَ مِنْ فَضْلِهِ اور تاکہ تم (دن کے وقت) اللہ کا فضل تلاش کر سکو۔ یعنی تختِ مزدوری تجارت، کاروبار، کھیتی باڑی وغیرہ کر کے اپنی معیشت کا سامان پیدا کر سکو۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام کام دن کی روشنی میں ہی بطریق احسن انجام پاسکتے ہیں لہذا اللہ نے دن کے اشتغال کو فضل یعنی ذریعہ روزی سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ نے دو قسم کا نظام پر فرمایا ہے وَجَعَلَ الْيَلَّ سَكْنًا (الانعام۔ ۹۷) اُس نے رات کو سکون کا ذریعہ بنایا ہے۔ وَجَعَلَ النَّهَارَ مَعَاشًا (النبا۔ ۱۱) اور دن کو

روزگار کا ذریعہ بنایا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس ضمن میں دو اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں ان میں سے ایک اقتراب ہے اور دوسری ارتفاق۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ فضل کا تعلق ارتفاق سے ہے یعنی انسان جائزہ ذرائع رزقِ حلال حاصل کر کے اپنی زندگی خوش اسلوبی سے بسر کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ نے حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے **يَتَعَوَّنَ فِضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا** (الفتح - ۲۹) یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ فضل کا تعلق معاش سے ہے جب کہ رضوان کا تعلق اقتراب سے ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت، ریاضت اور ذکر وغیرہ کر کے اس کی رضا حاصل کرتے ہیں اور یہ چیزیں اس کے قرب کا ذریعہ بنتی ہیں۔ بہر حال رات اور دن دونوں خدا تعالیٰ کے انعامات ہیں کہ رات کے وقت انسان ایک تو آرام اور سکون کھینچتے ہیں اور دوسرے اس کے حضور کھڑے ہو کر اس کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح دن کے وقت انسان اپنے وسائل کے مطابق کاروباری زندگی انجام دے کر اپنی معیشت کا سامان پیدا کرتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں انسانی زندگی کا لازمی حصہ ہیں۔

اگے اللہ نے ایک تیسری بات بھی بیان فرمائی ہے **وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ** اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کر سکو۔ دن کے وقت کہ محض لہو و لعب میں نہ گنزار دو، اور نہ ہی رات کو غفلت میں بسر کرو بلکہ دونوں اوقات میں اللہ کے بے پایاں انعامات کا شکر یہ ادا کرتے رہو۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اللہ کی ان نعمتوں کو بر محل صرف کیا جائے۔ اگر انعاماتِ الہیہ کا استعمال صحیح نہ کیا تو یہ کفرانِ نعمت ہوگا۔ رات بھر نیند میں پڑے رہے اور اللہ کا ذکر نہ کیا۔ اور اسی طرح پورا دن کھیل کود میں گزار دیا تو اس کی نعمتوں کا شکر یہ کیسے ادا ہوگا۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے نیل و نہار کا نظام قائم کیا ہے تاکہ تم شکر یہ ادا کرو۔

اللہ کے
حضور
گوئی

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت والے دن لوگوں کو اپنے حضور حاضر کیے جانے کا نقشہ کھینچا ہے۔ فرمایا وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ يٰۤاٰیُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سِرُّكُمْ عَلٰی الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سِرُّكُمْ کہ طلب کرے گا۔ اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ فَيَقُوْلُ اٰیُّنَّ شُرَكَآءِیَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَنْعَمُوْنَ اور فرمائے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کو تم گمان کرتے تھے کہ یہ ہماری مشکل کشائی اور حاجت روائی کرتے ہیں۔ یا ہماری سفارش کرتے ہیں خدا تعالیٰ سے چھڑالیں گے۔ فرمایا اُس وقت کوئی جیلہ کام نہیں آئیگا۔ کسی کافر اور مشرک کے حق میں نہ کوئی سفارش کرے گا اور نہ کسی کی سفارش قبول ہوگی۔

فرمایا وہ تو محاسبہ اعمال کا دن ہوگا اور اس مقصد کے لیے وَلَنْ نَّعْنٰی مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا ہم ہر امت سے کھینچ کر گواہ لائیں گے۔ ہر امت کا نبی اور اس کا نائب گواہی دینے کے لیے آئے گا۔ اور بتلا گا کہ ان لوگوں نے اللہ کے دین اور شریعت اور احکام کو کس حد تک تسلیم کیا۔ فرشتے بھی انسان کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دیں گے، خود انسان کے اپنے اعضاء و جوارح بھی بطور گواہ پیش ہوں گے، اللہ تعالیٰ زبانوں پر مہر لگا دیکھا اور ہاتھ پاؤں بول کر شہادت دیں گے کہ یہ شخص دنیا میں کیا کچھ کرتا رہا۔ اس کے علاوہ فرمایا شجر اور حجر بھی انسان کے حق میں گواہی دیں گے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اذان کی آواز جہاں تک پہنچی ہے۔ دہاں کی ہر چیز مؤذن کے حق میں گواہی دیگی۔ پھر مشرکوں کا جائیگا فَعَلْنَا هٰکُوْلًا یٰۤاٰیُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سِرُّكُمْ عَلٰی الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سِرُّكُمْ کہ کفر و شرک کے حق میں کوئی دلیل ہے تو اُسے پیش کرو آج بتلاؤ کہ تم نے کس طرح حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا۔ تم ساری شریک پر مومس دلیل کی بنا پر ادا کرتے رہے۔ اللہ کی وحدانیت کو کیوں تسلیم نہ کیا، خدا کے پیغمبروں کو جھٹلاتے رہے اور کیوں ان کو تکالیف پہنچاتے رہے۔ لاؤ اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے۔ اَسْ وَاٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ اس دن کسی کو بھی دم ماننے کی ہمت نہیں ہوگی اور نہ ہی کوئی دلیل پیش کر سکیں گے۔

فرمایا جب تمہاری حالت یہ ہے کہ تم اپنی کرتوتوں پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے فَعَلِمُوْا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ تو خوب جان لو کہ بیشک سچ بات اللہ ہی کے لیے لے بخاری ص ۱۶۷ (فیاض)

حق و باطل
کا امتیاز

ہے۔ اُس نے اپنے انبیاء اور رسل بھیج کر حق کو واضح کر دیا تھا۔ اپنی کتابوں کے ذریعے حق و باطل میں امتیاز پیدا کر دیا تھا۔ اُس نے بتلا دیا تھا کہ خالق، مالک، قادر مطلق، مختار مطلق، نافع اور ضار، مشکل کشا اور حاجت روا صرف وہی ہے۔ تم خواہ مخواہ مخلوق کی پوجا کرتے رہے، اُس نے حقیقت کو واضح کر دیا تھا۔ فَرِیَا وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا یَفْقَهُونَ قِیَامَتِ ذَا لَیْلٍ وہ تمام چیزیں گم ہو جائیں گی جو انہوں نے افتراد کر رکھی تھیں۔ اُن کے غلط عقائد، بدعتی رسومات اور لایعنی چیزیں سب ختم ہو جائیں گی اور اپنے حق میں پیش کرنے کے لیے اُن کے پاس کچھ نہیں ہوگا۔ انہیں نجات حاصل نہیں ہوگی۔ کیونکہ نجات کا دار و مدار ایمان اور نیکی پر ہے اللہ کی وحدانیت اور رسالت پر ایمان ہی مدارِ فلاح ہے مگر یہ چیزیں ان کے پاس نہیں ہوں گی۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ
 مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي
 الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
 الْفَرِحِينَ ﴿٦٦﴾ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ
 وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ
 اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
 الْمُنْفِسِينَ ﴿٦٧﴾ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيْتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي
 وَأَلَمْ يَعْلَمَنَّ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ
 الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَآكَثَرُ جَسَدًا
 وَلَا يَسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٦٨﴾

ترجمہ :- بیشک قارون تھا موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے۔ پس
 سرکشی کی اُس نے اُن کے خلات اور ہم نے یہ تھے
 اُس کو خزانوں میں سے اس قدر کہ بیشک اُنکی چابیاں
 بوجھل کرتی تھیں ایک طاقتور گروہ کو۔ جب کہا اُس کے یہ
 اُس کی قوم نے مت اتراؤ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں پسند
 کرتا اترانے والوں کو ﴿۶۶﴾ اور تلاش کرو اُس چیز میں جو اللہ
 نے تم کو دی ہے آخرت کا گھر۔ اور نہ بھولو اپنا حصہ دنیا

سے۔ اور احسان کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے۔ اور نہ تلاش کرو فاد زمین میں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا فاد کرنے والوں کو ﴿۷۷﴾ کہا (قارون نے) بیشک وہی گئی ہے مجھ کو (دولت) علم کی بنا پر جو میرے پاس ہے (فرمایا) کیا وہ نہیں جانتا کہ بیشک اللہ نے ہلاک کیا اُس سے پہلے کئی قوموں کو جو اُس سے زیادہ قوت اور زیادہ جتھے میں تھے اور نہیں پوچھے جاتے اُن کے گناہوں کے بارے میں مجرم لوگ ﴿۷۸﴾

ربط آیات
اللہ تعالیٰ نے پہلے مشرکوں کا رد کیا، پھر توحید کے عقلی دلائل بیان فرمائے اور قیامت اور خزانے عمل کا ذکر کیا۔ اُس سے پہلے مشرکین کو تنبیہ کی گئی جو غرور و تکبر کی وجہ سے توحید اور رسالت کا انکار کرتے تھے اور ظلم و زیادتی کے مرتکب ہوتے تھے۔ اللہ نے اُن کو سمجھانے کے لیے بعض پہلی بستیوں کی ہلاکت کا ذکر کیا۔ اب سورۃ کے آخری حصے میں اللہ نے ایسے ہی لوگوں کی نصیحت کے لیے قارون کا واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا آدمی تھا۔ اللہ نے بے تحاشا مال و دولت دے رکھا تھا۔ مگر اُس نے سرکشی اختیار کی اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حسد اور ضد کا اظہار کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اس کے مال و دولت سمیت ہلاک کر دیا۔ مشرک لوگ بھی چونکہ ضد، عناد، حسد اور برٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے تھے، یہ واقعہ بیان کر کے اللہ نے انکو بھی عبرت دلائی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مَوْسٰی بَشٰرًا قَارُونَ مَوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامِ

کی قوم میں سے تھا۔ امام بیضاوی اور بعض دوسرے مفسرین کلام بیان کرتے ہیں کہ وہ نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کا ہم قوم تھا بلکہ آپ کا چچا زاد بھائی تھا۔ قارون ابن یصہر ابن قاہرث ابن لاوی۔ موسیٰ علیہ السلام کے باپ کا نام عمران تھا۔ گویا قاہرث کے دو بیٹے تھے۔ یصہر اور عمران۔ تاہم بعض نے قارون کو موسیٰ علیہ السلام کا خالہ زاد بھائی بھی لکھا ہے قارون اگرچہ بنی اسرائیل میں سے تھا اور اپنی میں رلا بلا ہوا تھا، موسیٰ علیہ السلام کی بظاہر تصدیق بھی کرتا

تھا مگر درپردہ فرعون کے ساتھ رابطہ رکھتا تھا، بلکہ اس کا ایجنٹ تھا۔ فرعون جو بھیکار
 وغیرہ اسرائیلیوں سے لینا چاہتا اس کے لیے قارون کی خدمات حاصل کرتا تھا۔ فرعون
 بڑے بڑے ٹھیکے قارون کے سپرد کرتا اور پھر وہ یہ کام معمولی اجرت پر اسرائیلیوں سے کروانا،
 جس کی وجہ سے اس نے بہت سا مال و دولت جمع کر لیا تھا۔

عام ظالم حکمرانوں کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے کہ وہ بعض لوگوں کو اپنا آگے کا
 بنا کر قوم کا خون چوستے رہتے ہیں۔ انگریز نے برصغیر میں حکمرانی کے دوران کئی مسلمانوں کو
 اپنا ایجنٹ بنا کر پوری قوم کو ذلیل کیا اپنے حامیوں کو بڑے بڑے عہدے، خطاب،
 اور جاگیریں دیں اور پھر ان کے ذریعے فوجی بھرتی لی اور بہت سے دیگر کام کر دئے
 سر محمد شفیع حضرت مولانا مشیر محمد شہر پوری کا خالہ زاد بھائی تھا، مگر انگریز کا ایجنٹ تھا۔
 اسی طرح فضل حسین، سر سکندر حیات اور پنجاب، سندھ اور سرحد کے دیگر بڑے
 بڑے خاندانوں کو مراعات دیں اور بڑے بڑے کام لیے۔ قارون بھی اسی طرح فرعون
 کا ایجنٹ تھا اُسے بڑی مراعات حاصل تھیں جسکی وجہ سے وہ بڑا مالدار بن گیا۔

قارون کا
 غرور اور حسد

فرعون کی غرقابی کے بعد بھی قارون اپنی قوم اسرائیل کے ساتھ ہی رہا۔ تورات
 پڑھتا تھا اور رابطہ ہر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان بھی رکھتا تھا مگر آپ کی سیادت و قیادت
 اور نبوت و رسالت کی وجہ سے حسد کرنے لگا۔ کہنے لگا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام
 تو دونوں نبی بن گئے، دنیا اور آخرت کی قیادت ان دونوں بھائیوں نے سنبھال
 لی مگر اتنے مال و دولت کے باوجود میری تو کوئی قدر و منزلت نہ ہوئی۔ ادھر یہ
 حسد پیدا ہوا، اور ادھر موسیٰ علیہ السلام نے اُسے کل مال کا ایک چوتھائی زکوٰۃ ادا کرنے
 کے لیے کہا۔ اس پر قارون اور بھی جل کھن کر کہا اب ہو گیا کہنے لگا میں نے یہ دولت
 اپنے علم و ہنر کی بنا پر حاصل کی ہے، اب یہ میری دولت بھی زکوٰۃ کے نام پر سنبھالنا چاہتا
 ہے۔ وہ شخص پہلے ہی مسخیر تھا، مال و دولت کو جانا دیکھا تو مزید غصے سے جھبر گیا
 اور صاف انکار کر دیا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کے احکام کی پابندی نہیں کر سکتے۔
 یہی صورت حال خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی پیش آئی۔ مکے

میں ابو جہل اور ابولہب جیسے بڑے بڑے سردار تھے حضور علیہ السلام کے دعویٰ نبوت سے سخت پاموس گئے اور کہنے لگے کہ اگر نبوت اس کو مل گئی تو ہمارے پاس کیا رہ گیا؟ حاجیوں کی خدمت پر پہلے بنی ہاشم غالب ہیں، اب نبی بھی اسی خاندان سے بن گیا تو ہماری سرداری کا تو جنازہ نکل گیا، چنانچہ انہوں نے حسد اور غرور کی بنا کہ آپ کی نبوت رسالت کا انکار کر دیا۔ بعینہ اسی طرح فاروق بھی موسیٰ علیہ السلام کا مخالف ہو گیا، اور ان کے خلاف طرح طرح کی الزام تراشی کرنے لگا۔ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ اس طرح اُس نے اسرہیلوں کے خلاف سرکشی کی۔

فاروق کی
دولتمندی

اُس کی دولت مندی کے متعلق اللہ نے فرمایا وَاتَيْنَاهُم مِّنَ السَّمَوَاتِ ہم نے اُسے سزائوں میں سے اس قدر عطا کیا کہ ان مفاہمہ کتسمواہ بِالْحَصْبَةِ أُولَىٰ الْقُوَّةِ کہ ایک طاقتور جماعت اس کی چابیاں اٹھانے سے بوجہل ہوسکتی تھی مطلب یہ کہ اُس کے سزائوں کی الماریوں اور صندوقوں وغیرہ کی چابیاں اس قدر تھیں کہ بہت لوگ مل کر بھی مشکل اٹھاتے تھے، مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ عصبہ کا اطلاق تین سے دس افراد کی جماعت پر ہوتا ہے، اگر ہر آدمی کے حصے پانچ پانچ سو چابیاں آئیں تو اگر یا سزائوں کی صندوقوں کی تعداد چار پانچ ہزار بنتی ہے۔ ان میں لپٹے پیسے ہوں، سونا چاندی ہو یا دیگر قیمتی اشیاء، بہر حال فاروق اتنے مال کا مالک تھا۔ مَفَاتِحُ دَرَوَالِفَاظِ مشترک جمع ہے یعنی مفتاح اور مَفَاتِحُ مفتاح کا معنی خزانہ ہوتا ہے جب کہ مَفَاتِحُ چابی کو کہتے ہیں۔ ہر دو الفاظ فاروق کی کثرت مال و دولت پر دلالت کرتے ہیں، اس زمانے میں تو اتنا بڑا مالدار شخص اکاد کا ہی ہوتا تھا مگر آج کے دور میں فاروق جیسے بیشمار دولت مند موجود ہیں۔ آج کے کمرورپتی سیٹھوں کی تجوریوں، اتہ خانے، اسٹور اور بینک بیلنس وغیرہ کا حساب لگایا جائے، ان کے ملازمین، کارندوں اور ایجنٹوں کو شمار کیا جائے تو یہ بھی فاروق سے کسی طرح کم نہیں نکلیں گے بلکہ اُس سے بڑھ کر مالدار ظاہر ہوں گے۔

بہر حال فاروق کی ٹھاٹھ باٹھ، اُس کے چال چلن اور غرور و تکبر کو دیکھ کر اذ قال

لَهُ قَوْمٌ اُس کی اپنی قوم نے اُس کو سمجھانے کی کوشش کی اور نصیحت کی لَا تَفْسَحْ کہ اس مال و دولت پر اتراؤ نہیں۔ فرح کا معنی اتنا بھی ہوتا ہے۔ اور خوش ہونا بھی۔ لوگوں نے کہا کہ اس عارضی مال کی وجہ سے نہ تو غرور و تکبر میں مبتلا ہو اور نہ ہی اس پر خوش ہو۔ ایسا کہنا حرام ہے۔ عند اور حمد کو چھوڑ دو اور موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت سے باز آجاؤ۔ اسراہیلی اور تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قارون کے ساتھ اڑھائی تین سو آدمی ہر وقت بہتے تھے، یہ اُس کے حامیوں کا خصوصی دستہ تھا جن کا کام صرف ہاں میں ہاں ملانا تھا۔ یہ لوگ قارون کو غلط مشورے دے کر اُس کی رعوت میں اضافہ کا باعث بنتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ اللہ نے تمہیں اس قدر دولت عطا کی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرو اور اس کے رستے میں خرچ کرو۔ یاد رکھو!

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں یعنی تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ کی نعمت پا کر تو خوش ہونا چاہیے نہ کہ اکثر دکھائی چاہیے۔ قرآن اور ایمان کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ یہ اس کا فضل اور رحمت ہے۔

قَبْلِكَ فَلْيَفْرَحُوا (دینس - ۵۸) لوگوں کو اس سے خوش ہونا چاہیے۔

آخرت کا گھر

قوم نے کہا اس دنیا کی ریگنیوں میں اچھہ کمرہ جانے کی بجائے وَاتَّبِعْ فِي مَتَابَعِ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ جو چیز اللہ نے تمہیں عطا کی ہے اس میں آخرت کا گھر تلاش کرو۔ مال و دولت کو صحیح طریقے پر خرچ کرو گے اور اس انعام پر اللہ کا شکر ادا کرو گے اور باؤسالیں کا خیال رکھو گے۔ تمام حقوق ادا کرو گے تو آخرت میں بہتر گھر حاصل ہوگا۔ فرمایا وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا اور دنیا سے اپنا حصہ مت بھولو مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا میں اتنا مال دیا ہے تو اس سے آخرت کا گوشہ بناؤ۔ اس مال سے دنیا میں تمہارا حصہ یہی ہے کہ اس کے ذریعے نیکی کماؤ اور اطاعت کرو۔ اس مال کو حرام راستوں میں خرچ کرنے کی بجائے شکر گزاری کے مقام میں خرچ کرو۔ اس کو عیاشی و فحاشی اور بر معاشی میں مت گنواؤ۔ بلکہ دنیا میں اس سے فائدہ اٹھا کر آخرت کا سامان

پیدا کرو، تمھارے لیے یہی بہتر ہے۔

اس کے علاوہ قوم نے قارون کو ایک اور نصیحت بھی کی، کہنے لگے وَاحْسِنِ
كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ اور تم بھی لوگوں پر اسی طرح احسان کرو، جس طرح
اللہ نے تمھیں مال و دولت دیکر تم پر احسان کیا ہے۔ اس میں سے غرباؤ مساکین،
بیوگان، ہمسافروں اور قیدیوں کی اعانت کرو، ضرورت مندوں کو قرض دو تاکہ وہ اپنے
پاؤں پر کھڑا ہو سکیں، صدقہ خیرات کرتے رہو، تاکہ تمھارے مال میں برکت آئے۔

فادنی الارض

قوم نے یہ بھی کہا وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ اور زمین میں فساد
مست تلاش کرو۔ فساد سے مراد اخلاص بالشرائع، معاصی کا ارتکاب، خدا کی قائم کردہ
حدود کو توڑنا اور من بانی کرنا ہے، شرک، کفر، پدعت اور رسوماتِ باطلہ کا ادا کرنا
فادنی الارض ہے، اسی طرح مال کو غلط جگہ پر خرچ کرنا، کھیل تماشے، لہو و لعب،
شراب نوشی، بارود بازی، پتنگ بازی اور شادی بیاہ کی رسومات پر خرچ کرنا بھی فساد
ہے۔ موت کی رسومات، تہنجا، ساتواں اور چالیسواں وغیرہ کرنا، قبروں کو بچھتہ بنانا،
غرباؤ مساکین کا خیال نہ کرنا، صدقہ و خیرات کا غلط طریقہ اختیار کرنا اور لوگوں کے
حقوق ادا نہ کرنا بھی فادنی الارض کا حصہ ہے۔ دوسری جگہ فرمایا وَلَا تُفْسِدُوا
فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (الاعراف - ۵۶) زمین میں فساد نہ کرو،
اس کی اصلاح کے بعد۔ اصلاح تو یہی، اطاعت اور عبادت و ریاضت سے
ہوتی ہے۔ اگر اس کا الٹ ہو رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ فساد ہے۔ اور اللہ کا
قانون یہ ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ بیشک اللہ تعالیٰ فساد
کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ بہر حال قارون کی قوم نے اس کو سمجھایا کہ مال و دولت
پر اثر و نہیں بلکہ اس کے ذریعے آخرت کا بہتر گھر تلاش کرو، جس طرح اللہ نے
تم پر احسان کیا ہے، اسی طرح تم بھی لوگوں پر احسان کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔

قوم کی اس نصیحت کے جواب میں قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَى
عِلْمٍ عِنْدِي کہنے لگا یہ سب کچھ مجھے میرے علم کی بنیاد پر دیا گیا ہے

علم و ہنر
پر بننا

میں اہل علم ہوں، ہنرمند ہوں، استعداد کا مالک، میں نے یہ دولت اپنی عقل و حکمت کی وجہ سے کھائی ہے۔ اس میں کسی کا مجھ پر کیا احسان ہے؟ دنیا کے اکثر دولت مند کا قبیل سے ہوتے ہیں۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سائنس اور ٹیکنالوجی ہے۔ ہمارے پاس لیبارٹریاں جن میں بڑے بڑے تجربات کر کے نئی نئی چیزیں ایجاد کیتے ہیں اور پھر دولت کھاتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کے فضل کو ذلیل نہیں سمجھتے، بلکہ اپنی عقل، فن اور جہارت کو آمدنی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عقل و فہم اور حکمت و دانائی بھی تو اللہ ہی کی عطا کردہ ہوتی ہے۔ وہ جب چاہے کسی کو دے لے اور جب چاہے واپس لے لے۔ لہذا ہر اچھائی منجانب اللہ ہوتی ہے اور اسی کی طرف منسوب کرنی چاہیے۔ اللہ کا فرمان ہے مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ (النساء - ۷۹) تمہیں جو بھی بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے لہذا علم و مہر اور استعداد و قابلیت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرنا سچے درجے کی حماقت ہے۔ قارون کے دماغ میں یہی فستور تھا، لہذا اس نے مال و دولت کو اپنی ذاتی استعداد کی طرف منسوب کیا۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ شخص مال و دولت، ثروت اور جتنے پرغزور کر رہا ہے حالانکہ اس کو اتنا بھی علم نہیں آوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ قُوَّةً وَ أَكْثَرُ جَمْعًا کہ اس سے پہلے ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا جو ان سے طاقت میں بھی زیادہ تھے اور افرادی قوت کے لحاظ سے بھی زیادہ تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ قارون تو ایک عام پہلک کا آدمی ہے کسی سلطنت کا مالک بھی نہیں، محض مال و دولت پر اترا رہا ہے ہم نے تو عاد، ثمود، قوم لوط، قوم ابراہیم، قوم لوط، کلدانوں اور مصریوں جیسی بڑی بڑی مہذب قوموں کو نیست و نابود کر دیا۔ بلاشبہ وہ قارون کی نسبت ہر لحاظ سے طاقتور تھے، سلطنتوں کے مالک تھے، ان کے پاس فوجیں تھیں، دنیا کی ہر چیز میسر تھی، مگر جب انہوں نے سرکشی کی، مغرور و تکبر کیا، تو ہم نے انہیں صفحہ ہستی سے

طاقتور
اقوام کی
ہلاکت

ناپسند کر دیا۔ فرمایا وَلَا یَسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ مجرموں
 کو ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جب ان
 کی ہلاکت کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو پھر انہیں صفائی کا موقع دینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں
 کی جاتی۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے جرائم کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ سورۃ الرحمن میں ہے -
 یُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسَيِّئِهِمْ (آیت - ۴۱) مجرم اپنے چہرہ راس
 ہی پہچانے جاتے ہیں اور پھر انہیں گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دیا جاتا ہے
 قارون کا بھی یہی حال ہو گا۔ مکہ کے مشرکوں کو بھی تنبیہ مقصود ہے کہ وہ بھی مال و
 دولت اور نافرمانی پر غرور نہ کریں بلکہ حقیقت کو پہچاننے کی کوشش کریں۔ ورنہ ان
 کا انجام بھی قارون اور سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہو گا۔

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ
 الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَلِيتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ ۗ
 إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿۹﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ
 وَيَلِكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِمَن آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا
 وَلَا يُلْقِيهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴿۱۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ
 الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ
 دُونِ اللَّهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ ﴿۱۱﴾ وَأَصْبَحَ
 الَّذِينَ تَسَّبَوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيَكَانُ
 اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ
 لَوْلَا أَن مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيَكَانَهُ
 لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ:- پس نکلا (قارون) اپنی قوم کے سامنے ایسے زینت
 میں۔ کہا اُن لوگوں نے جو دنیا کی زندگی چاہتے تھے، کاش
 کہ ہمارے لیے بھی وہی کچھ ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔
 بیشک وہ البتہ بڑی خوش قسمتی والا ہے ﴿۹﴾ اور کہا اُن
 لوگوں نے جن کو علم دیا گیا تھا، ضربی ہے تمہارے لیے۔
 اللہ کا عطا کردہ اجر بہتر ہے اُس شخص کے لیے جو ایمان

لایا اور جس نے اچھا عمل کیا۔ اور نہیں دی جاتی یہ بات مگر صبر کرنے والوں کو ﴿۸۱﴾ پھر دھنسا دیا ہم نے اُس (تاون) کو اور اُس کے گھر کو زمین میں۔ پس نہیں تھا اُس کے لیے کوئی گروہ جو اُس کی مدد کرنا اللہ کے سوا۔ اور نہیں تھا وہ بدلہ لینے والا ﴿۸۲﴾ اور ہو گئے وہ لوگ جو تمنا کرتے تھے اس کے مرتبے کی گذشتہ روز۔ وہ کہنے لگے تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کرنا ہے روزی جس کے لیے چاہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے (جس کے لیے چاہے) اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے، تو وہ ہمیں بھی دھنسا دیتا زمین میں۔ تعجب ہے کہ نہیں فلاح پاتے کفر کرنے والے لوگ ﴿۸۳﴾

اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہم قوم فارون کا ذکر کیا جو سرکش اور مغرور ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال و دولت پر اترانا تھا۔ اُس کی قوم کے لوگوں اور خود موسیٰ علیہ السلام نے بھی سمجھایا کہ وہ اس مال پر مغرور و تکبر کرنے کی بجائے اس کے ذریعے آخرت کا بہتر گھر تلاش کرے۔ نیز یہ کہ مخلوق کے ساتھ اسی طرح احسان کرے جس طرح اللہ نے اُسے مال و دولت دے کر اُس پر احسان کیا ہے۔ مگر وہ سخت مغرور تھا، کہنے لگا مجھ پر کسی کا یہی احسان ہے۔ یہ دولت تو میں نے اپنے علم و ہنر کی بناء پر کائی ہے۔ مگر اللہ نے تنبیہ فرمائی کہ اس شخص کو اتنا بھی پتہ نہیں چلا کہ اس جیسی متکبر قوموں کو ہم نے پہلے ہی ہلاک کیا ہے۔ وہ تو اس سے بھی زیادہ طاقتور تھے اور تعداد میں بھی زیادہ تھے مگر اللہ کے فیصلے کے مقابلے میں ان کا مال و دولت، جاہ و حشمت، فوج اور پولیس کچھ کام نہ آئی اور وہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہے۔ فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی مجرم کو گرفت میں لیتا ہے تو پھر اُس سے اس کے جرموں کے متعلق پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اُن کی ساری کارگزاری اللہ کے علم میں ہوتی ہے اور وہ اُن کے عقیدہ و عمل کے مطابق

بط آیات

ان سے سلوک کرتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام
کی بعثت

بنیادی طور پر موسیٰ علیہ السلام کی بعثت دو اقوام یعنی بنی اسرائیل اور قبطیوں کی طرف تھی دونوں اقوام میں سے اللہ نے بعض افراد کا خصوصی ذکر کیا ہے جیسے سورۃ مومن میں مندرجہ بالا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیتیں یعنی نشانیاں اور روشن دلیل دے کر الخ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سِحْرٌ كَذَابٌ (آیت - ۲۴) فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا مگر انہوں نے جادو کر اور جھوٹا کہا کہ انکار کر دیا۔ گویا اللہ نے قبطنی قوم میں سے فرعون اور ہامان کا اور بنی اسرائیل میں سے قارون کا بطور خاص ذکر کیا ہے کہ یہ افراد موسیٰ علیہ السلام کے سخت ترین مخالفین میں سے تھے اور آپ کو ایذا پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے تھے، بہر حال جس قارون کا تذکرہ مورخوں میں ہے۔ وہ نہ صرف اسرائیلی تھا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی بھی تھا۔ نبطاہ تو وہ بنی اسرائیل میں ہی شامل تھا۔ مگر درپردہ فرعون کی کچھلنے کے فرائض انجام دینا تھا یہ شخص موسیٰ علیہ السلام سے حسد اور عداوت رکھتا تھا۔ جب آپ نے اسے زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کہا تو اس کے عمائد میں مزید اضافہ ہو گیا۔ فرعون کی غرقابی کے بعد بھی یہ شخص صحرائے سینا میں اپنی قوم کے ساتھ ہی تھا۔ ٹورٹ نازل ہوئی تو یہ اس کو بھی پڑھتا تھا۔ مگر اندر ہی اندر موسیٰ علیہ السلام سے عداوت بھی رکھتا تھا۔

قارون اور
بولہب
میں مماثلت

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قارون اور بولہب کے حالات ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ قارون موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد تھا۔ تو بولہب حضور علیہ السلام کا حقیقی چچا تھا۔ جس طرح قارون دولت مند تھا اسی طرح بولہب بھی اپنی برادری کا رئیس آدمی تھا۔ قارون اور بولہب دونوں حد درجہ کنجوس آدمی تھے۔ قارون نے موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی تو بولہب نے حضور علیہ السلام کی مخالفت میں ابرطی چوٹی کا زور لگا دیا۔ انجام کے اعتبار سے قارون کو تو اللہ نے زمین میں دھنسا دیا البتہ بولہب طاعون جیسی قبیح بیماری میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوا۔ اس کے جسم سے اتنی بدبو آتی تھی کہ کوئی اس کے قریب نہیں جاتا تھا۔ بعض حبشی غلاموں نے اس کو

رسیوں کے ساتھ گھسیٹ کر گڑھے میں دفن کیا۔ اس کے بڑے بڑے ساتھی تو جنگ بندی میں مارے گئے تھے مگر اس کو بھی ذلت ناک موت آئی۔

قارون پر
دشک

قارون کی شان و شوکت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ، ایک روز قارون اپنی قوم کے پاس نہایت زیب و زینت اور شان و شوکت کے ساتھ نکلا۔ شیخ سعدی نے قارون کے متعلق کہا

قارون ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت
نوشیرواں نمود کہ نام نگو گذاشت

قارون ہلاک ہو گیا حالانکہ اس کے پاس سونے سے بھرے ہوئے چالیں مکان تھے اس کے برخلاف نوشیرواں عادل تھا، اس کا نام ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

تو فرمایا کہ ایک دن قارون بڑی شان کے ساتھ باہر نکلا کسی تقریب میں جانا ہو گا۔ نہایت فاخرہ لباس پہن رکھا تھا۔ سنہری زین والے شہابی رنگ کے خچر یا گھوڑے پر سوار تھا، نوکر چاکر، غلام اور لونڈیاں ہمراہ تھے۔ اس کی اس شان و شوکت کو دیکھ کر قَالَ الَّذِينَ يُبَيِّدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا كَمَا نَ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ جود دنیا کی زندگی کے ہی خواہشمند تھے۔ اکثر لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں جو دنیا کی زیب و

زینت اور ٹھاٹھ باٹھ پر ہی فریفتہ ہوتے ہیں اور وہ اسی کو اول و آخر سمجھتے ہیں قارون کو اس حالت میں دیکھ کر اُن کے منہ میں بھی پانی بھرا آیا اور کہنے لگے يَلَيْتَ

لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ كاش کہ ہمیں بھی وہی کچھ حاصل ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ دیکھو یہ کتنا خوش قسمت آدمی ہے جسے دنیا کی ہر آس حاصل ہے، کاش

ہمیں بھی یہ چیزیں میسر آتیں۔ اس زمانے میں بھی لوگوں کا یہی حال ہے، کسی کی کار، کوٹھی، لباس، عیش و عشرت، کارخانے، زمین وغیرہ دیکھ کر ویسی ہی متا کرنے لگتے

ہیں۔ بلکہ اللہ نے فرمایا کہ بعض لوگ تو دنیا پر اس قدر رچھڑ جاتے ہیں کہ وہ یوں کہنے لگتے ہیں رَبَّنَا سَجَّلْنَا قَطْمًا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (عس ۱۶)

اے ہمارے پروردگار! ہمیں جو کچھ دینا ہے قیامت سے پہلے پہلے اسی دنیا میں سے

ہے۔ ایسے لوگ لازماً آخرت کو پس پست ٹال دیتے ہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بعض لوگوں نے بھی قارون پر رشک کیا اور کہنے لگے إِنَّهُ لَذُو حِظٍّ عَظِيمٍ بیشک وہ تو بڑا خوش قسمت آدمی ہے جس کے پاس مال و دولت کی اس فراوانی ہے۔

اہل علم کا
نظریہ

اس کے برخلاف وَقَالَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ کہا ان لوگوں نے جن کو علم دیا گیا تھا۔ اس علم سے دنیا کے علوم سائنس، ریاضی، ایگنا لوجی، جغرافیہ وغیرہ نہیں بلکہ اس سے ابتدا علیہم السلام کا علم مراد ہے جو انہیں وحی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور یہ علم اللہ تعالیٰ کے دین شریعت اور احکام پر مشتمل ہوتا ہے دنیا کا علم جاننے والے تو آج عیسائی اور یہودی اور دیگر لوگ بہت زیادہ ہیں جو آسمانوں پر کھنڈیں ڈال رہے ہیں مگر یہ علوم آخرت کے لحاظ سے بے سود ہیں۔ بمعنی علم تو وہ ہے جس پر خدا تعالیٰ راضی ہو جس کے ذریعے اللہ اور اس کی مخلوق کے حقوق معلوم ہو سکیں اور جس سے دل میں روشنی پیدا ہو۔ بہر حال اہل علم لوگوں نے کہا وَيَكْفُرُوا بِمَا كَفَرُوا فَيُضِلُّهُمْ فِي سُبُلٍ مُّتَعَدِّاتٍ لِّمَنْ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ فَيُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ۔ یاد رکھو! ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنۢ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۗ لَئِنَّ اللّٰهَ كَآعْطَاكُمْ دَرَجَةً اَجْرٍ وَّثَوَابٍ بِمَا كَفَرْتُمْ لِيُضِلَّ اللّٰهُ مَن يَشَاءُ فَمَا لِيُضِلَّ اللّٰهُ مَن يَشَاءُ فَمَا لِيُضِلَّ اللّٰهُ مَن يَشَاءُ۔ انان کو چاہیے کہ وہ دنیا کے فانی مال کی تمنا کرنے کی بجائے اللہ کے دائمی انعامات کی خواہش کرے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دُعَا بَعْضِ كَهْلَانٍ لَّيْسَ بِاللّٰهِمْ اَلَّا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ مِنَّا ۗ وَلَا صَبَلْكَ عَلَيْنَا لَئِنَّ اللّٰهَ يَرْمِقُ دَرَجَاتٍ مِّنْ دُونِهَا ۗ وَنَبَا ۙ اُورَنْدِہی ہمارے علم کو صرف دنیا تک محدود رکھو۔ دنیا کی خواہش تو کافر، مشرک اور ملحد کھستے ہیں۔ جب کہ مومنوں کو بزرخ اور آخرت کی فکر ہوتی ہے اور وہ اس کی بہتری کے طالب ہوتے ہیں۔ دنیا کی زندگی تو سو پچاس سال میں ختم ہو جائیگی اور یہاں کی ہر چیز یہیں رہ جائے گی۔ جب کہ آخرت کی زندگی لامحدود اور دائمی ہے۔ لہذا اس کی فکر ہونی چاہیے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو تجارتی بددیانتی سے منع فرمایا۔

کرتے ہوئے فرمایا، کسی کا حق غصب نہ کرو اور جو حقوق قابل ادائیگی ہیں۔ ان کو ادا کرنے کے بعد بَقِیَّتِ اللّٰهِ حَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ (ہود - ۸۶) جو کچھ تمہارے پاس بچ رہے۔ وہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم ایمان والے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ حلال روزی میں اللہ تعالیٰ برکت ڈالنا ہے جب کہ ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ مال ناجائز اور حرام کاموں میں ہی صرف ہوتا ہے۔ مال حرام بوجہ بجائے حرام رفت کے مصداق حرام مال حرام راستے پر ہی خرچ ہوتا ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے اہل علم لوگوں نے قارون پر رشک کرنے والوں کو سمجھایا کہ تم قارون کی طرح دنیا کے طالب بن رہے ہو، تمہارا یہ سود اچھا نہیں ہے بلکہ اہل ایمان اور اعمال صالح انجام دینے والوں کو جو کچھ اللہ کے ہاں ملنے والا ہے۔ وہ بہتر ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا وَلَا تِلْقٰہَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ اور یہ سعادت تو صرف صبر کرنے والوں کو ہی حاصل ہوتی ہے اہل ایمان دنیا میں مشکلات کو برداشت کرتے ہیں۔ ایمان اور نیکی کی دولت کھاتے ہیں۔ وہ دنیا کی آرزو نہیں کرتے۔ طعن و تشنیع اور بھوک پیاس کو برداشت کرتے ہیں، عبادت و ریاضت میں مشقت اٹھاتے ہیں، مال ہے تو اس کو صحیح مقام میں خرچ کرتے ہیں۔ لہذا وہ اللہ کے بے پایاں انعامات کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

قارون کی
سازش

مفسرین کرام لہجیان کرتے ہیں کہ قارون کی ہلاکت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ایک سازش کرنے کے نتیجے میں ہوئی۔ ایک موقع پر موسیٰ علیہ السلام لوگوں کے سامنے تعزیری احکام بیان کر رہے تھے کہ جس نے چوری کی اس کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں گے اور جس نے زنا کا ارتکاب کیا اس کو درے مارے جائیں گے یا سنگسار کر دیا جائے گا۔ قارون کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے مل کر ایک سازش تیار کر رکھی تھی۔ ایک فاحشہ عورت کو سونے کا تھفال بھر کر اس مقصد کے لیے دیا تھا کہ وہ مجمع عام میں موسیٰ علیہ السلام پر بدکاری کی تہمت لگائے چنانچہ اس موقع پر اس عورت کو بلایا گیا۔ بہت سے لوگ جمع تھے جنہیں موسیٰ علیہ السلام

وخط کر رہے تھے۔ عین اُس وقت فارون نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا ہر محرم کی یہی سزا ہے؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر فارون نے مزید پوچھا، کہ اگر آپ بھی انعمود باللہ زنا کے مرتکب ہوں تو کیا آپ کو بھی یہی سزا دی جائے گی آپ نے پھر تصدیق کی۔ اتنے میں اُس فاسقہ عورت کو اشارہ کیا گیا جس نے عام مجلس کے دوران موسیٰ علیہ السلام پر بدکاری کا الزام لگا دیا اس اچانک حملے سے موسیٰ علیہ السلام سخت پریشان ہوئے مگر اللہ نے آپ کو بہت عطا فرمائی آپ نے اس عورت کو قریب بلایا اور فرمایا تجھے قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھ پر لوہرات نازل فرمائی ہے جس نے بحر قلزم میں بنی اسرائیل کے لیے راستے بنا دیے اور جس نے فرعون کو مشرق کیا، صبح بناؤ کہ تم نے یہ الزام کیوں لگایا ہے، وہ عورت گھبرا کر حق کہنے پر مجبور ہو گئی کہ فارون اور اس کے ساتھیوں نے رُوپے پیسے دے کر اُس سے یہ الزام لگوا یا ہے۔ جب حقیقت واضح ہو گئی تو موسیٰ علیہ السلام منبر سے نیچے اُتر آئے اور نہایت گریہ و زاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے دُعا کی کہ پڑھو گا یہ لوگ حد سے گنہگار ہیں، اب تو ہی ان سے انتقام لے۔ چنانچہ اسی مجلس میں اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا حکم آگیا کہ ان ناہنجاروں کو ابھی زمین نکل لے گی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اعلان کیا کہ جو شخص فارون کی اس کھینچہ حرکت کو ناپسند کرتا ہے وہ اس سے الگ ہو کر ہمارے ساتھ شامل ہو جائے کیونکہ اب اس پر خدا کا عذاب نازل ہونے والا ہے۔ چنانچہ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کی اکثریت نے فارون سے علاج کی اختیار کر لی اور اس کے ساتھ چند اذکار لگائے جو اس کے گھبرائے یا دیگر حامی تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے فارون کے حکامات جن میں مال و دولت جمع کر رکھا تھا۔ زمین میں دھنسنے لگے۔ اس کے ساتھ فارون اور اس کے حامی بھی زمین میں دھنسا دیے گئے۔

فارون کے علاوہ یہ سزا بعض دوسرے لوگوں کو بھی ملی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ پہلی امتوں میں سے ایک شخص دو درہ زہیب چادریں اوڑھ کر اکثر گھر جا

رہا تھا۔ ایک چار شہ بند کے طور پر باندھ رکھی ہوگی اور دوسری اوپر اوڑھی ہوگی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ سکے غرور و تکبر کی بنا پر اللہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنسا ہی پھلا جائے گا حتیٰ کہ قیامت کے دن کہیں اس کا قدم جا کر ٹکے گا۔

اگلی آیت میں اللہ نے قارون کی ہلاکت کا حال بیان کیا ہے فَحَسْبُ عَذَابِهِ وَبَدَارِهِ الْآتْرَافُ بِمِصْرٍ دھنسا دیا ہم قارون کو اور اس کے گھس کو زمین میں بطلب یہ کہ جن مکانات میں اُس نے خزانے جمع کر رکھے تھے۔ قارون کے ساتھ وہ بھی زمین میں دھنسا دیے گئے اور اس طرح نہ وہ خود باقی رہا اور نہ اس کا مال و دولت۔ اللہ نے خزانوں کو بھی زمین میں غرق کر دیا تاکہ کوئی یہ نہ کہ سکے کہ موسیٰ علیہ السلام اُس کی ہلاکت کے بعد قارون کے خزانوں پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ یہ تو اُس کی اپنی غلط کاروائی کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے اُسے عبرت ناک سزا دی۔ فرمایا اُس کی حالت یہ تھی فَمَا كَانَ لَهَا مِنْ فَتْحَةٍ يَنْصُرُوهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ اللہ کے سوا کوئی گروہ اس کی مدد کرنے والا نہیں تھا۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ اور نہ وہ کسی سے انتقام لینے کی طاقت رکھتا تھا۔ وہ کف افسوس ملا ہوا زمین میں دھنسا گیا۔

دنیا میں خست کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ اخبار میں میں نے ۱۹۴۹ء کا واقعہ پڑھا تھا۔ فیروز پور کے کسی علاقے میں سکھوں کی بچے سکول میں پڑھ رہے تھے کہ اچانک پوری کی پوری عمارت زمین میں دھنسا گئی۔ جب جاپان میں زلزلہ آیا تھا تو زمین میں ہزار ہزار میل لمبی دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ اس زلزلے میں ڈیڑھ لاکھ انسان لقمہ اجل بنے اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔ امریکہ میں شہاب گرنے سے ایک بستی کے تین چار سو آدمی جل کر خاکستر ہو گئے تھے۔ بہر حال اس قسم کی سزا بعض اوقات ملا کرتی ہے اور قارون بھی اسی طرح کی گرفت میں آیا۔

فرمایا جب لوگوں نے قارون اور اس کے خزانوں کو اس طرح ہلاک ہوتے دیکھا وَأَمَّا سَبْحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ تو کل تک جو لوگ قارون کے مرتبے کی تمنا کرتے تھے يَقُولُونَ وَيَكُنَّا اللَّهُ يَبْسُطُ

قارون کی
ہلاکت

زلزلہ گرنے
والوں کا
عسرت و سختی

الرِّزْقِ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ وَهُ كُنْتُمْ لَكَ تَعَجِب
 ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے روزی وسیع کر دیتا ہے اور
 جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اس کی مصلحت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔
 مخلوق اس سلسلے میں بالکل عاجز ہے ایہ اللہ کی حکمت ہے کہ بعض اوقات بہترین
 قسم کے ناقرانوں کے لیے بھی رزق کے دروازے کھول دیتا ہے، وہ سونے چاندی
 میں کھیلتے ہیں۔ جب کہ بعض نہایت ہی صالح آدمی تنگی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور
 ہوتے ہیں۔

أَنْ رَشَاكَ كَرَنَ وَالْوَالِدِينَ مِنْ بَدَاؤِهَا لَوْلَا أَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا
 لَخَسَفَتْ بَيْنَا أَلْمَلِكُ اللَّهُ تَعَالَى هَمَّ بِرِاحَانِ زَهْرًا تَوَهَّمِي هَمِّي زَيْمِينَ مِي دَهْنَا دِيْنَا
 اب ان لوگوں نے حقیقت کو پہچانا۔ کہنے لگے کہ کل تک تو ہم قارون کی شان و
 شوکت کی تمنا کر رہے تھے مگر اُس کا مال و دولت تو اس کے لیے قمر الہی کا سبب
 بن گیا۔ اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ہم اس سزا سے بچ گئے۔ ان لوگوں نے اس حقیقت
 کو بھی تسلیم کیا وَ يَكْفُرُونَ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُونَ کہنے لگے تعجب ہے
 یعنی حسرت اور افسوس کا مقام ہے کہ کافر لوگ کبھی فلاح نہیں پائیں گے، اگر وہ
 آج بظاہر کامیاب نظر آتے ہیں تو کل جہنم کے کندہ نازا ایش بننے والے ہیں۔ اللہ
 تعالیٰ کفر و شرک سے محفوظ رکھے۔ انسان کو توبہ کرنی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے
 سزا دے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ
عُلُوقًا فِي الْأَرْضِ وَلَا فِسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۸۳﴾
مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَمَنْ جَاءَ
بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا
مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۸۴﴾ إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ
الْقُرْآنَ لَرَأْدُكَ إِلَى مَعَادِ قُلِّ رَبِّي أَعَلِمَ مَنْ جَاءَ
بِالْهَدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۸۵﴾

ترجمہ:- وہ آخرت کا گھر کہ ہم تمہارے ہیں اُس کو اُن لوگوں
کے لیے جو نہیں چاہتے بڑائی زمین میں اور نہ فساد۔ اور اچھا
انجام متقیوں کے لیے ہے ﴿۸۳﴾ جو شخص لے کر آیا مصلحتی،
پس اُس کے لیے اس سے بہتر بدلہ ہو گا۔ اور جو لایا بڑائی
پس نہیں بدلہ دے جائیں گے وہ لوگ جنہوں نے کی ہیں
برائیاں، مگر جو کچھ وہ کرتے تھے ﴿۸۴﴾ بیشک وہ ذات
جس نے فرض کیا ہے آپ پر قرآن، البتہ وہ لوٹنے والا
ہے آپ کو لوٹنے کی جگہ کی طرف۔ آپ کہہ دیجئے، میرا پروردگار
خوب جانتا ہے اُس کو جو آیا ہدایت لے کر اور اُس کو جو
گھل گھرا ہی میں مبتلا ہے ﴿۸۵﴾

گذشتہ آیات میں اللہ نے فاروق کے حکم، غرور، دولت مند اور نبوی علیہ السلام

ربط آیات

کہ ایذا رسانی کا ذکر کیا اور پھر اس کا انجام بھی بیان فرمایا اللہ نے اُسے اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا اور ایسے وقت میں اس کی دولت، حجتہ، دوست احباب کچھ بھی کام نہ آئے، جو لوگ قارون کی شان و شوکت پر رشک کرتے تھے ان کو بھی ندامت اٹھانا پڑی۔ اس کی تباہی کر دیکھ کر ان لوگوں کو کہنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے۔ رزق کے دروازے کٹا دہ کر دے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دے۔ دولت کی فراوانی نیچی کی علامت نہیں بلکہ یہ تو اللہ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے۔ ان لوگوں نے تسلیم کیا کہ اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا جو ہماری تمنا کے باوجود ہمیں قارون کا ہم پلہ نہیں بنا دیا ورنہ ہم بھی اُس کے ساتھ ہی زمین میں دھنس جاتے اور ہمارا کمرٹی پر سان حال نہ ہوتا۔ انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ کافر لوگ کبھی فلاح نہیں پاسکتے، ان کا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہے

مانعت
جنت

آج کی پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ جو انسان کے جنت کے جانے کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ ان میں سے ایک غرور ہے اور دوسرا فساد۔ گذشتہ رکوع میں بھی دارالآخرت کا ذکر آچکا ہے کہ قارون کی قوم نے اُس سے کہا کہ اللہ نے جو مال و دولت تمہیں عطا کیا ہے اس کے ذریعے آخرت کا گھر تلاش کرو اور لوگوں پر احسان کرو جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے۔ اب اس آیت میں بھی دارالآخرت کا ذکر اس حوالے سے کیا گیا ہے کہ یہ ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ جو غرور اور فساد سے پرہیز کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ آخرت کا گھر وہ ہے کہ بَنَعْنَاهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فِتْنًا اہم بنتے ہیں اُس کو ان لوگوں کے لیے جو نہیں چاہتے زمین میں بڑائی اور نہ فساد کرتے ہیں۔ گویا آخرت کے گھر کے حصول میں دو چیزیں بڑائی یعنی غرور و تکبر اور فساد مانع ہیں۔

غرور اور تکبر

تکبر روحانی بیماریوں میں سے سب سے بڑی بیماری ہے۔ تکبر ہی کی وجہ سے ابلیس رازدہ درگاہ ٹھہرا۔ اللہ نے فرمایا۔ أَبْطَأ وَاسْتَكْبَرُ وَكَانَ مِنَ

الْكُفْرِيْنَ (البقرہ - ۳۴) اُس نے حکم خداوندی کا انکار کیا اور تکبر کیا جس کی وجہ سے وہ کافروں میں شمار ہو گیا۔ دوسرے کو اپنے سے کم تر اور حقیر سمجھنا تکبر کی علامت ہے۔ اس قسم کا تکبر عام لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ کوئی شخص دوسرے کو علم کے اعتبار سے حقیر سمجھتا ہے، کوئی خاندان، برادری اور محلے کے اعتبار سے۔ کوئی دولت اور قوت کی بنا پر دوسرے کو حقیر جانتا ہے۔ یہ بڑی قبیح چیز ہے اور آخرت کے گھر کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے لَا يَفْخَرُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ وَلَا يَبْغِي بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ کوئی شخص دوسرے کے مقابلے میں فخر نہ کرے اور نہ کوئی ایک دوسرے پر سرکشی کرے۔ اُس کی بجائے تواضع اور انکاری کو اختیار کرنا چاہیے۔ بزرگان دین فرمانے ہیں کہ تکبر ایسی قبیح بیماری ہے کہ انسانی جسم سے اس کا نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے ایک پہاڑ کو سوئی کے ذریعے اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کرنا آسان ہے مگر تکبر کو ازل سے نکالنا مشکل ہے۔ اسی لیے تکبر کی بیماری سب سے آخر میں نکلتی ہے۔

قرنی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جس آدمی کی جان اُس کے جسم سے اس حالت میں جدا ہو کہ وہ شخص تکبر، خیانت اور غلو سے پاک ہو تو ایسا شخص جنت میں داخل ہوگا۔ ایک روایت میں دین یعنی قرضہ کا ذکر بھی آتا کہ اس سے بھی پاک ہونا ضروری ہے۔ یہ حقوق العباد کا حصہ ہے اور جب تک صاحبِ حق معاف نہ کرے، اس کی معافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ کسی کی حق تلفی خیانت ہے جس کے متعلق اللہ کا فرمان ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُخَابِرِينَ (الانفال) ۵۸ وہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ خائن اللہ کی نگاہ میں مغضوب ہوتے ہیں۔ دوسری مانع جنت چیز فساد فی الارض ہے۔ فساد کا عام فہم معنی قتل و غارت مار دھاڑ اور ظلم و زیادتی وغیرہ ہوتا ہے، تاہم قانون خداوندی کی خلاف ورزی، کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب بھی فساد فی الارض میں داخل ہے۔ ابھی پچھلے رکوع میں گزرا ہے کہ قارون کی قوم نے اُس سے کہا لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ زمین میں فساد نہ تلاش کرو، اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا سورۃ الاعراف میں واضح طور پر فساد فی الارض سے منع کیا گیا وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (آیت - ۵۶) نہ فساد کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد۔ بہر حال جیب تک قوانین الیہیہ عمل ہونا ہے گا، لوگوں کو اس میں حاصل ہوگا۔ جیب شرک کفر اور معاصی کا ارتکاب ہوگا۔ تو بدعتی اور شرع فساد پیدا ہوگا۔ بدعات اور خلاف سنت امور بھی فساد کا باعث ہوتے ہیں۔ لہذا ایسی چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔

عزور و تکبر اور فساد فی الارض کے علاوہ حسد کی بیماری بھی عام لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے مَا خَلَا جَسَدًا عَنْ حَسَدٍ لَعْنَةُ اللَّهِ كَوْنِي أَنَا لِي جَمِ حَسَدٍ خَالِي نَبِيٌّ هُوَ۔ اسی لیے حاسد کے حسد سے پناہ مانگی گئی ہے وَصِنُ نَشْرُ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ (العلق - ۵) ابو ذر و شریف کی روایت میں آتا ہے کہ لوگو! احد سے بچتے ہو فإنَّ الحَسَدَ يَأْكُلُ الحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الحَطَبَ کیونکہ حسد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے۔ جیسے آگ بھڑکی کو کھا جاتی ہے۔

بہر حال فرمایا کہ آخرت کا گھم ان لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے جو تکبر اور فساد فی الارض سے اجتناب کرتے ہیں۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ اور اچھا انجام متقیوں کا ہی ہوگا۔ تقویٰ کا معنی اور محافظت برصود شرع یعنی شریعت کی حدود کی حفاظت کرنا ہے۔ جو شخص حدود شریعت کو قائم رکھے گا۔ وہ کامیاب ہوگا۔ متقی پر آزمائشیں تو آئیں گی لیکن بالآخر وہ خدا کی رحمت کے مقام میں پہنچ جائیگا اس کے برخلاف تکبر اور فساد کرنے والے محروم رہ جائیں گے۔

اگر ارشاد ہوتا ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ حَيْرٌ مِمَّنْهَا

نیکی اور
بڑائی کا بدلہ

جو شخص نیچے کر آیا، اللہ کے ہاں اس کے لیے اس نیچے سے بہتر بدلہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا عام قانون یہ ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَلِهَا (الانعام - ۱۶۱) یعنی نیچے کا کم از کم بدلہ دس گنا ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ یہ بدلہ سات سو گنا یا سات لاکھ گنا سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے انسان کا خلوص جس قدر بڑھا جائیگا، اسی قدر اللہ کے ہاں اجر و ثواب میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا، حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کیا ہوا کھجور کا ایک دانہ اجر و ثواب میں اصد پہاڑ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کا عمل تو ایک محدود وقت کے لیے ہوتا۔ مگر اس کا اجر و ثواب چونکہ دائمی ہوتا ہے، لہذا وہ عمل سے بہر صورت بہتر ہوتا ہے۔

فَرِيًّا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ الَّذِي كَفَرَ
عَمَلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ اور جو کوئی برائی لے کر آیا، تو برائی کا ارتکاب کرنے والوں کا بدلہ ان کی برائی کے برابر ہی ہوگا، اس سے زیادہ نہیں ہوگا۔ شاہ عبدالقادر دہلوی لکھتے ہیں کہ اللہ نے نیچے کیلئے بہتر اجر کا وعدہ کیا ہے۔ لہذا وہ تو بہر صورت ملنا ہے مگر برائی کے لیے وعدہ نہیں فرمایا، لہذا ممکن ہے کہ وہ صحافت ہی ہو جائے۔ ہاں اگر کسی کو سزا ملے گی تو اتنی ہی جتنی اس نے برائی کی ہوگی، اس سے زیادہ نہیں۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو بہتر مستقبل کی پیش گوئی کر کے تسلی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْكُمْ لَكُلِّبُوا مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ اور جو آپ کو کفر سے لڑائے گا، لوٹانے کی جگہ کی طرف۔ لوٹانے کی جگہ سے متعلق مفسرین کہہ رہے ہیں کہ آپ کو نفسیں بیان کرتے ہیں۔ معاد سے ایک مراد تو قیامت والے دن لوٹانے کی جگہ ہے کہ آپ اس دن بلند ترین مقام پر فائز ہوں گے، جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں آتا ہے عَسَىٰ أَنْتَ تَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا (آیت ۷۹) امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ جہاں آپ سجدہ ریز ہونگے۔

اور پھر ازانِ الہی سے شفاعت کبریٰ اور شفاعتِ صغریٰ کریں گے۔ مطلب یہ کہ اگر اس لوٹانے سے قیامت کا لوٹنا مارا دوسے تو وہاں بھی آپ کو نہایت ہی عزت و احترام والے مقام میں لوٹایا جائے گا۔

معاذ کا دوسرا معنی مفسرین کے نام پر بیان کرتے ہیں کہ اس کا اشارہ آپ کو مکہ مکرمہ میں واپس لوٹانے کی طرف ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضور علیہ السلام کی ہجرت الی المدینہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، وہیں جوان ہوئے، نبوت بھی اسی مقام میں ملی، مکہ مشرکین نے آپ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور آپ کو ہجرت پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ آپ غارِ ثور سے نکل کر ایک غیر معروف راستے پر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ پھر جب آپ جحفہ کے مقام پر پہنچے تو مدینہ کے لیے سیدھا راستہ اختیار کیا۔

اسی دوران آپ خذوۃ نامی پہاڑ پر چڑھے اور حرمِ شریف کی طرف دیکھ کر کہ آپ کا دل بھرا آیا اور نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کہ اگر مکے والے مجھے مجبور نہ کرتے تو اللہ کے گھر کا پڑوس چھوڑ کر نہ جانا، گویا مکہ کی جدائی حضور علیہ السلام کے لیے سخت اضطراب کا باعث بنی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس حالت میں اللہ نے یہ آیت نازل فرما کر حضور علیہ السلام کو تسلی دی کہ جس خدا تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا وہ ضرور آپ کو مکے کی طرف دوبارہ لوٹائے گا۔ مطلب یہ کہ اب تو آپ مجبوراً مکہ مکرمہ سے رخصت ہو رہے ہیں مگر ایک وقت آئے گا۔ جب آپ فاتحانہ انداز میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس شہر میں واپس آئیں گے۔ انہوں نے اپنا یہ وعدہ پورا فرمایا اور ہجرت کے آٹھ سال کے بعد آپ دس ہزار قدسیوں کی جماعت کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے مگر کسی نے مزاحمت نہ کی۔

قرآن فرض کرنے سے مراد قرآن کا نزول ہے۔ اس کے علاوہ قرآن پاک کی تلاوت بھی اس ضمن میں آتی ہے جیسے فرمایا اَتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ (العنکبوت - ۴۵) آپ کے پاس جو کتاب نازل کی گئی ہے۔ آپ اس کی

تلاوت کریں۔ اس کے بعد کتاب اللہ کی تعلیم و حکمت، اس پر عملدرآمد، اور نزلہ کی نفس
 وغیرہ سب فرض کے حکم میں داخل ہے۔ تو فرمایا کہ جس خدا نے آپ پر قرآن فرض
 کیا ہے، وہ ضرور آپ کو لوٹانے کے مقام پر لوٹائے گا، لہذا آپ دل برداشتہ نہ ہوں
 بلکہ تسلی رکھیں۔ سورۃ الضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا۔ **وَلَلْآخِرَةُ**
خَيْرٌ لِّكَ مِنَ الْأُولَىٰ (آیت - ۴) آپ کا آخری
 دور پہلے دور کی نسبت لازماً بہتر ہوگا۔ اللہ نے اپنا یہ وعدہ بھی پورا فرمایا اور اسلام کو غلبہ عطا کیا
 ارشاد ہوتا ہے **قُلْ اے پیغمبر! آپ کو دیکھئے رَبِّیْ رَحِمٌ مِّنْ رَّحْمٰتِ رَبِّیْ**
بِالْہُدٰی میرا پروردگار خوب جاننا ہے اُس شخص کو جو ہدایت لے کر آیا ہے۔
وَمَنْ هُوَ فِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ اور اس کو بھی جانتا ہے جو کھلی گمراہی میں مبتلا
 ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی نیت، ارادے اور اعمال سے واقف ہے اور اسی کے
 مطابق ہر ایک کو بدلہ دیگا۔ پہلے نیچے اور برائی کا ذکر کر کے جزائے عمل کو بیان کیا اب
 ہدایت اور گمراہی کی رو سے بدلے کا ذکر کیا ہے کہ ہر ایک کو اس کے کیے کا پھل
 ملے گا۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَن يُلْقَى إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ۝۸۶ وَلَا يَصُدُّكَ عَنِ آيَةِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝۸۷ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ قُتِبَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكًا إِلَّا وَجْهًا لَّهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝۸۸

ترجمہ
تفسیر
القصص

ترجمہ :- اور نہیں آپ توقع رکھتے تھے کہ آماری جائے آپ کی طرف کتاب، مگر یہ مہربانی ہے آپ کے پروردگار کی طرف سے۔ پس نہ ہوں آپ مددگار کفر کرنے والوں کے (۸۶) اور نہ روکیں آپ کو (یہ کافر لوگ) اللہ کی آیتوں سے بعد اس کے کہ وہ آماری گئی ہیں آپ کی طرف۔ اور بلائیں آپ اپنے پروردگار کی طرف، اور نہ ہوں آپ شرک کرنے والوں میں سے (۸۷) اور نہ پکاریں آپ اللہ کے ساتھ کسی اور کو۔ نہیں کرنی مجھ کو اس کے سوا۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے مگر اُس کی ذات۔ اسی کا حکم ہے، اور اسی کی طرف تم لوٹنے جاؤ گے (۸۸)

رابطہ آیات

سورۃ القصص میں بنیادی عقائد توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی حقانیت و صداقت کے علاوہ بہت سی نصیحت کی باتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ اس میں کفر کی مذمت اور غرور و تکبر کی قیامت ذکر ہوئی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے

کہ بلاشبہ مشرکین آپ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات کو بھی ذہن میں رکھیں کہ انہیں زندگی بھر کن کن مشکل حالات سے گزرنا پڑا۔ ان کا واسطہ بھی بڑے بڑے سرکش اور متکبر لوگوں کے ساتھ تھا۔ آپ کے مخالفین بھی بڑے ماہ بخار ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مغروروں میں فرعون اور لامان تھا۔ جب کہ حاسدوں میں قارون تھا اسی طرح آپ کے بھی بڑے بڑے متکبر دشمن اور حاسدین ہیں۔ آپ دل برداشتہ نہ ہوں، بلکہ حالات کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کریں، بالآخر کامیابی آپ ہی کے حصے میں آئیگی۔

نبوت عظیمہ
خداوندی ہے

آج کے درس میں سب سے پہلے نبوت و رسالت اور وحی الہی کو وہی چیز قرار دیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ نبوت کسی کی خواہش یا محنت کی بدولت حاصل نہیں ہوتی۔

بلکہ یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہوتا ہے جو اپنے فضل و رحمت سے جس کو چاہے اس

منصب کے لیے چن لینا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا كُنْتُمْ تَرْجُونَ اَنْ

يُلْقِيَ الْكِتَابَ الْحَكِيمَ اور آپ نہیں اُمید رکھتے تھے کہ آپ کی طرف کتاب

نازل کی جائیگی۔ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ آپ کو کتاب عطا

ہونے یعنی نبوت ملنے کی کوئی امیر یا توقع نہیں تھی اَلَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَبِّكَ

بلکہ یہ تو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر خاص رحمت ہے کہ اس نے اپنے فضل

سے نبوت کا آج آپ کے سر پر رکھا۔ مطلب یہ کہ عطا ئے نبوت میں کسی عبادت و ریاضت

یا کسی دوسری محنت کا کوئی دخل نہیں ہونا کہ کوئی یہ اُمید کرنے لگے کہ اب مجھے نبوت

ملنے والی ہے۔ یہ تو خالصتاً عظیمہ خداوندی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی استعداد

اور خلوص کو جانتا ہے جس کی بنا پر وہ نبوت و رسالت کے لیے انتخاب کرتا ہے کسی

نبی کو نبوت عطا ہونے سے پہلے کوئی توقع یا اُمید نہیں تھی کہ اُسے اس منصب جلیل

پر فائز کیا جا رہا ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صلوة والسلام پر چب پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ

صحت خوفزدہ ہوئے اور لرزتے کانپتے گھم تشر لکھتے لائے۔ حضرت خدیجہؓ کو مارا

واقعہ نایاب جنوں نے آپ کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہلاک نہیں کرے گا،

آپ تو صلہ رحمی کرنے والے اور دوسروں کے کام آنے والے ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ

کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ قبل از نبوت بھی کسی نبی سے کوئی گناہ نہیں سرزد ہونے دیتا بلکہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔

اس ضمن میں قادیانیوں نے نہایت ہی غلط عقیدہ وضع کر رکھا ہے۔ سرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا محمود نے لکھا ہے کہ کوئی شخص عبادت و ریاضت کرتے کرتے نبی کا درجہ پا سکتا ہے۔ بلکہ نبی سے آگے بھی بڑھ سکتا ہے (نعوذ باللہ) قادیانیوں کے لٹریچر میں اس قسم کی کفریہ باتیں موجود ہیں مگر افسوس کا مقام ہے کہ اچھے بھلے پٹھے لکھے لوگ بھی ایسی چیزوں کو بڑھ کر واہ واہ کرتے ہیں۔ دنیا کا اقتدار، الاملازمت، حکومت، وزارت، ممبری وغیرہ کے لیے تو انسان امیدوار بنتا ہے، پھر محنت کرتا ہے انتخاب لڑتا ہے، خرچ کرتا ہے، تیکہیں جا کر اُسے ممبری کی امید ہوتی ہے پھر وہ وزیر بنتا ہے، وزیر اعلیٰ کے عہدہ پر فائز ہوتا ہے یا وزیر اعظم اور صدر بن جاتا ہے اسی طرح عام ملازمت کا بھی یہی حال ہے۔ انسان کسی معمولی عہدے پر فائز ہوتا ہے اور پھر اپنی محنت اور قابلیت کی بنا پر اعلیٰ عہدے تک ترقی کر جاتا ہے، مگر نبوت کے لیے ایسا کوئی قانون نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوتی ہے نبی کو اپنی نبوت کا اس وقت علم ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ اُس پر وحی نازل فرما کر اُسے آگاہ کرتا ہے۔ تو یہاں بھی قریبا کہ آپ کو امید نہیں تھی کہ آپ کو نبوت عطا ہو رہی ہے اور آپ پر یہ کتاب نازل ہونے والی ہے بلکہ یہ تو آپ کے پروردگار کی طرف سے خاص رحمت تھی کہ اُس نے آپ کو اس منصب کے لیے منتخب فرمایا اور تمام انبیاء میں آپ کو بلند ترین مقام عطا فرمایا وَلَٰكِنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَحَاثَمَ النَّبِيْنَ (الاحزاب - ۴۰) آپ کو رسول بنایا اور نبیوں کا خاتم بھی بنا دیا۔ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔ اللہ نے فرمایا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (البقرہ - ۲۵۳) ہم رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ فَدَجَّتْ (البقرہ - ۲۵۳) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سب کے اعلیٰ درجہ عطا فرمایا۔

فرمایا کہ جب اللہ نے آپ پر اس قدر احسان فرمایا ہے فَلَا تَكُوْنَنَّ

ظَهِيْرًا لِّلْكَافِرِيْنَ يَنْ يَسْ نَهوں آپ كافروں كے مددگار اور پشت پناہ۔ يهي بات
 موسیٰ عليه السلام كے واقعہ ميں سورۃ كى ابتدا ميں بيان ہو چكى ہے۔ جب اُن كے ہاتھوں
 غير ارادى طور پر ايك قبيلى قتل ہو گيا تو وہ اس فعل پر ينادم ہوئے اور اُسے شيطان كا عمل
 قرار ديا۔ پھر انہوں نے اللہ تعالٰى سے معافى مانجى اور اللہ نے اُن كو معاف بھی كر ديا
 اس موقع پر موسیٰ عليه السلام نے بارگاہ رب العزت ميں عرض كيا قَالَ رَبِّتَبَسَّمَا
 اَنْعَمْتَ عَلٰى فَلَئِنْ اَكُوْنُ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ (القصة)۔
 پروردگار! اس وجہ سے كہ تو نے مجھ پر اس قدر احسان كيا ہے تو ميں كبھی بھی مجرموں كا
 مددگار يا پشت پناہ نہيں ہوں گا۔ بلکہ ہميشہ حق پرستوں كا ساتھ دوں گا۔

شاہ عبدالقادر ہيں پر ايك اور لطيف بات بھی ذكر كرتے ہيں۔ آپ اس
 آيت كا مضموم اس طرح بيان كرتے ہيں كہ آپ اپنى قوم كو اپنا نہ سمجھيں كہ انہوں نے
 آپ كو ہجرت پر مجبور كر ديا۔ اب آپ كا وہى اپنا ہے جو ايمان اور توحيد كو تسليم كرنے كے
 آپ كا ساتھ ديگا۔ اللہ نے عام مومنوں كے ليے بھی يہى اصول بيان فرمايا ہے۔
 وَلَا تَرَكَوْا اِلٰى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمْ النَّاسُ (مہود۔ ۱۱۳)
 اے ايمان والو! ان ظالموں كى طرف مت چھو۔ اگر ايسا كرو گے تو ان كى طرح تمہيں بھی جہنم
 چھوئے گی۔ انہا ہر مومن كا فرض ہے كہ وہ كسى كا فرہم شر ك يا مجرم كا ساتھ نہ لے اور
 نہ ہى اُن كا مددگار يا پشت پناہ بنے۔ اللہ نے ايك عام اصول يہ بھی بتلا ديا ہے۔
 وَتَعَاوَنُوْا عَلٰى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلٰى الْاِثْمِ
 وَالْعُدْوَانِ (المائدہ۔ ۲) نيكي اور تقوىٰ كے كام ميں ايك دوسرے كے
 ساتھ تعاون كرو، اور گناہ اور تہرى كے معاملے ميں تعاون نہ كرو۔ كوئى امير ہو،
 وزير ہو، صدر ہو يا بادشاہ ظلم و زيادتى ميں كسى كے مدد و معاون نہ بنو۔ اگر كفر، شر ك،
 احماد اور بے دينى ميں تعاون كرو گے۔ تو جہنم كے مستحق ٹھہرو گے۔

دوسرى بات اللہ نے اپنے نبى كير فرمائي وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ
 اٰيَةِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اَنْزَلْتَ الْبُرْ كہ كافر لوگ آپ كو آيت الہى كے نزول

کے بعد ان سے روک نہ دیں بطلب یہ کہ آپ کافروں سے کوئی ایسا معاہدہ نہ کر لیں جو تبلیغ حق کے راستے میں رکاوٹ بن جائے مثلاً سورۃ القلم میں ہے
 وَقَدْ وَاكَلَتْ دُهْنٌ فَيَدْهِنُونَ رَأَيْتَ - ۹) کافر لوگ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے مشن میں کچھ ڈھیلے پڑ جائیں تو وہ بھی مخالفت میں کبھی کر دیں گے۔ فرمایا دین کے معاملے میں اس قسم کی سودے بازی درست نہیں۔ دین کے اصولوں پر کوئی مجبور نہیں ہو سکتا۔ اس کو مدہمت کہا جاتا ہے کہ کسی لالچ یا دباؤ میں آکر مشن کو ترک کر دیا جائے یا زہمی پیدا کر دی جائے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کافر لوگ آپ کو دین کی تبلیغ، توحید کی اشاعت یا کفر کی مذمت بیان کرنے کے معاملہ میں سودا بازی کریں کہ تم ان کو چھوڑ دو تو تمہیں فلاں فلاں رعایت دے دیں گے۔ اللہ نے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ آپ اپنے مسلک پر قائم رہیں اور تبلیغ دین کا کام جاری رکھیں۔

دعوت الی اللہ

فرمایا اپنے دین پر استقامت اختیار کرتے ہوئے وَادْعُ الْإِلٰهَ رَبِّكَ کو اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیں کہ أَوَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ آيَاتٌ اس کے دین اور اس کی شریعت کو مانو، اس کی کتاب پر ایمان لاؤ۔ فرشتوں اور قیامت کے دن کو تسلیم کرو۔ وَأَلَّا تَكْفُرُوا بِاللَّهِ اور آپ شرک کرنے والوں میں نہ ہوں۔ شرکیہ رسوم میں شریک ہونا یا بدل سے ان کو اچھا سمجھنا انہی کے ساتھ شامل ہونے والی بات ہے۔ مومن کافر غرض ہے کہ وہ کفر، شرک اور بدعات سے نفرت کرے، اگرچہ یہ خطاب حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر پوری نوح انسانی کو سمجھانا مقصود ہے کہ کسی طرح بھی شرک میں ملوث نہ ہوں کہ اللہ نے اس گناہ کی عدم معافی کا بار بار اعلان کیا ہے۔

فرمایا وَأَلَّا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ إِلٰهًا آخَرَ اور نہ پکاریں آپ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو۔ اپنی حاجتوں میں بغیر اللہ کو پکارنا اس کی عبادت کرنے کے مترادف ہے خواہ وہ فرشتہ ہو، جن ہو، پیغمبر ہو یا کوئی ولی ہو۔ مافوق الاسباب کسی غیر اللہ کو پکارنا اسے الٰہ تصور کرنا ہے، اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ عالم اسباب میں تو ایک دوسرے کو آواز دے کر اس کی حتی الامکان مدد بھی حاصل کر سکتے ہیں مگر

جہاں ظاہری اسباب ختم ہو جاتے ہیں۔ وہاں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی پکارنا روا ہے۔ اگر کسی دوسری ذات کو پکارے گا تو مشرک بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر مقام پر حاضر و ناظر ہے، ہر چیز پر اسی کا تسلط ہے۔ وہی ہر ایک کی پکار کو سنتا ہے اور اسکی حاجت براری کرتا ہے۔ لہذا پکارنا بھی صرف اسی کو چاہیے۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (آیت - ۲۹) اسی کو پکارو اس حال میں کہ اسی کی اطاعت کرنے والے ہو۔

غیر اللہ کو پکارنا بھی منع ہے اور عبادت کرنا بھی منع ہے۔ عبادت کرنا انتہائی درجے کی تعظیم کا نام ہے جو کہ صرف خدا تعالیٰ کے لیے روا ہے۔ یہ تعظیم اگر جسم کے ساتھ ہو تو غیر اللہ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا، رکوع کرنا یعنی جھکنا یا سجدہ کرنا عبادت میں شمار ہوگا۔ اسی طرح مالی عبادت میں غیر اللہ کی خوشنودی کے لیے قربانی کرنا یا صدقہ کرنا کسی کے نام کی منت ماننا، مال صرف کرنا، سب عبادت میں شامل ہے۔ اگر کوئی اللہ کے سوا کسی دوسرے سے نفع نقصان کی امید رکھے گا، تو وہ بھی مشرک ٹھہرے گا۔ قلبی عبادت بھی صرف اللہ کی ہو سکتی ہے۔ اللہ کے سوا دل میں کسی دوسرے کا خوف رکھنا کہ فلاں ہمیں نقصان پہنچانے پر قادر ہے، اسی طرح ماسوی اللہ کسی پر بھروسہ رکھنا بھی روانہیں۔ توکل بھی اللہ کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (آل عمران - ۱۲۲) اگر صاحب ایمان ہو تو اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ رکھو کہ سارا کنٹرول اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے لہذا اس کے سوا کسی کو مت پکارو۔

آگے اللہ نے اس چند روزہ زندگی کی بے ثباتی کا ذکر فرمایا ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے۔ وجہ کا لفظی معنی تہجرہ ہوتا ہے مگر اس سے ذات ہی مراد لی جاتی ہے۔ امام بیضاوی، امام رازی اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ وَجْهَهُ

سے اللہ کی ذات مراد ہے، ہر چیز فانی ہے، یا تو وہ بالفعل فنا ہے یا آگے چل کر فنا ہونے والی ہے، اللہ کے سوا کوئی ذات اور کوئی چیز دائمی نہیں ہے۔ ازلی اور ابدی ذات صرف ذات خداوندی ہے۔ جو حی اور قیوم ہے اور جس پر کبھی فنا نہیں۔ فرشتوں کو اللہ نے انسانوں کی تخلیق سے کھربوں سال پہلے پیدا کیا، مگر ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب اللہ کے مقرب ترین فرشتوں جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل پر بھی ہوت طاری ہو جائیگی۔ اللہ کی ذات کے سوا کوئی چیز زندہ نہیں رہے گی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں حضرت لبیدہؓ بہت بڑے شاعر ہوئے ہیں۔ اُن کا شاعری میں مرتبہ ایسا ہی ہے جیسے یہاں پر غالب، میر تقی میر، حسرت موہنی اور اقبال ہوئے ہیں۔ آپ نے نوے سال تک دور جاہلیت میں گزاریے اور پھر اس کے بعد اسلام لائے۔ اور مزید پینالیس سال اسلام کی حالت میں گزاریے۔ مسلمان ہونے کے بعد شاعری ترک کر دی تھی۔ کہتے تھے اب مجھے ضرورتاً بقرو ہی کافی ہے حضور علیہ السلام نے اُن کے متعلق فرمایا تھا اصدق کلمۃ قالت العرب قول لبید یعنی عربوں کے لہجے سچا کلمہ اگر کوئی ہے تو وہ لبیدہ کا ہے۔ آپ نے دنیا کی بے ثباتی کے متعلق کہا ہے۔

اَلَا كَلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَقَ اللهُ بِاطِلًا
وَكُلُّ نَعِيمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلًا
نَعِيمًا فِي الدُّنْيَا عَرُودٌ وَحَسْرَةٌ
وَ اَنْتَ عَنْقَرِيْبٌ عَنْ مَقِيْلِكَ رَاحِلًا

خدا کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، اور دنیا کی ہر نعمت لامحالہ زائل ہو جانے والی ہے، تمہاری دنیا کی نعمتیں باعث انوس اور حسرت ہیں اور تم عنقریب اپنے ٹھکانے سے کوچ کر کے جانے والے ہو۔ گریا انسان کی ہستی کچھ نہیں۔ سعوی صاحب نے بھی کہا ہے

کس را بقائے دائم و محمد مقیم نیست
جاوید پادشاہی و محمد مقیم گشت
لے ابن کشیر ص ۱۳۳ (فیاض)

کسی کے لیے ہمیشگی اور عمرِ مقیم نہیں ہے۔ اے پروردگار! ہمیشہ کی بادشاہی اور عمرِ مقیم صرف تیری ذات کی ہے۔

نظام حیدرآباد کا استاد جلیل مانگ پوری بڑا عالم اور شاعر بھی تھا، وہ کہتا ہے

ہستی ہے عدم میری نظر میں

سوچی ہے یہی ایک عمرِ صبر میں

میر تقی میر نے بھی اس مضمون کو عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے۔

بود و نقش و نگار سا ہے کچھ

صورتِ اعتبار سا ہے کچھ

یہ فرصت جسے کہیں ہیں عمر

دیکھو تو ایک انتظار سا ہے کچھ

خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرحمن میں اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

مَنْ عَلَيْهَا فَإِنَّ (۲۶) وَيَتَّقِي وَحْبَهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (۲۷)

اس جہاں کی ہر چیز فانی اور باطل ہے اور باقی رہنے والی صرف اللہ کی ذات جو صاحب

جلال و عظمت ہے۔ فرمایا کہ الْحُكْمُ وَالْيَقِينُ تُنْجَعُونَ اِسْمِ كَا حَكْمٍ هِ

اور تم سب اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو۔ ایک دن آنے والا ہے جب ساری

مخلوق اس کی عدالت میں حاضر ہوگی۔ اور اس دنیا میں کردہ اعمال کا ثمرہ پائے گی۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ كَلَّ شَيْءٌ عِ هَمَّا لِكِ الْاَلْمِ وَجِهَةً كَا تَعْلُقُ الْاِنْسَانَ

کے عمل سے بھی ہو سکتا ہے۔ گویا انسان کا ہر عمل فانی اور زائل ہے سوائے اس عمل کے

جس کا رخ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہے۔ یعنی جو عمل خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی

کے لیے کیا جائے گا۔ وہی قائم رہے گا، وہی مقبول ہوگا اور اچھا بدلہ پائے گا۔ اور باقی سارے

اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ گویا وجہ سے خدا تعالیٰ کی رضا بھی مراد ہو سکتی ہے

أَسْتَعْفِفُ اللّٰهَ ذَنْبًا لَسْتُ مَحْصِيَهُ

رَبِّ الْعِبَادِ اِلَيْهِ الْوَجْهَةُ وَالْعَمَلُ

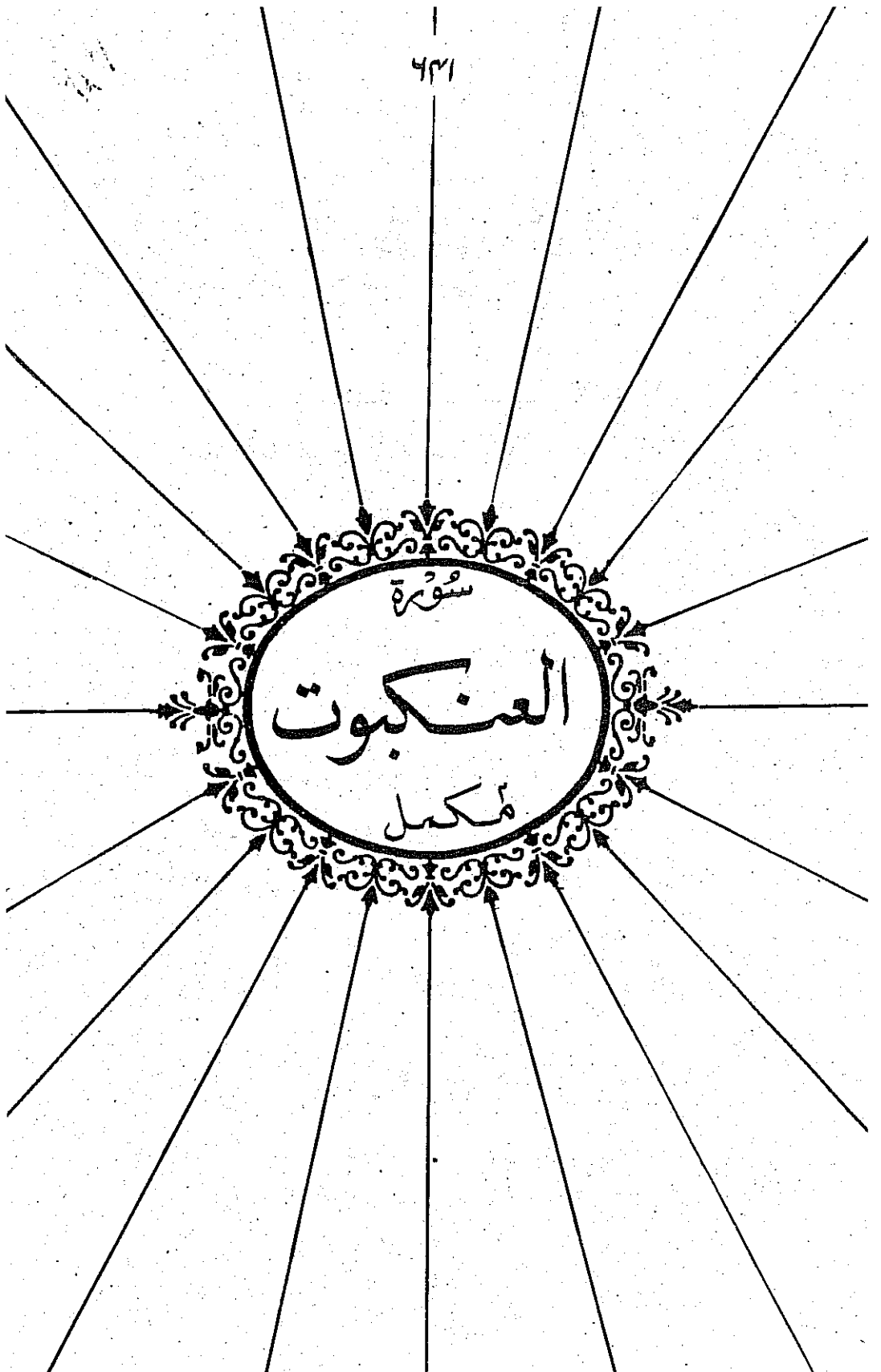
یام ابن جریر
کی توجیہ

میں اللہ تعالیٰ سے اُن گناہوں کی معافی طلب کرتا ہوں کہ جن کو میں شمار کرنے سے بھی عاجز ہوں۔ اے بندوں کے پروردگار! انسان اور اس کے عمل کا رُخ اُسی کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو عمل خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے گا۔ وہی مقبول ہوگا۔ باقی کچھ نہیں۔ اگرچہ یہ مفہوم بھی بیان کیا جاتا مگر پہلا مفہوم زیادہ راجح ہے۔

امام ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے آپ کو نصیحت کرنے کے لیے کسی ویران مکان یا کھنڈرات کی طرف نکل جاتے۔ وہاں کسی ٹوٹے پھوٹے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دیتے، اے مکان اَیْنَ اَہْلُکَ تیرے مکین کہاں گئے۔ اس کے بعد یہی آیت تلاوت فرماتے کُلُّ مَشْئِیٍّ ہَا لَکَ اِلَّا وَجْہَکَ طَاہُ الْحُکْمِ وَالْیَہِ تَسْجَعُونَ اُن کا مقصد عبرت حاصل کرنا ہوتا تھا کہ اتنے عالیشان محلات میں رہنے والے باقی نہ رہے، اُن کی رہائش گاہیں بھی اجڑ گئیں، گو یہ چیز فانی ہے۔ قبرستان میں جا کر بھی انسان کو یہی نصیحت ہوتی ہے کہ دنیا کی کوئی چیز باقی نہیں ہے۔ صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہی قائم و دائم ہے۔

اے ابن کثیرؒ (فیاض)

42.



سُورَةُ
الْعَنْكَبُوتِ
مُكْمَلٌ

العنكبوت ۲۹

امن خلق ۲۰

آیت ۱ تا ۷

درس اول ۱

سورة العنكبوت مكيتر وهي تسع وستون آية وسبع ركوعات
سورة عنكبوت مکی ہے۔ اس کی انتہت ۶۹ آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو سید مہربان انتہت رحم کرینا ہے

الْم ۱ أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يَسْرُكُوا
أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۲
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلْيَعْلَمَنَّ
الْكٰذِبِينَ ۳ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ
السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۴
مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ
لَآتٍ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۵ وَمَنْ

جَاهِدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ
لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ⑥ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ
وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا
يَعْمَلُونَ ⑦

ترجمہ:- آلم ① کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ چھوڑ دیے
جائیں گے اس بات پر کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے
ہیں اور ان کی آزمائش سنیں کی جاوے گی ② البتہ تحقیق ہم نے آزمائش
میں ڈالا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے ہیں، پس ضرور
اللہ تعالیٰ ظاہر کرے گا ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ظاہر کرے
گا ان لوگوں کو جو جھوٹے ہیں ③ کیا گمان کیا ہے ان لوگوں
نے جو برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں کہ وہ بچ جائیں گے
ہم سے؟ برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ④ جو شخص
امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی، پس اس کا
مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے۔ اور وہ سننے والا
اور جاننے والا ہے ⑤ اور جس شخص نے مشقت برداشت
کی، بیشک وہ مشقت اٹھاتا ہے اپنے نفس کے لیے۔ بیشک
خدا تعالیٰ غنی ہے تمام جہان والوں سے ⑥ اور وہ لوگ

جو ایمان لائے، اور جنہوں نے اچھے کام کیے، ہم ضرور معاف کریں گے اُن سے اُن کی بُرائیاں، اور ضرور بدلہ دیں گے اُن کو سبتر کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے (۷)

اس سورۃ مبارکہ کا نام اس کی آیت - ۴۱ میں آدھ لفظ عنکبوت سے ماخوذ سورۃ العنکبوت ہے۔ اللہ نے اس آیت میں شرک کے بودہ پن کو مکھڑی کے جانے کے ساتھ تشبیہ دے کر بات سمجھائی ہے کہ اللہ کے علاوہ دوسرے کو معبود مٹھرانے کی مثال مکھڑی کے جانے کی طرح ہے جو کہ کمزور ترین گھبر ہوتا ہے۔ ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ سورۃ سورۃ الروم کے بعد نازل ہوئی مگر ترتیب تلاوت میں اس کو مقدم رکھا گیا ہے۔ یہ سورۃ صحیحی دور کے اس زمانہ میں نازل ہوئی جب کہ اہل ایمان پر ظلم و ستم کے پھاڑ توڑے جا رہے تھے، چنانچہ اللہ نے ابتدائی آیات میں ہی مسلمانوں کو تسلی دی ہے کہ ایمان قبول کرنے کے بعد آزمائش سے گزرنا پڑے گا، اور جو اس کسوٹی پر پورا اترے گا وہی ابدی فلاح پائے گا۔

نام اور
کو العنکبوت

اس سورۃ مبارکہ کی ۶۹ آیات اور سات رکوع ہیں اور یہ ۸۰ الفاظ اور ۴۵۴ حروف پر مشتمل ہے۔

اس سورۃ کا خاص موضوع ایمان اور ایثار ہے۔ ایمان کے ساتھ آزمائش ضروری ہے۔ اس ضمن میں اللہ نے چند ایک نمبروں کا ذکر بھی کیا ہے جن پر ٹبری ٹبری آزمائش آئیں مگر انہوں نے صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا استقلال تو ضرب المثل بن چکا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام پر بہت سی آزمائشیں آئیں۔ اور وہ ہر آزمائش پر پورا اترے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے واقعات گزشتہ سورۃ میں بھی بیان ہو چکے ہیں اور اس سورۃ میں بھی ان کے صبر و استقلال کا ذکر آ رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے اَشَدُّ الْمَكَدِّ عَلَيَّ الْاَنْبِيَاءِ ثُمَّ الْاُمَّثَلُ فَالْاُمَّثَلُ سب سے زیادہ آزمائشیں نبیاء علیہم السلام پر آئی ہیں۔ پھر ان لوگوں پر جو ان کے قریب ہوتے ہیں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی

مضامین سورۃ

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کشفی طریقے پر آسم سے عالم غیب آنے والے وہ علم
ملو دیتے ہیں جو اس مادی جہان میں آکر لوگوں کے بُرے اعمال، اخلاق اور عادات سے
ٹکراتے رہتے ہیں۔ تاہم امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کی تحقیق
میں نہیں پڑنا چاہیے مبادا کہ انسان ہلک جائے، لہذا زیادہ سلامتی والی صورت یہی
ہے کہ اللہ اعلم بِمَرَاجِعِ بِذَلِكَ اُمَّتًا وَصَدَقْنَا اِنْ حُرُوفِ
کی مراد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور ان حروف سے جو بھی مراد ہے ہمارا اس پر
ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انسانوں کو ہر چیز کا علم
تو نہیں ہے، چنانچہ ان حروف کے متعلق بھی یہی سمجھنا چاہیے کہ ہمیں ان کا ٹھیک
ٹھیک علم نہیں ہے، ان کے مفہوم کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

انسانی
لازمی آزمائش

ارشاد ہوتا ہے اَحْسِبِ النَّاسَ اَنْ يَتَّكِفُوا كَمَا كَانْتُمْ تَعْبُدُوْنَ
ہیں کہ وہ چھوڑ دیے جائیں اَنْ يَقُولُوا اُمَّتًا مَحْضًا اس وجہ سے کہ وہ کہتے
ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ اور وہ آزمائے
نہیں جائیں گے، فرمایا ایسی بات نہیں ہے۔ کوئی شخص محض زبانی دعویٰ ایمان
کی بدولت آزمائش سے بچ نہیں سکتا۔ ذرا سابقہ اقوام کی طرف نظر مار کر دیکھ لو۔
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَهَمُّوْا اَنْ يَكُوْنُوْا
کو بھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں ظاہر ہے کہ جب سابقہ اقوام آزمائش سے
نہیں بچ سکیں تو ان کو بھی ویسے ہی نہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ بلکہ ان کی بھی ضرور
آزمائش ہوگی۔ اور پھر اس کے نتیجے میں فَلْيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
صَدَقُوْا اللّٰهُ تَعَالٰی ضرور ظاہر کر دے گا ان لوگوں کو جو سچے ہیں وَكَيْعَلَمَنَّ
الْكٰذِبِيْنَ اور ان کو بھی ظاہر کر دے گا جو جھوٹے ہیں۔

علم کا عام مفہوم معنی تو جانتا ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ سچے اور جھوٹے لوگوں کو
ازل سے ایذا تک جانتا ہے مگر یہاں پر علم سے مراد ظاہر کرنا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ
کسی فرد یا قوم کو امتحان میں ڈالتا ہے تو پھر اس کے نتیجے میں متعلقہ فرد یا قوم

کی سچائی یا جھوٹ کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیتا ہے کہ ان کی پوزیشن یہ ہے۔ اس طرح عام لوگوں کو بھی ایک درس کے حق و باطل کا علم ہو جاتا ہے اور ہر شخص جان لیتا ہے کہ فلاں شخص موصوفہ ہے یا مشرک اور فلاں مخلص ہے یا منافق اور فلاں دھوکہ باز ہے یا ایمان دار۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی آزمائش ان کی حیثیت کی وضاحت کے اظہار کے لیے کرتا ہے۔

برائی پر
لازمی گرفت

ارشاد ہوتا ہے أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ
أَنْ يَكُونُوا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ کیا گمان کرتے ہیں وہ لوگ جو برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں کہ وہ ہم سے بچ جائیں گے؟ اکثر لوگ معاد کی طرف سے غافل ہوتے ہیں، آخرت کے لیے کچھ تیاری نہیں کرتے جی وجہ سے ایسا گمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بالکل محفوظ بیٹھے ہیں۔ فرمایا اگر وہ ایسا خیال کرتے ہیں تو ساء ما یحکمون تو بہت ہی بڑا فیصلہ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ وہ بندوں کو ہمت ضرور دیتا ہے۔ مگر بالآخر مجرموں کو پکڑ لیتا ہے۔ ہر شخص کی نیت، عمل اور کردار اس کے علم میں ہے۔ لہذا وہ کسی کو جزا یا سزا کے بغیر نہیں چھوڑتا۔

اللہ کے
حضور عیسیٰ

اگے ارشاد ہوتا ہے مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ جو شخص امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ تو اللہ کا مقرر کردہ وقت تو ضرور آنے والا ہے۔ وہ مل نہیں سکتا۔ رجحان امید اور خوف دونوں معنوں میں آتا ہے۔ یعنی جو شخص اللہ کی ملاقات کی امید رکھتا آیا اُس کی ملاقات اللہ کے ہاتھ میں آتی ہے۔ دونوں معنی درست ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات یعنی اُس کے حضور پیشی تو ایمان کا جزو بھی ہے يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَلِقَاءِهِ جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور اس کی ملاقات پر کہ ایک دن ضرور اُس کے سامنے حاضر ہونا ہے اور پھر اللہ کے ساتھ بالمشافہ گفتگو ہوگی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے يَسِّرْ
بَيْتَهُ وَبَيْتَهُ ترجمان یعنی اللہ اور بندے کے درمیان کوئی ترجمان

بھی نہیں ہوگا۔ سورۃ النحل میں ہے يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تَحَادِلُ
عَنْ نَفْسِهَا (آیت - ۱۱۱) ہر نفس کو اپنی طرف سے خود جواب دینا پڑے گا
 وہاں کوئی وکیل پیش نہیں ہوگا، جو کسی شخص کی ترجمانی کر سکے۔ تو فرمایا کہ اللہ کا
 مقررہ وعدہ ضرور اٹلے والا ہے۔ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ اور اللہ تعالیٰ
 ہر بات کو سنتے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ وہ ہر ایک ارادے، عمل اور
 اخلاص کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

مجاہدہ کی
 اہمیت

ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ
 اور جن نے مجاہدہ کیا یعنی محنت و مشقت کی تو بیشک وہ محنت اٹھاتا ہے اپنے
 ہی نفس کے لیے۔ مجاہدہ میں جہاد بالسیف بھی آتا ہے۔ اور خود اپنے نفس سے بھی
 جہاد کرنا پڑتا ہے تاکہ پہلے اپنی اصلاح ہو۔ آگے جہاد کی مختلف صورتیں ہیں۔ انسان کبھی
 مال کے ساتھ جہاد کرتا ہے تو کبھی جان کے ساتھ تبلیغ حق کے سلسلہ میں زبان اور قلم سے
 جہاد ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ مشرکین کے ساتھ مال، جان اور
 زبان سے جہاد کرو۔ غیر مسلموں کے ساتھ بحث و محیص کر کے اسلام کے متعلق آنکھ
 شوگ و شبہات رفع کرنا بھی جہاد ہی کا حصہ ہے۔

جہاد یا مجاہدہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ ہے۔ کوئی شخص حقیقی محنت کر گیا
 اسی قدر اللہ کے قریب ہوگا۔ عبادت و ریاضت کرنے والا مجاہد بعض اوقات
 خود پسندی کا شکار بھی ہو جاتا ہے اللہ نے اس کی تردید فرمائی ہے۔ کسی شخص کو اپنی
 محنت پر نازاں نہیں ہونا چاہیے اور محض کسی چیز کا خالی دعویٰ کر دینا بھی درست
 نہیں جب تک کہ اُس کے ساتھ عمل اور نیکی شامل نہ ہو۔

تو فرمایا جو شخص مشقت اٹھاتا ہے۔ وہ اپنی ہی ذات کے لیے ایسا کرتا ہے
 اس محنت کا فائدہ خود اسی کو ہوگا۔ کیونکہ إِنَّ اللَّهَ كَفِيَ الْعَالَمِينَ
اللَّهُ تَعَالَى تو جہان والوں سے بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی شخص کی عبادت و
 ریاضت اور محنت و مشقت کی کوئی ضرورت نہیں ہے نہ ہی اللہ تعالیٰ

کو اس کا کچھ فائدہ پہنچتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے بہیمیت کا ارتکاب کرتا ہے، تو اس سے خدا تعالیٰ کا تو کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ لکھا مآ کَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ-۲۸۶) انسان کو اچھے اعمال کا فائدہ بھی پہنچتا ہے اور بُرے اعمال کا خمیازہ بھی اسی کو بھگتنا پڑے گا۔ اگر ساری مخلوق نیک ہو جائے تو خدا کی خدائی میں کوئی اضافہ نہیں ہو جائے گا۔ اور سارے کے سارے نافرمان ہو جائیں، تب بھی اُس کی سلطنت میں کوئی خرابی نہیں آئیگی۔ یہ نفع نقصان تو خود انسان کی اپنی ذات کے ساتھ ہی وابستہ ہے

ایمان اور اعمال
صالحہ کا بدلہ

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیے لَنْ كُفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ اس کے بدلے میں ہم ضرور اُن کی برائیاں اُن سے دُور کر دیں گے یعنی معاف کر دیں گے جنور علیہ السلام کا قرآن بھی ہے کہ ایک حج سے دوسرے حج تک، اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک کی کوئی برائیاں اللہ تعالیٰ معاف کرنا رہتا ہے۔ بشرطیکہ انسان کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے۔ چھوٹی موٹی تقصیریں تو انسان کے اعضاء و جوارح سے بھی سرزد ہوتی رہتی ہیں جو اللہ تعالیٰ اُس کی نیکیوں کی بدولت از خود معاف فرمادیتا ہے۔ البتہ کبائر کی معافی تو یہ اور تلافی کے بغیر نہیں ہوتی، مطلب یہ ہے ایمان اور نیک اعمال ہی مدارِ فوز و قتلح ہیں۔

فرمایا، ایسے لوگوں کی ایک تو ہم برائیاں دور کر دیں گے وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ اور دوسری بات یہ ہے کہ ہم ان کے اعمال سے اُن کو بہتر بدلہ عطا کریں گے۔ بہتر بدلے سے مراد یہ ہے کہ ہر نیکی کا کم از کم بدلہ دس گنا ہوگا۔ جس کو اللہ تعالیٰ جتنا چاہے بڑھا بھی دیتا ہے۔ نیکی کا بدلہ اس لیے بھی نیکی سے بہتر ہوگا کہ نیکی کا کام تو ایک محدود وقت میں انجام دیا جاتا ہے اس کا بدلہ دائمی ہوگا۔ جو ہمیشہ ملنا رہیگا۔ بہر حال نیکی کا رابل ایمان کی برائیاں اللہ تعالیٰ معاف بھی کرتا رہتا ہے اور ان کو بہتر اجر بھی عطا کرتا ہے یہ اہل ایمان کی حوصلہ افزائی بھی ہوگی۔

العنكبوت ٢٩

آيت ٨ ٢ ١٣

امن خلق ٢٠

درس دوم ٢

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَسَنًا ۖ وَإِن
 جَاهَدَكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ
 فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ
 بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَ
 عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كُنَّا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي
 الصَّالِحِينَ ﴿٩﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا
 بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةً
 لِلنَّاسِ كَذَابٍ ۖ اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا
 رَبِّكَ يَقُولُ نَآءَنَا كُنَّا مَعَكُمْ ۖ وَآوَلَيْسَ
 اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾
 وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ

الْمُنْفِقِينَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا
 اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ وَمَا
 هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۝ ط
 إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ ۱۲ وَلِيَحْمِلَنَّ أَثْقَالَهُمْ
 وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ وَلَيَسَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ ۱۳

ترجمہ :- اور ہم نے تاکید بحکم دیا ہے انان کو اُس کے
 والدین کے بارے میں اچھا سلوک کرنے کا۔ اور اگر وہ زور
 ڈالیں تجھ پر تاکہ تو شریک بنائے میرے ساتھ اس چیز کو
 جس کا تجھے علم نہیں۔ پس نہ بات مان ان دونوں کی۔ میری
 طرف ہی تمھارا لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تم کو بتلا دوں
 گا جو کام تم کیا کرتے تھے ۝ ۱۲ اور وہ لوگ جو ایمان
 لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے، ہم ضرور داخل کریں
 گے ان کو نیک لوگوں کی جماعت میں ۝ ۱۳ اور بعض
 لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر۔
 پس جب اُس کو تکلیف دی جاتی ہے اللہ کے بارے
 میں تو ٹھٹھا تو لوگوں کی آزمائش کو اللہ کے عذاب کی طرح
 اور اگر آئے کوئی مدد تیرے پروردگار کی طرف سے تو
 وہ کہتے ہیں کہ ہم تو تمھارے ساتھ تھے۔ کیا اللہ تعالیٰ

اچھی طرح نہیں جانتا اس چیز کو جو جہانِ دلوں کے سینوں میں ہے (۱۰) اور البتہ ضرور ظاہر کر چکا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور ضرور ظاہر کر چکا منافقوں کو (۱۱) اور کہا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں کہ تم پیروی کرو ہمارے راستے کی، ہم اٹھائیں گے تمہارے گناہوں کو حالانکہ نہیں ہیں وہ اٹھانے والے گناہوں میں سے کچھ بھی۔ بیشک البتہ وہ جھوٹ بولنے والے ہیں (۱۲) اور البتہ اٹھائیں گے وہ اپنے بوجھ اور دوسرے بوجھ بھی اپنے بوجھوں کے ساتھ۔ اور ضرور اُن سے پوچھا جائے گا قیامت کے دن اُن باتوں کے بارے میں جن کو وہ افترا کیا کرتے تھے (۱۳)

اس سورۃ کا ایک خصوصی موضوع ابتلا بالایمان ہے یعنی جہانِ ایمان ہو گا وہاں آزمائش بھی آئیگی۔ چنانچہ ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی وضاحت کی ہے کہ لوگوں کو صرف ایمان کا اقرار کرنے کی بنا پر چھوڑ نہیں دیا جائے گا بلکہ ان کی آزمائش بھی ہوگی، اور اس امتحان میں کامیابی ہی اُن کی اصل کامیابی کی بنیاد ہوگی، پھر اللہ نے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا ذکر فرمایا اور اس کے مترادف کی نوید سنائی۔ اس ضمن میں اللہ نے صبر و استقامت اور برداشت کی تلقین فرمائی ہے کہ ان چیزوں کے بغیر کامیابی ممکن نہیں ہے۔

اب اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے ارشاد ہوتا ہے وَوَهَبْنَا لَكُمْ اَلْاِنْسَانَ بَوَالِدَيْهِ حَسَنًا اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا تاکید ہی حکم دیا ہے تمام کتبِ سماویہ اور خاص طور پر قرآنِ پاک میں بہت کم مقامات پر یہ حکم دیا گیا ہے۔ معاشرے میں سب سے زیادہ حق والدین کا ہوتا ہے، اُن کی عزت و احترام اور خدمت خاطر کو اللہ تعالیٰ

ربط آیات

والدین سے
حسن سلوک

نے نہایت ضروری قرار دیا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں بھی ہے وَ بِالْوَالِدَيْنِ
 اِحْسَانًا (آیت ۲۳) گویا سابقہ امتوں اور ہماری امت رب کے لیے یہی حکم ہے۔ کہ
 اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ ظاہر ہے کہ والدین ہی کسی شخص کی
 دنیا میں آمد اور پھیراس کی پرورش کا سبب بنتے ہیں۔ والدین اپنی اولاد کی تربیت میں
 طرح طرح کی تکالیف برداشت کرتے ہیں اور مالی بوجھ بٹھاتے ہیں۔ باپ کی
 نسبت ماں زیادہ مشقت برداشت کرتی ہے والدین کا اولاد کے لیے مشقت
 برداشت کرنا ایک مثال اور نمونہ ہے، لہذا اولاد کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے
 ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا پورا پورا حق ادا کرے۔ انہی لیے
 اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا ہے کہ وہ والدین کے ساتھ
 اچھا سلوک کرے۔

شُرک باللہ
 کی ممانعت

جہاں اللہ تعالیٰ نے والدین کی اطاعت گزاری کا حکم دیا، وہاں ایک خاص حکم

یہ بھی دیا کہ اِنْ جَاهَدَكَ لِتَشْرِكَ بِمَا كَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ
 اگر وہ دونوں (ماں باپ) تجھے مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک
 بنا جن کا تجھے علم نہیں فَدَلَّ قَطْعًا مِمَّا تَرْتَجِرُ مَعَهُمْ اُنْ كَايَهِ حُكْمُ مَا نَعْنِي
 اجازت نہیں ہے پہلے اللہ نے والدین کے ساتھ مطلق حسن سلوک کا حکم دیا جس
 میں اُن کی اطاعت گزاری پہلے نمبر پر آتی ہے مگر شرک ایک ایسی قبیح بیماری ہے
 کہ اللہ نے واضح طور پر فرمادیا کہ اگر والدین بھی اس پر آمادہ کریں تو اُن کی بات نہ
 مانو۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں خدا کی شریک کوئی چیز نہیں ہے۔ جب یہ
 بات ہے تو پھر مشرکوں کو کیسے علم ہوا کہ فلاں چیز خدا کے اختیار یا اس کی صفت
 میں شریک ہے۔ سورۃ یونس میں ہے قُلْ اَتَسْتَبِؤْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا
 يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ (آیت ۱۸) اے پیغمبر!
 آپ کہہ دیں کیا تم خدا تعالیٰ کو وہ چیز بتلانا چاہتے ہو جو وہ زمین و آسمان میں نہیں جانتا۔
 ظاہر ہے کہ خدا کے علم میں تو اس کا کوئی شریک نہیں ہے مگر تمہیں اس کا علم ہے

جسے تم خدا تعالیٰ پر ظاہر کرنا چاہتے ہو۔ یہ کتنی بیہودہ بات ہے۔

بہر حال فرمایا کہ والدین اگر شرک کی ترغیب دیں تو ان کی اطاعت نہ کریں۔ البتہ
 وَصَاحِبُهُمْ مَّا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (لقمن - ۱۵) دنیا میں ان کے
 ساتھ معروف اور اچھے طریقے سے پیش اس آؤ خواہ وہ کافر، مشرک یا بے دین ہی کیوں
 نہ ہوں۔ مفسرین اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ صرف شرک ہی کی مانعت نہیں ہے
 بلکہ شریعت اور سنت کے خلاف اگر والدین بھی آمادہ کریں تو ان کا حکم ماننے کی اجازت
 نہیں ہے۔ والدین کسی فرض کو چھڑانا چاہیں یا کسی واجب یا سنت کو ترک کرنے
 کی ترغیب دیں تو وہ واجب الاطاعت نہیں ہوں گے۔ البتہ والدین کے حکم پر
 مستحبات کو ترک کرنے کی اجازت ہے۔ مثلاً اگر والدین نفل پڑھنے کی بجائے
 کوئی دوسرا کام کرنے کو کہیں تو پھر نفل چھوڑ کر دوسرا کام کرے۔ ہاں! مسجد میں نماز باجبات
 سنت ہوگا کہ ہے۔ جو واجب کے قریب ہے۔ لہذا اسے ترک کرنے کی اجازت نہیں
 ہے۔ اسی طرح بدعت کا کام مکروہ اور ناجائز ہے، اس معاملے میں بھی والدین کا حکم
 نہ مانو، ویسے ہر لحاظ سے ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش اس آؤ۔

فرمایا اِنَّ مَسْجِدَكُمْ مَسْجِدٌ مِّمِّيٌّ (میرے ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔
 فَاَنْتَبِطْكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ پھر میں تمہیں بتا دوں گا، جو کچھ
 تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ اور پھر اس عمل اور عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا۔
 اس آیت کے شان نزول کے متعلق مفسرین کہہ رہے ہیں کہ یہ مساجد اور نسائی وغیرہ میں آمدہ
 حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن زید جوفانی کے عالم میں ابتدا کو ہی میں اسلام لے آئے
 تھے۔ اس وقت ابو سفیانؓ کا خاندان تو اسلام کا سخت دشمن تھا۔ آپ کی والدہ
 ابو سفیان کی بیٹی تھی جب آپ اسلام لائے تو والدہ سخت ناراض ہوئی۔ اس نے ہر چند
 کوشش کی کہ اس کا بیٹا ایمان کو ترک کر دے۔ مگر حضرت سعد بن زید جوفانی نے اسے چکے چکے
 اور واپس آنے سے نہیں تھے۔ بالآخر ان کی والدہ نے اعلان کر دیا کہ جب تک سعد
 اسلام کو نہیں چھوڑتا، میں نہ کچھ کھاؤں گی، نہ پیوؤں گی اور نہ سائے میں بیٹھوؤں گی۔ خاندان

شان نزول

کے لوگوں نے اُس کی بھوک پھر نال توڑنے کی بڑی کوشش کی حتیٰ کہ اس کے منہ میں زبردستی کھانا ڈالنے کی کوشش بھی کی مگر وہ نہیں مانتی تھی۔ رسولؐ کو کہتی تھی کہ تمہارا اسلام والدین سے حسن سلوک کا درس دیتا ہے مگر تم میری بات نہیں مانتے۔ آخر تم نے کون سا اسلام قبول کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نازل فرمائے کہ اگر والدین شرک پر آمادہ کریں تو اُن کی بات ماننے کا حکم نہیں ہے، البتہ ویسے ان کے ساتھ حسن سلوک جاری رکھو۔ اس قسم کے احکامات اس سورۃ کے علاوہ سورۃ لقمان، سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ احقاف اور سورۃ بقرہ میں بھی موجود ہے۔

صالحین کی
رفاقت

ارشاد ہوتا ہے فَالَّذِينَ آمَنُوا اور وہ لوگ جو صدقِ دل سے ایمان لائے، جن باتوں کو ماننا ضروری ہے، اُن کی تصدیق کی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ نیک اعمال بھی انجام دیے۔ ظاہر ہے کہ اچھے اعمال کا مدار ایمان پر ہے۔ اگر ایمان ہوگا تو اعمال کام آئیں گے ورنہ رایگاں جائیں گے۔ ایمان کے بغیر اچھے سے اچھا عمل بھی بیکار محض ہے۔ تو جنہوں نے ایمان لانے کے بعد نیک اعمال انجام دیے، اللہ نے فرمایا كَانَتْ خَيْرًا لَّكَ فِي الصَّالِحِينَ، ہم ضرور ان کو صالحین کے گروہ میں شامل کریں گے۔ اللہ نے وعدہ فرمایا کہ ایسے لوگوں کو اچھے اور نیک لوگوں کی رفاقت نصیب ہوگی۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اس کے لیے تو انبیاء بھی دعائیں کرتے رہے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا، اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے دنیا و آخرت میں توہمی میل کارماز ہے تَوْفِئِي مَسْلَمًا وَالْحَقِّي بِالصَّالِحِينَ (یوسف - ۱۰۱) مجھے فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کی حالت میں وفات دینا اور نیک لوگوں کی رفاقت نصیب فرمانا، نیک لوگوں کی رفاقت بڑی اعلیٰ چیز ہے اور اچھی سوسائٹی کا مل جانا بڑی سعادت کی بات ہے۔ سورۃ النجم میں اللہ کا فرمان ہے فَادْخُلِي فِي عِبَادِي هَٰ وَادْخُلِي جَنَّتِي (آیت ۲۹-۳۰) پہلے میرے نیک بندوں کے گروہ میں شامل ہو جاؤ اس کے بعد جنت کا داخلہ ملے گا۔ اور یہ

چیز ایمان اور سچی کی بدولت ہوگی۔

ماحول کی
درستی

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں الْاَخْلَاقُ بِالْاَحْوَالِ وَلَا بِالْعِلْمِ
یعنی اخلاق کی درستگی ماحول کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ تعلیم کی وجہ سے۔ انسان کو جس قسم
کا ماحول میسر آئے گا، اُس کا اخلاق ویسا ہی تربیت پائیگا۔ چھوٹے چھوٹے بچے گلہوں میں
کھیلنے پھرتے ہیں اور وہیں ان کا اخلاق بنتا ہے۔ اگر گھر کا ماحول کتنا بھی اچھا ہو لیکن
جب گلی میں گالی گلوں ہونا ہو تو بچے وہاں سے یہی کچھ سیکھتے ہیں۔ اگر محلے میں
پتنگ بازی ہوتی ہے تو چھوٹے چھوٹے بچے شور بچے بھی اسی طرف راغب
ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اہل ایمان کو ماحول کی پاکیزگی کی خاص فکر ہونی چاہیے۔ اگر
ماحول پاک نہیں ہوگا تو اخلاق درست نہیں ہوگا، یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ ماحول کی درستگی کی اولین ذمہ داری حکومت وقت پر عاید ہوتی
ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ اس کام کے لیے اپنے وسائل استعمال کرے،
کیونکہ کسی معاشرے کی درستگی کے لیے ماحول کی درستگی خشتِ اول کی حیثیت رکھتی ہے۔

اللہ نے مناققِ قسم کے کمزور ایمان والے لوگوں کا رد فرمایا ہے۔ وَمِنَ
النَّاسِ مَن يَتَّقُوهُ اَمَّا بِاللّٰهِ اُوْرُوْكَوْرًا میں سے بعض ایسے
ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں مگر ان کی حالت یہ ہے۔

فَاِذَا اُوْرِدِيْ فِي اللّٰهِ كَرِهَ اَنْ كُوْر اللّٰهِ رِيْهَ کوئی تکلیف
دی جاتی ہے یعنی کوئی آزمائش آجاتی ہے جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ
كَعَذَابِ اللّٰهِ تو لوگوں کی اس آزمائش کو وہ اللہ کے عذاب کے برابر سمجھنے
لگتے ہیں۔ مطلب یہ کہ کمزور ایمان والے لوگ ذرا سی تکلیف بھی برداشت نہیں

کہہ پاتے حالانکہ تکلیف ایمان کا جزو ہے۔ جہاں
ایمان ہوگا وہاں آزمائش بھی آئے گی اور تکلیف بھی پہنچے گی۔ اور پھر کامل الایمان
وہی شخص ہوگا جو تکلیف کو برداشت کرے گا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ذرا سی تکلیف پہنچی
تو نماز ہی ترک کر دی، یہ تو نفاق کی علامت ہے۔

مناقضین
کا کردار

اس کے برخلاف وَاٰمَنَ جَاءَ نَصْرٌ مِّن رَّبِّكَ اگراں کو آپ کے پیروکار کی طرف سے مدد پہنچ جائے تو خوش ہو کر مسلمانوں کو یقین دلاتے ہیں كَيْتَقُوْنُوْنَ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اور ہم یکے سچے مسلمان ہیں مطلب یہ کہ ایسے لوگ میٹھا میٹھا ہڑپ اور کٹر واکٹر واکٹر کا مکمل مصداق ہیں۔ یہ لوگ ہر طرح کی آسائش چاہتے ہیں اور جو سچی کوئی مشکل پیش آتی ہے تو بکھرتے ہیں۔ سورۃ البقرہ کی ابتداء میں بھی یہ مضمون بیان ہو چکا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (آیت - ۸) لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو زبان سے تو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا دعوے کرتے ہیں مگر حقیقت میں وہ ایماندار نہیں ہیں۔ وہ تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ فائدہ کس طرف ہے۔ اگر ایمان والوں کو کوئی جھلائی پہنچی تو اُن کی طرف ہونگے اور اگر دوسرے پر بھاری دیکھا تو اُن کو یقین دلایا کہ ہم دل سے مسلمانوں کے ساتھ نہیں ہیں اِنَّمَا تَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (البقرہ - ۱۱۴) ہم اُن کے ساتھ ٹھٹھا کرنے کے لیے اُن کو حمایت کا یقین دلاتے ہیں۔

اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ اور اہل ایمان کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے وَمَا يَجِدُ عَوْدًا اِلَّا اَنْفُسُهُمْ (البقرہ - ۹) یہ تو خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ فرمایا اَوْ كَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْمُعْلَمِيْنَ جھلا اللہ تعالیٰ اتنا بھی نہیں جانتا کہ جہاں والوں کے دلوں میں کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ تو خوب جانتا ہے کہ مومن کون ہے اور منافق کون اللہ تعالیٰ اُن کی نیت اور ارادے تک سے واقف ہے۔ اور اسی کے مطابق اُن کے ساتھ سلوک کریگا۔ فرمایا وَكَيْعَلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور اللہ تعالیٰ ضرور ظاہر کرے گا۔ ایمان والوں کو وَكَيْعَلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ اور ضرور ظاہر کرے گا منافقوں کو بھی۔ اللہ تعالیٰ اسی لیے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔ تاکہ ایمان اور نفاق ظاہر ہو جائے۔ امتحان کا مقصد یہی یہ ہوتا ہے کہ کوئی

کامیاب ہو جاتا ہے اور کوئی فیل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں بھی اہل ایمان سرخرو ہو کر نکلنے میں جیسا کہ کافر مشرک اور منافق ناکام ہو جاتے ہیں۔ فرمایا ہم اہل ایمان کو بھی ظاہر کر دیں گے اور منافقوں کو بھی ظاہر کر دیں گے۔

گناہوں
کا بوجھ

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے ایک اور آزمائش کا ذکر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا اور کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ تم ہمارا راستہ اختیار کرو۔ ہمارا دین قبول کر لو۔ اور اگر تمہیں ایسا کرنے میں یہ اس مانع ہو کہ تم گناہ میں مبتلا ہو کہ منکر کے مستحق بنو گے تو لوہم تمہیں پیش کش کرتے ہیں وَلَنَحْمِلَ خَطِيئَتَكُمْ کہ تمہارے گناہ ہم اٹھا لیں گے۔ مطلب یہ کہ تم ایمان اور توحید کو چھوڑ کر ہمارا طریقہ اختیار کر لو اور اگر اس کی وجہ سے تم بچنے لگے تو تمہاری جگہ ہم اپنے آپ کو پیش کر دیں گے۔ بعض کافر اولاد تمہاری بھی کہتے تھے کہ مسلمانوں کو نہ کہہ دو تمہارے گناہوں کا بوجھ ہم اٹھالیں گے۔

مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِمَّنْ شَأْنِي عِطَانَهُمْ كَذَبُوا یہ تمہارے گناہوں کا کچھ بھی بوجھ اٹھانے والے نہیں ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک کا گناہ دوسرے کے سر پر ڈال دیا جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے میں موجود ہے أَلَّا تَنْزُرُوا ذُرَّةً وَذُرَّةً أُحْرَى (النجم۔ ۳۸) قیامت والے دن کوئی آدمی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔ کسی کا ایمان اور نیکی دوسرے کو مفید نہیں ہوگا اور نہ ہی کسی کا گناہ دوسرے کے لیے وبال بنے گا، بلکہ ہر شخص اپنی اپنی کارکردگی کا خود ذمہ دار ہوگا فرمایا کافروں کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ وہ تمہارا بوجھ بھی اٹھالیں گے۔

البتہ ایک حد تک ایک دوسرے کے گناہوں کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ اور اس کی صورت یہ ہے وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور دوسرے بوجھ بھی اپنے بوجھوں کے ساتھ مطلب یہ ہے کہ جو آدمی گمراہ ہو گیا وہ ایک بوجھ تو اپنی گمراہی کا اٹھائے گا اور دوسرا

بوجھ وہ ہوگا جو اُس نے دوسروں کو گمراہ کیا۔ اس طرح گویا ضلال اور اضلال کے دونوں بوجھ اٹھانے پڑیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ خود تو گمراہ ہوا تھا مگر دوسروں کو گمراہ کرنے کا سبب بھی بنا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک لے ہے کہ قیامت تک جتنے بھی قتل ناحق ہوئے ہیں۔ اُن میں ہر ایک کا ایک ایک گناہ تو قاتل کے سر پر پڑے گا اور ایسا ہی ایک ایک گناہ آدم علیہ السلام کے بیٹے قابل پر بھی پڑے گا جس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر کے اس فعل شنیع کی بنیاد رکھی۔ قیامت والے دن یہ منظر بھی دیکھنے میں آئے گا کہ ایک شخص نیکیوں کے پہاڑ لے کر بارگاہ رب العزت میں پیش ہوگا مگر اُس نے دنیا میں لوگوں کے ساتھ ظلم و زیادتی روا رکھی ہوگی، لوگوں کے حقوق غصب کیے ہوں گے، مال چھینا ہوگا، قتل کیا ہوگا یا کسی کو تنگ کیا ہوگا۔ ایسے تمام مظلوم اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ مولا کریم! ہمیں اس شخص سے ہمارا حق دلایا جائے۔ اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اس شخص کی نیکیاں ان حقداران میں تقسیم کر دو۔ پھر تمام نیکیاں اس کے کھاتے سے نکل کر دوسروں کو مل جائیں گی۔ مگر ابھی کچھ حقوق باقی ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ ان مظلوموں کے گناہ اس شخص پر ڈال دو جن کا حق یہ شخص ادا نہیں کر سکا۔ تو اس طرح اُسے نہ صرف اپنی نیکیوں سے محروم ہونا پڑے گا بلکہ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص خود ہدایت یافتہ ہے اور وہ دوسروں کے لیے بھی ہدایت کا ذریعہ بنا ہے تو ہر ہدایت یافتہ کے نیک عمل کا ایک ایک بدلہ اُس کو بھی ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کا اجر و ثواب بے حد و شمار ہوگا۔ کیونکہ اپنی اپنی امت کے لیے وہی ہدایت کا منبع بنے اور امت کے ہر نیک کام کا ایک ایک اجر قیامت تک برابر ان کو بھی ملتا ہے۔

فَرِيًّا وَكَيْسًا لَّنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ
اور ضرور اُن سے قیامت والے دن پوچھا جائے گا۔ اُن کاموں کے متعلق جو وہ
افراء کرتے رہے۔ آج یہ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے۔ یہ محض افتراء

ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ کفر، شرک اور بدعات کے کام میں گھسرت ہیں
یہ وہم و خیالاتِ باطلہ پر جمایا ہوا کاروبار ہے۔ خدا کی طرف غلط باتیں مشرب کی جاتی
ہیں۔ ان تمام چیزوں کے متعلق اللہ تعالیٰ قیامت والے دن پوچھے گا۔ اور سب
کا حساب کتاب دینا پڑے گا۔

العنكبوت ٢٩

آيت ١٢ ٢٣

امن خلق ٢٠

درس سوم ٣

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ
 فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا
 فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٣﴾
 فَاجْتَبَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً
 لِلْعَالَمِينَ ﴿١٤﴾ وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ
 اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ
 كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٥﴾ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ
 اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ الَّذِينَ
 تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ
 رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ
 وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٦﴾ وَإِنْ

تُكذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ
وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ١٨
أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ
يُعِيدُهُ ط إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ١٩ قُلْ
سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ
الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ط
إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ٢٠ يُعَذِّبُ
مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ وَإِلَيْهِ
تُقَلَّبُونَ ٢١ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي
الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ
دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ٢٢ وَالَّذِينَ
كَفَرُوا بآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَئِكَ يَاسُوءَا
مِنْ رَحْمَتِي وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ٢٣

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے رسول بنا کر بھیجا نوح علیہ السلام کو اُن کی قوم کی طرف پس پھر وہ اُن کے درمیان ایک ہزار سال سے پچاس سال کم - پھر پکڑا اُن کو طوفان نے اور وہ ظلم کرنے والے تھے (۱۴) پس ہم نے نجات دی اُس (نوح) کو اور کشتی والوں کو اور بنایا ہم نے اُس (کشتی) کو ثانی جہان والوں کے لیے (۱۵) اور ابراہیم علیہ السلام (کو بھی ہم نے رسول بنا کر بھیجا جب کہا انہوں نے اپنی قوم سے کہ اللہ کی عبادت کرو اور اُمی سے ڈرو - یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم سمجھ سکتے ہو (۱۶) بیشک تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا بتوں کی اور تم گھڑتے ہو جھوٹ - بیشک وہ جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا، نہیں مالک وہ تمہارے لیے روزی کے - پس تلاش کرو اللہ کے پاس روزی - اور اُمی کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو، اسی کی طرف تم لوٹنے جاؤ گے (۱۷) اور اگر تم جھٹلاؤ - پس جھٹلایا ان امتوں نے جو تم سے پہلے گزری ہیں اور نہیں ہے رسول کے فہم مگر پہنچا دینا کھول کر (۱۸) کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ابتداء کرتا ہے مخلوق کی، پھر لوٹاتا ہے اُس کو - بیشک یہ اللہ پر آسان ہے (۱۹) آپ کہہ دیجئے، چلو زمین میں، پس دیکھو کیسے اللہ نے ابتداء کی مخلوق کی، اور پھر اللہ تعالیٰ اٹھائے گا اس کو دوسری اٹھان - بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے (۲۰) سزا دے گا جس کو چاہے، اور رحم کرے گا

جس پر چاہے۔ اور اسی کی طرف ہم بلائے جاؤ گے (۲۱) اور ستیں ہو تم عاجز کرنے والے زمین میں اور نہ آسمان میں۔ اور نہیں ہے تمھارے لیے اللہ کے سوا کوئی کارساز اور نہ کوئی مددگار (۲۲) اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اللہ کی آیتوں کے ساتھ اور اُس کی طلاقات کے ساتھ، پس یہی لوگ ہیں جو مایوس ہوئے ہیں میری رحمت سے، اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے (۲۳)

جیسا کہ سورۃ کی ابتداء میں عرض کیا تھا کہ اس سورۃ کا سرگزنی مضمون ایمان اور اس کے ساتھ ابتلاء ہے۔ تو اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کا ذکر کیا۔ آپ زمین پر اللہ کے اولین صاحب شریعت رسول تھے۔ آپ کے حالات زندگی سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ایمان کے ساتھ آزمائش کا لازمی ہے یہاں پر اللہ نے نوح علیہ السلام کا تذکرہ نہایت اختصار کے ساتھ کیا ہے ارشاد ہوتا ہے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ آلِهِ قَوْمًا كُفِّرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَكُنَّا عَنِ الْكَافِرِينَ غَافِلِينَ

اور ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ آپ کا ذکر قرآن پاک کی کم و بیش چودہ سورتوں میں ہوا ہے۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے نام پر ایک مستقل سورۃ ہے اور اس میں صرف آپ ہی کا ذکر ہے، اسی طرح نوح علیہ السلام کے نام پر بھی ایک مستقل سورۃ ہے، جس میں صرف آپ ہی کے حالات بیان ہوئے ہیں نوح علیہ السلام نے تمام انبیا جی کہ آدم علیہ السلام سے بھی زیادہ عمر پائی ہے۔ مفسرین کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کی عمر مبارک ایک ہزار برس کے لگ بھگ تھی جب تک کہ نوح علیہ السلام کو اللہ نے ایک ہزار پچاس برس کی عمر عطا فرمائی، وہیب بن منبہ تابعین میں سے ہوئے ہیں، آپ کی روایت کے مطابق نوح علیہ السلام نے چودہ سو سال عمر پائی۔ مگر حضرت بن عباس کی روایت کے مطابق چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت لے مبارک ۲۵۲۰ دکھات ۳۳۳۰ لے مدارک ۲۵۲۰ (فیاض)

علم اور ایمان
تبلیغ کون علیہ السلام

عطا ہوئی۔ فَلَکِتَ فِیْہِمُ اَلْفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا
 پھر آپ نے ساتھ نو سو سال قوم میں رہ کر تبلیغ کی پرویزی اور چکڑا لوی وغیرہ نوح علیہ السلام
 کی اتنی عمر تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ یہ عمر پوری قوم کے کھاتے میں ڈالتے ہیں۔ حالانکہ یہاں
 پر تبلیغ کی مدت ساتھ نو سو سال کا ذکر موجود ہے۔ جب اننا عرصہ گزرنے کے باوجود
 قوم نہ مانی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر طوفان کی صورت میں عذاب بھیج دیا جس میں اہل ایمان
 کے سوا باقی ساری قوم غرق ہو گئی۔ طوفان تھمنے کے بعد نوح علیہ السلام مرتد ساتھ سال
 تک اس دنیا میں موجود رہے، اور اس طرح آپ کی کل عمر ۶۰ + ۹۵۰ + ۱۰۵ = ۱۱۰۵ سال
 بنتا ہے۔

زندگی کی
 ناپائیداری

اکثر لوگ اس چند روزہ زندگی پر غرور ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر کسی کو عمر نوح بھی
 مل جائے تو وہ بھی بالآخر ختم ہو جاتی ہے۔ تفسیری روایت میں آتا ہے کہ آخری
 وقت میں جب ملک الموت حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ کو اس
 طرح خطاب کیا یا اَطْوَلُ اَلْاٰثْمِیْنَ اَوْ عَمَّا کَیْفَ وَجَدَتِ الدُّنْیَا
 اے نبیوں میں سے زیادہ عمر پانے والے اللہ کے نبی آپ نے دنیا کو کیا پایا؟
 تو نوح علیہ السلام نے جواب دیا کَدَّ بَابَانِ دَخَلْتُ مِنْ
 اَحَدِهِمَا وَخَرَجْتُ مِنْ الْاٰخِرِ یعنی اتنی لمبی عمر پانے کے باوجود
 مجھے ایسا محسوس ہوا کہ دنیا ایک گھر ہے جس کے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازے
 سے میں داخل ہوا ہوں اور دوسرے دروازے سے نکل گیا ہوں۔ دنیا کی زندگی کی بس
 اتنی ہی حقیقت ہے۔ انسانی زندگی ایسی ناپائیدار چیز ہے کہ جس پر کچھ اعتماد نہیں کیا
 جاسکتا ہے۔ علامہ اقبال نے کہا ہے۔

آیا ہے تو جہاں میں مثال شرار دیکھ

دم سے نہ جائے ہستی ناپائیدار دیکھ

زندگی کی بے ثباتی کا یہ نقشہ بھی عجیب ہے۔ ایک دوسرے شاعر
 نے کہا ہے۔

زندگی اک پل ہو کہ سو سال گزر جاتی ہے
 شانے پہ کھلی ہو یا سال گزر جاتی ہے
 مالداروں کی تو باقی سال گزر جاتی ہے
 اور ہم غریبوں کی بہر سال گزر جاتی ہے

کسی کی زندگی کو درالم حاصل نہیں۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ بَلَّ
 تَوَشَّرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ
 (سورۃ الاعلیٰ - ۱۶-۱۷) تم دنیا کی زندگی پر توجہ دینا۔ بیٹھے ہو مگر حقیقت میں آخرت
 کی زندگی ہی بہتر اور دیر پا ہے۔ لہذا اسی کی فکر کرنی چاہیے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اتنے طویل عرصہ تک اللہ کا پیغام لوگوں تک
 پہنچایا مگر وہ کون سی بے لگھی ہے جو بشر کوں نے آپ کے ساتھ روا نہ رکھی۔ آپ
 کو طرح طرح کی جسمانی اور ذہنی پریشانیوں میں مبتلا کیا گیا۔ گالی گلوچ سے عزتی، سنگ باری
 تمسخر غرضیکہ قوم نے ہر طرح سے آپ کو تنگ کیا۔ تاکہ آپ تبلیغ حق سے باز
 آجائیں، مگر آپ نے ان تمام تکالیف کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا اور تبلیغ
 کا سلسلہ جاری رکھا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ نے آپ کے متعلق فرمایا ہے اِنَّهُ
 كَانَ عَبْدًا شَكُورًا (آیت ۳۰) آپ اللہ کے شکر گزار بندے تھے۔ غرضیکہ
 اس میں سمجھنے والی بات یہی ہے کہ ایمان کے ساتھ تکالیف اور مصائب کا آنا
 ضروری ہے۔ نوح علیہ السلام نے تمام تر مخالفت اور ایذا اور ساری کے باوجود حق تبلیغ
 ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، مگر قوم ایسی ناہنجار اور نافرمان تھی کہ کسی طرح نہیں
 مانی۔ سورۃ الاعراف میں اللہ نے فرمایا ہے اِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَصِيَانًا
 (آیت ۶۴) ساری کی ساری قوم اندھی تھی۔ اُن کی ظاہری آنکھیں تو موجود تھیں مگر
 دل کی آنکھوں سے محروم تھے۔ جس کی وجہ سے حق کو نہ پہچان سکے۔

قوم کی اس نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوا فَآخَذَهُمُ الطُّوفَانُ كَمَا ان كُوطُوفَان
 نے آلیا جس میں ساری قوم ہلاک ہو گئی۔ وَهُمْ ظَالِمُونَ اور
 ذہ ظلم کرنے والے تھے۔ سولے اُن اہل ایمان کے جو نوح علیہ السلام

صبر نوح
 علیہ السلام

قوم کی
 ہلاکت

کی کشتی میں سوار ہو گئے تھے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا فَأَنجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ
السَّفِينَةِ پھر ہم نے پچالیانوح علیہ السلام کو اور باقی کشتی والوں کو اللہ تعالیٰ
 نے اہل ایمان کو بچانے کی تدبیر بھی خود ہی بتائی تھی وَاصْنَعِ الْفُلَّكَ يَا عَيْنَانَا
 (ہود - ۳۷) اے نوح علیہ السلام! ہمارے حکم سے اور ہماری نگرانی میں کشتی تیار کر۔
 اور سارے اہل ایمان کو اس میں سوار کر لو۔ کہتے ہیں کہ یہ جہاز ماہیت بڑی ۵۰ فٹ
 لمبی کشتی تھی جس کی اوپر نیچے تین منزلیں تھیں۔ فرمایا ہم نے اس کشتی کے سواروں کو بچا
لِيَا وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ اور اس کشتی کو جہان والوں کے لیے ایک
 نشانی بنا دیا۔ یہ کشتی ایک لمبے عرصے تک جو دی پہاڑ پر پڑی رہی۔ لوگ صدیوں تک
 اس کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتے رہے۔ اس کے علاوہ اس کشتی کا ذکر تاریخ اور
 کتب سماویہ خاص طور پر قرآن پاک میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔

اس کشتی کو حضور علیہ السلام کے واقعات سے بھی کسی حد تک مماثلت ہے
 اسلام کے ابتدائی دور میں جب مشرکین مکہ نے اہل ایمان پر عرصہ حیات تنگ کر
 دیا تو ان کی دو جہتیں کشتی پر سوار ہو کر ہی جنتہ کی طرف ہجرت کر گئی تھیں۔ پھر واپسی کا
 سفر بھی انہوں نے کشتی پر کیا کیونکہ راستے میں سمندر پڑا تھا۔ حدیث میں ان کشتی والوں
 کا حال بھی آتا ہے کہ ان میں مرد اور عورتیں بھی تھیں اور اللہ نے ان کی حفاظت کشتی
 پر کی تھی کہ ایک ملک سے دوسرے ملک بحفاظت پہنچایا۔ اور پھر وہاں سے واپس
 مدینہ طیبہ کے لیے بھی کشتی استعمال کی۔

ابراہیم علیہ السلام
 دریں توجیہ

نوح علیہ السلام کے بعد اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے وَإِبْرَاهِيمَ
 اور ابراہیم علیہ السلام کو بھی ہم نے رسول بنا کر بھیجا۔ ان کا حال بھی ملاحظہ کریں إِذْ قَالَ
لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَانْفِقُوا جسب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ
 اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو۔ ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ فرمایا کھڑ اور
 شرک سے باز آ جاؤ کہ یہ تمہاری ہلاکت کا باعث ہو گا۔ تمہاری حالت تو یہ ہے

اِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنَ دُونِ اللّٰهِ اَوْثَانًا كَتُمَّ اللّٰهِ کے سوا بتوں کی پرستش کرتے ہو وہ تو مخلوق کو لوتوں اور تم جھوٹ گھڑتے ہو۔ جھوٹے خیالات اور اولہم کی پیروی کرتے ہو، اپنے ہاتھوں سے مٹی پتھر اور لکڑی کے بت بناتے ہو اور پھر خود ہی ان کی پوجا شروع کر دیتے ہو۔ حالانکہ وہ بے جان چیزیں ہیں جو نہ کچھ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان۔ سورۃ الانبیاء میں گورچکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ یہ کیسی مورنیاں ہیں جن پر تم ٹھکے پڑتے ہو، ان کے سامنے بذر مینا پیش کرتے ہو، پھر ان سے مرادیں مانگتے ہو۔ کوئی بت کسی نبی کے نام پر بنایا ہوا ہے، کوئی کسی جن کی تشبیہ ہے اور کوئی فرشتوں کے نام پر ہیں۔ بعض نے ستاروں اور سیاروں کو معبود بنا لیا ہے اور ان کے نام پر بت بنا رکھے ہیں آخر یہ سب جھوٹ کے سوا کیا ہے جو تم نے افتراء کر رکھا ہے۔

فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا جِن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، وہ تمہاری روزی کے مالک تو نہیں ہیں۔ یہ سٹی اور پتھر کی مورتیاں تمہیں کہاں سے روزی پہنچائیں گی اور تمہاری حاجات کیسے پوری کریں گی؟ فرمایا اگر روزی چاہتے ہو فَاَبْتَعُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ تُو اسے اللہ کے ہاں تلاش کرو کیونکہ وَمَا مِنْ دَاٰتِهٖ فِي الْاَمْرِضِ اِلَّا عَلَيَّ اللّٰهِ رِزْقَهَا (ہود-۶) زمین میں چلنے پھرنے والے ہر جاندار کی روزی تو اللہ کے فم سے ہے، وہی سب کا روزی رسال ہے۔ زمین میں رہنے والے انسان، چرند، پرند یا دیگر جانور ہوں، بمنز میں رہنے والی مچھلیاں یا کیڑے مکوڑے ہوں ہوا میں اڑنے والے پرندے ہوں، اللہ تعالیٰ سب کے لیے اپنی حکمت کے مطابق روزی کا سامان پیدا کرتا ہے، شاہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں کہ لوگ روزی کی خاطر ایمان تک کا سودا کر لیتے ہیں حالانکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فم سے ہے۔ اکثر لوگ اس روزی کی خاطر ہر جائز اور ناجائز ذرائع اختیار کرتے ہیں، اپنے بھائیوں کا کھلا کاٹنے سے بھی

دینغ نہیں کرتے، قوم تباہ ہو جائے، ملک غرق ہو جائے مگر ان کو مال ملنا چاہیے
ان یوقرفوں کو اتنا علم نہیں کہ روزی تو اللہ نے ہر حالت میں دینی ہے مگر تم غلط ذرائع
اختیار کر کے اپنے ایمان کو کیوں ضائع کرتے ہو؟ جائز ذرائع اختیار کرو، محنت و
مشقت کرو اور پھر اللہ تعالیٰ سے جائز رزق کا سوال کرو، اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔
فرمایا اللہ کے ہاں رزق تلاش کرو وَاعْبُدُوهُ اور عبادت بھی اسی کی کرو
اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں۔ وَاشْكُرْ مِمَّا آتَاكُمْ اور اس کی عطا کردہ
نعمت پر اس کا شکر بھی ادا کرو۔ اور یاد رکھو! کفر اور شرک سے بڑھ کر ناشکری کی
کوئی بات نہیں۔ تم نعمت دینے والے کے ساتھ دوسروں کو شریک بنا کر اس کی نعمت کی
ناشکری کے مرتکب ہوتے ہو۔ وہ تمہاری حاجت براری کیسے کریں گے، وہ تو خود مجبور
لاچار اور درماندہ ہیں۔ وہ تو خدا تعالیٰ سے مانگنے والے ہیں، تمہیں کیا دیں گے؟ فرمایا، آج تم
اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہو اور اس کی ناشکری کرتے ہو، مگر الیہ
تَنْجِعُونَ تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ تم سے ایک ایک
عمل کا حساب لے گا، لہذا قیامت کے دن کی رسوائی سے بچنے کے لیے آج ہی انتظام
کر لو، اللہ تعالیٰ کی توحید کو قبول کر لو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

فرمایا وَإِنْ تَكْذِبُوا فَقَدْ كَذَّبْتُمْ مَنْ قَبْلَكُمْ
اگر تم اللہ کے رسولوں اور اس کی نازل کردہ کتاب کو جھٹلاتے ہو تو یہ کوئی نئی بات
نہیں ہے۔ تم سے پہلے کتنی قوموں نے اپنے اپنے انبیاء کی تکذیب کی اور انہیں طرح
طرح کی تکالیف پہنچائیں جس کے نتیجے میں عاد، ثمود، قوم لوح، قوم ابراہیم، قوم لوط
اور کتنی ہی نافرمان قومیں تباہ ہوئیں۔ آج بھی اللہ کا قانون وہی ہے۔ اگر تم اللہ کے
اس آخری رسول کو بھی جھٹلاتے ہو تو یاد رکھو وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ
الْمُبِينُ مگر ہمارے رسول کے ذمے تو اللہ کا پیغام کھول کر پہنچا دینا ہے، اس کے
بعد اس کو تسلیم کرنا یا نہ کرنا تمہارا کام ہے، اس نے اپنا فریضہ انجام دے دیا ہے۔
اب اگر تم نہیں مانتے تو تمہارا حشر بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہو گا بلکہ جس طرح

پہلی نافرمان تو نہیں ہلاک ہوئیں اسی طرح تم بھی تباہ و برباد ہو کر رہو گے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ

کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ اللہ نے کس طرح پہلی دفعہ مخلوق کو پیدا کیا تَمْ يَعْبُدُونَهُ پھر وہ اس کو دہرائے گا یعنی دوبارہ پیدا کرے گا اور پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی بعض چیزوں کے دہرانے کو ہم روزمرہ مشاہدہ بھی کرتے ہیں بہر موسم میں سخی فصل، نئے پھل اور نئے پھول آتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو ختم کرنے کے بعد اگلے موسم میں پھر پیدا کر دیتا ہے، اسی طرح موت کے بعد جب قیامت برپا ہوگی تو تمام انسانوں کو دوبارہ پیدا کر کے اپنے سامنے کھڑا کر لے گا اور پھر ان سے پہلی پیدائش کے متعلق باز پرس کرے گا۔ فَرَمَّا بَانَ ذَٰلِكَ عَلَّمَ اللَّهُ بِسْمِ اللَّهِ دُوبَارَهُ پیدا کرنا اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں بلکہ آسان ہے جس خالق نے بغیر فنونے کے پہلی دفعہ ان کو پیدا کیا، اس کے لیے دوبارہ اٹھانا کیسے مشکل ہوگا۔

فرمایا، اے پیغمبر! قُلْ أَطِيعُوا فِي الْأَرْضِ زمین میں چل پھر کر دیکھ لیجئے فَإِنْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ کہ اُس نے مخلوق کو پہلے کیسے پیدا کیا تَمْ اللَّهُ يُبْدِئُ النِّشَاةَ الْآخِرَةَ پھر وہ دوسری اٹھان میں اٹھائیگا۔ جیسا کہ اس قبیل پھونکا جائے گا تو سب لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اُس وقت یقین آئے گا کہ إِنَّ اللَّهَ عَلَّمَ كُلَّ شَيْءٍ قَدْ دَرَسَهُ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جب سارا تصرف اسی کا ہے تو پھر یاد رکھو! لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ جس کو چاہے سزا دے، مگر سزا بھی اسی کو دے گا جو اس کا مستحق ہوگا کیونکہ اس کا اعلان ہے وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ (قر- ۲۹) کہ میں اپنے بندوں پر زیادتی نہیں کرتا۔ اس کے برخلاف وَيَرْحَمُ مَن يَشَاءُ وہ تو رحم کرتا ہے جس پر چاہے اسکے جو بندے منصف مزاج ہوتے ہیں، تعصب اور عناد سے پاک ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرتا ہے۔ وَالَّذِينَ تَقْبَلُونَ اور تم سب اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے

بعثت لیلہ

بالآخر سب کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہے۔ اس کے محاسبہ سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا۔

انسان کی
جیسے یہی

ارشاد ہوتا ہے وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ اور تم زمین و آسمان میں خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ مطلب یہ کہ تم اس کی گرفت سے بچ کر کہیں نکل نہیں سکتے، وہ جب چاہے گا تمہیں پکڑ لے گا۔ دنیا میں تو مجرم بعض اوقات قانون کی گرفت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور ان کو پکڑنے والے عاجز آجاتے ہیں، مگر اللہ کی عدالت میں ایسی کوئی بات نہیں کائنات کی ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ لہذا اس کو کوئی بھی عاجز نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی یاد رکھو! وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيٍّ اس کے بغیر تمہارے لیے نہ کوئی کار ساز ہے اور نہ کوئی مددگار ہر ایک کا کام بھی وہی بناتا ہے اور پھر جب پکڑتا ہے تو مدد کو بھی کوئی پہنچ نہیں سکتا، جو تمہیں چھوڑ لے۔ آج جن چیزوں پر بھروسہ کر رہے ہو، اگلے جہاں میں وہ سب زائل ہو جائیں گی اور تمہیں کوئی چیز خدا کے عذاب سے بچا نہیں سکے گی۔

اللہ کی رحمت
سے مایوسی

فَرَمَّا وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَفَعُوا هُوهَا لَوْ كَانُوا يَشْعُرُونَ
نے اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا۔ آیات میں توحید، رسالت، احکام، شریعت اور تمام مسائل آجاتے ہیں، جس نے ان کا انکار کیا اور ملاقات یعنی مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا انکار کیا۔ فرماتا اُولَئِكَ يَسُؤُا مِنْ رَحْمَتِي وہ لوگ میری رحمت سے مایوس ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس نے کفر، شرک، بدعت، اور معاصی کا ارتکاب کیا اس نے نہ تو اللہ کی آیتوں کو تسلیم کیا اور نہ ہی بعثت بعد الموت کو برحق جانا، ایسے لوگوں کو خدا تعالیٰ کی رحمت حاصل نہیں ہو سکے گی اور وہ رحمت خداوندی سے مایوس ہی رہیں گے، خدا کی رحمت سے مایوسی بجائے خود کفر ہے۔ گویا انکار کرنے والے خدا کی رحمت سے مایوس ہیں وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے، وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

العنكبوت ٢٩

آيت ٢٢٧ ٣٠

امن خلق ٢٠

درس چهارم ٢

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ
 أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَجْبَهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ فِي
 ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٣﴾ وَقَالَ إِنَّمَا
 أَخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ آثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ
 فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ
 بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا
 وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٢٤﴾
 فَاذْكُرْ لَهُ لَوْطُومٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي
 إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٥﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ
 إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ
 النَّبِيَّةَ وَالْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي
 الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٦﴾
 وَلَوْطَا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ

تفكر لازم

الْفَاحِشَةَ رَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ
 الْعَالَمِينَ ﴿٢٨﴾ أَيُّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ
 وَتَقَطُّعُونَ السَّبِيلَ ۗ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمْ
 الْمُسْكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ
 قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ
 الصَّادِقِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ
 الْمُفْسِدِينَ ﴿٣٠﴾

ترجمہ :- پس نہیں تھا جواب آپ (ابراہیم) کی قوم کی طرف
 سے مسگر یہ کہ انہوں نے کہا، اس کو قتل کر دو یا زندہ
 جلا ڈالو۔ پس نجات دی اُس کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے
 بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو
 ایمان رکھتے ہیں ﴿٢٣﴾ اور کہا (ابراہیم علیہ السلام نے) بیشک
 بنا لیا ہے تم نے اللہ کے سوا بتوں کو معبود آپس کی دوستی
 کے لیے دنیا کی زندگی میں۔ پھر قیامت کے دن کفر کریں گے
 بعض تمہارے بعض کے ساتھ۔ اور لعنت بھیجیں گے بعض
 تمہارے بعض پر۔ اور ٹھکانا تمہارا دوزخ کی آگ ہوگا۔ اور
 نہیں ہوگا تمہارے لیے کوئی مددگار ﴿٢٥﴾ پس تصدیق کی
 اس (ابراہیم) کی لوط علیہ السلام نے اور کہا (ابراہیم علیہ السلام
 نے) بیشک میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے پیروں کو
 کی طرف۔ بیشک وہ زبردست اور حکمت والا ہے ﴿٣٦﴾

اور ہم نے بخشا اُس (ابراہیم علیہ السلام) کو اسحاق اور یعقوب اور ٹھہرائی ہم نے اُس کی اولاد میں نبوت اور کتاب - اور دیا ہم نے اس کو بدلہ اس کا دنیا میں اور یقیناً وہ آخرت میں البتہ نیکوں میں سے ہے (۲۷) اور لوطؑ (کو بھی ہم نے رسول بنا کر بھیجا) جب کہ کہا اس نے اپنی قوم سے کہ بیشک تم از نکاب کہتے ہو بیجائی کا، ایسی کہ نہیں سبقت کی اس (بے حیائی) کے ساتھ تم سے پہلے کسی نے بھی جہان والوں میں سے (۲۸) بیشک تم دوڑتے ہو مردوں پر (شہوت رانی کے لیے) اور کاٹتے ہو راستہ اور تم کہتے ہو اپنی مجلسوں میں بری بات - پس نہیں تھا جواب اس کی قوم کا مگر یہ کہ انہوں نے کہا لاؤ ہمارے پاس اللہ کا عذاب اگر تم سچے ہو (۲۹) کہ (لوط علیہ السلام نے) اے میرے پروردگار! میری مدد فرما اس مفسد قوم کے مقابلے میں (۳۰)

ایمان اور آزمائش کے لزوم کے سلسلے میں پہلے اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کا ذکر کیا کہ اُن کو کس طرح مصائب و آلام میں ڈالا گیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ اور اُن کے امتحانات کا ذکر ہوا۔ درمیان میں قیامت اور کفار کے رد کا بیان ہوا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کو بیان کیا گیا کہ انہوں نے لوگوں کو صاف سننا کہا تھا۔ کہ عبادت صرف اللہ کی کرو اور اُسی سے ڈرو۔ اللہ کے سوا تم نے جتنے بھی معبود بنا رکھے ہیں۔ یہ تمہارا افتراء ہے۔ تم اُن کی عبادت کرتے ہو۔ مگر وہ تمہارے روزی رسال نہیں ہیں۔ رزق صرف اللہ کے ہاں تلاش کرو۔ کیونکہ وہی رزق اُسی کے قبضہ قدرت میں ہے، اُس کی عبادت کرو۔ اور اُس کا شکر ادا کرو، بالآخر تم نے اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

ربط آیت

ابراہیم علیہ السلام
کو زندہ جلایا
کی کوشش

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم آپ کے دین توحید کا کوئی مدلل جواب دینے کی بجائے تشدد پر اتر آئی ہے۔ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ
آپ کی قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو قتل کر ڈالو یا زندہ جلادو۔ یہاں پر تو تفصیلات نہیں ہیں۔ البتہ سورۃ الانبیاء اور بعض دیگر سورتوں میں بیان ہو چکا ہے کہ کس طرح آپ نے اپنے باپ اور پھر قوم اور خود فرود کے ساتھ مناظرہ کیا، ادلائل توحید بیان کئے مگر وہ کوئی مدلل جواب دینے سے عاجز آ گئے، اور انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ یہ شخص چرنچہ ہمارے معبودوں کی توہین کہتا ہے، لہذا بیشتر اس کے کہ ساری قوم کو گمراہ کر دے، اُسے قتل کر دینا چاہیے یا آگ میں زندہ جلادینا چاہیے۔ چنانچہ بہت سا ایندھن جمع کر کے آگ جلانی لگی اور پھر ابراہیم علیہ السلام کو متجنیق پر باندھ کر آگ کے وسط میں پھینک دیا گیا۔

پرویز نے ابراہیم علیہ السلام کو بالفعل آگ میں ڈالے جانے کا انکار کیا ہے جس کی وہ کوئی معقول دلیل پیش نہیں کر سکا۔ اس کے برخلاف سورۃ الانبیاء میں ہے کہ اللہ نے فرمایا قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ
ابراہیم (آیت - ۶۹) ہم نے آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔ ظاہر ہے کہ اس حکم کی ضرورت تبھی پڑی جب آپ کو بالفعل آگ میں ڈال دیا گیا۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو پھر آگ کو ٹھنڈی ہو جانے کے حکم کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ اس مقام پر ہے فَأَجَلُّهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ
اللہ نے آپ کو آگ سے بچالیا۔ دشمنوں نے تو آپ کو آگ میں پھینکا ہی دیا تھا مگر سورۃ الانبیاء کے ذریعے اللہ نے آپ کو بچالیا۔ چنانچہ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آگ میں پھینکے جانے کے باوجود آگ نے آپ کا ایک بال بھی نہیں جلایا۔ البتہ وہ سہی جل گئی تھی جس کے ساتھ آپ کو جھڑ کر آگ میں پھینکا گیا تھا۔

نجات
قدرت

فَرَمَّا آتٍ فِي ذَلِكَ لِقَوْمٍ كُفِرُوا ۝

بیشک اس میں البتہ نشانیاں مہیاں لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ ذرا اندازہ لگائیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے پیغام حق پہنچانے کے سلسلے میں کس قدر تکالیف برداشت کیں اور کتنی قربانیاں پیش کیں۔ پہلے اپنے باپ پھر خاندان سے اور پھر پوری قوم کے ساتھ دشمنی مول لی، حتیٰ کہ آپ کو آگ میں پھینک دیا گیا۔ ابن سعد کی روایت میں آتا ہے کہ آپ نے سات سال تک قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہر امتحان میں آپ کو کامیاب کیا اور مخالفین کو ناکام بنایا۔ آگ نے آپ کا بال تک نہ جلا یا۔ روایات میں آتا ہے کہ تاریخ میں اتنی بڑی آگ کبھی نہیں جلائی گئی۔ کم و بیش تین ماہ تو آگ کے لیے ایندھن جمع ہوتا رہا۔ اس آگ میں پھینکے جانے کے باوجود آپ کا بال بیکانہ نہ ہوا۔ کیا یہ معجزہ اور نشانی نہیں؟ آپ نے پوری زندگی صبر و استقلال کے ساتھ حق کی تبلیغ کی اور آپ میں کبھی گھبراہٹ پیدا نہیں ہوئی بلکہ ہمیشہ حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ کا ورد ہی کرتے رہے اور اس طرح ہر مشکل سے کامیاب و کامران ہو کر نکلے۔ بلاشبہ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت بڑی نشانیاں ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں اور غور و فکر کرتے ہیں

عذر درجہ کی تکالیف برداشت کرنے کے، باوجود ابراہیم علیہ السلام نے توجیہ کے اثبات اور شرک کی مذمت کا کوئی ہوتیہ ہاتھ سے نہیں جلتے دیا۔ وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا إِنَّمَا تَقَوْمٌ مِّنكُمْ لِكَيْ تَقُولُوا لَنَا سَمِعْنَا اللَّهَ فَوَقَّعَ لَنَا بَعْضَ آيَاتِهِ فَذَرُونَا هِيَ تَرْجُو لَنَا كِسْفًا مِّن سَمَوَاتٍ فَذَرْنَاهُ يَوْمَئِذٍ أَجْرًا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ

جنتوں کے تصور پر ہیں، بعض فرشتوں کے اور بعض انہوں میں سے انبیاء اور اولیاء کے نام پر۔ تم ان کو نذر و نیاز پیش کرتے ہو اور پھر ان سے مرادیں مانگتے ہو۔ ان کے سامنے شرکیہ رسوم ادا کرتے ہو، گویا ان کی پرستش کرتے ہو۔ عربی میں بتوں کے لیے وثن اور صنم دو نام استعمال ہوتے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ صنم کسی خاص شکل و صورت پر بنایا ہوا بت ہوتا ہے جب کہ وثن کوئی ان گھڑا پتھر وغیرہ ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں بے شمار ان گھڑے وثن ہیں جن کی وہ پوجا کرتے ہیں۔

شرک کی
مذمت

فرمایا ان بتوں کی پوجا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دُنْيَا کی زندگی میں تمہارے لیے آپس میں دوستی کا ذریعہ ہے۔ مطلب یہ کہ کسی خاص بت قیصر یا درخت کی پوجا میں قدرِ مشترک بن جاتی ہے اور پھر اسی کی بنا پر یہ تم آپس میں پیر پائی بن کر ایک دوسرے سے محبت کرنے لگتے ہو۔ ہر وقت اسی معبود کے گن گانتے ہو اور اسی پر جینتے اور اسی پر مرتے ہو۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مَوَدَّةَ کا مصدر میمی مفعول کے معنی میں مَوَدَّةً ہے، اور معنی یہ ہے کہ تم ان معبودوں کے ساتھ محبت کرتے ہو۔ ظاہر ہے کہ ہر عابد اپنے معبود کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ مگر سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی صفت یہ بیان کی ہے۔ **وَالَّذِينَ آمَنُوا اسْتَدَّ حُبَّ اللَّهِ** (آیت - ۱۶۵) کہ ان کی شدید ترین محبت اپنے معبود برحق خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوتی ہے۔

فرمایا دنیا میں تو تم ان معبودوں کی محبت میں مشرک ہو تو **يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ** پھر قیامت والے دن تم ایک دوسرے کا انکار کر دو گے۔ یہاں کی دوستی اُس وقت دشمنی میں بدل جائے گی اور جن معبودوں کی تم عبادت کرتے تھے وہ بھی انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے تو ان کو نہیں کہا کہ ہماری پرستش کرو، یہ تو خود اپنی خواہش پر چلتے رہے۔ اپنی حاجت براری کے لیے ہمارے نام پر بنائے ہوئے بتوں کی طرف رجوع کرتے تھے، ہمارا تو اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے کہ کیا تم نے ان کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنا لو؟ جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہر جہ ہے۔

علی علیہ السلام انکار کر دیں گے اور عرض کریں گے کہ مولا کریم! میں نے تو اپنی قوم کے سامنے وہی بات کی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ **اِنْ اَعْبَدُوا اللّٰهَ رَبَّكَ وَرَبَّكُمْ** (آیت - ۱۱۷) کہ صرف میرے اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

فرمایا، قیامت والے دن بتوں کی پوجا کرنے والے نہ صرف ایک دوسرے کا

انکار کر دیں گے بلکہ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا تم ایک دوسرے پر لعنت بھی بھجور گے۔ ایک دوسرے کو برا بھلا کہو گے کہ تم نے غلط راستے پر ڈال کر مروا دیا۔ مگر اُس وقت کا پچھتا نا کبھی کام نہیں آئے گا وَمَا وَكُمُ السَّارُ اور تمہارا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہو گا۔ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ اور تمہارا کوئی مددگار بھی نہیں ہو گا جو تمہیں دوزخ کے عذاب سے بچا سکے۔ اس دن دنیا میں قائم کیے ہوئے غلط تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ یہاں کی محبت نفرت میں بدل جائیگی اور تم ایک دوسرے کو کورتے ہوئے جنم رید ہو گے۔

ابراہیم علیہ السلام کی سال ہا سال کی تبلیغ کے جواب میں قوم نے آپ کی کوئی بات نہ مانی۔ صرف دو شخصیتوں کے ایمان لانے کا ذکر ملتا ہے۔ ایک آپ کی بیوی حضرت سارہؑ تھی جو آپ کی چچا زاد تھی اور دوسرے آپ کے بھتیجے لوط علیہ السلام تھے۔ بعض ملے کہتے ہیں لوط علیہ السلام آپ کے بھانجے تھے مگر صحیح بات یہ ہے کہ آپ کے حقیقی بھتیجے تھے، اور آپ کا نسب نامہ لوط ابن حاران ابن آرز ہے۔ لوط علیہ السلام بچپن میں ہی ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے، چنانچہ اللہ نے یہاں فرمایا ہے فَأَمَّا لُوطُ فَأْتِي تو ساری قوم نے انکار کر دیا مگر لوط علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی، اور پھر جب آپ نے بابل سے ہجرت کی تو لوط علیہ السلام بھی آپ کے ہمراہ تھے اور راستے میں ہی اللہ تعالیٰ نے اُن کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور مشرق اردن والوں کی طرف تبلیغ پر مامور کیا۔

فرمایا لوط علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی وَقَالَ إِنِّي مَهَاجِرٌ رالط کہتی اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں تو اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ میں نے تبلیغ کے تمام وسائل استعمال کر لیے ہیں مگر قوم نہیں مانتی لہذا اب میں اللہ کے حکم سے جہاں وہ چاہے گا ہجرت کر جاؤں گا۔ چنانچہ آپ اپنی بیوی سارہؑ اور بھتیجے لوط علیہ السلام کے ہمراہ بابل سے مصر اور پھر شام و فلسطین پہنچے وہیں پر آپ کو خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم ہوا جس کی آپ نے تعمیل کی اور وہیں پر یروشلم ملے کثافت مہ ۲۵۰ سے تفسیر سفسی ص ۲۵۵ (فیاض)

لوط علیہ السلام کا ایمان لانا

ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اور اولاد

سے کچھ فاصلے پر یعنی اخیلی میں آپ کی قبر ہے، فرمایا میں اپنے رب کے حکم سے ہجرت کر رہا ہوں إِنَّكَ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ بیشک وہ اللہ تعالیٰ زبردست، کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ہے۔ اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا لہذا میں اُسی کے حکم سے ہجرت کر رہا ہوں۔

بعد کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ہجرت میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت کار فرما تھی۔ آپ نے شام و فلسطین کو اپنا مستقل مستقر ٹھہرایا اور پھر عمرہ راز کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد سے بھی نوازا پہلے اللہ نے حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے اسماعیل علیہ السلام پیدا کیے اور جیسا کہ اس مقام پر ذکر ہے بعد میں حضرت سارہؓ کو بھی اولاد دی۔ اللہ نے سو سال کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی خواہش کو پورا فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا فرمایا۔ ابراہیم علیہ السلام نے دو سو سال کی عمر پائی اور آپ کی زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ نے اسحاق علیہ السلام کو يعقوب علیہ السلام بھی عطا فرمایا اور دونوں کو نبی بھی بنایا۔ فرمایا وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْحِكْمَةَ اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہم نے نبوت اور کتاب رکھ دی۔ آپ کے بعد دنیا میں جتنے بھی نبی آئے مع نبی آخر الزمان رب کے سب ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے فرمایا وَأَتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کا صلہ دنیا میں بھی دیا۔ دنیا میں آپ کو عزت و اکرام دیا، آپ کی اولاد کو نبوت و رسالت عطا کر کے آپ کو ابوالابنیا بنا دیا۔ آپ کو دنیا کی امامت عطا فرمائی اور آپ کی ملت کو جاری فرمایا اور دوسری امتوں کو بھی حکم دیا فَاتَّبَعُوا مِلَّةَ آبَائِهِمْ خَدِفُوا (آل عمران ۹۵) یعنی ملت ابراہیمی کی پیروی کرو۔

یہ تو دنیا کے انعامات تھے، فرمایا وَأِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَكِمِّنَ الصَّالِحِينَ اور بیشک آپ آخرت میں بھی نیکو کاروں میں سے ہیں۔ دنیا میں بھی

اللہ نے مال، اولاد، عزت اور نیک نامی دی، اولاد کو حکومت بھی عطا فرمائی اور حضرت میں آپ یقیناً اعلیٰ درجے پر فائز ہوں گے، آپ اللہ کے خلیل اور مقرب ہیں یہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کے ساتھ ابتلا کا اجمالی طور پر ذکر کر دیا ہے۔

ایمان اور ابتلاء کے ضمن میں ہی اللہ تعالیٰ نے دوسری مثال حضرت لوط علیہ السلام کی بیان فرمائی ہے۔ وَلُوطًا اور لوط علیہ السلام کو بھی ہم نے رسول بنا کر بھیجا۔ انہیں شرق اردن کے لوگوں کی ہدایت کے لیے مامور فرمایا۔ آپ نے ان کی خرابیوں کا بغور مطالعہ کیا اور پھر ان کی نشاندہی بھی کی۔ رَاٰہُ

قَالَ لِقَوْمِهِ کہ جب کہا انہوں نے اپنی قوم سے۔ شرق اردن اور خاص طور پر وہاں کی مرکز بنی سدوم کے لوگ آپ کی نسی قوم نہیں تھے بلکہ آپ تو بابل سے ہجرت کر کے آئے تھے اور آپ کا تعلق دوسری قوم سے تھا۔ یہاں پر،

”آپ کی قوم“ اس لیے کہا گیا ہے کہ آپ اُس قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ اس قوم میں کفر اور شرک کے علاوہ ہم جنسی کی قبیح بیماری بھی تھی۔ لوط علیہ السلام نے قوم کو اسی خطرناک پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا اِنَّكُمْ لَتَاٰتُونَ الْفٰحِشٰةَ

تم ایک ایسی جہائی کا ارتکاب کرتے ہو گے جس کا سبق تم جہا من اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ جس کا ارتکاب تم سے پہلے جہاں والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ گویا تم ہی اس مسلک بیماری کے موجد ہو۔ شرق اردن کا علاقہ بڑا زرخیز علاقہ تھا، یہاں پر تجارتی منڈیاں تھیں، لوگ بڑے مالدار اور تمدن تھے مگر ہم جنسی جیسی قبیح بیماری میں مبتلا تھے۔ یہ ایسی بے حیائی ہے جو بند روں اور خنزیروں کے سوا کسی دوسرے جانور میں بھی نہیں پائی جاتی، مگر یہ کام اُس خطے کے لوگ انسان ہو کر کرتے تھے۔

لوط علیہ السلام نے اس قباحت کی وضاحت فرمائی اِنَّكُمْ لَتَاٰتُونَ الْبٰسِجَالِ کیا تم شہوت رانی کے لیے مردوں پر دوڑتے ہو۔ زنا اور لواط دونوں کو فحش کہا گیا ہے، مگر لواط زنا سے بھی زیادہ جرم ہے کیونکہ یہ فعل خلاف وضع فطری ہے۔ فرمایا ایک تو تم مردوں سے ہم جنسی کرتے ہو اور دوسرا تم کام کر کے

لوط علیہ السلام نے اس قباحت کی وضاحت فرمائی اِنَّكُمْ لَتَاٰتُونَ الْبٰسِجَالِ کیا تم شہوت رانی کے لیے مردوں پر دوڑتے ہو۔ زنا اور لواط دونوں کو فحش کہا گیا ہے، مگر لواط زنا سے بھی زیادہ جرم ہے کیونکہ یہ فعل خلاف وضع فطری ہے۔ فرمایا ایک تو تم مردوں سے ہم جنسی کرتے ہو اور دوسرا تم کام کر کے

لوط علیہ السلام نے اس قباحت کی وضاحت فرمائی اِنَّكُمْ لَتَاٰتُونَ الْبٰسِجَالِ کیا تم شہوت رانی کے لیے مردوں پر دوڑتے ہو۔ زنا اور لواط دونوں کو فحش کہا گیا ہے، مگر لواط زنا سے بھی زیادہ جرم ہے کیونکہ یہ فعل خلاف وضع فطری ہے۔ فرمایا ایک تو تم مردوں سے ہم جنسی کرتے ہو اور دوسرا تم کام کر کے

لوط علیہ السلام نے اس قباحت کی وضاحت فرمائی اِنَّكُمْ لَتَاٰتُونَ الْبٰسِجَالِ کیا تم شہوت رانی کے لیے مردوں پر دوڑتے ہو۔ زنا اور لواط دونوں کو فحش کہا گیا ہے، مگر لواط زنا سے بھی زیادہ جرم ہے کیونکہ یہ فعل خلاف وضع فطری ہے۔ فرمایا ایک تو تم مردوں سے ہم جنسی کرتے ہو اور دوسرا تم کام کر کے

قوم لوط کے قباحت

ہو قَتَقَطَّحُونَ السَّبِيلِ کہ تم راہ کاٹتے ہو یعنی راستے پر چلتے لوگوں پر ڈاکے ڈالتے ہو اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیتے ہو۔ راہ کاٹنے کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم نسل انسانی کی راہ کو کاٹتے ہو۔ نسل انسانی کی بقا کے لیے اللہ نے مرد اور عورت کا جوڑا بنایا ہے مگر تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے التفات کرتے ہو۔ اور اس طرح فطری طریقے کو چھوڑ کر نسل انسانی کو منقطع کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ بھلا دو مردوں کے اختلاط سے اولاد کہاں پیدا ہوگی اور نسل انسانی کیسے آگے بڑھے گی؟ اسی لیے مشرت زنی اور جانوروں کے ساتھ التفات کو بھی ملعون کاموں میں شمار کیا گیا ہے۔ اسی سے انسان کا دین، اخلاق اور صحت میرا دہوتی ہے۔ اللہ نے مشورت رانی کے لیے منکو حہ بیوی یا شرعی لونڈی کو مقرر کیا ہے۔ اس کے علاوہ تمام ذرائع ناجائز اور حرام ہیں۔

لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کی تیسری خرابی یہ بیان فرمائی وَنَاثُوْنَ فِی نَادِیْكُمْ اَلْمَتَّكِرِ اور تم اپنی بھری مجلسوں میں برائی کا ارتکاب کرتے ہو اور اس معاملہ میں ذرا شرم محسوس نہیں کرتے۔ مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ یہ لوگ برائی میں اس قدر طاق ہو چکے تھے کہ برائی ان کے نزدیک برائی نہیں رہی تھی، لہذا وہ عام مجلسوں میں اس کا ارتکاب کرتے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ قرب قیامت میں لوگ گدھوں کی طرح بیجاٹی کے کام کریں گے۔ پھر جب دنیا میں خدا کا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ ترقیامت کا بھل سچ جا ہیگا۔ قوم لوط کے لوگ راہ چلتے لوگوں پر آوازے کرتے تھے، ان کو سچھارتے تھے، گالی گلہبج کرتے اور بد اخلاقی کے در سے کام کرتے تھے۔ عام مجلس میں گوز مارتے ہیں جیسا محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ نام زنجشری لکھتے ہیں کہ وہ گوز مارتے ہیں ایک در سے دوسرے کا مقابلہ کرتے تھے، اور ان کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ ہم جنسی کے منہجک ہوتے تھے۔

عذاب کا مطالبہ

جب لوط علیہ السلام نے قوم کو ان قبیح کاموں سے منع فرمایا فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ اِلَّا اَنْ قَالُوا اِنَّنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ لَوَقَوْمِ كَاْسٍ
لہ کشف ص ۲۵۴ (فیاض)

کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ ہم پر اللہ کا عذاب ہے اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ
 اگر تو سچا ہے۔ یعنی تو ہمیں عذاب الہی سے ہر وقت ڈراتا دھمکاتا رہتا ہے۔ اگر تیرے
 پاس کوئی ایسا عذاب ہے تو لاکھ ہم پر وارد کر دے، ہم تیری بات کو مان کر یہ بڑا ایسا
 جھوٹ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ سورۃ الاعراف میں قوم کا یہ بیان بھی آیا ہے کہ
 انہوں نے آپ میں فیصلہ کیا اَحْسَبُ جُودًا هُمْ مِّنْ قَوْمِ كَوْمٍ جِرَانِهِمْ
 اَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ (آیت - ۸۲) کہ لوط علیہ السلام کو اپنی بستی سے نکال دو، یہ
 بڑا پاک بنا چھرتا ہے اور ہم کو پلید کہتا ہے۔ نہ یہ ہماری بستی میں ہے گا اور نہ ہمیں
 کسی کام سے روکے گا۔

جب قوم نے ہر طرف سے لوط علیہ السلام کو تنگ کر دیا تو آپ نے دعا کے
 لیے ہاتھ اٹھائے۔ قَالَ رَبِّ اَنْصُرْنِیْ عَلٰی الْقَوْمِ الْمَفْسِدِیْنَ
 عرض کیا، پروردگار! میری اس ناہنجار اور فسادی قوم کے مقابلے میں مدد فرما۔ میں
 ان سے مایوس ہو چکا ہوں۔ اب تو ہی ان سے انتقام لے۔

العنكبوت ٢٩

آيت ٣١ تا ٣٠

امت خلق ٢٠

رسول نجم ٥

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلَنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا
 إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ إِنَّ أَهْلَهَا
 كَانُوا ظَالِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا قَالُوا
 نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا
 أُمَّرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٢﴾ وَلَمَّا آتَتْ
 جَاءَتْ رُسُلَنَا لُوطًا سَيِّئًا بِهِمْ وَضَاقَ
 بِهِمْ ذُرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ قَدْ
 إِنَّا مُنْجُوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا أُمَّرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ
 الْغَابِرِينَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ
 الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا
 يَفْسُقُونَ ﴿٣٤﴾ وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً
 لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ
 شُعَيْبًا فَقَالَ يَوْمَ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا

الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْتَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝۳۶
 فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي
 دَارِهِمْ جِثْمِينَ ۝۳۷ وَعَادًا وَثَمُودًا وَقَدْ
 تَبَيَّنَ لَكُمْ مَن مَّا كُنْتُمْ فِيهَا وَرِزِينَ لَهُمُ
 الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ
 وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ۝۳۸ وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ
 وَهَامَانَ قَدْ جَاءَهُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ
 فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ ۝۳۹
 فَكَلَّا أَخَذْنَا بِذُنُوبِهِمْ فَمِنْهُمْ مَّنْ أَرْسَلْنَا
 عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ
 وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ
 مَّنْ أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ
 كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝۴۰

ترجمہ :- اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم علیہ السلام
 کے پاس خوشخبری لے کر تو کہا انہوں نے بیشک ہم ہلاک
 کرنے والے ہیں اس بستی کے رہنے والوں کو۔ بیشک وہاں
 کے رہنے والے لوگ ظالم ہیں ۝۳۱ کہا (ابراہیم علیہ السلام نے)

بیشک اس بستی میں لوط علیہ السلام بھی رہتے ہیں۔ کہا (فرشتوں نے) ہم خوب جانتے ہیں اُسس میں رہنے والوں کو۔ ہم ضرور بچا لیں گے اس (لوٹ) کو اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے (۳۲) اور جب اُنے ہمارے پیچھے ہوئے (فرشتے) لوط علیہ السلام کے پاس تو وہ ناخوش ہوئے اور اُن کا دل تنگ ہوا اُن کی وجہ سے۔ کہا (فرشتوں نے) مت خوف کھا اور مت غمگین ہو۔ بیشک ہم بچانے والے ہیں تجھے اور تیرے گھر والوں کو سوائے تیری بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے (۳۳) تحقیق ہم اُتانے والے ہیں اس بستی کے رہنے والوں پر غضاب آسمان کی طرف سے، اس وجہ سے کہ یہ فسق کیا کرتے تھے (۳۴) اور البتہ تحقیق ہم نے کلمہ دیا اس کو ایک کھلی نشانی اُس قوم کے لیے جو عقل سے کام لیتی (۳۵) اور اسی طرح ہم نے مزین کی طرف اُن کے بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! عبادت کرو اللہ کی، اور توقع رکھو آخرت کے دن کی، اور نہ چلو زمین میں فساد کرتے ہوئے (۳۶) پس جھٹلایا انہوں نے اُس (شعیب) کو۔ پس پکڑا ان کو زلزلے نے۔ پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرنے والے (۳۷) اور عاد اور ثمود (کو بھی ہم نے ہلاک کیا) اور بیشک واضح ہو چکی ہیں تمہارے لیے ان کی رہائش گاہیں۔ اور مزین کیا تھا اُن کے لیے شیطان نے اُن کے اعمال کو۔ پس روکا تھا اُن کو سیدھے راستے سے، اور تھے یہ لوگ ہوشیار (۳۸)

اور (اسی طرح) قارون، فرعون اور لہمان (کو بھی ہلاک کیا) البتہ تحقیق آئے ان کے پاس موسیٰ علیہ السلام کھلی نشانیاں لے کر ہیں انہوں نے تکبر کیا زمین میں۔ اور نہیں تھے وہ کسی طرف بھاگ کر نکل جانے والے (۳۹) پس سب کو پکڑا ہم نے ان کے گناہوں کے بدلے۔ پس بعض ان میں سے وہ ہیں کہ ہم نے بھیجی ان پر ننگ بار ہوا۔ اور بعض وہ ہیں کہ پکڑا ان کو چیخ نے۔ اور بعض وہ ہیں کہ ہم نے دھنسا دیا ان کو زمین میں۔ اور بعض وہ ہیں کہ جن کو ہم نے ڈبو دیا پانی میں اور نہیں اللہ تعالیٰ ایسا کہ ان پر ظلم کرے، لیکن تھے وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے (۴۰)

جیسا کہ گذشتہ دروس میں بیان ہو چکا ہے سورۃ العنکبوت کا مرکزی مضمون ایمان اور آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ پہلے بھی اہل ایمان کی آزمائش کرنا رہا ہے اور آج بھی اللہ امتحان میں ڈالتا ہے۔ اس سلسلہ میں ابراہیم علیہ السلام، نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی ابتلا کا ذکر ہو چکا ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے شرق اردن کے لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ نے ان کی مرکزی سببی سردم اور دیگر بستیوں کے لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچایا۔ انہیں توحید کی دعوت دی اور کفر و شرک، فحاشی، بد اخلاقی اور ہم جنسی جیسی فلیج بیماریوں سے منع فرمایا۔ یہ لوگ فطرت سے باہر نکل چکے تھے اور غیر فطری کام انجام دینے لگے تھے۔ باوجود اتنی گواہی اور محنت کے جب لوگوں نے لوط علیہ السلام کی دعوت کو تسلیم نہ کیا تو اپنے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کی کہ اس مفسد قوم کے مقابلے میں ان کی مدد کرے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا قبول فرمائی۔ قوم کو کافی ہولناکی چکی تھی اور اب ان کی گرفت کا وقت آچکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کی ہلاکت پر مقرر فرشتوں کو حکم دیا کہ پہلے وہ ابراہیم علیہ السلام

دریغ آیت

ابراہیم علیہ السلام
کی یہ توحیدی

کے پاس جا کر انہیں اس پر لڑ سالی میں بیٹے کی خوشخبری دیں اور پھر قوم لوط کی ہلاکت کے لیے ان کی بستی میں جائیں، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب حکمت تھی کہ ایک طرف پوری قوم کو تباہ کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف بیٹے کی بشارت دی جا رہی ہے جس کی نسل سے عظیم قوم بنی اسرائیل کو پیدا کرنا مقصود تھا۔ اس واقعہ کی تفصیلات تو سورۃ ہود اور سورۃ حجر اور بعض دوسری سورتوں میں مذکور ہیں تاہم یہاں پر نہایت اختصار کے ساتھ اس واقعہ کو محض عبرت کی خاطر بیان کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ
 جب ہمارے بھیجے ہوئے قاصد ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لے کر آئے یہاں پر خوشخبری کی تفصیلات بیان نہیں کی گئیں۔ دوسری سورتوں میں تفصیل موجود ہے کہ قصہ انسانی شکل میں جبرائیل، میکائیل، اسرافیل علیہم السلام وغیرہ فرشتے تھے۔ مگر ابراہیم علیہ السلام ان کو پہچان نہ سکے۔ ان کو انانوں کی صورت میں مہمان سمجھا، چھڑا زنجی اور اس کا گوشت بھون کر مہانوں کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ یہ دیکھ کر پریشان ہو گئے کہ مہمان کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائے ہیں۔ آخر مہانوں نے اپنا تعارف خود کر لیا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، آپ کو بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ سورہ الحجر میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے دریافت کیا قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ
إِنَّهَا الْبُشْرَىٰ لَكُمْ (آیت ۷۵)۔ فرشتوں نے اس مقصد کے لیے آئے ہو تو انہوں نے کہا قَالُوا إِنَّا مَهْلِكُوكُمُوهَا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ
 کہ ہم سدوم کی بستی والوں کو ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں۔ کیونکہ ان أَهْلَهَا
كَانُوا ظَالِمِينَ اس بستی کے رہنے والے بڑے ظالم لوگ ہیں اور ان کی ہلاکت کا حکم ہو چکا ہے۔

بستی کی تباہی کی خبر سن کر ابراہیم علیہ السلام پریشان ہو گئے قَالَ إِنِّي فَخِيمٌ
لِقَوْمِي اور کہنے لگے کہ اس بستی میں تو اللہ کا نبی اور میرا بھتیجا لوط علیہ السلام بھی ہے، ان کا کیا ہوگا۔ قَالُوا غَنُّنَا عَلَّمَنَا بِمَنْ فِيهَا فرشتوں نے کہا کہ ہم

خوب جانتے ہیں جو اس بستی میں مقیم ہے یعنی ہم لوط علیہ السلام کی شخصیت سے غافل نہیں ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق لَنْ نُنَجِّيَنَّهُ وَاَهْلَكَ اِلَّا اَمْرًا نَهْمُ صُرُوْا بِحَالِهِمْ لَوْ عَلِيهِ السَّلَامُ اور ان کے گھر والوں کو ماسوائے ان کی بیوی کے كَانَتْ

مِنَ الْغَابِرِيْنَ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے۔ بیوی کے پیچھے رہ جانے کی تفصیل سورۃ ہود میں موجود ہے کہ فرشتوں نے لوط علیہ السلام سے کہا فَاسْرِبْ بِاَهْلِكَ يَقْطَعُ مِنَ الْاَيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدًا اِلَّا اَمْرًا نَدَّكَ (آیت - ۸۱) کہ رات کے پچھلے حصے میں اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر بستی سے نکل جاؤ، اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، سوائے تمہاری بیوی کے، یہی پیچھے رہنے والوں میں تھی کہ اس پر بھی وہی آفت پڑنے والی تھی جو باقی قوم پر نازل ہونے والی تھی۔ بہر حال فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو تسلی دلا دی کہ ان کے گھر والے، ماسوائے ان کی بیوی کے جو کافر تھے۔ بچ جائیں گے۔ چنانچہ لوط علیہ السلام اپنی بیویوں کو لے کر رات کے پچھلے حصے میں بستی سے نکل گئے۔ آپ کی بیوی آپ کے ساتھ نہ گئی، چنانچہ وہ بھی باقی لوگوں کے ساتھ ہی عذاب الہی کا شکار ہوئی۔

اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَكَمَا اَنْ جَاءَ رُسُلَنَا لُوطًا جَبَّ هَارٍ فَرَسْتُمْ لُوطًا عَلِيهِ السَّلَامُ کے پاس آئے۔ فرشتے نہایت حسین و جمیل نوجوان لڑکوں کی شکل میں تھے۔ بستی میں داخل ہو کر انہوں نے لوط علیہ السلام کا پتہ پوچھا اور آپ کے پاس پہنچ گئے، انہیں دیکھ کر دَبِيْعِيْهِمْ آپ بڑے ناخوش ہوئے وَصَاقَ بِهِنَّ ذَمْرًا عَا اور آپ کا سینہ تنگ ہوا۔ آپ جانتے تھے کہ ان کی قوم کے لوگ بڑے بد بخت ہیں جو اپنی ہم جنسی کی خواہش کی تکمیل کے لیے مہمانوں کو بھی نہیں چھوڑتے، لہذا آپ نے ان مہمانوں کی عزت کو غیر محفوظ خیال کرتے ہوئے سخت پریشانی کا اظہار کیا، اور فرمانے لگے هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ (مہود - ۷۷) یہ تو بڑا مشکل دن آگیا ہے مفسرین فرماتے ہیں کہ لوط علیہ السلام کی بیوی نے بستی کے لوگوں کو اطلاع دے دی کہ ان کے گھر

لوط علیہ السلام
کی پریشانی

میں بڑے حسین و جمیل مہمان آئے ہیں۔ چنانچہ لوگ آپ کے گھر میں آنا شروع ہو گئے ، کوئی دیواریں پھیلانگھنے لگے اور بعض نے دروازے توڑ دیے ، وہ کہتے تھے کہ ان مہمانوں کو ہمارے سپرد کرو تاکہ ہم اپنی خواہشات کی تکمیل کر سکیں۔ لوط علیہ السلام نے ہر خبیثہ سمجھا یا قَالَ يَقْوَمُ هَهُؤَلَاءُ بِنَاتِي هُنَّ أَطَهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي ط أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ (ہود- ۷۸) اے لوگو! یہ میری قوم کی لڑکیاں ہیں تمہارے لیے حلال ہیں ، خدا سے ڈرو اور میرے مہمانوں کو بے آبرو نہ کرو ، کیا تم میں کوئی بھی شائستہ آدمی نہیں ہے ؛ مگر وہ بد طینت لوگ کہاں مانتے تھے کہنے لگے مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ؟ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا تُرِيدُ (ہود- ۷۹) ہمیں تمہاری لڑکیوں سے کچھ غرض نہیں اور تم جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ لہذا مہمانوں کو ہمارے سپرد کرو۔

فرشتوں کی
طرح سے تلی

جب معاملہ اس حد تک طویل پکڑ گیا تو فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو بازو سے پکڑ کر کہا کہ تم پیچھے ہٹ جاؤ ، ہم انسان نہیں فرشتے ہیں اور قوم کی تباہی پر مامور من التبتین۔ اور پھر جیسا کہ سورۃ القمر میں موجود ہے فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ رَالقمر- ۳۷) جبرئیل علیہ السلام نے ذرا لمحہ مارا تو سارے حملہ آوروں کی آنکھیں اندھی ہو گئیں مگر اس کے باوجود ان کے ذوقِ معصیت میں فرق نہ آیا اور وہ لاطفون سے سٹول سٹول کہ مہمانوں کو تلاش کرتے رہے۔ فرشتوں نے لوط علیہ السلام کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے تلی دی وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ كُنْ مِنَ الَّذِينَ نَزَحُوا كَمَا وَرَنَهُ عَمَلِكُمْ هُوَ إِنَّا مُنْجُواكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا أَمْرًا تَدْرِكُكَ كَأَنْتَ مِنَ الْغَابِرِينَ ہم تجھے اور تیرے گھر والوں کو بچالیں گے ماسوائے تیری بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہے۔

قوم کی
ہلاکت

فرشتوں نے آخر کار لوط علیہ السلام کو صاف بتلادیا إِنَّا مُنْجُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رَجُلًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ

ہم اس سبچی کے رہنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔ کیونکہ یہ نافرمان اور شرارتی لوگ ہیں۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے عرض کیا، فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو کہا کہ وہ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے پچھلے حصے میں بستی سے نکل جائیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا پھر جب سورج چمکا تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر عذاب نازل کر دیا۔ اور اس کی صورت یہ تھی کہ اُن نافرمان لوگوں کی بستیوں کو اُوپر اٹھا کر پلٹ دیا اور اُوپر سے پتھروں کی بارش اور آگ کے شعلے بھی برسائے جس سے یہ ساری بستیاں کھنڈرات میں تبدیل ہو گئیں یہ ساری بستیاں بھرمیت کے اطراف میں آباد تھیں۔ خود بھرمیت اس حد تک متاثر ہو کر اس کا پانی بھی زہر ملا ہو گیا اور آج بھی اُس پانی میں کوئی جانور زندہ نہیں رہ سکتا۔ فرمایا وَلَقَدْ تَرَكْنَا آيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ اور ہم نے اُن بستیوں کو صاحبِ عقل لوگوں کے لیے نشانِ عبرت بنا کر رکھ دیا۔ اس کے بعد صدیوں تک وہاں سے گزرنے والے ان بستیوں کے کھنڈرات کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتے تھے کہ یہاں پر اس قدر بے بخت لوگ آباد تھے، جن پر خدا کا قہر نازل ہوا اور انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو سخت استخوان میں ڈالا اور آپ کے مخالفین کو نصیحت دینا یاد کر دیا۔

فرمایا وَالْحَالِ مَدِينِ أَخَاهُ شُعَيْبًا اور اسی طرح ہم نے مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ انہوں نے لوگوں کو اس طرح نصیحت کی فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَرَمَا لے لوگو! عرف اللہ کی عبادت کرو وارجوا الیوم الآخر اور آخرت کی امید رکھو یعنی آخرت کا خوف بہر وقت پیش نظر رکھو وَلَا تَعْتَوْا فِي الْأَمْثَلِ مَقْسِدِينَ اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ شعیب علیہ السلام نے قوم کی خرابیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ گھر اور شرک سے باز آ جاؤ، تجارت میں دھوکہ نہ کرو، ماپ تول میں کمی نہ کرو۔ لوگوں کے حقوق ضائع نہ کرو اور شرکیہ رسوم سے باز آ جاؤ۔ تو ہم نے آپ کی کوئی بات نہ مانی بلکہ التَّافِكَةُ جُوہ آپ کو جھٹلایا

قوم شعیب علیہ السلام کی ہلاکت

یعنی آپ کی نبوت و رسالت کا ہی انکار کر دیا اور کہنے لگے اے شعیب! ہمارے
 دین میں واپس آ جاؤ، یہ روزِ روز کی تبلیغ چھوڑ دو ورنہ لَنْ نُخْرِجَنَّكَ لِشُعَيْبٍ
 وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا (الاعراف - ۸۸) ہم تمہیں اور
 تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ انہوں نے
 اس طرح کی تہمکی بھی دی وَ لَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ (مہود - ۹۱) اگر تیری
 برادری کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تجھے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے۔ تمہاری برادری کے کئی
 آدمی ہماری پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں لہذا ہم ان کے لحاظ میں تمہارے خلاف
 انتہائی قدم اٹھانے سے گریز کرتے ہیں۔

بِالْآخِرِ اس کا نتیجہ یہ ہوا فَ اخَذَ تَهُمُ الرَّجْفَةُ اَنْ اُفْرَانُوں کو زلزلے
 نے آپکڑا۔ دوسری جگہ موجود ہے اس قوم پر دو قسم کا عذاب آیا ہے۔ یعنی نیچے
 سے زلزلہ آیا۔ اور اوپر سے سخت چیخ بھی آئی جس سے اُن کے دل اور جگر پھٹ
 گئے اور وہ ہلاک ہو گئے۔ ایک والے بھی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم سے تھے۔
 اور آپ اُن کی طرف بھی مبعوث ہوئے تھے۔ سورۃ الشعراء میں ہے فَ اخَذَهُمْ
 عَذَابٌ يَوْمَ الظُّلُمَةِ (آیت - ۱۸۹) ہم اُن کو سائبان کے عذاب میں پکڑ لیا۔
 سیاہ بادل گھر کر آئے، لوگوں نے سمجھا کہ اب بارش ہوگی۔ جب لوگ اُس سائبان نا
 بادل کے نیچے جمع ہو گئے تو اس سے آگ برسنے لگی جس نے سب کو بھسوم کر دیا۔
 بہر حال فرمایا کہ دین والوں کو زلزلے نے پکڑ لیا فَ اصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ
 حٰثِمِينَ پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں اونڈھے منہ گرنے والے۔ ظاہر ہے کہ
 جب زلزلہ آتا ہے تو لوگوں کے قدم ٹک نہیں سکتے اور وہ گھٹنوں کے بل اونڈھے
 منہ کرتے ہیں اُس وقت اتنی ذہشت طاری ہوتی ہے کہ پرندے بھی زمین پر پڑ پھسلا
 دیتے ہیں۔

قوم عاد
 و ثمود

اس کے بعد اللہ نے قوم عاد اور ثمود کا ذکر فرمایا ہے۔ وَقَادَا وَ ثَمُودًا
 اور قوم عاد اور ثمود کو بھی ہم نے ہلاک کیا۔ اُن کی ہلاکت کی نشانی یہ ہے۔ وَقَدْ تَبَيَّنَ

لَا تُغْنِي عَنْكُمْ كَثْرَتُ أَمْوَالِكُمْ إِفْرًا
 قومیں پہاڑوں کو تراش تراش کر نقش و نگار والے عالیشان مکان تیار کرتے تھے۔ اللہ نے
 سب کو تباہ و برباد کر دیا۔ فرمایا جب تم میں اور توک کی طرف سفر کرتے ہو تو ان
 قوموں کی بستیوں کے کشدڑات اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو جس سے ان کی ہلاکت
 کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے مکانات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنے آسودہ حال لوگ تھے
 مگر ان کی بُر بختمی یہ تھی وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ کہ شیطان نے
 ان کے بُرے اعمال کو انہیں مزیں کر کے دکھایا۔ فَصَدَّ هُمْ عَنِ السَّبِيلِ
 اور اس طرح انہیں سیدھے راستے سے روک دیا یعنی ان کو نیکی کی طرف لگنے ہی نہیں
 دیا۔ وہ اپنے قبیح افعال کو اچھا سمجھ کر انجام دیتے رہے اور بالآخر خدا تعالیٰ کی گرفت
 میں آ گئے۔ فَرَمَاوَا كَأَنَّهُمْ صَبْرٌ یہ بڑے ہوشیار لوگ تھے لہذا
 بیوقوف نہیں تھے بلکہ بڑے بڑے صنّاع اور کاریگر تھے، دنیا کے کاروبار کو خوب
 سمجھتے مگر آخرت کی زندگی سے بالکل بیخبر تھے۔

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ عقل معاش میں تو بڑے طاق ہوتے
 ہیں مگر عقل معاد سے خالی ہوتے ہیں۔ آیت کا دنیائیں کافر مشرک اور محمد قسم کے لوگ
 عقل معاش میں کمال درجے کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ان میں بڑے بڑے سائنسدان، پروفیسر
 اور فلاسفر ہیں تجارت کے معاملے میں بڑے تجربات رکھتے، بڑی بڑی سلطنتوں کے
 مالک ہیں سیاست میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، صنعت و عرفت میں کمال کو پہنچے
 ہوئے ہیں مگر آخرت کی عقل نہیں رکھتے۔ اس قسم کے لوگوں میں بڑے بڑے
 بیسٹری بھی ہیں کہ جب دلائل دیتے ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے مگر معرفت الہی،
 قیامت، حساب اعمال، جنت اور دوزخ کے معاملات میں ان کا ذہن بالکل کام
 نہیں کرتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ آخرت کی دائمی زندگی میں ناکامی کا مزہ دیکھتے ہیں
 اگلی آیت میں ارشاد ہے وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ قن
 اور قارون، فرعون اور ہامان کہ بھی ہم نے ہلاک کیا۔ فرعون دکھیں پڑھا۔ بڑا ستید

قارون اور فرعون
 اور ہامان
 کا انجام

اور ظالم بادشاہ تھا۔ انتہائی درجے کا خود سر اور مغرور تھا۔ سورۃ قیونس میں ہے -
 وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ فَذَكَّرَهُ كَهَنُ الْمَسْرِ فَيُنِ (آیت-۸۳)
 بیشک فرعون زمین میں بڑا نبٹا تھا یعنی مغرور تھا اور وہ بے لگام لوگوں میں سے تھا اس کا
 وزیر ہامان بیور و کمرسی یعنی نوکر شاہی کا نمونہ تھا۔ یہ نوکر شاہی آج بھی موجود ہے۔ یہ خاص
 ذہنیت اور خاص ڈھب کے لوگ ہوتے ہیں جو حکومت میں داخل ہوتے ہیں، تنخواہیں،
 وظیفے، پنشن اور دیگر مراعات حاصل کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ہر حاکم کو اپنے پیچھے لگنے
 پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی من مانی کرتے ہیں۔ تیسرا طبقہ مہارہ داروں کا ہے
 جسکی مثال قارون کی شکل میں موجود ہے۔ یہ لوگ مال و دولت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں
 يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ (الہمزہ-۳) اور گمان کرتے ہیں کہ ان کا مال انہیں
 لازوال بنا دے گا۔ سیٹھ قسم کے ان لوگوں کی تجریاں دولت سے بھری رہتی ہیں،
 بنک بیلنس ٹھیک ہوتا ہے، تجارت پر چھلٹے رہتے ہیں، صنعت و حرفت کے
 مالک ہوتے ہیں اور اپنی دولت کی بنا پر دین کی مخالفت کرتے ہیں۔ اپنی چودھراہٹ
 اور رسومات کو ہی دنیا میں جاری کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، نہ خدا کو ملتے ہیں، نہ
 اس کے نبی کو اور نہ دین کو۔ دیکھ لیں فرعون اور قارون نے کس طرح موسیٰ علیہ السلام
 کی مخالفت کی، بہر حال اللہ نے قارون اور ہامان کو علی الترتیب سزا دیا اور
 جا بجا حکمرانوں اور بیور و کمرسی کا نمونہ قرار دیا ہے۔ فرمایا ہم نے ان تینوں کو بھی ہلاک کیا
 وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُّؤْمِنِيٌّ بِالْبَيِّنَاتِ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ تِينِيَّوًا
 قارون، فرعون اور ہامان کے پاس آئے واضح نشانیاں لے کر۔ فَاسْتَكْبَرُوا
 فِي الْأَرْضِ الْأَمْصِلِ انہوں نے زمین میں تکبر کیا، موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا انکار کر
 دیا وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ اور وہ کہیں بھاگ کر جانے والے نہیں تھے
 اپنے تمام تر وسائل کے باوجود وہ خدا کی گرفت سے آزاد نہیں تھے۔ پھر جب
 ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو اللہ نے فرمایا فَكُلُّوا أَخْذًا نَّيْبًا
 تو ہم نے سب کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا۔ ان پر عذاب الہی کا نزول ہوا

اور فرعون اور ہامان تو کچھ قلمزم بہرِ ڈوب کر ہلاک ہوئے جبکہ فارون کو اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ یہ اُن کے گناہوں کی سزا تھی۔

فَرَاغْنَا مِنْهُمْ وَمَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا اُنْ مِنْ سَمْعٍ بَعْضٍ
 ہم نے پتھر مارنے والی ہوا بھیجی۔ ایسی آدھی آئی جس میں سے پتھر برستے تھے۔
 وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ اُوْر اُنْ مِنْ سَمْعٍ بَعْضٍ كُوَيْخِ نَعْ اَلَا
 اللہ نے فرشتے کے ذریعے ایسی چیخ نازل کی کہ اس کی دہشت سے لوگوں کے
 جگر پھٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گئے۔ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهٖ الْاَرْضَ
 اور اُن میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، یہ فارون تھا وَمِنْهُمْ
 مَنْ اَعْرَفْنَا اُوْر اُنْ مِنْ سَمْعٍ بَعْضٍ نَعْ اَلَا اَلَا اَلَا اَلَا اَلَا اَلَا اَلَا
 تھے جو اکٹھے غرق ہوئے۔ اس سے پہلے قوم نوح بھی طوفان کی نذر پہنچی تھی۔
 فَرَاغْنَا مِنْهُمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُظْلِمَهُمْ اَلَا اَلَا اَلَا اَلَا اَلَا اَلَا اَلَا
 نہیں کرتا وَلٰكِنْ كَا اَلَا اَلَا اَلَا اَلَا اَلَا اَلَا اَلَا اَلَا اَلَا اَلَا اَلَا اَلَا
 خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ انہوں نے کفر، شرک، غرور، تکبر، استبداد اور
 حق تعالیٰ کا ارتکاب کیا۔ اللہ کے بیوں کو تکالیف پہنچائیں، اُن کا انکار کیا۔ بہرِ مصلح
 کی بات کو ٹھکرا دیا اور منی کرتے ہے اور اس طرح انہوں نے گویا خود اپنی جانوں
 پر زیادتی کی اور عذاب الہی کا شکار بنے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے انہیں صفحہ سبخی
 سے ناپید کر دیا۔ اس کے علاوہ آخرت کا دائمی عذاب انہیں ملنے والا ہے۔

العنکبوت ۲۹

آیت ۴۱ تا ۴۲

امن خلق ۲۰

ریش ششم ۶

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ
 كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ ۚ اتَّخَذَتْ بَيْتًا
 وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ ۚ
 لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا
 يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ وَهُوَ
 الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا
 لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿۴۳﴾
 خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ
 فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ۔ مثال۔ مثال ان لوگوں کی جنہوں نے بنائے ہیں اللہ
 کے سوا کارساز، مکھی کی مثال ہے جس نے بنایا اپنا
 گھر۔ اور بیشک تمام گھروں سے کمزور گھر البتہ
 مکھی کا گھر ہوتا ہے اگر ان لوگوں کو سمجھ ہوتی ﴿۴۱﴾
 بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جن کو یہ پکارتے ہیں اس
 کے سوا کوئی چیز بھی۔ اور وہ زبردست اور حکمت
 والا ہے ﴿۴۲﴾ اور یہ مثالیں ہیں جن کو ہم بیان

کرتے ہیں لوگوں کے لیے۔ اور نہیں سمجھتے ان کو مگر علم والے لوگ (۴۲) اللہ نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو سخی کے ساتھ۔ بیشک اس میں البتہ نشانی ہے ایمان لانے والوں کے لیے (۴۳)

ربط آیت

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ ابتلا کا ذکر فرمایا۔ اور کچھ لوگوں کی مثالیں بھی بیان فرمائیں۔ اس سلسلے میں اللہ کے پاک انبیاء، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، لوط علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام اور ان پر آنے والی آزمائشوں کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ نے کافروں اور مشرکوں کا انجام اور ان کو ملنے والی سزاؤں کا تذکرہ کیا۔ ایمان ہی کے سلسلے میں توحید کا بیان ہوا۔ باقی ملے سورتوں کی طرح اس سورۃ میں بھی بنیادی مضامین۔ نبوت و رسالت، معاد اور وحی الہی کا ذکر ہے جو کہ مختلف سورتوں میں مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس درس میں مسئلہ توحید کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے اور ایک مثال کے ذریعے شرک کا رد کیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْغَنِيِّ الَّذِي يَقُولُ أَنِّي مَلَئْتُ مِطْطًى كَمَا مَلَأْتُ مِطْطًى لِي إِذْ أَنَا صَالِحٌ فَذَلِكُمْ أَصْحَابُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ ان لوگوں کی مثال مگھڑی کی ہے جنہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو کار ساز بنا لیا ہے۔ ولی کا معنی دوست، رفیق، ساتھی اور کار ساز بھی ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو مشکل کشا اور حاجت روا بنا لیا ہے۔ مافوق الاسباب ان سے مدد طلب کرتے ہیں، ان کو اپنا حمایتی سمجھتے ہیں، ان کی مثال مگھڑی کی ہے اتَّخَذَتْ بَيْتًا جِوَانِبًا مَغْهْرًا نَاتِيًا بِهٖ ظَاهِرًا مِطْطًى كَمَا مَلَأْتُ مِطْطًى لِي إِذْ أَنَا صَالِحٌ فَذَلِكُمْ أَصْحَابُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ جو وہ اپنے منہ سے نکلنے والے لعاب سے اپنے ارد گرد بٹین لیتی ہے۔ مگھڑی اسی گھر میں رہائش اختیار کرتی ہے۔ اور اسی کے ذریعے شکار کر کے اپنی خوراک کا بندوبست کرتی ہے۔

شرک کی مثال
مگھڑی کے
جانے سے

ہر جاندار کو سر چھپانے اور گہری اور سردی سے بچاؤ کے لیے گھر کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان اپنی رہائش کے لیے کچے مکانوں سے لے کر عالی شان محلات تک

تیار کرتے ہیں اور ان میں ہر طرح کی سہولیت مہیا کرتے ہیں۔ صحراؤں اور جنگلوں میں رہنے والے لوگ نیچے کا گھس بنااتے ہیں۔ جنگلوں میں رہنے والے درندے غاروں اور گسے کھڈوں کو گھر کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

پہلے درختوں

پر اپنے گھس نیلے بناتے ہیں اور وہیں اڑے چکے دیتے ہیں۔ رینگنے والے جانور کیڑے مکوڑے، سانپ پھوس وغیرہ زمین کے اندر گھر بناتے ہیں۔ جیونٹیوں کا ذکر سورۃ النمل میں ہو چکا ہے، وہ بھی اپنی بلوں میں رہتی ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ان تمام گھسوں کا موازنہ کیا جائے تو پہنچتا ہے وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبُيُوتِ الْعَنَابِ كَبُوتِ كَرَسِيٍّ كَمَزُورٍ كَهَمْ كَمِطِيٍّ كَاكْغَهْرِيٍّ یعنی اُس کا جالا ہوتا ہے چونکہ اُسے گرمی سردی سے بچا سکتا ہے اور نہ تیز ہوا کو برداشت کر سکتا ہے۔ ذرا آندھی یا بارش آئی تو وہ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ اگر آگ قریب سے بھی گزر جائے تو یہ جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ بغرض یہ قسم گھسوں میں کمزور ترین گھر مکٹی کا جالا ہوتا ہے۔ اور مشرکین کے نظریات بھی یقیناً اتنے ہی کمزور ہوتے ہیں جو غیر اللہ کو اپنا کار ساز، حاجت روا، اور مشکل کشا سمجھ کر اُن سے حاجت براری کرتے ہیں۔ فرمایا لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ كَاشِ ان لوگوں کو سمجھ سوتی اور یہ جان سکنے کہ شرک کتنی کمزور چیز ہے جس پر وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ سورۃ الحج میں اللہ کا فرمان موجود ہے، لَوْ كَانُوا يَفْقَهُوْا سَعْرَ جَوْوِ كَاللّٰهِ كَعَلَاوِہ دوسروں کو اپنی حاجتوں میں پکارتے ہیں، وہ تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اور اگر مکھی اُن سے کوئی چیز چھین لے جائے تو اُس سے واپس نہیں لے سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہے صَعْفَ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ (آیت- ۳) کہ مانگنے والا اور جس سے مانگا جا رہا ہے دونوں کمزور ہیں۔ مانگنے والا تو ظاہر ہے کہ وہ اُس چیز سے محروم ہے جس کو طلب کر رہا ہے، اور جس سے مانگتا ہے، نہ وہ چیز اُس کے پاس موجود ہے اور نہ وہ دینے پر قادر ہے، لہذا طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔ حقیقت یہ ہے اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا

البتقرہ - ۱۶۵) ساری کی ساری طاقت اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے اور مخلوق ساری عاجز اور محتاج ہے۔ کوئی حق، کوئی فرشتہ، کوئی انسان خواہ نبی، ولی، یا صائب قبر ہو، سب کمزور اور محتاج ہیں، کوئی کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی نہیں کر سکتا۔ جو مافوقی الاسباب ان کو بکارتا ہے۔ وہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔

انسان کی
بنیادی ضروریات

اس آیت میں گھر کا ذکر آیا ہے تو اس ضمن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی سن لیجئے جو تمہاری شریعت میں موجود ہے کہ انسان کی بنیادی ضروریات میں کھانا، پینا، پہننا و بلبلیت ڈیسٹیکٹ اور وہ گھر ہے جس میں انسان سکونت اختیار کر سکے۔ گہری سردی سے بچاؤ، جسمانی سکون و راحت، جان و مال کی حفاظت کے لیے ہر شخص کے پاس گھر ہونا چاہئے، کچا ہو یا پکا، اگر چہ کرائے کا ہو مگر گھر ہونا تو چاہئے جس میں کوئی شخص سکون پکڑ سکے۔ بعض دیگر چیزیں بھی انسان کی بنیادی ضروریات میں آتی ہیں اور ہر شخص کو میسر آنی چاہئیں۔ مثلاً ہر زندہ انسان کے لیے صحت ایک بنیادی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر انسان اپنے فرائض ادا نہیں کر سکتا، اور نہ ذمہ داریوں سے عہدہ بڑا ہو سکتا ہے۔ انسان محنت مزدوری کر کے اپنے لیے روزی کا سامان بھی پیدا نہیں کر سکتا، جنگ میں حصہ نہیں لے سکتا۔ تعلیم حاصل نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ اللہ کی عبادت بھی صحیح طریقے سے نہیں کر سکتا۔ لہذا صحت کا ہر ماہی ضروری ہے۔ اسی طرح انسان کے لیے کم از کم اتنی تعلیم تو ضروری ہے جس سے وہ اپنے حقوق و فرائض کو تو پہچان سکے، حلال و حرام میں امتیاز کر سکے، جائز و ناجائز اور صحیح اور غلط کو پہچان سکے یہ چھ چیزیں انسان کے بنیادی حقوق (BASIC RIGHTS)

میں شمار ہوتی ہیں۔ اقوام متحدہ والے تو ان حقوق کی آجکل بہت تشریح کرتے ہیں اور انہی فراہمی کا سہرا اپنے سر باندھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ چیزیں تو قرآن و سنت میں موجود ہیں، اور کوئی انسان ان حقوق سے محروم نہیں رہنا چاہئے۔

ان کی
بے بسی

شرک کے بودا پن کے متعلق عرض کر رہا تھا کہ لوگ خواہ مخواہ مخلوق سے اُمید لگائی لیتے ہیں حالانکہ انسان اشرف المخلوق ہونے کے باوجود بے بس ہے اور اس

کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اسی سورۃ کے دو سر رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں گنہ رچکا ہے کہ جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں وہ روزی کے مالک نہیں ہیں لِنَدَافِ ابْتِغْوَا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ رَآیْتَ۔ (۱) روزی بھی اللہ ہی کے ہاں تلاش کرو۔ زمین و آسمان سے روزی کے تمام اسباب اللہ تعالیٰ ہی مہیا کرتا ہے۔ مخلوق تو خود روزی کی محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کے متعلق فرمایا کَانَ اَبُو كَلْبِ الطَّحَاوَرِ (المائدہ - ۷۵) کہ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، جو کھانے کا محتاج ہے وہ الہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جب اللہ کے نبی موجود نہیں ہو سکتے تو باقی مخلوق کس شمار میں ہے؟ انسان کھانے پینے کے علاوہ سانس لینے کے لیے ہوا کا محتاج ہے، چلتے پھرنے کے لیے زمین کا محتاج ہے لوگ بلا وجہ انسانوں کو الوہیت کا درجہ دیتے ہیں۔ کوئی یا علیؑ مدد پکار رہا ہے، کوئی یحییٰؑ سے مدد مانگتا ہے۔ کوئی یاسرؑ الاعظم کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے۔ کوئی کسی ولی کو پکار رہا ہے کوئی کسی صحابی کو اور کوئی جبرائیل اور میکائیل فرشتوں سے مدد کا طالب ہے۔ جب قیامت کا دن آئے گا تو یہ سب انکار کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کریں گے کہ مولا کریم! ہم نے تو تیرے سوا کسی کو اپنا کار ساز نہیں مانا، پھر انہوں نے ہمیں کیسے اپنا کار ساز مان لیا؟ ہم نے تو انہیں نہیں کہا کہ ہمیں اپنا حاجت روا اور مشکل کشا تسلیم کر لو۔ بہر حال فرمایا کہ ہر قسم کا شرک مکمل ہی کے جلے کی طرح گم در ہے، اس پر قطعاً اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

فرمایا حقیقت یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ
 مِنْ نَّبِيٍّ ۗ اللّٰهُ تَعَالٰی خوب جانتا ہے اُن جینوں کو جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے
 ہیں۔ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور وہ کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا
 ہے۔ سارا اختیار اسی کے پاس ہے۔ ہر ایک کی حاجت روائی اور مشکل کشائی وہی کرتا
 ہے۔ اُس نے کسی کو اختیار نہیں دیا۔ واجب الوجود، خالق ادم اور محمود وہی ہے

اس کے سوا کوئی شفا دینے والا نہیں، نہ کوئی نفع نقصان پہنچا سکتا ہے۔ وہ جس طرح چاہے تصرف کرے اُس کے سامنے کوئی کسی کو نیا نہیں دے سکتا۔ کمال قدرت اور حکمت کا مالک وہی وحدہ لا شریک ہے۔

ل کی
بیت

فرمایا فَلِلَّكَ الْأَمْثَالُ لِقَضْرِ كَيْفَ أَلَّتْ اس پر مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تورات، انجیل اور قرآن پاک میں بہت سی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ اس مقام پر مگر کئی کے بدلے کی مثال ہے جب کہ سورۃ نمل میں چوہنٹیلوں کی مثال بیان کی ہے اور سورۃ النحل میں شہد کی مکھیوں کی مثال ہے۔ سورۃ النور میں نور خداوندی کی مثال بیان کی گئی ہے۔ کہیں مکھی، مچھر اور کیڑے مکوڑوں کی مثالیں ہیں۔ کہیں مومن اور کافر کی مثال ہے تو کہیں کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال ہے۔ الغرض! اللہ نے بہت سی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی بہت سی مثالیں بیان کی گئی ہیں امام ترمذی نے کتاب الامثال کے نام پر ایک مستقل باب بیان کیا ہے۔ اور مثال بیان کرنے کا فلسفہ یہ ہے کہ کسی باریک مضمون کو انسانی عقل و فہم کے قریب لایا جاسکے۔ حضرت عمر و ابن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سن کر ایک ہزار مثالیں یاد کر رکھی ہیں۔ آپ فاتح مصر ہیں۔ پہلے کفر میں شدید تھے مگر جب ایمان لے آئے تو اسلام کی فداکاری میں بھی پیش پیش رہے۔ کلیلہ و دمنہ نامی کتاب تبت والوں نے آج سے دو ہزار دو سو سال قبل لکھی تھی جس کا ترجمہ سنسکرت، فارسی، عربی اور دیگر زبانوں میں ہوا۔ اسمیں گیڈر، لوٹری، ہاتھی، سانپ، بچھو وغیرہ کی زبانوں سے بڑی سبق آموز اور حکمت کی باتیں سمجھائی گئی ہیں۔ یہ بھی جانوروں کی مثالیں ہیں اور ان کے ذریعے کوئی چیز آسانی سے سمجھ سکتے ہیں فرمایا وَمَا يَعْقُلُهَا إِلَّا الْعَالَمُونَ ان مثالوں کو اہل علم اور اہل عقل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور پھر آگے دو علموں کو بھی سمجھا سکتے ہیں، لہذا عام لوگوں کو اہل علم کا اتباع کرنا چاہیے۔

آگے اللہ نے ارض و سما کا اپنی نشانی کے طور پر ذکر فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے خلیق ارض

خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ اللَّهُ تَعَالَى نَسَى آسْمَانِ وَأَرْضِ
 کو تخلیق کیا حق کے ساتھ۔ اللہ نے اس کائنات کو بیکار محض پیدا نہیں کیا، بلکہ
 یہ اس کی حکمت کا ایک نمونہ ہے انسان کی تخلیق بھی عبرت نہیں۔ اس کا انجام بھی
 سُنْ آتِ وَاللَّهِ فَرَا بَارِئًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ
 اس میں ایمان والوں کے لیے نشانی ہے۔ جو لوگ ایمان اور عقل سے عاری ہیں، وہ
 ان نشانیوں سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اللہ نے ایمان کے ساتھ ابتداء کا سلسلہ بیان
 فرمایا ہے۔ اور اس کے لیے نیک بندوں کا حال ذکر کیا ہے، اور ساتھ ساتھ مجرموں
 کی سزا کا ذکر بھی کیا ہے۔ دین اور توحید کے بنیادی مسائل کا ذکر فرمایا ہے اور شرک کی
 قیامت کو مثال کے ذریعے واضح کیا ہے تاکہ لوگ شرک سے باز آجائیں۔

اتل ما اوحیٰ اَیُّکَ مِنَ الْکِتَابِ وَاقِمِ الصَّلَاةَ
 اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکِرِط
 وَذِکْرُ اللّٰهِ اَکْبَرُ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ④۵

ترجمہ :- آپ پڑھ کر سنائیں وہ چیز جو وحی کی
 گئی ہے آپ کی طرف کتاب سے اور قائم کریں نماز کو
 بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی اور برائی سے اور اللہ
 کا ذکر سب سے بڑا ہے، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے

جو کچھ تم کرتے ہو ④۵

گذشتہ آیات میں ایمان کے ابتداء کا ذکر ہو چکا ہے۔ ایک مثال کے ذریعے
 کفر سرک کی گمراہی کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اب کتاب الہی کی صداقت اور رسالت
 کا ضمناً بیان ہے۔ اس کے بعد توحید اور محاد کا ذکر ہو گا۔ آج کی آیت میں پہلے قرآن
 پاک کے متعلق ارشاد ہے۔ اَتْلُ مَا اُوْحِيَ اَیُّکَ مِنَ الْکِتَابِ آپ
 پڑھیں اس چیز کو جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ کتاب کی صورت میں یعنی قرآن کریم۔ تلاوت
 کا معنی پڑھنا ہوتا ہے اور یہ دو مقاصد کے لیے ہوتا ہے۔ تلاوت کا ایک مقصد حصول ثواب
 اور روحانی تسلی ہوتا ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ قرآن پاک
 کے ایک ایک حرف کی تلاوت پر اللہ تعالیٰ دس دس نیکیاں عطا فرماتا ہے۔ یہ ایسی
 پاکیزگی چیز ہے کہ ہر اہل ایمان نماز میں تلاوت قرآن پاک کا پابند ہے۔ نماز کے
 علاوہ بھی زبانی طور پر یا قرآن پاک کو کھول کر ناظرہ پڑھنا بھی باعث اجر و ثواب ہے
 البتہ دیکھ کر پڑھنے میں زبانی پڑھنے کی نسبت زیادہ ثواب ہوتا ہے
 یہی شریعت کی روایت میں موجود ہے کہ زبانی تلاوت سے ایک ہزار اور دیکھ کر

تلاوت
 قرآن پاک

پٹھنے سے دو ہزار نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ باوجود ہرگز قرآن پاک کو بچھڑانا، اس کو کھولنا، اور ارق کو الٹنا پلٹنا اور پھر الفاظ پر نگاہ ڈالنا، یہ سب چیزیں موجب اجر و ثواب ہیں تاہم قرآن پاک کی افضل ترین تلاوت وہ ہے جو دورانِ نماز کی جائے۔

تلاوت کا دوسرا مقصد لوگوں کو تعلیم، وعظ اور نصیحت ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کا ایک فرض منصبی یہ بھی ہے **يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ** (المجمعة - ۲) کہ وہ لوگوں کو قرآن پاک کی آیتیں پڑھ کر سنا دے۔ لوگوں کو کتاب الہی کی طرف متوجہ کرنا۔ اس کے احکام کی وضاحت کرنا اور ان پر عمل کی ترغیب دینا بڑا عظیم مقصد ہے۔ سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ الذِّبْنَ لِلنَّاسِ مَا أَنْزَلْنَا إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ** (آیت - ۴۴) ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر یعنی قرآن پاک اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ سے لوگوں کے سامنے وضاحت کے ساتھ بیان کریں اور تاکہ وہ اس میں غور و فکر کریں۔ نیز فرمایا **وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ** (القصاص - ۵۱) ہم نے لوگوں کے لیے بلا دیا ہے قول کو تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں بمطلب یہ کہ جس طرح پہلی قوموں کی طرف اللہ کا پیغام آتا رہا اسی طرح آخری امت کے پاس اللہ کا قول بصورت قرآن حکیم آچکا ہے لہذا اب یہ لوگوں کا فرض ہے کہ اس میں غور و فکر کر کے نصیحت حاصل کریں۔ یہ غور و فکر بھی ہوگا۔ جب کوئی شخص قرآن پاک کو خود پڑھے گا، یا کسی دوسرے سے سنے گا تو گو یہ تلاوت کلام پاک ایک عظیم مقصد ہے۔ البتہ تعلیم و تبلیغ کے لیے تلاوت درجہ اول میں آتی ہے جب کہ محض ثواب حاصل کر کے کے لیے پڑھنا درجہ دوم کا عمل ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام کی رسالت و نبوت کا علم بھی ہو گیا۔ کیونکہ اللہ نے آپ کو نبوت عطا کر کے اپنے کلام کو پڑھ کر سنانے کا حکم دیا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن پاک آپ کی ذات بابرکات پر بذریعہ وحی جلی نازل کیا گیا۔

نماز پر پڑھنے سے رکعتی ہے

تلاوت قرآن کو نماز کے ساتھ خاص متعلق ہے کہ یہ نماز کا لازمی جزو ہے

لِذَا كُنتُمْ فِيهَا وَأَقِمِ الصَّلَاةَ ۖ إِنَّكُمْ لَعِندَنَا
 الصَّالِتُونَ ۖ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۖ بَيْتُكَ نَمَازُ بِيحَاثِي ۖ
 برائی سے روکتی ہے۔ یہ خطاب تو بغیر علیہ السلام سے ہے مگر تمام اہل ایمان اس
 کے مکلف ہیں۔ جیسے سورۃ النور میں فرمایا فَصَلِّ لِرَبِّكَ ۖ وَاحْتَضِرْ آيَةَ ۲۰
 آپ اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھیں اور قرآنی کریں۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ نماز بیحیاتی اور برائی کے راستے
 میں رکاوٹ ہے جب کہ روزمرہ مشابہہ یہ ہے کہ لوگ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور
 برائیوں کا ارتکاب بھی کرتے رہتے ہیں۔ اس قسم کا اشکال حضور علیہ السلام کے زمانہ
 میں بھی پیدا ہوا تھا۔ آپ کو بتایا گیا کہ فلاں شخص رات کو نماز پڑھتا ہے۔ مگر دن
 کو سوچری کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، فکر نہ کرو، ابھی اس پر پوری طرح
 اثر نہیں ہوا۔ نماز اس کو ضرور برائی سے روکے گی۔ مطلب یہ ہے کہ نماز کی تاثیر
 تو یہی ہے کہ وہ بے حیاتی اور برائی سے روکتی ہے مگر اس کے لیے کچھ شرائط بھی
 ہیں اور اگر وہ شرائط پائی جائیں اور موافقات بھی نہ ہوں تو پھر یقیناً نماز اپنا اثر ظاہر
 کرے گی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ بعض دوائیاں بعض امراض کے لیے تیر بہ دوت ہوتی
 ہیں مگر وہ بعض مریضوں پر اثر نہیں کرتیں جس کی وجوہات ہوتی ہیں مثلاً طیر یا بخار
 کے لیے کوہن سو فیصدی علاج ہے لیکن بعض اوقات یہ بھی نافذ نہیں دیتی۔ اس کی
 وجہ یہ ہوتی ہے کہ مریض طیر یا کے علاوہ کسی دوسری بیماری میں بھی مبتلا ہوتا ہے۔
 جس کی وجہ سے مریض صحت یاب نہیں ہوتا۔ بعض اوقات صرف طیر یا نہیں بلکہ
 ساتھ کوئی دوسرا بخار بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے کوہن مفید نہیں ہوتی۔

غرضیکہ نماز برائیوں سے اُس وقت روکے گی جب وہ پوری شرائط کے ساتھ
 ٹھیک طریقے سے ادا کی جائے گی مثلاً سورۃ الماعون میں ہے۔ فَتَوَيْلٌ
 لِلْمَصَلِّينَ ﴿٥﴾ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ
 سَاهُونَ ﴿٥﴾ ہلاکت اور تباہی ہے اُن نمازیوں کے لیے جو نماز کے مقصد

شرائط نماز

سے ہی غافل ہیں نماز محض رو بروی میں پڑھ جاتے ہیں اور اس کی حقیقت سے واقف ہی نہیں یہ تو بالکل ایسے ہی جیسے کوئی شخص کسی کی نقل اتارے جو کہ مفید نہیں ہو سکتی۔ نماز کے لیے طہارت بھی شرط ہے۔ جو شخص نماز پڑھتا ہے مگر طہارت کا خیال نہیں رکھتا، وہ بھی اس شرط کو پورا نہیں کرتا، لہذا نماز بھی اپنا اثر نہیں دکھاتی نماز کے لیے دلجمعی اور سکون کی بھی ضرورت ہے اللہ کا فرمان ہے وَقَوْمًا لِلَّهِ قَدِتِينَ (البقرہ - ۲۳۸) اور خدا تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع کے ساتھ کھڑے ہو۔ اگر کوئی شخص دوران نماز سکون نہیں پکڑتا۔ کپڑوں اور بالوں سے کھیلتا رہتا ہے، فضول حرکات کرتا ہے، نظر کو ادھر ادھر کرتا ہے تو اس کو نماز کیسے مفید ہوگی اور وہ اپنی تاثیر کیسے ظاہر کرے گی۔ حضور علیہ السلام نے ایک شخص کو نماز میں فضول حرکات کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا لَوْ خَشَعَ قَلْبُهُ لَخَشَعَ جَوَارِحُهُ اگر اس کے دل میں عاجزی ہوتی تو اس کے اعضا بھی عاجزی کا اظہار کرتے اور اس کے ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں وغیرہ سکون پکڑتے۔

اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا۔ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (طلہ - ۱۱۴) میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔ لیکن اگر انسان نماز کے مقصد و مضموم سے ہی واقف نہیں، اس طرف بالکل توجہ ہی نہیں، بلکہ منافق کی نماز پڑھ رہا ہے تو اس کا کیا اثر ظاہر ہوگا۔ حدیث شریف میں منافق کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس کا مالک اس پر بوجھ لاد کر ڈنڈا مار دیتا ہے یا اس کے سامنے چارہ ڈال دیتا ہے، کبھی اس کو بانڈھ رکھتا ہے اور کبھی کھلا چھوڑ دیتا ہے۔ مگر گدھے کو کچھ معلوم نہیں کہ اُسے کیوں مارا گیا، کیوں بانڈھا گیا اور کیوں چھوڑا گیا۔ غافل نمازی کی بھی یہی مثال ہے جو نہیں جانتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے، کیوں پڑھ رہا ہے اور کہاں کھڑا ہے؟ اس کے برخلاف اہل ایمان ان سب چیزوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اوقات نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ طہارت کا خیال رکھتے ہیں۔ خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں مناجات کرتے ہیں تو ان کی نمازوں کا یقیناً اثر ہوتا ہے اور وہ بے حیائی اور برائی سے بچاؤی ہیں۔

ابو داؤد شریف کی روایت میں آتا ہے کہ عام آدمیوں کی نمازوں میں مقبولیت کا حصہ کسی کا سوال کسی کا نواں اور کسی کا آٹھواں یا ساتواں حصہ ہوتا ہے۔ وہ بڑا ہی خوش قسمت آدمی ہوتا ہے جسکی آدمی نماز قبول ہو جائے اسی طرح اس کو پھیلائیں تو کسی کا نماز میں تنانواں حصہ اور کسی کا سوال حصہ مقبول ہو گا۔ وحیرتی ہے کہ نماز کی شرائط اور مشروع و حضور مکمل نہیں ہوتی۔ نماز ایک بہترین عبارت ہے مگر اسے عادتاً پڑھا جاتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں الصلوٰۃ امر العبادات المقربۃ یعنی اللہ کا قرب دلانے والی عبادتوں کی جڑ اور بنیاد نماز ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے جس شخص کی نماز اُسے بے حیائی اور برائی بیگن بچاتی تو ایسے شخص کو قرب الہی کی بجائے کس یَزِدُّهُ إِلَّا بَعْدًا اور سری ہی نصیب ہوگی کیونکہ اُس نے نماز کو اُس کی روح کے مطابق اور ہی نہیں کیا۔

مفسرین کہتے ہیں کہ نماز کا اقتضا طبعی یہ ہے کہ اس کے فرائض، واجبات، سنن استیجاب اور تمام ارکان وہیات چاہتے ہیں کہ انسان برائی کا ارتکاب نہ کرے۔ جو شخص اللہ کے سامنے دہمت بستہ کھڑا ہے، بارگاہ و سجدہ کی حالت میں ہے۔ قرأت کر رہا ہے یا ساجد اور سبحات بیان کر رہا ہے۔ وہ برائی کا کام کیسے کرے گا؟ ان ارکان کا تقاضا ہے کہ وہ برائی کی بات نہ کرے۔ اور اگر انسان ان چیزوں کا پورا طریقے سے خیال نہیں رکھے گا تو ایسے نماز برائیوں سے کیسے اور کے گی؟

شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو کم از کم اتنی بات تو ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جتنی دیر تک کوئی آدمی نماز کی حالت میں رہتا ہے اتنی دیر تک تو بے حیائی اور برائی سے رکاوٹ رہتا ہے۔ ایسے آدمی سے توقع رکھنی چاہیے کہ بعد میں بھی وہ برائی سے رکنے کی کوشش کرے گا۔ بے حیائی میں زنا، لواطت، عریانی، بد اخلاقی، گالی گلہبج، فلمی گانے، فوٹو گرافی سب کچھ آتا ہے۔ اور منکر ان چیزوں کو کہا جاتا ہے۔ جو شریعت اور عقل کے نزدیک بُری ہیں۔ ان میں لڑائی جھگڑا حق تلفی، ظلم و زیادتی، دھوکہ فریب، ترک فرائض، شریعت کی طرف سے عدم توجہی، اللہ

اور اس کے رسول کے حکم سے لاپرواہی، رسومات فاسدہ کی تائید وغیرہ شامل ہیں۔ نمازی سے توقع رکھنی چاہئے کہ وہ ان تمام بخش اور منکرات سے بچنے کی کوشش کرے۔

ذکر اللہ کی
بیمکات

بمصر فرمایا **وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ** اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے نماز اللہ کے ذکر ہی کی ایک صورت ہے جس کے قیام کا حکم دیا گیا ہے۔ انسان کے اعمال کو اگر درجے کے لحاظ سے دیکھا جائے تو سب سے بڑا درجہ ذکر کا ہے۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے **مَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ** اللہ کے عذاب بچانے والی ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ سورۃ الاحزاب میں اللہ کا فرمان ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا** (آیت - ۴۱) اے ایمان والو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو سورۃ الانفال میں فرمایا **وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** (آیت - ۲۵) لوگرا! اللہ کو کثرت سے ذکر کیا کرو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔ یہ لسانی ذکر ہے جس میں قرآن کی تلاوت، تسبیحات، استغفار اور حمد و ثنا وغیرہ شامل ہیں اور یہ ذکر کی عام صورت ہے۔

اس کے علاوہ قلبی ذکر بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کر کے اس کا شکر ادا کرنا قلبی ذکر ہے جس میں حصین کی روایت میں آتا ہے **كُلُّ مُطِيعٍ لِلَّهِ وَهُوَ ذَاكِرٌ** ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگا ہوا ہے۔ وہ اللہ کا ذکر کرنے والا ہے، ہر نبی کا کام انجام دینے والا آدمی ذاکر ہے۔ تاہم آسان ذکر زبان سے اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنا ہے۔ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اکون عمل افضل ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا **أَنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ** تو ایسی حالت میں دنیا سے رخصت ہو کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔ ایک موقع پر آپ علیہ السلام سفر میں جا رہے تھے کہ سامنے جبدان نامی پہاڑ آیا۔ آپ نے فرمایا **سَيِّئٌ وَهَذَا جَمْدَانٌ سَبَقَ الْمَضْرُودُونَ** لوگرا! چلتے جاؤ۔

یہ جہان پیارا ہے اور مفرد لوگ سبقت لے گئے۔ پیارا کا ذکر آپ نے اس لیے کیا کہ پیارا اور شجر و حجر ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ پھر صحابہ نے عرض کیا حضرت! مفرد کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا **الَّذَاكِرُونَ** اللّٰهُ كَثِيْرًا وَالَّذَاكِرَاتِ یعنی اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں۔ مفرد کا لغوی معنی اپنے آپ کو الگ تھلک اور ہلکا پھلکا کرنے والا ہے۔ مطلب یہ کہ کثرت سے ذکر الہی کرنے والے جب پھر اس پر سے گزریں گے تو اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرینگے۔ **الْفَرْضِ! وَلَذِكْرِ اللّٰهِ اَكْبَرُ** کا ایک معنی تو یہ ہو گیا کہ اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے جس کا آگے چل کر بڑا فائدہ ہوگا اور اس کا دوسرا مفہوم مفسرین کلام یہ بیان کرتے ہیں کہ تمھارے ذکر کے مقابلے میں اللہ کی طرف سے تمھارا ذکر کرنا۔ تمھارے ذکر کی نسبت بہت بڑا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ پھر جب وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں، اور وہ لوگوں کے سامنے میرا ذکر کرے تو میں اُن سے بہتر بندوں کی جماعت میں اس کا ذکر کروں گا۔ یعنی فرشتوں کی جماعت میں اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمانا ہے کہ دیکھو! میرا یہ بندہ میرا ذکر کر رہا ہے۔ بہر حال خدا تعالیٰ کا بندوں کا ذکر کرنا بڑوں کے ذکر الہی سے بہتر ہے۔ اس کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ بندہ جو ذکر الہی کرتا ہے خواہ وہ زبان سے کرتا ہے یا جوارح سے یا قلب سے اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب حاصل کرنا ہوتا ہے تو اس کے بدلے میں اللہ جو اس کا ذکر کرے گا۔ یعنی اُس کو جو اجر و ثواب عطا کرے گا۔ وہ بندے کی نیچے سے بہر صورت بہتر ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ **مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرٌ اَمْثَلِهَا** و الانعام۔ (۱۶) جو ایک نیچی کرتا ہے، اللہ سے کم از کم دس گنا اجر پاتا ہے جس کی زیادہ سے زیادہ کوئی حد نہیں ہے۔ لہذا یہ اجر بندے کے ذکر سے بہر حال بہتر ہوگا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں **كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى**

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُهُ فِي كُلِّ أَحْيَانِهِ لِعِنِّي رَسُولٌ مَقْبُولٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ
 اپنے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے یعنی ان کا کوئی وقت ذکرِ الہی سے
 خالی نہیں ہوتا تھا۔ فرمایا: وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ اللہ تعالیٰ جانتا ہے
 جو کچھ تم کرتے ہو۔ اُس کے علم میں ہے کہ کون غافل ہے اور کون ذاکر ہے۔ اور پھر
 یہ بھی کہ کون کس نیت اور ارادے سے ذکر کرتا ہے کس شخص میں خلوص ہے اور
 کس میں ریاکاری پائی جاتی ہے۔ تمہاری کارکردگی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے۔ اور
 وہ اسی کے مطابق بدلہ دیگا۔

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ
 أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا
 آمَنَّا بِالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأُنزِلَ إِلَيْكُمْ
 وَالْهِنَا وَالْهَكْمُ وَاحِدٌ وَنَحْنُ بِهِ
 مُسْلِمُونَ ﴿٣٦﴾ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ
 الْكِتَابَ فَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ
 بِهِ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمَا
 يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَمَا كُنْتَ
 تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ
 بِيَمِينِكَ إِذَا لَأَرْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٣٨﴾
 بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ
 أُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿٣٩﴾
 وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ

قُلْ إِنَّمَا آيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥٠﴾
 أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ
 يُتْلَى عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَى
 لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾

ترجمہ :- اور نہ جھگڑا کرو تم دے اہل ایمان اہل کتاب
 کے ساتھ مگر اس طریقے سے جو بہتر ہو، ہاں مگر وہ جو
 ظالم ہیں ان میں سے۔ اور کہو تم کہ ایمان لائے ہم اس چیز
 پر جو اناری گئی ہے ہماری طرف اور جو اناری گئی ہے۔ تمہاری
 طرف۔ ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے، اور ہم اُس
 کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں ﴿٤٩﴾ اور اسی طرح اناری ہم نے
 آپ کی طرف کتاب، پس وہ لوگ کہ جن کو ہم نے کتاب
 دی ہے ایمان رکھتے ہیں اُس پر، اور ان (مشرکین) میں سے
 بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اس پر۔ اور نہیں انکار کرتے ہماری
 آیتوں کا مگر کافر لوگ ﴿٥٠﴾ اور نہیں تھے آپ پڑھتے اس سے
 پہلے کوئی کتاب اور نہ بکھتے تھے اُس کو اپنے زائیں ہاتھ
 سے۔ اُس وقت البتہ شک کرتے باطل پرست لوگ ﴿٥١﴾
 بلکہ یہ تو آیتیں ہیں صاف ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم
 دیا گیا ہے۔ اور نہیں انکار کرتے ہماری آیتوں کا مگر ظالم
 لوگ ﴿٥٢﴾ اور کہا ان لوگوں نے کیوں نہیں اناری جاتیں اس
 پر نشانیاں اس کے رب کی طرف سے۔ آپ کہہ دیجئے بیشک
 نشانیاں اللہ کے پاس ہی اور بیشک میں تو کھول کر ڈرتے

والا ہوں (۵۰) گیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے، کہ بیشک ہم نے انہی کے آپ کی طرف وہ کتاب جو برابر ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ بیشک اس میں البتہ رحمت اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں (۵۱)

سورۃ العنکبوت میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر ایمان کے ساتھ ابتلاء کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں بعض ابتداء کی آزمائش کے واقعات بیان کر کے اہل ایمان کو تسلی دی ہے کہ کسی کو بغیر آزمائش کے نہیں چھوڑا جائے گا۔ پھر اللہ نے شرک کی تہمت کو ایک مثال کے ذریعے واضح کیا، پھر توحید کی دعوت دی۔ اس کے بعد نبی علیہ السلام کو حکم دیا کہ جو چیز آپ کی طرف بصورت وحی نازل کی جاتی ہے اس کو پڑھیں اور نماز قائم رکھیں کہ یہ بے حیائی اور برائی سے روکنے والی چیز ہے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ مختاری تمام کارگزاریوں سے واقف ہے۔

ربط آیت

اہل کتاب اور مشرک لوگ اسلام اور پیغمبر اسلام پر طرح طرح کے یہودہ اعتراض کرتے تھے۔ پھر نبی کریم علیہ السلام کو ان کا جواب بھی دینا پڑا تھا، جسکی وجہ سے بحث مباحثہ بعض اوقات طول کچھٹا جاتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں بعض ہدایات دی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ اے اہل ایمان! تم اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریقے سے جو بہتر ہو۔ اہل کتاب سے سرو یہود و نصاریٰ ہیں۔ قرآن پاک سے پہلے جو آسمانی کتابیں تورات اور انجیل نازل ہوئیں ان کو ماننے والے اہل کتاب کہلاتے ہیں۔ بلاشبہ یہ دونوں کتابیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں جن میں ان امتوں کی رہنمائی کے لیے ٹھیک ٹھیک احکام موجود تھے مگر خود ان کے ماننے والوں نے بعد میں ان کتابوں میں تخریفات کر کے ان میں تغیر و تبدل پیدا کر دیا جھنڈو علیہ السلام کے زمانہ مبارک تک اگرچہ یہ کتابیں اپنی اصلی شکل میں باقی نہیں رہی تھیں۔ پھر بھی ان میں بعض باتیں محفوظ

اہل کتاب کے ساتھ مجاہدہ

رہ گئی تھیں اور وہ قرآن پاک سے مطابقت رکھتی تھیں۔ اس سلسلے میں اکثر بحث و محصل ہوتی رہتی تھی۔ اللہ نے مشرکین کے ساتھ بھی بحث و مباحثہ کی اجازت دی ہے، مگر اُن کے دین کی توجہ اور بنیاد ہی غلط تھی۔ اُن کے پاس کوئی آسمانی کتاب کسی صورت میں بھی موجود نہیں تھی۔ البتہ اہل کتاب کے پاس چونکہ آسمانی کتابیں موجود تھیں اگرچہ وہ تخریف شدہ تھیں، لہذا اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ بحث کرنے میں احتیاط سے کام لینے کا حکم دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اُن کی کسی صحیح بات کا بھی انکار کر بیٹھو یا کسی غلط بات کو تسلیم کر لو۔

بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اہل کتاب میں سے بعض لوگ تو رات کا کچھ حصہ بڑھ کر مسلمانوں کو سنانے تو بعض اوقات مسلمان اُسے پند کرتے تھے۔

اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تَكُذِّبُوا تَمَّ اٰہلِ الْکِتَابِ کِی نہ تو تصدیق کرو۔ نہ تکذیب کرو بلکہ قسولوا اٰمَنًا بِالَّذِیْ اُنزِلَ اِلَیْنَا وَ اُنزِلَ اِلَیْکُمْ یوں کہو کہ ہم ہر اُس چیز پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے اور جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے۔ کیونکہ وَالْهِنَا وَالْهٰکُمْ وَاٰحَدٌ تَحَارًا اور ہمارا معبود ایک ہے۔ وَحَسْبُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ اور ہم اُس کے فرما بھر رہے ہیں۔ سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا قَدْ یَاہْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلَی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَہَا وَبَیْنَکُمْ اِلَّا نَعْبُدُ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا ذُنُورَکَ بَیْہٖ شَیْءٌ (آیت - ۶۴) آپ اہل کتاب سے کہہ دیں کہ آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اہل کتاب کے ساتھ بحث کرتے وقت نرم رویہ اختیار کریں اور اُن کی بات کی نہ تو تصدیق کریں اور نہ تکذیب بلکہ ہر اُس چیز پر ایمان لانے کا اعلان کریں۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اِلَّا الَّذِیْنَ

ظَلَمُوا مِنْهُمْ لَمَّا انْزَلْنَا مِنْهُ لَحْمًا مَكْنُوعًا لِيُنذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۗ

ظلموا منہم لَمَّا ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کو یہ نرمی والی رعایت حاصل نہیں ہوگی۔ ان کے ساتھ گفتگو میں اگر تلخ کلامی بھی ہو جائے تو اس میں کوئی عرنج والی بات نہیں ہے۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان ظالموں سے کون لوگ مراد ہیں۔ ظالم تو سارے کے سارے اہل کتاب تھے کیونکہ وہ مشرک کے مرتکب ہوتے تھے مگر یہاں پر وہ لوگ مراد ہیں جو ہٹ دھرم تھے اور کسی پتا کو سننے کے لیے بھی تیار نہ ہوتے تھے۔ تاہم جو لوگ نرم رویہ اختیار کریں تم ان کے ساتھ نرم لہجے میں بات کرو۔ وَقَوْلُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأَنْزَلَ إِلَيْنَا الْكِتَابَ ۗ اور یوں کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے اور اس پر بھی جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہماری طرف تو اللہ تعالیٰ نے اپنا قرآن نازل فرمایا ہے اور اپنے نبی کو خاص شریعت احکام مسائل اور دین عطا کیا ہے لہذا ہمارا اس پر ایمان ہے۔ اور تمہاری طرف بھی اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل نازل فرمائی تھیں۔ جو بالکل برحق ہیں۔ ہمارے لیے اب بھی یہی حکم ہے کہ ہم تمام کتب سماویہ پر ایمان لائیں۔ سورۃ الشوریٰ میں بھی اللہ نے یہی حکم دیا وَقَدْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ ۗ (آیت ۱۵) اے پیغمبر! آپ صاف کہہ دیں کہ اللہ نے جو بھی کتاب اتاری ہے میرا اس پر ایمان ہے کہ وہ برحق ہے۔ اگر ان لوگوں نے بعد میں کوئی تبدیلیاں کر لی ہیں تو اس کے ذمے دار وہ خود ہیں۔ ہم تو تمام اصل آسمانی کتب اور صحائف پر ایمان رکھتے ہیں۔

سَا فَرِيَا، آي اہل کتاب سے یہ بھی فرمادیں وَاللَّهُنَّ وَاللَّهُمُّو وَاحِدٌ وَخَنَّ لَهُ مُسْلِمُونَ اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود بھی ایک ہی ہے۔ یہ تمہارے ساتھ ایک گونہ اشتراک بھی ہے کہ ہمارا سب کا معبود ایک ہی اللہ جل جلالہ ہے۔ اہل کتاب کے ساتھ تو یہ قدر مشترک ہے مگر مشرکین کے معبود بھی جدا جدا ہیں لہذا ان کے ساتھ یہ بات نہیں ہو سکتی۔ ان کے متعلق تو یہی حکم ہے لَا تَعْبُدُوا

مَا تَعْبُدُونَ (الکھفون - ۲) میں اُن باطل معبودوں کی پوجا نہیں کر سکتا جن کی تم کرتے ہو۔ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (الکھفون - ۶) تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔ مشرکوں کے ساتھ تو فقط اتحاد موجود ہی نہیں جس پر سب کی نگاہ مترجم ہو سکے، لہذا اُن کو دو لوگ جو اب دو اور اہل کتاب کے ساتھ نرم رویہ رکھو کہ اُن کے ساتھ قدر مشترک موجود ہے۔

منصف مزاج
اہل کتاب

ارشاد ہوتا ہے وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ اور اسی طرح ہم نے اُناری ہے آپ کی طرف کتاب۔ یعنی جس طرح اہل کتاب کی طرف تورات اور انجیل نازل کی گئی۔ اسی طرح آپ کی طرف قرآن پاک جیسی عظیم کتاب نازل کی گئی ہے قَالَ ذِيكَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ بِهِ لَسَوْفَ يَكْفُرُونَ کہ ہم نے کتاب دی ہے، وہ بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اہل کتاب سارے کے سارے تو قرآن پاک پر ایمان نہیں رکھتے تھے بلکہ ایک قبیل تو لو ایمان لائی۔ سورۃ آل عمران میں وضاحت موجود ہے۔ وَلَوْ أَمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُونَ (آیت - ۱۱۰) اگر وہ سارے ایمان لے آتے تو اُن کے لیے بہتر تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن میں سے تھوڑے ایمان لاتے ہیں جب کہ اُن میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارکہ سے لے کر آج تک اہل کتاب کی اکثریت نافرمان ہی رہی اور اصل یہ مشرکوں سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ البتہ ہر زمانے میں اُن میں سے کچھ لوگ ضرور منصف مزاج پیدا ہوئے ہیں۔ جنہوں نے حقیقت کو تسلیم کیا ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مدینہ کے اطراف میں دس بڑے بڑے یہودی علم تھے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اگر یہ سارے کے سارے ایمان لے آئیں تو روئے زمین پر کوئی یہودی ایمان قبول کیے بغیر نہ ہے۔ مگر ان دس علماء میں سے صرف حضرت عبداللہ بن سلامؓ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے جب کہ باقی نو اپنی ضد اور عناد پر ہی اڑے رہے۔ بعد کے ادوار میں بھی بعض لوگ ایمان قبول کرتے رہے ہیں۔

ملکہ وکٹوریہ کے زمانہ میں عبداللہ کو طیم بہت بڑا بیسٹ تھا جس نے ایمان قبول کیا ، اس کا تعلق شاہی خاندان سے تھا۔ اس کے اسلام لانے سے انگریز بڑے سیخ پا ہوئے تھے مگر وہ مرد مومن مع اپنے چالیس ساتھیوں کے ایمان پر ڈٹا رہا۔

جنگ عظیم کے دوران اراڈیو کو کچھ تال کو انگریز نے جاسوسی کے لیے ترکی بھیجا۔ وہ سات سال تک شیخ الاسلام کی مجلس میں بیٹھا تو اللہ نے اُس کا دل پلٹ دیا اور مسلمان ہو گیا۔ اُس نے انگریزی زبان میں قرآن پاک کا بڑا مستند ترجمہ کیا ہے جیڑا یاد کن میں انگریزی اخبار کا ایڈیٹر بھی رہا۔ حال ہی میں فرانس کے ایک بڑے فلسفی نے ایمان قبول کیا ہے۔ جرمنی کا لیو پلڈ بیودی تھا۔ کہیں بڈولڈ کے ساتھ سفر میں جا رہا تھا۔ راستے میں کھانے کا وقت ہوا تو بڑے نے کھانا لیا، بسم اللہ کہہ کر دسترخوان پرچا اور اپنے ہم سفر کو بھی دعوت دی۔ بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا اور کھانے کے بعد الحمد للہ کہا تو اس شخص پر اس کا بڑا اثر ہوا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ بڑا عالم فاضل آدمی تھا صحابہ نام رکھا، اب بھی کہیں یورپ میں زندگی کے دن گزار رہا ہے۔ اسلام لانے کے بعد اُس نے کئی کتابیں بھی لکھیں۔ ان میں "اسلام چورستے پر"

(ISLAM AT THE CROSS ROAD) اور شاہراہ مکہ (ROAD TO MAKKAH)

مشہور تصنیفات ہیں۔ بہر حال منصف مزاج لوگ ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں جو حقیقت کو تسلیم کر لیتے ہیں مگر اہل کتاب کی غالب اکثریت ہمیشہ عناد کا شکار ہی رہی ہے۔

فرمایا وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يَكْفُرُ بِآيَاتِنَا وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يَكْفُرُ بِآيَاتِنَا وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يَكْفُرُ بِآيَاتِنَا
سے بھی بعض ایسے ہیں جو ایمان قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ جاپان کا پروفیسر مہنام تھا۔ اُس کے ہاتھ قرآن کا نسخہ آئی۔ اس نے نظر عمیق مطالعہ کیا تو اللہ نے کا یا پلٹ دی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ دو سال تک مصر میں رہ کر عربی زبان کھی اور اسلامی لٹریچر کا

منصف مزاج
مشرکین

لے ماہ فروری ۱۹۶۶ء سپین میں کسی جگہ وفات پا گیا ہے (سوانحی)

مذہبِ مطالعہ کیا۔ وہ خود کہا کہ ہاتھ آتا کہ میں مسلمانوں کو دیکھ کر مسلمان نہیں ہوا، بلکہ خوش قسمتی سے مجھے قرآنِ پاک میسر آگیا، اس کو پڑھ کر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ قرآنِ سچا ہے اور اس کا لایا ہوا اسلام سچا ہے، باقی سارے ادیان غلط ہیں۔ جا پانی اکثر مشرک یا بدھ ہیں مگر اللہ نے اس شخص کو ایمان کی دولت سے نوازا۔ ہندوؤں اور صابریوں میں سے بھی بعض اوقات منصف مزاج نکل آتے ہیں جو اسلام کی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں۔ نزولِ قرآن کے زمانہ میں مشرکین عرب میں سے بھی بعض لوگوں کے متعلق فرمایا کہ وہ ایمان لے آتے ہیں وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ اور نہیں انکار کرتے ہماری آیتوں کا، مگر افران لوگ جو بڑے صدی اور ہٹ دھرم ہوتے ہیں۔ وگرنہ جن میں قبولیتِ حق کا تصور اساجزہ موجود ہوتا ہے۔ وہ ایمان قبول کر لیتے ہیں۔

حصہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل

فرمایا ہے پیغمبرِ آخر الزمان! آپ کی صداقت کی یہ سبب بڑی دلیل ہے۔
 وَمَا كُنْتُمْ تَشْكُرُونَ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ كَرِهَ آسَافُ
 پہلے تو کتاب نہیں پڑھتے تھے وَلَا تَخْطُوهُ بِمِيزَانٍ اور نہ آپ اے اپنے
 دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر آپ پہلے سے پڑھے لکھے ہوتے۔

إِذَا لَا رَيْبَ فِي الْمُبْطَلُونَ۔ تو یہ بالکل پرست لوگ شک کرتے کہ یہ تو پڑھا لکھا آدمی ہے۔ کہیں پرانی کتابوں سے مضامین اخذ کر کے ہمیں سنا رہتا ہے، مگر آپ نے تو کبھی پڑھا اور نہ لکھا، نہ کسی سکول کا کاج میں گئے نہ کسی استاد کے سامنے زانو لے کر تلمذ طے کیا، اس کے باوجود آپ قرآن جیسی عظیم الشان کتاب پڑھتے ہیں۔ اور لوگوں کے سامنے علوم و معارف کے سمندر بہاتے ہیں۔ یہی تو آپ کی نبوت کی صداقت کی دلیل ہے کہ اُمی ہونے کے باوجود اللہ نے آپ کی زبان پر قرآن کو جاری فرما دیا ہے اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے تو یہ لوگ آپ پر شک کر سکتے تھے مگر اب تو ان کے پاس شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ گئی۔

قرآنِ پاک کی حفاظت

فرمایا بَلْ هُوَ آيَاتٌ كَبِيرَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ
 وَتَوَالِي الْعِلْمِ بَلْ هُوَ آيَاتٌ كَبِيرَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ
 اور تو علم بلکہ یہ تو واضح آیتیں ہیں جو اہل علم لوگوں کے سینوں میں محفوظ

ہیں۔ یہ بھی اس کتاب کے برحق ہونے کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ایسا انتظام کر دیا ہے کہ پوری کی پوری کتاب حفاظ کے سینوں میں بند کر دی ہے ہمارا اندازہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کی ایک ارب کی آبادی میں ایک کروڑ حفاظ ضرور موجود ہیں۔ اس کے علاوہ عام مسلمانوں کو قرآن کا کچھ نہ کچھ حصہ تو یاد ہے۔ جو وہ نماز میں پڑھتے ہیں۔ اس کے برخلاف یہود و نصاریٰ میں سے تو رات یا انجیل کا ایک بھی حافظ آپ کو نہیں ملے گا۔ کیا یہ کتاب الہی کے برحق ہونے کی کھلی دلیل نہیں ہے؟ ایک زمانے میں انگریزوں نے اس کتاب پاک کو ختم کرنے کا منصوبہ بنانا چاہا۔ مگر انہیں جلد ہی معلوم ہو گیا کہ یہ ایسی کتاب ہے جسے کبھی مٹایا نہیں جاسکتا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث قدسی میں اللہ کا فرمان ہے نزلت
 إِلَيْكَ كِتَابًا تَقْرَأُ مِنْهُ مَا وَفَّيْظُكَانَ مِثْلُ نَفْسِكَ
 کتاب نازل فرمائی ہے جس کو آپ بحالت ینذ بھی پڑھتے ہیں اور سیرت میں بھی یہی کتاب ہے کہ جس کو نہ آگ جلا سکتی ہے اور پانی دھو سکتا ہے اگر کسی وقت اس کے تمام نسخے بھی ضائع ہو جائیں تو حافظ صاحبان اسے پھر سے تیار کر لیں گے۔ جہاں تک ینذ کے دوران قرآن پاک کی تلاوت کا تعلق ہے تو ایسے واقعات بھی سننے میں آتے رہتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ کے ایک اسناد نے لکھا ہے کہ میں نے خواب میں اکھڑے لیجر والاس تک پورا قرآن پاک حضور علیہ السلام کے سامنے پڑھا۔ جسے آپ علیہ السلام نے سماعت فرمایا۔ تو دنیا میں ایسے خوش قسمت لوگ بھی موجود ہیں جنہوں نے ینذ کی حالت میں قرآن بھی پڑھا اور حضور علیہ السلام کی زیارت بھی نصیب ہو گئی۔ بہر حال منسہر مایا کہ یہ واضح آئین ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ اور نہیں انکار کرتے ہماری آیتوں کا مگر ظالم لوگ جو حد سے زیادہ ہٹے ہوئے اور ضدی ہوتے ہیں اور اتنی واضح نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اللہ نے اہل کتاب اور مشرکین کے لیے انصاف لوگوں کا شکرہ بھی کیا ہے۔

معجزات
مطالبہ

آگے مشرکین کی ایک اور بہت دھرمی کا ذکر کیا ہے۔ وَقَالُوا لَوْلَا نَزَّلَ
عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ لَكُنْتُمْ أَكْثَرًا مُّشْرِكِينَ اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانیاں کیوں
نہیں اتاری جاتیں؟ مشرکین چاہتے تھے کہ نبی علیہ السلام ہماری مرضی کے مطابق معجزات
ظاہر کریں تو پھر ہم ایمان لائیں گے۔ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا قُلْ إِنَّمَا
الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ فَأَنظُرْ أَنظُرًا وَقَدِيرًا اس کے پاس ہیں۔ پیغمبر
کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ تمھاری خواہش پر جب چاہے کوئی معجزہ پیش کرے۔
یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جب چاہتا ہے کوئی نشانی ظاہر کر دیتا ہے۔
جب ان تک نبی کی ذات کا تعلق ہے تو آپ کہہ دیں وَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
کہ میں تو کھول کر ڈرسانے والا ہوں۔ میں تو اللہ کا پیغام مانتا ہوں اور بڑے انجام سے
ڈرتا ہوں یعنی میرا کام انذار و تبشیر ہے۔ نشانیاں ظاہر کرنا نہیں اور نہ فرمائش پوری
کہنا میرے اختیار میں ہے۔ سورۃ المؤمن میں صراحت موجود ہے وَمَا كَانَ
لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (آیت ۷۸) کسی نبی اور رسول کو یہ اختیار حاصل
نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی معجزہ پیش کرے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو
یہ اللہ تعالیٰ کی شہادت پر منحصر ہے، وہ کبھی فرمائش پوری کر دیتا ہے اور کبھی نہیں کرتا۔
فرمایا أَوْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا إِنَّا نَنْزِلُهَا عَلَىٰ الْقَوْمِ عَلَىٰ
عَلِيمٍ کیا ان لوگوں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب
نازل کی جو ان کو پھکر سائی جا رہی ہے۔ اور یہ نازل بھی ایسی ہی پر ہوئی ہے جو بالکل
امی ہے۔ إِنْ فَ ذَلِك لَرَحْمَةٌ لِّبَشَرٍ اس میں رحمت ہے۔
رحمت ہدایت پر چلنے کے نتیجہ میں ملتی ہے۔ جو اللہ کی نازل کردہ ہدایت کو اختیار
کرے گا، وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہوگا۔ وَذِكْرِي لَتَقْوِي لِقَوْمٍ مُّسْوَكٍ
اور یہ کتاب نصیحت ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو اس پر ایمان لاتے ہیں
اس کے برخلاف جو ضد اور عناد سے کام لیتے ہیں، جو بہت دھرمی
کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کتاب الہی کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے لیے

قرآن بطور
رحمت اور
نصیحت

کچھ نہیں ہے۔ یہ تو ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے۔ جو انصاف پسند ہیں
بہر حال یہ قرآن پاک اہل ایمان کے لیے نصیحت اور رحمت
کافی ہے۔

اتل ما أوحى ٢١

العنكبوت ٢٩

درس نهم ٩

آيت ٥٢ تا ٥٩

قَدْ كَفَى بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ج
 يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ
 آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ
 الْخٰسِرُونَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ
 وَلَوْ لَأَجَلَ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ
 وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٣﴾
 يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ
 لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٥٤﴾ يَوْمَ يَغْشَاهُمْ
 الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ
 وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٥﴾
 لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ
 فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذٰئِقَةٌ
 الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ

اٰمَنُوْا وَعَسَلُوْا الصّٰلِحٰتِ لِنُبَوِّئَهُمْ مِّنۡ
 الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيۡ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
 خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرَ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾
 الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر) کافی ہے اللہ تعالیٰ
 میرے درمیان اور تمھارے درمیان گواہ۔ جانتا ہے وہ جو
 آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے۔ اور وہ لوگ جو ہل
 پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی ذات کے ساتھ کفر کرتے
 ہیں، ایسی لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں ﴿۵۷﴾ اور
 آپ سے جلدی مانتے ہیں یہ لوگ عذاب کو۔ اور اگر
 نہ ہوتا ایک مقررہ وقت۔ تو البتہ پہنچا ان کے پاس
 عذاب۔ اور ضرور آئیگا ان کے پاس اچانک، اور ان کو
 خبر بھی نہ ہوگی ﴿۵۳﴾ جلدی طلب کرتے ہیں آپ سے
 عذاب کو حالانکہ دوزخ گھیرنے والی ہے کفر کرنے
 والوں کو ﴿۵۴﴾ جس دن کہ ڈھانچ لے گا ان کو عذاب
 اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے بھی۔ اور فرمائے گا
 وہ چکھو جو کچھ تم کام کیا کرتے تھے ﴿۵۵﴾ (ایمانداروں
 سے فرماتا ہے) اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو،
 بیشک میری زمین وسیع ہے۔ پس خاص میری ہی
 عبادت کرو ﴿۵۶﴾ ہر ایک نفس چکھنے والا ہے موت
 کا مزا۔ پھر ہماری طرف ہی تم سب لوٹائے جاؤ گے ﴿۵۷﴾

وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے ، ہم ضرور ان کو ٹھکانا دیں گے جنت کے بالاخانوں میں ۔ جاری ہیں ان کے سامنے بہنریں ، ہمیشہ بسنے والے ہوں گے ان میں ۔ اچھا ہے بدلہ عمل کرنے والوں کا (۵۸) وہ جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں (۵۹)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب اور مشرکین کا شکوہ کیا تھا جو ایمان لانے کی بجائے طرح طرح کی نشانیاں طلب کرنے لگے تھے ۔ اللہ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ آپ صاف صاف کہہ دیں کہ میرا کام تو کھول کر ڈرنا ہے ، نشانیاں پیش کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے ۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے وہ جب چاہے کوئی نشانی ظاہر کر دیتا ہے ۔ اللہ نے فرمایا کہ اس سے بڑی نشانی اور معجزہ کیا ہو گا کہ ایک اُمّی آدمی ایسی عظیم الشان کتاب پڑھ کر سنا ہے جس نے نہ کوئی کتاب پڑھی ہے اور نہ کھنا سیکھا ہے ۔ یہ کتاب ایسے علوم و معارف پر مشتمل ہے جس کا کوئی انسان احاطہ نہیں کر سکتا ۔

رسالت پر
شہادت خذوہ

اللہ نے فرمایا کہ اگر انکار کرنے والے انکار کرتے ہیں تو قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيِّنًا وَبَيِّنَاتٍ كُفْرُكُمْ سَهِيدًا اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے ۔ مطلب یہ کہ اگر تمہیں میری رسالت پر شک ہے اور طرح طرح کی نشانیاں طلب کرتے ہو اور میری تصدیق کرنے کی بجائے تکذیب کرتے ہو تو میں اُسے اللہ تعالیٰ کی گواہی پر چھوڑتا ہوں کیونکہ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمان و زمین کی تمام چیزوں کو وہ خوب جانتا ہے ۔ وہ میری رسالت سے بھی واقف ہے اور تمہاری مخالفت اور مٹانے سے بھی واقف ہے ۔ جو کچھ تم زبان پر لاتے ہو اُس سے بھی واقف ہے اور جو دل میں رکھتے ہو اُس کو بھی جانتا ہے ، لہذا میں اپنے اور تمہارے درمیان فیصلے کے لیے اللہ تعالیٰ کو گواہ بناؤں ، وہ جو بھی فیصلہ کرے مجھے منظور ہے اور تم بھی

اس کو مقبول کر لو۔

فرمایا تم لوگ حق شناسی سے اجتناب کر رہے ہو مگر یاد رکھو! وَالَّذِينَ
آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ جو لوگ باطل پر یقین رکھتے ہیں
 اور خدا تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے ہیں أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ
 یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ یہ بڑے بد بخت لوگ ہیں جو چھوٹی باتوں کو
 توڑتے ہیں مگر خدا کی وحدانیت، اُس کی وحی اور نبیوں کی رسالت کا انکار کرتے
 ہیں، ان کے حصے میں ہمیشہ کی ناکامی آئیگی۔

عذاب کا
مطالعہ

فرمایا یہ لوگ تعصب اور عناد کی وجہ سے وَكَيْسَتَ تَعْلَمُونَكَ بِالْعَذَابِ
 آپ سے جلدی عذاب کا مطالعہ کرتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں کہ اگر تو اپنے
 دعویٰ میں سچا ہے تو ہم پر کوئی عذاب بھیج دے۔ أَوْ تَسْقُطُ السَّمَاوَاتُ كَمَا
زَعَمْتُمْ عَلَيْنَا كَيْسَفًا (یعنی اسرائیل - ۹۲) یا ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا ہی
 گرا دے۔ يَا قَوْمِ طُورٌ عَلَيْنَا حِجَابَةٌ مِّنَ السَّمَاوَاتِ (الانفال - ۲۲)
 ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ہاں ہر چیز کے
 لیے ایک وقت مقرر ہے وَلَوْ لَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمْ
الْعَذَابُ اور اگر یہ وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر فوراً عذاب آجاتا اور یہ خدا کی گرفت
 میں آجاتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہر امت اور قوم کے لیے بھی ایک وقت
 مقرر ہے فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا
يَسْتَقْدِمُونَ (الاعراف - ۲۴) پھر جب وہ وقت پورا ہو جاتا ہے تو
 ایک سینکڑہی آگے پیچھے نہیں ہونا، فوراً گرفت شروع ہو جاتی ہے۔

فرمایا یہ لوگ آپ سے جلدی عذاب طلب کرتے ہیں وَكَيْتَنَّهُمْ
بِعْتَةٍ يَّرِيفُونَ ان کے پاس اچانک آجلے گا وہم نہ لائیں لَا يَشْعُرُونَ
 اور انہیں ہتہ بھی نہیں ہوگا۔ اسی طرح موت بھی اچانک آجاتی ہے، کسی کے
 وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا مگر انسان موت سے ہلکا ہوجاتا ہے۔ اسی طرح

اقوام کو شکست بھی اچانک ہی آجاتی ہے۔ اللہ نے فرعونوں کو سزا دی تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اتنی جلدی سارے کے سارے غرق ہو جائیں گے۔ جب مکے والوں کا وقت پورا ہو گیا تو حضور علیہ السلام دس ہزار۔ قدسیوں کی جماعت کے ساتھ عازم مکہ ہوئے جب کہ وہ بالکل بے خبر تھے حتیٰ کہ مسلمانوں کی جماعت میں نظر ان تک پہنچ گئی۔ اب مکے والوں کو علم ہوا کہ ان کی سزا کا وقت آ گیا ہے۔ خیبر کے یہودی بھی اسی طرح اچانک گرفت میں آئے۔ وہ صبح سویرے حرب معمول اپنے ڈوکرے اور بیلیچے وغیرہ لے کر اپنے کھیتوں کی طرف کام پر جا رہے تھے کہ اچانک خدائی لشکر ان کے سروں پر پہنچ گیا۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ موت کا اور سزا کا ایک وقت مقرر ہے جب وہ آجاتا ہے تو پھر تحصیل نہیں ملتی اور کام تمام ہو جاتا ہے۔ فرمایا یہ لوگ عذاب مانگتے ہیں مگر وہ اپنے وقت پر اچانک آجائے گا۔

کفار کی
جہنم رسیدگی

پھر فرمایا يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ آپ سے جلدی عذاب طلب کرتے ہیں۔ انہیں جان لینا چاہیے کہ وہ عذاب آکر رہ چکا اور ان جہنم جیٹے بِأَلِّ كَهَيِّ مَنٍ اور بیشک جہنم کافروں کو گھیرنے والی ہے بس منے کی دیر ہے۔ فوراً جہنم میں پہنچ جائیں گے۔ اس دن ان کی حالت یہ ہوگی يَوْمَ يُعْشَشُهُمُ الْعَذَابُ مِنْ قُوِّهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ کہ اوپر سے بھی اور پاؤں کے نیچے سے بھی ان کو اللہ کا عذاب ڈھانپ لے گا۔ ہر طرف آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ جس طرح آج یہ لوگ کفر، شرک اور معاصی میں ڈبے ہوئے ہیں، ایمان اور توحید سے دور ہیں۔ اسی طرح عذاب ان کو ہر طرف سے گھیر لے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔ وَيَقُولُ دُو قَوْمًا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ اب اپنے اعمال کا سزا چکھو۔ یہ تمہاری کارکردگی کے بدلے میں تمہیں سزا دی جا رہی ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں مانعین زکوٰۃ کے متعلق آتا ہے کہ ان کا مال قیامت والے دن سانپ بن کر ان کے گلے میں لٹک جائیگا اور انہیں کاٹے گا اور وہ لول کر کے گا أَنَا كُنْتُ لَكَ أَنَا مَا لَكَ میں تیرا مال اور خزانہ ہوں جسے تو سنبھال سنبھال کر رکھتا تھا۔ اور اس میں سے

اللہ اور بندوں کے حقوق اور انہیں کسے آتا تھا۔ وہ شخص بیچنے چلائے گا۔ مگر اب اس کا بچہ فائدہ نہیں ہوگا۔

دوسری طرف ایمان والوں کو تسلی بھی دی جا رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يُؤْتِيكَ اَللّٰهُ الَّذِيْنَ اَتَمَسْتُمْ اَنْتُمْ اِيْمَانًا رُبُوًّا اِنَّ اَرْضِيْكُمْ وَاَرْضِيْكُمْ بِسَيْرِ اَرْضِيْكُمْ وہ ہے فَاِيَّتَايَ فَاَعْبُدُوْنِ لہذا خالص میری ہی عبادت کرو۔ اگر تمہیں کفار مکے کی زمین میں رہنے نہیں دیتے تو یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ دین میں ہجرت کو بھی بہت بڑا مقام حاصل ہے۔ ساری زمین اللہ کی ہے۔ اگر کسی علاقے کے لوگ اللہ کی عبادت میں رکاوٹ بنتے ہیں تو اس سرزمین کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاؤ۔ جہاں تم آزادی کے ساتھ اپنے پروردگار کے سامنے سز سجد ہو سکو۔ دین اور آخرت کی خاطر وطن کو چھوڑنا ضروری ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ترک وطن بڑا مشکل مرحلہ ہے۔ لوگوں کو اپنے وطن کے ساتھ انس ہوتا ہے۔ ان کی زمین ہمسکان، ارکان، کاروبار ہر چیز سے پیار ہوتا ہے۔ انسان کی رشتہ داری اور برادری ہوتی ہے، پیار دوست ہوتے ہیں۔ آب و ہوا موافق ہوتی ہے۔ ان تمام چیزوں کو خیر آباد کہہ کر دوسری جگہ چلے جانا جہاں یہ چیزیں فوری طور پر میسر نہیں آتیں، ایک کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔ مکے کے مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو ان کو بھی مدینہ کی آب و ہوا موافق ڈائی اور وہ بیمار ہونے لگے حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ مولا کریم! جس طرح ان کو مکہ محبوب اور موافق تھا۔ اسی طرح مدینہ کو بھی بنا دے۔ القرض! اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے ہجرت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔

جب کافر لوگ مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیں۔ ان کا غلبہ اتنا شدید ہو کہ مسلمان شعائر اسلام بھی ادا نہ کر سکیں، نہ اذان دے سکیں، نہ نماز باجماعت ادا کر سکیں تو ایسی حالت میں ہجرت فرض عین ہو جاتی ہے۔ مکے میں یہی حالات پیش آ رہے تھے جب اللہ نے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو ہجرت کا حکم دیا۔ مولا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ ہجرت دو وجہ سے فرض ہوتی ہے۔ ایک وجہ یہ ہے

ہجرت کا حکم

ہجرت کی
فرضیت

کہ کوئی اہل ایمان اپنے دین اور ایمان کی حفاظت نہ کر سکے تو اس کا فرض ہے کہ وہ ایسی جگہ سے چلا جائے جسو علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ نے اس وجہ کی بنا پر مکہ سے مدینے کی طرف ہجرت کی۔ ایسے حالات ہیں جو شخص ہجرت کی استطاعت رکھنے کے باوجود ہجرت نہیں کرتا، اُس کی سزا جہنم ہے جیسے سورۃ النازعین فرمایا
 فَاُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ مِمَّا يَفْتَنُوْنَ كَيْفَ تَعْلَمُ (آیت - ۹۷) شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر ہجرت اُس وقت بھی فرض ہو جاتی ہے۔ جب کسی مقام پر اُس کے لیے رزق حلال حاصل کرنا محال ہو جائے یا وہ گناہ سے نہ بچ سکے۔ ہجرت کی فرضیت کے یہ دو مقامات ہیں۔

موت کا
 پروانہ

فرمایا اور ہوسو! كُلْ لِنَفْسِكَ ذَاقَةُ الْمَوْتِ ہر جان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ ہر نیک بزرگ کو موت کا پیالہ پینا ہے ثُمَّ إِلَيْنَا تَرْجَعُونَ ہ پھر تم سب ہماری ہی طرف لوٹے جاؤ گے۔ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہو کر اپنے اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہے، لہذا دنیا میں ایسا عمل اختیار کرو جو اللہ کے ہاں پسندیدہ ہو اور جس کی وجہ سے اللہ کی گرفت سے بچ جاؤ۔ دنیا میں ایمان اور توحید کے بعد نیک اعمال انجام دو، کفر، شرک اور معاصی سے بچ جاؤ تو خدا کی نعمتوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مستفید ہونے والے بن جاؤ گے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے بعض انعامات کا ذکر کیا ہے۔

اہل ایمان
 کے لیے
 انعامات

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیے۔ ایمان سے مراد صحیح عقیدہ توحید ہے اور اچھے اعمال میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، قربانی اور صدقہ خیرات وغیرہ امور ہیں۔ فرمایا ایسے لوگوں کو کُنُيُوسٌ تَتَّخِذُونَ مِنَ الْجَنَّةِ عُشُفًا ہم ضرور جنت کے بالاخانوں میں جگہ دیں گے۔ حدیث شریف میں بالاخانوں کی بڑی تعریف آئی ہے جسو علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کی دیواریں ایسی شفاف ہوں گی کہ اندر کی چیز باہر سے اور باہر کی چیز اندر سے صاف نظر آئے گی۔ ایک دیہاتی آدمی نے جسو علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ بالاخانے کن لوگوں کو ملیں گے، تو آپ نے فرمایا
 لَمَنْ أَلَانَ الْكَلَامَ وَأَطَعَمَ الطَّعَامَ - وَأَدَامَ الصِّيَامَ وَصَلَّى
 وَالنَّاسُ بِنِيَامٍ یہ ان لوگوں کو بتیسرے ہوں گے جو محتاجوں کو کھانا کھلائیں گے
 نفلی روزے رکھیں گے، خوش اخلاقی سے کلام کریں گے اور ایسے وقت میں
 نماز پڑھیں گے جب لوگ سو رہے ہوں گے فرمایا یہ ایسے بالاخانے ہوں گے تَجْرِبِي
مِنْ نَحْتِهَا الْأَنْهَارُ جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ خَلْدِيَّت
رَفِيهَا وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے یعنی وہاں سے کبھی نکالے نہیں جائیں گے۔
نَعْمَ أَجْرُ الْعَاصِلِينَ یہ عمل کرنے والوں کا نہایت ہی اچھا بدلہ ہوگا۔ ہر
 عامل کا عمل نتیجہ خیر ثابت ہوگا اور اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا بشرطیکہ
 اس کی تہ میں ایمان اور اخلاص موجود ہو۔

صبر توکل

فرمایا یہ ان عاقلین کا تذکرہ ہے الَّذِينَ صَبَرُوا جنہوں نے ہر قسم
 کی تکالیف کو برداشت کر کے صبر کا مظاہرہ کیا، مخالفین کی ایذا میں جھیلیں، وطن
 سے ہجرت کی اور دیگر مصائب برداشت کیے۔ اللہ کی توحید، خدا کا ذکر، اس کی
 نعمتوں کا شکر اور نماز کی طرح صبر بھی ہمارے دین کا بہت بڑا اصول ہے۔ صبر
 مصیبت کے وقت بھی کرنا پڑتا ہے اور عبادت کے وقت بھی صبر کی ضرورت
 ہوتی ہے۔ نفسانی خواہشات اور رسوماتِ باطلہ کے ترک کرنے میں بھی صبر
 کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو شخص صبر نہیں کرتا وہ ناکام ہو جاتا ہے۔

فرمایا کہ آخرت کے ان لوگوں کا حصہ ہیں جنہوں نے صبر کیا وَعَلَى
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ اور جنہوں نے اپنے پروردگار پر بھروسہ کیا۔ جن کو
 یقین ہے کہ سارا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہی قادر مطلق اور علیم کل ہے
 وہی وحدہ لا شریک ہے اور نیکی کا بدلہ دینے والا بھی وہی ہے جو لوگ دنیا کی زندگی
 میں اپنی کوشش کو جاری رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرتے رہے ان کو
 جنت میں یقیناً اعلیٰ درجات حاصل ہوں گے۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۗ وَاللَّهُ قَاطِعٌ أَلَيْسَ
 بِرِزْقِهَا وَيَأْتِكُمْ ۗ وَهُوَ السَّيِّعُ الْغَلِيْمُ ۝۶۰
 وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ مِّنْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
 وَسِحْرِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۗ
 فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝۶۱ ۗ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
 لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ
 بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۶۲ ۗ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ
 مِّنْ نَّزْلِ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ
 مِن بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۗ قُلِ الْحَمْدُ
 لِلَّهِ ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝۶۳

ترجمہ :- اور بہت سے زمین میں چلنے پھرنے
 والے جانور ہیں کہ نہیں اٹھاتے وہ اپنی روزی خود۔
 اللہ ہی اُن کو روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی ۔ اور
 وہی ہے سننے والا اور جاننے والا ۝۶۰ اور اگر آپ
 ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو

اور زمین کو ، اور کس نے مسخر کیا ہے سورج کو اور چاند کو تو یقیناً کہیں گے یہ لوگ کہ اللہ تعالیٰ نے پھر کدھر یہ لوگ پھیرے جاتے ہیں (۶۱) اللہ ہی کثادہ کرتا ہے روزی جس کے لیے چاہے اپنے بندوں میں سے ، اور تنگ کرتا ہے اس کے لیے (جس کے لیے چاہے) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے (۶۲) اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے اتر ہے آسمان کی طرف سے پانی ، پھر زندہ کیا ہے اس کے ساتھ (شک) زمین کو بعد اس کے مردہ ہو جانے کے تو یقیناً کہیں گے یہ لوگ کہ اللہ تعالیٰ نے ۔ آپ کہہ دیجئے ، سب تعریف اللہ کے لیے ہے ۔ بلکہ ان میں سے اکثر سمجھ نہیں سکتے (۶۳)

اس سورۃ مبارکہ میں زیادہ تر ایمان کے ساتھ ابتلا کا ذکر ہے ۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی مثالیں بھی بیان فرمائیں کہ اُس نے اپنے جلیل القدر بندوں کو کس طرح آزمائش میں ڈالا ، پھر کفر و مشرک کا رد کیا ، نبوت ، درمالت پر مقصرین کے اعتراضات کے جوابات دیے ۔ پھر ابتلا ہی کے ضمن میں ہجرت کا مقام بیان فرمایا اور اہل ایمان کو حکم دیا کہ جب کفار اہل ایمان پر عرصہٴ حیات تنگ کر دیں اور انہیں دینی شعائر بھی ادا نہ کرنے دیں تو مؤخر الذکر کا فرض ہو جاتا ہے کہ ایسی جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ ہجرت کر جائے کیونکہ اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے ۔ مہذا احمد کی روایت میں حضرت زبیر بن العوامؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اَلْبِلَادُ دُبَلَادُ اللّٰهِ وَالْعِبَادُ عِبَادُ اللّٰهِ فَحَدِّثْ مَا كَسَبْتَ خَيْرًا فَاَقْرَبْ یعنی شہر بھی اللہ کے ہیں اور بندے بھی اسی کے ہیں ، لہذا جہاں تمہیں بہتری نصیب ہو وہاں جا کر قیام کرو ۔ یعنی اگر کسی مقام پر کفار کا سخت غلبہ ہے تو دوسری جگہ چلے جاؤ ۔

اس کے علاوہ اللہ نے اہل ایمان کے اچھے انجام کا ذکر فرمایا۔ نیز یہ بھی کہ ہر نفس پر موت وارد ہونے والی ہے اور سب کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر اہل ایمان اپنا وطن، اہل و عیال، کاروبار، مکان، دکان وغیرہ چھوڑ کر ہجرت کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں عالیشان محل عطا فرمائے گا۔ جو کہ اعمال حسنہ انجام دینے والوں کا صلہ ہے۔ ایسے ایمان والے کہ جن کا خاصہ صبر علی المصائب اور توکل علی اللہ ہوتا ہے۔

روزئی سانی
کی ذمہ داری

ہجرت کے نتیجے کے طور پر انسانی ذہن میں یہ بات پیدا ہو سکتی ہے کہ جب آدمی اپنا گھر بار، عزیز و اقارب، کاروبار چھوڑ کر چلا جائے گا۔ تو اس کی گذراوقات کیسے ہوگی؟ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تسلی دیتے ہوئے۔ روزئی سانی کا اصول بیان کر دیا ہے ارشاد ہوتا ہے وَكَيْفَ مِنْ دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا زمین میں چلنے پھرنے والے بہت سے جانور ہیں۔ جو رزق کو اپنی پشتوں پر نہیں اٹھائے پھرتے، بلکہ اللہ يَرْزُقُهَا وَاَيَّاكُمْ اللہ ہی رزق پہنچاتا ہے۔ ان جانوروں کو بھی اور تمہیں بھی۔ رزق رسائی کا اختیار اللہ نے اپنے پاس رکھا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کاروبار، ملازمت، کھیتی باڑی یا محنت مزدوری وغیرہ سے روزی ملتی ہے حالانکہ وسائل رزق تو اللہ کے پاس ہیں۔ وہ اسباب پیدا کرتا ہے تو انسان کی محنت بھی کارآمد ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو تو اپنی پوری جدوجہد کے باوجود انسان روزی کا بندوبست نہیں کر سکتا۔ سورۃ الذریت میں ہے۔ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (آیت - ۲۲) تمہاری روزی کا حکم آسمان سے نازل ہوتا ہے اور اسی کے مطابق تمہاری ذریت کا سامان ہوتا ہے۔ اسی طرح موت کا پروانہ بھی اُپر ہی سے آتا ہے۔ گنہگار روزی اور موت انسان کے اپنے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ رب العزت کے اختیار میں ہے۔ سورۃ الذریت میں ہی مزید ارشاد ہے إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْكَمِثِ (آیت - ۵۸) بیشک اللہ تعالیٰ ہی رازق اور مضبوط قوت کا مالک ہے۔ جو لوگ رزق کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہیں یا اس پر حرص کرتے ہیں۔ ان کا نظریہ غلط ہے۔ خواہش کے مطابق کسی کو روزی نہیں ملتی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ

کا انتظام ہے کہ وہ مصلحت کے مطابق جس کو حقیقی روزی چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔
ابن ابی حاتم کے حوالے سے امام ابن کثیرؒ، امام نعیمیؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے حضرت عبدالرحمن بن عمرؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ ایک باغ میں داخل ہوا۔ آپ نے اس باغ میں سے کھجوریں تناول فرماتا شروع کیں اور مجھے بھی کھانے کی دعوت دی میں نے عرض کیا لا اَشْتَهِيْ حضرت! مجھے تو ٹھیک نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا لَكِيْجِيْ اَشْتَهِيْ کہ مجھے تو اس وقت کھانے کی خواہش ہے کیونکہ آج چوتھا دن ہے کہ میں نے کچھ نہیں کھایا۔ پھر فرمایا اے ابن عمرؓ! اگر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں تو وہ مجھے قیصر و کسری سے زیادہ غزائے عطا کرے، مگر میں یہ نہیں چاہتا میں تو اس چیز کو پسند کرتا ہوں کہ اَشْبَعُ يَوْمًا وَّ اَجْوَعُ يَوْمًا کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں۔ جب کھانے کو مل جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا اور نہیں ملے گا تو صبر کروں گا کہ اس پر مجھے اجر ملے گا۔ فرمایا، اُس وقت کیا حال ہوگا جب لوگ سال بھر کے لیے اناج وغیرہ ذخیرہ کر کے رکھیں گے۔ یعنی لوگوں کا یقین اتنا کمزور ہو جائے گا۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ابھی ہم اسی باغ میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی وَكَانَ يَوْمًا وَاَيُّكُمْ اِسى بنا پر عام حالات میں اناج وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی پسندیدہ نہیں ہے البتہ اگر اناج کے ضائع ہوجانے کا خطرہ ہو تو ذخیرہ کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو سفيانؓ نے اپنے زمانے میں ایسا کیا تھا۔ ترمذی شریف میں حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ لَا يَدْخِرُ شَيْئًا لِّتَدْيِ عِنِّيْ حضور علیہ السلام کوئی چیز کل کے لیے ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔ البتہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جب خیبر یا فدک کی زمین کی پیراؤں کا اناج آتا تو حضور علیہ السلام اپنی ازواج مطہرات میں سال بھر کا غلہ تقسیم فرمادیتے۔ میری نہیں فرماتے ہیں کہ ازواج مطہرات اپنا اپنا حصہ وصول کر لیں مگر وہ اُسے ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتیں۔ بلکہ فی سبیل اللہ خرچ کر دیتیں اور خود خدا پر توکل کر کے گزر اوقات کرتیں۔ حضرت سلیمان فارسی کا بھی یہی معمول تھا کہ وہ اپنی گزشتہ روزی کے دوران بیت المال سے

ذخیرہ اندوزی
بہا تکلمہ

وظیفہ تو وصول کر لینے مگر سارے کا سارا اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے اور خود محنت مشقت کی کماٹی سے گزراؤ فاقات کرتے۔ چنانچہ امام سفیان ابن عیینہ کا قول ہے کہ تمام مخلوق میں انسانوں، چیمونٹیوں اور چوہوں کے سوا کوئی مخلوق ذخیرہ اندوزی نہیں کرتی۔ اس بیماری کا آغاز انسانوں میں یہودیوں سے ہوا اور انہوں نے دنیا میں باقی لوگوں کو بھی اسکی ترغیب دی۔ ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے عام لوگوں کو غلے کی قلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ **الْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ** یعنی ذخیرہ اندوز ملعون ہے جو شخص اس لیے ذخیرہ اندوزی کرتا ہے تاکہ غلے کی مصنوعی قلت پیدا کر کے اس کے دام بڑھائے جائیں اور مناسب وقت پر زیادہ قیمت وصول کی جائے۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا **وَالْحَبَالِبُ مَرْزُوقٌ** جو شخص کھیتچ کر مال منڈھی میں لاتا ہے تاکہ لوگ اپنی ضرورت کے مطابق خریداری کر سکیں اور غلے کی قلت پیدا نہ ہو تو فرمایا **اِيْحْضُ كِرَالِ اللّٰهِ تَعَالٰى** مزید روزی دیتا ہے اور اس پر خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

توکل علی اللہ

حضرت عمرؓ کی روایت ترمذی اور ابن ماجہ شریف میں موجود ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، **لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرُ يَعْدُو اَحْمَاصًا وَتَرَوْحُ بِطَانًا** اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرتے جس طرح توکل کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بھی اسی طرح روزی پہنچاتا ہے جس طرح پرندوں کو پہنچاتا ہے۔ وہ صبح کو خالی پیٹ گھسولوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔ آخر وہ بھی تو اللہ کے بھر دے پر ہی زندگی گزارتے ہیں۔ وہ کوئی ذخیرہ کر کے رکھتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں حضور علیہ السلام کے یہ الفاظ بھی آتے ہیں **مَا مِنْ شَيْءٍ يُقَرَّبُ كُمْ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُ كُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا اَمَرْتُكُمْ بِهِ** لوگو! میں نے ہر وہ چیز جو تمہیں جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کرتی ہے۔ وہ تمہیں تباہی دے۔ اور ہر وہ چیز جو تمہیں جنت

سے دُور اور دوزخ کے قریب کرتی ہے، اُس سے تمہیں منع کر دیا ہے۔ پھر فرمایا اَلَا اِنَّ رُوْحَ الْقُدْسِ نَفَتْ فِي رُوْعِي اَنَّ النَّفْسَ كُنْ تَمُوْتَ حَتَّى تَسْتَكْمَلَ رِزْقَهَا سَتُوا جِبْرَائِلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نِيْرَے جی میں یہ بات ڈال دی ہے کہ کوئی جاندار اُس وقت تک موت سے ہلکا نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے حصے کا رزق مکمل طور پر حاصل نہیں کر لیتا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب کسی انسان کی تخلیق ہوتی ہے تو فرشتے اپنے جبرائیل میں درج کر دیتے ہیں کہ مَا رِزْقُهُ مَا اَجَلُهُ مَا عَمَلُهُ شَيْئًا اَوْ سَعِيْدًا اس شخص کو روزی کتنی ملیگی، اس کی عمر کتنی ہوگی اور علی طور پر یہ بدبخت ہوگا یا خوش بخت۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے مزید فرمایا اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمَلُوا فِي الطَّلَبِ سَتُوا اللّٰهَ رُوْعِي اور روزی اچھے راستے سے تلاش کرو۔ اور اگر کسی وقت روزی کے حصول میں تاخیر ہو جائے تو گناہوں کے ذریعے اُسے تلاش نہ کرنے کو کیونکہ لَا يَدْرُكُ مَكَا عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا بِطَاعَتِهِ اللّٰهَ کے پاس جو چیز ہے وہ اُس کی اطاعت سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ محصیت کے ساتھ وہ چیز حاصل نہیں کی جاسکتی۔ بہر حال ہر انسان بلکہ ہر جاندار کی روزی تو اللّٰه کے ہاں مقرر ہے لہذا اُسے اُسکی تلاش میں ناجائز ذرائع اختیار نہیں کرتے چاہئیں۔

یہ آیت کریمہ خاندانی منصوبہ بندی کے نظریہ کو بھی باطل قرار دیتی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ انسانی آبادی کو بڑھنے سے روکا جائے، ایسی دوائیں استعمال کی جائیں یا بس بندی کا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے جو کہ مانع حل ہو آجکل یہ ساری منصوبہ بندی اقوام متحدہ کے زیر نگرانی ہو رہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دنیا میں خوراک کی قلت ہے اور اگر آبادی بڑھے گی تو جھوکوں مرگی۔ یہ نظریہ دنیا میں ایک انگریز مانتھوس نے قائم کیا تھا کہ خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعے آبادی پر کنٹرول لیا جائے اور اس طرح خوراک کا مسئلہ حل کیا جائے۔ نیرول قرآن کے زمانہ میں عرب کے لوگ بھی قتل اولاد کے مرتکب ہوتے تھے، اُن کے پیش نظر دو وجوہات تھیں۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ بچوں کو محض اس لیے قتل کر دیتے تھے کہ وہ طے سے عار

خاندانی
منصوبہ بندی

سمجھتے تھے کہ کوئی اُن کا داماد بنے۔ اور دوسری وجہ یہی معاشی تھی کہ بچے زیادہ ہوں گے تو ان کی روزی کہاں سے آجگی اس نظریہ کے برخلاف اللہ نے حکم دیا **وَلَا تَقْتُلُوا** **أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً أَمْلَاقٍ** **نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ** **وَإِيَّاكُمْ** (یعنی اسرئیل ۳۱) اپنی اولاد کو فقر کے ڈر سے قتل نہ کرو کیونکہ انکو روزی ہم دیتے ہیں اور تمہیں بھی روزی پہنچاتا تو ہمارے ذمہ ہے تم کو یوں فک کر تے ہو؟ یہاں فرمایا کہ کتنے جاندار ہیں جو اپنی روزی اپنی پشتوں پر نہیں لارے پھرتے بلکہ انہیں اور تمہیں سب کو ہم ہی روزی پہنچاتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جانداروں کے لیے روزی کی کمی نہیں بلکہ کار پر درازانِ اقتدار اس کی تقسیم غلط طریقے سے کر رہے ہیں۔ اگر خوراک کی تقسیم کا نظام درست ہو جائے تو کوئی آدمی بھوکا نہ رہے۔ مگر یہاں تو حالت یہ ہے کہ صاحب ثروت لوگ دن میں چھ چھ مرتبہ کھاتے ہیں جب کہ دوسروں کو ایک وقت کا کھانا بھی بافراط میسر نہیں۔ اگر یہی لوگ صرف دو وقت کھائیں اور باقی چار وقت کا کھانا دوسرے لوگوں کے لیے چھوڑ دیں تو لوگوں میں فاقہ کشی کی نسبت نہ آئے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی عمری حکمت کا تقاضا ہے کہ نسل انسانی کو زیادہ سے زیادہ پھیلا یا جائے جیسے فرمایا **هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ** **وَإِلَيْهِ تَحْشُرُونَ** (الملک ۲۴) خدا تعالیٰ کی ذات وہی ہے جو تمہیں زمین میں پھیلاتا ہے اور پھر تم سب اُس کی طرف اٹھنے کیے جاؤ گے اس کے برخلاف جب اس زمانے کے بڑے بڑے منصوبہ ساز آبادی کو کنٹرول کرنا چاہتے ہیں تو اس سے مزید مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ کیا ترقی یافتہ ملکوں میں فاقہ کشی نہیں ہوتی اور کیا وہاں کوئی بیماری نہیں ہے؟ یہ مسائل محض غریب ممالک میں نہیں ہیں کہ ان میں خاندانی منصوبہ بندی کو رائج کیا جائے بلکہ یہ مسائل تو ترقی یافتہ ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں مگر وہاں ایسی کوئی پلاننگ نہیں کی جاتی۔

الغرض! تقسیم رزق کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے اور وہ اسے خاص حکمت کے تحت تقسیم کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہی کسی کو بھوکوں مارنا چاہے

تو پھر دنیا میں کون ہے جو ایک دانہ بھی پہنچا سکے۔ روزی کی کم و بیش تقسیم کی اللہ نے یہ حکمت بھی بیان فرمادی ہے وَكَوَسَّطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لِيُعْبَدُوا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يَنْزِلُ بِقَدَرِ مَا يَشَاءُ اللَّهُ لِيُعْبَادَهُ خَبِيرٌ (بصیرت) (الشوری - ۲۷) اگر اللہ تعالیٰ سب کے لیے روزی کے دروازے کجاں کشا وہ کہہ دیتا تو لوگ سرکشی پر اتر آتے۔ وہ تو ہر ایک کی روزی اپنے اندازے کے مطابق نازل کرنا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہے اور ان کو دیکھ رہا ہے۔ ان کی مصیحت کے مطابق ان کو روزی پہنچاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس کی مصیحت کے مطابق جہاں روزی کی ضرورت ہوتی ہے تو پھر وہاں کسی کی مصیبت بندی کام نہیں کرتی بلکہ وَبَيِّنَاتٍ مِّنْ حَيَاتٍ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق - ۲) وہ ضرورت مند کی ضرورت ایسی جگہ سے پوری کر دیتا ہے جو اس کے دہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی۔ مشاہدہ میں آیا ہے کہ کوئی پرندہ اپنے منہ میں دانہ اٹھائے اپنے گھونسلے کی طرف جا رہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے اس کے منہ سے دانہ گرا کر گندی نالی میں موجود ایک معذرت کپڑے کے منہ میں ڈال دیا جو بیچارہ کھانے کے لیے کہیں جا بھی نہیں سکتا تھا۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ طاقتوروں سے چھین کر کمزوروں کو بھی دے دیتا ہے مگر یہ اس کی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ اور وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

فرمایا وَكَيْفَ سَأَلْتَهُمْ مِّنْ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
 الْكَرْبَانَ مشرکوں سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے وَسَمَخَى الشَّمْسِ
 وَالْقَمَى اور سورج اور چاند کو کس نے کام میں لگا رکھا ہے لِيَقُولَنَّ اللَّهُ
 تو یہ لوگ ہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہی ہے جو ہر چیز کا خالق اور مدبر ہے۔ فرمایا اگر اس
 چیز کو تسلیم کرتے ہو فَاتَّيُّوا فَكُونَ تُوَفَّرُ لَكُمْ ہر پھر یہ کہ ہر پھر دے جاتے
 ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے اور اس کے ساتھ

دریں تعبیر

شریک کیوں بناتے ہو؟

فَرِيَا اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ

کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق کشادہ کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے۔ اور رزق تنگ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔ یہ تو اس کی مرضی اور حکمت پر موقوف ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا

ہے۔ وہ اپنے علم کے مطابق ہی تمام فیصلے کرتا ہے۔ پھر فرمایا وَ كَيْفَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ تَزَلَّ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً اِذَا رَأَوْا سَحَابًا مِّنْ سَمَوَاتٍ اُخْرٰی کہ آسمان کی طرف سے پانی کون نازل کرتا ہے فَاحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مَتَّعَتْهَا سَمَوَاتُهَا پھر اس پانی کے ذریعے مردہ زمین کو نئی زندگی بخشتا ہے، اس میں سبزہ، اناج، پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں۔ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ اس کا جواب بھی ہی دیں گے کہ یہ سب کچھ بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کو اس قدر قادر مطلق سمجھتے ہو تو پھر شرک کے کیوں متکرب ہوتے ہو؟

فَرِيَا كُفْرًا وَّ شُرْكًَا كَرِهَ اللّٰهُ لِيُرِيَكُمْ اَنَّكُمْ كَافِرُونَ کہ سب

تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہی ہیں، وہی خالق ہے، وہی مسبب الاسباب ہے۔ جب پانی برسانے اور روزی پہنچانے والا وہی ہے تو معبود و برحق بھی وہی ہے

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مشرکوں کی اکثریت اللہ کی عطا کردہ عقل کو بروئے کار نہیں لاتی جس کی وجہ سے سوچنے سمجھنے سے عاری اور شرک کی متکرب ہوتی ہے۔

العنکبوت ۲۹

آیت ۶۴ ۶۵ ۶۶

اتل ما اوحی ۲۱

درس یازدهم ۱۱

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوٌّ وَلَعِبٌ ۝
 وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا
 يَعْلَمُونَ ﴿۶۴﴾ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفَلَكِ دَعَا اللَّهُ
 مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ فَلَمَّا بَجَّهْمُ إِلَى
 الْبِرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا
 آتَيْنَهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوا ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ :- اور نہیں ہے یہ دنیا کی زندگی مگر دل کا بیلانا اور
 کھیل۔ اور بیشک آخرت کا گھر البتہ ہمیشہ زندہ رہنے کا مقام
 ہے۔ اگر ان لوگوں کو سمجھ ہوتی ﴿۶۴﴾ پس جب یہ سوار ہوتے
 ہیں کشتی پر تو پکارتے ہیں اللہ کو خالص اُس کی اطاعت کا اختیار
 رکھتے ہوئے۔ پس جب وہ اُن کو نجات دیتا ہے کشتی
 کی طرف تو اچانک وہ شرک کرتے ہیں ﴿۶۵﴾ تاکہ وہ کفر
 کریں اُس چیز کے ساتھ جو ہم نے اُن کو دی ہے اور
 تاکہ وہ فائدہ اٹھالیں۔ پس عنقریب وہ جان لیں گے ﴿۶۶﴾

ابتلا اور آزمائش کے ذکر اور اس کی مثالیں بیان کرنے کے بعد اللہ
 نے کافروں اور مشرکوں کا شکوہ بیان کیا کہ واضح دلائل کی موجودگی میں اُن کا توحید سے انکار
 اور کفر و شرک پر اصرار بڑی زیادتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں کے متعلق فرمایا

ربط آیت

کہ سب کا روزی رسال وہی ہے۔ پھر ارض و سما کی تخلیق اور شمس و قمر کی تسخیر کے متعلق فرمایا کہ یہ سب کچھ اُسی کے اختیار میں ہے۔ یہ چیزیں تو محض اسباب ہیں وگرنہ حقیقی روزی رسال تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق کسی کی روزی کشادہ کر دیتا ہے اور کسی کی تنگ کر دیتا ہے۔ پھر اللہ نے بارش کے نزول کی طرف توجہ دلائی کہ آسمان کی طرف سے پانی برسا کہ خشک زمین کو زندہ کرنا بھی اُسی کا کام ہے فرمایا اس بات کو سب کا فرار و شرک بھی تسلیم کرتے ہیں مگر اس کے باوجود اللہ کی وحدانیت کو نہیں مانتے بلکہ اُسکے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ فرمایا یہ لوگ عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟

دنیا ایک
کھیل تماشا

اب اللہ تعالیٰ نے توحید کے انکار کے اسباب میں سے دنیا کی زندگی اُس کی زینت اور چیل سپل کا ذکر کر کے فرمایا کہ اسی میں مبتلا ہو کر اکثر لوگ ایمان اور توحید کو اختیار کرنے کی بجائے کفر اور شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ فرمایا وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَكَيْفٌ اور نہیں ہے یہ دنیا کی زندگی مگر سہی کا بہلانا اور کھیل تماشا۔ انسان اس چند روزہ عارضی دنیا کی رنگینیوں میں کھسو کر دائمی زندگی کو بھول جاتے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ بچوں کے کھیل کو کہا جاتا ہے جب کہ لعب توجروا ان کے کھیل پر بولا جاتا ہے۔ بہر حال دنیا کی زندگی

کھیل تماشے سے زیادہ نہیں ہے۔ کھیل محض ایک بناوٹی ڈرامہ ہوتا ہے جس میں حقیقت کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ڈرامہ میں کام کرنے والے کردار محض وقتی طور پر اپنا اپنا کردار پیش کرتے ہیں اور جب کھیل ختم ہوتا ہے تو پھر نہ وہ بادشاہ بادشاہ ہوتا ہے اور نہ مجرم حقیقت میں مجرم ہوتا ہے۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اس کھیل تماشے کی سرپرستی خود حکومتیں کرتی رہی ہیں۔ ان کے لیے وزارتیں قائم کی جاتی ہیں، فنڈز مختص کئے جاتے ہیں مگر حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح دنیا کا حال ہے، جو بھی یہ زندگی ختم ہوتی ہے تو کھیل ختم ہو جاتا ہے، مگر انسان ہیں کہ اسی میں مشغول ہو کر آخرت کو بھول جاتے ہیں۔

دنیا کی
بے ثباتی

اس دنیا کی بے ثباتی کو حکما، ادیبوں اور شاعروں نے اپنے اپنے انداز کے مطابق

بیان کیا ہے۔ چنانچہ مولانا جامی فرماتے ہیں۔

دلا تاکے دریں کانے مجازی
کنی مانند طفلان خاک بازی

اے دل! تو کب تک اس مجازی عمل میں بچوں کی طرح خاک سے کھیلتا ہے گا، بچے
مٹی کے یاریت کے گھر وندے بنا کر کھیلتے ہیں اور پھر جاتے وقت پاؤں کی ٹھوکہ
سے انہیں تڑپھوڑھیتے ہیں۔ دنیا کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔

حافظ شیرازی صاحب بھی فرماتے ہیں۔

مراد منزلِ جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریادی دارو کہ بربندید محفل ما

اس منزلِ جاناں میں عیش و آرام کیسے حاصل ہو سکتا ہے جب کہ گھنٹی بج رہی ہے اور
ہر وقت خبردار کیا جا رہا ہے کہ کیا مرنے لے لو، غنڈھریب کونج کرنا ہے بطلب یہ کہ
اس عارضی زندگی کے خاتمے کے لیے ہر آن حکمِ خداوندی کا انتظار رہنا ہے۔ تو ایسی
دنیا کی بے ثباتی پر لوگ غور کیوں نہیں کرتے؟

تأمل فی الوجود بعین فکر

قری الدینا جمیلة الخیال

اگر غور کی آنکھ سے دیکھو تو اس کھینی دنیا کو خیال سے زیادہ نہیں پاؤ گے، مطلب
یہ کہ ذہن میں خیال پیدا ہوتا ہے تو کتنی دیر قائم رہتا ہے؟ بس جلدی ہی زائل ہو جاتا ہے
دنیا کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کی ہر چیز جلد فنا ہو جانے والی ہے۔ وَكَيْفَ بَقِيَ
وَجْهَهُ رَيْدٌ ذُو الْجَلَلِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمن - ۲۷) اور خدا نے بزرگی و برتری
کی ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔

اقبال نے بھی کہا ہے۔

آیا ہے تو جہاں میں مثالِ شرار دیکھ
دم سے نہ جانے ہستی ناپائیدار دیکھ

انسان ایک شعلہ یا چنگاری کی مانند ہے جو کہ ذرا سی دیر کے لیے بجھ کر کتا ہے اور پھر ختم ہو جاتا ہے۔ انسانی زندگی کی حیثیت اس شعلے سے زیادہ نہیں ہے۔
شیخ سعدیؒ نے بھی بڑے پیار سے ان از میں بات کی ہے۔

جہاں بر آب نہاد است و زندگی بر باد

اے من غلام آل کہ دل برو نہ نہاد

جہاں کو تو اللہ نے پانی پر رکھا ہے اور انسانی زندگی کی بنیاد ہوا پر قائم ہے۔ جب تک سانس آتا رہتا ہے چلتی رہتی ہے۔ اور جو یہی سانس یعنی ہواڑک گئی، یہ زندگی بھی ختم ہو گئی یہ اتنی ناپائیدار ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

کس را بقائے دائم و عہد مقیم نیست

بقائے دائم و عہد مقیم کس است

کسی ذات کے لیے بقائے دائم اور عہد قائم نہیں ہے، سو اے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کہ وہی قائم و دائم ہے اور اسی کا عہد مقیم ہے۔

کھر بند سے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں

بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

ہر روز مشاہدہ میں آتا ہے کہ کوئی آج جا رہا ہے تو کوئی کل۔ کوئی صبح گیا اور کوئی شام۔ زندگی اتنی ناپائیدار چیز ہے کہ ایک سیکنڈ کا بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے دنیا کو کھیل تماشا قرار دیا اور اس کی بے ثباتی کا تذکرہ فرمایا ہے۔

آخرت کا گھر

فَرِيادِ دُنْيَا كِي بے ثباتی کے مقابلہ میں وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَئِمْ كَ

الْحَيَاةِ الْآخِرَةِ كَالْغَمْرِ هِيَ مُتَقَلِّبَةٌ قَرَارِ كَاهِ حَيَاتٍ هِيَ. دُنْيَا تَوَسُّسُ لِمَوَلُوعِب

ہے۔ اگر اس عارضی زندگی کی پونجی کو کسی اچھے کام میں لگائے گا تو آخرت کی ہمیشہ کی

زندگی اچھی ہو جائے گی اور نہ خاے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگی۔ سورۃ اعلیٰ میں

اللَّهُكَارِشَادِهِ بَلْ تُؤْتِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْآخِرَةُ

خَيْرٌ وَأَبْقَى ﴿١٧﴾ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت ہی بہتر اور

دیرپا ہے لہذا اسی کی طرف دھیان دینا چاہیے اور اسی کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اللہ نے اس دنیا کو آخرت کی کھیتی بنایا۔ جو کچھ یہاں بوڑھے وہی آگے جا کر کاٹو گے لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ اگر یہ بات تمھاری سمجھ میں آجائے تو پھر کامیاب ہو جاؤ گے۔ کاش کہ تم کفر، شرک اور معصیت کا راستہ چھوڑ کر ایمان اور توحید کا راستہ اختیار کرتے اور پھر دائمی زندگی میں بہتری حاصل کرتے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا شکوہ بیان فرمایا ہے۔ فَإِذَا رَكِيزًا فِي الْفُلِّ جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں، یعنی جب وہ کسی بحری راستے سے عازم سفر ہوتے ہیں اور ان کی کشتی یا جہاز طوفان میں گھم جاتا ہے یا کسی دوسرے حادثے کا نشانہ ہو جاتا ہے تو پھر دَعَا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ تو پھر خاص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اعتقاد رکھ کر مدد کے لیے صرف اسی کو پکارتے ہیں۔ یہاں پر دین سے مراد اطاعت ہے۔ اس وقت ان کا ایمان یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا اس مصیبت سے نجات دینے والا کوئی نہیں ہے۔ جب سمندروں میں طوفان آتے ہیں تو ایک لاکھ ٹن وزنی جہاز بھی سمندروں کی لہروں پر تھکے کی طرح تیرتا پھرتا ہے۔ پندرہ بیس سال پہلے "دارا" نامی جہاز ڈوبا تھا جس میں بارہ سو آدمی سوار تھے مگر صرف اڑھائی سو کے قریب بچائے جاسکے۔ بچ سنے والوں نے جہاز کی غرقابی کا جو منظر دیکھا اس قیامت صغریٰ کو وہی جانتے ہیں۔ غرضیکہ ایسے مشکل وقت میں بعض لوگ صرف اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جیسا کہ عدی بن حاتم طائی کے واقعہ میں آتا ہے کہ جب کشتی طوفان میں پھنس گئی تو ملاحوں نے کہا کہ اب صرف اللہ ہی بچا سکتا ہے۔ اس موقع پر کوئی دوسری ہمتی کچھ نہیں کر سکتی۔ اسی بات سے عدی کے دل پر چوٹ لگی اور اس نے ارادہ کر لیا کہ اگر خوشی پر پہنچ گیا تو فوراً جا کر اپنا ہاتھ بیخیر اسلام کے ہاتھ میں دے دوں گا۔

تواریخ
میں شرک
کا نظریہ

البتہ بعض شدید قسم کے مشرک ایسے بھی ہوتے ہیں جو پھنسور میں پھنس کر بھی اللہ کی بجائے پیروں فقیروں کو پکارتے ہیں اور ان کے نام ہی کی دہرائی دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس قسم کے تعریضے ہونے کے "یا ہاد الحق بیڑا دھک" تاہم عام طور پر

بڑے سے بڑا مشرک بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور مشکل وقت میں اسی کو پکارتا ہے۔ فرمایا فَكَمَا تَجْعَلُونَ لِمَا كُفِرْتُمْ بِهِ حُجُبًا حَرِيبًا اللہ تعالیٰ ان کو طوفان سے بچالیتا ہے اور سختی کی طرف لے جاتا ہے اِذَا هُمْ يَدْعُونَ کھوئے تو یہ لوگ پھر مشرک کرنے لگتے ہیں۔ پھر رنگیں چڑھتی ہیں، نذر و نیاز ہوتی ہے کبھی داتا صاحب کی قبر پر جاضری دی جاتی ہے۔ کبھی خواجہ صاحب کے ہاں اور کبھی کسی دوسرے قبر والے کے ہاں گویا طوفان سے بچانے والے یہی ہیں جس اللہ نے ان میں موت کی آغوش سے بچایا اس کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔

انجیل کا

اللہ نے فرمایا، یہ اس وجہ سے ہوتا ہے لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ تاکہ وہ انکار کر دیں اُس چیز کا جو ہم نے انہیں دی ہے مطلب یہ کہ اللہ نے ان کی جان بچائی، ان کو بحفاظت نشانی تک پہنچایا مگر وہ لوگ اللہ کے اس احسان کی ناقدری کرتے ہیں اور احسان فراموشی کا ثبوت دیتے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے غیر اللہ کی نذر و نیاز دیتے ہیں اور چڑھاتے چڑھاتے ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے وَلَيَسْتَمْتَعُوا تاکہ وہ فائدہ اٹھالیں اس چیز سے جو اللہ نے ان کو عطا کی ہے مسخرین کو کہ فرماتے ہیں کہ لِيَكْفُرُوا اور لَيَسْتَمْتَعُوا کا لام لام بیعت ہے یعنی ان کے کفر اور فائدہ اٹھانے کا سبب یہ ہوگا۔ کہ وہ سزا کے مستحق ٹھہریں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ لام امر ہے اور معنی یہ بنتا ہے کہ چاہئے کہ یہ کفر کریں اور فائدہ اٹھالیں یعنی اگر یہ اسی طرف جانا چاہتے ہیں تو پھر چلے جائیں۔ اس قسم کا طرز تخاطب و وعید کے لیے ہوتا ہے جیسے فرمایا اعْمَلُوا مَا بَشِئْتُمْ (حدیث مجیدہ۔ ۴۰) جو تمھارا جی چاہتا ہے کہ لو، ہم حساب لے لیں گے، آخر ہمارے پاس ہی آتا ہے۔ یہ وعید ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ لام عاقبت ہے، یعنی یہ لوگ کفر کرتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناقدری کرتے ہیں اور شکر یہ ادا نہیں کرتے تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ ہماری عطا کردہ چیزوں کے ناشکر گزار بن جائیں گے۔ اور اس دنیا کے الٰہ مستغ سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے جو کہ بالکل عارضی چیز ہے۔ سورۃ زمر میں ہے وَقُلْ

تَمَّعَ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ (آیت ۱۸) یہ اپنے
 کفر کی باتھ تصور افادہ اٹھالیں، انہیں بالآخر جہنم میں ہی جانا ہے فسوف یعمون کون کس وہ عنقریب جان
 لیں گے، پھر انہیں پتہ چلے گا کہ انہوں نے دنیا کی عارضی مصلحت کو کس طرح ضائع کیا اور خدا تعالیٰ
 کی نعمت کا شکر ادا کرنے کی بجائے کفر، شرک اور شرکیہ رسوم ادا کرتے رہے، گو یا کہ
 انہوں نے اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دی۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مِمَّا آمَنَّا وَيُخَطِّفُونَ
 النَّاسَ مِنْ حَوْلِهِمْ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ
 وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ
 مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ
 لَمَّا جَاءَهُ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى
 لِّلْكَافِرِينَ ﴿٦٨﴾ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ
 سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٦٩﴾

ترجمہ :- کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے کہ بیشک ہم
 نے بنایا ہے حرم کو امن کی جگہ - اور اچک لیے
 جاتے ہیں لوگ ان کے اردگرد سے - کیا یہ باطل پر
 یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے
 ہیں ؟ ﴿۶۷﴾ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ
 پر افتراء باز رہتا ہے جھوٹ ، یا جھٹلائے وہ سچی بات کہ
 جب وہ اُس کے پاس آجائے - کیا نہیں ہے جہنم
 ٹھکانا کفر کرنے والوں کا ؟ ﴿۶۸﴾ اور وہ لوگ جنہوں
 نے مجاہدہ کیا ہمارے لیے ، ہم ضرور راہنمائی کریں گے
 ان کی اپنے راستوں کی طرف - اور بیشک اللہ تعالیٰ

البتہ نیچے کرنے والوں کے ساتھ ہے (۶۹)

سورۃ العنکبوت میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر ایمان کے ساتھ ابتلا کا ذکر کیا ہے اور اس پر مثالیں بیان کی ہیں۔ پھر کفر اور شرک کی ترویج کی ہے اور توحید و رسالت کے اثبات کا ذکر کیا ہے اب آخر میں ایک تو اللہ کی نعمت یا دلالی گئی ہے کہ اہل مکہ کو اللہ نے امن جیسی عظیم نعمت عطا کی اور اس کے ساتھ مشرکوں کو وعید بھی سنائی ہے۔ سورۃ کی آخری آیت میں مجاہدے کا مضمون بیان کیا ہے جیسا کہ سورۃ کی ابتدا میں وَمَتَّ جَاهِدًا فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ میں کیا گیا تھا۔ مجاہدہ بھی آزمائش ہی کی ایک صورت ہے۔

ربط آیت

قریش مکہ
پر احسان

نزدول قرآن کے زمانے میں مسز زمین عرب میں سال بھر میں آٹھ ماہ سخت بلہمی کے ہوتے تھے۔ اس دوران قافلوں پر حملے ہوتے، لوٹ مار ہوتی، قتل و غارت کا بازار گرم ہوتا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان آٹھ ماہ میں سارے راستے پر خطر ہوتے تھے، کوئی قافلہ بھلا طت سفر نہیں کر سکتا تھا جس کی وجہ سے کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتا تھا۔ البتہ سال کے باقی چار مہینے حرمت والے جینے کہلاتے تھے جن میں ہتھیار بھینک دیے جاتے تھے، کوئی کسی سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ تجارتی قافلے دھڑک اپنا سفر جاری رکھتے تھے، گویا اس دوران میں ہر قسم کا سفر پر امن ہوتا تھا۔ البتہ قریش مکہ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ بیت اللہ شریف کی تزیینت کی وجہ سے ان کے لیے سارا سال پر امن ہوتا تھا۔ ان کے تجارتی اور دیگر قافلے بلاروٹوں کے جہاں چلہتے سفر کرتے اور ان کے راستے میں کوئی مزاحم نہیں ہوتا تھا۔ یہی وہ احسان ہے جو اللہ نے سورۃ القریش میں بھی بیان کیا ہے کہ ان کے تجارتی قافلے موسم گرما میں شام کی طرف جاتے تھے اور موسم سرما میں مین کارن کمرتے تھے مگر ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی تھی، لوگ ان کا ادب احترام کرتے تھے۔ اس معتم پر بھی اسی احسان کا تذکرہ فرمایا ہے اَوْ كَمْ يَبْرُوا اَنَا جَعَلْنَا حَرَمًا اَمِنًا کیا قریش مکہ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم پاک کو امن کا خط بنا دیا ہے اور اسی وجہ سے

حرم کے متولی قریش بھی مامون ہو گئے ہیں۔ دوسرے لوگوں کے برخلاف انہیں مکمل امن و امان حاصل ہے اور یہ جہاں چاہیں بلا روک ٹوک جا سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ حرم کو پُر امن خطہ کسی لائٹ منٹ یا عنزی نے تو نہیں بنایا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے تخلیقِ ارضی کے زمانے سے ہی اسے امن والا خطہ بنا دیا تھا۔ اسی علاقے میں جنگِ جدل ممنوع قرار دی گئی اور ہر گناہ کے لیے دوہری سزا مقرر کی گئی جس کی وجہ سے قریش کو مکمل طور پر امن حاصل ہو گیا۔

حرم پاک کے علاوہ باقی عرب کی حالت یہ تھی وَيُخَظِّطُ النَّاسَ مِنْ حَوْلِهِمْ کہ قریش کے ارد گرد کے علاقوں سے لوگ اُچک لیے جاتے تھے۔ وہاں کسی کی جان، مال اور عزت محفوظ نہ تھی، ہمیشہ فتنہ و فساد کا بازار گرم رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کو یہی احسان یاد دلایا اور فرمایا کہ بیت اللہ شریف کے پروردگار کی عبادت کرو الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ (قریش - ۴) جس نے انہیں بھوک میں روزی اور خوف میں امن عطا فرمایا۔ یہ محض اللہ کے گھر کی برکت تھی کہ لوگوں کے دلوں میں متولیانِ کعبہ کی عزت و احترام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تعمیرِ کعبہ کے وقت اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کی تھی۔ فَجَعَلَ أَقْبَدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَرَزَقَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ لَعَنَهُمُ كَيْتُومًا (ابراہیم - ۳۷) اے مولا کیم! لوگوں کے دلوں کو بیت اللہ شریف کی طرف مائل کرنے اور یہاں کے رہنے والوں کو پھیلوں کی روزی عطا فرمائے تاکہ یہ تیرا شکر یہ ادا کریں۔ الغرض! اللہ نے قریش کو امن و امان اور روزی رسانی کا احسان یاد دلا کر فرمایا کہ اس احسان کے بدلے میں ان کو چاہیے تھا کہ وہ شکر نہ کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو تسلیم کرتے۔ اس کے برخلاف ان لوگوں نے اللہ کی اس نعمت کی قدر نہ کی اور اہل ایمان کو ایذا رسانی پر تیل گئے۔ قریش کے اس قبیح عقیدہ و کردار کی بنا پر اللہ نے فرمایا أَفَبَلَا بَاطِلٍ يُؤْمِنُونَ کیا یہ لوگ باطل پر یقین رکھتے ہیں؟ وَيَنْفَعُهُمُ اللَّهُ يَكْفُرُونَ اور اللہ تعالیٰ

کی عطا کردہ نعمت کی نافرمانی کرتے ہیں؟ قریش مکہ کا تو خاص طور پر فرض تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کرتے اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کرتے مگر پیغمبر آخر الزماں کو تکالیف پہنچانے میں یہی لوگ پیش پیش تھے جو ان کی بد بختی کی علامت ہے۔

فَرَمَا يَوْمَ مَن أٰطَاعَ مِنِّي فَاَتَىٰ عَلَيَّ كَذِبًا اُس سے
 بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ جو شخص خدا کا شریک ٹھہراتا ہے، وہ اس پر افتراء باندھتا ہے کیونکہ وہ تو وحدہ لا شریک ہے۔ خدا کا شریک بنانے کا مطلب یہ ہے اَمْرًا تَسْبُوْنَهُ لِمَا لَا يَعْكُمْ فِي الْاَرْضِ (الرعد - ۳۳) گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دے رہے ہو جس کو وہ زمین میں نہیں جانتا۔ اس قسم کا خیال بذات خود کفر کی بات ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا۔ جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ فرمایا ظالم کی ایک علامت تو یہ ہے کہ وہ خدا پر جھوٹ باندھتا ہے اور دوسری یہ اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ كَمَا جَاءُوْهُ بِاِحْبَابٍ كُوْنِي حَقِّ بَات اُس کے پاس آجائے تو وہ اُس کو جھٹلا دیتا ہے یہ بھی اُس کے بڑا ظالم پہنچانے کی نشانی ہے۔ جب خدا کا پیغمبر اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتا ہے وحی الہی کی بات کرتا ہے تو یہ شخص اُس کی تکذیب کرتا ہے۔ لہذا یہ سب سے بڑا ظالم ہے۔ کوئی سلیم الفطرت اللہ اور اس کے رسول کی بات کو جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ فرمایا جو شخص سچی بات کو جھٹلاتا ہے اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَشْوٰى لِّلْكَافِرِيْنَ کیا ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟ لَيْتِيْٓ اَلَيْسَ لُوْكَ جَنَّمَ كَاثِمًا رَّبِّيْنَ گئے۔

مجاہد بھی آزمائش ہی کی ایک صورت ہے۔ اس لیے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدہ کرنے والوں کو تسلی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فَيَسَّوْا لِنَفْسِهِمْ يَتَّخِذُوْنَ اَسْمًا مِّنْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ سُبْحٰنًا اور وہ لوگ جنہوں نے ہمارے لیے مجاہدہ کیا ہم ضرور ان کی اپنے راستوں کی طرف راہنمائی کریں گے۔ مجاہدہ جہاد کے دائرہ سے ہے جس کا معنی اپنی پوری ظاہری اور باطنی قوت کو دشمن کے مقابلے میں

سے
 بڑا ظالم

مجاہدہ کی
 مختلف
 صورتیں

صرف کرنا ہے۔ جہاد کی ایک صورت جہاد بالیمن ہے یعنی تلوار کے ساتھ میدان جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرنا۔ جنگ عام حالات میں تو فرض کفایہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ اس میں ہمہ وقت شریک ہوتے ہیں اور ملکی سرحدوں کا دفاع کرتے ہیں جب کہ باقی لوگ اپنے گھروں میں رہ کر باقی امور زندگی از قسم کاروبار، محنت مزدوری، ٹھیکتی باری اور ملازمت وغیرہ انجام دیتے ہیں۔ البتہ جب دشمن کے خلاف بالفعل جنگ شروع ہو جائے تو پھر یہ ہر مسلمان پر فرض عین ہو جاتی ہے اور ہر شخص کسی نہ کسی صورت میں ایسی جنگ میں شریک ہو جاتا ہے۔

مجاہدے کی ایک صورت حصولِ علم بھی ہے کہ یہ بھی محنت و مشقت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ یعنی علم سیکھنے سے آتا ہے۔ عام لوگوں کا تو یہی دستور ہے، البتہ انبیاء و علیہم السلام کو وحی کے ذریعے علم سکھایا جاتا ہے۔ علم حاصل کرنے کے بعد اُسے دوسروں تک پہنچانا یعنی تبلیغ دین کا کام انجام دینا بھی بہت بڑا مجاہدہ ہے۔ یہ بھی عام حالات میں فرض کفایہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ تبلیغ دین کا کام کرتے ہیں۔ جب کہ دوسرے لوگ معمول کے کاروبار میں مصروف ہوتے ہیں۔ البتہ اگر حالات ایسے پیدا ہو جائیں کہ کسی بستی، علاقے یا خطے میں دین پہنچانے والا کوئی نہ ہو، تو جس شخص کو اس بات کا علم ہو جائے کہ فلاں جگہ پر دین حق کی تشنگی پائی جاتی ہے تو اُس پر فرض عین ہو جاتا ہے کہ وہ دین کا پیغام وہاں تک پہنچائے ورنہ گنہگار ہوگا۔

قلم بھی جہاد کا ایک ذریعہ ہے۔ ہزاروں اور لاکھوں مصنفین نے دین اسلام کی تائید و تشریح میں لاکھوں کتابیں لکھی ہیں۔ قرآن پاک اور سنت رسول کی تشریح و توضیح کی ہے جو کہ بہت بڑا مجاہدہ ہے۔ اگر کوئی شخص نیت صادقہ کے ساتھ دین اسلام کے دفاع میں ایک مضمون شائع کرنا ہے تو گویا جہاد میں شریک ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف محض تفریح طبع کے لیے جھوٹے سچے مضامین لکھنا بے سود ہیں۔ آج کل صحافی حقیقی خبر کی بجائے بناوٹی خبریں شائع کرتے ہیں۔ اس زمانے میں خبر بنائی جاتی ہے۔ دنیا بھر میں

ذرائع ابلاغ پر سیودیوں کی اجارہ داری ہے اور وہ اپنی مرضی کی خبریں بنتے ہیں اور پھر انہیں اپنے مفاد کے لیے دنیا بھر میں شائع کرتے ہیں۔ ایسی خبروں کا کچھ اعتبار نہیں اگر نیت صحیح ہو اور حقیقت کو واضح کرنا مقصود ہو تو سعادت کا پیشہ بھی جبار کا حصہ بن سکتا ہے۔ اور یہ قلم کا جبار تصور ہوگا۔ سورۃ العلق میں ہے **الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ** اللہ کی ذات وہ ہے جس نے انسان کو قلم کے ذریعے علم سکھایا۔

آج کل کی بناڈی خبروں کی طرح انٹرنیٹ کا جاری کردہ قانون شہادت بھی بنا ڈی ہے۔ اللہ کا فرمان تو یہ ہے **وَاقِمُْوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ** یعنی اللہ کی رضا کے لیے چشم دید گواہی ٹھیک ٹھیک دو، مگر موجودہ قانون شہادت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے گواہی بنا بی ٹپتی ہے۔ عدالت میں پیش ہونے سے پہلے وکیل اور پولیس والے گواہ کو پٹھاتے ہیں کہ اس طرح گواہی دینا اور یوں نہ کہنا ورنہ کیس خراب ہو جائے گا۔

البرادیر اور سنا احمد میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے **جَاهِدُوا الْكُفَّارَ وَالْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَالنِّسْبِ كُمْ وَأَنْفُسِكُمْ** یعنی کافروں اور مشرکوں کے ساتھ اپنے مالوں، زبانوں اور جانوں سے جہاد کرو۔ زبان کے ذریعے تقریر کرنا ہے، غیر اقوام کے شوک و شبہات دور کرنا ہے، اسلام کی تشریح و توضیح کرنا ہے تو یہ جہاد باللسان ہے، اور کوئی شخص مال رکھتا ہے مگر جہانی طور پر کمزور ہے یا تقریر و بیان پر بلکہ نہیں رکھتا تو وہ مال کے ذریعے جہاد میں شریک ہو سکتا ہے اور جو شخص نوجوان اور صحت مند ہے وہ براہ راست میدان جنگ میں تلوار کے ساتھ جہاد کرے گا۔ غرضیکہ جہاد ہر مسلمان پر کبھی فرض کفایہ ہوتا ہے اور کبھی فرض عین۔ وہ اپنی حیثیت کے مطابق اس میں حصہ لینے کا پابند ہے اللہ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے ہمارے لیے مجاہدہ کیا۔ ہم ضرور ان کی اپنے استخوان کی طرف راہنمائی کریں گے، یعنی ان کے لیے راستے واضح کر دیں گے، یہاں پر **مُجْتَمَعًا** جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح مجاہد مختلف قسم کے ہیں۔ اسی طرح ہمارے راتے بھی مختلف قسم کے ہیں جن مجاہدوں میں خلوص نیت کا فرما ہوگا اس کیلئے راستے بھی واضح ہو جائیگا جس پر چل کر انسان منزل مقصود تک

پہنچ جائے گا۔

چار اعدائے
دین

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اعدائے دین چار ہیں جن میں سے دو ظاہری اور دو باطنی ہیں جن کے ساتھ مجاہدہ کرنا ضروری ہے۔ ظاہری دشمنوں میں کافر اور منافق ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے جَاهِدِ الْكُفْرَانَ وَالْمُنَافِقِينَ (التوبہ - ۷۳) یعنی کافروں اور منافقوں کے خلاف جہاد کرو۔ کافروں کے ساتھ جہاد تو رملواری کے ذریعے ہوتا ہے جبکہ منافقوں کے ساتھ زبان سے جہاد کرنا پڑتا ہے تاکہ ان کے نفاق کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر کے ان کو ذلیل و رسوا کیا جاسکے۔ اور لوگ ان کے نفاق سے بچ سکیں۔

باطنی دشمنوں میں ایک شیطان ہے جو نظر نہیں آتا اور یُسُوْسُ رِیْضِ صُدُوْسِ النَّاسِ (الناس - ۵) لوگوں کے دلوں میں دوسوہ اندازی کر کے انہیں بڑائی پر آمادہ کرتا ہے۔ لوگوں کے بڑے اعمال کو مزین کر کے دکھاتا ہے تاکہ لوگ اسی بڑائی میں پھنسے رہیں اور راہ راست کی طرف نہ آسکیں۔ اس کے بعد دوسرا باطنی دشمن خود انسان کا نفسِ امارہ ہے جو انسان کو بڑائی کی طرف لے جاتا ہے۔ ان سب اعداء کے خلاف جہاد کرنا بھی جہاد ہی کا حصہ ہے۔ کوئی شخص جس بھی صورت میں مجاہدہ کرے، جیسا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے رستے واضح کرتا چلا جائے گا اور اس کا صحیح نتیجہ سامنے آئے گا۔

نیچے کاروں
کے لیے
سعیت
الہی

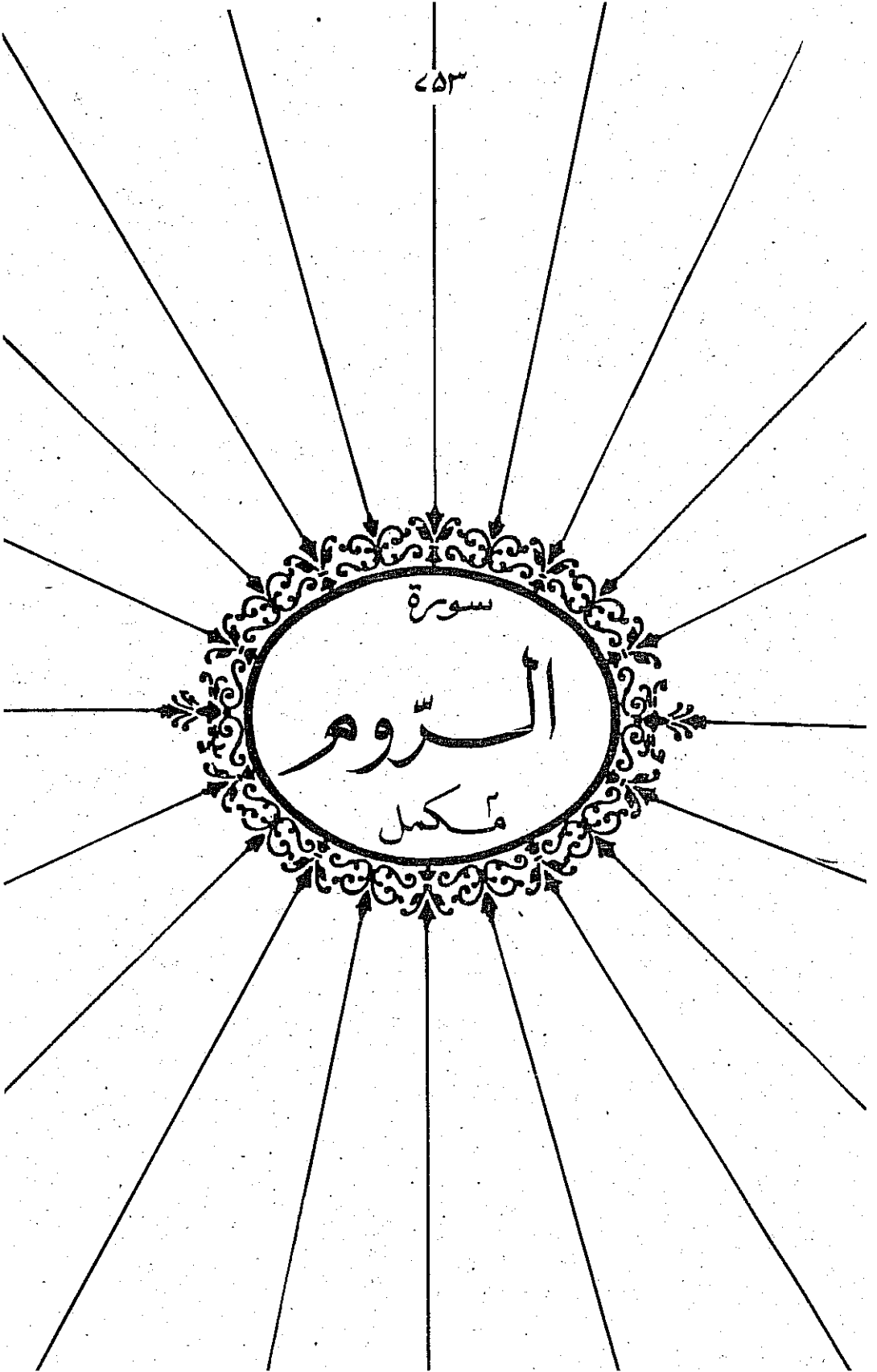
فرمایا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ اللہ تعالیٰ البتہ نیچے کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ جو شخص نیچے کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور نصرت اس کے شامل حال ہوتی ہے۔ البتہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ انسان واقعی نیچے کی طرف راغب ہو۔ ایسا نہ ہو کہ غلط کام کر رہا ہو، مگر سمجھتا ہے کہ وہ نیچے کا کام کر رہا ہے۔ تمام اہل بدعت کا یہی حال ہے کہ وہ رواج تو بدعت کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بہت بڑی نیچے کا کام کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو خدا تعالیٰ کی نائید و حمایت حاصل نہیں ہو سکتی۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور

مخلوق خدا کی بے لوث خدمت کرتا ہے اور ہی نیکی انجام دینے والا ہے۔ اور
اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

سورة

البروم

مكمل



انلہ ما آجی ۲۱

الرؤم ۳۰

درس اول ۱

آیت ۱ تا ۷

سُوْرَةُ الرَّوْمِ مِنْ مَكِّيَّةٍ وَهِيَ سِتُّونَ آيَاتٍ وَسِتُّ كُوْعَاتٍ
سورة روم مکی ہے۔ اس کی ساٹھ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

الَّذِينَ غَلِبَتِ الرَّوْمُ ۖ فِيْ اَدْنٰى الْاَرْضِ
وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلِبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۗ
فِيْ بَضْعِ سِنِيْنَ ۗ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ
وَمِنْ بَعْدُ ۗ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۗ
بِنَصْرِ اللّٰهِ ۗ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ
الرَّحِيْمُ ۗ وَعَدَ اللّٰهُ ۗ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۗ
يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۗ

ترجمہ: اللہ ① مغلوب ہو گئے رومی ② قریب کی سرزمین میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آئیں گے ③ چند سالوں میں - اللہ کے اختیار میں ہے معاملہ پہلے بھی اور بعد میں بھی - اور اس دن خوش ہوں گے ایمان والے ④ اللہ کی مدد سے - وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہے اور وہ زبردست اور رحم کرنے والا ہے ⑤ یہ اللہ کا وعدہ ہے - اللہ نہیں خلاف کرتا اپنے وعدے کا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ⑥ جانتے ہیں وہ ظاہری دنیا کی زندگی کو، اور وہ آخرت سے غافل ہیں ⑦

نام اور
کوالف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الروم ہے جو اس کی دوسری آیت میں آمدہ لفظ "روم" سے اخذ کیا گیا ہے۔ مفسرین کے مطابق یہ سورۃ مکی زندگی میں سورۃ الشقاق کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورۃ مبارکہ کی ساٹھ آیات ہیں اور یہ چھ رکوع پر مشتمل ہے۔ اس میں ۸۱۹ الفاظ اور ۲۵۳ حروف ہیں یہ سورۃ طولت کے لحاظ سے درمیانی سورتوں میں شمار ہوتی ہے۔

رومی
سلطنت

روم ایک سلطنت کا نام تھا جسے نزولِ قرآن کے زمانہ میں رومۃ الکبریٰ بھی کہتے تھے، بالکل اسی طرح جس طرح کچھ عرصہ پہلے تک برطانیہ کو برطانیہ عظمیٰ کہا جاتا تھا۔ اس سلطنت کا اصل مرکز GREAT BRITAIN تھا۔ تو اٹلی میں تھا مگر بعد میں اس کا ایک حصہ الگ ہو کر "جدید روم" کہلایا جس کا دار الخلافہ استنبول (قسطنطنیہ) تھا اور اس کے ماتحت تمام فلسطین اور ایشیائے کوچک کے دو بڑے علاقے تھے۔ اس سلطنت کا بادشاہ ہرقل عیسائی مذہب رکھتا تھا جسے حضور علیہ السلام نے مکہ میں دعوت نامہ اسلام بھیجا تھا۔ بعد کے دور میں لفظ روم عیسائیوں کے لیے مخصوص ہو گیا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے

والرؤم ذوات القرون اذا هلك قرن خلفه قرن آخر
 رومی یعنی عیسائی لوگ قرناً بعد قرن دنیا میں موجود رہیں گے، جب ایک گروہ ختم ہو جائے
 گا تو دوسرا آجائے گا۔ یہاں تک کہ حضرت علی علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ چنانچہ یہ لوگ
 آج تک دنیا میں بڑی بڑی سلطنتوں کے مالک چلے آئے ہیں مسیح علیہ السلام کے نزول
 کے بعد ساری زمین غیر مذہب سے پاک ہو جائے گی۔ اور دنیا میں صرف اسلام
 ہی باقی رہ جائے گا۔

نزول قرآن کے زمانہ میں دنیا پر دو بڑی زبردست سلطنتیں تسلیم کی جاتی تھیں۔
 ایک ایرانیوں کی حکومت کسری جس کے زیرِ نگیں تقریباً آدھی دنیا بشمول ہندوستان
 کی مختلف ریاستیں، چین، روس وغیرہ تھی۔ اگر کوئی علاقائی بادشاہ بھی تھا تو وہ بھی
 کسری کا باج گزار تھا۔ دوسری آدھی دنیا قیصر روم کے ماتحت تھی۔ اس میں یورپ،
 افریقہ، مصر وغیرہ شامل تھے اس زمانے میں قیصر اور کسری کی حیثیت دنیا میں اسی
 طرح تسلیم کی جاتی تھی جس طرح آج کے زمانے میں امریکہ اور روس دو بڑی سلطنتیں
 ہیں اور دنیا کے بیشتر ممالک، سیاسی، اقتصادی یا معاشرتی لحاظ سے کسی نہ کسی طرح
 ان دو کے دستِ نگر ہیں۔ بہر حال اُس زمانے میں رومی عیسائی تھے۔ جب کہ
 ایرانی مجوسی تھے۔

دو عظیم
 حکومتیں

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی معرکہ الآرا کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں
 لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ ان دونوں بڑی سلطنتوں کو ختم کر دیا جائے۔
 چنانچہ اُس نے عرب کے خطے میں اپنے نبی امی کو مبعوث فرمایا جو نہ رومیوں کے ساتھ
 ملتے تھے اور نہ ایرانیوں کے ساتھ۔ اللہ نے آپ کی ذات کے ذریعے ان دو بڑی
 حکومتوں کو مٹا دیا جنہوں نے دنیا پر مظالم ڈھائے تھے۔ یہ عظیم سلطنتیں حضور علیہ السلام
 کے صحابہؓ کے ہاتھوں اپنے اختتام کو پہنچیں۔ چنانچہ جنگ یرموک میں عیسائیوں کی کمر
 ٹوٹ گئی اور فارس کی جنگ میں ایرانی مجوسیوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔
 یہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ہوا۔

سلطنت روم
سے تعلق
پیشین گوئی

حصہ علیہ السلام کی نبوت کو چھ سال گزر چکے تھے، جب یہ سورۃ مبارکہ نازل ہوئی یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سورۃ ہجرت مدینہ سے چھ سال قبل نازل ہوئی۔ مسلمانوں کی ایک جماعت کفار کے مظالم سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کر چکی تھی۔ اسی زمانے میں رومی اور ایرانی آپس میں برسہا برس پیکار تھے، مختلف مقامات پر جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ رومی عیسائی آپس میں یعقوبی، نستوری وغیرہ کئی فرقوں میں تقسیم ہو کر لڑتے جھگڑتے رہتے تھے عیسائیوں کے اندرونی خلفشار سے مجوسیوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور انہوں نے یکبارگی حملہ کر کے رومیوں کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ایرانیوں نے قسطنطنیہ پر حملہ کر کے وہاں کے عیسائیوں کو بھی مجبوس ہونے پر مجبور کر دیا۔ ان حالات میں یہ سورۃ الریم نازل ہوئی جس میں واضح کیا گیا کہ رومی مغلوب ہو چکے ہیں مگر ساتھ یہ پیشین گوئی بھی کر دی کہ چند ہی سالوں میں یہ دوبارہ غالب آجائیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ پیشین گوئی نو سال کے عرصہ میں پوری کر دی۔

پیشین گوئی
پر شرط

اس زمانے میں مکے کے مشرکوں کو ایرانی مجوسیوں کے ساتھ دلی جھڑپی تھی۔ کیونکہ دونوں فرقے مشترک تھے، ادھر مسلمانوں کو بالطبع روم کے عیسائیوں کے ساتھ زیادہ مناسبت تھی کہ وہ بھی اہل کتاب تھے اور مسلمانوں کا تمام انبیاء پر ایمان تھا۔ جب رومی مغلوب ہو گئے تو مسلمانوں کو ذہنی طور پر تکلیف پہنچی کیونکہ وہ ایک حد تک ان کے ہمدرد تھے۔ دوسری طرف مکے کے مشرک خوشیاں مناتے تھے کہ ان کی پارٹی غالب آئی تھی اور اسی ضمن میں وہ مسلمانوں کا مسخر اڑاتے اور دل آزاری کرتے کہ دیکھو جس طرح رومی عیسائی مغلوب ہو گئے ہیں اسی طرح تم بھی مغلوب ہی رہو گے اور تمہارے بخلے کی حسرت کبھی پوری نہیں ہوگی۔

اسی دوران میں جب اس سورۃ کے ذریعے پیشین گوئی کی گئی کہ رومی سخت قریب دوبارہ غالب آجائیں گے تو مشرک منسی اڑاتے تھے کہ دیکھو مسلمان کیسی فضول امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ اس ضمن میں مسلمانوں اور مشرکوں کا بحث مباحثہ بھی ہوتا رہتا۔ چنانچہ ایسے ہی ایک موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ابی بن خلف مشرک

کے درمیان جب بحث نے طویل پکڑا تو دونوں کے درمیان ایک شرط طے پاگئی کہ اگر رومی چار پانچ سال کے اندر اندر دوبارہ غالب آگئے تو ابی بن خلف دس اونٹ حضرت ابو بکر صدیق کو دیکھا اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو پھر حضرت صدیق اکبر سے فریق کو دس اونٹ دیں گے۔ جب اس شرط کا تذکرہ حضور علیہ السلام کے سامنے کیا گیا۔ تو آپ نے صدیق اکبر سے فرمایا کہ بضع کا اطلاق تین سے تو تک کی گنتی پر ہوتا ہے اور اللہ کا فرمان بضع تین سے مراد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ نو سال کے عرصہ میں عیسائی اپنا کھویا ہوا قار دوبارہ حاصل کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کی طرف سے چار پانچ سال کی مدت کا تعین درست نہیں، اسے نو سال تک بڑھانا چاہئے تھا تاکہ اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے۔ حضرت صدیق نے اس ضمن میں ابی بن خلف سے دوبارہ بات کی اور شرط میں اس حد تک ترمیم کر دی گئی کہ تکمیل پیشین گوئی کی مدت نو سال ہوگی اور شرط کی مقدار دس اونٹ کی بجائے سو اونٹ ہوگی۔

پیشین گوئی
کی تکمیل

اس شرط کے تقرر کے چند سال بعد ۶۲۲ء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، اور ادھر قبضہ روم قسطنطنیہ کے ایرانی محاصرے سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہر قیل پیلے درپے لشکروں سے سخت بائوس ہو کر افریقہ کی طرف بھاگ جانا چاہتا تھا کہ دفعتاً اسے ایک تدبیر سوچھی ہرقتل جاننا تھا کہ ایرانیوں کی بحری طاقت کمزور ہے۔ اس نے اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایران کی پشت سے بحری بیڑے کے ذریعے حملے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ اس نے اچانک حملہ کر کے ایرانیوں کے قدم اکھاڑ دیے پھر دو سال آذربائیجان میں گھس کر ایرانیوں کے رقبے بڑے آتش کرہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اس طرح رومی ایرانیوں پر دوبارہ غالب آگئے اسی زمانے میں یعنی ۳۰ھ میں مسلمانوں کو میدان بدر میں کفار کے خلاف عظیم فتح حاصل ہوئی، اور اس طرح قرآن پاک کی دونوں پیشین گوئیاں پوری ہو گئیں۔ ادھر عیسائیوں کو فتح نصیب ہوئی تو ادھر مسلمان کفار پر غالب آگئے۔ اس سورۃ مبارکہ کی ابتدائی آیات کا یہ پس منظر ہے۔

گذشتہ سورۃ العنکبوت میں ایمان کے ساتھ ابتدا کا ذکر تھا۔ نیز اُس میں بنیادی عقاید توحید، رسالت، قیامت اور مشرکین کے رد کا بیان تھا۔ اس سورۃ مبارکہ میں بھی بنیادی عقائد ہی کا ذکر ہے۔ یہاں پر توحید کے عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ نبوت و رسالت پر اعتراضات کے جوابات ہیں۔ محاسبے اور جزائے عمل کا ذکر ہے۔ پچھلی سورۃ میں ابتداء کا ذکر تھا اس سورۃ میں سمائلوں کے لیے بشارت ہے کہ ثابت قدمی کی صورت میں اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب کرے گا۔ اس کے علاوہ اس سورۃ میں بہت سے حقوق کا ذکر بھی ہے۔

اس سورۃ کی ابتدا حروف مقطعات **اَلْحَمْدُ** ① سے کی گئی ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ان حروف سے اللہ تعالیٰ کے بعض اسمائے پاک کی طرف اشارہ ہے جیسے **اَللّٰہُ**، **اَلْاَدِیْعٰی** یعنی خدا کی نعمتیں یا اُس کا اسم لطیف یا لطف ہے جس کا معنی مہربانی اور شفقت ہوتا ہے۔ اور **اَمّ** سے مراد علیم ہے تو اس طرح ان حروف کا معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے حق میں نہایت ہی مہربان ہے جن کا انجام اچھا ہو گا۔

بعض فرماتے ہیں کہ **اَمّ** سے مراد الوہیت ہے جب کہ **اَل** سے مراد اللہ کی **اَلْاَدِیْعٰی** نعمتیں ہیں، اور **اَمّ** سے مراد ملک یا بادشاہی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ الوہیت بھی خدا تعالیٰ کی ہے اور انعامات اور بادشاہی بھی اسی کے فیضان سے ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ **اَل** سے اللہ، **اَل** سے جبریل علیہ السلام اور **اَمّ** سے محمد مراد ہیں۔ یہ قرآن حکیم کی حقانیت و صداقت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ آخری کتاب جبریل علیہ السلام کے توسط سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے کشفی طور پر بتلایا ہے کہ **اَل** سے عالم مجرد کا وہ غیب مراد ہے جو اس مادی جہان میں آکر متعین ہوا ہے اور لوگوں کے بُرے اعمال و اخلاق کے ساتھ ٹکراتا رہتا ہے۔ اس کے ذریعے

لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے۔ اور اس سے انبیاء علیہم السلام کے مقامات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ درغیب مجرہ کی طرف اشارہ ہے جب کہ ل تعین پر دلالت کرتا ہے اور تم سے مراد مادہ (MATTER) ہے مقصد یہ ہے کہ عالم غریب سے جو قانون، تشریح یا تحقیق آ کر متعین ہوتی ہے وہ لوگوں کے عادات، علوم اور سنگدلی کے ساتھ ٹکراتی رہتی ہے گویا اس کا تصادم برے اعمال و اخلاق اور فاسد ارادوں سے ہوتا رہتا ہے۔ تو اس سورۃ مبارکہ میں انہی چیزوں کا ذکر ہو گا۔ گویا آلف سورۃ کی سرخی (HEADING) ہے اور اس کی تفصیلات سورۃ میں موجود ہیں۔

تاہم امام جلال الدین سیوطی اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ بیان کردہ معانی و مطالب میں سے کوئی بھی یقینی معنی نہیں ہے۔ مفسرین کرام یہ معانی محض تقریب فہم کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے اذہان کو قرآن کریم کے قریب لایا جاسکے، البتہ زیادہ سلاستی والا راستہ یہ ہے کہ ان حروف کے بارے میں یہی نظریہ قائم کیا جائے کہ اللہ اعلم بمرادہ بذلك ان حروف سے جو بھی مراد ہے اللہ تعالیٰ ہی اس کو بہتر جانتا ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے کہ جو بھی اللہ کی مراد ہے وہ برحق ہے ہمیں اس کی کمر دینیں کرنی چاہیے کیونکہ ایسا کرنے سے گمراہی میں پڑنے کا احتمال ہے۔

ارشاد ہوتا ہے غَلَبَتِ الرُّومُ رومی عیسائی مغلوب ہو گئے فِی اَذْنٰی الْأَرْضِ قریب کی سرزمین میں۔ اس سے سرزمین عرب مراد ہے کہ شام و فلسطین اور ایشیائے کوچک وغیرہ کے علاقے عرب سے قریب تھے۔ جہاں پر عیسائی مغلوب اور مجوسی غالب آ گئے تھے۔ لیکن ساتھ ہی اللہ نے یہ پیشین گوئی بھی فرمادی وَ هُمْ مِّنْ اٰیۡدِیْ غَلِبَتِمْ سِیَعِلْبُوْنَ اور یہ رومی مغلوب ہونے کے بعد عنقریب پھر غالب آجائیں گے۔ فِی بَضْعِ سِتِّیْنَ اور ان کو دوبارہ غلبہ چند سالوں میں حاصل ہو جائے گا۔ بضع کا اطلاق تین سے نو

رومیوں کا
روال پورج

ہم کے اعداد پر ہوتا ہے مطلب یہ کہ نورمال کے اندر انہی رومی اپنا وقار دوبارہ حاصل کر لیجئے۔
اَوْصِرْ لِلّٰهِ تَعَالٰی نِعْمَ اٰیٰتِ الْکَرِیْمِ اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی بشارت سنائی لِلّٰهِ اَلْاَمْرُ حَسْبُ قَبْلُ
وَمَنْ اَبْعَدُ اللّٰهِ تَعَالٰی ہی کے لحاظ میں سارا معاملہ ہے چلے بھی اور بعد بھی۔ مختار
 مطلق وہی ہے، ہر چیز پر تصرف اسی کا ہے۔ ان دنیاوی بارشاہوں کو تو عروج و زوال
 ہونا رہتا ہے مگر اللہ کی ذات ہی ہے جس کو کبھی زوال نہیں اور دنیا کی تمام اونچ
 نیچ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے جب اسی مشیت ہوتی ہے تو کسی قوم کو عروج
 حاصل ہو جاتا ہے اور جب وہ چاہتا ہے تو وہی قوم قعرِ مذلت میں جا گرتی ہے۔
 فرمایا رومی چند سالوں میں دوبارہ غالب آجائیں گے وَاِیُّوْا عِبَادَ اللّٰهِ یُفْضَحُ الْمَوْتُوْمُوْنَ
 اور اُس دن اہل ایمان بھی خوش ہو جائیں گے۔ کس طرح؟ بِنَصْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی
 کی مدد سے۔ اللہ کی یہ مدد مسلمانوں کو میدانِ بدر میں مشرکینِ مکہ کے خلاف حاصل ہوئی۔
 اوصہر رومی ایرانیوں پر غالب آئے اور اوصہر مسلمانوں نے کافروں کو شکست فاش دے
 دی اور اس طرح یہ دونوں پیشین گوئیاں پوری ہو گئیں یعنی رومی بھی غالب آگئے اور
 اہل ایمان بھی خوش ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ جب رومیوں کو ایرانیوں کے خلاف فتح حاصل
 ہوئی تو اُس وقت شاہ ہرقل محض میں تھا۔ اس نے نذر مان رکھی تھی کہ شام و فلسطین پر
 دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کی صورت میں وہ پیدل چل کر بیت المقدس کی زیارت
 کریگا۔ چنانچہ اس نے اپنی یہ ہمت پوری کی۔

فَرَمٰی بِنَصْرِ مَنْ یَّشَآءُ اللّٰهُ تَعَالٰی جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔
وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ وہ کمال قدرت کا مالک
 اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ
 اپنے بندوں کی مدد فرماتا ہے لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعَدَ اللّٰهُ تَعَالٰی اپنے وعدے
 کا خلاف نہیں کرتا، بلکہ اُسے پورا کرتا ہے۔ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا
یَعْلَمُوْنَ مگر اکثر لوگ اس بات کو سمجھتے نہیں۔ دیکھ لیں اللہ تعالیٰ نے اس
 پیشین گوئی کو کس طرح حروفِ بجز پورا کیا۔ اس سے قرآن حکیم اور پیغمبرِ اسلام

کی صداقت بھی واضح ہوتی ہے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ عام لوگوں کی حالت یہ ہے يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کہ وہ دنیا کے ظاہری نشیب و فراز کو تو خوب جانتے ہیں۔ لوگ معاشیات، سیاسیات، سائنس، ٹیکنالوجی، صنعت و حرفت وغیرہ سے تو خوب واقف ہیں اور ان معاملات سے متعلق بڑے بڑے دعوے بھی کرتے ہیں۔ پرانی اقوام عباد اور شرد وغیرہ کے متعلق بھی اللہ نے فرمایا وَكَأَنَّهُمْ مُّسْتَبْصِرِينَ (العنکبوت - ۳۸) بڑے سوچھ لوجھ والے لوگ تھے۔ دنیا کے اعتبار سے بڑے کامیاب لوگ تھے اور آج بھی ہیں، مگر فرمایا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ یہ لوگ آخرت کی زندگی سے بالکل غافل ہیں۔ انہیں مرنے کے بعد عالم برزخ، عالم حشر اور عالم آخرت کا کچھ علم نہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ لوگ عقل معاش میں تو طاق ہیں مگر عقل معاد سے بالکل خالی ہیں۔ آج بڑے بڑے فلاسفر، سیرٹر اور سائنس دان دنیا میں موجود ہیں جو ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں مگر آخرت کے انجام سے بے خبر ہیں۔ وہ اس دائمی زندگی کے لیے کوئی تیاری نہیں کرتے جس کی وجہ سے سرسرق نقصان میں جا رہے ہیں۔ اس کے برخلاف اہل ایمان دنیاوی لحاظ سے اگر کمزور بھی ہوں مگر ان کا آخرت کے متعلق عقیدہ صحیح ہے اور یہی ان کی دائمی فلاح کا ذریعہ ہے یہ اللہ کے نزدیک یقیناً کامیاب ہوں گے۔ جب کہ کافر، مشرک، ملحد، جلیے جہنم کے کترہ ناتراش بن کر رہیں گے کیونکہ ان کا آخرت پر ایمان نہیں ہے۔

معاش
فکر معاش

الرّوم ٣٠
آيت ٨ ١٠٣

اتل ما اوحى ٢١
درس روم ٢

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِيْ اَنْفُسِهِمْ مَّا خَلَقَ
 اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا
 بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ
 النَّاسِ يَلْقٰٓءِ رَبِّهِمْ لَكَفِرُوْنَ ⑧
 اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا
 كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
 كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوْا الْاَرْضَ
 وَعَمَرُوْهَا اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ
 رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانِ اللّٰهُ
 لِيُظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسِهِمْ
 يَظْلِمُوْنَ ⑨ ثُمَّ كَانَ عٰقِبَةُ الَّذِيْنَ
 اَسَآءُ وَالسُّوْاى اَنْ كَذَّبُوْا بِآيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا
 بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا اپنے نفسوں میں -
 نہیں پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے
 درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت کے
 لیے۔ اور بیشک لوگوں میں سے بہت سے ایسے ہیں جو
 اپنے رب کی ملاقات سے انکار کرنے والے ہیں (۸) کیا یہ
 لوگ نہیں چلے پھرے زمین میں کہ دیکھتے کیسے ہوا انجام
 ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ وہ ان سے زیادہ
 طاقت والے تھے۔ انہوں نے زمین کو جوتا اور آباد کیا زیادہ
 اُس سے جو انہوں نے آباد کیا ہے۔ اور آئے ان کے
 پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر۔ پس نہیں اللہ تعالیٰ
 کہ ان پر ظلم کرے بلکہ وہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم
 کرتے تھے (۹) پھر جن لوگوں نے برائیاں کیں ان کا
 انجام بُرا ہوا، اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو
 جھٹلایا، اور وہ ان کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے (۱۰)

بطاقت

سورۃ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ
 مغلوب رومی عیسائی چند سالوں میں دوبارہ غالب آجائیں گے۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی
 نو سال کے اندر اندر پوری ہو گئی۔ ادھر عیسائیوں نے اپنے مقدس مقامات مجوسیوں
 سے واگزار کر لیے اور ادھر اللہ نے بدر کے میدان میں مسلمانوں کو کافروں پر فتح
 عطا فرمائی۔ اس پیشین گوئی پر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ابی بن خلف کے درمیان
 ایک ایک سواونٹ کی شرط بھی لگ چکی تھی۔ عیسائیوں کے دوبارہ غلبے پر حضرت
 صدیقؓ کی شرط تو جیت چکے مگر ابی بن خلف میدان بدر میں مارا گیا۔ روایات میں
 آتا ہے کہ حضرت صدیقؓ نے سواونٹ ابی بن خلف کے رشتہ داروں سے وصول
 کیے تھے۔

قمار بازی
کا مسئلہ

جب اس بات کا تذکرہ حضور علیہ السلام کے سامنے ہوا کہ حضرت صدیق ثمال نے شرط لے کر اونٹ وصول کر لیے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ اونٹ تمہارے لیے جائز نہیں ہیں کیونکہ قمار بازی سے جاہل ہونے ہیں۔ لہذا ان کو صدقہ کر دو۔ واضح ہے کہ قمار بازی کی مالوت کا حکم ۲ حصہ میں سورۃ البقرہ میں جنگ بڑے کے بعد نازل ہوا تھا۔ اس سے فقہائے کرام یہ مسئلہ نکالتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس شرط یا جوڑے کا مال موجود ہو تو اس کے لیے اب بھی یہی حکم ہے کہ وہ مال اس کے مالک تک پہنچانے کی کوشش کرے اور اگر مالک فوت ہو چکا ہے تو اس کے وارثوں کو سچایا جائے۔ اور اگر ایسی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو پھر یہ مال صدقہ کر دیا جائے۔ اس صدقہ سے ثواب حاصل کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ ایسے ناجائز مال کے پوچھنے سے بچنا مطلوب ہو۔ اگر ثواب کی نیت سے صدقہ کرے گا۔ تو خطر ہے کہ اس پر کفر لازم آجائے۔ اس صدقہ کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی شخص کے جسم یا کپڑے پر نجاست لگ جائے تو وہ فوراً دھو لینا ہے اور اس دھونے میں ثواب کی نیت نہیں ہوتی بلکہ نجاست سے چھٹکارا حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح ناجائز مال کے صدقہ سے اس سے گلو خلاصی مراد ہوتی ہے۔

بعض حضرات نے اس سے ایک دوسرا مسئلہ بھی نکالا ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ دار الحرب میں کسی صحرانی کافر کے ساتھ اس قسم کے ناجائز معاملات بھی کیے جاسکتے ہیں جس طرح جنگ کے دوران صحرانی کافر سے مالِ غنیمت حاصل کرنا ناجائز ہے اسی طرح اس سے سود بھی لیا جاسکتا ہے یا اس کے کسی دیگر مال پر بھی قبضہ کیا جاسکتا ہے برخلاف اس کے ذی کافر کا مال و جان اور عزت و آبرو اسی طرح محفوظ ہوتی ہے۔ جس طرح کسی مسلمان کی۔ اسی طرح کسی معاہدہ کافر جس کے ساتھ بعض شرائط پر صلح کا معاہدہ ہو چکا ہو، کا مال بھی غصب نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ دوسرے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جب حضرت صدیق نے ابی ابن خلف کے ساتھ شرط لگائی تھی۔ اس وقت قمار بازی کی صورت نہیں آئی تھی، لہذا وہ کسی حد تک جائز تھی، مگر اب جب کہ اس کی صراحت کے ساتھ مانعت آچکی ہے۔ اب کسی صحرانی کافر کے ساتھ بھی ایسا معاملہ کرنا درست نہیں۔ قمار بازی

ہے جو کہ قطعی حرام ہے۔

دفع
قیامت

گذشتہ درس میں کفار و مشرکین کی بے سمجھی کا ذکر بھی ہوا تھا کہ یہ لوگ دنیا کے ظاہری حالات سے تو خوب واقف ہیں مگر آخرت کے معاملہ میں بالکل غافل ہیں جس کی وجہ سے وہ قیامت کا انکار ہی کرتے ہیں۔ وہ لوگ طعن کے طور پر پوچھتے تھے۔

مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الملک - ۲۵) اگر تم وقوع قیامت کے وعدے میں سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ کب پورا ہوگا یعنی قیامت کب برپا ہوگی؟ کہتے تھے تمہارا بعث بعد الموت کا فلسفہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ اِیْذًا مِثْلًا وَاٰتٰی کُتٰبًا وَاَعْظٰمًا اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ (الواقفہ - ۴۷)۔

جب ہم مگر مٹی اور ٹہریاں ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے؟ یہ بھی کہتے

اِذَا كُنَّا عِظٰمًا مَّخْحَرَةً (السنن صحت - ۱۱) جب ہماری ٹہریاں بھربھری ہو جائیں گی یعنی ان میں مادہ حیات باقی نہیں ہے گا تو کیا پھر بھی ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ ایسے ہی لوگوں کا اللہ نے رد فرمایا ہے کہ یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں ورنہ وقوع قیامت اور مجاہدہ اعمال کا اس طرح انکار نہ کرتے۔ ارشاد ہوتا ہے

اَوْ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ کِیۡمَا اتٰنُوْنَ لِنَفْسُوْنَ مِیۡنْ غٰیۡرِ وٰجِہٍ نِّہٰیۡنِۡ کِیۡمَا؟ اِنۡسَانِۡ کِیۡ جَانِ اِسۡمِۡ کِیۡ قَرِیۡبِ تَرِیۡنِۡ چِیۡزِہِۡ اِگۡرِہِۡ اِسۡمِۡ مِیۡنْ غٰیۡرِ کۡرۡلِہِۡ کۡ اَللّٰہِ تَعَالٰی نَہِۡ کِیۡسِیۡ حِکۡمَتِ کِیۡ سَاۡتِہِۡ اِسۡمِۡ کِیۡ جِسۡمِۡ مِیۡنْ جَانِ دٰلِیۡ ہِے جِسۡمِۡ کِیۡ سلسلۂ سانس یعنی ہوا کے ساتھ قائم کیا ہے۔ جب یہ سانس چلتا رہتا ہے، انسان زندہ سلامت رہتا ہے اور جب وہی سانس کا یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے تو انسان کا جسم بھی بیکار ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی یہی ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ جس طرح ہر نفس کے لیے اللہ نے حیات اور موت کا سلسلہ قائم کیا ہے، اسی لیے جمیع عالم کے لیے بھی ایسا ہی نظام قائم کیا ہے۔ جب تک اس کی مشیت ہے یہ نظام چلتا رہے گا، پھر جب اس کا وقت پورا ہو جائے گا تو یہ سارا نظام درہم برہم کر کے اس کی جگہ نیا نظام قائم کیا جائے گا۔ اسی کا نام قیامت ہے اور یہ واقعہ ہو کر ہے گی۔

سورة الزلزال میں بھی اللہ نے انسان کی توجہ اُس کے نفس کی طرف دلائی ہے۔ فرمایا
 وَفِىْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (آیت - ۲۱) تمہارے نفسوں
 میں قدرت کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں، کیا تم ان کو نہیں دیکھتے یعنی ان میں غور و فکر
 نہیں کرتے؟ اگر ذرا بھی غور کرتے تو تمہیں قیامت بعینہ نظر نہ آتی، عقلی اور نقلی ہر طریقہ قبول
 سے ثابت ہوتا ہے کہ وقوع قیامت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اور وہ اگر رہیگی۔

جزائے
 عمل

پھر فرمایا مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا
 بِالْحَقِّ اللّٰهُ تَعَالٰی نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان والی چیزوں کو نہیں پیدا کیا، مگر
 حق کے ساتھ۔ یہاں پر حق سے مراد حکمت ہے، یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی کمال حکمت
 کی شاہکار ہے، اللہ نے کسی چیز کو بیکار محض پیدا نہیں فرمایا بلکہ قیامت کو اس کا
 نتیجہ سامنے آنے والا ہے۔ انسان کو اللہ نے مکلف پیدا کیا ہے اور قیامت والے
 دن اُس کا محاسبہ ہوگا اور پھر جزائے عمل کا فیصلہ ہوگا۔ سورة القیامتہ میں فرمایا
 اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ نُّشْرَكَ سُدًى (آیت - ۳۶) کیا انسان گمان کرتا
 ہے کہ اُسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔ نہیں بلکہ اللہ نے اُسے قانون کا پابند بنایا ہے اُس
 کی زندگی کا ایک خاص مقصد ہے جسکی تکمیل اُسے کرنا ہے۔ لہذا اگر انسان اپنے آپ
 میں ہی غور کھمے تو اُسے قیامت اور جزائے عمل کا مسئلہ سمجھ میں آسکتا ہے۔

فرمایا ایک بات تو یہ ہے کہ اللہ نے ہر چیز کو اپنی خاص حکمت اور مصلحت کے
 تحت پیدا کیا ہے اور دوسری بات یہ ہے وَ اَجَلٌ مُّسْتَقَرٌّ یَوْمَ نُنزِلُ السَّمَاءَ سَاقِطًا
 مقررہ وقت تک کے لیے ہے۔ سورة الطلاق میں فرمایا قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ
 لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا (آیت - ۳) اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر
 کر رکھا ہے۔ جس طرح انسان کی انفرادی زندگی کا ایک وقت مقرر ہے۔ اسی طرح
 اقوام و مل کی اجتماعی زندگی کا وقت بھی مقرر ہے۔ پھر پوری کائنات کے لیے وقت
 مقرر ہے۔ جب وہ پورا ہو جائے گا تو سارا نظام شمسی ختم ہو جائے گا اور پھر اگلے جہان
 کے لیے ایک نیا نظام قائم کیا جائے گا۔ دیکھنے کچھ عرصہ پہلے تک انگریزوں کو

دنیا میں کس قدر عروج حاصل تھا انکی سلطنت اتنی وسیع تھی کہ اس پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا، مگر جب اس کا وقت پورا ہو گیا تو آج وہی برطانیہ غلطی ایک جزیرے تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اُن کے ہم زبان دیگر چھوٹے چھوٹے جزیرے آئر لینڈ وغیرہ بھی باغی ہو چکے ہیں۔ اب امریکہ کو دنیا بھر میں بالادستی حاصل ہے۔ روس اس کے ہم پیمانہ طاقت مٹتی مگر اُس کا سورج بھی غروب ہو رہا ہے۔ یہاں پر نیشنل برنس قبل کیونسلٹ نظام آیا مگر آج وہ بھی ناکام ہو چکا ہے۔ اب دیکھئے امریکی عروج کب تک باقی ہے اور نئی کونسی اقوام ابھرنے والی ہیں۔ غرضیکہ ہر فرد، جماعت، ملک و قوم کے عروج و زوال کا ایک وقت مقرر ہے۔ لہذا یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کے مطابق چل رہا ہے۔ تو فرمایا ہر چیز کے لیے ایک مدت مقرر ہے وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ يَلْقَاوْنَ زَيْدِيَهُمْ لَكَ كَفِرُونَ مگر بہت سے لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی ملاقا کا انکار کرنے والے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کوئی محاسبہ نہیں ہے اور نہ کوئی سزا کا تصور ہے، وہ لوگ اسی دنیا کی زندگی کو اول و آخر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ اللہ نے انسان کو عقل و شعور دے کر پیدا کیا ہے۔ اگر وہ اپنی پیدائش پر ہی غور کرنے تو بعثت بعد الموت کا مسئلہ اس کی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اگر انسان اپنے آغاز یعنی پیدائش سے واقف ہے تو پھر وہ انجام کا کیوں انکار کرتا ہے۔ جس ذات نے اُسے پیدا کیا ہے۔ وہی اُسے انجام تک بھی پہنچائے گا، لہذا انسان کو جنائے عمل سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ ہر انسان کو جان لینا چاہیے۔ وَإِنْ كُنتُمْ كَاٰبِدِيْنَ لَدُنِيَ مَحْضُرُونَ (سورہ لیس: ۲۲) تمام کے تمام لوگ اللہ کی بارگاہ میں حاضر کیے جائیں گے۔ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ (آل عمران - ۳۰) اُس دن ہر شخص اپنے اعمال کو موجود پایگا۔ پوری زندگی کا اعمال مہ سانسے رکھ دیا جائے گا جس کا جواب دینا پڑے گا اور پھر جنائے عمل کے متعلق فیصلے ہوں گے۔

فَرَأَىٰ اُولَٰئِكَ كَيْفَ اَوَّٰفِ الْاٰرْمٰضِ كَيْفَ يَرٰ لَوْ كَرِهَ لِمَنِ

پہلی قوموں
کا انجام

چلے پھرے فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ
 تاکہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ کَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ
 قُوَّةً وہ لو طاقت میں ان سے بھی زیادہ تھے۔ یہ نزولِ قرآن کے زمانہ کے کافروں کو
 تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم کس غرور کا شکار ہو اتم سے پہلے لوگ تو تم سے بھی زیادہ طاقتور
 تھے۔ وَأَنَارُوا الْأَرْضَ انہوں نے زمین میں جل چلا کہ کھیتی باڑی کی اور اس سے
 فائدہ اٹھایا۔ عراق اور مصر وغیرہ میں وسیع پیمانے پر کاشتکاری ہوتی تھی اور لوگ خوشحال
 تھے۔ زمین کے اندر بھی معونیات تھیں جنہیں نکالا جاتا تھا۔ فرمایا اُن لوگوں نے زمین
 میں کاشتکاری کی وَعَمَسُوا مَا كَثُرَ سَاعَتَهُمْ وَهَآءِ آبَادُ
 کیا زیادہ اس سے جو انہوں نے آباد کیا۔ وہ بھی تمدن لوگ تھے۔ بڑے
 خوشحال تھے، تمہیں تو ان کا عشرِ عشرت بھی حاصل نہیں۔ دنیا میں فرعونؑ، کلدانی، قدیم
 مصری، گندھارا، ہرہ، موہنجودادو جیسی عظیم تمدنیں گزری ہیں۔ عاد اور ثمود جیسی بڑی
 بڑی قومیں صفحہ ہستی پر ابھری ہیں مگر آج ان کے صرف کھنڈرات ہی نظر آتے ہیں۔ ان
 کی کھدائی کے دوران برآمد ہونے والی اشیاء سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ کیسی کیسی صنعت
 کاری کرتے تھے۔ ان کی بڑی بڑی نقش و نگار والی عمارت کے نمونے دیکھ کر ان دنوں تک
 رہ جاتا ہے۔ قوم عاد کی عمارتوں کے نمونے لڑپانچ ہزار برس تک قائم ہے۔ اہل مصر
 آج بھی موجود ہیں جن میں کچھ کچھ پتھر من وزنی پتھر استعمال ہوتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتی کہ
 اُس زمانے میں اتنے وزنی پتھروں کو کس طرح اس قدر بلندی تک پہنچایا گیا حالانکہ ان کے
 پاس جدید دور کی مشینری بھی نہیں تھی۔ اس زمانے میں لاشوں کو محفوظ کرنے کا رواج بھی
 تھا۔ آج تو کچھ عرصہ کے لیے لاش کو شیشے کے گبس میں بند کر کے ہوائی (AIR
 TIGHT) کر دیا جاتا ہے مگر اس زمانے میں لاش کو کھلے رکھ کر اس پر ایسا
 سالہ لگایا جاتا تھا کہ ہزاروں سال محفوظ رہتی تھی۔

فرمایا کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے کہ اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام دیکھتے
 جو ان کی نسبت بڑے شاہ زور تھے۔ وَتَحْتَبِئُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا

فَسِ هَٰئِنَّا (الشعراء - ۱۲۹) اور سپارڈوں کو تراش تراش کر بہنے کے لیے گھرناتے تھے۔ جو کہ پتھری اور پراسس ہوتے تھے اُن کے بنائے ہوئے مینار اور بڑے بڑے گنبد آج بھی مباحوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔ برصغیر میں قریب زمانے کی بنی ہوئی بہت سی عمارات ہیں جیسے تاج محل آگرہ۔ لال قلعہ دہلی۔ شاہی مسجد اور قلعہ لاہور مقبرہ جہانگیر اور نور جہاں، یہ عمارات آج بھی یادگار کے طور پر موجود ہیں۔ فرمایا جب تم سے زیادہ طاقتور اور زیادہ کاریگر قومیں نہ رہیں تو تم کو کبھی بقا حاصل نہیں ہے، لہذا اپنی پیدائش میں غور کر کے اپنے انجام کی فکر کر لو۔

زمین کی
آباد کاری

اس آیت میں زمین کی آباد کاری کا اصول بھی موجود ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ زمین کو بے آباد نہ رہنے دے بلکہ اس کی آباد کاری کے لیے اقدام کرے اگر کوئی مالک اپنی زمین کو آباد نہیں کرتا تو اس سے زمین لے کر کسی کاشتکار کو دے دی جائے تاکہ اُسے آباد کر کے اُس سے فائدہ حاصل کیا جاسکے۔ بعض ائمہ کو یہ فرماتے ہیں کہ زمین کی آباد کاری حکومت کی اجازت سے کرنی چاہیے تاکہ بعد کے آباد کار کا حق قائم رہے، تاہم حکومت کی اجازت کے بغیر بھی زمین کو آباد کیا جاسکتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جس شخص نے سبجز زمین کو آباد کیا اُسے اس کا حق حاصل ہو جائے گا۔

جزائے اعلیٰ

فرمایا وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ بِالْبَيِّنَاتِ پس اُن کے رسول اُن کے پاس واضح نشانیاں اور معجزات لے کر آئے مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کی گرفت آئی اور وہ عذاب میں مبتلا ہوئے اللہ نے فرمایا کہ اُن کو مصیبت میں گرفتار دیکھ کر کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر کوئی زیادتی کی ہے حقیقت یہ ہے فَتَمَاكَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ کہ اللہ تعالیٰ تو اُن پر ظلم نہیں کرنا چاہتا وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے جس کی پاداش میں وہ عذاب الہی میں مبتلا ہوئے۔ سورۃ ق میں اللہ کا فرمان ہے وَمَا أَنَا بِظَالِمٍ لِّلْعَبِيدِ (آیت - ۲۹) میں تو اپنے بندوں پر زیادتی نہیں

کہتا۔ میں تو رحیم اور عادل ہوں۔ البتہ لوگوں کو صبر اعلیٰ عمل سے دوچار کرتا ہوں چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آدم! یہ جو کچھ تو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے اس کا بھی اعمال کچھ یہ تمھارے اپنے ہی کئے ہوئے اعمال ہیں جن کو ہم نے شمار کر رکھا ہے۔ اگر ان میں کوئی اچھی چیز پائے تو میرا شکر یہ ادا کرے اور اگر کوئی تلخ چیز پائے تو اس کے لیے اپنی ہی جانوں کو ملاست کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو کسی نیک کو نہیں کرتا بلکہ یہ خود انسان ہیں جو برائی کا ارتکاب کرنے کے اپنے لیے ہلاکت کا سامان پیدا کرتے ہیں۔

فرمایا تَمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ اسَاءُوا وَالسُّوْاٰی پھر برائی کا ارتکاب کرنے والوں کا انجام بُرا ہی ہوا۔ جن لوگوں نے دنیا میں کفر، شرک کیا، لوگوں کی حق تلفی کی اور ان پر مظالم ڈھائے، ظاہر ہے کہ آخرت میں ان کا انجام بُرا ہی ہوگا۔ انہوں نے دنیا میں بھی عبرتناک سزا پائی اور آگے تو ہمیشہ کی سزا ان کی منتظر ہے بہر حال ان کا یہ بُرا انجام اس لیے ہوا اِن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا۔ آیات میں تمام دلائل، احکامات، معجزات اور تعلیمات آجاتی ہیں۔ اللہ کے نبی ان کو اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے، ان میں معجزات دکھاتے رہے مگر انہوں نے ایک نہ مانی اور غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر نہ صرف انکار کرتے رہے بلکہ قَا نُوا بِهَآ يَدْسْتَهُمْ ذُرُوْنًا اِن كَسَا تَعْصُوْا اٰرَادَ اللّٰهُ فَاَنْزَلَ السُّرُوجَ مِنْ اَسْمَانٍ كَالفَلَاحِ کہ ان کے ساتھ عَصَا اور مذاق کرتے رہے۔ اللہ کی طرف سے جو بھی حکم آتا اس کا اور اہل ایمان کا تمسخر اڑاتے۔ فرمایا اَلَا يَأْتِي الْاِنۡسَانَ اِلَّا نَسِيْحًا مِّنۡ دُوْنِ اِلٰهِ مِمَّا كَسَبَ کہ انسان کو اللہ کے سوا کسی اور سے نصیحت نہیں دیکھا کہ ان جیسے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ -

اللَّهُ يَبْدُوهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ
 تُرْجَعُونَ ⑪ وَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ
 الْمُجْرِمُونَ ⑫ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ
 شَفَعَاءُ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ ⑬ وَيَوْمَ
 تَقُومُ السَّاعَةُ يُومِذُ يَتَفَرَّقُونَ ⑭
 فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
 فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ⑮ وَأَمَّا
 الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ
 الْآخِرَةِ فَأُولَئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ⑯
 فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ
 تُصْبِحُونَ ⑰ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ⑱
 يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

السَّيِّئَاتِ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَلِكَ نُخْرِجُكَ ۝ ۱۹

۱۹

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ ہی (سہمی دفعہ) پیدا کرتا ہے مخلوق کو پھر وہ اس کو لوٹائیگا۔ پھر اسی کی طرف تم سب پھیرے جاؤ گے ۝ ۱۱ اور جس دن برپا ہو گی قیامت مایوس ہو جائیں گے مجرم لوگ ۝ ۱۲ اور نہیں ہوں گے اُن کے لیے اُن کے شرکیوں میں سے کوئی سفارشی۔ اور وہ اپنے شرکیوں کا انکار کرنے والے ہوں گے ۝ ۱۳ اور جس دن برپا ہو گی قیامت، اُس دن یہ جدا جدا ہونگے ۝ ۱۴ پس بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیے، وہ باغوں کے اندر خوش کئے جائیں گے ۝ ۱۵ اور بہر حال وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو، اور آخرت کی ملاقات کو، پس یہ لوگ عذاب میں (چکڑکڑ) حاضر کیے جائیں گے ۝ ۱۶ پس پاکی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جس وقت کہ تم شام کرتے ہو اور جس وقت تم صبح کرتے ہو ۝ ۱۷ اور اسی کے لیے تعریف ہے آسمانوں اور زمین میں، اور پچھلے بہر اور بس وقت تم دوپہر گوارتے ہو ۝ ۱۸ وہ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے۔ اور وہ زندہ کرتا ہے زمین کو اُس کے مرجانے کے بعد، اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے ۝ ۱۹

ربط آیت

سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے رومیوں کے غلبہ کی پیشین گوئی

فرمائی اور پھر کفر اور شرک کی قباحت بیان کی منکرین قیامت اور ان کے انجام کا خاص طور پر ذکر کیا پھر برائی کرنے والوں کے بُرے انخام کا بھی ذکر کیا کہ وہ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں اور ان کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت کا ذکر فرمایا ہے اور شکوہ کیا ہے کہ لوگ اس میں غور نہیں کرتے وگرنہ یہ کوئی خلاف عقل بات نہیں ہے بلکہ اس کے نوٹے روزمرہ مشاہدے میں آتے رہتے ہیں۔

ارشاد ہونا ہے اللَّهُ يَبْدُو الْخَلْقَ ابتداء میں اللہ تعالیٰ ہی ساری مخلوق کو پیدا کرتا ہے ثُمَّ يُعِيدُهُ پھر وہی اس کا اعادہ بھی کرے گا یعنی ایک دفعہ فنا کرنے کے بعد دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ بظاہر یہ مشکل نظر آتا ہے کہ جب انسان سرکہ مٹی میں مل جائے گا، اس کا گوشت پوست اور ہڈی پسلی باقی نہیں رہے گی، تو پھر وہ دوبارہ کیسے زندہ ہو جائے گا۔ چنانچہ جیسا کہ میں نے گذشتہ درس میں بھی عرض کیا تھا کہ کافر لوگ بھی اعتراض کرتے تھے کہ ہم نے اپنے اباؤ اجداد کو تو آج تک دوبارہ زندہ ہوتے دیکھا نہیں۔ بھلا جب ہم مٹی میں رمل مل جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور پھیر پھری ہو جائیں گی تو پھر کیسے جی اٹھیں گے۔ اللہ نے اس کا یہی جواب دیا ہے کہ جس خالق نے تمہیں پہلی دفعہ بغیر نمونے کے پیدا کر دیا تھا، کیا وہ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک وہ قادر مطلق ہے اور هُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ (یس - ۸۱) ہے، وہ سب کو ضرور دوبارہ زندہ کرے گا۔ پھر حجاب کتاب اور جزلے و عمل کی منزل آئیگی اور ہر شخص کو اس کی کارگزاری کا اچھا یا بُرا بدلہ مل کرے گا۔ فرمایا وہ خدا تعالیٰ ہے جس نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا، وہی اعادہ بھی کرے گا۔ ثُمَّ إِلَيْهِ تَرْجَعُونَ پھر تم سب اسی کی طرف لوٹے جاؤ گے جب قیامت برپا ہوگی تو تم سب کو زندہ کر کے اپنی بارگاہ میں جمع کرے گا۔

پھر قیامت کا کچھ حال ذکر کیا ہے وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ جس دن قیامت برپا ہوگی يُنَبِّئُ الْمُجْرِمُونَ اس دن مجرم لوگ مایوس ہو جائیں گے وہ اپنے بستر انخام سے مایوس ہو جائیں گے اور جان لیں گے کہ اب عذاب الہی

وقوع قیامت
کی عقلی دلیل

مجرموں کی
مایوسی

سے بچنے کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوگی۔ انہیں معاً خیال آئے گا کہ ہم نے دنیا میں بہت سے شرک بنا رکھے تھے اور امید رکھتے بیٹھے تھے کہ وہ آج کے دن ہماری سفارش کر کے چھڑائیں گے، مگر اللہ نے فرمایا کہ ان کی یہ حسرت دل میں ہی رہ جائے گی

کیونکہ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءٌ وَ

آج ان کے شرکچوں میں سے کوئی سفارشی نظر نہیں آئے گا جو آگے بڑھ کر اللہ کے ہاں ان کی سفارش کر سکے۔ وَكَانُوا بِشُرْكَائِهِمْ كَافِرِينَ اور وہ اپنے شرکچوں کا انکار کرنے والے ہونگے پھر قیامت کے دن ایک ایسا موقع بھی آئے گا کہ مشرک لوگ خود اپنے شرک کا انکار کر دیں گے اور کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ (الانعام - ۲۳) بخدا ہم تو شرک نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ سمجھیں گے کہ اس طرح شرک کا انکار کر کے مؤاخذے سے بچ جائیں گے مگر اُس دن کوئی چیز چھپی نہیں ہے گی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ يَوْمَ تُبَلَى السَّاعِ أُولُو الْاُلْبَابِ غَلِيظُ الْعَذَابِ وَ هُمْ فِيهَا كَاذِبُونَ (۹) اُس دن تمام راز کھول دیے جائیں گے۔ انسان کے خلاف شجر و حجر، زمین کے نخل، فرشتے سبھی کہ اُس کے اپنے اعضا و جوارح بھی بطور گواہ کھڑے ہو جائیں گے اُس کی ساری کارگزاری ظاہر ہو کر ثابت ہو جائیگی اور پھر اُسے اپنے کیے کی سزا پانا ہوگی۔

نیک اور برکھ

ارشاد ہوتا ہے وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ فَجَسَدِ قِيَامَتِ بَرِيءِ هُوَ

يَوْمَ يَذَّتْقَرُّ قَوْمٌ اَسْ وَنِ سَبْ لُوْكَ جَدَا جَدَا هُوَ جَائِئِ سَبْ مَطْلَبِ

یہ کہ مومن اور کافر، مشرک اور موحد، منافق اور مخلص، نیک اور بد سب الگ الگ گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے، اور ہر شخص اپنے اپنے مرکز کی طرف جائے گا، اور پھر ہر گروہ میں سے نیچے اور بدی کے معیار کے حساب سے مزید گروہ بندی ہوگی۔

نیک لوگ اپنی نیکی کے اخلاص کی بنا پر علیحدہ علیحدہ گروہوں میں بٹ جائیں گے اور مجرم لوگ اپنے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے مزید گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے مثال کے طور پر سو فیصد بھروسے کے مجرموں کی علیحدہ قطار ہوگی اور نو فیصد فیصد والوں کی علیحدہ۔

علیٰ بن ابی القیس۔ آج تو سب نیک و بد دنیا کے معاملات میں کیجا ہیں۔ ایک

دوسرے کی شادی غمی اور رسم و رواج میں شریک ہوتے ہیں۔ مگر قیامت والے دن یہی لوگ اپنی نیکی اور بری کی حیثیت کے مطابق جدا جدا گمروہوں میں بٹ جائیں گے۔

نیکی کاروں کے لیے انعام

پھر کیا ہوگا؟ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا اور وہ لوگ جو ایمان لانے جنہوں نے اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کیا کہ یہی چیز مدارِ فلاح ہے۔ اس کے علاوہ نبی کی رسالت پر یقین کیا۔ اللہ کے فرشتوں، کتابوں، اور بعثت بعد الموت پر ایمان لائے۔

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور نیک اعمال انجام دیے۔ نیک اعمال میں ارکانِ الربیع، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج سرفہرست ہیں۔ جس نے ان فرائض کو ادا کیا، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پابندی کی۔ فرمایا فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ایسے لوگوں کو باغ میں خوش کیا جائے گا۔ روضہ کا معنی باغِ ریاضِ یا جنت ہے۔

نیچے کاروں کو ایسے باغات میں جگہ دے گی جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور وہ محض باغ نہیں ہوں گے بلکہ جنتِ عدنِ ربانی باغات ہوں گے جن میں رہنے کے لیے عالیشان مکانات ہوں گے جن میں ہر طرح کی آسائش حاصل ہوگی۔ یہ ان کی نیکی اور ایمان کا صلہ ہوگا۔ ان انعامات کی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ کبھی واپس نہیں لیے جائیں گے اور نہ ان باغات سے نکلے جانے کا کوئی خطرہ ہوگا۔ وہاں نہ موت کا ڈر ہوگا، نہ تکلیف، پریشانی یا خود اذات کا۔ دنیا میں تو اکثر شیب و فراز آتے رہتے ہیں مگر آخرت کے انعامات میں کچھ کمی واقع نہیں ہوگی۔

نقار کی بڑھتی

اس کے برخلاف وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم نہ کیا۔ اس کے انبیاء، ملائکہ، کتب اور تقذیر پر ایمان نہ رکھا۔ وَكَذَّبُوا بِالَّذِينَ اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے دلائل، معجزات اور احکام کی تکذیب کی وَلِقَاءِ الذخیر اور آخرت کی ملاقات یعنی وقوعِ قیامت اور عزرائلِ عمل کو بھی جھٹلایا ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ کہ وہ عذاب میں جکڑے ہوئے حاضر کیے جائیں گے۔ فرشتے ان کو گرفتار کر کے اللہ

کی بارگاہ میں پیش کریں گے جگم ہوگا۔ خذُوهُ فَعَلُوهُ (الحاقہ۔ ۳۰) پڑھو اور
 گلے میں طوق پہنادو اور پھر ستر ستر گنہ گریوں میں جھوٹ کر جہنم میں پھینک دو۔
 بہر حال اللہ نے فرمایا کہ قیامت ضرور واقع ہونے والی ہے۔ كَمَا يَدَّ اَنَا
 اَوَّلَ خَلْقٍ تَعِيْدُهُ وَعَدَّ اَعْلَى نَا اَنَا كَمَا فَعَلِ يَنْ (الانبیاء ۱۰۷) جس طرح
 ہم نے پہلی دفعہ لوگوں کو پیدا کیا۔ اسی طرح دوبارہ بھی اٹھائیں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے
 اور ہم ضرور ایسا کریں گے۔

خدا تعالیٰ کی
 تسبیح کے
 اوقات

فرمایا فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ پس اللہ کی پاکی بیان کرو جبکہ
 تم شام کرتے ہو۔ وَحِينَ تَضْحَمُونَ اور جب کہ تم صبح کرتے ہو۔ وَكَلَّمَ
الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اسی کے لیے ہر طرح کی تعریف
 ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔ اور اسی کی تسبیح بیان کرو وَعَشِيًّا وَحِينَ
تُظْهِرُونَ پچھلے پہر بھی اور جب کہ تم دوپہر گزارتے ہو مغربین کو کرام فرماتے
 ہیں کہ جس تسبیح و تنزیہ کا حکم دیا ہے وہ دل سے بھی ہونی چاہیے اور زبان سے
 بھی۔ انسان کے اعضا و جوارح بھی اس تسبیح میں شامل ہونے چاہئیں۔

اوقات صلوات
 حضرت

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں پانچ نمازوں اور ان کے اوقات کی
 طرف اشارہ بھی ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے نافع ابن ازرق خارجی نے
 نمازوں کے اوقات کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔
 اس آیت کریمہ میں تُمْسُونَ سے مراد مغرب تَضْحَمُونَ سے فجر،
عَشِيًّا سے عصر اور تُظْهِرُونَ سے ظہر کی نماز مراد ہے۔ چار نمازیں تو یہ ہو
 گئیں اور پانچویں عشا کی نماز کے متعلق سورۃ لہر کی آیت ۵۸۰ تلاوت فرمائی جس میں وَمِنْ
بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ کا تصریح کے ساتھ ذکر ہے۔ اس آیت کریمہ میں نابالغ
 بچوں کو بھی تین اوقات میں خلوت میں آنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ جو کہ یہ ہیں۔ فجر سے
 پہلے، دوپہر کو آرام کے وقت اور عشاء کے بعد، اس طرح حضرت عبداللہ ابن عباسؓ
 نے اس خارجی کے سامنے پانچوں نمازوں کا ذکر کر دیا۔ آپ ہی سے یہ قول بھی مستدرک ہے

کہ تَمَسُّونَ میں مغرب اور عشاء دو دنوں نمازوں کی طرف اشارہ ہے اور باقی تین نمازوں کا ذکر تَصْبِحُونَ، عَشِيًّا اور تَطَهَّرُونَ میں آگیا ہے۔ نمازوں کے اوقات کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل میں بھی موجود ہے اَقْبِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنِ الْفَجْرِ رِآيَةً ۝۸ یعنی نماز قائم کریں سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کی تاریکی تک اور فجر کی نماز کہ جس میں قرآن کریم زیادہ پڑھا جاتا ہے اور جو فرشتوں کی حاضری کا وقت ہوتا ہے۔ اس آیت کے متعلق بھی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سورج ڈھلنے میں ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں آتی ہیں جب کہ رات کی تاریکی سے مراد عشاء کی نماز ہے اور پانچویں نماز فجر کا ذکر صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

ان اوقات کی خصوصیت یہ ہے کہ ان اوقات میں نعمت کے اظہار کا زیادہ موقع ہوتا ہے اور ان میں نشانات قدرت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ رات اور دن کی تبدیلی یعنی طلوع و غروب آفتاب اور عین دوپہر کے وقت نشانات قدرت اچھی طرح واضح ہوتے ہیں اس لیے ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تسبیح بیان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ہمارے ملک کے بعض گمراہ فرقے نماز کے سچکانہ اوقات کو تسلیم نہیں کرتے ان میں متحدہ قسم کے چھ بڑے الٰہی اور پروردگاری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے بعض تین نمازوں کے قابل ہیں اور بعض صرف ایک پر اکتفا کرتے ہیں۔ محکمہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ نے آیات قرآنی سے پانچوں نمازیں مراد لی ہیں۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان جلایا ہے يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَمِيتِ اللہ تعالیٰ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ مثلاً زمین مردہ ہے اللہ تعالیٰ نے اُس سے جاندار چیزوں کو نکالتا ہے۔ اُنڈا مردہ ہوتا ہے مگر اس سے زندہ چوزہ نکلتا ہے۔ انسان کا مادہ منوبہ ایک بے جان قطرہ ہوتا ہے جس سے انسان جیسی اشرف المخلوقات پیدا ہوتی

ہے۔ ایک کافر کی مثال مردہ کی ہے مگر اللہ تعالیٰ چاہے تو البرجیل سے عکرمۃ جیسا زندہ
 یعنی صاحب ایمان انسان پیدا کر دے۔ آزر بت فروش اور پکا کافر تھا مگر اللہ نے
 اس سے ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو پیدا فرمایا۔ اس کے برعکس مرخی زندہ
 ہوتی ہے مگر اس سے مردہ اندھا پیدا ہونا ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ باپ
 بڑا نیک اور ایماندار ہے مگر اولاد باہنجاڑ نکلتی ہے جسے جو کہ مردہ کے مشابہ ہے۔ بعض
 دہریے بن جاتے ہیں اور بعض مرزائیت کو قبول کر لیتے ہیں۔ زمین بالکل خشک یعنی
 مردہ ہوتی ہے، اس کی نشوونما کی کوئی علامت نہیں ہوتی، مگر اللہ تعالیٰ بارش برسا کر
 اس کو زندہ کر دیتا ہے اور پھر اس سے پھل، پھول اور فصل پیدا ہوتے ہیں جن سے
 لوگ مستفید ہوتے ہیں۔ فرمایا وَيُخْرِجُ الْأَرْضَ بِعَدِّ مَوْتِهَا اللہ تعالیٰ
 زمین کو مردہ ہونے کے بعد پھر زندہ کر دیتا ہے۔ اس میں ہر پالی آجاتی ہے اور
 وہ اپنے خزانے اگلنے لگتی ہے وَكَذَلِكَ نُخْرِجُكَ وَرَبَّيَا
 قیامت والے دن تم بھی اسی طرح زمین سے زندہ نکالے جاؤ گے، جس طرح تم
 روزمرہ زندگی میں مردہ سے زندہ ہوتے دیکھتے ہو۔ اسی طرح قیامت کو اللہ تعالیٰ
 تمہیں بھی دوبارہ زندہ کر کے اپنے سامنے لا کھڑ کرے گا اور پھر حساب کتاب اور
 جزائے عمل کی منزل ایلیج جس سے ہر شخص کو گزنا پڑے گا۔

الرّوم ۳۰
آیت ۲۰ ۲۳

اقلہ ما اوحی ۲۱
درس چہارم ۴

وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ
اِذَا اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ۲۰ وَمِنْ آيَاتِهِ
اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا
لِّتَسْكُنُوا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً
وَرَحْمَةً ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُونَ ۲۱ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِخْتِلَافِ السِّنِّ
وَالْوَانِیٰتِ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۲۲
وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ
وَآبْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۗ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُونَ ۲۳

ترجمہ :- اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں
سے ہے کہ اُس نے تمہیں سٹی سے پیدا کیا ہے۔ پھر
تم انسان ہو کہ (زمین میں) منتشر ہو ۲۰ اور اس
کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اُس نے

تمھارے نفسوں میں سے تمھارے لیے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم اُن کے پاس سکون حاصل کر سکو۔ اور بنائی ہے اُس نے تمھارے درمیان دوستی اور مہربانی۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں (۲۱) اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا اور تمھاری زبانوں کا مختلف ہونا اور تمھارے رنگوں کا۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں (۲۲) اور اُس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے تمھارا سونا۔ رات کے وقت اور دن کے وقت۔ اور تمھارا تلاش کرنا اُس کے فضل سے۔ بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو سنتے ہیں (۲۳)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور کفار کا حال اور ان کا انجام بیان فرمایا۔ پھر مجرموں کی گرفتاری اور خدا تعالیٰ کے حضور پابند سلاسل پیشی کا ذکر فرمایا اللہ نے ان اوقات کا ذکر کیا۔ جن میں تجدیدِ نعمت ہوتی ہے اور اللہ کی قدرت کی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ ان اوقات میں اللہ کی تسبیح اور عبادت کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر اللہ کی قدرت کا تذکرہ ہوا کہ وہ مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے اور اس مشاہدے کو اللہ کی قدرت کی نشانیاں اور توحید کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔ ساتھ ساتھ یہ وقوعِ قیامت اور بعثت بعد الموت پر بھی دلیل بنتا ہے کہ جس طرح میاں پر اللہ تعالیٰ مردہ چیز سے زندہ کو نکالتا ہے۔ اسی طرح قیامت کو مردہ زمین سے مردہ اجسام کو دوبارہ زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کر لے گا۔

انسان کی
پیدائش

آج کی آیات میں بعض دیگر نشانیاں قدرت کا ذکر کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے

وَمِنْ آيَاتِهِ يَخْلُقُكُمْ مِمَّنْ تَرَوْنَهَا كَمَا جَاءَ بِالنَّفْسِ الْوَالِدِيَّةِ - آت
 خَلَقَكُمْ مِمَّنْ تَرَوْنَهَا كَمَا جَاءَ بِالنَّفْسِ الْوَالِدِيَّةِ - آت
 تخلیق مٹی سے ہوئی تھی جو کہ ایک بے جان چیز ہے۔ دنیا میں اولین انسان اور پیغمبر
 حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام
 کی ہے خَلَقَهُ مِمَّنْ تَرَوْنَهَا كَمَا جَاءَ بِالنَّفْسِ الْوَالِدِيَّةِ - آت
 پنید کیا۔ یہ بات قرآن میں بار بار دہرائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی اولین تخلیق مٹی
 سے کی۔ تَرَوْنَهَا كَمَا جَاءَ بِالنَّفْسِ الْوَالِدِيَّةِ - آت پھر ہم انسان ہو جو زمین
 میں منتشر ہوتے ہو یعنی پھیل جاتے ہو۔ دیکھو یہ اللہ کا کمال قدرت ہے کہ کہاں حقیر
 مٹی اور کہاں اشرف المخلوقات انسان۔ تو جس طرح اللہ نے انسان کو پہلی دفعہ مٹی سے
 تخلیق کیا، اسی طرح وہ اُسے دوبارہ بھی مٹی سے ہی اٹھائے گا۔ جب تم پہلی تخلیق کو تسلیم
 کرتے ہو تو دوبارہ زندگی کو تسلیم کرنے میں کون سا امر مانع ہے۔

میرے حق میں مالک نے یہ احسان کیا

خاکِ ناپسین تھا سو مجھے انسان کیا

بہر حال اللہ نے توجید، دفع و قیامت اور بعثت بعد الموت پر یہ عقلی دلیل پیش
 کر دی ہے۔

انسان کو اسی لیے اشرف المخلوقات کہا گیا ہے کہ یہ اللہ کی مقرب ترین
 مخلوق فرشتوں سے بھی بلند تر مقام رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاک میں وہ حالات ولایت
 کر دیے ہیں جو دوسرے عناصر میں نہیں پائے جلتے، حدیث شریفہ میں آتا ہے کہ اللہ
 نے فرشتے کو حکم دیا کہ تمام روئے زمین سے عقوڑی عقوڑی مٹی اٹھی کی جائے۔ اس مٹی کے
 خمیر سے آدم علیہ السلام کا جسم بنایا گیا اور پھر اللہ نے اُس میں اپنی طرف سے روح پھونکا
 جس طرح روئے زمین کے مختلف خطوں میں کہیں کی مٹی سُرخ ہے اور کہیں کی سیاہ
 کہیں کی سخت اور کہیں کی بھری، اسی طرح اللہ نے مختلف خطوں کے لوگوں کو
 بھی مختلف الانواع بنایا ہے، کوئی گور ہے اور کوئی کالا، کوئی سُرخ ہے اور کوئی زرد

اسی طرح اُن کی طبائع بھی مختلف ہیں۔ کوئی سخت طبیعت ہے تو کوئی نرم مزاج۔ یہ اُس مٹی کا اثر ہے جو انان کی تخلیق میں داخل ہے۔

انان کا جوڑا

ارشاد ہوتا ہے وَمِنْ آيَاتِهِ یہ بھی اُس کی نشانیوں میں سے ہے۔
اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا کہ اُس نے تمہارے نفسوں میں سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے۔ مائے کے مائے مرد یا ساری کی ساری عورتیں ہی پیدا نہیں کیں۔ بلکہ ہر صنف کے لیے اُس کا جوڑا بنایا۔ سورة النساء کی ابتدائی آیت میں فرمایا اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا وَخَلَقَ لَكُمْ مِنْهَا اَزْوَاجًا (آیت ۱۰) اور پھر اسی میں سے اُس کا جوڑا پیدا کیا۔ پھر اس جوڑے میں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیا۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور پھر انہی سے حضرت خوا کو پیدا کر کے اُن کا جوڑا بنا دیا جن کے اختلاط سے پوری نوع انسانی وجود میں آئی۔ تو گویا مرد اور عورت دونوں کی جنس ایک ہی ہے البتہ ان کی صنف الگ الگ ہے تاکہ ان کا دائرہ کار صحیح رہے اور مقصد تخلیق پورا ہوتا ہے۔ لَتَسْكُنُوا اِلَيْهَا تاکہ تم اُن کے پاس سکون پکڑو۔ عورت اور مرد میں اللہ نے ایسی شش رکھی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے باعث سکون ہیں۔ سورة البقرہ میں ہے۔
هٰنَ لِبَاسٍ لَكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٍ لَهَا (آیت ۱۸۷) عورتیں تمہارے لیے بن کر لباس کے ہیں۔ اور تم اُن کے لیے ہو گویا عورتوں کی پردہ پوشی تمہارے ذریعے ہے اور تمہاری پردہ پوشی اُن کے ذریعے ہے جس طرح لباس جسم کے ساتھ متصل ہوتا ہے اسی طرح اللہ نے تمہارے درمیان بھی اتصال کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ انسانی زندگی میں طرح طرح کے حوادث پیش آتے ہیں، انان کو غم، پریشانی اور اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں زوجین ہی ایک دوسرے کے غمگسار اور ذریعہ تسکین بنتے ہیں۔

اس کے علاوہ فرمایا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً

اللہ نے تمھارے درمیان دوستی اور مہربانی کا جذبہ بھی پیدا کر دیا۔ میاں بیوی کے درمیان قریب ترین دوستی اور مہربانی کا تعلق ہوتا ہے۔ اگر اپنے دل میں طلب پیدا ہوئی ہے تو یہ محبت ہوگی اور اگر طلب دوسری صنف کی طرف سے ہے تو رحمت اور مہربانی کا ظہور ہوگا، اور پھر اس محبت اور مہربانی کے جذبہ کے تحت، ہی ایک دوسرے کا ملاپ ہوگا جو کہ ذریعہ اولاد ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے زمین کے درمیان محبت، دوستی، اور رحمت کا رشتہ قائم کر کے اسے نسل انسانی کی بقا، کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

غور و فکر
کی دعوت

ان تمام چیزوں کے متعلق فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ کہ اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اللہ نے انسان کی توجہ اس کی پیدائش کی طرف دلائی ہے کہ دیکھو! ابتدائی طور پر تمھیں مٹی سے تخلیق کیا۔ پھر آگے قطرہ آب سے نسل انسانی کو چلایا۔ اس قطرہ آب میں بھی مٹی کا اثر موجود ہے کیونکہ انسان کی ساری خوراک مٹی سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کتنی بڑی نشانی ہے کہ انسان جیسی باکمال ہستی کو ایسے ناپاک قطرہ سے پیدا کیا کہ اگر جسم یا کپڑے کو لگ جائے تو دھوئے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ پھر مردوزن میں محبت و الفت کی کشش پیدا کر کے نسل انسانی کے آگے چلانے کا بندوبست کیا۔ ان چیزوں میں غور کرنے سے اللہ کی وحدانیت اور وقوع قیامت کا مسئلہ سمجھیں آسکتا ہے۔ اللہ نے بار بار غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالٌھَا (محد - ۲۴) یہ لوگ قرآن پاک میں غور کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟ اس کے باوجود جو شخص دھیان ہی نہیں کرتا اس کے لیے کوئی چیز نشانی نہیں بن سکتی، اور نہ ہی وہ اس کے لیے مفید ہو سکتی ہے۔

آگے اللہ نے اپنی قدرت کی ایک اور نشانی کا تذکرہ کیا ہے وَمِنْ اٰیٰتِہٖ حَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَہَاکِی تَخْلِیْقِہِمْ اِنَّہٗ لَکَبِیْرٌ

نبی و رسا
تخلیق

نشانوں میں سے ہے۔ اللہ نے اتنی بڑی زمین کو پیدا فرما کر فضا میں معلق کر دیا۔ اس کے متعلق اللہ نے فرمایا اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (النبا - ۶) کیا ہم نے زمین کو کچھ بھروسہ نہیں بنا دیا؟ وَبَدَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا سِدْرًا (النبا - ۱۲) اور تمھارے اوپر سات مضبوط آسمان بنا دیے ہیں۔ جہلا اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی بڑی بڑی چیزوں کو کون پیدا کر سکتا ہے؟ یہ اسی کی تخلیق ہے اور اس کی وحدانیت اور قدرت کی دلیل ہے۔

زبان کا
اختلاف

پھر فرمایا وَاٰخْتَلَفْنَا لِكُلِّ قَوْمٍ لِسَانَ (النبا - ۱۲) اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانوں میں سے ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں میں اولاد آدم ہزاروں بولیاں بولتی ہے۔ ایک محاط اندازے کے مطابق دنیا میں کم و بیش چالیس چالیس ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں۔ یہ بھی قدرت کا جاری کردہ نظام ہے کہ جس طرح پہلی نسلیں ختم ہوتی جاتی ہیں اور نئی نسلیں آتی رہتی ہیں۔ اسی طرح بعض پرانی بولیاں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ اور نئی نئی زبانیں ایجاد ہوتی رہتی ہیں۔ ہماری اردو زبان آج سے آٹھ سو سال پہلے دنیا میں کہیں نہیں بولی جاتی تھی۔ اسی برصغیر میں مختلف اقوام کے اختلاط سے اس زبان نے جنم لیا، اور اب یہ اتنی وسیع ہو چکی ہے کہ اس میں علوم کے ذخیرے موجود ہیں اور دنیا پر کم و بیش ایک ارب انسان یہ زبان بولتے ہیں۔ اسی طرح انگریزی، عربی، فارسی، فرانسیسی، جرمنی، روسی، چینی بے شمار زبانیں ہیں۔ ان بڑی زبانوں کے علاوہ ہر علاقے کی چھوٹی چھوٹی اپنی زبانیں بھی ہیں جسے ہمارے ہاں مرکزی، پنجابی، پھر جاہنگلی، پوٹھواری، سرکاری، برہوی، کشمیری، پشتو اور بلوچی زبانیں ہیں، اسی طرح ہر ملک کی علاقائی زبانیں بھی ہیں۔ ان سب کا احاطہ کیا جائے تو شمار سے باہر ہو جائیں۔ ہمارے ہمسایہ ملک ہندوستان میں چودہ زبانیں تو سرکاری پر مشتمل ہیں، اور ان کے علاوہ علاقائی زبانیں تو بے شمار ہیں۔ بہر حال زبان کا اختلاف کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ مختلف زبانوں کے لوگ آپس میں ملتے ہیں۔ تبادلہ خیال ہوتا ہے اور پھر ترقی کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ آج انگریزی دنیا کی اول درجہ کی زبان

ہے جسے ساری دنیا میں بولا اور سمجھا جاتا ہے مگر آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے اس زبان کی کوئی وقعت نہیں تھی۔

دنیا میں عربی زبان کو سب پر افضلیت حاصل ہے یہ مختصر ہونے کے باوجود انتہائی ترقی یافتہ زبان ہے۔ اس کے حروف مختصر اور قواعد سائٹیفک ہیں، انگریزی زبان میں اس لحاظ سے طوالت پائی جاتی ہے کہ اس زبان میں بہت سے حروف زائد ہوتے ہیں جو بولنے میں نہیں آتے۔ پھر اس کے بعض حروف مختلف آوازیں دیتے ہیں۔ کسی لفظ میں صرف سی (C) ک کی آواز دیتی ہے۔ جب کہ کسی دوسرے لفظ میں یہی حرف اس کی آواز دیتا ہے۔ کیوں TION شن بناتا ہے اور کہیں SION یہی آواز دیتا ہے۔ کیوں CH وچ کا آواز دیتا ہے اور کہیں کہ کا عربی زبان میں ایسا تفاوت نہیں پایا جاتا بلکہ ہر لفظ کے اپنے بے اور ہر حرف کی مستقل آواز ہے۔ گرامر کے مطابق اس کے الفاظ بنتے چلتے ہیں اور کہیں بھی مسلمہ اصول کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ بہر حال ہر خطے کی اپنی اپنی زبان ہے اور کسی زبان کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے ہر زبان کا ماحول، اس کے علوم اور اس کی شاعری کے اپنے اپنے اسلوب ہوتے ہیں جب مختلف زبانیں ملتی ہیں تو اسی سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اگر پوری دنیا میں ایک ہی زبان بولی جاتی تو تمدن اتنی ترقی نہ کر سکتا۔

فرمایا جس طرح تمہاری زبانیں مختلف ہیں اسی طرح وَالْوَالِدَاتُ كَحَمَلٍ مُّتَخَلِّفَاتٍ فِي وُجُوهِنَّ يَوْمَئِذٍ كَوَيْلٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ اللہ نے زمین کے مختلف خطوں میں مختلف رنگ کے لوگ پیدا کئے ہیں۔ گرم ممالک کے رہنے والے لوگوں کا رنگ عام طور پر کالا ہوتا ہے۔ جب کہ سرد علاقوں کے لوگ سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔ بعض گندمی رنگ کے انسان ہیں اور بعض زرد اور سرخ رنگ کے ہیں۔ یہ سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، لہذا رنگ کی بنا پر کسی شخص کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ جس طرح اللہ نے رنگ مختلف بنائے ہیں اسی طرح شکل و صورت بھی مختلف ہے۔ انسان کے چہرے کا طول عرض کتنا ہوگا مگر آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک پیدا ہونے والے اربوں لوگوں میں سے کسی

گوں کا
تفاوت

ایک کی شکل و صورت بھی ہو کہ دوسرے سے نہیں ملتی۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بہت بڑا نشانہ کار ہے۔ اگر کوئی انسان اپنے لہجہ سے مختلف شکل و صورت کی تصویریں بنانا چاہے تو سوچا جس تک جانے کے بعد عاجز آجائے گا۔ کہ اب کیسی شکل بناؤں جو پہلی شکلوں سے مختلف ہو مگر یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت بڑی نشانی ہے کہ کسی ایک انسان کی شکل دوسرے سے نہیں ملتی۔ اسی طرح ہر آدمی کی آواز بھی مختلف ہے۔ ہم ایک دوسرے کو بغیر دیکھے محض آواز سے پہچان لیتے ہیں۔ اللہ نے ہر انسان کا گلا ایک سا بنایا ہے مگر ہر گلا کی آواز مختلف ہے۔ یہ بھی اللہ کی قدرت کی نشانی ہے۔ فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ اس میں نشانیاں تو ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ اور ان چیزوں کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جاہل لوگ نہ تو ان کی طرف توجہ کرتے ہیں اور نہ ہی وہ ان کو سمجھ سکتے ہیں۔

نہیند ذریعہ
آرام

آگے ارشاد ہوتا ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَّا مَكَّرَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ رات اور دن کے وقت، تمھاری نیند بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ سورۃ الانعام میں اللہ نے فرمایا ہے وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا (آیت ۹۷) اس نے رات کو سکون کا باعث بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ طبعی نظام کے تحت تمام انسان اور جانور رات کے وقت آرام کرتے ہیں۔ تاکہ ان کی تحلیل شدہ قوتیں بحال ہو جائیں اور وہ اگلے دن کے کام کے لیے دوبارہ تازہ دم ہو جائیں۔ دن کے وقت انسان تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اپنی معاش کے لیے کاروبار ملازمت، کھیتی بڑی یا محنت مزدوری کرتے ہیں تاہم اگر کوئی شخص کسی اشتغال کی وجہ سے رات کو نیند سو سکا تو وہ دن کو بھی سو سکتا ہے۔ موجودہ زمانے میں کام کاج اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ بعض کام متواتر چوبیس گھنٹے کمرنا پڑتے ہیں۔ اگرچہ اب کام کا بیشتر حصہ مشینوں نے سنبھال لیا ہے مگر مشینوں کی دیکھ بھال کے لیے بھی آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے، لہذا کتنی ہی صنعتیں ہیں۔ جن میں دن رات کام ہوتا

ہے۔ مواصلات کا سارا نظام چوبیس گھنٹے چلتا ہے، لہذا جو لوگ اپنی ڈیوٹی رات کے وقت انجام دیتے ہیں، وہ دن کو آرام کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے یہاں پر یہی فرمایا ہے کہ رات اور دن کو تمھارے لیے نیند کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ بہر حال ہر جاہل کے لیے نیند ضروری ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے۔ اگر کسی شخص کو دو دن نیند نہ آئے تو اس کا دماغ ہی خراب ہو جائے۔ تو نیند میں بھی اللہ کی قدرت کی نشانی ہے۔

رزقِ حلال
کی تلاش

فَرِيًّا وَابْتِغَاءَ كَسْرٍ مِّنْ فَضْلِهِ تَلَّاشَ رِزْقَ حَلَالٍ بِحَبْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی
کی نشانیوں میں سے ہے: اللہ کے فضل میں سرفرست رزقِ حلال ہے۔ انسان دن رات کے کسی حصہ میں اپنے حالات کے مطابق روزی کے لیے کام کاج کرتے ہیں جو ان کے لیے رزق کا سبب بنتا ہے۔ یہ بھی انسان کے لیے ضروری ہے۔ حتیٰ کہ جمعہ کے دن جہاں اللہ تعالیٰ نے نماز جمعہ کی ادائیگی کی تاکید کی ہے۔ وہاں فکرِ معاش کا بھی حکم دیا ہے فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (الحجۃ - ۱۰) جب نماز ختم ہو جائے تو رزقِ حلال کی تلاش کے لیے زمین میں پھیل جاؤ۔ یہودیوں کے ہاں ہفتہ کا دن صرف عبادت کے لیے مخصوص تھا اور اس میں کوئی دوسرا کام نہیں کیا جاسکتا تھا مگر اہل ایمان کو اللہ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن نماز سے فارغ ہو کر اپنے کاروبار میں لگ جاؤ۔ بہر حال دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں جس طرح نیند اور آرام ضروری ہے اسی طرح روزی کی تلاش بھی ضروری ہے۔ اور یہ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔
امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس ضمن میں دو اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ ایک اقتراب ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت کر کے اُس کا قرب حاصل کرے۔ اور دوسری چیز ارتفاق ہے یعنی ذبحہ کرنے کے لیے ضروریاتِ زندگی مہیا کرنا۔ اہل ایمان آدمی کے لیے یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ سورۃ الفتح میں صحابہ کرام کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا

(آیت ۲۹) وہ اللہ کا فضل یعنی رزقِ حلال کی جستجو بھی کرتے ہیں اور اُس کی خوشنودی یعنی قرب حاصل کرنے کے لیے بھی برابر تگ و دو کرتے ہیں، مگر عام اہل دنیا کا وطیرہ یہ ہے کہ وہ فخرِ معاش میں اقتراب کو بالکل ہی مقبول جانتے ہیں اور آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں۔

قَرَأَ يَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ سٰمِعُوْنَ اَسْ مِيْنَ اُنْ
 لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ جس طرح آنکھیں ذرائعِ علم میں سے ہیں اسی طرح انسان کانوں سے سُن کر بھی بہت سا علم حاصل کرتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص سننے سے ہی عاری ہے تو کسی چیز میں غور و فکر کیسے کرے گا؟ اسی لیے فرمایا کہ مذکورہ چیزوں میں سننے اور غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

الذوھر ۳۰

آیت ۲۲ تا ۲۷

اتلما آوجی ۲۱

درس پنجم ۵

وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا
 وَيُنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ
 الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ
 لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ
 السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ
 دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ ﴿٢٣﴾
 وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ لَّهُ
 قَانُونٌ ﴿٢٤﴾ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ
 ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ
 الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
 وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٥﴾

ترجمہ :- اور اُس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ
 بھی ہے کہ وہ دکھاتا ہے تمہیں بجلی خوف اور امید کے
 ساتھ۔ اور اُتاتا ہے آسمان کی طرف سے پانی پس زندہ
 کرتا ہے اس کے ساتھ زمین کو اُس کے مردہ ہونے

کے بعد بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں (۲۳) اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ قائم ہے آسمان اور زمین اس کے حکم سے، پھر جب وہ بلائے حکمتیں بلا، زمین سے تو اچانک تم نکلو گے (۲۵) اور اُس کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب اُسی کے حکم کی اطاعت کرنے والے ہیں (۲۶) اور وہی ہے جو پہلے پیدا کرتا ہے مخلوق کو اور پھر اس کو لوٹائے گا، اور یہ آسان ہے اُس پر، اور اسی کے لیے ہے صفت بلند آسمان میں اور زمین میں، اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے (۲۷)

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بہت سی نشانیاں بیان فرمائی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور وقوع قیامت کی دلیل بنتی ہیں اب اسی سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے وَمِنْ آيَاتِهِ اور یہ بھی اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے

يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا کہ وہ دکھاتا ہے تم کو بجلی خوف اور اُمید سے۔ یہ آسمانی بجلی کا ذکر ہو رہا ہے۔ جب بادل گر جتے ہیں اور بجلی چمکتی ہے تو اس سے نقصان ہو جانے کا خوف بھی آتا ہے اور نزول رحمت کی اُمید بھی ہوتی ہے۔ حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ مسافروں کے لیے عشاء خوف ہوتی ہے کہ بجلی ان کے اوپر نہ اُگرے۔ جب کسی مقام پر بجلی گرتی ہے تو سخت نقصان ہوتا ہے۔ کہیں لگ جاتی ہے اور کبھی انسان اور جانور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ابھی گذشتہ سیرتے کی بات ہے کہ دو آدمی کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ جب بجلی چمکی تو وہ بھاگ کر درخت کے نیچے چلے گئے۔ مگر ان پر بجلی گری اور وہ ہلاک ہو گئے۔ اسی طرح سیالکوٹ کا واقعہ ہے کہ دو بچے سکول جا رہے تھے جب طوفان باد و باران اٹھا تو انہوں نے کسی چھت کے نیچے

قدرتی بجلی
بطور نشانی

پناہ پکڑی مگر بجلی گری اور دونوں بچے ہلاک ہو گئے، تو حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ بجلی میں مسافروں کے لیے خوف اور مقیم لوگوں کے لیے اُمید ہوتی ہے کہ بارش برسے گی تو کیفیت لہلہا اٹھیں گے اور پھل، پھول اور اناج پیدا ہوگا۔ بعض فرماتے ہیں کہ خوف اس بات کا بھی ہو سکتا ہے کہ چمکنے والی بجلی کہیں بارش سے خالی نہ ہو، اور بارش آنے کی اُمید بھی ہوتی ہے۔ غرضیکہ بجلی میں خوف اور اُمید دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔

یہ تو قدرتی بجلی کا ذکر تھا۔ تاہم جو بجلی ہم معززہ زندگی میں استعمال کرتے ہیں یہ انسانی ہمتوں کی تیار کردہ ہے۔ اب اسی بجلی کا استعمال اس قدر عام ہو چکا ہے کہ اگر قصوری سی دیر کے لیے بھی بند ہو جائے تو نظام زندگی مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس بجلی سے بڑے بڑے کام لیے جا رہے ہیں۔ دیو سیکل مشینوں کا چلانا بجلی ہی کے ذریعے ممکن ہوا۔ اس سے بڑے بڑے کارخانے چلتے ہیں اور ضروریات زندگی کی لاکھوں چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ آگہ بجلی نہ ہو تو عام استعمال کی چیزوں کی تیاری میں بڑی لاگت آئے اور چیزیں بہت زیادہ مہنگی ہو جائیں۔ شہری زندگی میں روشنی کے لیے بجلی کا استعمال ایک بنیادی ضرورت بن چکا ہے۔ پڑانے زمانے میں سٹی کے تیل کے لیمپ روشن ہوتے تھے مگر اب تو دیات بھی بجلی سے روشن ہو چکے ہیں کیسٹی باٹری کے لیے ٹیوب ویل بجلی سے چلتے ہیں۔ ذرائع مواصلات میں بھی بجلی کا استعمال عام ہے۔ نیز جسکے زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں بجلی کی ضرورت نہ ہو۔

آج کے ایسی دور میں ہر ملک ایسی صلاحیت حاصل کرنے کی کوشش میں ہے اس کا زیادہ تر انحصار بھی بجلی پر ہے۔ ابھی حال ہی میں روس کے اٹمی ری ایکٹر میں عزابی پیدا ہوئی تو اس سے ہزاروں افراد ہلاک ہو گئے۔ اب دنیا بھر میں مشورے ہو رہے ہیں کہ ایسی اثرات سے حفاظت کیسے ممکن ہو۔ کسی زمانے میں سرعت رفتاری کو بجلی سے تشبیہ دی جاتی تھی کہ فلاں واقعہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ رونما ہوا۔ شاعر لوگ بھی تیز رفتاری کے لیے ہوا یا بجلی کی اصطلاح استعمال

کرتے تھے۔ مثلاً فلاں گھوڑا ہوا کی طرح تیز رفتار ہے، یا وہ بجلی کی سی تیزی سے
 کو دجاتا ہے۔ بجلی کی رفتار سینکڑوں میل فی سیکنڈ ہے جب کہ روشنی اس سے
 بھی تیز ہے اور ایک لاکھ چھبیس ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلتی ہے۔
 بہر حال مصنوعی بجلی سے بھی بڑے مفید کام لیے جلتے ہیں۔ تاہم اس میں ڈول
 چیزیں یعنی خوف اور امید پائی جاتی ہیں۔ جب بجلی کا کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے
 جانی یا مالی نقصان ہو جاتا ہے تو اس سے خوف پیدا ہوتا ہے اور جب یہ مفید کام انجام
 دیتی ہے تو یہ اس کا امید کا پہلو ہے۔ مقوڑی دیر کے لیے بھی بجلی منقطع ہو جائے، تو
 زندگی کا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتا ہے۔ کارخانے بند ہو کر کارکن بیکار بیٹھ جاتے
 ہیں۔ گھروں، دفتروں اور دکانوں میں دن کے وقت بھی تاریکی چھا جاتی ہے۔
 بجلی قدرتی ہو یا مصنوعی یہ بھی اللہ کی قدرت کی نشانی ہے۔

وائرلس
 یا الیکٹری

موجودہ زمانے کی ایجاد وائرلس یا الیکٹری بھی اسی قبیل سے ہے پیغام رسانی
 کا یہ بھی تیز ترین ذریعہ ہے۔ دوران جنگ جب دیگر ذرائع مواصلات منقطع ہو جاتے
 ہیں تو پیغام رسانی کے لیے بھی ذریعہ کام آتا ہے اور ظاہر ہے کہ دوران جنگ مختلف
 محاذوں کا مرکز کے ساتھ ربط و کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے بغیر نہ تو
 محاذ پر موجود سپاہیوں کو کمک اور گورکھ بارود پہنچایا جاسکتا ہے، نہ ان کو بروقت
 ہدایت دی جاسکتی ہے اور نہ ان کے لیے خوراک کا بندوبست ہو سکتا ہے۔ وائرلس
 کی آوازیں فضا میں موجود ایٹھر نامی مادہ کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ
 منتقل ہوتی ہیں جب امریکہ میں یہ سسٹم دریافت ہوا تو مصری شاعر حافظ ابراہیم نے
 کہا تھا۔

وَ تَحْتَذُّمُوا مَوْجَ الْأَشْيَاءِ بَرِيدًا
 حِينَ خَلَعَهُ أَنَّ السَّبُوقَ كَسَالِي

تم نے ایٹھر کی موجوں کو اس وقت پیغام رسانی کا ذریعہ بنا لیا جب خیال کیا کہ اس
 کے مقابلے میں بجلی سست رفتار ہے۔

اگے فرمایا کہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے وَيُنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً کہ وہ آسمان کی طرف سے پانی نازل فرماتا ہے، یعنی بارش ہوتی ہے فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا پھر اس پانی کے ذریعے مردہ اور خشک زمین کو نئی زندگی بخشتا ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو زمین میں روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔ لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں جس سے پھل، پھول، اناج پیدا ہوتا ہے اور جانوروں کے لیے گھاس پھوس اگتے۔ ہر جاندار کی زندگی کا انحصار پانی پر ہے۔ اللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ کا ارشاد ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء - ۳۰) ہم نے پانی کے ذریعے ہر چیز کو زندگی بخشتی ہے۔ نہ صرف انسان اور جانور پانی کے محتاج ہیں بلکہ اس کے بغیر نباتات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ انسان اور جانوروں کی خوراک کے لیے درختوں، پھلوں اور اناج کی ضرورت ہوتی ہے اور جب تک پانی نہ ہو۔ یہ چیزیں پیدا نہیں ہو سکتیں۔ سائنسی تحقیق کے مطابق انسانی جسم میں دوڑنے والے خون کا انٹی فیصد حصہ پانی ہے اور باقی بیس فیصدی میں غذائی چیزیں اور معدنیات ہوتی ہیں۔ اللہ نے پانی کو ایسی مفید چیز بنایا ہے کہ یہ خود پاک ہے اور دوسری چیزوں کو پاک کرتا ہے پانی ہی سے غسل کر کے لوگ اپنا جسم پاک کرتے ہیں، اس کے ساتھ کپڑے، برتن اور دوسری استعمال کی چیزیں صاف کرتے ہیں جس قدر وسیع پیمانے پر پانی کی ضرورت ہے، اللہ نے اس کے ذخائر بھی اتنے ہی وسیع پیدا کر دیے ہیں۔ زمین پر جگہ جگہ دریا، نہریں اور ندیاں چلا دی ہیں جو ان لوگوں، جانوروں اور کھیتوں کے لیے پینے اور کاشتکاری کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ پھر اللہ نے زمین کے اندر بھی پانی کے وسیع ذخائر بند کر دیے ہیں جنہیں کنوئوں اور ٹیوب ویلوں کے ذریعے نکال کر استعمال کیا جاتا ہے۔ فرمایا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ بیشک اس میں نشانیاں ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ یہ اُس کی قدرت کی نشانی ہے کہ اُس نے اپنی مخلوق کے لیے اتنی کارآمد چیزیں پیدا کی ہیں۔ اگر انسان ذرا بھی عقل کو بروئے کار لائے تو یہ نشانی دیکھ کر

اسے اللہ کی وحدانیت اور وقوع قیامت پر یقین آسکتا ہے۔ مگر جو شخص عقل کو استعمال ہی نہ کرے، اس کے لیے یہ نشانیاں بھی کچھ مفید نہیں ہوتیں۔

نظام کائنات

اگے اللہ نے وسیع تر نظام کائنات کو نشانی کے طور پر پیش کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَصِفَاتِ آيَاتِهِ یہ بھی اسی نشانوں میں سے ہے اَنْ تَقُوْمَ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ یا پھر یہ کہ آسمان اور زمین اُس کے حکم سے قائم ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے اور اسی نے ایک نظام کے تحت ان کو کام میں لگا رکھا ہے۔ چاند، سورج، ستارے اور سیارے سب اللہ کی مخلوق ہیں كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّكَ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى (الرعد - ۲) سب کے سب اپنے اپنے مدت میں ایک مقررہ مدت کے لیے رواں دواں ہیں۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَيَسِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَقُوْمَا (فاطر - ۴۱) ان متحرک چیزوں کو گرنے یا ٹھکر جانے سے اللہ ہی نے روک رکھا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت آجائے گا تو سارا نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا۔ کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر قائم نہیں رہے گی۔ يَوْمَ تَبْدُلُ الْاَرْضَ عَيْنِ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتِ رَابِعًا (ہیم - ۴۸) دن اس میں اور آسمان کی جگہ نئے زمین و آسمان قائم کیے جائیں گے۔ اس واقعہ کو طامۃ الکبریٰ (بڑا ہنگامہ) کا نام دیا گیا ہے۔ اس وقت قیامت برپا ہو جائے گی اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةُ يَحْيٰى پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم سب کو بلاوا آئیگا۔ اِذَا اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ اور تم اچانک نکل پڑو گے۔ یہ بلاوا صورتِ اسرافیل کے ذریعے ہوگا اور تمام لوگ اپنی قبروں سے نکل کر دوڑتے ہوئے اپنی منزل کی طرف جائیں گے۔

سائنس دانوں کی تحقیق کے مطابق زمین، آسمان اور تمام کمرے قانون کشش ثقل کے مطابق اپنے راستوں پر چل رہے ہیں اور یہ آپس میں ٹکراتے نہیں۔ ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی ہک نہیں مگر سوال یہ ہے کہ کشش ثقل کا قانون کس نے پیدا کیا ہے؟ آخر وہ بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی تخلیق ہے۔ پھر جب وہ چاہتا ہے تو وقتاً فوقتاً اس میں عجزی

تبدیلیاں بھی لا آ رہتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ معمول کے خلاف چاند گرمین یا سورج گرمین کے واقعات بھی پیش آتے رہتے ہیں۔ غرضیکہ یہ سارا نظام کائنات خدا تعالیٰ ہی کا قائم کردہ ہے اور بالآخر ہر چیز خدا تعالیٰ کے حکم کی طرف ہی راجع ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَكِنَّ مَتَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اٰمِسِي کے

تشریح
کبریائی

لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ کائنات کی ہر چیز اسی خداوند قدوس کی پیدا کردہ ہے، اسی کے حکم میں ہے اور اسی کے تصرف میں ہے۔ دوسری جگہ اللہ نے اپنی وحدانیت کی دلیل کے طور پر فرمایا اَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ (النحل - ۷۱) کیا پیدا کرنے والا اور نہ پیدا کرنے والا برابر ہیں؟ خالق صرف ایک

ہے اور باقی سب مخلوق ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مخلوق عاجز ہے اور جو عاجز ہے وہ اللہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے مجازی طور پر انسان کو بعض چیزوں کا مالک بنایا ہے، مگر وہ اس عاجزی اور مجازی ملکیت پر مغرور ہو کر اس کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ساری مخلوق عاجز ہے اور اس کا کسی چیز پر کچھ اختیار نہیں سارا

تصرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے يَدَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (السجدة - ۵) آسمان کی بلندیوں سے لے

کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر وہی کرتا ہے كُلُّ لَهٗ قَنَاطٍ وَّوَنَ اور ہر چیز اسی کی اطاعت گزار ہے۔ فرشتے تو ہر وقت خدا تعالیٰ کے مطیع ہیں۔

لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُوْهَمُوْنَ (التحریم - ۶) وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں انانوں

اور جنوں میں سے بھی خدا کے مطیع اور فرمانبردار بندے ہیں اور بعض لوگ سرکشی بھی کرتے ہیں مگر اللہ کے تو حینی حکم کے سامنے وہ بھی مجبور ہوتے ہیں۔ یہ تو حیات

کا قانون ہر بصحت اور ندرستی کا، ان کے سامنے ساری مخلوق عاجز ہے، اور انہیں طوعاً و کرہاً ان قوانین کو ماننا ہی پڑتا ہے۔ بہر حال یہ سب دلائل قدرت

ہیں جن سے توحید باری تعالیٰ اور وقوع قیامت سمجھ میں آتی ہے۔

ابتدائی تخلیق
اور اعادہ

ارشاد ہوتا ہے وَهُوَ الَّذِي يَبْدُؤُاَ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ خدا کی ذات وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے اور اس کا اعادہ بھی وہی کرے گا۔ اس نے ارض و سما کی تخلیق سے کہہ کر ۷۰ سال پہلے ملائکہ کو پیدا کیا۔ پھر ارض و سما کو پیدا فرمایا، جنات کو پیدا کیا۔ پھر زمین و آسمان کو پیدا کیا اور پھر آخر میں اولین انسان حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ غرضیکہ ہر چیز کی ابتدا اسی نے کی اور قیامت کو دوبارہ بھی وہی اٹھائے گا۔ بعض لوگ بعثت بعد الموت کا انکار کرتے ہیں ہر مذہب و ملت کا پیروکار اپنی ابتدائی پیدائش کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کرتا ہے۔ چند دہریوں کو چھوڑ کر باقی سب اس کے قائل ہیں۔ جب ابتدائی تخلیق کو تسلیم کرتے ہیں تو پھر دوسری زندگی کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ جس خدا تعالیٰ نے پہلی دفعہ پیدا کیا، کیا دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے مشکل ہوگا؟۔ فرمایا۔ نہیں، وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ یہ بھی اس کے لیے باہل اور آسان ہے اس کے حکم کی انتظار ہوگی اور ہر چیز دوبارہ سامنے آجائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کا پہلی بار بنیے غوتے کے تخلیق کرنا دوبارہ اعادہ کرنے سے مشکل ہو سکتا ہے، مگر جسے پہلی تخلیق پر کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ اس کے لیے دوبارہ تخلیق کرنے میں کوئی دشواری پیش آئے گی؟ وہ کمال قدرت کا مالک ہے وہ جس طرح چاہے کسی چیز میں تصرف کرے، اس کے راستے میں کوئی مشکل حائل نہیں ہوتی۔

شانِ بلائیت

آگے اللہ تعالیٰ کی صفت کا ذکر ہے وَكَذَلِكَ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ و سما میں اسی کی صفت اور شان بلند ہے۔ یہاں پر مثل سے مراد صفت اور شان ہے۔ مثل اور مثل میں فرق ہے۔ کسی کی چیز کی مثل سے مراد اس کی نوع اور جوہر میں شراکت ہونا ہے۔ جیسے فرمایا لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ ۱۱)

اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ اور جہاں شرک کا رد فرمایا، وہاں ہے فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ (المحل - ۷۴) اللہ کے سامنے ایسی مثالیں بیان نہ کرو کیونکہ اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ ہر حیثیت سے پاک اور منزه ہے۔ وہاں تو اللہ تعالیٰ کی مثال کی نفی کی گئی ہے مگر آیت زیر درس میں مثال کا اثبات پایا جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مثل کا معنی کسی چیز میں "فی الجملہ شرک" ہوتا ہے۔ اگر ظاہری طور پر کسی صفت میں شرک ات ہے تو یہ مثل ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا جیسے فرمایا مَثَلُ نُورِهِ كَمِثْلِكُوَّةٍ (النور - ۳۵) اللہ کے نور کی مثال قندیل کی ہے۔ تاہم جوہر اور نوع میں اس کی کوئی مثل نہیں ہے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ كَمَا مَطْلَبُ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور شان زمین و آسمان میں بلند ہے۔ اور اس بلند صفت سے مراد کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔ امام مالک بھی فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفت یہ ہے کہ وہی محمود برحق ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں۔ آسمانوں میں بھی وہی محمود ہے اور زمین میں بھی وہی ہے۔

بخاری شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان نے میری تکذیب کی ہے اور یہ اُس کے لیے مناسب نہیں تھا۔ نیز انسان نے مجھے گالی دی ہے اور یہ اُس کے لیے مناسب نہیں تھا۔ پھر فرمایا کہ میری تکذیب یہ ہے کہ انسان یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا نہیں کرے گا۔ گویا جزائے عمل کا انکار کر دے۔ اور گالی یہ ہے کہ انسان کہے اَتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ حالانکہ اَنَا الْوَاحِدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ میں وحدہ لا شریک ہوں، لیے نیاز ہوں جس نے نہ کوئی جنا اور نہ وہ جنکا اور نہ ہی اُس کا کوئی ہمسر ہے۔ علی ایوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے علیؑ کو بیٹا بنا لیا ہے، حالانکہ یہ افتراء ہے۔ اگر اس سے حقیقی بیٹا ہو تو وہ جنسیت پر دالمت کرے گا اور اس سے مادیت

ثابت ہوگی اور ایسا عقیدہ رکھنا خدا تعالیٰ کی توہین ہے۔ خدا تعالیٰ کا مجازی بیٹا بھی مراد نہیں
 لیا جاسکتا کہ اس سے کسی کو اختیارات کی تفویض ثابت ہوتی ہے۔ جیسے عیسائیوں کا
 عقیدہ ہے کہ اللہ نے علیہ السلام کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ لوگوں کی مرادیں پوری
 کرتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ اللہ نے کسی کو اختیار نہیں دیا بلکہ وہ ہر کام پر براہ راست
 خود کرتا ہے۔ اس حدیث میں تکذیب اور گالی کا یہی مطلب ہے۔

فرمایا اُس کی صفت اور شان ارض و سما میں بلند ہے۔ وہ وحدۃ لا شریک ہے
 اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اور وہ کمال قدرت
 کا مالک اور حکمت والا ہے۔ اِس کے ارادے اور مشیت میں کوئی چیز حائل نہیں ہو
 سکتی۔ اور اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہوتا ہے اگرچہ وہ انسانوں کے اور اک سے
 باہر ہو۔

اتل ما اوحى ٢١

الروم ٣٠

درس ثشم ٦

آيت ٢٨ ٢٢٦

ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنْفُسِكُمْ هَلْ
 لَكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ
 شُرَكَاءَ فِي مَارَدَقَانِكُمْ فَاَنْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ
 تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ كَذَلِكَ
 نَفَصِلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ بَلِ
 اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ
 عِلْمٍ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَا
 لَهُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ﴿٢٩﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ
 لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتِ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ
 النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ
 الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
 لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ مِّنْ بَيْنِ إِلَيْهِ وَالْقَوْمِ
 وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ

الْمُشْرِكِينَ ۝۳۱۱ مِّنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ
وَكَانُوا شِيعَاءً كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ
فَرِحُونَ ۝۳۲

ترجمہ :- بیان کی ہے (اللہ نے) تمہارے لیے مثال
تمہارے نفسوں سے کیا ہے تمہارے لیے، اُن میں سے جن
کے مالک تمہارے دانے ملتے ہیں، کوئی شریک اُس چیز
میں جو ہم نے تمہیں روزی دی ہے، پس تم سب
اُس میں برابر ہو جاؤ۔ تم خوف کھاتے ہو اُن سے جیسا
کہ ایک دوسرے سے ڈرتے ہو۔ اسی طرح ہم تفصیل
سے بیان کرتے ہیں آیات ان لوگوں کے لیے جو سخیل
رکھتے ہیں ۝۲۸۱ بلکہ پیروی کی ہے، اُن لوگوں نے جنہوں
نے ظلم کیا ہے، اپنی خواہشات کی بغیر علم کے۔ پس کون
ہدایت دیکھا اُس کو جسے اللہ گمراہ کر دے اور نہیں ہے
اُن کے لیے کوئی بھی مددگار ۝۲۹۱ پس قائم کریں آپ
اپنے چہرے کو دین کے لیے حنیف بن کر۔ یہ اللہ کی
فطرت ہے جس پر اُس نے لوگوں کو بنایا ہے۔ نہیں تبدیلی
اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں۔ یہ مضبوط دین ہے، مگر اکثر لوگ
نہیں جانتے ۝۳۰۱ رجوع رکھنے والے ہو اُس (اللہ) کی
طرف اور ڈرو اُس سے۔ اور قائم کرو نماز کو، اور نہ ہو
شرک کرنے والوں میں سے ۝۳۱۱ اُن لوگوں میں سے جنہوں
نے تفریق ڈالی اپنے دین میں اور گروہ درگروہ ہو گئے۔
ہر ایک گروہ اپنے پاس موجود چیز سے خوش ہونے والا ہے ۝۳۲۱

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں کا ذکر کیا، جو اس کی وحدانیت اور وقوعِ قیامت کی دلیل بنتی ہیں۔ پھر آخر میں فرمایا کہ اللہ کی صفت بلند ہے جس کے ساتھ کوئی چیز مماثلت نہیں رکھتی۔ اب آج کی پہلی آیت میں اللہ نے شرک کی قباحت کو سمجھانے کے لیے ایک مثال بیان کی ہے ارشاد ہوتا ہے ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنْفُسِكُمْ ۗ اللَّهُ نَبَاكُمْ لیے تمہارے نفسوں میں سے ہی ایک مثال بیان کی ہے، یعنی یہ مثال خود تمہارے افراد اور سوسائٹی میں پائی جاتی ہے، اور وہ یہ ہے۔ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ شُرَكَاءَ فِي مَآرِزِ قُلُوبِكُمْ کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی ایسا ہے جو ہماری عطا کردہ روزی میں تمہارا شریک ہو فَاَنْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ؟ اور پھر تم اُس چیز میں برابر ہو جاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ تمہارے زر خرید غلام تمہارے مال و دولت میں برابر کے حصے دار بن جائیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنی جائیداد میں اپنے غلام کی شراکت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو گا۔ فرمایا صرف مال میں شراکت تک ہی بات محدود نہیں بلکہ تَخَافُوهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ تم ان غلاموں سے بھی اسی طرح خوف کھاؤ جن طرح تم آزاد ایک دوسرے سے ڈرتے ہو۔ آزاد لوگوں کا تو آپس میں جھگڑا بھی ہو سکتا ہے، کہیں ایک دوسرے کا مال غصب کر لیا تو خوف پیدا ہو گیا، کہیں جائیداد کا تنازعہ اور کہیں ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی بھڑائی کی وجہ سے ایک کو دوسرے کا ڈر ہو رہا ہے مگر غلام تو بیچارے مملوک ہوتے ہیں، ان سے ڈرنے کی تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ وہ تو ہر حالت میں اطاعت گزار اور خدمت گزار ہوتے ہیں۔ وہ تمہارے حقیقی مملوک نہیں بلکہ مجازی مملوک ہیں۔ جب تم ان غلاموں کو کسی صورت میں بھی اپنے برابر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تو پھر اُس خداوند قدوس کے ساتھ کیسے شریک ٹھہرتے ہو، جو ہر چیز کا حقیقی مالک ہے، یہ کتنی بے انصافی کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات، اُس کی صفات یا اس کی عبادت میں کوئی فرشتہ، جن یا انسانوں میں
 نبی اولیٰ، پیر یا بزرگ کوئی بھی شریک نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے مثال کے ذریعے یہ بات
 سمجھادی ہے۔ فَمَا يَكْفُرُ لَكُمْ فَاعْبُدُوا اللَّهَ۔ اسی طرح ہم تفصیل کے ساتھ اپنی نشانیاں بیان کرتے ہیں مگر صاحب عقل لوگوں کے
 لیے۔ یہ مثال اسی شخص کے لیے مفید ہو سکتی ہے جو اپنی عقل کو بروئے کار لا کر سوچے
 کہ جب ایک مجازی غلام اپنے مجازی آقا کا ہمسر نہیں ہو سکتا تو حقیقی ملک اپنے حقیقی
 مالک کا کیسے شریک ہو سکتا ہے؟

غلامی کا
 رواج

نزولِ قرآن کے زمانہ میں پوری دنیا میں غلامی کا رواج تھا۔ جنگی قیدیوں کو لونڈیاں
 اور غلام بنا لیا جاتا تھا۔ پھر وہ مختلف ممالک میں بکتے بکتے کہیں پہنچ جاتے
 تھے، اور اس طرح غلامی کا یہ نظام پوری دنیا میں پھیل چکا تھا۔ آقا اپنے غلاموں سے
 سخت مشقت لیتے تھے اور ان پر منظم ڈھالتے تھے مگر ان کا کوئی پرسانِ حال
 نہیں تھا۔ جب اسلام آیا تو اُس نے غلامی کے رواج کو یکسر ختم نہیں کیا، بلکہ
 اس میں اصلاحِ احوال کا حکم دیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ غلام بھی تمھارے بھائی
 ہیں، ایسی کسی وجہ سے تمھارے ہاتھوں میں آگے ہیں، ان پر ظلم نہ کرو۔ آخر یہ بھی انسان
 تو ہیں۔ اسلام نے حکم دیا کہ اپنے غلاموں کو بھی ویسا ہی لباس پہنا دو اور رہائش
 دیا کرو جیسا خود استعمال کرتے ہو۔ ان کی اچھی تربیت کرو۔ اسلام نے غلاموں
 کی آزادی کی ترغیب دی اور اُسے بہت بڑی سچی قرار دیا۔ بعض جہالت کے کفار سے
 کہ لیے غلاموں کی آزادی کا حکم دیا۔ غرضیکہ اسلام نے اس نظام کو فی الفور ختم
 نہ کیا کیونکہ معیشت کا زیادہ تر دار و مدار انہی غلاموں کے ہاتھوں میں تھا۔ البتہ اس
 رواج کے تدریج خاتمہ کے لیے عملی اقدام کیے۔ چنانچہ آج دنیا کے کسی گوشے
 میں بھی انفرادی غلامی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔

خواہشات
 کا اتباع

اگرچہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرانے کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل
 موجود نہیں تاہم اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلم قرار دے کر شرک کھسنے

کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے يَلِ اللّٰهُ الَّذِي تَطَلَمُوا اَهْوَاءَهُمْ
بِغَيْرِ عِلْمٍ کہ ان ظالموں یعنی مشرکوں نے شرک کے ارتکاب کے لیے اپنی خواہشات
 کی پیروی کی ہے اور وہ بھی بغیر علم کے، یعنی خواہشات نفسانی کے اتباع کے لیے
 بھی اُن کے پاس کوئی دلیل نہیں منگوا رہا۔ اس قدر ہٹ دھرم لوگ ہیں کہ اس سے باز
 نہیں آتے۔ اللہ نے فرمایا فَمَنْ يَهْدِي مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ
 بھلا اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے۔ جب کوئی شخص
 اپنی ضد، بے انصافی اور زیادتی کی بنا پر توحید خداوندی کو تسلیم نہیں کرنا، تو پھر اللہ تعالیٰ
 بھی اس سے منہ موڑ لینا ہے اور جبراً وہ جانا چاہتا ہے اُدھر ہی کی توفیق دے دیتا ہے،
 تو فرمایا ایسے شخص کو اللہ کے سوا کون راہِ راست پر لاسکتا ہے؟ پھر جب لوگ اس
 تعزیرات میں گمراہ پڑتے ہیں وَمَا كُفِّرُ عَنْ ذَمِّهِمْ نِيَّ تو پھر ان کا
 کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ آج یہ لوگ جن شرکاء کو اپنا حمایتی سمجھ رہے ہیں، ان سے
 حاجت بروائی اور مشکل کشائی کے طالب ہوتے ہیں۔ قیامت والے دن ان کے
 کسی کام نہیں آئیں گے اور وہاں پر یہ بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔ وہ ان کی مدد
 کرنے کی بجائے ان کے خلاف بیان دیں گے۔

شُرک کی قیاحت بیان کرنے کے بعد رجوع الی الدین کی تلقین فرمائی ہے
 ارشاد ہوتا ہے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا اپنے چہرے کو دین
 کی طرف قائم کریں حنیف بن کر، چونکہ چہرہ انسانی جسم کا اہم ترین حصہ ہے جس میں
 تمام حواس ظاہرہ اور باطنہ مشمولہ آنکھیں، کان، عقل اور دماغ پلٹے جاتے ہیں۔
 اس لیے چہرہ بول کر اس سے ذات مراد لی جاتی ہے اور حنیف کا معنی ہے ہر طرف
 سے کٹ کر صرف ایک طرف لگنے والا۔ تو جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ کفر، شرک،
 نفاق اور الحاد وغیرہ سے ہٹ کر صرف دینِ خالص کی طرف متوجہ ہوں۔
 امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں جو شخص نماز کے وقت خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنا ہے
 خدا تعالیٰ کی توحید کو مانتا ہے، فریضہ حج ادا کرتا ہے اور حق تعالیٰ سے وہ حنیف

دین کی
 طرف توجہ

ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے۔ مَا كَانَ رَابِلًا هَيْسًا
 يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا
 وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (آل عمران - ۶۷) ابراہیم علیہ السلام
 نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ حنیف اور مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے نہیں تھے۔
 اللہ نے تمام لوگوں کو بھی حنیف بننے کا حکم دیا ہے حَنِيفًا ۗ لِلّٰهِ غَيْرِ مُشْرِكِينَ
 بِهٖ (الحج - ۳۱) سائے کے سائے حنیف یعنی ہر طرف سے کٹ کر صرف
 اللہ کی طرف رجوع کرنے والے بن جاؤ اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے نہ
 بنو۔ فرمایا فَطَرَتِ اللّٰهُ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا يَه اللّٰهُ فِي فِطْرَتِ
 هِيَ حَسْبُ يَرْسُ ن لُو كُو ن كُو تَرَا شَا ه لَّا تَبْدِي لَ لِخَلْقِ اللّٰهِ اللّٰهُ كِي
 پیداکردہ چیزیں کوئی تبدیلی نہیں ہے ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيُّمُ
 یہی مضبوط دین ہے۔ وَلٰكِنْ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ
 مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

فطرت کا
 مفہوم

بعض کہتے ہیں کہ اس مقام پر فطرت سے مراد اسلام ہے۔ یہ اللہ کا دین
 اسلام ہے اور اسی پر قائم رہنا چاہیے۔ تاہم مفسرین کرام کی اکثریت کا نظریہ یہ ہے
 کہ فطرت سے مراد وہ صلاحیت اور استعداد ہے جس کی بنا پر انسان نیکی یا برائی کو
 اختیار کرتا ہے۔ اللہ نے ہر انسان میں نیکی قبول کرنے کی صلاحیت رکھ دی کُلُّ
 مَوْلُوْدٌ يُّوْلَدُ عَلٰى الْفِطْرَتِ ۖ هَرَجُمِ فِي فِطْرَتِ يَعْنِي حَقِّ قَبُوْلِ كُرْنِ
 کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان میں یہ استعداد ودیعت
 نہ کرتا تو اسے ایمان لانے کی دعوت ہی نہ دی جاتی کیونکہ لَا يُكْفِلُ اللّٰهُ
 نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ - ۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی استعداد سے
 زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ گویا اس فطری امر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، مگر بعد میں لوگ خود
 اس صلاحیت کو ضراب کر دیتے ہیں۔ فرمایا ہر کچھ فطرت سلیمہ پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ مگر بعد
 میں اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں یا جس مذہب پر وہ خود ہوں، اسی

راستے پر بچے کو بھی ڈال دیتے ہیں۔ البتہ اور فرعون میں بھی یہ صلاحیت موجود تھی مگر انہوں نے دنیا کی رنگینوں میں پھنس کر خود اس کو خراب کر لیا۔

دہندہ
تین نجات
اشیاء

امام ابن جریر نے روایت طبع بیان کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ آئیں جا رہے تھے کہ راستے میں حضرت معاذؓ بیٹھے ہوئے ملے، آپ نے حضرت معاذؓ سے پوچھا مَا قَوْلُ هَذِهِ الْأُمَّةِ یعنی اس امت کا ڈھانچہ کیا ہے جس پر درستگی قائم ہوتی ہے تو انہوں نے کہا کہ امت کا قوام تین چیزوں پر ہے، اور فرمایا هُتَّ مُنْجِيَاتٌ یہ تین چیزیں نجات دلانے والی ہیں۔ فرمایا پہلی چیز اخلاص ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ آیا ہے وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (الاعراف - ۲۹) اللہ کو پکارو خالص اسی کے اطاعت گزار بن کر۔ گو یا تم میں اخلاص ہونا چاہیے کیونکہ جہاں اخلاص ہوگا۔ وہاں شرک اور نفاق نہیں ہوگا۔ یہ اخلاص فطرت میں داخل ہے اور ہر انسان میں پایا جانا چاہیے۔

فرمایا دوسری نجات دہندہ چیز نماز ہے جس پر ملت کا ڈھانچہ کھڑا ہوتا ہے اللہ کے ساتھ تعلق کی درستگی نماز پر موقوف ہے۔ اور فرمایا تیسری چیز اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت ہے۔ اطاعت عصمت ہے جس کے ذریعے انسان کفر، شرک، نفاق، الحاد اور معاصی سے محفوظ ہو جائے ہیں۔ تو فرمایا ان تین چیزوں پر امت کا قوام یعنی ڈھانچہ قائم ہوتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ چار خصلتیں ایسی ہیں جو سارے نبیوں کی شریعت میں تھیں اور ہماری آخری شریعت میں بھی ضروری ہیں۔ (۱) طہارت، یعنی پاکیزگی (۲) اخبات یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار (۳) سماحت، یعنی خود غرضی اور خلیس چیزوں سے بچنا (۴) عدالت یعنی عدل و انصاف۔ ان چاروں چیزوں سے جو مرکب کیفیت انسان میں پیدا ہوتی ہے اسی کو فطرت کہا جاتا ہے پھر فرمایا اس فطرت کے راستے میں تین حجاب رکاوٹ بنتے ہیں۔

(۱) حجاب طبع کہ انسان دنیا کی مادیت میں ہی ڈوب کر رہ جائے اور آخرت

ماہ ولی اللہ
کی تشریح

کا خیال دل سے نکل جائے۔

(۱۲) حجابِ رسم یعنی انسان ماحول کے رسم و رواج میں ہی پھنس جائے۔ اور حقیقت کی طرف متوجہ نہ ہو۔

(۱۳) حجابِ سوہِ معرفت یعنی خدا کی پہچان ہو مگر غلط طریقے سے۔ اس کی وجہ سے انسان شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے یا پھر تشبیہ میں۔ اگر خدا تعالیٰ کی صفتِ خاصہ بندے میں مانی جائے تو یہ شرک ہو گیا، مثلاً خدا بھی عالم الغیب اور فلاں بزرگ یا نبی بھی عالم الغیب ہے۔ اور اگر بندے کی صفتِ خدا میں تسلیم کی جائے تو یہ تشبیہ ہے مثلاً بندہ حجابِ اولاد ہے تو اللہ کی بھی اولاد تسلیم کی جائے۔

الغرض! یہ تین چیزیں ایسی ہیں جو انسان کی اصل فطرتِ سلیمہ کو ظاہر نہیں ہونے دیتیں۔ جو شخص ان حجابات سے بچ گیا وہ کامیاب ہو جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت عام طور پر حجابِ طبع میں مبتلا رہتی ہے، اگر اس سے بچ جائیں تو لوگ حجابِ رسم میں آنا۔ اجاتے ہیں۔ اور اگر وہ آگے بڑھیں تو حجابِ سوہِ معرفت میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ پھر نہ تو اللہ کی صحیح پہچان ہوتی ہے اور نہ وہ شرک اور تشبیہ سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اور ان کی ساری عمر گمراہی میں گزر جاتی ہے۔

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ حنیف بن کر اپنے چہرے کو دین کے لیے قائم کریں۔ یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے اور اللہ کی پیدا کردہ چیز میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، یہی مضبوط دین ہے جس کے اصول اٹل ہیں اور ہر زمانہ و مکان کے لیے کارآمد ہیں مگر لوگوں کی اکثریت لاعلمی کی وجہ سے ان اصول و ضوابط کے خلاف ہی چلتی ہے۔

فرمایا دین کے لیے چہرے کو قائم کریں مُنِيبِينَ اَلَيْهِ اس حالت میں کہ تم خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہو۔ وَاتَّقُوهُ اسی سے ڈرتے رہو اپنے اندر صفتِ تقویٰ پیدا کرو۔ وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ اور نماز قائم کرو۔ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو یہ شرک

کی تردید بھی ہوگئی کہ یہ فطری حالت کے خلاف ہے۔

شرفی

آگے فرقہ بندی کی مذمت بیان کی گئی ہے صَنِ الدِّينِ فَسَقُوا دِيْنَهُمْ
 اُن لوگوں میں سے بھی نہ ہوں جنہوں نے دین میں تفریق پیدا کی۔ جب کسی اصول دین
 میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو ایک نیا فرقہ جنم لیتا ہے۔ البتہ فروعات دین کے اختلافات
 مضر نہیں بلکہ باعثِ رحمت ہیں۔ جعفری، شافعی، مالکی اور حنبلی مالک میں کوئی اصولی
 اختلاف نہیں بلکہ یہ تو خدا تعالیٰ کی رحمت کی علامت ہیں۔ اصول دین کا اختلاف
 یہ ہے کہ توحید، رسالت یا قیامت کے متعلق اختلاف کیا جائے۔ جو ان پر ایمان نہیں
 رکھتا وہ کافر یا منافق ہو گیا۔

جن لوگوں نے اصول دین میں غلط راستہ اختیار کیا وَكَانُوا شَيْعًا، اور
 گروہ درگروہ تقسیم ہو کر جہنمی بن گئے اُن کی حالت یہ ہے كُلُّ حَزْبٍ لِّمَا
كَذَّبُوهُم فَذُوقُوا كَيْدًا اُن میں سے ہر گروہ اپنے اپنے عقیدہ میں محکم اور خوش
 ہے اور سمجھتا ہے کہ وہی صحیح راستہ ہے۔ اسماعیلی فرقے والوں کا عقیدہ ہے کہ
 خدا تعالیٰ امام میں حلول کر گیا ہے اگر یا امام کو الوہیت کے درجے پر پہنچا دیا۔ افضیول
 نے بھی اپنے امام کو معصوم قرار دیا اور قادیانیوں نے نبوت کے متعلق اپنے عقیدے
 کو مسخ کر لیا اور کافر ٹھہرے۔ بعض فرشتوں کا انکار کر کے گمراہ ہوئے اور بعض نے
 غلط تائید کر کے فریض کا انکار کیا اور علیحدہ فرقہ بن گئے۔ یہ سب جہنمی فرقے ہیں۔
 اللہ نے ان کی مذمت بیان کی ہے اور حکم دیا ہے کہ خلیف بن کر اپنے چہرے کو
 دین کے لیے قائم رکھو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھو، اُس سے ڈرتے رہو۔
 نماز قائم کرو۔ اور شکر کن میں سے نہ بن جاؤ۔ فرقہ بندی سے بچتے رہو اور کوئی غلط
 راستہ اختیار نہ کرو کہ کامیابی کا مدار اسی چیز پر ہے۔

الرّوم ٣٠

آيت ٣٢ تا ٣٤

اتل ما اوحى ٢١

درس هفتم

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ
 مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا آذَاهُمْ مِنْهُ
 رَحْمَةٌ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ
 يُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ
 فَتَسْتَعِزُّوا ^{بها} فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾ أَمْ
 أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ
 بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا
 آذَيْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا
 وَإِن تُصِبَّهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ
 أَيْدِيَهُمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ﴿٣٦﴾
 أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
 لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَلِكَ
 لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٣٧﴾

ترجمہ :- اور جب پہنچتا ہے ان کو کوئی تکلیف تو پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو ، اسی کی طرف رجوع کرکے والے ہوتے ہیں ۔ پھر جب وہ ان کو چکھاتا ہے اپنی طرف سے مہربانی کا مزہ تو اچانک ایک گروہ ان میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے (۳۳) (اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے) کہ وہ کفر کرتے ہیں اُس چیز کے ساتھ جو ہم نے اُن کو دی ہے ۔ پس فائدہ اٹھا لو ، عنقریب تم جان لو گے (۳۴) کیا ہم نے اُناری ہے ان پر کوئی دلیل ، پس وہ بول رہی ہے اس چیز کے بارے میں جس کے ساتھ یہ اُس کے ساتھ شریک بناتے ہیں (۳۵) اور جب ہم چکھاتے ہیں لوگوں کو مہربانی کا مزہ تو خوش ہو جاتے ہیں اس کے ساتھ ۔ اور اگر پہنچتا ہے اُن کو کوئی برائی اُس کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے تو اچانک وہ مایوس ہو جاتے ہیں (۳۶) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزوی جس کے لیے چاہے ، اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہے) بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں (۳۷)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور قیامت کا ذکر فرمایا تھا نیز یہ کہ توحید ایک فطری چیز ہے ۔ ہر مولود اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے یعنی اس میں توحید خداوندی کو تسلیم کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے ۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے کہ اسی کی طرف رجوع کرو اور اسی سے ڈرو ۔ نیز فرمایا کہ نماز قائم کرو

آیت

اور مشرکوں میں سے نہ بنو۔ شرک خلافِ فطرت چیز ہے یہ عقل اور نقل دونوں کی خلاف
 ہے جب عقائد بگڑ گئے ہیں تو فرقے پیدا ہوتے ہیں، اور ہر فرقہ اپنے اپنے عقیدہ
 پر خوش ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ صرف وہی راہِ راست پر ہے۔ یہ سب گمراہی
 ہے، توحید کو ماننا ہی فطری امر ہے۔

توحید کی
 دلیل

اس کی دلیل اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ
جَبَّ إِلَى النَّاسِ كُفْرُ كُفْرِي تَكْلِيفٍ سَجَّيْتِ بِهِ دَعْوًا رَبَّهُمْ مِنْ يَدَيْنِ إِيَّاهِ
 تو وہ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع رکھنے والے ہوتے ہیں طلب
 یہ کہ تکلیف کے وقت انسان لازمی طور پر خالص اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔
 اور تکلیف کے ازالے کے لیے اسی کے آگے دست بدعا ہوتے ہیں ظاہر
 ہے کہ جب تمام مادی وسائل ختم ہو جاتے ہیں تو اس وقت اللہ کی طرف رجوع
 کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔ وہ وحدہ لا شریک
 ہے۔ اگر مافوق الاسباب کوئی اور بھی مشکل کٹ ہوتا تو لوگ اس کی طرف رجوع کرتے
 لیکن ایسا نہیں ہوتا۔

فَرَمَايَا ثُمَّ إِذَا أَذَقَهُمْ مَمْتَهُ دَحْمَةً يَمْرُجِبُ هَمُّ لَوْ كُونُ
 کو اپنی رحمت اور مہربانی کا مزہ چکھاتے ہیں یعنی ان کی تکلیف دور کر دیتے ہیں
 ان کے فقر کو غنی میں تبدیل کر دیتے ہیں، بیماری کی بجائے صحت عطا کرتے ہیں۔
شَكَتْ كَوْفِخٍ أَوْ تَنْزَلِ كَوْتَرْتِي فِي بَدَلِئِي تِي تِي إِذَا فَرِيقِ مَنَّهُمْ
بِئِيَّهِمْ يُشْرِكُونَ تو اچانک ان میں سے ایک گروہ اپنے پروردگار
 کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔ مطلب یہ کہ تکلیف کے وقت ان کا بچہ یقین
 ہوتا ہے کہ اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں ہٹا سکتا، مگر جب وہ مشکل کو حل کر دیتا
 ہے تو اسے دوسروں کے نام منسوب کر کے شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور
 اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ کی بجائے غیروں کو روتیاز دینے لگتے ہیں
 کبھی کسی قبر پر چڑھا دے چڑھاتے ہیں اور کبھی رزقہ کے آگے سر نیاز خم کر دیتے

ہیں کہ اُس کی وجہ سے تکلیف دُور ہوئی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بدش تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوتی ہے مگر لوگ اُسے ساروں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں کہ فلاں پچھتر کی وجہ سے بارش ہوئی۔ یہ کفرانِ نعمت ہے اور یہی شرک ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ کہ جو کچھ ہم نے اُن کو عطا کیا ہے اُس کی ناشکری کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت کو غیروں کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا فَتَمَتَّعُوا پس آج تو تم اس نعمت سے فائدہ اٹھاؤ۔ دنیا کی زندگی میں عیش و آرام کر لو اور سمجھتے رہو کہ ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔ فَسَوْفَ نَعْلَمُونَ تمہیں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ دنیا میں

تم نے فطرت کے خلاف کام کیا۔ تمہاری حالت بتلائی ہے کہ پریشانی کے وقت خالص خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے اور گڑا گڑا کر اُسی سے دُعاؤں مانگتے تھے مگر جب وہ پریشانی دُور ہو گئی تو عبادت اور نذر و نیاز دوسروں کی ہونے لگی۔

یاد رکھو! تکلیف کے رفع ہونے پر یا نعمت کے عطا ہونے پر اللہ تعالیٰ ہی کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اُسی کی خوشنودی کے لیے اُسی کی نذر و نیاز ہونی چاہئے۔ تم نے یہ غلط کام کیا جس کا نتیجہ عنقریب سامنے آنے والا ہے۔ جو نبی موت آئے گی۔ تمام پر مے ہٹ جائیں گے۔ اور تمہاری ساری کارگزاری سامنے آ جائیگی، مگر اُس وقت کا کفرتوں سے لگا کسی کام نہ آئے گا۔

آگے اللہ نے شرک کے رد میں فرمایا أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا کیا ہم نے اُن کی طرف شرک کی کوئی دلیل نازل کی ہے؟ کیا کسی کتاب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں نبی، ولی، بزرگ یا صاحبِ قبر کو کوئی اختیار دیدیا ہے کہ وہ لوگوں کی حاجت روئی اور مشکل کشائی کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے کسی کو کوئی اختیار نہیں دیا۔ وہ ہر چیز کی تدبیر خود کرتا ہے۔ اس کا کوئی معاون و مددگار نہیں۔

يُكَلِّمُ الْأَمْمٰرَ مِنَ السَّمَآءِ إِلَى الْأَرْضِ (الہجہ: ۵) آسمانوں کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کا انتظام اُسی کے ہاتھ میں ہے، اُس نے کسی مخلوق

شرک کی دلیل

کو اختیار نہیں دیا کہ فلاں کام وہ کر دیا کرے حتیٰ کہ فرشتے بھی اسی کے حکم کے پابند بننے ہیں اور وہ ہی کام کرتے ہیں جس کا اللہ انہیں حکم دیتا ہے۔ فرمایا کیا ان کے پاس کوئی دلیل ہے

فَهَوَّ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ كَيْشْرَ كَوْنٍ جَوَانِمِ لَوْلَا كَرِخَا
 کے ساتھ شریک کرنا بتلاتی ہے؟ فرمایا اللہ نے ایسی کوئی دلیل نہیں آماری۔ بلکہ یہ
 از خود شرک کے ترکیب ہو کر اپنے لیے جنم کا سامان پیدا کر رہے ہیں۔

توحش اور
 مایوسی

اب اللہ نے ان لوگوں کی دوسری حالت بھی بیان فرمائی ہے وَإِذَا آذَقْنَا
النَّاسَ رَحْمَةً جب ہم لوگوں کو اپنی مہربانی کا نثر اچھکتے ہیں یعنی ان پر انعام و
 اکرام کی بارش کرتے ہیں۔ انہیں مال و دولت صحت اور خوشالی عطا فرماتے ہیں فَرِحُوا
بِهَا تو وہ اس کے ساتھ خوش ہو جاتے ہیں وَاللَّيْلِ تُصْبِحُهُمْ سَبَّحَةً
 لیکن جب ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے، اور وہ بھی بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ
 اس وجہ سے کہ ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے۔ یعنی ان کے اپنے بڑے کھڑوں
 کی وجہ سے جب وہ گرفتار مصیبت ہوتے ہیں، کاروبار میں نقصان ہو جاتا ہے، تھوڑالی
 واقع ہو جاتی ہے، بیماری لاحق ہو جاتی ہے، یا کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے إِذَا هُمْ
يَقْنَطُونَ تو اچانک وہ ناامید ہو جاتے ہیں۔ اور پھر خدا کا شکوہ کرنے لگتے ہیں
 کہ اُس نے زیادتی کی ہے، مگر جب اسودہ حالی آتی ہے تو اُسے خدا کا انعام سمجھنے
 کی بجائے اُسے اپنے علم و ہنر اور عقل و دانش کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ بہر حال فرمایا کہ شرک
 لوگ تو تکلیف میں مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں مگر اہل ایمان کے متعلق حضور علیہ السلام
 کا فرمان مبارک ہے لَا يَفْضِي اللَّهُ الْقَضَاءُ إِلَّا كَانَ خَيْرًا
 اللہ تعالیٰ ان کے حق میں جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہ ان کے حق میں بہتر ہی ہوتا ہے اور
 ان کا یہی ایمان ہوتا ہے۔ چنانچہ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَاوٌ شَكَرَ جب ایسے
 کسی شخص کو راحت نصیب ہوتی ہے تو وہ اللہ کا نیکمرا داکرنا ہے۔ اور اگر کوئی تکلیف
 پہنچتی ہے، تو صبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔ وَكَانَ خَيْرًا لگے اور یہ بھی اس کے
 حق میں بہتر ہی ہوتا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے رزق کی کشادگی اور تنگی کا فلسفہ بیان فرمایا ہے أَوَلَمْ يَرَوْا
كَيْفَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ
 کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے روزی جس کی چاہتا ہے وَيَقْدِرُ اور تنگ کر دیتا ہے
 روزی جس کے لیے چاہے۔ رزق کی وسعت اور تنگی میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں ہوتا
 بلکہ بیشیت ایزدی پر موقوف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق روزی کا فیصلہ
 کرتا ہے۔ دوسری جگہ اللہ نے اس کی حکمت بھی بیان کر دی ہے وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ
الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَٰكِن يُنزِّلُ لِقَدَرٍ
مَّا يَشَاءُ (الشوری - ۲۷) اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے سب کے لیے رزق کے
 دروازے کشادہ کر دیتا تو وہ بغاوت پر اتر آتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ایک اندازے کے مطابق
 روزی نازل کرتا ہے۔ اس کی مصلحت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ ہی
 بستر جانتا ہے کہ کسی شخص کے حق میں کتنی روزی بہتر ہے اور اس سے زیادہ خود اسی کے
 کے لیے نقصان دہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بعض ناہنجاروں اور بیوقوفوں کی روزی بہتر
 زیادہ وسیع کر دیتا ہے جب کہ بعض عقلمند اور سہز مند بھی تنگی میں زندگی بسر کرتے
 ہیں۔ اس کی حکمت کو وہی بستر جانتا ہے اور اُس کا تذکرہ قرآن میں جگہ جگہ بیان ہوا ہے
 توحید کے اثبات اور شرک کی قباحت کی جو جو باتیں بیان کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ
 کی صفات، اس کے اختیار اور تدبیر کا جو بھی مسئلہ ذکر ہوا ہے، متربایا إِن
فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ بے شک اس میں نشانیاں
 ہیں مگر اُن لوگوں کے لیے جو ایمان اور یقین رکھتے ہیں۔ اہل ایمان بخوبی سمجھ سکتے
 نہیں کہ اللہ کا فرمان بھق ہے۔ البتہ مشرک، کافر اور منافق وغیر شرک و شہادت میں
 پڑے رہتے ہیں۔ وہ تسلیم کرنے کی بجائے اعتراض ہی کرتے رہتے ہیں غرضیکہ
 انسانوں کو اپنی فطری حالت ہی اختیار کرنی چاہیے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا
 عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ وحدو لا شریک ہے۔ ہر قسم کے اختیارات اسی کے پاس ہیں اُس نے کسی
 دوسرے کو یا اختیار تفویض نہیں کیے ہر چیز کی تدبیر ہی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے اور کفر اور شرک باطل ہے۔

السّورۃ ۳۱

آیت ۲۸ تا ۴۰

اتل ما آوحی ۲۱

رِسْمِ شَم ۸

فَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ
 السَّبِيلِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ
 اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۳۸﴾ وَمَا
 آتَيْتُم مِّن رَّبًّا لَّيْرُبُوا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ
 فَلَا يَرُبُوا عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَمَا آتَيْتُم مِّن
 زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ
 هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴿۳۹﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ
 ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ
 هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَّنْ يَفْعَلُ مِثْلَ
 ذَٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰى
 عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ :- پس مے دو قرباندار کو اُس کا حق
 اور مسکین کو اور مافر کو یہ بہتر ہے اُن لوگوں کے
 لیے جو چاہتے ہیں اللہ کی رضا اور یہی لوگ ہیں فلاح
 پانے والے ﴿۳۸﴾ اور جو تم دیتے ہو سود کے طور پر

تاکہ بڑھے وہ لوگوں کے مالوں میں، پس وہ نہیں بڑھتا اللہ کے نزدیک۔ اور جو دیتے ہو تم زکوٰۃ، ارادہ کرتے ہو اس کے ساتھ اللہ کی رضا کا۔ پس یہی لوگ ہیں جو اپنے اجر کو دگنا کرنے والے ہیں (۳۹) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، پھر وہ تمہیں روزی دیتا ہے۔ پھر وہ موت طاری کرتا ہے پھر وہ تم کو زندہ کرے گا۔ کیا ہے تمہارے شرکوں میں سے کوئی جو ان کاموں میں سے کوئی کام کرتا ہو؟ پاک ہے اس کی ذات اور بلند ہے ان چیزوں سے جن کو یہ اس کے ساتھ شریک بناتے ہیں (۴۰)

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی مذمت اور قیامت کا مسلہ بیان فرمایا اور دین فطرت کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اللہ نے خدا کی طرف رجوع کرنے اور اسی سے ڈرنے کی بھی تلقین کی۔ اقامت نماز کا تاکید احکم دیا اور فرمایا کہ مشرکوں میں سے نہ بنو جو بنیادی عقائد میں خرابی پیدا کر کے گروہ درگروہ ہو گئے حالانکہ ہر گروہ باطل عقیدے پر تھا۔ پھر اللہ نے انسانوں کی عام حالت بھی بیان فرمائی کہ جب ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ان میں فطری جذبہ بیدار ہو جاتا ہے اور وہ خدا کے سامنے گڑگڑا کر دعا مانگتے ہیں۔ پھر جب وہ تکلیف دور ہو جاتی ہے تو اکثر لوگ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اللہ کے سوا دوسروں کی نذر و نیاز مینے لگتے ہیں اور قبروں پر چڑھاوے پڑھانا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ اپنی آسائش، آسودہ حالی اور کامیابی کو خدا کی بجائے دوسروں کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں۔ فرمایا یہ کفرانِ نعمت ہے جس کا نتیجہ انہیں عذق تریب جگتنا پڑے گا۔

اللہ نے یہ حقیقت بھی بیان فرمائی کہ جب ہم لوگوں پر کوئی مہربانی کرتے ہیں تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو مایوس ہو کر بیٹھ

رابطہ آیت

جاتے ہیں۔ یہ دونوں حالتیں انسان کے حق میں مضر ہیں۔ پہلی حالت میں وہ اترنے لگتے ہیں، غرور اور تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جب کہ دوسری حالت اُن کے لیے مایوسی کا باعث بنتی ہے۔ اس کے برخلاف مومن کے حق میں دونوں حالتیں بہتر ہوتی ہیں۔ جب اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ صبر کا دامن تمام لیتا ہے۔ پھر اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں وسعت عطا کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے۔ رزق تنگ کر دیتا ہے۔ رزق کی فراہمی کا تعلق اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کے ساتھ ہے، اس میں کسی انسانی ہاتھ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

قرابت
کا حق

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ روزی کا کنٹرول صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو پھر انسان کا فرض ہے کہ وہ اللہ کے عطا کردہ مال کو خرچ کرنے میں بخل نہ کرے بلکہ اس مال میں سے تمام حقداروں کے حقوق ادا کرے۔ چنانچہ اس مقام پر اللہ نے سب سے پہلے قرابتدار کے حق کی طرف توجہ دلائی ہے۔ قَاتِلِ ذَا الْقُرْبٰی حَقًّا قرابتدار کو اُس کا حق ادا کرو۔ یہ صیغہ تو واحد مخاطب کا ہے اور اس سے بظاہر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ ہی مراد ہے، لیکن عام مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ حکم تمام اہل ایمان کے لیے ہے کہ اگر اللہ نے انہیں رزق میں وسعت دی ہے تو وہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کریں۔ قرابت داروں میں سب سے پہلے ذوی القربن آتے ہیں، اور یہ وہ عزیز ہیں جن کا وراثت میں حصہ اللہ نے قرآن پاک میں مقرر کر دیا ہے پھر عصبیات ہیں جو کسی شخص کے قریبی رشتے دار ہوتے ہیں اور تیسرے نمبر پر ذوی الارحام یعنی دُور کے رشتہ دار ہیں۔ جیسے بھانجا، ماموں یا اُن کی اولاد وغیرہ۔

ان رشتہ داروں کے حقوق دو قسم کے ہیں۔ ایک واجب اور دوسرے مستحب۔ واجبات میں والدین کی خدمت پہلے درجہ میں آتی ہے۔ اگر وہ محتاج ہیں تو اُن کی مالی معاونت کی جائے اور اُن کی دیگر ضروریات کا خیال رکھا جائے۔ اسی

طرح اولاد کا بھی والدین پر حق ہے۔ جب تک اولاد چھوٹی ہے اس کی ساری ذمہ داری والدین پر آتی ہے۔ ان کی اچھی تربیت، لکھائی پڑھائی، ہنرمندی وغیرہ۔ پھر جب بچہ بالغ ہو جاتا ہے تو وہ خود ذمہ دار بن جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا ہے اور اس کے رشتہ دار محتاج ہیں تو اس پر واجب ہے کہ اپنے غریب قرابتداروں کو خرچہ دے۔ امام احمد سے بھی ایسے ہی منقول ہے اور اگر والدین یا دوسرے رشتہ دار صاحب استطاعت ہیں تو ان کی مالی خدمت ضروری نہیں ہوگی۔ البتہ ان کو جسمانی طور پر راحت پہنچانا، والدین کی مسکھی چانی کرنا، ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور ان کی بات ماننا، صلہ رحمی کرنا وغیرہ مستحبات میں داخل ہے۔

ادار اور
سافر کا حق

قرابت داروں کے حقوق کے بعد فرمایا وَالْمَسْكِينُ اور نادار کا حق بھی ادا کرو تمہارے مال میں اللہ نے اس کا حق بھی رکھا ہے۔ فِي سَمَوَاتِهِمْ
حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُورِ (المعارج، ۲۴، ۲۵)

سوالی اور نادار کو اس سے محروم نہ رکھو بلکہ ان کا حق بھی ادا کرو۔ پھر فرمایا وَابْنُ
السَّبِيلِ تمہارے مالوں میں مسافروں کا بھی حق ہے۔ دوران سفر ایسے حالات پیش آسکتے ہیں کہ کسی مسافر کا مال ضائع ہو جائے، جیب کٹ جائے یا کوئی دوسری پریشانی لاحق ہو جائے۔ ایسا مسافر اگرچہ اپنے گھر میں صاحب مال ہو مگر جن حالات میں اُسے اعانت کی ضرورت پڑی ہے، اُس حالت میں صاحب حیثیت لوگوں پر اُس کی مدد کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے مسافر کا حق زکوٰۃ میں بھی رکھا ہے

فَرَأَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرًا لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ یہ ان لوگوں

کے لیے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے طالب ہیں۔ ایسے صاحب مال حضرات جنہیں آخرت پر یقین ہے اور وہ ان کی کامیابی کے لیے انہیں اللہ کی رضا کی ضرورت ہے، ان پر ضروری ہے کہ مذکورہ حقوق ادا کریں اور اس معاملہ میں غفلت کا مظاہرہ نہ کریں۔ اگر انہوں نے یہ حقوق ادا کر دیے وَأُولَٰئِكَ

هُمُ الْمُفْلِحُونَ تو یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ انہیں دُنیا میں کچھ کامیابی حاصل ہوگی اور آخرت کی کامیابی تو بہر حال دائمی ہے جو انہیں میسر آئے گی۔

سود کی
ممانعت

اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں سود کی قباحت اور زکوٰۃ کی برکات کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَبَاٍ اَوْ جَوَّمِ سَوَدٍ كَمَا تَرْتَابُ لَيْسَ لَكُمْ فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ نَاكِهٌ لَّوْ كُنْتُمْ اَصْنَافًا مَّهْرًا فَذٰلِكَ يَوْمًا عِنْدَ اللّٰهِ يَسْ اِيَا مَالِ اللّٰهِ كَيْ نَزِيكٌ نِيَسَ بَطْصَا سَوَدٍ رَّوْمِ مَكِي بے اور مکی زندگی میں سود کی حرمت نازل ہوئی تھی بلکہ یہ حرمت ہجرت کے دو ستر سال سورۃ بقرہ میں نازل ہوئی۔ چنانچہ یہاں جو سود کا ذکر آیا ہے اس کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے وہ سود مراد نہیں جو قطعی حرام قرار دیا گیا ہے بلکہ اس سے مراد وہ زیادتی ہے جو کسی لین دین کے معاملہ میں وصول کی جائے مثلاً ایک شخص دوسرے آدمی کو اس نیت کے ساتھ کوئی تحفہ پیش کرتا ہے کہ کسی ایسے ہی موقع پر وہ اس سے بہتر تحفہ وصول کرے گا، تو یہ چیز اگرچہ سود میں داخل نہیں مگر اس کا خلاف ہے جس کو ناپسند کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ تھوڑی چیز دے کر زیادہ کی توقع کرنا یا جیسی نیک خصلت کے خلاف ہے۔ ایسی توقع سے حرص، لالچ اور کینہی کا ظہار ہوتا ہے۔ سورۃ المائدہ میں بھی اللہ کا فرمان ہے وَلَا تَعْمَنْ نَسْتَكْتَبُ رَايْت - ۶) زیادہ معاوضہ حاصل کرنے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو، ہمارے ہاں سیاہ شادی کے موقع پر نوتا یا نیونڈرا کی رسم پائی جاتی ہے۔ صاحب خانہ کو اس کے عزیز واقارب، یار دوست اور محلہ والے کچھ رقم بطور نیونڈرا ادا کرتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ نیت یہ ہوتی ہے کہ جب ہمارے ہاں ایسی تقریب ہوگی تو ہم اس سے زیادہ وصول کریں گے۔ چنانچہ اسی نظریہ کے پیش نظر اہل خانہ وصول شدہ رقم کا باقاعدہ ریکارڈ رکھتے ہیں تاکہ آئندہ سے ٹرانے میں آسانی ہے۔ پھر یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ اگر کوئی شخص وصول کردہ رقم سے زیادہ ادا نہیں کر پاتا تو قابل ملامت گردانا جاتا ہے۔ یہی کھینچن ہے۔ اگر کسی تقریب پر کسی کو ہاں پیش

کیا ہے تو اس سے زیادہ وصول کرنے کی نیت نہیں ہونی چاہیے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ تحفہ نام ہی اس چیز کا ہونا ہے جو بے لوث ادا کی جائے اور واپس لینے کی نیت نہ ہو اگر کوئی شخص کسی موقع پر اس کو بھی کوئی تحفہ پیش کرے تو اسے تر خواہ وہ کم ہو یا زیادہ اس کے دل میں ملاں نہیں ہونا چاہیے اور تحفہ کو بخوشی قبول کر لینا چاہیے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کرے تو آپ اس کا بدلہ عطا کرتے اور دوسروں کو بھی یہی حکم دیتے کہ ہدیہ کا بدلہ دیا کرو۔ اگر ہادی بدلہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو اس کے لیے دعا ہی کر دو۔ **حَذَاكَ اللَّهُ خَيْرٌ لِّعِنَى اللَّهِ تَحِيَّةً بَسْتَرِدُّهُ عَطَا قَرْمَلُ**۔ اس قسم کا تحفہ اور اس کا بدلہ حربِ توفیق جائز ہے مگر یہ نیت کرنا کہ اس سے زیادہ ہی لوں گا۔ ایک غلط رسم ہے۔ الغرض! اللہ نے فرمایا کہ جو تم سود کے طور پر دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں اضافہ ہو، اللہ کے نزدیک تو ایسا اضافہ نہیں ہوتا یعنی ایسے مال میں برکت نہیں ہوتی۔

آگے فرمایا **وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ** جو کچھ تم زکوٰۃ کی صورت میں دیتے ہو **تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ** اور اس سے تمہیں رضائے الہی مطلوب ہوتی ہے۔ فرمایا **وَلِلَّهِ هُمْ الْمُضْعِفُونَ** ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنے اجر و ثواب کو دگنا چوگنا کرنے والے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو چیز پاکیزگی اور اخلاص کے ساتھ فی سبیل اللہ دی جائے وہ اللہ کے نزدیک بڑھتی رہتی ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص خلوص نیت کے ساتھ کھجور کا ایک دانہ اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتا رہتا ہے حتیٰ کہ قیامت والے دن وہ کھجور کا دانہ پہاڑ کے برابر ہو جائے گا۔ گویا متعلقہ شخص کو چھوڑے سے خرچے کا اتنا بڑا اجر حاصل ہو گا۔ اللہ کے راستے میں خرچ کا کم از کم اجر تو دس گنا ہے اور سیلست سو گنا تک جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نیت اور خلوص کے مطابق اس کو لاکھوں کروڑوں گنا تک بدلہ عطا فرمائے گا۔ زکوٰۃ میں برکت کا یہی مفہوم ہے۔

زکوٰۃ میں
برکت

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کے سلسلے میں یاد دلایا ہے اللہ الَّذِي
خَلَقَكُمْ اللَّهُ ذَاتِ وَهَبَ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ فَمَا كُنْتُمْ شَاكِرِينَ
اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا نہیں۔ اُس کا چیلنج ہے هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ (فاطر ۲)
کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس کے سوا نہ کوئی خالق ہے اور
نہ کوئی رازق۔ فرمایا اُس نے تمہیں پیدا کیا ثُمَّ ذَقْتُم مِمَّا تَعْبُدُونَ
بہم پہنچائی۔ رزق کی تقسیم بھی کَلِمَاتٍ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اُس نے کسی دوسرے
کو اختیار نہیں دیا کہ وہ روزی تقسیم کرے، گذشتہ سورۃ میں گمراہ بچکا ہے۔ وَكَانَ
رَبَّنَا يُدْرِكُ الرَّسْمَ لَمْ يَلْمَسْ رِجْلًا فَمِنْهَا كَذَبُونَ
(العنکبوت - ۲۰) بہت سے جانور ہیں جو اپنی روزی اپنی پشتوں پر نہیں اٹھائے پھرتے۔
اللہ ہی ان کو روزی دیتا ہے اور تمہیں بھی۔ یہ توحید کی بات سمجھائی جا رہی ہے ہندوؤں
میں سناتن دھرمی فرقے کا عقیدہ ہے کہ پیدا کرنے والا، ٹھکانے والا اور موت دینے
والے مختلف خدا ہیں۔ یہ بالکل باطل عقیدہ ہے اللہ نے اس آیت میں واضح
کر دیا ہے کہ پیدا کرنے والا، روزی رسال، مارنے والا اور زندہ کرنے والا ایک ہی
وحدہ لا شریک ہے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں خالد کے بیٹے دو صحابیوں کا بیان نقل کیا ہے کہ ہم
دنوں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کوئی چیز بنا ہے
تھے یا مرمت کر رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضور علیہ السلام اپنے ہاتھ سے
بجری کا دودھ دودھ لیتے، اپنا جوتا مرمت کر لیتے، کپڑے دھو لیتے۔ یہ حال
آپ اسی قسم کا کوئی کام کر رہے تھے تو اس وقت آپ نے فرمایا کہ رزق کے معاملے میں
کبھی بایوس نہ ہونا کیونکہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو وہ سرخ رنگ کا ایک لوتھڑا
ہوتا ہے جو بالکل برہنہ ہوتا ہے۔ پھر اللہ اس کے لیے دنیا میں لباس خوراک، مکان
سرخینہ ہر چیز مہیا کرتا ہے لہذا جب تک تمہارے سروں میں حرکت ہے، اُس کی نعمت
سے بایوس نہ ہونا۔

فرمایا وہی تمہیں پیدا کرتا ہے اور روزی دیتا ہے۔ تَمْرًا يَمِينًا كُمْ
 وہی تم پر موت بھی طاری کرتا ہے تَمْرًا يَحْيِي كُمْ پھر قیامت کو وہی تمہیں
 دوبارہ زندہ کرے گا۔ یہ چاروں صفات یعنی پیدائش، روزی، موت اور زندگی اللہ تعالیٰ
 کے لیے خاص ہیں۔ اُس نے کسی دوسری ذات کو اختیار نہیں دیا کہ ان معاملات میں تصرف
 کر سکے۔ وہ وحدہ لا شریک ہے، لہذا شرک سے بچ جاؤ۔

درستی جید

فرمایا جب تمام امور کو انجام دینے والا صرف خدا تعالیٰ ہی ہے۔ هَلْ هِيَ
شَيْءٌ كَأَيْدِيكُمْ مِّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذَلِكَ مِمَّنْ شَيْءٌ تو کیا تمہارے شرکوں
 میں سے کوئی ہے جو ان امور کو انجام دے سکے؟ تمہارے جعلی مشکل کشا اور حاجت روا
 یقیناً یہ کام نہیں کر سکتے۔ جب یہ بات ہے تو پھر ان کو خدا کی صفات میں کیوں شریک
 کرتے ہو؟ اور ان کو نذر و نیاز کیوں پیش کرتے ہو؟ فرمایا سُبْحٰنَہُ اللہ تعالیٰ
 کی ذات پاک ہے وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اور بلند ہے ان چیزوں سے
 جن کو یہ خدا کا شریک بنا ہے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا نہ کوئی ذات میں شریک ہے نہ عباد
 میں اور نہ صفت میں۔ وہ بے نیاز ہے اور تمام اختیارات اسی کے پاس ہیں۔ اتنے
 دلائل کے باوجود بھی خدا کا شریک ٹھہرنا کتنی حماقت کی بات ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ
 أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي
 عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِيرُوا
 فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَتْ
 عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ، كَانْ أَكْثَرُهُمْ
 مُشْرِكِينَ ﴿۴۲﴾ فَأَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ
 الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ
 مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يُصَدِّعُونَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ
 فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ، وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا
 فَلَا نَفْسِهِمْ يُمَهِدُونَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ
 آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ
 إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: پھیل گیا ہے فساد خشکی اور تری میں اس
 کی وجہ سے جو انسانوں کے ہاتھوں نے کمایا ہے، تاکہ

چکھائے (اللہ تعالیٰ) اُن کو بعض اُن کاموں کا بدلہ جو انہوں نے کیے ہیں، شاید کہ یہ لوگ واپس پلٹ جائیں (۴۱) (۱) لے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ چلو زمین میں اور دیکھو کہ کیا ہوا انجام اُن لوگوں کا جو اس سے پہلے تھے اُن میں سے اکثر شرک کہنے والے تھے (۴۲) پس قائم کریں آپ اپنے رنج کو دینِ قیم کے لیے قبل اس کے کہ آجائے وہ دن جس کو کوئی ٹوٹا نہیں سکتا اللہ کی طرف سے۔ اُس دن وہ جُدا جُدا ہو جائیں گے (۴۳) جس نے کفر کیا، پس اسی پر اس کے کفر کا وبال ہوگا۔ اور جس نے اچھا عمل کیا، پس یہ لوگ اپنے نفسوں کے لیے ہی تمہید باندھ رہے ہیں (۴۴) تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے اپنے فضل سے۔ بیشک وہ نہیں پسند کرتا کفر کرنے والوں کو (۴۵)

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید اور توحید کے دلائل بیان فرمائے، اور ساتھ ساتھ قیامت کا مسئلہ بھی سمجھایا۔ اللہ نے واضح فرمایا کہ تمام اسباب پر اسی کا تصرف ہے اور رزق کی تنجی اور کٹا دگی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی انسانوں کو زندگی بخشتا، روزی دیتا اور موت طاری کرتا ہے۔ اور پھر قیامت کو دوبارہ بھی زندہ کرے گا اللہ نے شکوہ بیان کیا کہ جب یہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے تو پھر لوگ شرک سے باز کیوں نہیں آتے اور اللہ کی دی ہوئی روزی میں سخی کیوں کرتے ہیں؟

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ بسا اوقات لوگوں کی نافرمانیوں اور بد اعمالیوں کی وجہ سے دنیا میں بھی سزا ملتی ہے پھر اللہ نے دنیا میں آنے والے حوادث اور مصائب کے اسباب کا ذکر فرمایا ہے

رابط آیات

مخبر میں
ساد کاظمی

ارشاد ہوتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَنِّ وَالْبَحْرِ خَشْيًا اور تری میں فساد پھیل گیا ہے بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ ان لوگوں کے ہاتھوں کی کھائی کی وجہ سے اور اس میں اللہ کی حکمت یہ ہے لِيَذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا نَاكِرًا اُن کو اُن کے بعض کاموں کا بدلہ چکھائے۔ یعنی لوگوں کی بد اعمالیوں کی یا تو انہیں سزا دی جائے۔ یا کم از کم تنبیہ کی جائے۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ تاکہ وہ واپس لوٹ آئیں یعنی بد اعمالیوں سے باز آجائیں۔

امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس فساد سے مراد قحطِ سالی، کثرتِ اموات اور وباؤں وغیرہ ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ فساد سے مراد جنگیں ہیں جو بڑی تباہی پھیلاتی ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ کے نزول کے وقت قیصر و کسریٰ کے درمیان جنگ ہو رہی تھی جس کا ذکر سورۃ نہا کی ابتدائی آیات میں ہو چکا ہے۔ اس وقت بحرِ روم میں قتل کا بازار گرم تھا، فریقین ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کسے کسے حملے کر رہے تھے جس کے نتیجے میں کثرت سے موتیں واقع ہو رہی تھیں، جانور ہلاک ہو رہے تھے فصل تباہ ہو رہے تھے اور مکانات سہمدم ہو رہے تھے۔ موجودہ ایچی دور کی جنگیں تو مزید خطرناک ہیں۔ اب تو وسیع پیمانے پر بیماری ہوتی ہے، توپیں گولہ باری کرتی ہیں، اینٹک اگ برساتے ہیں، کیمیاوی اور ایچی ہتھیار استعمال ہوتے ہیں جن سے لاکھوں نفوس آج واحد میں موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ شہر اور بستیاں کھنڈرات میں تبدیل ہو جاتی ہیں، فیکریٹیاں تباہ اور کھیت ویران ہو جاتے ہیں ایسے ہی واقعات کے متعلق فرمایا کہ خَشْيًا اور تری میں فساد پر پاپا ہو چکا ہے۔

برہمینی
فارہ

اللہ نے فرمایا ہے کہ مذکورہ تباہی و بربادی عام طور پر انسانوں کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے آتی ہے۔ جنگ چھڑ جائے یا کوئی دیگر حادثہ از قیصر و کسریٰ، طوفان یا کوئی اور آفت آجائے اس میں کسی نہ کسی طور پر انسانی ہاتھوں کا دخل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس میں مطلق انسانی دخل نہیں ہوتا تاہم عام طور پر یہ انسان کی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہوتا ہے سورۃ النور میں فرمایا وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا

كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ (آیت - ۲۰) نہیں
 جو بھی مصائب پہنچتے ہیں وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ سب
 سہی باتوں میں درگزر بھی فرماتا ہے۔

اعمال بد میں سرفہرست کفر اور شرک ہے، یہی ساری برائیوں کی جڑ بنیاد اور
 یہی فساد فی الارض ہے۔ امام ابو العالیہ جو تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں مَنْ
 عَصَى اللَّهَ فِي الْأَرْضِ فَقَدْ أَفْسَدَ فِي الْأَرْضِ یعنی جس
 شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اس نے گویا زمین میں فساد پھیلایا۔ فقہ
 کے متعلق بھی سورۃ بقرہ میں موجود ہے لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ
 (آیت - ۱۱) زمین میں نفاق کے بیج بکھریا کرو کہ فساد نہ بپا کر دو۔ حضرت شعیب علیہ السلام
 نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ
 إِصْلَاحِهَا (الاعراف - ۸۵) زمین کی درستگی کے بعد اس میں فساد نہ پھیلاؤ۔ وہ
 لوگ تجارت میں خرابی کرتے تھے، لین دین میں ڈنڈی مارتے اور لوگوں کے حقوق غصب
 کرتے تھے، راستوں میں ڈاکے ڈالتے تھے اور اللہ کے نبی کو تبلیغ سے روکتے تھے
 یہ سب فساد فی الارض کی تعریف میں آتا ہے۔

جس شخص نے زمین میں معصیت کا ارتکاب کیا، وہ بھی فساد فی الارض کا
 مرتکب شمار ہوگا کیونکہ صَلَاحُ الْأَرْضِ بِالطَّاعَةِ زِمِينِ کی درستگی
 اطاعت کے ذریعے ہوتی ہے اور نافرمانی باعثِ فساد ہوتی ہے اسی لیے بزرگان
 دین کا مقولہ ہے اللَّهُمَّ أَنْقِزْنِي مِنْ ذُلِّ الْمَعْصِيَةِ إِلَى
 عِزِّ الطَّاعَةِ اے اللہ! ہمیں معصیت کی ذلت سے نکال کر اطاعت
 کی عزت تک پہنچا۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ اغلال بالشرائع یعنی قوانین الہیہ کی
 خلاف ورزی ہی فساد فی الارض ہے۔ اس کے برخلاف حضور علیہ السلام نے اصلاح
 فی الارض کے ضمن میں فرمایا لَنْ يَتَّقَا فِي الْأَرْضِ خَيْرٌ مِنَ
 أَهْلِهَا مَنْ أَنْ يَمُطَرُوا أَرْبَعِينَ صَبَاحًا یعنی زمین پر

اللہ کی ایک حد جاری کر دینا اہل علاقہ کے لیے چالیس دن کی اُس مسلسل بارش سے زیادہ بہتر ہے جو فصلوں کے لیے مفید ہے۔ امام ابوحنیفہؒ بھی فرماتے ہیں الْحَدُّ وَدُّ زَوَاجِرِ حد و کا اجر اباعثِ تنبیہ ہوتا ہے۔ کسی ایک مجرم پر حد جاری ہوتی ہے تو دوسروں کو تنبیہ ہوتی ہے اور وہ بُرائی سے باز آجاتے ہیں۔

نیک و بد
کی نوبت

بخاری، مسلم اور موطا امام مالک میں یہ حدیث موجود ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ إِنَّ الْفَاجِرَ إِذَا مَاتَ يَسْتَرْجِعُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالْأَنْبَابُ جب کوئی فاجر آدمی مر جاتا ہے تو بندے، شجر، درخت اور جانور اُس سے راحت پاتے ہیں کیونکہ اس گنہگار آدمی کے گناہوں کا ان اشیاء پر منفی اثر ہوتا ہے جس کی وجہ سے رزق میں کمی آتی ہے۔ جب فرعون عرق ہوا تو اللہ نے فرمایا فَتَمَاتَ بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَالرَّجُلُ الْمُكْرَمُ اُن پر نہ زمین روئی اور نہ آسمان بلکہ اُن پر یہ محاورہ صادق آیا۔ خَسِمْ كَمْ وَجْهًا پاک و بگڑے ظالم قوموں کے متعلق بھی اللہ کا فرمان ہے۔ فَقَطَّعَ دَابِرَ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الانعام - ۴۵) اللہ نے ظالم قوم کی جڑ ہی اکھاڑ کر رکھ دی۔ اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے جن نے زمین کو ان ظالموں سے پاک کر دیا۔ بہر حال جب کوئی فاسق، فاجر، ناہنجار آدمی مر جاتا ہے تو زمین کی چیزیں اللہ کا شکر ادا کرتی ہیں کہ اس بد بخت کی نجاست سے بچ گئیں۔

اس کے برخلاف اگر کوئی اہل ایمان نیک آدمی اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو آسمان کے وہ دروازے روتے ہیں جہاں سے اُس شخص کے اعمال اُپر جا یا کرتے تھے۔ اور وہ دروازے بھی روتے ہیں جہاں سے اُس کی روزی کا حکم آتا تھا امام ابن کثیرؒ نے ابن زیاد کی گورنری کے زمانے کا واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی شخص کو ایک تھیلی ملی جس میں کعبور کی گٹھلی جتنے موٹے موٹے گندم کے دانے تھے۔ اُس تھیلی پر لکھا تھا کہ یہ اُس زمانے کی پیداوار ہے جب زمین پر عدل و انصاف کا دور دورہ

تھا۔ گویا عدل و انصاف کی اتنی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ وافر غلہ پیدا کرے تا تھا۔ اسی طرح صحیح حدیث میں آتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزول پر کفر شرک مٹ جائے گا، دنیا میں نیکی اور اطاعت کا دور دورہ ہوگا۔ اس وقت زمین اپنی تمام برکات کو اگلے لے گی۔ اور انار کا ایک دانہ سینکڑوں آدمیوں کی خوراک کے لیے کافی ہوگا۔ اس وقت فتنہ فساد ختم ہو جائے گا اور لوگ امن و سکون اور اتفاق و اتحاد کی زندگی بسر کریں۔

مصائب و الآم دو وجہ سے آتے ہیں۔ یا تو ان کے ذریعے نافرمان افراد اور قوموں کی ہلاکت مقصود ہوتی ہے اور یا پھر انہیں تنبیہ کہنا مطلوب ہوتا ہے تاکہ وہ نافرمانی سے باز آجائیں اور اطاعت کا راستہ اختیار کر لیں۔ قرآن پاک میں ان دونوں سبب کا ذکر موجود ہے۔ دیکھئے مصائب تو انبیاء پر بھی آتے ہیں حالانکہ وہ تو گناہ سے پاک ہوتے ہیں، ان کو مصائب کے ذریعے ابتلا میں ڈالا جاتا ہے تاکہ ان کے درجات بلند ہوں، ان کو تزیین حاصل ہو، اور ان کے نفوس پاک ہو جائیں۔ عام انسانوں کو بھی تکالیف آتی ہیں تو ان کے بھی مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ بدکار آدمیوں کو سزا دینا یا تنبیہ کہنا مقصود ہونا مگر نیک آدمیوں کے لیے تکالیف ان کے ثواب میں اضافہ اور ملندی درجات کے لیے آتی ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ کسی بیمار آدمی کو کڑوی دوائی پلا کر سمجھا دیا جاتا ہے کہ اس سے تمہیں تکلیف دینا مقصود نہیں بلکہ اس کا نتیجہ تھکے رختی میں اچھا ہوگا۔ یا اگر کسی شخص کے جسم کا کوئی حصہ بالکل ناکارہ ہو جائے اور اس کے اثرات جسم کے دوسرے حصوں میں بھی پھیلنے کا خطرہ ہو تو ڈاکٹر اس مفلوبہ حصہ جسم کو کاٹ پھینکے، جس ہی مصلحت دیکھتے ہیں کیونکہ اس کا کٹ جانا ہی آدمی کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔

شاہ صاحب کی حکمت میں یہ بات مستم ہے کہ انسانوں کو ان کے اعمال کا بدلہ ملنا ضروری ہے۔ بعض اوقات بدلے کا کچھ حصہ دنیا میں بھی مل جاتا ہے مگر اس کا زیادہ حصہ آخرت میں ہی ملے گا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انسان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ اسے اس کے عمل کی جزا یا سزا ضرور ملنی چاہیے اور اس کی آپ نے چار وجوہات

لے ابن کثیر ص ۳۳۳ (فیاض)

مصائب کی
وجوہات

بیان کی ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت ملکیت اور بہیمیت کی کشمکش کا نام ہے جو ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ بہیمیت مغلوب ہو کہ ملکیت غالب آجائے۔ اب اگر اس کے برخلاف ہوگا تو وہ فطرت کے خلاف ہوگا۔ اور اس کیلئے انسان کو سزا ملنی چاہیے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں کی دعائیں اور بددعائیں بھی انسانی جزا و سزا کا سبب بنتی ہیں اور یہ دوسری وجہ ہے۔ جب کوئی شخص نیک عمل انجام دیتا ہے تو ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں سے شعائیں نکلتی ہیں۔ جو اس شخص پر بھی پڑتی ہیں اور اُوپر بھی جاتی ہیں اور پھر ان کا انسان کے حق میں اچھا نتیجہ نکلتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی آدمی بڑے فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو فرشتوں سے شعائیں نکلتی ہیں۔ یہ شعائیں بھی متعلقہ شخص پر پڑتی ہیں اور اُوپر کی طرف بھی جاتی ہیں، اس طرح گویا فرشتوں کی دعائیں اور بددعائیں بھی جزا یا سزا کا سبب بنتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جزا و سزا کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ کے مقرر کردہ شرائع کا تقاضا ہے کہ انسان ان کی پابندی کریں۔ اب اگر وہ ان قوانین کی پابندی کرتے ہیں تو جزا اور نہ سزا کے حق دار بننا چاہئیں۔ اور جو جتنی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انبیاء کو مبعوث فرما کر حلال حرام اور جائز ناجائز کو واضح کر دیا ہے۔ اب جو شخص اچھا کام کرے گا وہ اچھے بدلے کا حقدار ہے اور جو حرام اور ناجائز کو اختیار کرے گا۔ معصیت کا ارتکاب کرے گا۔ اُسے سزا ملنی چاہیے۔ یہ چار چیزیں جزائے عمل کا سبب ہیں۔

دریں عبرت

ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں سَيُؤْوَا فِي الْاَرْضِ
 زمین میں چل پھر کر دیکھو، ذرا سیر ویا حثت کرو اور پھر فَاَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ دیکھو کہ تم سے پہلے لوگوں کا کیسا حشر ہوا۔ لیکن
 يَادْرِكُوْنَ كَانْ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ اَنْ كِ الْكُفْرِيْنَ مُشْرِكِيْنَ تَعْنِيْ طَابِرِيْ
 کہ تمام برائیوں میں مشرک اور کفر سے فرست ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے اِنَّ الشِّرْكَ
 لظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان - ۱۳) نيز وَالْكَافِرُوْنَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ

(البقرہ - ۲۵۴) جس طرح پہلے زمانے کے لوگ کافر اور مشرک تھے، اسی طرح آج بھی اکثریت اپنی کی ہے۔ آج دنیا کی کل آبادی کا صرف پانچواں حصہ اہل ایمان ہیں۔ جب کہ باقی چار حصے کفر و شرک ہی میں مبتلا ہیں۔ خواہ وہ یہودی ہیں یا عیسائی، اصنامی بت پرست ہیں یا سونی بت پرست، روسی ہیں یا چینی یا دہریے سب کفر اور شرک میں مبتلا ہیں۔ بہر حال فرمایا کہ پہلے لوگوں کی اکثریت مشرکوں کی تھی اور ایسے لوگوں کا انجام آپ دنیا میں چل پھیر کر دیکھ سکتے ہیں کہ اللہ نے انہیں کس کس قسم کے عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کیا۔ آج ان کی اُجھڑی ہوئی لبتیوں کے کھنڈرات دیکھنے والوں کے لیے درسِ عبرت بنے ہوئے ہیں۔

دین پرستی

آگے ہر انسان کے لیے حکم ہو رہا ہے **فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ** اپنے رُخ کو دینِ قییم کے لیے قائم کریں یعنی اپنی توجہ خالص دینِ اسلام کی طرف مرکوز کر دیں کیونکہ کفر اور شرک کا انجام آپ دیکھ چکے ہیں۔ اور یہ دینِ و **ذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ** (البینۃ - ۵) سچتہ دین ہے جس کے اصول و ضوابط اہل ہیں اور جو ہر زمان و مکان اور ہر قوم و ملت کے لیے موزوں ہے۔ یہ قوانین اللہ تعالیٰ نے جو عظیم و غیر ہے اپنے بندوں کی مصلحت کے لیے نازل فرمائے ہیں۔ لہذا ان کی پابندی ہی فلاح ہے۔

آپ اپنا رُخ اسی دین کی طرف قائم رکھیں **مَنْ قَبِلَ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمَ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ** پیشتر اس کے کہ وہ دن آجائے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جسے کوئی روک نہیں سکے گا۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے جو اپنے مقرر وقت پر آجائے گا۔ اور جسے کوئی مال نہیں سکے گا۔ اس دن محابہ کے منزل آئے گی اور پھر ہر ایک کو اپنے کیے کا بدلہ مل کرے گا۔ فرمایا وہ ایسا دن ہوگا **يَوْمَ يَدْعُ نَادِعُونَ** جس دن ہر لگ بھگ جدا ہو جائیگی ہر سطح کے مجرم اپنے اپنے جرم کے مطابق علیحدہ علیحدہ گروہ یا قطار میں کھڑے ہو جائیں گے۔ اسی طرح اطاعت اور نیک نالی اپنے اپنے درجے کی نیچی کے مطابق الگ الگ گروہوں میں تقسیم ہو جائیں

گے۔ اس وقت دنیا میں تریک و بد سب مخلوط ہیں مگر قیامت والے دن ان کی الگ الگ ٹریاں بن جائیں گی۔ پھر اس کے بعد صَتَّ كَفْرًا فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ جس شخص نے اس دنیا میں کفر کا ارتکاب کیا ہوگا، اُس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اُس دن وہ سزا سے بچ نہیں سکے گا۔ اور اعمال بد کا نتیجہ بھگتنا ہوگا۔

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا جس نے دنیا میں نیک اعمال انجام دیے ہونگے فَلَا نَفْسٍ لَهُمْ كَيْمًا وہ لوگ اپنے نفسوں کے لیے تمہید اٹھا رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ ایمان اور نیکی والے لوگ اس دنیا میں اپنے لیے ابدی آرام و راحت کا سامان کر رہے ہیں۔ اور اس کا فائدہ یہ ہوگا۔ رِيحِنِي الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور نیک اعمال انجام دینے والوں کو بدلہ دے اپنی خاص مہربانی سے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو محض اپنے اعمال پر ہی بھروسہ کر کے نہیں بیٹھ رہنا چاہیے بلکہ اصل چیز اللہ کی مہربانی ہے۔ اس کا فضل شامل حال ہوگا تو کامیابی حاصل ہوگی، ورنہ نہیں۔ فَسُرَّيَا يَأْتِي رُكُوعًا لایحیبت الکفرین۔ بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ نہ سمجھنا کہ اس دنیا میں کامیاب امریکہ، روس، جرمنی اور فرانس جیسی بڑی بڑی سلطنتیں اللہ کے ہاں بھی محبوب ہیں۔ ایسے کافر و مشرک تو اللہ کے ہاں مبغوض ہیں دنیا میں اللہ تعالیٰ اُن کو دولت دے رہا ہے۔ پھر جب مقررہ وقت آ پہنچے گا تو ان کو گرفت میں لے لے گا۔ سورة الزمر میں ہے وَلَا يَخْضِعُ لِعِبَادَةِ الْكُفْرَةِ وَ إِنْ تَشْكُرُوا و إِيْرَضُهُ لَكُمْ (آیت ۷۷) اللہ تعالیٰ کافروں سے راضی نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر تم ایمان کے ساتھ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو وہ تم سے راضی ہو جائے گا۔ اسی لیے کفر اور شرک کی تردید ہو رہی ہے اور دینِ قیم یعنی دینِ توحید کو اختیار کرنے کی تلقین ہے۔

لرؤم ٣٠
آيت ٢٦ ٢٩٠

اقل ما اوحى ٢١
درس دهم ١٠

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيحَ مُبَشِّرَاتٍ
وَلِيَذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلُكُ
بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُونَ ﴿٢٦﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ
فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا وَكَانَ
حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٧﴾ اللَّهُ الَّذِي
يُرْسِلُ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ
فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسْفًا
فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ فَإِذَا أَصَابَ
بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبِشِرُونَ ﴿٢٨﴾
وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ
مِّنْ قَبْلِهِ لَمُبْلِسِينَ ﴿٢٩﴾

ترجمہ :- اور اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ چلاتا ہے ہواؤں کو جو خوشخبری لانے والی ہوتی ہیں۔ اور تاکہ چکھائے تمہیں اپنی رحمت سے اور تاکہ چلیں جہاز اُس کے حکم سے۔ اور تاکہ تلاش کرو تم اُس کے فضل سے، اور تاکہ تم شکر ادا کرو (۴۶) اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا آپ سے پہلے رسولوں کو اُن کی قوموں کی طرف۔ پس اُنے وہ اُن کے پاس کھلی نشانیاں لے کر۔ پھر انتقام لیا ہم نے اُن لوگوں سے جو گنہگار تھے اور ہم پر حق ہے مدد کرنا ایمان والوں کی (۴۷) اللہ کی ذات وہ ہے جو چلاتا ہے ہواؤں کو، پھر وہ اٹھاتی ہیں بادلوں کو۔ پھر پھیلاتا ہے اُس کو فضا میں جس طرح چاہے، اور بناتا اُس کو تہ بہ تہ۔ پس دیکھے گا تو بارش کو کہ نکلتی ہے اُس کے درمیان سے، پس جب پہنچاتا ہے وہ جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے تو اچانک وہ خوش ہو جاتے ہیں (۴۸) اور اگرچہ وہ تھے، قبل اس کے کہ اُن پر بارش اتاری جاتی، البتہ ناامید ہونے والے (۴۹)

رابطہ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے دینِ قیم کی طرف توجہ کرنے کا حکم دیا فرمایا کہ بھروسہ نہیں لوگوں کے کفر، شرک اور بد اعمالیوں کی وجہ سے رفساد برپا ہو چکا ہے اللہ نے بعض انسانی اعمال بد کا بدلہ دنیا میں دیا ہے اور تنبیہ کی ہے تاکہ لوگ باز آجائیں پھر ایمان اور اعمالِ صالحہ کی فضیلت کا ذکر فرمایا اور ساتھ یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کفر کو سمیٹ بھی پسند نہیں کرتا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمالِ صالحہ کی ترغیب اور کفر و شرک کی تردید فرمائی ہے۔

آبِ السَّمَاءِ تَعَالَى لِنَافِعِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَذَكَّرُونَ کا تذکرہ فرمایا ہے۔
 ارشاد ہوتا ہے۔ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَّاحَ مُبَشِّرَاتٍ بِرَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى
 کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ خوشخبری لانے والی ہوا میں چلاتا ہے۔ ان
 ہواؤں سے مراد وہ خوشخبردار ہوا میں ہیں جو بارش کی آمد سے پہلے چلتی ہیں اور جن سے
 بارانِ رحمت کے نزول کی امید پیدا ہوتی ہے۔ بارش کے ظاہری اسباب کے متعلق
 سائنسدان کہتے ہیں کہ سمندر کی فضا گرم ہوتی ہے تو اس سے بخارات اٹھتے ہیں
 جن میں پانی ہوتا ہے۔ پھر جہاں اللہ کی مشیت ہوتی ہے۔ ان بادلوں کو ٹاپک کہہ
 اُدھر لے جاتا ہے۔ اور بارش کا نزول ہوتا ہے۔ بہر حال ظاہری اسباب کے علاوہ اہل
 بات یہ ہے کہ جب اور جس جگہ کے لیے حکم خداوندی ہوتا ہے، اس مقام پر اتنی
 ہی بارش ہو جاتی ہے۔ جتنی مشیتِ ایزدی میں مقرر ہوتی ہے تو یہ بارش والی ہواؤں
 کا چلنا اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت کے دلائل میں سے ہے۔

قرآن پاک میں ہواؤں کے لیے چار الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن سے
 معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہوا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی علامت ہیں۔ وہ نام یہ ہیں۔
 (۱) مُبَشِّرَاتٍ یعنی خوشخبری سنانے والی (۲) نَشِيرَاتٍ (اٹھانے والی)
 (۳) مُرْسَلَاتٍ (پھینکی ہوئی)، (۴) ذُرِّيَّاتٍ رُكْرُوعًا اِرْتَانَةً والی۔ اسی طرح
 ہواؤں کے چار نام ایسے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ رحمت کی علامت ہیں اور مبرا
 کے طور پر چلائی جاتی ہیں۔

- (۱) عَقِيْبِيٌّ یعنی بانجھ یہ ہوا قومِ عاد پر چلی تھی۔
- (۲) صَوْرٌ صَوِيْرٌ یعنی تند و تیز ہوا جو جنگلوں اور صحراؤں میں چلتی ہے۔
- (۳) عَاصِفٌ یعنی تیز آندھی جو درختوں کو اکھاڑ دیتی ہے اور مکان گمراہ دیتی ہے۔
- (۴) قَاصِفَاتٍ یعنی توڑنے والی۔ جب سمندروں میں چلتی ہیں تو جہازوں کے
 تختے توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہیں۔

فرمایا کہ خوشخبری دینے والی ہواؤں کا ایک مقصد اللہ کے نزدیک یہ بھی ہے

وَلِيُذِيقَكُمْ مِمَّن رَحِمْتُمْ تَاكِرُ وَهُ تَمَّصِبِ اِنِّي رَحْمَتِ اُوْر مَرَبَانِي كَا مَرَا اِحْتَا
 جِب يِه هَو اِيْن جَلِيْتِي هِي اُوْر بَار اِن رَحْمَتِ كِي خُو شَجْرِي لَاتِي هِي تُوْر اَللّٰهُ تَعَالٰى كِي مَرَبَانِي
 هِي هُو تِي هِي ۔ سَمْنَد رُوْن هِي بَا دِي اِن كِشْتِيُوْن كِي جَلِيْن كَا اِنْحَصَار مَوَافِقِ هَو اُوْر
 پَر هِي هُو اِن هِي ۔ جِب يِه جَلِيْتِي هِي تُوْر مَافِر اِنِّي مَنزَلِ مَقْصُوْر ذِكْرِ سِنِجْتِي هِي اُوْر يِه
 بِي اِس كِي مَرَبَانِي هِي كَا نِيْتَجْرِه هُو اِن هِي اَجْكَلِ تُوْر بُوْر بُوْر جِهَازِ بَجَابِ يَانِيْلِ سِي
 چَلِيْتِي هِي ۔ لَاكْهُوْنِ ثُنْ دِزْنِي جِهَازُوْنِ كِي لِيِه بِي مَوَافِقِ هَو اِيْن بُوْرِي مَضِيْدِ نَابِتِ
 هُو تِي هِي اُوْر جِهَازِ كِي رِفَا ر قَدْرِي تِيَز هُو جَاتِي هِي ۔ اِس كِي بَر خَلَا تِ اَكْرِه هَو اِيْن
 نَا مَوَافِقِ هُو تُوْر بُوْرِي دَقْتِ پِيْشِ آ تِي هِي اُوْر جِهَازُوْنِ كِي رِفَا ر بَا كِلِ سُسْتِ
 پُوْر جَاتِي هِي يَا اِنْسِي رُو كِن پُوْر آ تِي هِي تُوْر مَطْلَبِ يِه هِي كِي هَو اُوْر كَا چَلْنَا بِيْر حَالِ
 اَللّٰهُ تَعَالٰى كِي رَحْمَتِ كِي دِيْلِ هِي ۔

تلاش مرق

فَرَمَا يِه هَو اُوْر كَا يِه فَا نِدِه بِي هِي وَ لِي تَجْرِي اَلْفُلْكِ بِاَمْرِهِ تَاكِرُ
 كِشْتِيَا تِ اَللّٰهُ كِي حَكْمِ سِي جَلِيْن ۔ جَلِيَا كِي پِيْلِي مَرَضِ كِي كِشْتِيُوْنِ اُوْر جِهَازُوْنِ كِي
 چَلِيْن كَا دَا رُو دِل رِبْتِ حَذْرِكِ هَو اُوْر پَر هِي ۔ اُوْر چِيْشِ اِس نَقْلِ وَ حَلِ كِي ذَرِيْعِي
 وَ لِي تَبْتَغُوْا مِيْن فَضْلِهِ اَللّٰهُ تَعَالٰى كَا فَضْلِ تَلَا شِ كَرُو ۔ اَللّٰهُ كِي فَضْلِ
 مِيْن بِيْتِ سِي چِيْزِي آ تِي هِي جِن هِي سِرْفِ مَرْتِ رِزْقِ حَلَالِ هِي لُو كِ كِشْتِيُوْنِ
 كِي ذَرِيْعِي اُوْر بُوْر بُوْر جِهَازُوْنِ كِي فَرِيْعِي مَالِ اِكْبِ جِكِه سِي دُوْر سَرِي جِكِه مَنقَلِ كِي
 تِجَارَتِ كَر تِي هِي اُوْر اِس طَرَحِ اِنِّي يِه رُوْرِي كَا سَا مَانِ پِيْلِي كَر تِي هِي ۔ اِمَامِ
 شَاهِ دِلِي اَللّٰهُ مَحْدَثِ دِلُوِي كِي اِصْطِلَاحِ مِيْن فَضْلِ اِرْتِفَاقِ كِي طَرَفِ اِشَارِه هِي
 يِعْنِي اِحْسِنِ طَرِيْقِي سِي زَنْدِ كِي بِيْسِرِ كَر نَا ۔ چِيَا نِچِ جِب كُوْنِي شَخْصِ مَحْنَتِ كَر كِي رِزْقِ
 حَلَالِ حَاصِلِ كَر تِي هِي لُو اِس كِي زَنْدِ كِي خُو شِ كُو اِر طَرِيْقِي سِي بِيْسِرِ هُو تِي هِي ۔
 قُرْآنِ پَا كِ مِيْن اِرْتِفَاقِ كَر اَللّٰهُ تَعَالٰى كِي فَضْلِ سِي بَعِيْرِ كِي كِيَا هِي ۔ چِيَا نِچِ سُورَةِ اَلْجُمُعَةِ
 مِيْن هِي وَ اِيْتِ عَوَا مِيْن فَضْلِ اللّٰهِ (اِيْتِ ۱۰) جِب مَانِثِ سِي فَا رِغِ
 هُو جَاؤُ تُوْر زَمِيْنِ مِيْن پِيْلِي جَاؤُ اُوْر اَللّٰهُ كَا فَضْلِ يِعْنِي رِزْقِ حَلَالِ تَلَا شِ كَرُو ۔

اس کے علاوہ دوسری چیز اقتراب یعنی اللہ کا قرب ہے جسے قرآن میں عنوان کا نام دیا گیا ہے جسے حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام کے متعلق فرمایا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا (الفتح - ۱۶) کہ وہ اللہ کا فضل یعنی رزق حلال اور اسکی رضا تلاش کرتے ہیں۔ جب تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق انجام دیے جائیں گے تو اس کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوگی اور اسی سے اللہ کا قرب حاصل ہوگا۔

اللہ کا شکر

فرمایا ہواؤں کے چلنے سے ایک مقصود یہ بھی ہے وَكَلَّمَكُمْ تَشْكُرُونَ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ دیکھو اس نے ہوا میں چلا کر تمہاری زلیت کے کیسے کیسے سامان پیدا کیے ہیں۔ سامان کی سب سے زیادہ نقل و حمل آج بھی بحری راستوں سے ہوتی ہے اور ایک ملک کی چیزیں دوسرے ملک میں پہنچ کر لوگوں کی ضروریات پوری کرتی ہیں۔ جس سے زندگی خوشحال ہوجاتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کا شکر ادا کرے۔ اور شکر یہ کا اولین اظہار اس طرح ہے کہ انسان اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے برعمل ضرورت کرے۔ فضول خرچی اور حرام کے راستے میں اپنے رزق کو ضائع نہ کرے۔ مالک حقیقی کو پہچان کر اس کی توحید پر ایمان لائے اور مال و دولت کو اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق خرچ کرے۔ اگر مال کو غلط راستے پر خرچ کر لیا، حرام کاموں میں لگانے گا۔ عیاشی اور فحاشی کا سامان کر لیا۔ یا رسوائت بد اور بدعات میں ضائع کر لیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہوگی۔ اللہ نے ہواؤں کو چلا کر فضا سے لیے زلیت کا سامان پیدا کیا ہے۔ تراپ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرو۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ ابنہ تحقیق ہم نے بھیجے آپ سے پہلے رسول ان کی اپنی اپنی قوم کی طرف قبائلاً وَهُمْ بِالْآيَاتِ پھر وہ کئے اپنی قوم کی طرف واضح نشانیاں لے کر۔ بیانات میں حجرات دلائل احکام مسائل اور شرائع سب شامل ہیں اللہ کے نبی لوگوں کی راہنمائی کے لیے

مہجرین سے
انتقام

یہی چیزیں پیش کرتے رہے۔ مگر لوگوں کی اکثریت نے ان کا انکار کیا۔ اور جیسا کہ آیت میں گنہگار چکائے كَانَ أَكْثَرُ هُمْ مَشْرِكِينَ ان کی اکثریت شرک میں ہی مبتلا رہی اور ایمان نہ لائی۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ ہر زمانے میں نافرمان، باغی، مشرک اور کافر اکثریت میں رہے ہیں۔ جب کہ اطاعت گزار لوگوں کی تعداد کم رہی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ہم نے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ کا پیغام پہنچایا۔ مگر جب وہ ایمان نہ لائے بلکہ اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی، انہیں جادوگر کہاں اور جھوٹا کہا تو اللہ نے فرمایا فَأَنْتَقِمْنَا مِنْ الَّذِينَ أَجْرُوا پھر ہم نے ان مجرموں سے انتقام لیا۔ انہوں نے انکار کیا تو سزا کے مستحق ٹھہرے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ انتقام کبھی تو دنیا میں ہی لیا جیسے قوم عاد، قوم ثمود، قوم نوح، قوم لوط اور قوم ابراہیم کو دنیا میں ہی تباہ و برباد کر دیا۔ اور مکمل طور پر آخرت میں ہی انتقام لیا جائے گا جب انہیں ان کی کارگزاری کی پوری پوری سزا ملے گی۔

نصرت الہی

فرمایا مَجْرُمُونَ سے تو ہم نے انتقام لیا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ اور مومنوں کی مدد کرنا ہم پر حق ہے۔ حق و باطل کی کشمکش میں اللہ تعالیٰ نے بااوقات اہل ایمان کی مدد فرمائی اور ان کو کافروں اور مشرکوں پر غلبہ عطا فرمایا، ان کو سزا سے بچایا اور ان کے دین اور صداقت کو دنیا میں واضح کیا۔ مومنوں کی مدد کی یہ بھی ایک صورت ہے۔

فقہائے کرام نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کس طرح حق ہے؟ بعض فرماتے ہیں کہ بندوں کا اللہ پر کوئی حق نہیں، بلکہ صرف اللہ کا حق بندوں پر ہے۔ اس لیے یہ اصحاب فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو اپنی دعائیں "بجی فلاں" نہیں کہنا چاہیے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَمْ يَخْلُقْكَ إِلَّا اللَّهُ لَمْ يَكُنْ خَلْقَكَ إِلَّا اللَّهُ لَمْ يَكُنْ خَلْقَكَ إِلَّا اللَّهُ لَمْ يَكُنْ خَلْقَكَ إِلَّا اللَّهُ اس پر ایمان لائیں، اس کی توحید کو تسلیم کریں، اسکے انبیاء پر ایمان لائیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ مگر ہر فرقوں میں معتزلہ ایک ایسا فرقہ ہے جو ہر چیز کو عقل

کے معیار پر دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو چیز عقل کی کسوٹی پر پوری نہ اترے اس کی الٹی سیدھی تاویل کر لیتے ہیں۔ اسی لیے ان لوگوں نے عذابِ قبر کا انکار کیا ہے اور معجزات میں کئی قسم کی تاویلیں کی ہیں۔ بہر حال معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جو چیز بندوں کے حق میں اچھی ہے، وہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ سو فیصدی باطل ہے، اسی لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ دعائیں حق کا لفظ استعمال نہ کیا جائے کہ اس سے معتزلہ جیسے گمراہ فرقے کی تائید ہوتی ہے۔

قرآن پاک میں حق کا لفظ دو مقامات پر استعمال ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حقوق اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اپنے ذمے لے رکھے ہیں۔ ایک آیت یہی ہے ذُصِّرَ الْمُؤْمِنِينَ یعنی اللہ نے ایمان والوں کی مدد اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ اور دوسری جگہ سورۃ یونس میں ہے۔ جَاؤا فَمَا حَقَّ عَلَيْنَا نَجْحَ الْمُؤْمِنِينَ (آیت - ۱۰۳) یعنی ایمان والوں کو نجات دینا ہمارے ذمے ہی ہے۔ اس سلسلہ میں محدثین اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ حق دو قسم کے ہیں۔ ایک وجوبی یعنی لازمی حق ہے جو کہ مخلوق میں سے کسی کا بھی اللہ پر نہیں ہے۔ البتہ دوسرا حق اللہ کے فضل و کرم کا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے اپنے فضل و کرم سے بعض چیزیں اپنے ذمے لازم قرار دے رکھی ہیں کہ وہ ایسا ضرور کرے گا۔ چنانچہ مذکورہ دونوں حق یعنی مومنوں کی مدد اور ان کی نجات کے حقوق اللہ نے خود اپنے فضل و کرم سے اپنے ذمے لے رکھے ہیں، ورنہ فی الواقعہ مخلوق میں سے کسی کا حق اللہ پر لازم نہیں آتا۔ اس بات کا ثبوت حدیث شریف میں بھی ملتا ہے صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما نے حضور علیہ السلام کے پیچھے خچر پر سوار تھے۔ اس دوران میں آپ نے فرمایا اے معاذ! اَتَدْرِي مَا حَقَّ لِلَّهِ عَلَيَّ الْعِبَادِ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ہی بترجاتے ہیں فرمایا حَقَّ لِلَّهِ عَلَيَّ الْعِبَادِ اَنْ يَّعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ

وہ اُس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ حضور علیہ السلام نے پھر فرمایا
 معاذُہُ اَکْبِیْتُمْ جَانْتُمْ ہُو کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ انہوں نے پھر عرض کیا، کہ
 اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اِنَّ لَّا یُعَذِّبُ مَنْ
 لَّا یُشْرِكْ بِہٖ شَیْئًا یعنی بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ اگر وہ شرک کا ارتکاب
 نہ کریں تو اللہ انہیں عذاب سے بچائے۔ یاں ہمہ اللہ نے یہ حق اپنے فضل و کرم سے
 اپنے فہم سے رکھا ہے وگرنہ خالق پر مخلوق کی کوئی چیز ضروری نہیں۔ آیت زبور
 میں نصرت مومنین کا جو حق اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے وہ بھی اُس کے فضل و کرم سے
 ہے اور اس طرح یہ بھی مومنوں کا لازمی حق نہیں بنتا۔

الغرض! معتزلہ کے عقیدے کے مطابق دُعَا میں حق کا لفظ استعمال کھربست
 نہیں ہے، البتہ اگر اس حق سے فضل و کرم والا حق مراد ہو تو پھر حق فلاں کہنا جائز
 ہے جیسا کہ شیخ سعدی کے کلام میں بھی موجود ہے

الہی بحق بنی فاطمہ

کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ

اے اللہ! حضور علیہ السلام کے اہل بیت کے طفیل یعنی اُن کے حق کی وجہ سے
 میرا خاتمہ ایمان پر کر دے۔ دوسرا لفظ طفیل بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کا معنی وسیلہ
 ہے۔ اسی طرح بجاہ کا لفظ بھی انہی معنوں میں آتا ہے۔ حضرت مجدد العتہ ثانیؑ نے
 اپنے مکتوبات میں بجزمت کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ اُن کے
 وسیلہ سے ہمارا خاتمہ بالا ایمان ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری پریشانیوں کو دور فرمائے اور ہماری مرادوں
 کو پورا کرے، ایسا کہتے ہیں کوئی صرح نہیں ہے۔ پھر وسیلہ سے بھی وہی وسیلہ مراد لینا
 چاہیے جو مشروع ہے۔ مشرک لوگ وسیلہ سے مراد لیتے ہیں کہ جن کے وسیلے سے دُعَا
 کی جا رہی ہے، وہ ضروری ہماری مراد پوری کرادیں گے۔ چاہے خدا تعالیٰ راضی ہو یا
 ناراض۔ اس قسم کا وسیلہ باطل ہے۔ البتہ اگر کہیں کہا جائے کہ مولا کریم! تیرا فلاں

بندہ نیک آدمی اور عبادت گزار تھا۔ ہمیں اُس سے محبت ہے، اُس نے ہمیں صحیح راستہ بتلایا، لہذا اُس کی برکت، اس کے طفیل یا اُس نے پہلے سے ہماری دعا مقبول فرماتا تو ایسا کہنے میں کوئی صرح نہیں۔ علمائے دین پر اس وسیلہ کے قائل ہیں، ہاں اس طریقے سے دعا مانگنا ضروری بھی نہیں کہ اس کے بغیر قبول ہی نہیں ہوگی۔

ارشاد ہوتا ہے اللَّهُ الَّذِي يُسَلِّطُ الرِّيحَ الشَّرْقِيَّةَ وَهُوَ ذُو فَتْحٍ مُّبِينٍ اور اللَّهُ الَّذِي يُسَلِّطُ الرِّيحَ الشَّرْقِيَّةَ وَهُوَ ذُو فَتْحٍ مُّبِينٍ ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے فَتْحٍ مُّبِينٍ پھر وہ ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ پھر پھیلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کو فضا میں جس طرح چاہتا ہے وَيَجْعَلُ السَّحَابَ مُرْتَجِلًا ہے اُس کو تھوڑے بربتہ فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ پھر تم دیکھتے ہو کہ بارش اُس کے درمیان سے نکلتی ہے یعنی خدا کے حکم سے بارش برتنے لگتی ہے فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ پھر جب پہنچاتا ہے، بارش پانے

بارش ذریعہ
مسرت

بندوں میں سے جس کو چاہے۔ یعنی جس علاقے میں بارش برسانا مقصود ہو، وہاں بارش ہونے لگتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ إِذَا هُمْ يَسْتَبِشِرُونَ تو اچانک وہاں کے لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کی باران رحمت ہو رہی ہے، زمین سرسبز ہوگی۔ پھل پھول اور اناج پیدا ہوگا جس سے انسان اور جانور مستفید ہوں گے۔ لہذا وہ خوش ہو جاتے ہیں وَإِن كَانُوا مِن قَبْلِ أَنْ يُنزَلَ عَلَيْهِمْ مِّن قَبْلِهِمْ كَمُبْتَلِينَ اگرچہ نازل باران سے پہلے وہ پاکس ہو چکے ہوتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط سالی ہوگی اور انسان اور جانور خوراک سے محروم ہو جائیں گے۔ لیکن خدا تعالیٰ کی مہربانی سے بارش ہو جاتی ہے تو لوگ خوش ہو جاتے ہیں کہ اب ان کی امید بڑانے والی ہے۔

فَانظُرْ إِلَىٰ آثِرِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي
 الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذَٰلِكَ لَمُسْحَبٌ
 الْمَوْجِيءُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾
 وَلَئِن أَرْسَلْنَا رِجًا فَرَاوَهُ مُصَفَّرًا لَّا يَلْمُوكَ
 مِنْ بَعْدِهِ يَكْفُرُونَ ﴿٥١﴾ فَإِنَّكَ لَا تَسْمَعُ
 الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمَعُ الصَّمَّةَ الدُّعَاءَ إِذَا
 وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٥٢﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَادٍ الْعَمَىٰ
 عَنْ ضَلَّاتِهِمْ إِنْ تَسْمَعُ إِلَّا مَنْ يُوْمِنُ
 بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٥٣﴾

۵۰

ترجمہ :- پس دیکھو اللہ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف
 کہ کس طرح وہ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہونے
 کے بعد۔ بیشک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے،
 اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۵۰﴾ اور اگر ہم
 بھیج دیں ہوا پس یہ دیکھیں اس رکھیت کو زرد تو
 البتہ ہو جائیں گے اس کے بعد ناشکر گزار ﴿۵۱﴾ پس بیشک
 آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو اور نہیں سنا سکتے بہوں

کو پکار جب کہ وہ پشت پھیر کر جاہے ہوں (۵۲) اور آپ نہیں ہدایت دے سکتے انہوں کو اُن کی گمراہی سے۔ آپ نہیں ساتے مگر اُن کو جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیتوں پر۔ پس وہ فرمانبرداری کرنے والے ہیں (۵۳)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا اور ساتھ ساتھ اپنی قدرت کی کچھ نشانیاں بیان فرمائیں جو اثبات توحید اور وقوع قیامت کی دلیل بنتی ہیں۔ ان نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو چلاتا ہے افضا میں بادل اٹھتے ہیں اور پھر اُن سے بارش برسا کر اپنی مخلوق کو خوش کرتا ہے اگرچہ لوگ قبل از بارش مایوس ہو چکے ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب بارش ہوتی ہے تو زمین میں روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔ پھل اچھول اور اناج پیدا ہوتے ہیں جو انسانوں اور جانوروں کے لیے خوراک بنتے ہیں اور اسی لیے یہ اُن کے لیے راحت کا سامان ہوتا ہے۔

اب اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاذْكُرْهُ الْاَثَرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ پس دیکھو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف کیفَ يَجِيءُ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا کہ وہ کس طرح زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے خشک ہو جانے کے بعد، اِنَّ ذٰلِكَ لَمَجِيءٌ الْمَوْتِ بے شک وہی مردوں کو زندہ کرے گا ہے یہی مشاہدہ اس بات کی علامت ہے کہ جو اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کرتا ہے اسی مرنے کے بعد انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے کوئی شے اس کے اختیار سے باہر نہیں ہے۔

اسی سے قیاس کیا جاسکتا کہ جب طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ مردہ دلوں کو انبیاء و معجزہ فرما کر اور اپنی کتابیں انزل فرما کر اُن کے لیے ہدایت کا سامان پیدا کرتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا اَوْ مَن كَانَ مَيِّتًا فَاحْيَيْنَاهُ دال الانعام ۱۱۲ جو شخص مردہ تھا یعنی جس کا دل ہدایت سے محروم تھا، کفر، شرک

آیات

وہ
زندہ

میں مبتلا تھا، ہم نے اُس کو ایمان کی دولت دے کر زندہ کر دیا۔ کافروں اور مشرکوں کے دل مردہ ہوتے ہیں۔ جب کہ ایمان اور توحید سے دلوں میں زندگی پیدا ہوتی ہے۔ حدیث شریفہ میں آتا ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والا آدمی زندہ ہے اور جو اس سے غافل ہے وہ مردہ ہے یعنی اس کا دل مردہ ہے۔

شکر گزار
اور ناشکری

انسان کی ناشکر گزاری کے متعلق فرمایا وَلَئِنْ أَرْسَلْنَا رِجْمًا فَرَأَوْهُ مُصْفًّى اور اگر ہم ایسی ہوا چلا دیں جس سے کھیت زرد پڑ جائیں یعنی سوکھ جائیں لَطَلُّوا مِنْ آبٍ بَعْدَهُ بِكَفِّهِمْ وَكَفُّوا عَنْكَ تُو اس کے بعد انسان ناشکری کرنے لگتے ہیں۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ خوشخبری لانے والی ہوائوں کو چلاتا ہے، فضا میں بادل بلند ہوتے ہیں اور پھر جہاں اللہ کو منظور ہوتا ہے، بارانِ رحمت نازل ہوتا ہے تو لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر اللہ تعالیٰ خشک ہوائیں چلا دے جس سے لوگوں کے کھیت خشک اور فصل دیران ہو جائیں تو انسان ناشکری کرنے لگتے ہیں۔ مطلب یہ کہ انسان کے پیش نظر اس کا اپنا مفاد ہوتا ہے اگر وہ حاصل ہو گیا تو راضی ہو گیا۔ ورنہ ناراض۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے پیش نظر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہونی چاہیے کہ وہ کن کاموں پر خوش ہوتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ لیطرف سے کوئی آزمائش آجائے جو انسان کے لیے غیر مفید ہو تو بھی اُسے اللہ کا شکر ہی ادا کرنا چاہیے اور کسی وقت بھی ناشکری کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

کفار کی
ساعت
سے محرومی

اگے ارشاد ہوتا ہے فَإِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَّ بَيْتِكَ أَبَیْ سِنًا سَكْتِ سُرُدُوں کو وَا لَا تَسْمِعُ الصَّمَّ الدُّعَاؤَ إِذَا وَلَقَىٰ مَدْبُرِيْنَ اور نہ آپ بہروں کو پکارنا سکتے ہیں جب کہ وہ پشت پیسر کر جائے ہو اور وَمَا أَنْتَ بِجَهْدِي الْعُمَىٰ عَن صَلَاتِهِمْ اور آپ انہوں کو بھی ان کی گمراہی سے ہدایت کی طرف نہیں لا سکتے۔ اِنْ تَسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ آپ تو صرف انہی کو سنا سکتے ہیں، جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔

حضور علیؓ والسلام خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچانے اور انہیں کفر و شرک کے
 اندھیروں سے نکال کر نور اسلام کی طرف لانے کی پوری پوری کوشش کرتے۔ اس
 کے باوجود جب لوگ آپؐ کی بات کو ماننے کے لیے تیار نہ ہوتے تو آپؐ سخت
 رنجیدہ ہوتے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو تسلی دی۔ جسے کہ مردوں اور بہروں
 کو سنانا اندھوں کو راہ ہدایت کی طرف لانا آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ آپ کی
 بات تو وہ شخص سُنے گا جو ہماری آیتوں پر ایمان لانا ہے اور ہم اُسے احکام کی اطاعت
 کرتا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کو مردوں اور بہروں اور اندھوں سے
 تشبیہ دی ہے جس طرح یہ لوگ نہ سُن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔ اور نہ دلائل قدرت
 کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی آیات سورۃ نحل اور سورۃ نمل میں بھی گنتی چلی ہیں اور
 آگے سورۃ فاطر اور زمر میں بھی آ رہی ہیں۔ ان میں مذکور مردوں سے مراد حقیقی
 مُردے نہیں بلکہ کافر و مشرک ہیں۔ جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں اور ان پر آیات الہی
 کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ گویا اس سُننے سے وہ سُننا مراد ہے جو کافروں اور مشرکوں کے
 لیے سفید ہو، وگرنہ اُن کے محض سُننے سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بلاشبہ کفار و مشرکین
 سُنتے تھے اور دیکھتے بھی تھے مگر احکام الہی کو سُن کر ایمان نہیں لاتے تھے، اس
 لیے فرمایا کہ آپ اُن کو نہیں سُنا سکتے یعنی راہ ہدایت پر نہیں لا سکتے جیسا کہ فرمایا
 إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَئِنَّ اللَّهَ يَهْدِي
 مَنْ يَشَاءُ (القصص: ۵۶) جسے آپ پسند کریں اسے ہدایت نہیں دے
 سکتے بلکہ ہدایت اُس کو ملتی ہے جس کو اللہ چاہے۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانوی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور امام بیضاویؒ نے بھی
 اس آیت سے یہی اخذ کیا ہے کہ جس طرح حقیقی مردے کسی کی بات سُن کر مستفیذ نہیں
 ہو سکتے اس طرح کافروں اور مشرکوں پر بھی اللہ کے نبی کی بات نہ سُننے کے برابر
 ہے۔ اگر حقیقی مردوں کو سارا قرآن بھی سُنا دیا جائے تو وہ اس سے کیا فائدہ اٹھائیں گے
 کیونکہ وہ دارالعمل سے دارالجزا میں پہنچ چکے ہیں۔ اسی طرح کافروں اور مشرکوں کے متعلق
 لے بیان القرآن ص ۱۶۲ سے مظہری ص ۲۵۲ سے بیضاوی ص ۲۲۲ (فیاض)

بھی فرمایا کہ آپ ان کو ایسی بات نہیں سنا سکتے جس سے وہ فائدہ اٹھا سکیں۔

سماحِ عمرتی
پر اختلاف

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ حقیقی مردے جو قبروں میں دفن ہو چکے ہیں کیا وہ بھی زندوں کی بات سنتے ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ کے بھی دو حصے ہیں یعنی عام مردوں کے انبیاء علیہم السلام۔ جہاں تک عام مردوں کا تعلق ہے، یہ مسئلہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے اختلافی چلا آ رہا ہے۔ بعض سماحِ عمرتی کے قائل ہیں اور بعض نے انکار کیا ہے۔ تاہم نصوص دونوں جاہل موجب ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سماحِ عمرتی کا انکار کرتی ہیں۔ جبکہ حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اس کے قائل ہیں۔ محدثین میں سے امام بخاریؒ نے سماحِ عمرتی کا باب لے کر لکھا ہے ”باب المیت یسمع قسح نعال“ یعنی جب لوگ مردے کو دفن کر کے واپس لوٹتے ہیں تو سرہ ان کے جو تلوں کی چاپ سنتے ہیں۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت انسؓ سے روایت بھی منقول ہے کہ جب تک کوئی شخص قبر پر جا کر سلام کرتا ہے تو اگر صاحبِ قبر اس شخص کو دنیا میں پہچانتا تھا، تو دعا اور سلام کے وقت بھی پہچانتا ہے۔ نیز وہ دعا کوئی دعا اور سلام کو سنتا ہے اور اس کا جواب بھی دیتا ہے۔ مگر فرمایا تم اس کی آواز کو نہیں سن سکتے۔ چنانچہ اسی اختلاف کے پیش نظر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ جو اختلاف صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ اس کے بارے میں اب کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا ایسے مسائل کو اپنی جگہ پر رہنے دو۔ کوئی شخص جس پہلو کو بھی اختیار کرے گا۔ وہ درست ہوگا، لہذا کسی شخص کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی حاشیہ قرآن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ کسی مردہ کو زندہ کر دے مگر تمہیں یہ قدرت حاصل نہیں کہ کسی مردہ کو بات سنوا سکو۔ اللہ جانتا ہے تو سب کچھ ہو سکتا ہے اسی طرح آپ نہ بہروں کو سنا سکتے ہیں اور نہ انہوں کو دکھا سکتے ہیں خصوصاً جب کہ وہ سننے اور دیکھنے کا ارادہ بھی نہ رکھتے ہوں، لہذا آپ ان کافروں اور مشرکوں کے متعلق دل بردار شہادہ نہ ہوں بلکہ تبلیغِ حق کا کام جاری رکھیں۔ آپ

کی بات وہی سنے گا جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتا ہے اور اطاعت گزار ہے۔
 سماع موٹی سے فقہائے کرام نے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی
 دوسرے کے متعلق قسم اٹھائے کہ میں اس سے بات نہیں کروں گا اور وہ سر جاتا
 ہے۔ پھر اگر اس نے مرنے کے بعد اُسے کسی معاملہ میں مخاطب کیا تو اس کی قسم بھی
 نہیں ٹوٹے گی کیونکہ قسم کا مدار عرف عام پر ہوتا ہے۔ کسی شخص کی دوسرے آدمی سے
 بات نہ کرنے کی قسم عرف عام میں اس کی زندگی تک ہی محدود سمجھی جاتی ہے اور
 اگر اس نے مرنے کے بعد بات کی ہے تو وہ حائث نہیں ہوگا۔ بعض فقہانے قسم
 نہ ٹوٹنے کی وجہ یہ لی ہے کہ مرنے کے بعد چونکہ وہ شخص مٹنے سے عاری ہو چکا ہے،
 لہذا اسے بات کرنے پر محمول نہیں کیا جائیگا اور نہ ہی قسم ٹوٹے گی۔ بہر حال صحیح بات یہی
 ہے کہ قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے نہ کہ سماع یا عدم سماع پر۔ عرف کی دوسری مثال اس
 طرح ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں فرش پر نہیں لیٹوں گا، مگر وہ زمین پر لیٹ جاتا
 ہے تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ کیونکہ عرف عام میں فرش سے مراد خالی زمین نہیں بلکہ
 بستر ہوتا ہے جس میں دری، چادر، گدا وغیرہ شامل ہو۔ علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی شخص گوشت
 نہ کھانے کی قسم اٹھا کر مچھلی کا گوشت کھائے تو بھی حائث نہیں ہوگا۔ کیونکہ عرف میں
 گوشت کا اطلاق گائے، بھیر، بھری وغیرہ کے گوشت پر ہوتا ہے حالانکہ خود اللہ تعالیٰ
 نے مچھلی کو **حَلْمًا طَرِيًّا** (فاطر - ۱۲) یعنی تازہ گوشت فرمایا ہے۔ اس کی مثال
 بھی دی جاسکتی ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ سری کا گوشت نہیں کھائے گا
 اور پھر صرٹیا کے سر کا گوشت کھائے تو کبھی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ سری کا اطلاق عرف عام
 میں جانوروں کے سر پر ہوتا ہے نہ کہ پھندوں کے سر پر۔ الغرض قسم کا معاملہ عرف پر مبنی ہونا
 ہے اور اسے عدم سماع موٹی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

قسم کا مدار
عرف پر

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے کہ عام مردوں کے سماع کے متعلق تو صحابہ کرام رضی
 اللہ عنہم کے زمانے سے اختلاف چلا آ رہا ہے لہذا ہمیں اس مسئلہ میں زیادہ کمرید کرنے کی ضرورت
 نہیں ہے، البتہ وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کے سماع کا مسئلہ متفق علیہ ہے۔

انبیاء کا سماع

امت کے تمام فرقے اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سنتے ہیں۔ صحیح حدیث کے الفاظ یہ ہیں مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِبًا أُبَلِّغْتُهُ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے قریب صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے میں اُس کو خود سنا ہوں اور جو دُور سے پڑھتا ہے تو فرشتے اُسے پہنچا دیتے ہیں۔ یہ حدیث اگرچہ غریب ہے مگر سند کے لحاظ سے صحیح ہے۔ تاہم اس زمانے میں عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے اس میں اختلاف کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی بھی نہیں سنتے۔ اُن کا استدلال یہ ہے کہ اگر انبیاء کے سماع کو تسلیم کر لیا جائے تو لوگ اُن سے استہزاء کو جائز تصور کر کے شرک میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ قیاس درست نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص تہی کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر پکارتا ہے تو وہ شرک ہے خواہ نبی کی زندگی میں پکارا جائے یا وفات کے بعد۔ لہذا ان دو مسائل کو آپس میں خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔

فقہائے کرام نے یہ مسئلہ بھی لکھا ہے جو شخص نبی کی قبر کے قریب جا کر سلام پیش کرے اُسے شفاعت کی درخواست بھی کرنی چاہیے کہ آپ اُس کے حق میں اللہ کے حضور سفارش کریں کہ میرا خاتمہ ایان پر ہو اور آپ کی امت میں میرا حشر ہو۔ بہر حال انبیاء کے سماع میں عام طور پر کسی کا اختلاف نہیں حتیٰ کہ جماعت المجددین کے پیشوا سید زبیر حسین دہلوی نے بھی اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام قریب سے صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔

آج سے تقریباً چھبیس سال پہلے اہل بدعت کے پیشوا مولوی احمد رضا خاں نے علمائے حق کے متعلق جب کفر کا فتویٰ دیا تھا تو مولانا خلیل احمد صاحب نے ”المہند“ مرتب کیا تھا جس میں انہوں نے چھبیس مسائل بیان کیے تھے جو بریلویوں کے فتویٰ کا جواب تھا۔ اس پر علمائے دیوبند کے علاوہ مصر، اور شام وغیرہ کے مسند علماء کے دستخط بھی موجود ہیں۔ ان مسائل میں حیات النبی کا مسئلہ بھی شامل ہے۔ علمائے دیوبند قائل ہیں کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور جو صلوٰۃ و سلام قریب سے پڑھا جائے،

اُس کو سنتے ہیں۔

عام مردوں
کا سماع

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ دنیا کا کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے کے بغیر انجام نہیں پاسکتا۔ البتہ جو کام انسان خود اسبابِ عادیہ کے دائرے میں رہ کر کرتا ہے، وہ ان کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور جو عام حالات کے برخلاف غیر معمولی طریقے سے انجام پاتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اراداً کھڑکی مار کر دوسرے کو ہلاک کر دیتا ہے تو وہ قاتل کہلا گیا اور اگر ایک مسمیٰ کتھکریاں پھینکنے سے دشمن کا سارا لشکر ہی ہلاک ہو جائے تو یہ اللہ کا فعل شمار ہوگا۔ کیونکہ یہ اسبابِ عادیہ کے تحت نہیں آتا۔ اس کی وضاحت خود اللہ تعالیٰ نے کر دی اور فرمایا وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی (الانفال - ۱۷) کتھکریوں کی مٹی اپنے نہیں پھینکی تھی اے پیغمبر! بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔ بالکل اسی طرح فَإِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتٰی كَمَا تَسْمِعُ الْحَيٰوةَ كَلَامِ كَرِّكَ اِیٰہِیْ اواز مردے کو نہیں سن سکتے کیونکہ یہ چیز اسبابِ ظاہرہ کے خلاف ہے، البتہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے تمہاری کوئی بات مردے کو سنائے تو اس سے کوئی حیرت منگنا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ جن باتوں کا سماع غیر معمولی طریقے سے نصوص کے ذریعے ثابت ہے۔ ہم اُس سماع کے قائل ہیں۔ بعض قیاس کی بنا پر دوسری چیزوں کو سماع کے تحت نہیں لاسکتے۔ مثلاً نص سے ثابت ہے کہ مردہ دفن کر کے جانے والوں کے جو قرون کی چاب سنا ہے تو اس کو تو تسلیم کریں گے مگر اس حد سے آگے نہیں جائیں گے۔ بعض صحیح احادیث سے سلام کو سنتے اور اس کا جواب دینے کا بھی ذکر آتا ہے مگر فرمایا تَمُّ اَنَّ كِیْ اَاز كُو نَمِیْسُ سَكْتِ۔ قبرستان میں جا کر مسنون طریقے پر کہا جاتا ہے اَسْلَمَ عَلَیْكُمْ یٰ اَهْلَ الْقُبُورِ۔ اَسْلَمَ عَلَیْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَاَنَا اِسْتَشَاءُ اللّٰهُ بِكُمْ لِاَحْقُوْنَ اے قبروں والو! تم پر سلام ہو۔ اے مسلمان قوم کے گھر والو! تم پر سلام ہو اور ہم بھی عنقریب تم سے ملنے والے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ خطاب ایسا ہی

ہے جیسے زندوں سے کیا جاتا ہے۔ اسی لیے مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں، کہ اگر مردوں کے سننے کا بالکل ہی انکار کر دیا جائے تو یہ تو تضحیک والی بات ہوگی کہ پختروں کی طرح سننے کی صلاحیت ہی موجود نہ ہو مگر انہیں اس طرح سے خطاب کیا جائے۔ خطاب کا یہ طریقہ بتا رہا ہے کہ سماع کی کوئی صورت ضرور ہے اگرچہ وہ ہمارے بس کی بات نہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسا شعور ضرور رکھا ہے جس کے ذریعے وہ سنتے ہیں خواہ ایک خاص حد تک ہی ہو۔

عذابِ قبر

بعض لوگوں نے سماع کا انکار کر کے عذابِ قبر کا بھی انکار کیا ہے حالانکہ یہ نصوص سے ثابت ہے۔ یہ بات بھی مسلم ہے کہ عذابِ روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ صرف روح کے ساتھ۔ اگر روح جسم سے باہر ہے۔ تب بھی اس کا عکس جسم پر پڑتا ہے جس سے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ سورج اگرچہ ہماری زمین سے کروڑوں میل دُور ہے مگر اُس کی روشنی اور حرارت کا اثر ہم تک پہنچتا ہے۔ اگر انسان کا سارا جسم گل مٹری بھی جائے تب بھی اس کا کچھ نہ کچھ حصہ باقی رہتا ہے جسے جزایا سزا کا احساس ہونا رہتا ہے۔ حدیث شریفین میں آتا ہے کہ عام مردوں کے اجسام گل مٹ جانے میں مگر دُچی کی ٹہی کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور باقی رہتا ہے اور اسی سے قیامت کو انسان کا ڈھانچہ دوبارہ کھڑا کیا جائے گا۔ بہر حال جمہور فقہاء اور محدثین اس بات کے قائل ہیں کہ عالمِ برزخ میں عذابِ قبر روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

حرفِ آخر

بہر حال ان آیات میں جس سماع کی نفی کی گئی ہے وہ ایسا سماع ہے جو مفید ہو۔ مطلب یہ کہ آپ مردوں کو ایسی بات نہیں سنا سکتے جس سے وہ فائدہ اٹھا سکیں۔ فرمایا جس طرح بہرہ اور اندھا سماعت اور بصارت سے مستفید نہیں ہو سکتا۔ خاص طور پر جب کوئی توجہ بھی نہ کرے اور پشت پھیر کر چلا جائے تو ایسے شخص کو سماعت کا کیا فائدہ ہوگا؟ اسی طرح کفار و مشرکین کی مثال بہروں اور اندھوں جیسی ہے، یہ لوگ بھی ہدایت سے مستفید نہیں ہو سکتے۔

اس سے تو وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو ایمان رکھتے ہیں۔ اور
ہماری فرما جبر طاری کرتے ہیں۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ
 مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ
 بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً ۖ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ
 وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ﴿۵۴﴾ وَيَوْمَ تَقُومُ
 السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا
 غَيْرَ سَاعَةٍ ۖ كَذَلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ﴿۵۵﴾
 وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ
 لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ
 فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَكِنَّكُمْ كُنْتُمْ
 لَا تَعْلَمُونَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُنْفَعُ الَّذِينَ
 ظَلَمُوا مَعذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ :- اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے

کمزوری سے پھر اس نے بنائی کمزوری کے بعد قوت - پھر بنائی قوت

کے بعد پھر کمزوری اور بڑھاپا - پیدا کرتا ہے جو چاہے اور

وہ سب کچھ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے ﴿۵۴﴾

اور جس دن برپا ہو گی قیامت تو قسم کھائیں گے مجرم کہ نہیں ٹھہرے وہ سوائے ایک گھڑی کے۔ اسی طریقے سے وہ پھیرے جلتے تھے (۵۵) اور کہیں گے وہ لوگ جن کو علم اور ایمان دیا گیا ہے البتہ تحقیق ٹھہرے ہو تم اللہ کی کتاب میں بعثت کے دن تک۔ پس یہ بعثت کا دن ہے، لیکن تم نہیں جانتے تھے (۵۶) پس اس دن نہیں فائدہ دیگا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا ان کا عذر پیش کرنا اور نہ ان کو موقع دیا جائے گا کہ وہ راضی کر سکیں (۵۷)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک کی تردید کے ساتھ اپنے رخ کو دین حق کی طرف پھیرنے کا حکم دیا۔ اہل ایمان اور کفار کا انجام بیان فرمایا اور پھر قدرت کے عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے۔ ہواؤں کا چلنا، سمندروں میں کشتی رانی فضا میں بادلوں کا پھیلنا اور بارش برسا اور اس کے ذریعے خشک زمین کو سرسبز بنانا سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ پھر اللہ نے بے انصاف لوگوں کے متعلق فرمایا کہ وہ ہدایت کی بات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے بلکہ وہ تو قیروں میں پڑے ہوئے سردوں کی مانند ہیں جنہیں کتنا بھی وعظ و نصیحت کیا جائے، وہ مستفیذ نہیں ہو سکتے۔ اس کی مثال بہرہ اور اندھا آدمی ہے کہ وہ بھی سننے اور دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہونے کی وجہ سے اچھی بات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی طرح کفار بھی ایمان اور نیکی کی بات سے محروم رہتے ہیں۔ اس کے برخلاف ہدایت ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو اس کے طلبگار ہوتے ہیں۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ انسان کی تخلیق اور اس پر ایسے تین مختلف ادوار کا تذکرہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ كُمْ مِنْ ضَعْفٍ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا کمزوری سے یعنی تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا فرمایا۔ انسان کی ابتدائی تخلیق تو مٹی سے ہوئی اور اس کے بعد نوع انسانی کے بقا

انسانی زندگی کے تین دور

کا سلسلہ حقیر قطرہ آب ہے۔ اللہ تعالیٰ خلاقِ عظیم ہے اور وہ قیامت تک انانوں کو پیدا کرتا ہے گا۔ اللہ نے دوسری جگہ فرمایا ہے اَلَمْ خَلَقْنَاكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ (المرسلات ۲۰) کیا ہم نے تمہیں حقیر قطرہ آب سے پیدا نہیں کیا؟ سورۃ الطارق میں فرمایا فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ خَلِقَ مِنْ مَّاءٍ ذَافِقٍ ﴿۶﴾ انان دیکھے کہ اُسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے اُسے اُچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو لپٹت اور سینے کی ٹہریوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ مطاب یہ کہ انان کی پیدائش ایک نہایت ہی کمزور چیز ہوتی ہے۔

اس کمزور ابتداء کے بعد فرمایا ثُمَّ جَعَلْنَا مِنْ مَّ بَعْدَ ضَعْفٍ قُوَّةً پھر تم میں قوت پیدا کر دی۔ بچپن سے لے کر جوانی تک انان نسبتاً کمزور حالت میں ہوتا ہے۔ پھر جب شباب کو پہنچتا ہے تو اس میں قوت آجاتی ہے۔ یہی زمانہ انان کے لیے قیمتی سرایہ ہوتا ہے۔ جوانی میں انان کی ساری قوتیں ٹھیک سے کام کرتی ہیں، وہ بہتر سوچ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت اچھے طریقے سے کر سکتا ہے، محنت مشقت کر کے اپنے لیے آسودہ حالی کا سامان پیدا کر سکتا ہے، گویا اس بہترین دور میں وہ دنیا اور آخرت دونوں کے لیے بہتر طور پر کام کر سکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ تمہاری بچپن کی کمزوری کو ہم نے طاقت میں بدل دیا۔

فَرَمَايَا ثُمَّ جَعَلْنَا مِنْ مَّ بَعْدَ ضَعْفٍ قُوَّةً وَ سَيِّبَةً پھر اللہ نے قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپے کو طاری کر دیا۔ جب جوانی کا زمانہ ختم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ انان پر بڑھاپا طاری کر دیتا ہے۔ اس کے بال سفید اور اعضا کمزور ہو جاتے ہیں۔ اس زمانے میں بہترین خوراک بھی انان کے لیے مفید ثابت نہیں ہوتی بلکہ وہ تنزل کی طرف ہی گامزن رہتا ہے۔ طاقت پائوں کمزور ہو جاتے ہیں جسم میں طاقت نہیں رہتی، آنکھوں کی بینائی اور کانوں کی سماعت جانے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ انان کا ذہن بھی ماؤف ہو جاتا ہے۔ حافظہ کمزور ہو کر یادداشت باقی نہیں رہتی۔ سورۃ المؤمن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض کو اس حالت سے پہلے ہی موت

دے دیتا ہے یعنی بعض بچپن میں اور بعض جوانی کے عالم میں فوت ہو جاتے ہیں۔ اور بعض بڑھاپے کی حالت میں رہا ہی ملک عدم ہوتے ہیں۔

بعض بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ اگر کسی انسان کی کل زندگی ساٹھ سال فرض کی جائے تو اس کی حقیقی زندگی بیسٹس سال ہی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان نے اسی زندگی یعنی تیسٹس سال تو سو کر گزار دیے۔ ابتدائی دس سال بچپن کے کھیل کود میں نکل گئے اور باقی اصل زندگی بیسٹس سال ہی رہ جاتی ہے جو انسانی زندگی کا بہترین عرصہ ہوتا ہے۔ اگر اس عرصہ میں انسان نے کوئی نیکی کمالی تو اس نے اپنی دائمی زندگی کے لیے راحت کا سامان پیدا کر لیا۔ اور اگر یہ مدت کھیل کود، کفر شرک، بدعات اور رسوماتِ فاسدہ میں گزار دی تو پھر اس کی یہ زندگی بھی ضائع ہو گئی اور اگلی زندگی تو ہمیشہ کے لیے خراب ہو گئی اور ایسا شخص ہمیشہ کے لیے نقصان میں پڑ گیا۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح انسان کی انفرادی زندگی میں مختلف ادوار آتے ہیں، اسی طرح قومی اور ملی زندگی کے بھی ادوار ہوتے ہیں۔ ملتِ اسلامیہ کی حالت کو دیکھئے، یہی زندگی میں مسلمانوں کی حالت کمزور تھی اور یہ ابتدائی ضعف کا زمانہ تھا۔ پھر مدنی زندگی میں اللہ نے مسلمانوں کو قوت بخشی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچاس سال کے قبل عرصہ میں نصف دنیا مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ چکی تھی اس کے بعد پھر انحطاط کا دور شروع ہوا جو ملی زندگی میں بڑھاپے کے مشابہ ہے۔ مسلمان قوم بحیثیتِ مجموعی ہر جگہ کمزور ہے اگرچہ تعداد بہت زیادہ ہے مگر دینی قوت مفقود ہو چکی ہے۔ اس انحطاط کے اسباب میں اہل اسلام کا انتشار، نظامِ خلافت سے محرومی، ملوکیت اور ڈکٹیٹر شپ، اتحادی طاقتوں یعنی عیسائیت، یہودیت اور دہریت کا دور دورہ، شرک کی بہتات، بد اخلاقی، عربانی، فحاشی اور شیطان کا اغوار وغیرہ شامل ہیں، خواص ان حالات میں ہمیشہ منتظر رہے ہیں اور مسلمانوں کو اس پستی سے نکالنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ قومی دلی شعور رکھنے

ملتِ اسلامیہ
کے ادوار

والے اصحاب، علماء، ماہرین، مفکرین اور مجاہدین باطل قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے سیکھیں بناتے رہتے ہیں، مگر جب تک نیچی برائی پر غالب نہ آجائے گا میاہی نظر نہیں آتی۔ بہر حال فرمایا کہ جس طرح انسانی زندگی میں ضعف و قوت کے ادوار آتے رہتے ہیں، اسی طرح قوموں کا عروج و زوال بھی منضہ شہود پر آتا رہتا ہے۔

فرمایا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ اللَّهُ تَعَالَى پیرا کہرتا ہے جو چاہے۔ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ وہ سب کچھ جاننے والا اور قدرت تامہ کا مالک ہے۔ بہر حال انسانی زندگی کے مختلف ادوار میں غمز کیا جائے تو اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آسکتی ہے۔

ذیادہ شرح
کی زندگی

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا کچھ حال بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ اور جس دن قیامت برپا ہوگی، يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ اُس دن گنہگار لوگ قسمیں اٹھا کر کہیں گے مَا كُنَّا نَعْلَمُ سَاعَةَ يَوْمَ نَكْفَرُ ہم گھٹری بھر کے سوانہیں ٹھہرے۔ كَذَلِكَ كَانُوا يُفَكَّرُونَ اسی طریقے سے یہ دنیا میں بھی بہکٹے جلتے تھے، جب قیامت والے دن مجرمین سے پوچھا جائے گا کہ تم گناہوں کے اتنے بڑے انبارے کہ کٹے ہو، بھلا بناؤ تو وہاں کتنا عرصہ زندگی بسر کی، تو وہ جواب دیں گے کہ ہم تو بس زیادہ سے زیادہ ایک گھٹری بھر ٹھہرے ہیں۔ اتنے تھوڑے وقت میں ہم پر کوئی حجت قائم نہیں ہوتی لہذا ہمیں محاسبہ اعمال سے متعلقہ قرار دیا جائے، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ گنہگار لوگ آخرت کی دائمی زندگی کے مقابلہ میں دنیا کی پچاس یا سو سالہ زندگی کو بالکل قلیل یعنی ایک گھٹری کے برابر سمجھ کر مذکورہ بیان دیں گے، سورۃ یونس میں بھی ہے وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ يَلْبَسُوا الْاَسَاعَةَ مِنَ النَّهَارِ (آیت ۴۵) جس دن خدا تعالیٰ انہیں اکٹھا کرے گا تو ایسا خیال کریں گے گویا کہ وہ دن کی ایک گھٹری بھر دنیا میں ٹھہرے ہیں۔ بس یوں سمجھ لو جیسے دن کا دوپہر کا وقت یا پچھلا پہر ہوتا ہے، بعض مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ برضی زندگی کے متعلق کہیں گے کہ وہ گھٹری بھر ٹھہرے۔ بعض اس

کو نفع اولیٰ اور نفع ثانیہ کے درمیانی عرصہ پر محمول کہہ تے ہیں کہ ہم قصوراً عرصہ محصرے طالعہ
یہ بھی کم و بیش چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کی دنیاوی زندگی سچاس اساعڑ اور سو سال
تک بھی محیط ہوتی ہے اور عالم برزخ میں تو صدیاں بھی بہت سکتی ہیں۔ ان حالات
میں گھڑی بھر زندگی کا دعویٰ کرنا تو محض جسورٹ ہے۔ مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ انسان
برزخ کی زندگی میں تو جسورٹ نہیں بول سکتے، کیونکہ جو تہی قبر میں متحرک نہیں ہوا کرتے
ہیں تو گنہگار آدمی کہتا ہے ہَا هَا لَا اَدْرِعُ مَا تَعْمَلُ اَفْسُوسِ اَمِیْنِ اس کے
متعلق کچھ نہیں جانتا۔ البتہ حشر میں بعض موقعے ایسے بھی آئیں گے کہ لوگ اپنی کرتوتوں

سے گمراہی گئے حتیٰ کہ سب بڑے مجرم مشرک بھی کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا
كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (الانعام - ۲۳) بخدا ہم تو شرک نہیں کیا کرتے تھے۔ مگر
اُن کا انکار ہرگز مفید نہیں ہوگا۔ اللہ کا فرمان ہے کہ اگر کوئی شخص زبان سے
غلط بیانی کرے گا، تَرٰ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰکَ اَفْوَاهَهُمْ وَتُكَلِّمُنَا
اَیْدِيَهُمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۔

(یس - ۶۵) ہم اُن کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور پھر ان کے ہاتھ پاؤں
ان کے کرتوتوں کے متعلق بول کر گواہی دیں گے۔ اور بالآخر گنہگار آدمی اپنے
گناہوں کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ بہر حال فرمایا کہ جس طرح گنہگار لوگ دنیا کی
زندگی کو گھڑی بھر پر محمول کریں گے، اسی طرح دنیا میں بھی یہ حقیقت سے دوسری
طرف پھیر جاتے تھے۔ انہوں نے ایمان اور توحید کا انکار کیا اور آج گرفتار مصیبت

مجرمین کے مذکورہ بیان کے برخلاف وَقَالَ الَّذِیْنَ اٰتُوْا الْعِلْمَ
وَالَّذِیْنَ اٰتُوْا الْعِلْمَ اور صاحب علم اور صاحب ایمان لوگ گواہی دیں گے کہ گنہگار وہ غلط کہتے

ہو۔ حقیقت یہ ہے لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ الْحٰقِ یَوْمَ
الْبَعْثِ کہ اللہ کی کتاب کے مطابق تم یوم البعث تک محصرے ہو۔ اللہ کی کتاب
سے مراد لوح محفوظ یا اللہ کا علم ہے۔ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ اَجْ دُبَارَہِ جِ اَلْحَقِّ

کا دن ہے۔ اللہ نے تمہیں موت دیتے کے بعد آج دوبارہ زندہ کیا ہے اور تم اس دن تک دنیا اور پرزخ کی زندگی میں بھٹے ہو وَلَکُمْ کُمْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ مگر تم دنیا میں بچتے بعد الموت کو نہیں جانتے تھے اور اس دن کو جھٹلاتے تھے۔ اب تمام حقائق واضح ہو چکے ہیں لہذا تمہارا انکار کچھ مفید نہیں ہوگا۔

ظالموں کی
بے بسی

فَرَأَىٰ فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعذِرَتُهُمْ
اِس دن ظلم کرنے والوں کی معذرت داری کچھ فائدہ نہیں دیگی۔ جو شخص دنیا کی زندگی میں اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے، ایمان اور توحید کو اختیار کر لیتا ہے تو یہ معذرت تو قابل قبول ہوتی ہے مگر محاسبے اور جزائے عمل کے وقت کوئی معذرت قابل قبول نہیں ہوگی۔ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ اور نہ ہی ان کو وہاں راضی کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ استعتاب کا معنی ناراضگی کو دور کرنا ہوتا ہے جیسے معنی کہتا ہے
قَلَّ اَعْتَابٌ وَطَالَ عِتَابٌ

یعنی راضی کرنے والی بات کم ہے اور ناراضگی والی بات زیادہ ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ اس کا ترجمہ فرماتا کرتے ہیں۔ یعنی اُس دن وہ خدا تعالیٰ کو مان نہیں سکیں گے یعنی راضی نہیں کر سکیں گے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ
 مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ لَيَقُولَنَّ
 الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مَبْطُلُونَ ۝۵۸
 كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ
 لَا يَعْلَمُونَ ۝۵۹ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا
 يَسْتَخِفُّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ۝۶۰

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے بیان کی ہیں لوگوں
 کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں۔ اور اگر آپ
 لائیں ان کے پاس کوئی نشانی تو کہیں گے وہ لوگ جنہوں
 نے کفر کیا کہ نہیں ہو تم مگر باطل پرست ۵۸ اسی طرح
 اللہ تعالیٰ مہر کرتا ہے ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں
 رکھتے ۵۹ پس آپ صبر کریں بیشک اللہ کا وعدہ
 برحق ہے۔ اور نہ نخیف بنائیں آپ کو وہ لوگ جو یقین
 نہیں رکھتے ۶۰

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اور اس کی زندگی کے تین ادوار
 کا ذکر کیا۔ انسان کی پیدائش اور بچپن کمزوری اور ناتوانی کا دور ہوتا ہے۔ پھر جب وہ سن بچت
 کو پہنچتا ہے تو یہ اس کی قوت کا زمانہ ہوتا ہے۔ آخر میں پھر انسان کے اعضاء کمزور پڑنے

سکتے ہیں اور یہ اُس کے بڑھاپے کا دور ہوتا ہے۔ انسان آہستہ آہستہ کمزور ہو کر ختم ہو جاتا ہے اللہ نے ان تینوں ادوار کو اپنی قدرت کا نمونہ قرار دیا ہے کیونکہ وہ قادر مطلق اور عظیم کل ہے پھر قیامت کے متعلق فرمایا کہ مجرم لوگ قسمیں اٹھا کر کہیں گے کہ ہم دنیا یا برزخ میں ایک گھٹری بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ اس کے برخلاف اہل علم کہیں گے کہ اللہ کے حکم اور اُس کی کتاب کے مطابق تم یوم البعث تک ٹھہرنے ہو جس میں سے کچھ عرصہ دنیوی زندگی کا ہے اور باقی حصہ عالم برزخ کا۔ اُس دن ظالموں کی طرف سے کی گئی کوئی معذرت قابل قبول نہیں ہوگی اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکیں گے۔ انہیں اپنی بعقیدگی اور بدعلی کی سزا بھگٹنا ہوگی۔

نزولِ قرآن کے زمانہ میں ایرانیوں کو رومیوں پر فتح حاصل ہو چکی تھی۔ اُس وقت مسلمان نہایت کمزور حالت میں تھے اور اُن کی دلی بہادر دی روم کے عیسائیوں کے ساتھ تھی کیونکہ وہ اہل کتاب تھے، اُدھر مشرکین مکہ اپنے شرک کی وجہ سے ایرانی مجوسیوں کے ہمنوا تھے۔ اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کی ابتدا میں پیشین گوئی فرمادی کہ چند سالوں کے اندر اندر رومی عیسائی دوبارہ غالب آجائیں گے۔ اس میں یہ اشارہ موجود تھا کہ عسقریب مسلمان بھی مشرکین مکہ پر غالب آجائیں گے۔ اُس زمانے میں مسلمانوں کی عسارت نہایت کمزور تھی۔ مشرکین کی طرف سے اُن پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو قائم و دائم پر غالب فرمائے گا۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی حروف بکروف پوری ہوئی اور پچاس سال کے عرصہ میں آدھی دنیا مسلمانوں کے زیر نگیں آچکی تھی، تاہم اس کچھ بعد پھر تغیرات شروع ہو گئے اور مسلمان انحطاط کا شکار ہونے لگے۔

اشمال القرآن

اب اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر کیا ہے۔ اس کی تفسیر توحید کے اثبات اور وقوع قیامت کے متعلق قرآن پاک میں بہت سی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ اور البتہ تحقیق ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں

بیان کی ہیں۔ عربی زبان میں ضرب کا معنی مارنا، سفر کرنا اور بیان کرنا بھی ہوتا ہے۔ اس مقام پر مراد بیان کرنا ہی ہے۔ اللہ نے مختلف سورتوں میں تقریباً فہم کے لیے بہت سی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ اگلی سورۃ لقمان میں مسئلہ توجہ سے متعلق مثال بیان کی گئی ہے۔ وقوع قیامت کے متعلق مثالیں سورۃ اعراف اور سورۃ حج میں گزر چکی ہیں اور خداوندی کی مثال سورۃ نور میں گزر چکی ہے۔ شرک کے بودا پن کی مثال گذشتہ سورۃ العنکبوت میں بیان ہوئی تھی۔ اسی طرح منافقین اور کفار کے طرز عمل کی مثالیں اللہ نے مختلف سورتوں میں بیان فرمائی ہیں، احق و باطل کی مثال، مومن اور کافر کی مثال، عطا کرنے والے کی مثال، دنیوی زندگی کی مثال، اکلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال اور ریاکاری وغیرہ کی مثالیں مختلف سورتوں میں بیان ہوئی ہیں۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ ہم نے قرآن پاک میں لوگوں کو سمجھانے کے لیے بہت سی مثالیں بیان کی ہیں کسی مسئلہ میں مثال کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے تاکہ مقصد کی وضاحت ہو جائے۔ بعض موٹے موٹے مسائل تو آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں۔ تاہم بعض باریکہ چیزوں کو مثال کے ذریعے فہم کے قریب کر دیا جاتا ہے۔

بعض مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ مثال سے مراد مثال بھی ہو سکتی ہے اور اس صفت بھی مراد لی جاسکتی ہے جیسا کہ گذشتہ آیت ۲۴ میں گزر چکا ہے **وَلَهُ الْمَثَلُ** **الَّذِي خَلَفَ فِي السَّكَّاتِ وَالْمَرَضِ اسْمَاءُ** اور زمین میں اللہ کی صفت بہت بلند ہے۔ بہر حال اللہ نے قرآن پاک میں مختلف الانواع چیزیں بیان فرمائی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے یا پھر دیگر بار ایک چیزیں آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے **اَلَمْ يَجْعَلْ لَكُمْ اَلْسِنًا لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ** اور اگر آپ ان کفار و شرکین کے پاس کوئی نشانہ نہ لے کر آئیں، کوئی معجزہ یا دلیل پیش کریں **لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُونَ** تو کافر لوگ کہیں گے کہ تمہیں جو کلمہ باطل راستے پر یہ بے نجات حق کو باطل کہہ کر انکار کر دیں گے مبطلب یہ کہ ہٹ دھرم اور بے عقیدہ لوگوں کے سامنے کوئی مثال یا کوئی

نشانی پیشس کی جائے تو وہ اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے کسی چیز کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے بلکہ اُن کے کفر میں اضافہ ہو جاتا ہے اور حتی پرستوں کو باطل پرست کا خطاب دیتے ہیں۔ حتی کہ اللہ کے سچے کلام کو بھی من گھڑت کہہ کر تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

فَرَأَىٰ كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ
 اسی طرح اللہ تعالیٰ مُرکبہ دینا ہے اُن لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے۔ نہ اُن کے پاس حقیقی علم ہے اور نہ وہ حقیقت کی سمجھ رکھتے ہیں، محض ضد اور عناد سے کام لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں پر ایسا ٹھپہ لگا دیتا ہے کہ پھر وہ ہدایت کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ سورۃ بقرہ کی ابتدا میں فرمایا خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اُن کے دل سر مہر کر دیے ہیں اور اُن کے لیے عذاب عظیم ہے۔ اللہ نے یہ مُر شروع میں ہی نہیں لگا دی بلکہ اُسے ہدایت قبول کرنے کا پورا پورا موقع فراہم کیا ہے۔ کُلُّ مَوۡلُوۡدٍ یُّوۡدُّ عَلٰی الْفِطۡرَةِ ہر نوزاد مولود یکھ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے مگر بعد میں وہ خود اس فطرت کو بگاڑ کر غلط راستے پر چل نکلتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب انسان پہلی مرتبہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرے تو وہ داغ دہل جاتا ہے اور اگر برائی پر اصرار کرتا ہے تو آہستہ آہستہ سارا دل داغ دھبوں سے سیاہ ہو جاتا ہے۔ اسی حالت کے متعلق سورۃ المطففین میں فرمایا ہے کَلَّا یَسۡتَدۡرِیۡنَ اَنۡ یُّکۡفِبُوۡنَ (آیت ۱۴۰) اُن کی براہ عملیوں کی وجہ سے اُن کے دلوں پر رنگ چڑھ جاتا ہے اور پھر وہ بالکل ناکارہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اسی چیز کو دلوں پر ٹھپہ لگانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

صاحب کشف المحجوب حضرت علی جویریؒ لکھتے ہیں کہ حجاب دو قسم کا ہوتا ہے ایک زینی یعنی رنگ والا اور دوسرا یعنی یعنی دھوئیں یا تاریکی والا اچھے منہ پایا اِنَّہٗ یُعۡفٰنُ عَلٰی قَلۡبِیۡ بے شک البتہ میرے دل پر تاریکی ہی چھا جاتی ہے

فرماتے ہیں کہ غیبی حجاب تو توبہ استغفار سے دُور ہونا جاتا ہے مگر یہی عذاب کو الٹرنے نہر یا پٹھے سے تعبیر کیا ہے جو پختہ ہو جاتا ہے اور پھر اس کے اترنے کے تمام مواقع ختم ہو جاتے ہیں سورۃ النساء میں ہے **بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ كَابُفْرِ هُمْ** (آیت ۱۵۵) اللہ نے اُن کے کفر کی وجہ سے اُن کے دلوں پر پٹھے لگا دیے ہیں۔ جس سے اُن کی قبولیت حق کے لیے صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے اور اُن کی اصلاح کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی ہے۔ یہاں بھی فرمایا کہ ہم اسی طرح بے سمجھ لوگوں کے دلوں پر پٹھے مار دیتے ہیں۔

جو لوگ سمجھ اور عقل سے کام نہیں لیتے۔ وہ جہل مرکب کا شکار ہوتے ہیں۔ جہالت دو قسم کی ہے یعنی جہل بسیط اور جہل مرکب۔ جہل بسیط سادہ اور محض لاعلمی ہوتا ہے۔ جو حصول علم سے دُور ہو جاتا ہے اور اس جہل میں مبتلا شخص کی اصلاح ممکن ہوتی ہے۔ البتہ جہل مرکب یہ ہے کہ انسان کسی غلط چیز پر پختہ ہو جائے اور اُسے اچھا سمجھ کر اُس پر کاربند ہو جائے۔ ایسے جہل کی اصلاح ممکن نہیں رہتی کیونکہ ایسا شخص غلط کو صحیح سمجھ رہا ہے لہذا وہ کبھی بھی اُس سے باز نہیں آئے گا۔ صاحب تفسیر روح المعانی ایک لطیفے کی بات لکھتے ہیں۔

قَالَ حِمَارُ الْحَكِيمِ يَوْمًا لَوَأْنَصَفُونِي لَكُنْتُ أَكْبَرُ

لَا تَنِي جَاهِلٌ يَسِيطٌ وَصَاحِبِي جَاهِلٌ مَسْكَبٌ

ایک روز ایک دانشور آدمی کے گھر سے لے کر لوگ انصاف سے کام لیں تو مجھے میرے آقا پر سوار ہونے کا زیادہ حق ہے کیونکہ میں تو صرف جہل بسیط میں مبتلا ہوں۔ جب کہ میرا یہ مالک جہل مرکب کا شکار ہے بہر حال جو لوگ عقل اور سمجھ سے کام نہیں لیتے بلکہ غلط چیز پر ہی اڑے رہتے ہیں، وہ جہل مرکب کا شکار ہو کر ناقابل اصلاح بن جاتے ہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا ہے **فَاصْبِرْ** **إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ** آپ صبر سے کام لیں کیونکہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔

سورة آل عمران میں فرمایا وَلَسَّمَعْنُ مِنَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ
 وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذْيَ كَثِيرٍ (آیت - ۱۸۶) آپ
 کو اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے بہت سی تکلیفیں تھیں وہ باہنیں سننی پڑیں گی
 اگر آپ نے صبر کا دامن تھامے رکھا اور تعوی کو شعار بنایا تو کامیابی آپ ہی کے
 حصے میں آئیگی۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا
 تَحْتَدَنَّ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ
 (المحل - ۱۲۷) آپ صبر کریں کہ یہ توفیق انبندی سے ہی ممکن ہے۔ آپ ان کے بارے

میں غمزدہ نہ ہوں اور ان کی تدبیروں سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ وَلَا يَسْتَحْضِنُكَ
 الَّذِينَ لَا يُؤْقِنُونَ یہ بے یقین لوگ اپنی سازشوں سے آپ کو ہلکانہ بنا دیں
 صبر، شکر، ذکر اور تعظیم شعائر اللہ ملت ابراہیمی کے بڑے بڑے اصول ہیں
 اکثر دیکھا گیا ہے کہ ان اصولوں کو ترک کر لینی وجہ سے ہی ملت اسلامیہ کو نقصان پہنچا
 ہے۔ مسلمانوں نے عام طور پر توحید کی بجائے شرک کو اختیار کیا ہے۔ صبر کی بجائے
 بے صبری، شکر کی بجائے ناشکری، ذکر کی بجائے غفلت کو اختیار کیا ہے۔ شعائر اللہ

کی تعظیم کی بجائے توہین کے مرتکب ہوئے ہیں۔ سنت کے دعویدار بدعات اور
 خرافات کے مرتکب ہوئے ہیں جس کا نتیجہ مسلمانوں کی ناکامی کی صورت میں نکل رہا ہے
 بہر حال فرمایا کہ آپ صبر کریں، اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے، وہ ضرور مسلمانوں کی جماعت
 کو کامیاب فرمائے گا۔ اور دین کو غلبہ عطا کرے گا۔ سورة الضحیٰ میں بھی پیشین گوئی فرمائی
 وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ (آیت - ۲۰) آپ کا آخر
 ابتداء سے بہتر ہوگا، لہذا آپ صبر کرتے ہوئے اپنے مشن کو جاری رکھیں۔

بزرگان دین کا قول ہے کہ عقل مند وہ آدمی ہے جو دس چیزوں کو دس چیزوں
 سے تبدیل کرتا ہے اور ان پر صبر کو اولیت حاصل ہے تو عقلمندی کی علامت یہ ہے
 کہ آدمی جزع جزع کو صبر سے تبدیل کرتا ہے۔ نیاں کو ذکر سے، کفران نعمت
 کو شکر سے، نافرمانی کو اطاعت سے، نجل کو سخاوت سے، کفر کو یقین سے، ریا

کو اخلاص سے، اصرار کو توبہ سے، کذب کو صدق سے اور غفلت کو تفکر سے تبدیل کرتا ہے۔

امام ابن کثیر ^{رحمہ اللہ} نے سورۃ روم کی تفسیر کے آخر میں امام احمد بن حنبل کے حوالے سے روایت بیان کی ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعض صحابہ نے بیان کیا کہ آپ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۃ روم تلاوت فرمائی۔ آپ کو نماز میں کچھ وہم اور محبول ہو گئی۔ جب حضور علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ ہم پر قرآن کو عیب کیا جاتا ہے یعنی تلاوت قرآن میں گمراہی ہوئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اچھی طرح وضو کر کے نہیں آتے۔ فرمایا جو شخص ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہوتا ہے اس کو اچھے طریقے سے وضو بنانا چاہیے۔ ورنہ اس کا اثر ہم پر پڑتا ہے اور قرآن کی تلاوت میں گمراہی ہوتی ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند اور متن حسن ہیں۔ امام صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ متعلق ہوتی ہے دوسری حدیث میں صراحتاً موجود ہے **إِلَّا مَا هُرِّفْنَا مِنْهُ** یعنی امام مقتدیوں کا ضامن ہوتا ہے اگر اس کی نماز صحیح ہو گی تو مقتدیوں کی نماز بھی درست ہوگی اور اگر امام کی نماز فاسد ہے تو مقتدیوں کی بھی فاسد ہوگی۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ ^{رحمہم اللہ} اسی بنا پر امام کے پیچھے مقتدیوں کی قرأت کے قابل نہیں ہیں۔

کثیر
کا اثر امام پر

مَجَالِ الْعَرَبِيَّةِ وَدُرُوسِ الْقُرْآنِ

افادات

مفتقرآن
حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔ اے۔ علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن مجاہد اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

جنرل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

خزانی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ

محمد منیر صاحب Ph: 4221943

مکتبہ دُرُوسِ الْقُرْآنِ گوجرانوالہ